الطبعة الاوّل
روضة الطالب
فی
اخبار آل ابی طالب
تالیف
سید قمر عباس اعرجی حسینی ہمدانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الطبعة الاوّل
روضة الطالب
فی
اخبار آل ابی طالب
تالیف
سید قمر عباس اعرجی حسینی ہمدانی

إِدَارَةُ نَقَابَةِ السَّادَةِ الأَشْرَافِ

نام کتاب ...... روضۃ الطالب فی اخبار آل ابی طالب

نام مؤلف ...... سید قمر عباس اعرجی حسینی ہمدانی qamaralaraji@gmail.com

تاریخ اشاعت ...... نومبر 2019ء

بار ...... اول

تعداد 500

صفحات 664

قیمت 1500

منشورات

مانچسٹر، یو۔کے

ناشر

فیصل آباد۔ پاکستان

کتاب حاصل کرنے کیلئے

- ترابی پبلیکیشنز، کراچی، فون: 0341-2135807
- کریم پبلی کیشنز سمیع سنٹر 38 اردو بازار، لاہور، فون: 0300-4529232, 042-37122772
- محمد علی بک ایجنسی (اسلامی ثقافتی مرکز) اسلام آباد فون: 0321-5291921,0333-5234311
- 9Gems، سید خرم عباس نقوی، فون: 0334-9921302
- شاہ شہابل فاؤنڈیشن، فیصل آباد (پیر سید اعجاز حسین شاہ) فون: 0300-6667720
- سید عمران حسین شاہ، راولپنڈی فون: 0317-5871477

انتساب

کتاب

روضۃ الطالب فی اخبار آل ابی طالب

اپنی والدہ محترمہ

سیدہ ریاست کاظمی مشہدی موسوی

اور

والد محترم

سید اظہر حسین شاہ حسینی اعرجی ہمدانی

کے نام

عرض ناشر

کتاب روضۃ الطالب فی اخبار آل ابی طالب اولادِ ابی طالب بالخصوص سادات کا بیش بہاء خزانہ ہے، جس کو انتہائی محنت سے مرتب کیا گیا ہے اور سادات کی تاریخ اور نسب کو محفوظ کیا گیا ہے۔

یہ کتاب ساداتِ بنی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا تاریخی ورثہ ہے جس کو اردو زبان میں تالیف کیا گیا ہے اور اردو زبان میں بھی یہ اپنی نوعیت کی اوّل کتاب ہے۔

اللہ رب العزت سے مؤلف کتاب سید قمر عباس اعرجی ہمدانی کی صحت وسلامتی کے لئے دعا گو ہوں۔

دعا گو
پیر سید اعجاز حسین شاہ حسینی اعرجی ہمدانی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ ٹھل شریف، پنڈ دادنخان
24 نومبر 2019ء

تقریظ

نسابہ محقق مؤرخ سید عبدالرحمان اعرجی عزی حسینی

کویت

السيد محمد عباس الأعرجي الهمداني

تحية طيبة وبعد

مباركة كتاب روضة الطالب في أخبار آل أبي طالب

لقد سرنا وأسعدنا جهدكم المبذول في كتابكم الموسوعي

الذي أسميتموه (روضة الطالب في أخبار آل أبي طالب

حيث التزمتم بالمصادر النسبية الموثوقة والتاريخية

في تفصيل تراجم أعلام آل أبي طالب على مر العصور

وهذا يضيف قيمة علمية لرصيد تراثنا العربي

والاسلامي، وبدورنا نبارك لكم هذا الكتاب

آملين لكم التوفيق والسداد

النسابة
السيد عبد الرحمن الأعرجي الحسيني
الكويت
الجمعة ٢٥ ربيع الأول ١٤٤١ هـ
٢٢ نوفمبر ٢٠١٩ م

السيد عبد الرحمن العزي الأعرجي الحسيني
محقق ونسابة في الأنساب العلوية

بسم الله الرحمن الرحيم

عمادة السادة آل الاعرجي

في العراق

بغداد

العـدد : ٥

التاريخ :١٨/ ٨ / ٢٠١٧

الحمد لله حمدا دائما سرمدا ما بقيت الارض وارتفعت سماء . حمدا لا يصل اليه الحامدون ولا يحصي عدده العادّون والصلاة والسلام على احسن البشر والسابقين في مقامهم بما فاق الظنون والفِكَر والمقربون من رب العباد يوم الحشر اهل التقى والظفر و معدن الاخلاص عند المليك المقتدر محمد وال محمد شفعاء الاذِلّاء والمخطئين في دار المستقر

جناب المبجل وصاحب الرأي السديد رئيس ونقيب سادات الباكستان السيد قمر السيد عباس الاعرجي الهمداني الحسيني سدده الله

تلقينا رسالتكم بيد الاحترام والتقدير لمقامكم الكريم وقد سرّنا ما ورد فيها من مشاعر شفافه وكلمات معبره عن عمق التفكير وصدق المنبع وانتم سليل الدوحة العلوية الشريفة وابناً باراً من ابناء جدكم الاكبر ابي علي عبيد الله الاعرج الحسيني رضوان الله عليه وتقديرنا الكبير لخطوتكم المسؤولة التي جاءت كجزءٍ مكمِل لعمادة الساده آل الاعرجي في العالمين العربي والاسلامي . تديمون التواصل وتمدون جسور التقارب فتكونون عند ذاك قدوةً حسنه يُحتذى بسلوكها القويم ورأيها السديد من قبل اهلنا واخواننا في ربوع الارض مشرقاً ومغرباً من الساده احفاد عبيد الله الاعرج رضوان الله عليه لتلتقي القلوب وتتكاتف الايدي لكي يرتقي الجمع الخير الى معالي الرفعه والسمو وتتوحد الرؤى في صنع جيل يخدم البلاد والعباد ويحفظ لهذه السلالة تأريخها المجيد ويضمن حاضرها ومستقبلها . ونحن هنا في عراق الائمه الاطهار عليهم السلام وبلد الحضارات قلوبنا لكم مفتوحه وايدينا لكم مبسوطة وارواحنا للقائكم متلهفة . سدد الله خطاكم ورفع مقامكم في الدنيا والآخرة .

السيد
فاروق محمد صادق الأعرجي
رئيس قبيلة السادة الأعرجية

السيد
فاروق محمد صادق الاعرجي
امير السادة الاعرجية

السيد فاروق السيد صادق
عميد عام الساده
آل الأعرجي

مخلصكم

فريق أول الدكتور

فاروق محمد صادق الاعرجي

عميد السادة آل الاعرجي في العراق والوطن العربي والاسلامي

١٨ آب ٢٠١٧

الموافق ٢٥ ذو القعدة ١٤٣٨

مقدمہ

ربِ جلیل کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ اس نے مجھے قوت عطا فرمائی اور میرے ادھورے ارادے کو تکمیل کی منزل سے روشناس کروایا، تاکہ اس کتاب کو مکمل کر سکوں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہے۔

یہ کتاب روضۃ الطالب فی اخبار آل ابی طالب اولاد ابی طالب کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ جن میں شخصیات اور قبائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ویسے تو آلِ ابی طالب کے مشاہیر بہت زیادہ ہیں جن پر لکھا جا سکتا ہے اور اس کے لئے بہت سی جلدوں کی کتاب شائع کی جا سکتی ہے۔ مگر کتاب ہذا میں اوائل کے مشاہیر اور اس کے بعد وہ مشاہیر جو پاک و ہند میں آ گئے، کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ خاص کر پاکستان اور بھارت میں موجود سادات کے اجداد اعلیٰ یا سادات خانوادے قابل ذکر ہیں۔ اس لحاظ سے بھی سادات کی تمام شخصیات جو کسی بھی زاویے سے شہرت رکھتی ہیں، کو شامل نہیں کیا گیا۔ صرف اجدادِ اعلیٰ اور اس کے بعد چند شخصیات جن کا ذکر ہم تک پہنچ سکا۔

پاک و ہند میں بھی چند شخصیات کا ہی تذکرہ کیا گیا جتنا مصادر نے قلم کو اجازت دی سماجی ساخت یا عرف کے اعتبار سے سادات الاشراف کو ایک نسل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے سادات الاشراف نسلِ خاص (Race) اور عرقی اصل (Ethnicity) ہیں۔ کیونکہ سادات کی اپنی عادات اور روایات ہیں اور ان ہی روایات میں اپنے وراثتی اور نسبی معلومات کی تدوین کرنا اور ساتھ ساتھ ان خدمات کو انجام دینے کے لئے ایسے گروہوں کی تشکیل کرنا بھی شامل ہے۔

آج سادات دنیا کے بہت سے منطقوں میں آباد ہے۔ اور ہر منطقے کے اپنے ثقافتی رنگ ہوتے ہیں علاقائی قانون ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود ایک خون ہونے کی وجہ سے ان میں بہت سی روایات اور عادات مشترک ہیں جن کا نمایاں طور پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

کتاب روضۃ الطالب فی اخبار آل ابی طالب میں شخصیات اور قبائل کو عنوان دے کر ان کی تفصیل لکھی گئی ہے۔ اور ہر عنوان سے آگے مشجر کے طریقے پر آنے والے مشاہیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یعنی روضۃ الطالب میں علم الانساب کے مشجر طریقے کی پیروی کی گئی ہے وہ اس طرح کہ اگر عنوان الف کی اولاد میں جو جو مشاہیر تذکرہ میں آئیں گے، یہ الف کے بعد آتے جائیں گے۔ اور جب یہ ختم ہونگے تو دوسرے شخصیت کا تذکرہ شروع ہوگا اور اس کے بعد اس کی اولاد کے مشاہیر شروع ہو جائیں گے۔ بنو ہاشم سے اوّل حضرت عقیلؑ بن ابی طالب اور ان کے بعد ان کی اولاد کے مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ ان کے بعد حضرت جعفر طیارؑ اور ان کی اولاد کے تذکرے ہیں پھر حضرت علی المرتضیٰ ؑ اور ان کی اولاد کا تذکرہ ہے۔ ان کے بعد اور ان میں نمبر کے حساب سے اوّل امام حسنؑ کی اولاد کے مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ اور ان میں بھی پہلے حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ ہے پھر زید بن امام حسن علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ ہے ان کے اختتام پر حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ ہے۔

پھر امام زین العابدین اور ان کی اولاد کے مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام اور ان کی اولاد پھر امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ اور ان کے بعد امام علی رضا علیہ السلام کا تذکرہ ان کے بعد امام محمد تقی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے مشاہیر کا تذکرہ ہے پھر امام علی نقی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام اور حضرت امام مہدی آخر زماں علیہ السلام کا ذکر مبارک ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد کے تذکرہ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی غیر فاطمی اولاد اور ان کے مشاہیر کا تذکرہ ہے ان میں پہلے حضرت محمد حنفیہ علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ ہے پھر حضرت ابو الفضل عباس علیہ السلام علمدار اور ان کی اولاد کا تذکرہ ہے اور آخر میں حضرت عمر اطرف بن امیر المومنین علی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے مشاہیر کا تذکرہ ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کتاب روضۃ الطالب فی اخبار آل ابی طالب میں تشجیری روایت کے مطابق تذکرے کئے گئے ہیں۔

آخر میں مولف سید قمر عباس اعرجی ہمدانی اپنے بارے میں تحریر کرتا ہے، میرا تعلق سادات ہمدانیہ حسینیہ اعرجیہ سے ہے میرے جد امجد سید گل حسن شاہ ہمدانی میال تھانہ چونترہ سے ہجرت کر کے پھلگراں اسلام آباد میں آباد ہوئے سید گل حسن شاہ ہمدانی اور ان کے بھائی سید معظم شاہ ہمدانی مزار میرا بیگوال اسلام آباد

موجودہ فیڈرل ایریا اسلام آباد میں وارد ہوئے۔ اوران کی طریقت کا سلسلہ حضرت بری امام عبدالطیف مشہدی سے ملتا تھا۔ سید گل حسن شاہ بن انورشاہ بن سید عبداللہ ثانی بن سید عبدالہادی بن سید عبداللہ شاہ ہمدانی بن سید احمد نوری شاہ سلطان بلاول ہمدانی حسینی کے اجداد دندہ شاہ بلاول تلہ گنگ کے تھے اور سید احمد نوری شاہ سلطان بلاول ہمدانی حضرت امیر کبیر علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان کی اولاد سے تھے اور میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان کے سلسلہ نسب حضرت ابوعلی عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین سے ملتا ہے۔ میر سید علی ہمدانی نقیب بلخ میر سید علی ابو القاسم جلاآبادی کی اولاد سے تھے۔ اور ان کے اجداد بلخ سے ہمدان ہجرت کر گئے۔

عرب میں اس خاندان کو اعرجی سادات کہا جاتا ہے۔ جو کہ اوائل میں سادات عبیدلی کے طور پر بھی مشہور تھا۔ میں نے علم الانساب کی تعلیم سید عبدالرحمان عزی اعرجی سے حاصل کی جن کا تعلق کویت سے ہے۔ اور ان کا سلسلۂ اجازہ معین الاشراف سید جعفر اعرجی بغدادی پر منتہٰی ہوتا ہے۔ جن کا نام علم الانساب میں کسی شہرت کا محتاج نہیں۔ اور سادات اعرجی کا یہ سلسلہ علم الانساب کے چند اساتذہ پر مشتمل ہے۔

خداوند تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ علم الانساب کو سادات پاکستان و ہندوستان میں مقبولیت حاصل ہو۔

اور آخر میں کتاب کے مصادر کے طور پر بتاتا چلوں کہ کتاب میں قدیم عربی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جن میں زیادہ انساب اور تاریخ کی کتب ہیں۔

میں ان تمام افراد کا تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اسے دوسروں تک پہنچایا۔

والسلام

نسابہ سید قمر عباس اعرجی حسینی ہمدانی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی بے شمار تعریف جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس پر اپنی نعمتوں کا سلسلہ دراز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق میں ہر نوع کو خاندان کی شکل میں تخلیق فرمایا اور ہر خاندان کی پہچان اس کی خصوصیات سے کروائی۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر ذرہ میں کوئی نہ کوئی خصوصیت رکھی ہے اور یہی امتیازی خصوصیت اس کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے اور یہی خصوصیات اس کی پہچان بن جاتی ہے۔ روز اوّل سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کو ایک دوسرے کی پہچان کیلئے مخصوص کچھ نہ کچھ اضافی طور پر عنایت کیا اور بعد میں یہی اضافی خصوصیت اس کی پہچان کا باعث بن گئی۔

''اور ہم نے تم میں قبائل بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔''

اللہ تعالیٰ نے جماد، نبات، حیوان اور انسانوں میں خاندان ترتیب دیئے۔ پتھروں کے اپنے خاندان ہیں، کوئی قیمتی ہیں اور کوئی عام نسل کے پتھر ہیں۔ کوئی پتھر بادشاہوں کے تاج پر نصب ہوتے ہیں اور کوئی پتھر راہوں میں انسانوں کے پاؤں سے ٹکراتے ہیں۔ نبات یعنی درختوں میں بھی انواع کے حساب سے جداگانہ صفات رکھی گئی ہیں اور یہی جداگانہ خصوصیات ان کے مابین پہچان کا ذریعہ ہیں۔ حیوانات میں بھی خاندانوں کا سلسلہ موجود ہے اور یہ سلسلہ ان کی اولاد میں بمع خصوصیات منتقل ہوتا ہے۔ یہ خصوصیات جبلی طور پر پائی جاتی ہیں۔

انسانوں میں بھی خاندان اور اقوام شروع سے چلتے آ رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل حضرت شیث علیہ السلام سے جاری ہوئی اور یہ سلسلہ چل پڑا حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام تک کافی آبادی وجود میں آ گئی اور جب طوفان آیا اور پانی نے اہل زمین کو غرق کیا تو حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے بچے اور ان تین بیٹوں کی نسل ہی دنیا میں باقی رہ گئی۔

(۱) حام (۲) سام (۳) یافث

ان تینوں کی نسلیں علیحدہ علیحدہ منطقوں میں پھیل گئیں اور علیحدہ علیحدہ تہذیب وتمدن کی حامل ٹھہری۔ ان میں سام بن نوح کی اولاد سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تک سلسلہ نسب آیا اور آپ کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل پھیلی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے بنی اسرائیل وجود میں آئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے مشہور عرب وجود میں آئے۔

عرب شروع سے ہی مخصوص خصوصیات کے حامل رہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے، جبکہ عرب بائیدہ اور عرب عاربہ بھی تھے۔ محققین نے عربوں کو ان تین اقسام میں تقسیم کیا۔

۱۔عرب بائیدہ:

یہ عرب کے وہ پرانے باشندے ہیں جن کا اب نام ونشان باقی نہیں رہا۔ ان میں عاد، ثمود، جدیس، طلسم، عملاق، امیم اور جاسم شامل ہیں۔ ان میں سے اکثر عذاب کا شکار ہوکر ہلاک ہو گئے۔

۲۔عرب عاربہ:

یہ لوگ یمن اور اس کے قرب و جوار کے باشندے ہیں اور بنو قحطان کہلاتے ہیں۔ بنو جرہم اور بنو یعرب ان کی ہی شاخیں ہیں۔ بنو یعرب میں سے عبدشمس جو سبائی کے نام سے مشہور ہے یمن کے تمام قبائل کا جد امجد ہے۔ اس نے یمن کا مشہور شہر معارب بسایا تھا۔ بنو قحطان بھی سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا نسب اس طرح ہے۔ قحطان بن ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔[1]

۳۔عرب مستعربہ:

یہ حجاز اور نجد کے باشندے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جن میں بنو ربیعہ، بنو ایاد اور مضر مشہور ہیں۔ مُضر کی ایک شاخ قریش ہے۔ عرب مستعربہ کو بنو عدنان بھی کہتے ہیں۔

عرب مستعربہ شروع سے ہی کچھ بنیادی خصوصیات کے حامل رہے ہیں۔ ان میں نسب محفوظ رکھنے کی روایت بہت قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے۔

عرب مستعربہ دراصل اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور خانہ کعبہ کے قرب و جوار میں آ کر آباد ہوئے ان سے قبل بھی عرب قوم کا وجود تھا جو لوگ کہ اس خطہ میں قدیم آباد تھے لیکن عرب مستعربہ نے اس خطے کو مستقل پہچان دی اور تمام عرب اقوام میں عرب مستعربہ کو ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی۔

عدنان کا نسب مشہور ومعروف روایات میں اس طرح ہے:

عدنان بن اد بن ادد بن الیسع بن ہم یسع بن سلامان بن نبت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل علیہ السلام

عدنان کی اولاد سارے عرب مین اپنی خصوصیات کی وجہ سے منفرد مقام رکھتی تھی۔

اور بنی عدنان میں سے ہی قریش ایک ممتاز اور صاحب عزت وعظمت خاندان تھا۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان قریش تھا اس وجہ سے بھی اس خاندان کا شرف زیادہ ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ

---

[1] المسعودی مروج الذہب، نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب، از احمد القلقشندی

بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

بعض کے نزدیک فہر بن مالک کا لقب قریش تھا اور بعض افراد کے نزدیک نضر بن کنانہ کا لقب قریش تھا اور یہ شخصیات حضور کریم ﷺ کے شجرہ مبارکہ میں آتی ہیں۔قبیلہ قریش صدیوں سے مکہ مکرمہ کے سردار اور کعبہ کے خدام تھے۔ رسول پاک ﷺ کے زمانہ میں مندرجہ ذیل قریش قبیلہ کی مشہور شاخیں تھیں:

(۱) بنوعبد مناف	(۲) بنوعبدالدار بن قصی	(۳) بنو اسد بن عبدالعزیٰ
(۴) بنو زہرہ بن کلاب	(۵) بنومخزوم بن یقظہ	(۶) بنوتیم بن مرہ
(۷) بنوعدی بن کعب	(۸) بنوسھم بن ھصیص	(۹) بنو عامر بن لوی
(۱۰) بنوتیم بن غالب	(۱۱) بنو حارث بن فہر	(۱۲) بنومحارب بن فہر

ان میں جو مکہ مکرمہ کے اندر رہتے تھے۔قریش البطلاح کہلاتے اور جو مکہ مکرمہ کے باہر رہتے قریش الظواہر کہلاتے تھے۔

باب اول:

(۱) عبد مناف

آپ کے والدمحترم کا نام قصیٰ تھا۔آپ کی اولاد میں:

(۱) ہاشم (جن کا اصل نام عمرو تھا) (۲) عبد شمس (یہ دونوں بھائی جڑواں تھے)

(۳) مطلب (۴) تماضر (۵) قلابہ (۶) حیہ

(۷) ام الاخشم (جنکا نام ھالہ تھا) (۸) ام سفیان (۹) ریطہ

تھے۔اوران سب کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سُلیم بن منصور تھیں اور ان میں اوّل: تماضر بنت عبد مناف کی شادی عبد مناف بن عبدالدار بن قصی سے ہوئی اور آپ کی اولاد میں ہاشم اور کلدۃ ہوئے۔

دوئم: قلابہ بنت عبد مناف کی شادی عبدالعزیٰ بن عامرہ بن عمیرۃ بن ودیعۃ بن حارث بن فہر سے ہوئی اوران کے چار بچے ہوئے۔اباھمہ جس کا نام حبیب تھا طریف، جابر اور سلامان۔

سوئم: حیۃ بنت عبد مناف کی شادی ظویلم بن جعیل بن عمرو بن دھمان بن نضر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن سے ہوئی اور آپ کے فرزند عبد مناف ہوئے۔

چہارم: ام الاخشم بنت عبد مناف کی شادی خالد بن عامر بن امیہ بن ظرب بن حارث بن فہر سے ہوئی اور الاخشم پیدا ہوئے۔

پنجم: اُم سفیان بنت عبد مناف کی شادی سبیع بن حبیب بن حارث بن مالک بن حطیط بن جشم بن قسی سے ہوئی۔

ششم: ریطہ بنت عبد مناف کی شادی معیط بن عامر بن عوف بن حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ سے ہوئی۔[۱]

(۲) حضرت ہاشم بن عبد مناف

ہاشم بن عبد مناف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا تھے۔ان کی اولاد عرب میں بنو ہاشم سے معروف ہوئی۔آپ کا اصل نام عمرو تھا۔ ہاشم نام اس لئے مشہور ہوا کیونکہ آپ مکہ مکرمہ کے زائرین کی تواضع

---

[۱] نسب قریش ص ۱۴، ۱۵

ایک خاص عربی شوربہ سے کرتے تھے جسے ہشم کہتے ہیں۔ یہ لقب اس وقت ملا جب ایک قحط کے دوران انہوں نے یہی شوربہ اہل مکہ کو کھلایا۔[1]

آپ مکہ مکرمہ کے مشہور تاجر تھے اور نہایت معزز تھے۔ انہوں نے قریش کے تجارتی قافلے شروع کروائے اور ان کیلئے بازنطینی سلطنت کے ساتھ معاہدے کئے جن کے تحت قریش بازنطینی سلطنت کے ماتحت آنے والے ممالک میں بغیر محصول ادا کئے تجارت کر سکتے تھے۔ اور تجارتی قافلے لے جاسکتے تھے۔ یہی معاہدے وہ حبشہ کے بادشاہ کے ساتھ بھی کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جس کا تمام قریش کو بہت زیادہ فائدہ ہوا اور ان کے تجارتی قافلے شام، ترکی، حبشہ اور یمن جانے لگے۔ آپ دین حنیف پر قائم تھے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر کاربند تھے۔

آپ کی والدہ عاتکہ بنت مرۃ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم بن منصور تھیں اور آپ کی نانی ماریہ بنت موزہ بن عمرو بن سلول بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن تھیں۔ بقول ابوعبداللہ معصب الزبیری آپ کی شادی سلمٰی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار تیم اللہ بن ثعلبہ سے ہوئی جن کا تعلق قبیلہ بنی نجار سے تھا۔[2]

آپ کی اولادیں:

آپ کی اولاد میں بقول ابوعبداللہ مصعب الزبیری (۱) عبدالمطلب اور (۲) شفاء کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج تھیں اور عبدالمطلب کی نانی یعنی ہاشم کی ساس عمیرہ بن صخر بن حبیب بن حارث بن ثعلبہ بن مازن بن نجار تھیں۔[3]

(۳) اسد بن ہاشم: آپ کی والدہ کا نام قیلہ بنت عامر بن مالک بن المصطلیق (جن کو جذیمہ بھی کہا گیا) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ تھیں جن کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا۔ اسد بن ہاشم کی اولاد میں صرف حضرت فاطمہ بنت اسد تھیں جو حضرت علی علیہ السلام کی والدہ محترمہ تھیں۔

(۴) ابوصیفی بن ہاشم: بقول ابوعبداللہ مصعب الزبیری آپ کی ایک بیٹی رقیہ تھی جو مخرمہ بن نوفل کی والدہ تھیں

---

[1] مدرک الطالب ص ۲۳

[2] مدرک الطالب ص ۲۳

[3] نسب قریش ص ۱۵

اور بیٹا صیفیا تھا ان دونوں کی والدہ ہند بن عمرو بن ثعلبہ تھیں اور ان کے مادری بھائی مخرمہ، ابو رہم (جن کا نام انیس تھا) تھے اور یہ دونوں مطب بن عبد مناف بن قصی کے بیٹے تھے۔

(۵) ضعیفہ بنت ہاشم۔

(۶) خالدہ بنت ہاشم: جن کو قبۃ الدیباج بھی کہا گیا۔ ان دونوں کی والدہ واقدہ بنت ابی عدی تھیں۔

(۷) حیہ بنت ہاشم: ان کی والدہ کا نام ام عدی بنت حبیب بن حارث بن خالد بن حطیط بن جشم بن قُسی تھا (جو کہ ثقیف تھے) بن مُنبہ بن بکر بن ہوازن۔

اوّل: شفا بنت ہاشم: ان کی شادی ہاشم بن مطلب بن عبد مناف سے ہوئی اور ان کی اولاد میں عبد یزید بن ہاشم ان کو محض بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ والدہ اور والد کی جانب سے ہاشمی تھے۔[1]

دوم: ضعیفہ بنت ہاشم: ان کی شادی عبد مناف بن زہرہ بن کلاب سے ہوئی۔ ان کے دو فرزند عبد یغوث اور عبید یغوث ہوئے۔

سوئم: خالدہ بنت ہاشم: ان کی شادی اسد بن عبد العزی سے ہوئی اور ان کے چار اولادیں ہوئی تھیں: نوفل، حبیب، صیفیا (تینوں حرب الفجار کی جنگ میں قتل ہوئے) اور چوتھے رقیقہ۔

چہارم: حیہ بنت ہاشم: آپ کی شادی ہاشم بن الاجحم بن دندنہ بن عمرو بن قین بن رزاح بن عمرو بن سعد بن کعب بن عمرو سے ہوئی جو قبیلہ خزاعہ سے تھے۔

اور آپ کی اولادوں میں: اُسید، زرعہ، ہاشم، مرۃ، شبیب، ورقہ، سلمٰی الکبریٰ، لیلٰی، ام بدیل، سلمٰی الصغریٰ اور فاطمہ تھیں۔

اور بعض نے ہاشم کے فرزندگان میں نضلہ بن ہاشم کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۳) عبد المطلب بن ہاشم

آپ کی پیدائش ۴۸۰ء کے لگ بھگ ہوئی اور وفات بمطابق ۵۷۸ عیسوی۔ آپ کا نام شیبہ یا شیبۃ الحمد تھا اور عبد المطلب اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کے چچا مطلب نے آپ کی پرورش کی۔ آپ کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار تیم اللہ اور آپ کی نانی عمیرہ بنت صخر بن حبیب بن حارث بن ثعلبہ بن مازن بن نجار تھیں۔

---

[1] نسب قریش ص ۱۷

جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی پیشانی کے چند بال سفید تھے تو اس لئے شیبہ نام پڑ گیا (یعنی بوڑھا) آپ نیک کاموں میں سبقت لے جاتے اس لئے شیبۃ الحمد کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بقول ابوالحسن عمری آپ کی عمر مبارک ۸۰ سال تھی اور آپ حجون میں دفن ہوئے۔[1]

حضرت مطلب بن عبد مناف جب حضرت عبدالمطلب کو مدینہ سے مکہ لا رہے تھے تو راستے میں جو بھی مطلب سے پوچھتے کہ یہ کون ہے تو آپ کہتے یہ میرا غلام ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ راستے میں آفتاب کی تمازت اور تکلیف بھی اٹھائی تھی اس لئے تھکان کی وجہ سے چہرے کی رنگت اُڑی ہوئی تھی جب مکہ لاکر اشرافِ قریش میں عبدالمطلب کو بٹھایا اور کہا کہ یہ ہے میرا بھتیجا شیبہ بن ہاشم لیکن راستے میں آپ نے ان کو اپنا عبد یعنی غلام بتایا تھا اس لئے عبدالمطلب نام ہی مشہور ہو گیا۔

بقول ہشام بن محمد کہ ان کے والد نے بتایا کہ عبدالمطلب تمام قریش سے زیادہ خوش رو سب سے زیادہ بلند و بالا سب سے زیادہ بردبار اور سب سے زیادہ فیاض تھے۔ کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی بادشاہ نے ان کو دیکھ کر ان کی تعظیم و تکریم نہ کی ہو۔ جب ابراہہ یمن سے کعبۃ اللہ کو تباہ کرنے آیا تو آپ نے کعبۃ اللہ کے دروازے کو تھام کر پروردگار سے مدد مانگی اور اللہ تعالیٰ نے ابابیل کا لشکر بھیج دیا جنہوں نے کنکریاں مار مار ابراہہ کا سارا لشکر ہلاک کر دیا۔ اس وقت آپ کعبۃ اللہ کے متولی اور قریش کے سردار تھے۔ آپ نے زمانہ جاہلیت میں جو پانچ طریقے مقرر کئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام میں جاری فرمایا:

۱)...... عبدالمطلب نے باپوں کی بیویوں کو بیٹوں پر حرام کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے موافق قرآن میں آیت نازل فرمائی اور فرمایا ''جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے تم ان سے نکاح مت کرو۔

۲)......عبدالمطلب نے اگر مال پایا تو اس کا پانچواں حصہ نکالا اور اسے راہ خدا میں تصدیق کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے موافق آیت نازل کی اور فرمایا:

''معلوم کرو کہ جو مال غنیمت میں پاؤ اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔''

۳)...... جب عبدالمطلب نے چاہ زم زم کھودا تو اس کا نام سقائیۃ الحجاج رکھا اللہ تعالیٰ نے بھی ایسا ہی کہا۔

۴)......آدمی کے قتل میں خون بہا ایک سو اونٹ مقرر کئے۔

---

[1] المجدی فی الانساب الطالبین، ص ۱۸۶

۵)......قریش میں طواف کی تعداد کچھ مقرر نہ تھی۔ عبدالمطلب نے سات شوط مقرر کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام میں جاری کیا۔[1]

آپ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں کو ادا کرنے والے تھے۔ آپ ابراہیمی دین پر تھے اور اس سلسلے کے اوصیاء تھے۔ آپ نے کبھی غیر اللہ کی عبادت نہ کی۔

آپ خاتمی مرتبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا محترم تھے۔ آپ کی اولاد کی تفصیل اس طرح ہے۔

آپ کی اولاد میں بقول زبیری:

(۱) عبداللہ پدر بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) ابو طالب (۳) زبیر

(۴) ام حکیم (۵) عاتکہ (۶) مرۃ (۷) امیمہ

(۸) اروی (ان کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں اور ان فاطمہ بنت عمرو کی والدہ تخمر بنت عبد بن قصی تھیں)۔ (۹) حمزہ (۱۰) مقدم (۱۱) حجل (اصل نام مغیرہ تھا)

(۱۲) صفیہ کی والدہ ھالہ بنت اُھیب بن عبد مناف بن زہرہ تھیں۔ (۱۳) عباس

(۱۴) ضرار کی والدہ نتیلہ بنت جناب بن کلیب بن مالک عمرو بن عامر بن نمر بن قاسط جو بنی قریہ سے تھیں۔

(۱۵) حارث۔

(۱۶) قثم کی والدہ صفیہ بنت جندب بن حجیر بن رباب بن حبیب بن سواۃ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن تھیں۔

(۱۷) ابولہب جس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا کی والدہ لبنیٰ بنت ہاجر بن عبد مناف بن ضاطر بن حبثیہ بن سلول، جو بنی قضاعہ سے تھیں۔

(۱۸) غیداق جس کا اصل نام معصب تھا کی والدہ خزاعیہ تھیں۔[2]

(۴) عبداللہ بن عبدالمطلب

آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین کے والد محترم ہیں۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن عبدالمطلب ہے۔ آپ کی والدہ بقول ابوعبداللہ مصعب الزبیری فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں اور آپ کی نانی تخمر بنت عبد بن قصی تھیں اور آپ کی پڑنانی سلمیٰ بنت عامرۃ بن عمیرۃ بن ودیعۃ بن حارث بن فہر تھیں اور

---

[1] کتاب مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب ص ۲۴، مودت فی القرباء ص ۱۲۲ تا ۱۲۶

[2] نسب قریش از ابوعبداللہ مصعب الزبیری، ص ۱۷، ۱۸، مدرک الطالب ص ۲۴

آپ کی پڑنانی کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ بن حارث بن مالک بن عدوان تھیں [1]

جب عبداللہ کی ولادت ہوئی تو علمائے یہود و نصاریٰ اور کاہنوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ نبی آخر الزمان کے والد بزرگوار کی ولادت ہوگئی ہے۔ نور نبوی جناب عبداللہ کی پیشانی میں چمکتا تھا، آپ جس درخت کے پاس بیٹھتے وہ سرسبز وشاداب ہوجاتا اور آپ کو یہ آواز آتی اے اہل نور محمد تجھ پر سلام ہو۔

جناب عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو دس دس بیٹے دیئے جو میرے کاموں کی پشت پناہی کریں گے تو میں ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا۔ جب ان کے دس بیٹے ہوگئے تو انہوں نے مصمم ارادہ کیا کہ اپنے عہد کو پورا کریں گے۔ اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور اپنا ارادہ بیان فرمایا تمام نے اطاعت میں سرخم کردیا اور طے یہ پایا کہ قرعہ اندازی کی جائے جس کا نام کا قرعہ نکلے اس کو قربان کیا جائے۔ لہٰذا قرعہ جناب عبداللہ کے نام کا نکلا جب عبدالمطلب نے قربانی کیلئے ہاتھ پکڑا قریش اور مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مانع ہوئے طے یہ پایا کہ مرد کے خون بہا یعنی اونٹ فدیہ کے طور پر قربان کئے جائیں اور دوبارہ قرعہ ڈالا تو پھر عبداللہ کا نام آیا تو دس اونٹ اور بڑھا دیئے، حتیٰ کہ جب اونٹوں کی تعداد سو ہوگئی فدیہ میں سو اونٹ قربان کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایک مرد کا خون بہا سو اونٹ مقرر ہوئے اس لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انا ابن الذبحین'' یعنی میں ذبیحوں کا بیٹا ہوں یعنی آپ کے جد اسماعیل ذبیح اللہ اور والد جناب عبداللہ۔ حضرت عبداللہ کا چہرہ نورانی چہرہ تھا اسی لئے اہل مکہ آپ کو ''مصباح الحرم'' کہتے تھے۔ آپ کا نکاح جناب آمنہ بنت وہب کے ساتھ ہوا تو اس سال عرب میں بارشیں ہوئی اور سبزہ اور ہریالی کی فراوانی ہوئی تو اس سال کو ''عام الفتح'' یعنی کشائش کا سال کہا گیا، اسی سال جناب عبدالمطلب نے جناب عبداللہ کو تجارت کے عنوان سے شام بھیجا اور واپسی پر مدینہ پہنچے تو آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور آپ نے یہاں پردہ فرمایا اور آپ کو دارالنابغہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی اولاد میں صرف اور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔'' [2]

(۵) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس قلم کے لئے سعادت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک تحریر کرے جس زبان پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہو وہ زبان مبارک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم بشریت وملکوت کے سرور وسردار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء

[1] نسب قریش ص ۱۷

[2] کتاب احسن المقال ترجمہ منتہی الآمال از شیخ عباس قمی مترجم صفدر حسین نجفی ج ۱ ص ۲۲

کرام علیہم السلام کے سردار ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم انسانیت کو جہالت کے اندھیروں سے نکالا اور ان کو علم کے نور سے روشناس کروایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے بنی نوع انسان کو ہدایت نصیب ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ایک عام الفیل ۵۷۰ عیسوی ۱۲ یا ۱۷ ربیع الاوّل میں ہوئی۔ آپ کے ظہور پرنور میں آتشکدہ فارس جو ہزار سال سے روشن تھا بجھ گیا۔ مشکٰوۃ شریف کی ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا اور ان سے ایسا نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔''[1]

بقول ابوعبداللہ مصعب الزبیری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نانی برۃ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نانی کی والدہ ام حبیب بنت اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی تھیں اور اُمّ حبیب بنت اسد کی والدہ برۃ بنت عدی بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب تھیں۔[2]

بقول شریف عمری کہ ان کو شیخ شرف عبیدلی نے بتایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کی یہ روایت ابی بکر محمد بن عبدۃ العبقسی طرسوی نسابہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی:

''کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک جب چھ سال کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے دنیا سے پردہ فرمایا اور حرب الفجار کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۲۰ سال تھی۔ حضرت سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا سے شادی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت زہر سے ہوئی اس وقت آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی اور یہ قول ابن عبدہ طرسوی نسابہ کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب یوں بیان کیا: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن

---

[1] مشکٰوۃ شریف باب سید المرسلین، مستدرک الحاکم

[2] نسب القریش ص ۲۰

عدنان بن اد بن اُدد بن الیسع بن الھمیسع بن سلامان بن نبت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ بن تارخ بن ناحُور بن سروغ بن ارغو بن فالغ بن عابر (عامر) بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ (ادریس) بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم ابی محمد صفی اللہ۔'' [1]

ابی یعلیٰ حمزہ بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف بن امام علی المعروف نسابہ سماکی و ابی بکر محمد بن عبدۃ العبقسی طرسوسی اور صاحب کتاب المسبوط شریف نسابہ ابی جعفر محمد بن علی بن حسن بن حسین بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن المثنیٰ بن امام حسن المعروف ابن معیہ حسنی نسابہ۔

ان تین حضرات کی روایات کے مطابق رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آٹھ اولادیں ہیں۔جن میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔

بیٹوں میں (۱) قاسم، جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت تھی۔(۲) طاہر (۳) طیب، جن کو عبداللہ بھی کہا گیا کی والدہ خدیجہ بنت خویلد تھیں۔اور چوتھے فرزند (۴) ابراہیم کی والدہ بی بی ماریہ قطبیہ تھیں۔

اور بیٹیوں میں (۱) فاطمہ (۲) ام کلثوم (۳) زینب (۴) رقیہ اور ان بنات کی والدہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد تھیں۔

اور بقول شریف عمری کہ ایک قوم کا کہنا ہے کہ عثمان بن عفانؓ کی ازواج حضرت خدیجہ بنت خویلد کی ہی بیٹیاں تھیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلبی اولاد نہ تھیں (یعنی بی بی کے اوّل شوہر سے تھیں)۔[2]

جمہور نسابین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار دختران ہی بیان کی ہیں۔بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پروردہ تھیں مگر اوّل قول ثقات کا ہے۔

(۶) حضرت ابو طالبؑ بن عبدالمطلب

بقول ابن عنبہ کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام عمران تھا یہ روایت ضعیف ہے۔ابوبکر محمد بن عبداللہ العبقسی طرسوسی نسابہ سے روایت ہے کہ آپ کی کنیت ہی آپ کا نام تھا یعنی ابو طالب اور انہوں نے ابی علی محمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن جعفر الاعرج بن عبداللہ بن جعفر قتیل یوم الحرۃ بن ابی القاسم محمد بن علی بن ابو طالب النسابہ سے یہ روایت لی جن کا علم الانساب پر مبسوط تھا اور یہ زعم بھی کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کا خط تھا

[1] المجدی فی الانساب الطالبین، از شریف عمری، ص ۱۸۵،۱۸۶

[2] المجدی فی الانساب الطالبین ص ۱۸۷

کیونکہ آخر میں لکھا تھا ''علی ابن ابی طالب بقول عمری اول قول درست ہے''۔[1]

حضرت ابوطالب کا اصل نام عبد مناف تھا آپ اپنے والد عبدالمطلب کے وصی تھے بقول ابوعبداللہ مصعب الزبیری کے آپ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں اور آپ کی نانی تخمر بنت عبد بن قصی تھیں اور آپ کی پرنانی سلمیٰ بنت عامرۃ بن عمیرۃ بن ودیعۃ بن حارث بن فہر تھیں اور سلمیٰ بنت عامرۃ کی والدہ فاطمۃ بنت عبداللہ بن حارث بن مالک بن عدوان تھیں۔[2]

بقول میر سید علی ہمدانی اعرجی حسینی کہ امام جعفر الصادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جبرائیل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردگار بعد تحفہ درود وسلام فرماتا ہے کہ میں نے آتش دوزخ کو حرام کر دیا ہے اس پشت پر جس نے تم کو اتارا اس شکم پر جس نے تم کو اٹھایا اور اس گود پر جس نے تمہاری پرورش وکفالت کی یعنی حضرت عبداللہؑ و بی بی آمنہؑ اور حضرت ابی طالبؑ۔[3]

ابن الہیثم سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام سے سنا کہ ابو طالبؑ تمام احوال میں حضرت عبدالمطلبؑ کی پیروی کیا کرتے تھے یہاں تک کہ انہیں کے مذہب (مذہب ابراہیم) پر دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اور وصیت کر کے گئے مجھے عبدالمطلب کی قبر میں دفنانا پس میں (علیؑ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا ان کی وصیت کے مطابق عمل کرو۔ راوی کہتا ہے کہ ان کو غسل دیا کفن پہنا کر حجون قبرستان لے گئے۔ عبدالمطلب کی قبر کو کھودا تختہ اٹھایا تو ان کا منہ قبلہ کی طرف تھا یہ دیکھ کر میں نے اللہ کی حمد وثنا کی اور تختہ اوپر رکھ دیا۔ اور ابوطالبؑ پیغمبروں کے وصیوں کے وصی اور بہترین وارثان انبیاء تھے۔[4]

آپ کی اولاد میں چار فرزند (۱) طالب (۲) عقیل (۳) جعفر طیار اور (۴) امیرالمومنین علی ابن طالب تھے۔ ان چاروں کی ولادت میں دس دس سال فاصلہ تھا۔ آپ کی دو دختران تھیں۔ (۱) ام ہانی بنت ابوطالب جن کا نام فاختہ تھا اور ہند بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی شادی قبیلہ بنی مخزوم میں ھبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم سے ہوئی۔ دوم جمانہ بنت ابو طالب کی شادی بنو ہاشم میں ہی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم سے ہوئی۔ اور ان کے ہاں جعفر، عبداللہ اور ابی الھیاج فرزند ہوئے۔ ابو طالب کی تمام

---

[1] المجدی ص ۱۸۷، عمدۃ الطالب نشر انصاریان ص ۲۲

[2] نسب قریش ص ۱۷

[3] مودت فی القرباء نشر بلتستان زاد العقبیٰ ص ۱۶۲

[4] مودت فی القرباء از میر سید علی ہمدانی ص ۱۶۲، کتاب المشجر من اولاد حسین الاصغر ص ۵، مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب، از قمر اعرجی ص ۲۶

اولاد بی بی فاطمہ بنت اسد سے ہوئی۔ آپ اوّل ہاشمیہ تھیں جن کی شادی ہاشمی سے ہی ہوئی۔[1]

(۷) عقیل بن ابی طالب

آپ کا نام عقیل تھا اور بقول ابن عبدہ آپ کی کنیت ابا یزید تھیں۔[2]

بقول ابو محمد حسن دندانی نسابہ المعروف با بن اخی طاہر جناب عقیل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ مجھے آپ سے دو محبتیں ہیں ایک مجھے ان سے محبت ہے اور دوسری وہ محبت جو ابو طالبؑ کو ان سے تھی۔[3]

بقول شیخ عباس قمی کہ مسجد نبوی میں آپ کے لئے گدیلہ بچھا دیا جاتا تھا آپ اس پر نماز پڑھتے تھے، لوگ ان کے پاس جمع ہوجاتے اور علم الانساب اور ایام عرب کے متعلق ان سے استفادہ کرتے اس وقت وہ نابینا ہو چکے تھے اور لوگ ان سے بغض رکھتے کیوں کہ آپ انساب کی اچھائی اور برائی سے واقف تھے اور عمدہ جواب دینے میں مشہور تھے۔[4]

آپ کے علم الانساب کے متعلق ایک واقعہ نقل ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ میرے لئے کسی ایسی عورت کا انتخاب کریں جس سے پیدا ہونے والا میرا بیٹا جوانمرد اور فارس العرب ہو کیونکہ آپ انساب عرب کے ماہر ہیں۔

تو جناب عقیل نے فرمایا آپ ام البنین کلابیہ سے شادی کریں جن کے آباؤ اجداد سے بہادر عرب میں کوئی نہیں تھا پس حضرت علی علیہ السلام نے شادی کی تو حضرت عباس علمدار اور ان کے تین بھائی بی بی ام البنین کے بطن سے پیدا ہوئے۔[5]

آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔

عقیل کے اسلام قبول کرنے کے سال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن قتیبہ کے بقول عقیل نے جنگ

---

[1] نسب القریش از مصعب زبیری ص ۴۰

[2] المجدی ص ۱۸۹

[3] المجدی ص ۱۸۸

[4] احسن المقال ترجمہ منتہیٰ الآمال، از صفدر حسین نجفی ج ۱ ص ۲۶۳

[5] احسن المقال ترجمہ منتہیٰ الآمال، از صفدر حسین نجفی ج ۱ ص ۲۶۹

بدر میں آزادی کے فوراً بعد اسلام قبول کرلیا۔[1]

جبکہ ابن حجر کے بقول آپ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے لیکن پھر کہتا ہے کہ بعض نے کہا کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے اور ہجرت کے آٹھواں سال کے ابتداء میں مدینہ ہجرت کی۔ جنگ موتہ میں شرکت کی اور ایک روایت کے مطابق جنگ حنین میں ان افراد میں سے تھے جو لشکر کے فرار کرنے کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساتھ ثابت قدم رہے۔[2]

آپ کی وفات معاویہ کے زمانے میں اور بعض اسے یزید بن معاویہ کے ابتدائی دور میں واقعہ حرہ سے پہلے سمجھتے ہیں۔[3]

بقول ابوالحسن عمری آپ کے اٹھارہ بیٹے تھے: (۱) یزید (۲) سعید (۳) ابان (۴) عثمان (۵) عبدالرحمان (۶) حمزہ (۷) جعفر (۸) عبداللہ (۹) عبداللہ الاصغر (۱۰) جعفر (۱۱) جعفر الاصغر (۱۲) علی (۱۳) علی الاصغر (۱۴) عیسیٰ (۱۵) محمد (۱۶) مسلم (۱۷) ابوسعید (۱۸) عبدمناف۔

بقول شریف عمری آپ کی اولاد سے کربلا میں شہید ہوئے: (۱) عبدالرحمان بن عقیل (۲) حمزہ بن عقیل (۳) جعفر بن عقیل (۴) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۵) ابوسعید الاحول بن عقیل (۶) محمد بن ابی سعید۔[4]

بقول بلازری عقیل کی اولاد میں: جعفر الاکبر، مسلم، عبداللہ اکبر، عبدالرحمان اور محمد کربلا میں شہید ہوئے اور بعض نے ان کی تعداد چھ بتائی ہے۔[5]

سید یحییٰ نسابہ مدنی العقیقی العبید لی نے اپنے مبسوط جو آل ابی طالب میں سے لکھی گئی اول کتاب سمجھی جاتی ہے میں آپ کی اولاد سے درج ذیل چھ افراد کو شہداء کی فہرست میں شمار کیا ہے:

(۱) عبداللہ بن عقیل (۲) جعفر بن عقیل (۳) عبدالرحمان بن عقیل (۴) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۵) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۶) مسلم بن عقیل، جن کا قتل کوفہ میں ہی ہوگیا تھا۔[6]

بقول شیخ مفید آپ کی ام لقمان نام کی بیٹی بھی تھی اور وہ اپنی دیگر بہنوں (ام ہانی، اسماء، رملہ،

---

[1] الاستیعاب ج ۳ ص ۱۵۶

[2] الاصابہ فی تمیز صحابہ از ابن حجر عسقلانی ج ۴ ص ۴۳۸ دار الکتب علمیہ بیروت

[3] الاصابہ فی تمیز صحابہ از ابن حجر عسقلانی ج ۴ ص ۴۳۹

[4] المجدی از شریف عمری ص ۵۲۱

[5] انساب الاشراف از احمد بن یحییٰ بن جابر ج ۲ ص ۶۰، ۷۰، تحقیق باقر محمودی موسسہ علمیہ بیروت

[6] کتاب العقبین من ولد الامام امیر المومنین از یحییٰ نسابہ العبیدلی تحقیق محمد کاظم ص ۱۱۲، نشر مکتب آیت اللہ العظمی نجفی مرعشی قم، ایران

زینب) کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر سن کر خیام سے باہر آئیں اور انہوں نے آپ پر اشعار پڑھ کر گریہ کیا۔[1]

بقول عمری کہ محمد بن عقیل کے علاوہ آپ کی تمام اولاد منقرض ہوگئی۔[2]

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد صرف محمد بن عقیل سے باقی رہی۔[3]

(۸) محمد بن عقیل بن ابی طالب

بقول صاحب المجدی شریف عمری کہ محمد بن عقیل کے پانچ فرزند تھے:

(۱) عبداللہ الاحول (۲) عبدالرحمان شبیہ (۳) قاسم (۴) حسین (۵) عقیل

اول: قاسم بن محمد بن عقیل کے سات فرزند تھے: (۱) عبداللہ (۲) جعفر (۳) فضل (۴) ہارون (۵) عقیل (۶) محمد (۷) عبدالرحمان، مگر ان کی نسل طویل نہ رہی۔

دوم: عبدالرحمان شبیہ بن محمد بن عقیل کے دو فرزند تھے: (۱) سعید (۲) عبداللہ (لقب ربیع) اور پھر عبداللہ بن عبدالرحمان کے ایک فرزند علی اور یہ منقرض ہوئے اور ایک دختر ام کلثوم تھیں۔

سوم: عبداللہ احول بن محمد بن عقیل۔

آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ فقیہ جلیل تھے آپ کی والدہ زینب صغریٰ بنت علی بن ابی طالب تھیں۔

بقول شریف عمری آپ کے پانچ فرزند تھے: (۱) محمد اصغر (۲) عقیل (۳) حزم (۴) محمد اکبر (۵) مسلم

بقول عمری کہ شیخ شرف العبید لی سے پڑھا اور پھر دریافت کیا ابن معیہ نسابہ سے روایت جو محمد بن عبدہ سے تھی کہ ان میں سے تین فرزند درج تھے: محمد اصغر، عقیل اور حزم۔[4]

اولاد مسلم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل:

بقول شریف عمری آپ نے تیرہ (۱۳) بیٹے تھے جن میں سے چار کی اولاد جاری ہوئی: (۱) سلیمان (۲) عبدالرحمان (۳) محمد اکبر (۴) عبداللہ ابن حمیہ

---

[1] الارشاد از شیخ مفید، تحقیق موسسہ اہل بیت قم ج ۲ ص ۱۲۴

[2] المجدی ص ۵۲۰

[3] عمدۃ الطالب صفحہ ۳۲، ناشر مکتبہ انصاریان

[4] المجدی فی الانساب الطالبین ص ۵۲۲

اوّل: سلیمان بن مسلم کی اولاد سے اسحاق بن عبداللہ بن سلیمان المذکور تھے۔
دوم: عبدالرحمان بن مسلم کی اولاد سے دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) مسلم (۲) ابراہیم
پہلی شاخ مسلم بن عبدالرحمان کی اولاد سے جعفر بن عبدالرحمان اصغر بن مسلم المذکور تھے جنہوں نے طبرستان میں سکونت اختیار کی۔ دوسری شاخ میں ابراہیم بن عبدالرحمان بن مسلم کی اولاد سے ابوالقاسم علی بن ابوالعباس احمد (آپ کی عمر ۱۰۰ سال تھی) بن محمد ابن ابراہیم المذکور تھے۔
سوم: محمد اکبر بن مسلم آپ کے دو فرزندان صاحب اولاد تھے: (۱) سلیمان (۲) حسین
حسین بن محمد اکبر کی اولاد سے عبداللہ بن حسین المذکور تھے جس کی بقیہ اولاد کوفہ میں رہی۔ دوسری شاخ سلیمان بن محمد اکبر کے دو پسران صاحب اولاد ٹھہرے: (۱) عبداللہ (۲) علی
ان میں علی بن سلیمان کی اولاد ہے۔ حسن بن علی بن حسن بن علی المذکور تھے جو کوفہ میں رہے اور اولاد غلافقہ یمن کو گئی۔ جبکہ عبداللہ بن سلیمان کی اولاد ہے: عبداللہ بن مسلم بن عبداللہ المذکور تھے۔ آپ کی ولادت مکہ میں ہوئی تھی۔
چہارم: عبداللہ (ابن جمیحہ) بن مسلم بن عبداللہ کے بقول شریف عمری آٹھ فرزند تھے: (۱) سلیمان (۲) یعقوب (۳) موسیٰ (۴) احمد (۵) ابراہیم الملقب دخنہ (۶) اسحاق (۷) عیسیٰ اوقصی (۸) محمد ابن مخزومیہ۔ بقول شریف عمری ان میں سے چار کی اولاد جاری ہوئی: (۱) احمد (۲) ابراہیم الملقب دخنہ (۳) عیسیٰ اوقص (۴) محمد ابن مخزومیہ[1]

(۹) مسلم بن عقیل بن ابی طالب

مسلم بن عقیل بن ابی طالب امام حسین علیہ السلام کے چچا زاد بھائی اور آپکے کوفہ میں سفیر تھے۔ مسلم بعض اسلامی فتوحات اور صفین میں حاضر تھے۔ آپکے والد عقیل قریش کے ماہر نسب شناس[2] اور فصحائے عرب میں تھے۔[3]
آپکی والدہ علیہ کے نام سے کنیز تھیں جو شام سے تھیں[4] جبکہ بلازری نے اِن کا نام حلیہ لکھا ہے۔[5]

---

[1] المجدی فی الانساب الطالبین ص ۵۲۲، ۵۲۳، از شریف عمری
[2] الاستیعاب، از ابن عبدالبر ج ۳ ص ۱۰۷۹ تحقیق علی محمد بجاوی دار الجبل بیروت
[3] الاستذکار، از ابن عبدالبر ج ۸ ص ۲۴۹ تحقیق سالم محمد عطا، محمد علی معوض دار الکتب العلمیہ بیروت
[4] مقاتل الطالبین، از ابوالفرج اصفہانی ص ۵۲، تحقیق کاظم المظفر مکتبہ حیدریہ نجف
[5] انساب الاشراف از احمد بن یحییٰ بلازری ج ۳ ص ۲۲۴ تحقیق باقر محمودی مطبوعہ الاعلمی

ابن حبان تحریر کرتے ہیں کہ مسلم بن عقیل ہاشمی تھے ان کی کنیت ابوداوَد تھی جو عبدالمطلب کی اولاد میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے نیز آپ نے صحابہ کا زمانہ درک کیا تھا۔[1]

بلازری نے عقیل کی اولاد میں مسلم کو قوی ترین اور شجاع ترین شمار کیا ہے۔[2]

آپ کا مزار مسجد کوفہ کے ایک جانب ہے۔[3]

حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات میں سے ان کا ۲۱ھ کی اسلامی فتوحات کی شرکت ہے جو تاریخی کتب میں مذکور ہے۔ حضرت مسلم اپنے چند بیٹوں اور بھائیوں میں سے جعفر اور علی کے ہمراہ ''بہنساء'' کی جنگ میں شریک تھے۔[4]

حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام نے جنگ صفین میں لشکر امیر المومنین کے ایک حصے کی علمبرداری امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن جعفر طیار علیہ السلام کے ہمراہ کی۔[5]

نیز امام حسن علیہ السلام کی امامت کے دور میں ان کے ہم رکاب رہے۔

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ میں موجود تھے۔ مکہ میں پہنچنے پر اہل کوفہ کے خطوط کی کثرت دیکھتے ہوئے امام پاک نے عراق کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے حضرت مسلم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔[6]

مستندات کے مطابق قیس بن مسہر صیداوی، عمارۃ بن عبد سلولی اور عبدالرحمان بن عبداللہ کوفہ کے اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کو تقویٰ کی نصیحت کی اور اس کے ساتھ حکم دیا کہ اپنے سفر کو مخفی رکھیں۔ اگر لوگ ان کا ساتھ دینے پر راضی ہوں تو واپس امام کو خبر دیں۔[7]

حضرت مسلم علیہ السلام نے کوفہ جانے کا عمومی راستہ کا انتخاب نہیں کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے کوفہ جانے کے سفر کو مخفی رکھا آپ نے راستے میں دو رہنما افراد کو ساتھ لیا لیکن راستہ گم ہوجانے کی وجہ

---

[1] الثقات از ابن حبان ج ۵ ص ۳۹۱ موسسہ الکتب الثقافیہ
[2] انساب الاشراف از بلازری ج ۲ ص ۷۷
[3] تاریخ کوفہ از سید براقی تحقیق ماجد احمد العطیہ انتشارات مکتبہ حیدریہ، نجف
[4] فتوح الشام از محمد بن عمر واقدی تحقیق عبداللطیف عبدالرحمان دارالکتب علمیہ، بیروت
[5] مناقب آل ابی طالب از ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۱۹۷
[6] اخبار الطوال از ابن قتیبہ دینوری ص ۲۳۰ تحقیق عبدالمعنم عامر مراجع داکتور جمال الدین ایثال، قاہرہ
[7] الارشاد از شیخ مفید ص ۲۹۵ تا ۲۹۷ ترجمہ الارشاد ص ۲۳۹ تا ۲۴۱)

سے شدید پیاس کا شکار ہوئے۔ وہ دونوں رہنما ہلاک ہوگئے۔ مسلم بن عقیل علیہ السلام اپنی جان بچا کر ایک آبادی میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ نے وہاں سے خط کے ذریعے امام حسین علیہ السلام کو پیش آنے والے حالات سے باخبر کیا۔ اور اس کو فالِ بد کہتے ہوئے اس سفر کی رخصت طلب کی لیکن امام نے انہیں اپنا سفر جاری رکھنے کو کہا۔[1]

کوفہ پہنچے تو مختار ابن ابی عبیدہ کے گھر میں قیام کیا۔[2] البتہ مسعودی کے بقول عوسجہ نامی شخص کے گھر مقیم ہوئے۔[3] اور ابن جوزی نے بھی عوسجہ کے گھر قیام کا ذکر کیا ہے۔[4] بقول ابن عساکر ۱۲۰۰۰ افراد نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعض نے یہ تعداد ۱۸۰۰۰ لکھی ہے۔

مسلم کی اس قدر حوصلہ افزائی سے یزید کے جاسوسوں نے اس کو خط لکھا اور والی نعمان بن بشیر کی شکایت لگائی۔ یزید نے حاکم بصرہ عبیداللہ بن زیاد کو اضافی طور پر کوفہ کا بھی حکمران مقرر کردیا۔ عبیداللہ ابن زیاد کے کوفہ آنے پر حضرت مسلم بن عقیل مختار بن ابی عبیدہ کے گھر سے نکل کر ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہوگئے۔

لیکن ابن زیاد کو اس کی خبر ہوئی اور اس نے ہانی سے مسلم کو طلب کیا ہانی کے انکار پر ان کو گرفتار کرلیا گیا جب یہ خبر حضرت مسلم علیہ السلام کو ہوئی تو آپ نے ۴۰۰۰ افراد کے ہمراہ ''یا منصور امت'' کے نعرے کے ساتھ قصر کا گھیراؤ کرلیا۔[5]

ابن زیاد نے لشکر شام کے آنے کی افواہ پھیلا کر حضرت مسلم علیہ السلام کا لشکر منتشر کردیا اور شام تک مسجد کوفہ میں آپ دس افراد کے ہمراہ نماز پڑھ کر نکلے تو گلیوں میں وہ بھی آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ آخر آپ تھک کر طوعہ نامی خاتون کے گھر پناہ گزین ہوئے جس کے بیٹے نے انعام کے لالچ میں آپ کی خبر قصر دارالامارۃ پہنچائی۔

پھر محمد بن اشعث ۷۰ افراد کے ہمراہ آپ کو گرفتار کرنے آیا شدید جنگ کے بعد امان دے کر آپ کو قصر دارالامارہ لایا گیا جہاں ابن زیاد لعین نے امان توڑ کر آپ کے قتل کا حکم دیا۔

آپ کی اولاد میں بقول شریف عمری: (۱) مسلم (۲) عبدالعزیز اور (۳) عبداللہ تھے[6] جن میں

---

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۵۴، ۳۵۵، الفتوح از ابن اعثم کوفی ج ۵ ص ۵۳ تحقیق علی شیری بیروت
[2] اخبار الطوال، از ابن قتیبہ دینوری ص ۲۳۱
[3] مروج الذہب و معاون الجوہر ج ۳ ص ۵۴ منشورات دار الہجرۃ قم ایران
[4] المنتظم فی تاریخ امم و الملوک ج ۵ ص ۳۲۵
[5] فرزندان آل ابی طالب ترجمہ ج ۱ ص ۱۴۷
[6] المجدی فی الانساب الطالبین از شریف عمری نشر مکتبہ مرعشی نجفی قم، ص ۵۲۰

سے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کربلا میں شہید ہوگئے، جبکہ طبری بلاذری اور طوسی نے کربلا میں عبداللہ بن مسلم اور محمد بن مسلم کی شہادت لکھی ہے۔[1]

عبداللہ بن مسلم بن عقیل کی والدہ رقیہ بنت امام علی تھیں۔[2]

(۱۰) جعفر الطیار بن ابی طالب علیہ السلام

آپ کا نام جعفر لقب طیار تھا اور آپ کو آپ کے بیٹے عبداللہ کی نسبت سے ابوعبداللہ کنیت سے پکارا جاتا ہے۔ آپ کی دوسری کنیت ابوالمساکین تھی غرباء اور مساکین پر مسلسل احسان کی بنا پر اسی کنیت سے مشہور ہوئے۔ ذوالجناحین بھی آپ کا مشہور لقب تھا بقول ابی الفرج اصفہانی زمانہ اسلام میں حضرت ابو طالب کی اولاد سے آپ اوّل شہید ہوئے۔ حضرت جعفر طیار علیہ السلام، حضرت ابو طالب کی اولاد میں تیسرے نمبر پر تھے آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا اور آپ کی نانی کا نام بھی فاطمہ ہی تھا مگر ان کی شہرت حسبی بنت حرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لؤی کے نام سے ہے۔[3]

آپ نے دو ہجرتیں کی ہیں۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ۔

بقول ابن اثیر حضرت علی علیہ السلام کے بعد آپ دوسرے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت ابو طالب نے حضرت علی علیہ السلام کو مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف نماز ادا کرتے دیکھا تو جعفر کو فرمایا جاؤ بائیں جانب کھڑے ہوکر نماز ادا کرو۔[4]

جبکہ بقول ابن سعد کہ جعفر طیار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارقم کے گھر داخل ہونے سے قبل مسلمان ہوئے۔[5]

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگ مختلف درختوں سے ہیں جبکہ میں اور جعفر ایک درخت سے ہیں اور ایک طینت سے خلق ہوئے ہیں۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ

حدثنی محمد بن ابراهیم بن ابان السراج، قال حدثنا بشار بن موسیٰ الخفاف۔

---

[1] طبری ج ۴ ص ۳۵۹ انساب الاشراف ج ۲ ص ۴۰۷، ۴۰۸، رجال شیخ طوسی ص ۱۰۳

[2] طبری ج ۴ ص ۳۵۹، طبرسی اعلام الوری با اعلام الہدیٰ ج ۱ ص ۳۹۷

[3] مقاتل الطالبین ص ۲۳

[4] اسد الغابہ از ابن اثیر ج ۱ ص ۲۸۷ دار الکتاب العربی بیروت

[5] طبقات الکبریٰ از ابن سعد ج ۴ ص ۳۴ دار صادر بیروت

قال حدثنا ابو عوانه عن الاجلع عن شعبی سے منقول ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر فتح کیا تو اس وقت حضرت جعفر طیار علیہ السلام حبشہ سے مدینہ تشریف لائے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا:

''مجھے نہیں معلوم کہ کس بات پر زیادہ خوش ہوں، جعفر کے آنے پر یا خیبر کی فتح پر۔''[۱]

بقول ابن اسحاق اور ابن شہاب الزہری: کہ جب حضرت جعفر طیارؑ حبشہ سے واپس آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں موتہ کی جانب روانہ کیا۔[۲]

قال ابن اسحاق حاصہ عن محمد بن جعفر بن زبیر عن عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمادی الاوّل آٹھ ہجری میں جعفر بن ابی طالبؑ کو مسلمانوں کے لشکر کے ہمراہ موتہ کی طرف روانہ فرمایا اور مسلمانوں کے لشکر کا سربراہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا اور فرمایا:

''اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر ابن ابی طالب لوگوں پر سردار ہوں گے اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ لشکر کے سردار ہوں گے۔''[۳]

بقول محمد بن جریر طبری کہ کہا ابن حمید نے قال حدثنا سلمة عن ابن اسحاق قال عبداللہ بن ابی بکر انهٔ حدث من زید بن ارقم۔

کہ جب مسلمانوں کا لشکر تخوم البقاء کے مقام پر پہنچا تو ہرقل روم اور عرب کی ایک جماعت سے آمنا سامنا ہو گیا مسلمان ایک گاؤں کی طرف ہو گئے جس کا نام ''موتہ'' تھا اور وہاں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔

مسلمانوں کے لشکر میں میمنہ پر ''عذرہ'' کے ایک شخص قطبہ بن قتادہ کو سردار متعین کیا گیا اور میسرہ پر انصار کے ایک شخص ''عبادہ بن مالک'' کو سردار مقرر کیا گیا، پھر جنگ شروع ہوئی یہاں تک کہ آپ شہید ہوئے۔ حضرت زید بن حارثہ کی شہادت کے بعد لشکر کا علم حضرت جعفر طیار علیہ السلام نے سنبھالا اور اس پرچم تلے دوبارہ جنگ شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی تو آپ اپنے سرخ گھوڑے سے اترے اسے ذبح کیا اور علم تھام کر پیادہ ہی لڑنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اسلامی تاریخ میں اپنے گھوڑے کو ذبح کر کے جنگ میں کود جانے کی یہ اولین مثال تھی۔ آپ نے شاید اس لئے گھوڑا ذبح کیا کہیں یہ

---

[۱] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۲۹، ۳۰، شرح تحقیق سید احمد صقر منشورات شریف رضی

[۲] مقاتل الطالبین ص ۳۰

[۳] فضائل الطالبین ص ۳۰

دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔[1]

بقول جمال الدین ابن عنبہ، جعفر بن ابی طالب علیہ السلام، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو تینوں جنگ موتہ کے شہید تھے کو ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔[2]

حضرت عکرمہؓ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: کوئی بھی سواری پر سوار ہونے والا اور کوئی بھی اونٹ کے کجاوے پر بیٹھنے والا اور کوئی بھی جوتی پہننے والا ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت جعفر طیار علیہ السلام سے افضل ہو۔

حضرت ابوسعد خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لوگوں میں بہترین افراد حمزہ علیہ السلام، جعفر علیہ السلام اور علی علیہ السلام ہیں۔''

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے جعفر کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ جنت میں ملائکہ کے ہمراہ دو پروں کے ساتھ محوِ پرواز ہیں۔''

آپ کی اولاد کے متعلق بقول ابوالحسن عمری نسابہ کہ آپ کی اولاد میں آٹھ فرزند تھے: (۱) عبداللہ (۲) عون (۳) محمد اکبر (۴) محمد اصغر (۵) حمید (۶) حسین (۷) عبداللہ اصغر (۸) عبیداللہ۔ اور ان میں سے عون اور محمد اصغر کربلا میں شہید ہوئے اور محمد اکبر صفین میں شہید ہوئے۔[3]

بقول شریف ابن عنبہ ان سب کی والدہ اسماء بنت عمیس خشعمیہ تھیں۔[4]

اسماء بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن مالک بن بشیر بن وھب اللہ بن شہران بن عفرس بن خلف افتل جو کہ خشعم تھا۔

اور آپ کی والدہ ہند بنت عوف بن حارث بن (جو حماطہ معروف تھے) بن ربیعہ بن ذی جلیل بن جرش (جن کا نام منبہ تھا) بن اسلم بن زید بن غوث بن سعد بن عوف بن عدی بن مالک بن زید بن سہل بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبدشمس بن وائل بن غوث بن قطعن بن غریب بن زہیر بن ایمن بن الھمیسع بن حمیر بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھیں۔

---

[1] مقاتل الطالبین ص ۳۰

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، مکتبہ انصاریان ص ۳۵

[3] المجدی فی انساب الطالبین ص ۵۰۸

[4] عمدۃ الطالب ص ۳۵

اور یہ ہند بنت عوف جو اسماء بنت عمیس کی والدہ تھیں کو جرشیہ کہا جاتا تھا اور یہ بھی کہا جاتا تھا کہ جرشیہ کے داماد سارے مردوں میں معزز اور مکرم ہیں (جرش یمن میں ایک علاقے کا نام بھی ہے)

ہند بنت عوف کی بیٹی اسماء بنت عمیس کی شادی حضرت جعفر طیارؑ سے ہوئی اور ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور ان کی وفات کے بعد امیر المومنین امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ہوئی۔

ہند بنت عوف کی دوسری بیٹی میمونہ کی شادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرار پائی ہند کی تیسری بیٹی لبابہ اُم الفضل جو ام المومنین میمونہ کی بہن ہیں کی شادی حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی اور ان کی اولاد کی ماں قرار پائیں۔ ہند کی چوتھی بیٹی سلمٰی بنت عمیس کی شادی حمزہ بن عبدالمطلب سے ہوئی۔[1]

ہند بنت عوف کی شادی حارث بن جون بن بجیر بن ھرم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر سے ہوئی تو حارث کی دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ میمونہ اور ام الفضل، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی اور ام الفضل کی شادی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور ان کے بطن سے پانچ فرزند پیدا ہوئے: (۱) عبداللہ (۲) عبیداللہ (۳) فضل (۴) معبد (۵) قثم

بقول ابن عنبہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی اولاد میں اوّل محمد اکبر بن جعفر طیار کی تین اولادیں تھیں: (۱) قاسم (۲) عبداللہ اور تیسری بیٹی تھی۔

اور قاسم بن محمد اکبر بن جعفر کی ایک بیٹی تھی اور اس بیٹی کی والدہ عبداللہ الجواد بن جعفر طیار اور بی بی زینب بنت علی بن ابی طالب کی بیٹی تھیں اور قاسم بن محمد اکبر بن جعفر طیار کی بیٹی کی شادی طلحہ بن عمر بن عبداللہ بن معمر التیمی سے ہوئی۔[2]

بقول ابن عنبہ جعفر طیار بن ابو طالب کی اولاد صرف اور صرف حضرت عبداللہ جواد سے باقی رہی۔[3]

(۱۱) محمد بن جعفر بن ابی طالب

آپ کا نام محمد بن جعفر تھا اور آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں۔ بقول عمری آپ کا لقب اکبر تھا اور آپ صفین میں شہید ہوئے۔ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ

اخبر فی احمد بن محمد بن سعید قال حدثنا یحییٰ بن حسن قال حدثنی ابو یونس

---

[1] مقاتل الطالبین ص ۳۴، ۳۵

[2] عمدۃ الطالب ص ۳۶

[3] عمدۃ الطالب ص ۳۶

محمد بن احمد قال حدثنا ابراهیم بن منذر قال حدثنی عبدالرحمان بن مغیرہ
عن ابیہ عن ضحاك بن عثمان قال۔

عبیداللہ بن عمر بن خطاب ایک لشکر کے ہمراہ نکلا جس لشکر کا نام خضراء تھا اور اس کے مقابلے میں محمد بن جعفر بن ابی طالب نکلے جبکہ محمد بن جعفر کے ہاتھ میں حضرت علی علیہ السلام کا وہ علم اٹھایا ہوا تھا جس کا نام ''جموع'' تھا۔ دونوں لشکروں کی تعداد دس ہزار افراد پر مشتمل تھی اور دونوں لشکروں کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی۔ عبیداللہ بن عمر چیخ کر کہنے لگا کب تک تم یوں احتیاطی تدابیر اپنائے رہو گے تم خود (محمد بن جعفر) آؤ میں تم سے دوبدو لڑائی کرتا ہوں۔ یہ سن کر محمد بن جعفر اس کے مقابلے پر آئے اور دونوں نے ایک دوسرے پر نیزے سے حملہ کیا یہاں تک کہ دونوں کے نیزے ٹوٹ گئے پھر دونوں تلواروں سے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ محمد بن جعفر کی تلوار ٹوٹ گئی اور عبیداللہ بن عمر کی تلوار چمڑے کی ڈھال میں پھنس گئی تو دونوں نے ایک دوسرے کو گلے سے لگاتے دبوچ لیا اور ایک دوسرے کی ناک کو دانتوں سے کاٹ ڈالا اور دونوں اپنے اپنے گھوڑے سے زمین پر آ گرے یہ منظر دیکھ کر دونوں کے ساتھی ایک دوسرے کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے یہاں تک کہ دونوں اطراف سے مقتولین کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔

(یہ واقعہ جنگ صفین کا ہے) حضرت علی علیہ السلام نے اس معرکہ میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائے اور شامیوں کو دونوں لاشوں سے بھگا دیا اور فرمایا میرے بھتیجے کی لاش کو دیگر مقتولین کی لاشوں سے الگ کردو۔

ابوالفرج اصفہانی کہتا ہے کہ یہ روایت ضحاک بن عثمان کی ہے اور میں نے سیرت نگاروں کی کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ ذکر کیا ہو کہ محمد بن جعفر نے عبیداللہ بن عمر کو قتل کیا ہو اور نہ ہی میں نے سنا کہ سیرت نگاروں کی کسی کتاب میں محمد بن جعفر کے قتل کا تذکرہ ہو۔[1]

لیکن بقول شریف عمری محمد اکبر بن جعفر صفین میں ہی شہید ہوئے۔[2]

(۱۲) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

آپ کا نام عبداللہ اکبر الجواد تھا آپ کی ولادت حبشہ میں ہوئی۔[3]

آپ اوّل بچے تھے جو ہجرت حبشہ کے دوران پیدا ہوئے۔ آپ اعلانِ نبوت کے تین سال بعد پیدا

[1] مقاتل الطالبین، ص ۳۷، ۳۸
[2] المجدی ص ۵۰۸
[3] عمدۃ الطالب ص ۳۷

ہوئے اور ہجرت نبوی کے وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔ بقول ابن عنبہ آپ کی سخاوت کی بہت کثیر خبریں ہیں۔آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۸۰ ہجری میں ہوئی اور اس وقت آپ کی عمر ۹۰ سال تھی اور آپ کا جنازہ ابان بن عثمان بن عفان نے پڑھوایا اور آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ابواء میں فوت ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۹۰ سال تھی اور آپ کا جنازہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے عہد خلافت میں پڑھوایا اور آپ کو ابواء میں ہی دفن کیا گیا۔[۱]

اور بقول ابن عنبہ کہ شریف عمری کے بقول آپ عبدالملک بن مروان کے عہد میں فوت ہوئے اور آپ کی عمر ۹۰ سال تھی۔ اکثر تاریخی کتابوں میں آپ صدر اسلام کی جنگوں اور فتوحات میں ان کی حاضری کے بارے میں کوئی خاص معلومات نہیں۔

واقدی کے بقول حضرت عمر بن خطابؓ کے دور حکومت میں عبداللہ بن جعفر نے فتوح الشام میں شرکت کی اور ابوعبیدہؓ نے انہیں ۵۰۰ سپاہیوں کی کمانڈ دی تھی۔[۲]

حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور حکومت میں جب حضرت ابوذر غفاریؓ کو ربذہ میں جلا وطن کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ حضرت امام علیؑ کی پیروی میں حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ کے باہر تک خدا حافظ کہنے آئے۔[۳]

بقول ابن ابی الحدید کوفہ میں ایام عثمانی میں ولید بن عقبہ کی شراب خوری کے معاملے میں عبداللہ نے امام علیؑ کے حکم سے ولید پر حد جاری کی اور جب مخالفین نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تو عبداللہ بھی حضرت علیؑ کے حکم سے حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور ہوئے۔[۴]

بقول مسعودی آپ نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی طرف سے جنگ جمل میں حصہ لیا۔[۵]

بقول ابن عساکر جنگ صفین میں آپ جناب امیر المومنین کے ساتھ تھے اور قریش اور کنانہ جیسے قبائل کی سرداری اور امام علیؑ کے لشکر کے دائیں بازو کی کمانڈ آپ کے پاس تھی۔[۶]

---

[۱] عمدۃ الطالب ص ۳۷

[۲] فتوح الشام از واقدی ج ۱ ص ۱۰۰ تا ۱۰۸

[۳] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۲، مروج الذہب (بیروت ایڈیشن) از مسعودی ج ۳ ص ۸۹

[۴] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید چھاپ محمد ابوالفضل ابراہیم قاہرہ ج ۱۷ ص ۲۲۳ تا ۲۳۴

[۵] مروج الذہب از مسعودی بیروت ایڈیشن، ج ۳ ص ۱۰۵

[۶] ابن عساکر ج ۲۷ ص ۲۷۰، ابن اعثم کوفی ج ۳ ص ۲۴

اسی جنگ میں قریش اور انصار کے بعض دیگر افراد کے ساتھ عمرو بن عاص پر حملہ کیا۔[1]

امام علی علیہ السلام نے عبداللہ بن جعفر کی تجویز پر محمد ابن ابی بکر کو جو کہ عبداللہ کے مادری بھائی بھی تھے قیس بن سعد کی جگہ مصر کی گورنری پر منصوب کیا۔[2]

عبداللہ بن جعفر صلح امام حسن علیہ السلام تک آپ کی ساتھ تھے۔[3]

ابن سعید سے ہی منقول ہے کہ ۶۳ ہجری قمری کو واقعہ حرہ میں عبداللہ بن جعفر نے مدینہ والوں کیلئے یزید سے گفتگو کی اور اس کو مدینہ والوں کے ساتھ تشدد اور خون ریزی سے پرہیز کرنے کی درخواست کی۔ یزید نے کہا اگر مدینہ والوں نے میری اطاعت کی تو میں تمہاری درخواست پر عمل کروں گا اس وجہ سے عبداللہ نے مدینہ کے بعض سرداروں کے نام خط لکھا اور انہیں یزید کے سپائیوں کا رستہ نہ روکنے کی درخواست کی۔[4]

لیکن پھر بھی یزید نے عہد توڑ کر مدینہ پر ظلم اور بربریت کی داستان رقم کردی۔ واقعہ حرہ میں عبداللہ بن جعفر، ابوبکر اور عون اصغر یزید کے سپاہیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[5]

بقول شیخ عمری آپ کی ۲۹ اولادیں تھیں جن میں نو بیٹیاں تھیں: (۱) رقیہ الکبریٰ (۲) رقیہ (۳) ام محمد (۴) ام عبداللہ (۵) لبابہ (۶) اسماء (۷) ام ابیہا (۸) ام کلثوم الکبریٰ (۹) ام کلثوم

اور آپ کے بیس فرزند تھے: (۱) علی (۲) اسحاق (۳) اسماعیل (۴) معاویہ (۵) ابوبکر (۶) عون (۷) یزید (۸) حسن (۹) ابراہیم (۱۰) محمد (۱۱) ہارون (۱۲) موسیٰ (۱۳) یحییٰ (۱۴) صالح (۱۵) عباس (۱۶) علی اصغر (۱۷) جعفر (۱۸) عون الاصغر (۱۹) قثم (۲۰) عیاض۔[6]

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کی شادی بی بی زینب بنت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے ہوئی تو آپ کے چار فرزند تولد ہوئے: (۱) عباس (۲) ابراہیم (۳) جعفر (۴) علی الاصغر

اور ان حضرات کو زینبیون کہا گیا۔[7]

---

[1] دینوری ص ۱۸۴

[2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۵۵۴، ۵۵۵، ابن ابی الحدید ج ۶ ص ۶۸

[3] طبری، ج ۳ ص ۱۶۵

[4] طبقات الکبیر از ابن سعد ج ۷ ص ۱۴۷

[5] قاموس الرجال از محمد تقی تستری ج ۶ ص ۲۸۷

[6] المجدی ص ۵۰۹

[7] المجدی ص ۵۰۹

لیکن شیخ ابوالحسن عمری کتاب المجدی فی الانساب الطالبین میں ہی ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ زینب بنت علی کی کنیت ام الحسن تھی اور آپ کی والدہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ ﷺ تھیں اور آپ زینب الکبریٰ تھیں آپ کی شادی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب یعنی اپنے چچا زاد سے ہوئی اور آپ کے تین فرزند پیدا ہوئے: (۱) علی (۲) عون (۳) عباس۔

اور یہ قول الموضح نسابہ عمری علوی کا ہے جسے انہوں نے دندانی نسابہ سے لیا اور دندانی نسابہ نے یہ قول اپنے دادا سید یحییٰ نسابہ عبید لی مدنی سے لیا۔[1]

اور خبر دی مجھے ابوموسیٰ نے یحییٰ بن حسن سے اور خبر دی مجھے طاہر بن یحییٰ بن حسن نے اپنے والد سے۔ انہوں نے کہا کہ زینبؑ کبریٰ بنت علی ابن ابی طالب جن کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں ان سے: (۱) علی (۲) جعفر (۳) عون (۴) عباس (۵) ام کلثوم۔ بنی عبداللہ بن جعفر پیدا ہوئے اور زینب بنت علی سلام اللہ علیہا نے اپنی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے کئی روایات نقل کی ہیں۔[2]

بقول شیخ ابوالحسن عمری عبداللہ جواد بن جعفر طیار کی اولاد میں ابوبکر بن عبداللہ جواد کی اولاد میں ایک بیٹی تھی اور آپ واقعہ حرہ میں شہید ہوئے، جبکہ عبداللہ جواد بن جعفر طیار کی اولاد: اسحاق العریضی اور علی زینبی سے باقی رہی۔

(۱۳) عون بن عبداللہ جواد بن جعفر الطیار

بقول ابی الفرج صفہانی آپ کی والدہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی صاحبزادی عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینبؑ بنت علی ہیں اور آپ کی نانی سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔عبداللہ جواد کے دو بیٹوں کے نام عون تھے۔[3]

اول عون اکبر کی والدہ سیدہ زینب بنت امیر المومنین علی تھیں۔

دوم عون اصغر کی والدہ جمانہ بنت مسیب بن نجبہ تھیں اور یہ مسیب بن نجبہ توابین کے سرداروں میں سے تھے۔

عون اکبر یعنی سیدہ زینب کبریٰ کے صاحبزادے کربلا میں شہید ہوئے۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۱۹۹، ۲۰۰

[2] الذریہ الطاہرہ حدیث ۲۲۴ ص ۱۶۶

[3] مقاتل الطالبین، ص ۹۵

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ عون اصغر مدینہ میں واقعہ حرہ میں شہید ہوئے۔
ابن شہر آشوب کے مطابق عون اکبر نے تین سواروں اور اٹھارہ پیادہ جنگجوؤں کو قتل کیا اور عبداللہ بن قطنہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[1]
بقول ابی الفرج اصفہانی کہ حمید ابن مسلم سے روایت ہے کہ عبداللہ بن قطنہ تہانی نے عون بن عبداللہ جواد کو شہید کیا۔[2]

(۱۴) عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار

آپ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار کی کنیت ابو معاویہ تھی۔ آپ کی والدہ اسماء جو کہ ام عون بنت عباس ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب تھیں۔
عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ جواد بہت سخی بہادر اور شاعر تھے۔
محمد نوفلی نے اپنے چچا عیسیٰ سے روایت نقل کی ہے۔ عمارہ بن حمزہ زندیق تھا اور عبداللہ بن معاویہ نے اسے اپنا کاتب مقرر کیا اسی طرح محمد نوفلی سے کچھ اور بھی روایات بیان ہوئی ہیں جو عبداللہ بن معاویہ کو بد سیرت اور بدعقیدہ ظاہر کرتی ہیں مگر اکابر علمائے تشیع جیسے علامہ حلی، شہید اوّل محقق اردبیلی سید محسن الحکیم وغیرہ نے محمد نوفلی کو ضعیف قرار دیا لیکن ابوالفرج اصفہانی نے اس کی روایات کا بعض جگہ سہارا لیا۔[3]

اخبرنی به احمد بن عبیداللہ بن عمار قال حدثنی علی بن محمد نوفلی عن ابیه و مشاخیه قال علی ابن حسین و اضفت الی ذالك ماذکرہ محمد بن علی بن حمزہ فی کتابه۔

کہ محمد بن علی بن حمزہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ جب یزید بن ولید جو کہ یزید ناقص کے نام سے معروف تھا کی بیعت کی گئی تو عبداللہ بن معاویہ نے کوفہ میں اپنی تحریک شروع کی۔ اس نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور ''الرضا من آل محمدؐ'' کا نعرہ بلند کیا۔ عبداللہ بن معاویہ اُونی لباس پہنتے تھے اور بظاہر بھلائی کے آثار دکھاتے تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے اور ان کی بیعت کر لی مگر تمام کوفہ

---

[1] المناقب از ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۰۶، نشر قم
[2] مقاتل الطالبین ص ۹۵
[3] ترجمہ مقاتل الطالبین، از علامہ حسن رضا باقر ص ۱۸۵

کے لوگ ان کی بیعت پر متفق نہیں تھے اور انہوں نے ان سے کہا اب ہمارا کوئی باقی نہیں رہا ہمارے زیادہ تر افراد اہل بیت کے گھرانے کے افراد کے ساتھ مارے جا چکے ہیں نیز لوگوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ فارس اور مشرقی علاقوں کی طرف چلا جائے۔ اس نے ان کی رائے قبول کرلی اور گردنواح سے کافی لوگ اکٹھے کر لئے جبکہ عبداللہ بن عباس بن تمیمی نے بھی ان کے ہمراہ خروج کیا۔[1]

قال علی ابن الحسین: قال محمد بن حمزہ عن سلیمان بن ابی شیخ عن محمد بن حکم عن عوانہ۔

کہ عبداللہ بن معاویہ نے مشرق کی طرف کوچ کرنے سے پہلے کوفہ میں خروج کیا اور وہاں پر لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اس زمانے میں یزید الناقص کی طرف سے عبداللہ بن عمر کوفہ کا گورنر تھا اس نے کوفہ شہر سے باہر سیاہ پتھروں والی زمین کی طرف خروج کیا اور وہاں سخت جنگ کی۔[2]

قال علی بن حسین قال محمد بن علی بن حمزہ عن مدائنی عن عامر بن حفص و اخبرنی بہ ابن عمار عن احمد بن حرث عن مدائنی۔

مدائنی سے منقول ہے کہ کوفہ کے گورنر عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن معاویہ کے ساتھیوں میں اپنا ایک جاسوس چھوڑ دیا اور اس نے عبداللہ بن عمر سے وعدہ کیا کہ وہ لڑائی میں شکست خوردہ ہوکر پیچھے ہٹ جائے تا کہ اس کو شکست خوردہ دیکھ کر باقی لوگ بھی جنگ ہار جائیں۔

جب عبداللہ بن معاویہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا اگر ابن خمرہ (جاسوس) شکست خوردہ ہوجائے تو تمہیں اس کی شکست ہرگز خوفزدہ نہ کرے۔ اور جب دونوں دونوں لشکر لڑائی میں آمنے سامنے ہوئے تو ابن خمرہ (جاسوس) نے پسپائی اختیار کی اسے پسپا ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کے ہمراہ دیگر لوگوں نے بھی پسپائی اختیار کی اور میدان میں ابن معاویہ کے علاوہ کوئی باقی نہ بچا اور وہ اکیلے ہی لڑتے رہے۔

پھر عبداللہ بن معاویہ نے بھی پسپائی اختیار کرتے ہوئے منہ جنگ سے پھیر لیا اور واپس لوٹ گئے اس کے بعد پھر لوگوں کو اپنی طرف بلانا شروع کیا اور اطراف سے لوگ ان کی بیعت پر لبیک کہتے ہوئے ان کے پاس جمع ہوگئے حتیٰ کہ جب اچھی خاصی تعداد جمع کر لی تو کوفہ، بصرہ، ہمدان، قُم، رے، قومس، اصفہان، اور فارس کے علاقوں پر غلبہ حاصل کرلیا جبکہ انہوں نے خود اصفہان میں قیام کیا۔ فارس میں بنو یشکر کے غلام محارب

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی منشورات شریف رضی، ص ۱۵۵، تاریخ ابن اثیر، ج ۵ ص ۱۳۱

[2] مقاتل الطالبین ان ابی الفرج اصفہانی ص ۱۵۶

بن موسیٰ نے عبداللہ بن معاویہ کے لئے بیعت حاصل کی ہے[1]

کتب عبداللہ بن معاویہ فیما ذکرمحمد بن علی بن حمزہ عن عبداللہ بن محمد بن اسماعیل الجعفری عن ابیہ عن عبدالعزیز بن عمران عن محمد بن جعفر بن ولید مولی ابی ہریرۃ ومحرز بن جعفر۔ ابو ہریرہ کے غلام محمد بن جعفر بن ولید اور محرز بن جعفر سے منقول ہے کہ عبداللہ بن معاویہ نے مختلف علاقوں کے لوگوں کو خط لکھ کر انہیں اپنی بیعت کرنے کی دعوت دی جبکہ انہوں نے آل محمد کی خوشنودی کے لئے لوگوں کو دعوت دی عبداللہ بن معاویہ نے اپنے ایک بھائی حسن بن معاویہ بن عبداللہ جواد کو اصطخر دوسرے بھائی یزید بن معاویہ بن عبداللہ جواد کو شیراز تیسرے بھائی علی بن معاویہ بن عبداللہ جواد کو کرمان اور چوتھے بھائی صالح بن معاویہ بن عبداللہ جواد کو قُم اور اس کے مضافات کا گورنر نامزد کیا نیز انہوں نے مکمل طور پر بنی ہاشم کو نوازا انہوں نے جن لوگوں کو نوازا ان میں سفاح، منصور عباسی اور عیسیٰ بن علی عباسی بھی شامل تھے ہے[2]

اور ابن ابی خیثمہ نے مصعب سے روایت نقل کی ہے کہ قریش میں سے بنو امیہ اور دیگر ذیلی قبائل کے نمایاں افراد عبداللہ بن معاویہ کی طرف مائل ہوئے بنو امیہ میں سے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک اور عمر بن سہیل بن عبدالعزیز بن مروان ان کی طرف مائل ہوئے انہوں نے ان میں سے بعض کو عہدوں سے نوازا۔ مروان بن محمد جو مروان الحمار کے نام سے معروف ہے اس کے مسند خلافت پر فائز ہونے تک عبداللہ بن معاویہ ان علاقوں میں ہی مقیم رہا جن پر انہوں نے غلبہ حاصل کیا تھا۔

مروان الحمار نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ عامر بن ضبارہ کو عبداللہ بن معاویہ کی طرف روانہ کیا جب یہ لشکر اصفہان پہنچا تو عبداللہ بن معاویہ اور ان کے ساتھی لشکر سے جنگ کے لئے ان کی طرف نکلے لیکن پھر جنگ نہ کی اور نہ ہی ان کے کسی فعل پر ردعمل دکھایا۔ پھر عبداللہ ابن معاویہ اور ان کے بھائی حیران اور خوفزدہ ہوکر خراسان کی طرف نکل پڑے جہاں ان دنوں ابومسلم خراسانی نے خروج کررکھا تھا اور ابومسلم نے نصر بن یسار کو یہاں سے باہر نکالا ہوا تھا۔ جب یہ خراسان کے رستے میں تھے تو تناء کے ایک شخص کے پاس قیام کیا جو انتہائی بامروت تھا۔

عبداللہ بن معاویہ نے اس کے پاس آکر اس سے مدد کی درخواست کی تو اس شخص نے پوچھا کیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ہوا عبداللہ نے کہا نہیں اس شخص نے دوبارہ پوچھا کیا تم ابراہیم الامام ہو

---

[1] مقاتل الطالبین از اصفہانی ص ۱۵۶
[2] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۱۵۷

جس کی بیعت خراسان میں لی جارہی ہے عبداللہ نے کہا نہیں، یہ سن کر اس شخص نے کہا تو پھر مجھے تمہاری مدد کرنے کی ضرورت نہیں، پھر عبداللہ یہاں سے ابومسلم خراسانی کے پاس گئے کہ شاید یہ میری مدد کرے گا مگر ابو مسلم نے ان کو قید کرلیا اس قید کے بعد کیا ہوا اس میں اختلاف ہے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ قید میں رہے حتیٰ کہ ابومسلم کے نام خط تحریر کیا۔ جب یہ خط اسے تحریر کیا گیا تو ابومسلم خراسانی نے ان کے قتل کا حکم صادر کیا۔[1]

جبکہ تاریخ ابن اثیر میں مذکور ہے کہ ابومسلم نے حکم دیا اس کا بچھونا اس کے چہرے پر رکھ دو پھر دم گھٹنے سے عبداللہ بن معاویہ کی موت ہوئی۔ پھر ان کے منہ سے بچھونا ہٹایا گیا اور نماز جنازہ پڑھی گئی اور آپ کی قبر ہرات میں معروف ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔[2]

اور بعض دیگر نے تحریر کیا کہ عبداللہ کو زہر دے کر مارا گیا اور ابن ضبارہ کے پاس ان کا سر بھیجا گیا جس نے سر مروان الحمار کو رخصت کیا اور بعض کے بقول زندہ ابن ضبارہ کے سپرد کیا گیا جس نے قتل کرکے سر مروان الحمار کو بھیجا۔

عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار نے ۱۲۷ ہجری کو خروج کیا تھا۔[3]

بقول جمال الدین ابن عنبہ حسنی نسابہ عبداللہ بن معاویہ نے ۱۲۵ ہجری کو خروج کیا اور لوگوں نے ان کی بیعت کرلی اور یہ معاملہ ۱۲۹ ہجری تک رہا بقول ابن عنبہ عباسیوں کے عامل ابومسلم مروزی نے مکر وحیلہ سے ان کو گرفتار کیا اور ہرات میں ہی قید رکھا آپ مسلسل قید رہے اور ۱۸۳ ہجری کو وفات پائی۔

خود جمال الدین ابن عنبہ نے ان کی قبر کی زیارت ۷۷۶ ہجری میں کی۔

---

[1] ترجمہ مقاتل الطالبین از علامہ حسن رضا باقر ص ۱۸۸، ۱۸۹

[2] تاریخ ابن اثیر ج ۵ ص ۱۵۱

[3] ترجمہ مقاتل الطالبین از علامہ حسن رضا باقر ص ۱۸۹، ۱۹۰

باب دوم:

(۱۵) امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

حضرت امام علی ابن ابی طالب ۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام فیل کو آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ نسباً ہاشمی قریشی تھے۔ آپ کا شجرہ علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصی بن کلاب ہے آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں۔

آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابوالحسین تھی حضرت علی علیہ السلام سے ہی مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حضرت امام حسن علیہ السلام مجھے ابوالحسین کہہ کر پکارتے اور امام حسین علیہ السلام مجھے ابوالحسن کہہ کر پکارتے اور دونوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوالحسنین کہہ کر پکارتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مجھے ابوالحسنین کہہ کر پکارتے۔[1]

آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا اور آپ نے غزوہ خیبر میں یہودیوں کے سامنے یہی رجز پڑھا کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ سہیل بن سعد ساعدی سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی کنیت ابوتراب رکھی مولا علی علیہ السلام اپنی تمام کنیتیوں میں سے ابوتراب کو ہی پسند فرماتے۔

ابو حازم بن دینار سے منقول ہے کہ میں نے سہل بن سعد ساعدی سے سنا وہ کہتے ہیں حضرت علی علیہ السلام کو اپنے تمام اسماء سے ابوتراب پسند تھا کوئی انہیں جب ابوتراب کہہ کر پکارتا تو آپ خوش ہوجاتے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی یہ کنیت رکھی تھی۔ آپ تمام لوگوں سے قبل اسلام لائے۔

بقول ابن عنبہ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے سب سے بڑے طالب اس سے دس سال چھوٹے عقیل ان سے دس سال کم سن جعفر اور آپ جعفر سے بھی دس سال چھوٹے تھے۔ بقول ابن عنبہ آپ کی ولادت بیت اللہ شریف میں بروز جمعہ ۱۳ رجب المرجب ۳۰ عام فیل کو ہوئی اور آپ سے قبل اور بعد کوئی بھی کعبہ میں پیدا نہ ہوا۔[2]

حضرت علی علیہ السلام کو کمسنی میں ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے والد گرامی سے لے کر ان کی پرورش کی تھی قحط کی سختیوں اور مالی تنگ دستی کی وجہ سے جعفر طیارؓ، حمزہؓ اور جناب طالب کو عباس بن عبدالمطلب نے گود

---

[1] شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید معتزلی ج ا ص ۴

[2] عمدۃ الطالب نشر مکتبہ انصاریان قم ص ۵۵

لیا تا کہ ان کے والدین سے کچھ بوجھ کو ہلکا کیا جا سکے لیکن حضرت ابو طالب نے عقیل کو اپنے پاس ہی رکھا کیونکہ وہ ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ مدینہ ہجرت کے بعد جب مسجد النبی تعمیر ہوگئی اور اپنے پہلے خطبے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا تو حضرت علیؑ کو اپنا بھائی منتخب کیا سنہ ۲ ہجری میں جنگ بدر ہوئی اور کفار کے بہت سے افراد مولا علیؑ شیر خدا کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے۔

جنگ بدر کے بعد آپ نے ۲۵ سال کی عمر مبارک میں حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام سے شادی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود صیغہ عقد جاری کیا۔ سنہ ۳ ہجری میں احد کا واقعہ پیش آیا مولا علی علیہ السلام ان افراد میں سے تھے جنہوں نے جنگ ترک نہیں کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے رہے۔ اسی سال امام حسن علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی سنہ ۴ ہجری کو آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی سنہ ۵ ہجری کو جنگ خندق پیش آئی جس میں آپ نے کفار کے سرغنہ عمرو بن عبدود کو قتل کیا اس سال سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی ولادت ہوئی۔ ۶ ہجری کو صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش ہوا اور سیدہ ام کلثومؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر ہوا جس میں آپ نے حارث اور مرحب جیسے جنگجوؤں کو قتل کیا۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر آپ فوج کے سرداروں میں سے تھے آپ نے کعبے میں موجود بتوں کو توڑنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کی۔

۹ ہجری کو جنگ تبوک ہوئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی بار امام علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنے خاندان کی محافظت پر مامور کیا۔ یہ واحد جنگ ہے جس میں امیر المومنین نے حصہ نہیں لیا۔ اس سال ذوالحجہ میں نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ ہوا۔ ۱۰ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو یمن میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا اور اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج ادا کیا اور واپسی پر غدیر خم کے مقام پر حضرت علی علیہ السلام کو اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا۔ اس وقت مولا کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی۔

حضرت علی علیہ السلام ماہ ذی الحج ۳۵ ہجری کو قتل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قریبوں اور اصحاب پیغمبر نے آپ کی بیعت کی۔

تمام صحابہ مدینہ نے آپ کی بیعت کی۔ آپ نے اپنے اولین خطبہ میں ناحق قبضہ کئے گئے اموال کو واپس کرنے اور بیت المال کی عادلانہ تقسیم کا مطالبہ کیا۔ سنہ ۳۶ ہجری میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت توڑی اور آپ سے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص طلب کیا جس کے نتیجے میں جنگ جمل ہوئی۔ اسی سال حضرت علی علیہ السلام کوفہ گئے اور اس کو اپنی حکومت کا مرکز قرار دیا۔ ۳۷ ہجری

میں آپ نے امیر شام کے ساتھ صفین میں جنگ کی اور بعض نے جنگ صفین ۳۸ ہجری میں ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ جب اہلِ شام جنگ میں شکست کھا گئے تو قرآن کو نیزوں پر بلند کیا تا کہ وہ ان کے درمیان حکم کرے۔ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے مجبوری میں اپنی فوج کے باغیوں کے فشار کے تحت حکمیت کو قبول کیا اور حکم عبداللہ بن عباس کو مقرر کیا لیکن اہلِ کوفہ کے اعتراض کرنے پر ابوموسیٰ اشعری کو حکم مقرر کیا جس پر اہلِ کوفہ راضی ہو گئے۔

لیکن حکم قبول کرنے کی کچھ ہی دیر بعد امام پاکؑ پر نئے اعتراضات ہونے لگے۔ بعض لوگوں نے سورۃ مائدہ کی آیت ۴۴ اور سورۃ حجرات کی آیت ۹ سے استدلال کرتے ہوئے جنگ جاری رکھنے کا مطالبہ کیا اور حکمیت قبول کرنے کو کفر مانتے ہوئے اس سے توبہ کیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے کچھ دیر پہلے امام پاک علیہ السلام کو حکمت قبول کرنے پر مجبور کیا۔

انہوں نے امام پاک علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کفر سے توبہ کریں اور امیر شام کے ساتھ ہوئے وعدہ کو نقض کریں لیکن امام پاک علیہ السلام نے نقض حکمیت کو قبول نہیں کیا اور کہا حکمین کے قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کی صورت میں دوبارہ جنگ کی جاسکتی ہے۔ ابوموسیٰ اشعری عراقیوں کے حکم تھے اور عمرو بن عاص شامیوں کے حکم تھا۔ دونوں نے طے کیا کہ ہم منبر پر جا کر حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کو معزول کریں گے اور امت کیلئے کسی تیسرے شخص کو خلیفہ مقرر کر لیں گے۔

اوّل ابوموسیٰ اشعری نے امام علیؑ اور امیر معاویہ دونوں کو معزول کیا دوم عمرو بن عاص نے امیر معاویہ کو باقی رکھا۔ اس کے بعد ایک گروہ نے اس بات کی مخالفت کی اور اسے دین سے برگشت سے تعبیر کرتے ہوئے ایمان پر شک کیا۔ اسی دوران صفین سے واپسی پر ایک گروہ جو خوارج کے بنیادی افراد میں سے تھے انہوں نے قبول حکمیت کو کفر کیا اور سپاہِ امام سے جدا ہو کر حرورا چلے گئے۔

خوارج کے اعتراضات صفین کے ۶ ماہ بعد تک جاری رہے۔ امام پاک علیہ السلام نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور صعصعہ بن صوحان کو ان کے پاس گفتگو کیلئے بھیجا مگر یہ لشکر میں واپس لوٹنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ امام نے ان کو خطوط بھی لکھے لیکن عبداللہ بن وہب نے صفین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ علی دین سے خارج ہو چکے ہیں انہیں توبہ کرنی چاہئے۔ اس کے بعد خوارج نے مسلمانوں میں غارت گری شروع کر دی تو ان سے نہروان کے مقام پر جنگ کی گئی اس جنگ میں تمام خوارج قتل ہوئے یا زخمی ہوئے۔ چار سو زخمیوں کو ان کے گھر والوں کے سپرد کیا گیا دس سے کم افراد فرار ہونے میں بھی کامیاب ہو گئے انہی میں سے عبدالرحمان ابن ملجم مرادی بھی تھا۔

حضرت امام علی علیہ السلام کے قتل کے اسباب:

حدثنی به احمد بن عیسیٰ العجلی العطار قال حدثنی حسین بن نصر بن مزاحم قال حدثنا زید بن معذل نمری قالحدثنا یحییٰ بن سعید جزار عن ابی مخنف عن سلیمان بن ابی راشد۔

اور اس سلسلہ سے ابی عبدالرحمان السلمی سے منقول ہے کہ خوارج کے چند افراد مکہ معظّمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں مسلمانوں کے امور پر گفتگو کی ان پر طعن کیا اور نہروان میں مارے جانے والے افراد کیلئے خدا سے رحمت طلب کی اور کہا کہ اگر ہم نے اپنی جانوں کو خدا کے ہاں بیچ دیا ہے تو ضلالت و گمراہی کے پیشواؤں کے پاس جائیں اور ان کی جان کے درپے ہوجائیں تا کہ ان کے وجود سے بندگانِ خدا اور اسلامی مما لک کو چھٹکارا مل جائے اور ان سے جنگ نہروان میں مارے جانے والے اپنے بھائیوں کے خون کا انتقام لے سکیں۔

پس ان خارجیوں نے حج کرنے کے بعد آپس میں عہد کیا اور عبدالرحمان ابن ملجم نے کہا تم میں سے علی کے لئے میں کافی ہوں۔ دوسرے نے معاویہ اور تیسرے نے عمرو بن عاص کے لئے ذمہ داری قبول کی۔ اپنے اس ارادے کو پورا کرنے کیلئے رمضان المبارک کا انتخاب کیا گیا۔[1]

ابومخنف اور ابوزہیر عبسی نے بیان کیا کہ باقی دو خارجیوں کے نام برک بن عبداللہ تمیمی جو معاویہ پر مامور تھا اور عمرو بن بکر تمیمی جو عمرو بن عاص پر مامور تھا۔ برک بن عبداللہ تمیمی کا جب معاویہ سے آمنا سامنا ہوا تو اس کی ران پر وار کیا تو وہ زخمی ہوگیا جبکہ عمرو بن بکر بھی عمرو بن عاص کو قتل کرنے کیلئے تیار تھا مگر عمرو بن عاص بیمار تھا اس لئے مسجد نہ آیا اور اپنی جگہ بنو عامر بن لوی کے ایک شخص خارجہ ابن حبیبہ کو نماز پڑھانے بھیجا جب خارجہ نماز پڑھانے آیا تو عمرو بن بکر نے تیزی سے وار کرکے اسے زخمی کردیا اسے گرفتار کرکے عمرو بن عاص کے پاس لے جایا گیا جس نے اسے قتل کردیا۔

ابوطفیل سے روایت ہے جب لوگ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بیعت کرنے کیلئے جمع ہوئے اور عبدالرحمان ابن ملجم بیعت کرنے کیلئے آیا تو حضرت علی علیہ السلام نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تمہیں اس بدبختی سے کوئی روک نہ پائے گا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تم میری ریش کو اس تلوار سے خون آلود کرو گے۔

---

[1] مقاتل الطالبین ص ۴۳، ۴۴

ابو زہیر عبسی سے روایت ہے ابن ملجم جس کا تعلق قبیلہ بنی مراد سے تھا جو کہ قبیلہ کندہ کی ہی شاخ ہے جب کوفہ آیا تو اپنے ساتھیوں سے ملاقات کی اور ان سے اپنا منصوبہ مخفی رکھا۔ ایک دن ابن ملجم قبیلہ تیم رباب کے ایک شخص کو ملنے گیا جس کا تعلق خوارج سے تھا۔

اس نے وہاں قبیلہ تیم رباب کی ایک عورت کو دیکھا جس کا نام قطام بنت اخضر بن شجنہ تھا جب کہ حضرت علی علیہ السلام نے جنگ نہروان میں قطام کے باپ اور بھائی کو قتل کیا تھا۔ قطام بہت حسین و جمیل عورت تھی۔ ابن ملجم نے جب اس کو دیکھا تو اس پر دل ہار گیا۔ اس لئے اس نے قطام کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا تو قطام نے کہا تم مجھے حق مہر کیا دو گے۔ ابن ملجم نے کہا تم جو حق مہر لینا چاہو ادا کیا جائے گا۔ قطام نے کہا میرا حق مہر تین ہزار درہم ایک کنیز ایک غلام اور علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا سر چاہیئے۔

یہ سن کر ابن ملجم نے کہا باقی سب تو میں پورا کردوں گا مگر علی علیہ السلام کو قتل کیسے کرسکتا ہوں۔ قطام نے کہا، تم اسے دھوکے سے قتل کر سکتے ہو اور اگر تم نے علی علیہ السلام کو قتل کر دیا تو اس سے میرے دل کو ٹھنڈک ملے گی اور ہم ساتھ رہ کر زندگی گزاریں گے اور اگر تم اس منصوبے کو مکمل کرتے ہوئے قتل ہوجاؤ تو جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس دنیا سے بہتر ہے۔ اس کی باتیں سنکر ابن ملجم ملعون نے کہا خدا کی قسم میں کوفہ اسی مقصد کیلئے آیا تھا۔ تم نے مجھ سے علی علیہ السلام کے قتل کا سوال کیا ہے پس میں وہ تمہاری خاطر ضرور پورا کروں گا۔ اس کے بعد قطام نے بنی تیم رباب کے وردان بن مجالد کو اس کی مدد کیلئے تیار کیا اس نے قطام کی خاطر حامی بھر لی۔ اس کے بعد ابن ملجم شبیب بن بجرہ کے پاس گیا اور اس سے کہا اے شبیب! کیا تم دنیا و آخرت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو؟ شبیب نے پوچھا کیا شرف۔ ابن ملجم نے کہا علی ابن ابی طالبؑ کو قتل کرنے کا شرف۔ شبیب بھی خوارج والی سوچ رکھتا تھا۔ آخر شبیب بن بجرہ آمادہ ہوگیا اور دونوں قطام کے پاس گئے جو اس وقت مسجد اعظم میں اعتکاف کیلئے موجود تھی اور اُسے بتایا کہ علی علیہ السلام کو قتل کرنے کیلے ہم دونوں کی سوچ ایک جیسی ہے۔ پھر دونوں انیس (۱۹) رمضان چالیس ۴۰ ہجری کو آخری بار قطام کو ملنے آئے اور یہ جمعۃ المبارک کی شب تھی۔ ابن ملجم نے قطام سے کہا یہی وہ رات ہے جس کا میرے ساتھیوں نے وعدہ کرر کھا ہے کہ اپنے ہدف کو اس رات ہی نشانہ بنائیں گے۔ پھر قطام نے ریشمی کپڑا منگوا کر اس سے ان کے سینوں کو ڈھانپ دیا۔ وہ دونوں مولا علی علیہ السلام کو شہید کرنے کیلئے نکل پڑے اور مسجد کے محراب کے سامنے چھپ کر بیٹھ گئے۔

ابو مخنف نے اسود اور اجلح سے روایت نقل کیا ہے کہ ابن ملجم نے جس رات حضرت علی علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کرر کھا تھا وہ اس رات اشعث ابن قیس کے پاس آیا جبکہ اشعث مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھا ہوا

تھا۔ حضرت حجر بن عدی نے اشعث ابن قیس کو ابن ملجم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جلدی کرو اپنی تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جلدی کرو ورنہ صبح کی روشنی نکلنے پر تم ناکام اور رسوا ہو جاؤ گے۔

یہ سن کر حجر بن عدی نے کہا اے کانے تم حضرت علی علیہ السلام کو قتل کرنے کا سامان کر رہے ہو پھر جلدی سے اپنے گھوڑے پر نکلے اور حضرت علی علیہ السلام کے گھر پر گئے لیکن گھر پر ان کو نہ پایا اور واپس مسجد میں آئے تو ابن ملجم ملعون اپنا کام کر چکا تھا۔ عبداللہ بن محمد ازدی سے منقول ہے کہ اس رات میں مسجد اعظم میں ان افراد کے ہمراہ موجود تھا جو ماہ رمضان میں ساری رات مسجد میں عبادت کرتے گزار دیتے تھے اتنے میں مجھے مسجد کے محراب کے قریب کچھ ایسے لوگ نظر آئے جو اکتاہٹ اور ملال کی کیفیت میں قیام رکوع اور سجود کر رہے تھے، پھر حضرت علی علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے اور بلند آواز میں صدا دی الصلوٰۃ الصلوٰۃ (نماز قائم کرو نماز قائم کرو)۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد مجھے سمجھ نہیں آئی میں نے صدا سنی یا تلوار کی چمک میں نے کسی کو یہ کہتے سنا:

''اے علی علیہ السلام! حکم صرف خدا کے لئے ہے تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔''

اس کے بعد دوبارہ میں نے دوسری تلوار کو چمکتے ہوئے دیکھا اور حضرت علی علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا:

''یہ شخص (حملہ آور) تم سے ہرگز بھاگنے نہ پائے۔''

اسماعیل بن راشد نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے ابو عبداللہ السلمیٰ کی روایت معنی کے اعتبار سے اسماعیل کی روایت سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس روایت کے مطابق پہلے شبیب بن بجرہ نے وار کیا مگر اس کا وار خطا ہو گیا اور طاق پر لگا۔ پھر ابن ملجم ملعون نے وار کیا جو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے سرِ اقدس کے عین وسط میں پیوست ہو گیا۔[1]

یزید بن ابی زیاد کہتا ہے کہ ابن ملجم کو مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب نے پکڑا اور اس پر مخملی چادر ڈال کر اسے پچھاڑ دیا۔ پھر اس کے ہاتھ سے تلوار لے کر امیر المومنین کے سامنے پیش کی۔

ابی مخنف بیان کرتے ہیں کہ ہمدان کا ایک شخص جس کی کنیت ابو ادماء تھی اس کا تعلق قبیلہ بنی مرھبہ سے تھا اس نے ملجم ملعون کو پکڑا۔

---

[1] ترجمہ مقاتل الطالبین، از علامہ حسن رضا باقر، ص ۴۳ تا ۴۶، ابن سعد ج ۲ ص ۲۴، ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۴۷

شبیب بن بجرہ حملہ کرنے کے بعد بھاگ گیا لیکن ایک شخص نے اس کا پیچھا کیا اور جا کر پکڑ لیا۔ اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہوگیا یہاں تک کہ لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا اسے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ لوگ جلدی سے مجھ پر ہی حملہ نہ کردیں اور اس کی ایک نہ سنیں لہٰذا وہ فوراً اس کے سینے سے نیچے اتر آیا اور اسے چھوڑ دیا اور اپنے ہاتھ سے تلوار پھینک دی۔ شبیب پھر سے بھاگ کھڑا ہوا اور اپنے گھر میں داخل ہوگیا اتنے میں اس کا چچا زاد بھائی اس کے گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا شبیب اپنے سینے سے ریشم کا کپڑا اتار رہا ہے تو اس سے پوچھا یہ کیا ہے کیا تم نے امیرالمومنین کو شہید کردیا۔ شبیب نے یہ کہنا چاہا نہیں، مگر گھبراہٹ میں بولا ہاں، یہ سنتے ہی وہ اپنے گھر گیا اور اپنی تلوار لاکر دوبارہ اس کے پاس آیا اور اپنی تلوار کا وار کر کے اسے فی النار کردیا۔[1]

محمد بن ازدی سے منقول ہے کہ جب ابن ملجم کو پکڑ کر حضرت علی علیہ السلام کے پاس لایا گیا تو میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا اس وقت امام علی علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

> ''جان کا بدلہ جان ہے اگر میں موت سے ہمکنار ہوجاؤں تو تم اسے یوں ہی قتل کردینا جیسے اس نے مجھے کیا ہے اور اگر میں سلامت رہا تو میں اس کے بارے میں خود غور کروں گا۔''

عمرو ابن ابی بکار سے منقول ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو ضرب لگی تو کوفہ کے تمام اطباء جمع ہوئے اور ان میں سب سے زیادہ علم طب اور زخم کا علاج جاننے والا اثیر بن عمرو ہانی بن سکونی بھی تھا۔ یہ حکام کا طبیب رہا اور زخموں کا علاج کرتا تھا۔ اس کا تعلق ان چالیس افراد سے تھا جیسے معرکہ عین التمر میں حضرت خالد بن ولید نے زخمی ہونے کے بعد قید کیا۔

جب اثیر نے امیرالمومنین علیہ السلام کے زخم کا معائنہ کیا تو اس نے کہا۔ بکری کے پھیپھڑے کو گرم کر کے لاؤ پھر اس نے اس کا عرق نکالا اور امیرالمومنینؑ کے سر اقدس میں لگے ہوئے زخم کے اندر داخل کیا اور پھر تھوڑی دیر بعد باہر نکالا تو اسے معلوم ہوگیا کہ تلوار کا وار حضرت امام علی علیہ السلام کے سر مبارک کے اصلی حصہ تک پہنچ گیا ہے۔ لہٰذا طبیب حضرت امام علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا، یا امیرالمومنین علیہ السلام! آپ اپنی وصیت کرلیں کیونکہ اس دشمن خدا کا وار اس جھلی تک پہنچ چکا ہے جس میں دماغ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے بعد

---

[1] ترجمہ مقاتل الطالبین از علامہ حسن رضا باقر ص ۴۷

امیر المومنین علیہ السلام نے کاغذ قلم اور دوات مانگا اور اپنی وصیت تحریر کی۔[1]

آپ علیہ السلام کی شہادت ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو ہوئی۔

آپ علیہ السلام کو حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور آپ کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ آپ علیہ السلام کی نماز جنازہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے پڑھوائی اور نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں پڑھیں۔ آپ کو نماز فجر کے وقت ابواب کندہ کے سامنے کشادہ جگہ میں دفن کیا گیا۔[2]

حسن بن علی خلال نے اپنے دادا سے روایت نقل کی ہے کہ میرے دادا نے بیان کیا کہ میں نے ایک بار امام حسن علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو کہاں دفن کیا۔ تو امام حسن ابن علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہم رات کے وقت امیر المومنین کی تدفین کیلئے گھر سے نکلے اور مسجد اشعث کے پاس سے گزرتے ہوئے کوفہ کی پشت پر مقام غری کی جانب آپ کو دفن کیا۔[3]

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد:

بیان کیا ابوعلی عمری الموضع نسابہ نے مولا علی علیہ السلام کی اولاد میں: (۱) امام حسن علیہ السلام کی ولادت تین سن ہجری میں ہوئی اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ تھے اور آپ کی شہادت باون ہجری کو ہوئی اس وقت آپ کی عمر اڑتالیس سال تھی اور آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں اور بقول ابوبکر بن عبدة نسابہ کہ ابن معیہ کے طریقے سے کہ امام حسن علیہ السلام کی ولادت واقعہ بدر سے انیس دن قبل ہوئی مگر غزوہ بدر دو ہجری کو ہوا اس لئے اول قول درست ہے...... بقول ابوعلی موضع نسابہ کہ (۲) امام حسین علیہ السلام کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور آپ کی ولادت ہجرت کے چوتھے سال ہوئی اور شہادت اکسٹھ (۶۱) ہجری کو ہوئی۔ اور اس وقت آپ کی عمر مبارک ۵۷ برس تھی، آپ کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ (۳) محمد ابن حنفیہ آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ بقول عمری آپ کی وفات طائف میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۵ برس تھی۔

بقول شیخ شرف العبید لی نسابہ کہ کہا ابونصر بخاری نے حنفیہ ان کی والدہ خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ بن عبداللہ بن ثعلبہ بن یر بوع بن ثعلبہ بن دول بن حنفیہ بن لجیم تھیں۔[4]

---

[1] ترجمہ مقاتل الطالبین ص ۴۹، ۵۰

[2] ترجمہ مقاتل الطالبین ص ۵۵

[3] ترجمہ مقاتل الطالبین ص ۵۶

[4] المجدی ص ۱۹۴، ۱۹۵

(۴) عباسؑ علمدار کنیت ابوقربہ (۵) عثمان شہید کربلا (۶) جعفر کنیت ابوعبداللہ شہید کربلا (۷) عبداللہ اکبر کنیت ابومحمد، ان سب کی والدہ ام البنین بنت حزام بن خالد بن ربیع بن واحد بن عامر بن کعب بن عامر بن کلاب تھیں۔ (۹) محمد اصغر (۱۰) ابوبکر، جن کا نام عبداللہ تھا آپ کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد بن مالک بن ربعی بن سلمی بن جندل تھیں۔ (۱۱) عباس الاصغر (۱۲) ابوعلی عبیداللہ، آپ کی والدہ بقول ابی الفرج اصفہانی لیلیٰ بنت مسعود بن خالد بن مالک بن ربعی بن سلمی بن جندل تھیں، جنگ مزار میں شہید ہوئے۔ (۱۳) یحییٰ، آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں، بچپن میں فوت ہوئے۔ (۱۴) عمر اطرف، آپ کی والدہ صھباء بنت ربیعہ الثعلبیہ تھیں۔ (۱۵) عبدالرحمان (۱۶) عمر اصغر (۱۷) عثمان اصغر (۱۸) عون (۱۹) جعفر الاصغر (۲۰) محسن۔

بنات:

(۱)......ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب آپ کا نام رقیہ تھا۔ آپ کی تزویج محمد بن جعفر بن ابی طالب سے ہوئی اور آپ کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ اور دوسری شادی محمد بن جعفر طیار کی وفات کے بعد عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوئی۔

(۲)......زینب بنت علی ابن ابی طالب علیہ السلام آپ کی والدہ بھی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ آپ کی کنیت ام الحسن تھیں آپ کو زینب کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کا نکاح عبداللہ جواد بن جعفر طیار بن ابی طالب سے ہوا اور آپ کے بیٹوں میں: (۱) علی الزینبی (۲) عون (۳) عباس تھے۔ یہ قول الموضح نسابہ کا ہے جس نے دندانی نسابہ سے لیا اور انہوں نے اپنے دادا ابوالحسین یحییٰ نسابہ العبید لی سے لیا۔[1]

جبکہ ایک اور جگہ عمری کے بقول آپ کے چار فرزند تھے: (۱) علی (۲) ابراہیم (۳) جعفر (۴) عباس اور یحییٰ نسابہ العبید لی کی روایت جو کتاب ذریۃ الطاہرہ میں رقم ہے سیدہ زینب کی پانچ اولادیں تھیں: (۱) علی (زینبی) (۲) جعفر (۳) عون (۴) عباس (۵) امّ کلثوم۔[2]

(۳)......رملہ بنت علی علیہ السلام آپ کی والدہ ام سعید بنت عروہ بن مسعود الثقفی تھیں۔ آپ کی شادی عبداللہ بن ابی

---

[1] المجدی ص ۲۰۰

[2] الذریہ الطاہرہ حدیث ۲۲۴، ص ۱۶۶

سفیان بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوئی۔

(۴)...... ام الحسن بنت علی علیہ السلام آپ کی والدہ بھی ام سعید بنت عروہ بن مسعود الثقفی تھیں۔ بقول موضع نسابہ آپ کی شادی جعدۃ بن ھبیرۃ المخزومی سے ہوئی جو حضرت علی علیہ السلام کے بھانجے تھے۔

(۵)...... امامہ بنت علی بن ابی طالبؑ کی شادی بقول الموضع نسابہ عمری علوی صلیب بن عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوئی۔

(۶)...... فاطمہ بنت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شادی بقول موضع نسابہ ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب سے ہوئی۔

(۷)...... خدیجہ بنت علی ابن ابی طالبؑ

(۸)...... میمونہ بنت علی ابن ابی طالبؑ کی شادی عبداللہ الاکبر بن عقیل بن ابی طالب سے ہوئی۔

(۹)...... بقول موضع نسابہ رقیہ الصغریٰ بنت علی بن ابی طالب کی شادی مسلم بنت عقیل سے ہوئی۔

(۱۰)...... زینب صغریٰ بنت علی بن ابی طالبؑ کی شادی محمد ابن عقیل بن ابی طالب سے ہوئی۔

(۱۱)...... ام ہانی فاختاہ بنت علی بن ابی طالبؑ کی شادی بقول موضع نسابہ عبدالرحمان بن عقیل بن ابی طالب سے ہوئی۔

(۱۲)...... نفیسہ جن کو ام کلثوم صغریٰ بنت علی بن ابی طالبؑ بھی کہا جاتا ہے کی شادی بقول موضع نسابہ عبداللہ اصغر بن عقیل بن ابی طالب سے ہوئی اور باقی بیٹیوں کی شادی کا ذکر کہیں نہ ہوا۔[1]

(۱۶) عبیداللہ بن علی بن ابی طالبؑ

آپ کا نام عبیداللہ بن علی بن ابی طالب تھا اور آپ کی کنیت ابوعلی تھی۔ بقول شریف عمری آپ کی والدہ نیشلیہ تھیں۔[2]

یعنی بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد بن مالک بن ربعی بن سلمی بن جندل بن نہشل بن حازم بن حنظلہ تھیں۔[3]

---

[1] المجدی فی الانساب الطالبین ص ۱۹۹، ۲۰۰

[2] المجدی ص ۱۹۸

[3] مقاتل الطالبین نشر منشورات رضی ص ۱۲۳

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کو مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے ساتھیوں نے جنگ مزار کے موقع پر قتل کیا۔ عبیداللہ بن علی مختار کے پاس گئے اور ان سے کہا لوگوں سے میرے لئے بیعت طلب کریں اور حکومت کے امور میرے حوالے کریں لیکن مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی نے ایسا نہیں کیا۔

تو عبیداللہ بن علی مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کو چھوڑ کر مصعب بن زبیر کے پاس چلے گئے۔ آپ لڑائی کے دوران اس کیفیت میں مارے گئے کہ آپ کی پہچان نہ ہوسکی کہ آپ عبیداللہ بن علی ہیں۔[1]

بقول صاحب المجدی کہ مصعب بن زبیر نے مختاریوں پر تنقید کی کہ تم نے اپنے امام کے بیٹے کو قتل کردیا۔

بقول عمری کہ بقول موضع نسابہ عمری علوی آپ کی موت مزار میں ہوئی اور قبر بھی وہیں ہے جہاں آج آپ کا مزار ہے۔[2]

لیکن میں (مؤلف) کے نزدیک امیر مختار ثقفی اس معاملے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

---

[1] مقاتل الطالبین ص ۱۲۳، المعارف ص ۱۷۶، مروج الذہب ج ۲ ص ۸۲

[2] المجدی ص ۱۹۹

باب سوم:

(۱۷) حضرت امیر المومنین امام حسنؑ ابن علیؑ

امام حسن بن علی بن ابی طالب علیہ السلام دوسرے امام ہیں آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نانی خدیجہ بنت خویلدؑ ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد، مجتبیٰ، سید، اور زکی، آپ کے مشہور القابات ہیں۔ آپ ''سید شباب اہل جنت میں سے ہیں اور یہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ جو صحیح اور متواتر حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حسن اور حسین سید شباب الجنۃ۔''

آپ خمسہ آل عباء سے ایک ہیں اور آپ اہل مباہلہ میں سے بھی ایک ہیں جبکہ نجران میں عیسائیوں سے مباہلہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل کو ساتھ لیا اور عیسائیوں کے سامنے مباہلے کیلئے آ گئے۔

فمن حاجك فيه بعد ما جاءك من العلم فقل تعالو ندع ابناء نا و ابناء كم و نساءنا و نساء كم و انفسنا و انفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی۔ اس میں نفس رسول کی جگہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام، نساء کی جگہ سیدہ فاطمہ علیہ السلام اور بیٹوں کی جگہ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام تھے۔

بقول ابی بکر محمد بن عبدۃ عبقسی طرسوی نسابہ جس سے ابو جعفر محمد ابن معیہ علوی حسنی الکوفی نسابہ نے روایت کی۔ آپ کی ولادت واقعہ بدر سے ۱۹ دن قبل ہوئی اور شیخ عمری نے المجدی میں لکھا۔

اور غزوۂ بدر دوسری صدری ہجری میں ہوئی۔ اس لئے اول روایت میں تسامح لگتا ہے جبکہ بعض کے نزدیک آپ کی ولادت تیسری ہجری میں ہوئی۔

بقول موضع نسابہ ابو علی عمری کہ امام حسن علیہ السلام کی ولادت تین ہجری کو ہوئی اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ تھے۔ آپ کی شہادت ۵۲ ہجری میں ۴۸ سال کی عمر میں ہوئی۔

اور ذکر لیا ابو الغنائم حسین بصری نے اپنے چچا ابی القاسم سے کہ کہا ابو القاسم حسین بن خداع نسابہ مصری ارقطی نے کہ امام حسنؑ بن علی کی ولادت رمضان کے مہینے میں تیسری ہجری میں ہوئی اور ۵۰ ہجری میں شہادت ۴۷ سال کی عمر میں ہوئی اور آپ کی قبر جنت البقیع میں ہے۔[۱]

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین ص ۱۹۴

ثقۃ الاسلام کلینی نے بھی امام حسنؑ کی ولادت تین ہجری کو لکھی ہے اور یہ روایت ابی بصیر نے امام جعفر الصادقؑ سے حاصل کی۔

بقول ابن طقطقی سب سے پہلے ۴۰ ہجری میں حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد آپ کی بیعت قیس بن سعد بن عبادۃ انصاری نے کی۔[1]

امام حسن بن علیؑ نے تقریباً آٹھ سال اپنے نانا محترم خاتم المرسلین کی ظاہری حیات میں ان کے ساتھ گزارے بقول ابن سعد اسی بنا پر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے (عمر کے لحاظ سے) آخری طبقے میں ذکر کیا جاتا ہے۔[2]

سید جعفر مرتضیٰ کے بقول آپ بیعت رضوان میں بھی موجود تھے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ آپ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی تھی۔[3]

بقول ابن قتیبہ کہ امام حسنؑ حضرت عمر ابن خطابؓ کے حکم سے خلیفہ منتخب کرنے کیلئے بنائی گئی چھ رکنی کمیٹی میں گواہ کے عنوان سے حاضر ہوئے۔[4]

حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کے آخری ایام میں جب لوگوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا ان پر پانی بند کردیا اور آخر کار انہیں قتل کردیا ان تمام واقعات میں حضرت امام حسنؑ اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ اور دیگر جوانان بنی ہاشم کے ساتھ اپنے والد محترم حضرت امام علیؑ کے حکم سے حضرت عثمان بن عفانؓ کی حفاظت پر مامور تھے۔[5]

حضرت امام حسنؑ جنگ جمل اور جنگ صفین میں لشکر امام امیر المومنین حضرت علیؑ کے سرداروں میں سے تھے۔ امام حسن مجتبیٰؑ رمضان ۴۰ ہجری میں اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد ۶ سے ۸ مہینے تک خلافت کے عہدہ پر فائز رہے۔

اہلِ سنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ایک حدیث کی رو سے امام حسنؑ کو خلفائے راشدینؓ

---

[1] المختصر فی اخبار مشاہیر الطالبیہ والائمہ الاثنی عشر از ابن طقطقی حواشی سید علاء الموسوی
[2] طبقات ابن سعد الکبریٰ ج ۱۰ ص ۳۶۹
[3] الحیاۃ السیاسیۃ للامام حسن از سید جعفر مرتضیٰ دار السیرۃ ص ۱۵۸
[4] الامامہ والسیاسیۃ از ابن قتیبہ ج ۱ ص ۴۲
[5] انساب الاشراف از بلاذری ج ۵ ص ۵۵۸،۵۵۹

میں سے آخری خلیفہ جانتے ہیں۔[1]

آپ کی خلافت عراق کے لوگوں کی بیعت اور دوسرے مناطق کی حمایت سے شروع ہوئی۔[2]

لیکن شام والوں نے اس بیعت کی مخالفت کی۔[3]

اور امیر شام معاویہ بن ابی سفیان لشکر لے کر شام سے اہل عراق کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔[4]

آخرکار امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے مسلمانوں کو قتل وغارت سے محفوظ کرنے کیلئے صلح کی اور خلافت سے دستبردار ہوگئے۔ جس طرح آپ کے نانا محترم نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کے مفاد میں اہل مکہ سے صلح کی اور معاہدہ طے پایا۔ اسی طرح امام حسن علیہ السلام کی صلح کا بھی معاہدہ طے پایا جس پر بعد میں عمل درآمد نہ کیا گیا۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی شہادت کے بعد اہلِ کوفہ وعراق نے آپ کی بیعت کی۔

بقول بلازری کہ عبیداللہ بن عباس پیکر امام علی ابن طالبؑ کو دفن کرنے کے بعد لوگوں کے درمیان آئے اور لوگوں کو آپ کی شہادت سے باخبر کرتے ہوئے کہا کہ آپ (امام علی علیہ السلام) ایک شائستہ اور بردبار جانشین ہمارے درمیان چھوڑ گئے ہیں اگر چاہیں تو ان کی بیعت کرلیں۔[5]

بقول شیخ مفید شہادت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد ۲۱ رمضان المبارک کو آپ نے مسجد میں ایک خطبہ دیا اور آپ کی تقریر سن کر عبداللہ ابن عباس اٹھ کھڑے ہوئے اور یوں لوگوں سے مخاطب ہوئے:

''اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور امام کے جانشین کی بیعت کریں ان کے بعد لوگوں نے آپ کی بعنوان خلیفہ بیعت کی۔''[6]

بقول حسین محمد جعفری کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سارے اصحاب اس وقت کوفہ میں موجود تھے یعنی رہائش پذیر تھے جنہوں نے امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی اور بطور خلیفہ انہیں تسلیم کیا۔[7]

---

[1] مروج الذہب از مسعودی ج ۲ ص ۴۲۹

[2] تشیع درمسیر تاریخ از جعفری ص ۱۵۸ تا ۱۶۱ حسین محمد جعفری

[3] البدایۃ والنہایۃ مکتبہ دار الفکر از ابن کثیر ج ۸ ص ۲۱

[4] الارشاد از مفید ج ۲ ص ۱۱، الفتوح از ابن اعثم ج ۴ ص ۲۸۶

[5] انساب الاشراف از بلازری ج ۳ ص ۲۸

[6] الارشاد از شیخ مفید ص ۷، ۸، ۹

[7] تشیع درمسیر تاریخ از حسین محمد جعفری ص ۱۵۸

امام حسن علیہ السلام کی زندگی کا اہم واقعہ معاویہ کے ساتھ صلح تھی۔ جب عراق کے مسلمانوں نے امام حسن علیہ السلام کی بیعت کر لی تو دوسرے اسلامی مناطق من جملہ حجاز اور یمن اور فارس والوں نے اس بیعت کی تائید اور حمایت کی لیکن شام والوں نے اسے قبول نہ کرتے ہوئے امیر معاویہ کی بیعت کی۔

بقول بلازری کہ امام حسن علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کی شہادت اور عراق والوں کی آپ کے ہاتھ بعنوان خلیفہ بیعت کرنے کے ۵۰ دن تک جنگ یا صلح کے حوالے سے کوئی قدم نہ اٹھایا۔[1]

لیکن جب آپ کو امیر معاویہ کے شام سے حرکت کرنے کی خبر موصول ہوئی تو آپ نے بھی کوفہ سے لشکر تیار کیا اور عبیداللہ ابن عباس کی سربراہی میں ہراوّل دستہ امیر معاویہ کی طرف روانہ کیا آپ نے کوفہ میں مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو اپنا جانشین مقرر کیا اور تاکید کی لوگوں کو جنگ کی رغبت دلاتے ہوئے میرے پاس بھیجتے رہنا۔

دونوں افواج میں اوّل تصادم کے بعد شام کے سپاہیوں کو شکست ہوئی۔ امیر شام نے عبیداللہ بن عباس کو پیغام بھیجا کہ حسن بن علیؑ نے مجھے صلح کرنے کی پیشکش کی ہے جس کے نتیجے میں وہ خلافت میرے حوالے کرے گا۔ اس کے ساتھ امیر معاویہ نے عبیداللہ بن عباس کو دس لاکھ درہم بھی دینے کا وعدہ کیا۔ یوں عبیداللہ بن عباس لشکر شام کے ساتھ مل گیا اور لشکر کی کمانڈ قیس بن سعد بن عبادہ نے سنبھال لی۔[2]

بقول بلازری متوفی ۲۷۹ ہجری: معاویہ نے عبیداللہ ابن عباس کو ساتھ ملانے کے بعد یہ خیال کیا کہ اب لشکر امام حسنؑ کمزور ہو چکا ہے اور ان پر بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا لیکن لشکر امام حسنؑ نے قیس بن سعد بن عبادہ کی سربراہی میں لشکر شام کو شکست دی۔ معاویہ قیس کو بھی عبیداللہ کی طرح ساتھ ملانا چاہتا تھا جس میں وہ کامیاب نہ ہوا۔[3]

یہ واقعات مقام حبوبیہ کے ہیں جہاں امام حسن علیہ السلام کے ہراوّل دستہ اہل شام سے نبرد آزما ہوا۔ جبکہ دوسری طرف امام حسن علیہ السلام نے حمام عمر کے راستے خانقاہ کعب کے پاس سے ہوتے ہوئے قنطرہ کے قریب ساباطِ مدائن میں پڑاوَ ڈالا۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ جب صبح ہوئی تو منادی نے لوگوں میں یہ ندا دی کہ سب لوگ باجماعت

---

[1] انساب الاشراف از بلازری ج ۳ ص ۲۹

[2] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی منشورات رضی،ص ۷۳، ۷۴

[3] انساب الاشراف از بلازری ج ۳ ص ۳۸

نماز کے لئے جمع ہوجائیں جب سب لوگ جمع ہوگئے تو امام پاکؑ منبر پر تشریف لے گئے اور ان کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جیسا کہ ہر تعریف کرنے والا اس کی تعریف بیان کرتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہر گواہی دینے والا اس کی ذات سے متعلق یہ گواہی دیتا ہے۔اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انہیں حق بات پر رسول بنا کر بھیجا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی پر امین بنایا۔

امابعد:

اللہ کی قسم! میں باامید ہوں کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہے جنہوں نے اپنی صبح اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد وثناء کے ذریعے کی اور میں اللہ کی مخلوق کو بہتری اور اچھے اخلاق کی وعظ اور نصیحت کرتا ہوں، آگاہ ہوجاؤ میرے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں حسد و کینہ نہیں ہے اور نہ میں کسی سے برائی کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس بات سے خبردار ہو کہ تم لوگ جو باہمی اتفاق اور اتحاد کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔اس سے کہ جو تم فرقہ بندیوں اور انتشار کو پسند کرتے ہو۔آگاہ رہو! میں تمہارے بارے میں تم سے زیادہ بہتر سوچتا ہوں اور نظریہ رکھتا ہوں لہٰذا تم میرے حکم کی نافرمانی نہ کرو اور میری رائے کے بارے میں تردد میں نہ پڑو اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے اور اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں اس راہ پر گامزن رکھے جس میں محبت اور اس کی رضامندی ہے۔''

اس کے بعد لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے ،تمہارے خیال میں یہ (امام حسن علیہ السلام) اس بات کے ذریعے کیا کہنا چاہتے ہیں۔بعض لوگوں نے کہا خدا کی قسم! ہمارے گمان میں یہ صلح کر کے حکومت امیر معاویہ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر بعض افراد نے کہا خدا کی قسم! یہ کافر ہوگئے ہیں۔(نعوذ باللہ من ذالک)

اس کے بعد لوگ آپ کے خیمے پر ٹوٹ پڑے اور لوٹ مار شروع کردی یہاں تک کہ ان لوگوں نے امام کا مصلیٰ بھی چھین لیا۔

اس کے بعد عبدالرحمان بن عبداللہ بن جعال ازدی نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے شانوں سے چادر چھین لی اور آپ چادر کے بغیر تلوار حمائل کئے ہوئے بیٹھے رہے۔اس کے بعد آپ نے اپنا گھوڑا منگوایا، لوگ

آپ کوملامت کررہے تھے۔ اتنے میں امام حسن علیہ السلام نے فرمایا قبیلہ ربیعہ اور ہمدان کو میری پاس بھیجو جب ان کو بلایا گیا تو انہوں نے امام کو اپنے حصار میں لے لیا اور لوگوں کو آپ سے دور کرنے لگے۔ اس وقت دوست و دشمن سب آپ کے گرد جمع تھے کہ بنونصر بن قعین کے قبیلہ کا ایک شخص جس کا نام جراح بن سنان تھا ساباط کے مقام پر تاریکی میں وہ امام حسنؑ کی جانب بڑھا جب امام اپنی سواری پر گزر رہے تھے تو اس ملعون نے امام کے خچر کی لگام کو پکڑا جبکہ اس کے ہاتھ میں کدال تھی اس نے امام کو مخاطب کرتے ہوئے برا بھلا کہا اور کدال سے آپ کی ران پر گہرا زخم لگایا۔ اس کے جواب میں امام حسنؑ نے اپنے ہاتھ میں موجود تلوار سے اس پر وار کیا اور اسے گلے سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور آپ کے ساتھیوں نے اسے ہلاک کر دیا۔

امام پاک علیہ السلام کو زخمی حالت میں مدائن لایا گیا اس وقت امام حسن علیہ السلام کی طرف سے سعد بن مسعود ثقفی (جو مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے چچا تھے) مدائن کے گورنر تھے جنہیں امام علی علیہ السلام نے مدائن کا گورنر مقرر کیا اور امام حسن علیہ السلام نے انہیں اس عہدے پر برقرار رکھا۔ امام حسن علیہ السلام نے ان کے پاس قیام کیا اور اپنے زخم کا علاج کروایا۔[1]

مذکورہ بالا واقعے کی علت بقول یعقوبی (متوفی ۲۹۲ ہجری) یہ تھی کہ امیر شام نے مذاکرات کیلئے چند لوگوں کو امام حسن علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا ان لوگوں نے جب امام حسن علیہ السلام سے واپس آئے تو بلند آواز میں لوگوں تک آواز پہنچانے کے لئے ایک دوسرے سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے مسلمانوں کے خون کی حفاظت فرمائی اور فتنہ خاموش کیا اور حسن بن علی علیہ السلام نے صلح کو قبول کرلیا۔ جب یہ بات امام حسن علیہ السلام کے سپاہیوں نے سنی تو وہ غصے میں آگئے اور امام حسن علیہ السلام کے خیمے پر حملہ آور ہوئے۔[2]

بقول یعقوبی کہ امیر شام کی طرف سے جنگ کو صلح میں بدلنے کے لئے مختلف حربے بروئے کار لائے گئے اس نے اپنے جاسوسوں کو امام حسن علیہ السلام کے سپاہیوں کے درمیان بھیج دیا اور یہ شائع کرنا شروع کر دیا کہ قیس بن سعد بھی لشکر شام سے جا ملے ہیں جبکہ دوسری طرف اس نے اپنے بعض جاسوسوں کو قیس کے سپاہیوں کے درمیان بھیج دیا اور یہ شائع کرنا شروع کیا کہ امام حسن علیہ السلام نے امیر شام سے صلح کر لی ہے۔[3]

بقول شیخ مفید امام حسن علیہ السلام کو امیر شام پر اعتماد نہیں تھا آپ اس کی چالاکیوں سے بخوبی آگاہ تھے

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی منشورات رضی ص ۸۱، ۸۲

[2] تاریخ یعقوبی از یعقوبی دار صادر ج ۲ ص ۲۱۴

[3] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۴

لیکن آپ کو صلح قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔[1]

بقول بلاذری، امیرِ شام نے سفید کاغذ پر مہر اور دستخط کر کے امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تا کہ صلح کی شرائط امام اپنی مرضی سے تعین کریں۔[2]

اس صلح کے بعد امام حسن علیہ السلام کے بعض پیروکاروں نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ امام نے ان اعتراضات اور سوالات کا جواب دیتے ہوئے امام کی اطاعت کو ضروری ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صلح کے علل و اسباب کو بعینہٖ صلح حدیبیہ کے علل و اسباب بیان کرتے ہوئے اس کام کو حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان میں حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں کی طرح قرار دیا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے کاموں کے فلسفے سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے کاموں پر اعتراض کرتے تھے۔[3]

صلح کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام مدینہ منورہ واپس آگئے اور وہیں قیام پذیر ہوئے جبکہ یزید کے لئے امیر شام نے لوگوں سے بیعت لینی چاہی تو ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ امام حسن علیہ السلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ لہٰذا ان دونوں بزرگان کو زہر دے دیا اور دونوں خالق حقیقی سے جا ملے۔[4]

مغیرہ سے روایت منقول ہے امیر شام نے اشعث کی بیٹی جعدہ کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر تم حسن بن علی علیہ السلام کو زہر دے دو تو میں تمہاری شادی اپنے بیٹے یزید سے کر دوں گا اور اس نے جعدہ بنت اشعث کی طرف ایک لاکھ درہم بھجوائے تو جعدہ نے امیر شام کی بات قبول کرلیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دے دیا۔ امیر شام نے اس کو مال تو دیا مگر اس کی شادی اپنے بیٹے یزید سے نہ کی۔

اشعث بن قیس کی بیٹی جعدہ نے امام حسن علیہ السلام کے بعد آل طلحہ میں سے ایک شخص سے شادی کر لی اور اس کے صلب سے اولاد بھی ہوئی۔ جب بھی اس کی اولاد اور قریش کے کسی گروہ کے درمیان تلخ کلامی ہوتی تو قریش انہیں یہ کہہ کر عار دلاتے اور ملامت کرتے کہ اے شوہر کو زہر دینے والی عورت کی اولاد۔[5]

حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ کو جنت البقیع میں بنی نبیہ کے سائبان تلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۳، ۱۴

[2] انساب الاشراف بلاذری ج ۳ ص ۴۲

[3] علل الشرائع از شیخ صدوق ج ۱ ص ۲۱۱

[4] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۸۰

[5] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۸۰

کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراسلام الہ علیہا کی قبر کے پہلو میں دفنایا گیا۔
آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے اپنا نانا رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن کرنا،لیکن مروان ابن حکم نے آپ کو وہاں دفن ہونے سے روک دیا وہ بنو امیہ کے دیگر افراد کے ہمراہ اسلحہ سے لیس ہوکر آپ کے جنازے کے شرکاء کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور اس نے کہا اس کو یہاں دفن کرنے سے بہتر ان کولڑائی کے ذریعے اس عمل سے باز رکھنا ہے۔کیا یہی انصاف ہے کہ حضرت عثمان کو جنت البقیع سے دور دفن کیا جائے اور حسنؑ کو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں دفن کیا جائے۔خدا کی قسم! میں ہرگز انکو یہاں دفن نہیں ہونے دوں گا۔ اس کے بعد فتنہ وفساد بھڑک اٹھنے کا اندیشہ تھا تو امام حسین علیہ السلام نے بنو ہاشم کو امام حسن علیہ السلام کو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن کرنے سے روک دیا اور جنت البقیع کی طرف چل دیئے۔
آپ کی شہادت ۲۸ صفر المظفر کو ہوئی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولادیں:

بقول شیخ شرف العبید لی کہ آپ کی سولہا اولادیں تھیں جس میں پانچ دختران تھیں: (۱) زید (۲) حسن المثنیٰ (۳) حسین اثرم (۴) طلحہ (۵) اسماعیل (۶) عبداللہ (۷) حمزہ (۸) یعقوب (۹) عبدالرحمان (۱۰) ابوبکر (۱۱) عمر (۱۲) فاطمہ (۱۳) ام خیر رملہ (۱۴) ام حسن (۱۵) ام سلمہ (۱۶) ام عبداللہ۔[1]
جبکہ مصعب الزبیری نے کتاب نسب القریش میں ابی الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں اور چند نسب کی دیگر کتب میں قاسم بن امام حسن علیہ السلام کا ذکر بھی ہوا ہے جو کربلا میں شہید ہوئے اور موضع نسابہ کوفی نے رقیہ بنت حسن کا ذکر بھی کیا ہے۔ بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ بن ابومحمد حسن بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ الاعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدین (المتوفی ۲۷۷ ہجری) کہ امام حسن علیہ السلام کے تین فرزند کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے: (۱) قاسم بن حسنؑ (۲) عبداللہ بن حسنؑ (۳) ابوبکر بن حسنؑ۔[2]
اور ابی الفرج اصفہانی نے بھی ان تینوں کی شہادتیں مقاتل الطالبین میں تحریر کی ہیں۔
بقول موضع نسابہ عمری کہ زید، ام خیر اور ام حسن کی والدہ خزرجیہ تھیں اور بعض نے انصاریہ لکھیں۔یعنی ام بشیر فاطمہ بنت ابی مسعود بن عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ الانصاریہ تھیں۔اور عمر بن امام حسنؑ کی والدہ ام الولد تھیں اور قاسم بن حسنؑ کی بھی یہی والدہ تھیں اور قاسم بن حسنؑ کربلا میں شہید ہوگئے۔

---

[1] المجدی انساب الطالبین ص ۲۰۱
[2] المعقبین من ولد امیر المومنین از یحییٰ نسابہ نشر قم ص ۱۱۱

بقول موضع نسابہ کہ عبداللہ بن امام حسن ہی ابوبکر تھے جس کی شادی سکینہ بنت الحسین سے ہوئی تھی (لیکن زیادہ نسابین نے انکو علیحدہ علیحدہ لکھا ہے یہ قول صرف موضع نسابہ کا ہی ہے)

بقول موضع نسابہ عمری کوفی عبدالرحمان بن حسنؑ آپ کی وفات مقام ابواء میں ہوئی۔ حسین الاثرم بن امام حسنؑ بقول موضع نسابہ آپ کی والدہ ام الولد تھیں لیکن شیخ مفید کے بقول آپ کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تھیں۔ طلحہ بنت امام حسنؑ بقول ابوعلی عمری آپ کو طلحہ الجواد کہتے تھے اور آپ کی والدہ تیم قریش سے تھیں یعنی ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تمیمی اس حساب سے آپ بی بی فاطمہ صغریٰ کے مادری بھائی تھے۔

پھر بقول موضع نسابہ کوفی ام عبداللہ بنت امام حسنؑ کی شادی امام زین العابدین علیہ السلام سے ہوئی اور آپ کے چار فرزند تولد ہوئے۔ حسن، حسین، امام محمد باقر اور عبداللہ باہر۔ ام سلمہ بنت امام حسنؑ کی شادی عمر اشرف بن امام زین العابدین سے ہوئی۔

بقول شیخ شرف عبیدلی کی امام حسنؑ کے چار فرزندان کی اولاد چلی، جن میں سے: (۱) حسین اثرم (۲) عمر، منقرض ہو گئے جبکہ (۳) زید اور (۴) حسن مثنیٰ کی اولاد آج باقی ہے۔

اوّل حسین الاثرم بن امام حسن بن امام علی ابن ابی طالبؑ موضع نسابہ عمری کوفی کے بقول آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور شیخ مفید کے بقول آپ کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تھیں۔ آپ کی اولاد میں حسین، علی، محمد، ام سلمہ، فاطمہ اور ام کلثوم تھیں۔

بقول مصعب زبیری کہ حسین اثرم بن حسنؑ کی اولاد منقرض ہوگئی، صرف بیٹیوں سے اولاد چلی ان میں ام کلثوم بنت حسین اثرم بن امام حسنؑ کی شادی علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی اور آپ کے دو فرزند سلیمان اور ہارون پیدا ہوئے۔

پھر دوسری شادی حسین ذی العبرۃ بن زید شہید بن امام زین العابدینؑ سے ہوئی اور ان کے ہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ جبکہ فاطمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن کی والدہ ام حبیب بنت عمر بن امام علیؑ تھیں اور آپ کی نانی ام عبداللہ بنت عقیل بن ابی طالب تھیں۔ آپ کی شادی امام جعفر صادقؑ سے ہوئی اور آپ کے دو فرزند تھے: (۱) اسماعیل اعرج (۲) عبداللہ افطح۔ یوں حسین اثرم بن امام حسنؑ منقرض ہوئے۔[1]

دوئم عمر بن امام حسن بن امام علی آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔ آپ کا ایک بیٹا محمد تھا جس کی والدہ رملہ

---

[1] نسب قریش از ابوعبداللہ مصعب زبیری ص ۵۰، ۵۱

بنت عقیل بن ابی طالب تھیں اور ایک بیٹی ام سلمہ تھی۔[1]

جبکہ مصعب الزبیری نے عمر بن عمر کا تذکرہ بھی کیا۔[2]

عمر بن امام حسنؑ بھی منقرض ہو گئے یعنی ان کی اولاد ختم ہوگئی۔ آج دنیا میں امام حسنؑ کی اولاد صرف دو پسران: (۱) حسن مثنیٰ (۲) زید سے باقی ہے۔

(۱۸) حسن المثنیٰ بن امام حسنؑ

آپ کا نام حسن اور لقب مثنیٰ تھا بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ آپ کی والدہ خولہ بنت منظور بن زبان بن سیار بن عمرو بن جابر الفزاری تھیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔[3]

خولہ بنت المنظور بن زبان فزاری ۳۶ ہجری میں جنگ جمل کے بعد امام حسن المجتبیٰ کے عقد میں آئیں۔ ان کے پہلے شوہر محمد بن طلحہ بن عبیداللہ تھے۔[4]

بقول شیخ عمری علوی کہ ذکر کیا ابوالفرج اصفہانی کاتب نے حسن المثنیٰ کے مادری بھائی یعنی ان کی والدہ کی پہلی شادی سے اولاد ابراہیم اور داؤد تھے جبکہ سید یحییٰ نسابہ المدنی نے ابراہیم، داؤد اور ام القاسم کا ذکر کیا جو محمد بن طلحہ بن عبیداللہ الصحابی کی اولاد تھے۔[5]

خولہ بنت منظور کی والدہ ملیکہ بنت خارجہ بن سنان تھیں۔[6]

خولہ بنت منظور کی بہن تماضر بنت منظور عبداللہ ابن زبیر کی زوجہ تھیں۔ عبداللہ ابن زبیر نے حضرت امام حسنؑ کو اس سے شادی کی تجویز دی تھی اور امام نے اس کی موافقت کی۔ شروع میں منظور بن زبان فزاری (اس بات سے آگاہ ہونے پر ناراض تھا) لیکن بعد میں راضی ہو گیا۔[7]

حضرت حسن المثنیٰ نے حضرت امام حسینؑ سے ان کی بیٹیوں میں سے ایک کا رشتہ مانگا۔ امام حسینؑ

---

[1] لباب الانساب ج ۱ ص ۳۸۷

[2] نسب قریش از مصعب زبیری ص ۵۰

[3] المعقبین من ولد الامیر المومنین از یحییٰ نسابہ ص ۵۹

[4] عمدۃ الطالب از ابن عنبہ چاپ محمد حسن آل طالقانی نجف ص ۹۸، المعارف ابن قتیبہ چاپ ثروت عکاشہ قاہرہ

[5] المعقبین ص ۵۹، المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۲۲

[6] انساب الاشراف ج ۳ ص ۷۲ از بلاذری

[7] انساب الاشراف ج ۳ ص ۲۵،۲۴

نے فرمایا میری بیٹیوں میں سے جس کو چاہو انتخاب کرلو۔ حسن مثنیٰ نے شرم کی وجہ سے کچھ نہ کہا، لیکن امام نے ان کا عقد فاطمہ صغریٰ سے کر دیا۔[1]

بقول ابن فندق نسابہ کے یہ شادی امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سال انجام پائی۔[2]

واقعہ کربلا ۶۱ ہجری کو پیش آیا اس لحاظ سے احتمال یہی ہے کہ یہ شادی عاشورہ سے کچھ مدت قبل ۶۰ ہجری میں مکہ میں انجام پائی اس بنا پر حسن مثنیٰ اپنی زوجہ فاطمہ بنت الحسینؑ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔[3]

حسن مثنیٰ کربلا میں موجود تھے لوط بن ابی مخنف کی احمد بن ابراہیم حسنی سے منقول روایت کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ۱۹ یا بیس سال تھی۔[4]

روز عاشورہ آپ نے بڑی بہادری سے امام حسینؑ کی معیت میں جنگ کی اور زخمی ہوکر اسیر ہوئے لیکن اپنے ننہالی رشتہ دار اسماء بن خارجہ فزاری کے توسط سے نجات پائی اور کوفہ میں ان کی زیرنگرانی علاج ہوا اور صحت یاب ہونے کے بعد مدینہ آئے۔

بقول ابن عنبہ عبید اللہ بن زیاد نے کہا ابی احسان لے جاؤ اپنے بہن کے بیٹے کو آپ حضرت علی علیہ السلام کی وصیت کے مطابق مدینے میں حضرت علیہ السلام کے موقوفات کے شرعی متولی تھے۔[5]

حجاج بن یوسف ثقفی جب مدینے کا حاکم تھا تو اس نے حسن المثنیٰ سے تقاضا کیا کہ اپنے چچا عمر الاطرف بن علی کو موقوفات کی تولیت میں شریک قرار دے، لیکن چونکہ یہ تولیت حضرت فاطمۃ الزہراء کی اولاد سے مخصوص تھی اس لئے آپ نے انکار کیا اور شام میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس چلے گئے تو اموی خلیفہ نے حجاج کو اس کام سے منع کر دیا۔[6]

حسن المثنیٰ نے اس کے بعد موقوفات اپنے فرزند عبداللہ محض کے سپرد کردیں لیکن منصور عباسی نے اپنے ایام میں عبداللہ محض کو قید کرلیا اور موقوفات اپنے اختیار میں لے لیں۔

جب عبدالرحمان بن محمد بن اشعث نے حجاج ابن یوسف ثقفی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور

---

[1] الارشاد از شیخ مفید ص ۳۲۲
[2] لباب الانساب از ابن فندق ص ۳۷۷، نشر آیت مکتبہ نجفی
[3] درباره اول اربعین حضرت سید الشہداء از قاضی محمد علی طباطبائی ص ۳۷۷
[4] طبری ج ۵ ص ۳۶۹
[5] نسب قریش ص ۴۶ انساب الاشراف ج ۲ ص ۴۰۳
[6] عمدۃ الطالب ص ۹۱، نشر مکتبہ انصاریان قم

اپنے آپ کو خلیفہ نامزد کرنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ اس وقت لوگ خلافت صرف قریشی شخص کو نسبت قبول کرنے کو تیار تھے عبدالرحمان بن محمد بن اشعث نے اس متعلق علویوں کے بزرگوں حضرت امام زین العابدینؑ اور حسن مثنی سے اس بارے میں خط و کتابت کی۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کے تقاضے کو رد کرلیا اور حسن مثنیٰ نے بھی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی بیعت توڑنے کے احتمال کی بنا پر اسے رد کر دیا لیکن عبدالرحمان کے مسلسل اصرار پر اسے قبول کرلیا اور اس کے ساتھ بعنوان خلیفہ ان کی بیعت ہوئی۔ عراق کے مشہور علماء عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ، شعبی، محمد بن سرین اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی بیعت کی اور حسن مثنیٰ الرضا کے نام سے ملقب ہوئے۔[1]

بقول شیخ مفید حسن مثنیٰ نے کبھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا۔[2]

زیدی مذہب میں حسن مثنیٰ کو زیدیوں کے امام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[3]

عبدالرحمان بن محمد بن اشعث کے قتل کے بعد حسن مثنیٰ مخفی ہو گئے لیکن آخرکار ولید بن عبدالملک کے ساتھیوں نے ڈھونڈ کر انہیں زہر دے دیا اور قتل کرنے کے بعد جنازے کو مدینہ بھیج دیا گیا جہاں جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔[4]

صحیح بخاری کی روایت منقول ہے جس کی بنا پر فاطمہ بنت الحسین آپ کی زوجہ نے آپ کے مزار پر قبہ تعمیر کروایا۔[5]

بقول شیخ عمری آپ کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۵ سال تھی اور بقول ابن خداع نسابہ مصری ارقطی کہ حسن المثنیٰ ایام ولید بن عبدالملک میں فوت ہوئے۔[6]

اولاد حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام:

بقول ابی الحسن عمری علوی نسابہ آپ کی اولاد میں (۱) عبداللہ محض (۲) حسن المثلث (۳) ابراہیم الغمر جن میں عبداللہ اور ابراہیم غمر احادیث کے راوی تھے۔ (۴) زینب (۵) ام کلثوم، ان سب کی والدہ سیدہ

---

[1] المصابیح از حسنی ص ۳۸۱، ۳۸۲
[2] الارشاد از مفید ج ۲ ص ۲۶
[3] الحدائق الوردیہ فی مناقب آئمۃ الزیدیہ ج ۲ ص ۲۳۵
[4] المصابیح از حسنی ص ۳۸۲، عمدۃ الطالب از ابن عنبہ ص ۹۲
[5] فتح الباری فی شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۵۵ باب ۶۱
[6] المجدی فی الانساب الطالبین ص ۲۲۱، ۲۲۲

فاطمہ صغریٰ بنت امام حسینؑ تھیں۔ (۶) جعفر (۷) داؤد (۸) رقیہ (۹) فاطمہ، جن کی شادی معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوئی۔ ان کے ہاں: یزید، صالح، حمادہ، زینب اور حسین پیدا ہوئے۔ (۱۰) قسیمہ کی شادی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی۔[۱]

مصعب الزبیری نے آپ کے ایک فرزند محمد کا ذکر بھی کیا ہے جن کی والدہ رملہ بنت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل تھیں اور اسی طرح دو بیٹیاں ام القاسم اور ملیکہ بھی تحریر کی ہیں۔

اور کتاب نسب القریش میں ام کلثوم بنت حسن المثنیٰ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ ان کی شادی امام محمد باقرؑ بن امام زین العابدینؑ بن امام حسینؑ بن امیر المومنین علیؑ سے ہوئی تھی اور ان کی اولاد نہیں تھی۔[۲]

اولاد محمد بن حسن المثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام میں: (۱) فاطمہ (۲) ام سلمہ، جس کی والدہ تماضر بنت عبداللہ بن عاصم بن عروہ بن مسعود بن معتب بن مالک الثقفی تھیں اور (۳) ام کلثوم بنت محمد کی والدہ ام الولد تھیں۔ ان میں ام سلمہ بنت محمد بن حسن مثنیٰ کی شادی سید محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ سے ہوئی اور ان کی اولاد میں: (۱) عبداللہ اشتر جو کابل میں قتل ہوئے (بعض مصادر میں سندھ میں قتل کا ذکر ہے)۔ (۲) علی، جو مصر گئے اور گرفتار ہوئے اور مہدی عباسی کی قید میں فوت ہوئے اور (۳) حسین جو فخ میں قتل ہوئے (یہ دراصل حسین نہیں حسن تھے)۔ (۴) فاطمہ (۵) زینب۔

پھر ام کلثوم بنت محمد بن حسن مثنیٰ کی شادی عیسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی اور آپ کی ام محمد اور ام عباس نامی بنات پیدا ہوئیں۔[۳]

(۱۹) عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام

آپ کا نام عبداللہ القاب میں، دیباج، محض بنی ہاشم اور کنیت ابو محمد تھی۔ محض کا مطلب خالص ہوتا ہے جس وجہ سے آپ کو عبداللہ الکامل بھی لکھا گیا ہے۔ اس کی توجیہ یہ بیان ہوتی ہے کہ آپ اول تھے جن میں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی ولادت جمع ہوئی کیونکہ آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت امام حسین بن امام علی علیہ السلام تھیں اور بعض کے بقول وہ اول جن میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ذریت جمع ہوئی وہ امام محمد باقرؑ

[۱] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۲۱
[۲] نسب القریش ص ۵۲، ۵۳
[۳] نسب قریش ص ۵۳

بن امام زین العابدینؑ تھے، کیونکہ ان کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت امام حسنؑ تھیں۔آپ کو دیباج یا دیباجہ بنی ہاشم، آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے کہا جاتا تھا۔آپ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ تھے۔

آپ کی جلالت کی وجہ سے آپ کو''جواد'' شیخ الطالبیہ اور شیخ بنی ہاشم بھی کہا جاتا تھا۔آپ کی نانی یعنی فاطمہ بنت الحسین کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تھیں اور آپ کی نانی کی والدہ جرباء بنت قسامہ بن رومان تھیں اور ان کا تعلق بنی''طے'' سے تھا۔

آپ کا نام جرباء آپ کے حسن کی وجہ سے رکھا گیا جو بھی عورت آپ کے پہلو میں کھڑی ہوتی اگرچہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہوتی لیکن آپ کی حسن و جمال کے سامنے وہ بدصورت نظر آتی۔آپ کی حفاظت و حمایت کیلئے خواتین آپ کے ہمراہ ہوتی تھیں اس لئے آپ کو''جرباء ناقہ'' سے تشبیہ دی گئی جس کی اونٹ اس وجہ سے حفاظت کرتے ہیں تا کہ اس پر تعدی وتجاوز نہ کرے۔

عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ سے منقول ہے کہ عبداللہ محض مسجد نبوی میں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پیدا ہوئے۔[1]

بقول شیخ طوسی آپ اصحاب امام محمد باقرؑ اور اصحاب میں جعفر صادقؑ میں سے تھے۔[2]

آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت حسینؑ کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ پہلے امام حسنؑ کے عقد میں تھیں اور آپ سے طلحہ بن امام حسنؑ تولد ہوئے شیخ مفید کے بقول حسین بن امام حسن بھی ام اسحاق کے بطن سے تھے مگر نسابین کے مطابق صرف طلحہ بن امام حسنؑ تھے جو بی بی فاطمہ بنت حسینؑ کے مادری بھائی تھے سیدہ فاطمہ بنت الحسینؑ کی ولادت ربیع الثانی ۵۱ ہجری کو ہوئی اور آپ امام حسینؑ کی بڑی بیٹی تھیں۔ایسا بعض مورخین کا قول ہے اور بعض نے کہا کہ سکینہ اور فاطمہ کی عمر قریب قریب ایک جیسی ہی تھی۔علی بن احمد الباہلی سے منقول ہے کہ میں نے مصعب زبیری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ تمام اچھائیاں عبداللہ ابن حسن پر ختم ہیں جب کسی سے پوچھا جاتا ہے کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے تو جواب دیا جاتا ہے عبداللہ بن حسن اور جب پوچھا جاتا ہے کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے تو جواب دیا جاتا ہے عبداللہ بن حسن اور جب پوچھا جاتا ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ بات کا پکا کون ہے تو جواب دیا جاتا ہے عبداللہ بن حسن۔[3]

عبداللہ بن موسیٰ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن حسن المثنیٰ مسجد میں جس چٹائی پر نماز پڑھتے اور آپ

---

[1] مقاتل الطالبین منشورات رضی، ص ۱۶۸

[2] رجال الطوسی ص ۱۳۸،۲۲۸

[3] مقاتل الطالبین ص ۱۶۸،۱۶۷

کے بعد کافی عرصہ تک وہ چٹائی وہیں پر پڑی رہی اور اسے وہاں سے نہ اٹھایا گیا۔[1]

مصعب بن عبداللہ زبیری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نماز میں ہاتھ چھوڑنے کے بارے میں سوال کیا (یعنی ہاتھ کھول کر نماز ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا) تو انہوں نے جواب دیا اس معاملے میں اس شخص کی اقتداء کرتا ہوں جو ایسا کرنا پسند کرتا ہے اور عبداللہ بن حسن ایسا ہی کرتے تھے۔[2]

سعد بن ابان قرشی سے منقول ہے کہ ایک دن میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا کہ اس کے پاس عبداللہ بن حسن المثنیٰ تشریف لے آئے اس وقت آپ شباب کے عالم میں تھے اور آپ نے پائجامہ اور چادر پہن رکھی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پرتپاک انداز میں ان کا استقبال کیا انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا اور ہنسی مزاح کرتے رہے پھر اپنے بطن کو ان کے بطن سے ملایا۔ اس دن ان کے گھر میں اموی افراد کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا۔ میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا آپ کو کس بات نے اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ آپ اس جوان کے بطن سے اپنا بطن مس کریں تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا میں اس فعل کے ذریعے صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا متمنی ہوں۔[3]

بنی عباس میں سے سب سے پہلے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے بنو امیہ کے خلاف تحریک شروع کی اور ایران میں مبلغین بھیجے جو خفیہ طریقے سے بنی ہاشم سے عہد وفاداری کا عہد و پیمان لیتے۔

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب دراصل ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ بن امام علی علیہ السلام کے وصی تھے۔

بقول ابی الفرج اصفہانی ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ کو جب وہ شام کی طرف اپنی بعض حاجات کو پورا کرنے کی غرض سے گئے تو سلیمان بن عبدالملک بن مروان نے آپ کو شربت میں زہر دیا اور آپ کو شام کی سرزمین ''حمیہ'' میں دفن کیا گیا۔

بقول شریف عمری کہ آپ کو زہر دی گئی کیسانیہ آپ کو آپ کے والد محترم کے بعد امام تسلیم کرتے تھے آپ کے بعد بیعت کا سلسلہ بنی عباس کی جانب منتقل ہوا۔ یہ وہی تحریک ہے جس کے داعی مختار بن ابی

---

[1] مقاتل الطالبین ص ۱۸۰
[2] مقاتل الطالبین ص ۱۸۱
[3] آغانی از ابی الفرج اصفہانی ج ۵ ص ۳۶۹

عبیدہ ثقفی تھے۔

بقول ابن سعد کہ ابو ہاشم عبداللہ نے وصیت کی کہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اس حکومت کے مالک ہوں گے اور یہ حکومت ان کی اولاد میں رہے گی۔[1]

ان کے تین فرزند تھے: (۱) ابراہیم الامام (۲) منصور دوانقی (۳) ابوالعباس سفاح۔ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے بعد ابراہیم الامام اس تحریک کے سربراہ تھے۔ مشرق میں ابومسلم خراسانی ان کا داعی تھا۔ جب جناب زید بن امام زین العابدینؑ اور ان کے بیٹے جناب یحییٰ بن زید بن امام سجادؑ کی دردناک شہادت ہوئی تو بنی امیہ کے خلاف غم وغصہ میں اضافہ ہوگیا۔ اس سے بنی عباس نے خوب فائدہ اٹھایا اور ابوسلمہ خلال کے ذریعہ عراق میں بھی اپنا تاثر قائم کرلیا۔ رفتہ رفتہ ان کا اثر بڑھتا گیا اور عراق عجم پر ابومسلم خراسانی کی مدد سے تسلط قائم کرلیا اور بنی امیہ کے حاکم کو وہاں سے فرار کرنا پڑا۔ خطبہ میں ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کا نام داخل کردیا گیا۔ ابراہیم الامام کو حران سے پکڑ کر قید کرلیا گیا۔ اور بعد میں قتل کردیا گیا ان کے پس ماندگان بھاگ کر ابی سلمہ خلال کے پاس آ گئے۔

بقول ابن عنبہ کہ ابوالسفاح عباسی خفیہ نداز میں ابی سلمہ خلال کے گھر کوفہ میں آیا کہ خلافت علی اور عباس کی اولاد میں آئے اور اس پر مشورہ ہو۔ اس سلسلے میں ابوسلمہ خلال نے تین افراد کو خلافت کی دعوت کے خط لکھے اور یہ خط امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اولاد میں لکھے جن میں اوّل خط امام جعفر صادقؑ کو لکھا اور ان کے کوفہ میں رہائشی موالی کو دیکر بھیجا۔ وہ قاصد رات کے وقت امام سے ملنے آیا اور کہا کہ ابی سلمہ خلال کا خط آیا ہے تب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ابی سلمہ خلال ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہے۔ اس کو ہم سے کیا واسطہ قاصد نے کہا خط پڑھ کر جواب تو دیں امام نے چراغ منگوایا اور خط جلا دیا۔ پھر قاصد نے کہا آپ جواب دیں گے امام نے کہا تم نے میرا جواب دیکھ لیا۔ کچھ دیر بعد عبداللہ محض آ گئے اور امام سے سوال کیا۔ اے ابومحمد جعفرؑ آپ کو کونسی خبر آئی ہے۔ مجھے بتائیں، پھر عبداللہ محض نے جلے خط کو دیکھ کر کہا یہ کیا ہے، امام پاکؑ نے فرمایا۔ ابی سلمہ خلال کا خط ہے جو مجھے اس امر (خلافت) کی دعوت دے رہا ہے کہ میں اسے قبول کرلوں اور مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ حقدار سمجھتے ہیں۔[2]

دوسرے مصادر کی رو سے اوّل خط امام جعفر الصادقؑ کو دینے کا کہا گیا اور قاصد کو تاکید کی گئی کہ اگر وہ

---

[1] طبقات ابن سعد اردو ترجمہ حصہ پنجم ص ۲۴۷

[2] عمدۃ الطالب ص ۹۳

اس امر (خلافت) کوقبول نہ کریں تو دوسرا خط عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے پاس لے کر جانا اور اگر وہ بھی قبول نہ کریں تو عمر الاشرف بن امام زین العابدینؑ کے پاس خط لے کر جانا۔ جب امام جعفر صادقؑ نے خط جلا دیا تو ابو سلمہ خلال کا نمائندہ عبداللہ محض کے پاس آیا انہوں نے خط کو پڑھ کر بوسہ دیا اور فوراً امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یہ ہمارے شیعہ ابوسلمہ خلال کا خط ہے۔خراسان میں مجھے خلافت کی دعوت دی ہے۔

امام پاکؑ نے فرمایا خراسان کے لوگ کب سے تمہارے چاہنے والے ہوگئے ہیں۔ کیا ابومسلم خراسانی کو تم نے ان (خراسانیوں) کی جانب روانہ کیا ہے۔ کہا ان میں سے تم کسی کو پہچانتے ہو۔ نہ تم ان کو جانتے ہو اور نہ وہ تمہیں جانتے ہیں تو پھر وہ تمہارے چاہنے والے کیسے ہوگئے۔

عبداللہ محض نے کہا لگتا ہے آپ ان ساری باتوں سے واقف ہیں۔ امام جعفر صادقؑ نے کہا خدا جانتا ہے میں ہر مسلمان کی بھلائی چاہتا ہوں تو تمہاری بھلائی کیوں نہ چاہوں۔ اے عبداللہ! ان باطل آرزوؤں کو چھوڑ دو اور اس بات کو جان لو کہ یہ حکومت بنی عباس کی ہے۔ ایسا خط میرے پاس بھی آیا ہے۔ عبداللہ محض وہاں سے ناراض ہوکر واپس آگئے۔ اور عمر بن زین العابدینؑ نے بھی ابی سلمہ خلال کے خط کو رد کر دیا اور کہا کہ میں خط بھیجنے والے کو نہیں جانتا کہ اس کو جواب دوں۔[1]

بعض دیگر مصادر میں تیسرا خط عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدؑین کو لکھا گیا لیکن آپ نے بھی قبول نہ کیا۔

ابراہیم الامام کی وصیت:

بقول مسعودی جب ابراہیم کو حران میں پکڑا گیا تو اسے معلوم ہوگیا کہ اب مروان الحمار سے نجات پانے کا کوئی طریقہ نہیں تو اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد سفاح کیلئے وصیت چھوڑی کہ اسے حکومت قائم کرنے اور جدوجہد کرنے کی وصیت کی اور کوفے جانے کی نصیحت کی۔

ابوالسفاح ۱۳۲ ہجری میں کوفہ آیا اور ابوسلمہ خلال کے پاس ٹھہرا۔ وہاں پر بنوعباس کے لئے خطوط کی ڈاک چل رہی تھی۔ جب ابراہیم الامام قتل ہوگئے تو ابوسلمہ خلال حکومت کے ٹوٹے جانے سے اور بگڑنے سے خوفزدہ ہوگیا۔ اس نے محمد بن عبدالرحمان بن اسلم کو (اسلم رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام تھا) ایک ہی خط کی دو کاپیاں دے کر ایک امام جعفر صادقؑ اور دوسرا عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی طرف بھیجا اور دونوں میں سے ہر ایک کو

[1] الفخری از ابن طقطقی صادر بیروت ص ۱۵۴، مروج الذہب از مسعودی منشورات موسسہ الاعلمی للمطبوعات بیروت ج ۴ ص ۲۸۰

دعوت دی کہ وہ اس کے پاس آجائیں تاکہ دعوت کا رخ اس کی طرف ہوجائے اور اہل خراسان سے ان کے لئے بیعت لینے کی کوشش کی جائے۔امام جعفر صادؑق نے خط جلا دیا اورعبداللہ بن حسن مثنیٰ سے اسے قبول کرلیا۔ دوسرے دن عبداللہ محض گدھے پر سوار ہوکر امام جعفر صادؑق کے پاس آئے اور ان سے بات چیت کی کہ ہمارے خراسانی شیعہ ہماری بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ امام جعفر صادؑق نے کہا خراسانی آپ کے شیعہ کب تھے اور کیا آپ نے ابومسلم خراسانی کوخراسان بھیجا تھا۔عبداللہ محض نے وہاں امام پاکؑ سے اختلاف کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ لوگ میرے بیٹے محمد کو چاہتے ہیں اور ان کو امت کا مہدی مانتے ہیں۔ امام جعفر صادؑق نے کہا خدا کی قسم! وہ امت کا مہدی نہیں ہے۔ اگر اس نے تلوار سونتی تو قتل کردیا جائے گا۔عبداللہ محض نے اختلاف کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ تمہیں حسد کے علاوہ اور کوئی بات مانع نہیں ہے۔[1]

ابواء میں بنی ہاشم کی کانفرنس:

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ عیسیٰ ابن عبداللہ بن محمد بن عمر بن امام علی سے مروی ہے کہ بنو ہاشم کے کچھ افراد ابواء کے مقام پر جمع ہوئے ان میں: (۱) ابراہیم الامام بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ان کے بھائی (۲) ابوجعفر منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (۳) صالح بن علی بن عبداللہ بن عباس (۴) ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عباس (۵) عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن ان کے دوفرزند (۶) محمد نفس ذکیہ (۷) ابراہیم قتیل باخمری (۸) محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان اموی، جیسی اہم شخصیات شامل تھیں۔ صالح بن علی نے خطاب کرتے ہوئے کہا تم سب لوگ جانتے ہو کہ تم وہ (خاص) لوگ ہو جن پر اس وقت سب لوگوں کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو یہاں جمع ہونے کی توفیق مرحمت فرمائی ہے لہٰذا تم اپنے میں سے ایک شخص کی بیعت کرو اور اس سے عہد و پیمان کرو کہ ہم اس وقت تک اس کے لئے اپنی جان کے ساتھ حاضر ہیں جب تک خدا فتح عطا نہ کرے اور وہ فتح دینے والا ہے۔ اس کے بعد عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعدفرمایا کہ تم سب جانتے ہو کہ میرا بیٹا (محمد نفس ذکیہ) مہدی ہیں۔ پس تم سب آگے بڑھو اور ان کی بیعت کرو پھر ابوجعفر منصور نے کہا تم کس بات کے ذریعے خود کو دھوکہ وفریب دے رہے ہو۔ خدا کی قسم! یہاں جمع ہونے والے افراد میں محمد نفس ذکیہ کے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہے جس کی بیعت کیلئے جلدی ہاں کی جاسکے۔ یہ سن کر سب نے ابوجعفر منصور سے کہا تم

---

[1] مروج الذہب ومعاون الجواہر اردو ترجمہ ج ۲ حصہ ۳ ص ۳۱۰

بے شک سچ کہہ رہے ہو۔ ہم یہی جانتے ہیں پھر سب نے بلا اختلاف محمد نفس ذکیہ کی بیعت کی۔ عیسیٰ بیان کرتا ہے کہ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کا قاصد میرے والد کے پاس یہ پیغام لے کر آیا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں کیونکہ کسی اہم مقصد کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے امام جعفر صادقؑ کو بھی آنے کا پیغام بھیجا۔ عیسیٰ کی علاوہ دیگر راویوں کا کہنا ہے عبداللہ محض نے باقی تمام افراد سے کہا کہ ہم جعفر بن محمد الصادقؑ کو نہیں بلانا چاہتے اس لئے کہ ہمارا مقصد خراب نہ ہو۔ عیسیٰ نے بیان کیا ہے کہ میرے والد نے مجھے یہ کہہ کر ان لوگوں کے پاس بھیجا کہ جا کر دیکھو یہ لوگ کس مقصد کے لئے اس جگہ جمع ہیں، جبکہ امام جعفر الصادقؑ نے محمد الارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ کو جائزہ لینے کیلئے بھیجا۔

جب ہم ان لوگوں کے پاس آئے تو محمد نفس ذکیہ چٹائی پر نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا میرے والد نے مجھے اس لئے بھیجا تا کہ آپ سے پوچھوں کہ آپ کس مقصد کے لئے یہاں جمع ہیں تو عبداللہ محض نے کہا ہم مہدی یعنی محمد نفس ذکیہ کی بیعت کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں جب امام جعفر صادقؑ ان کے پاس آئے تو عبداللہ محض نے ان کے لئے جگہ خالی کرتے ہوئے انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا اور ان کو بھی یہی جواب دیا کہ ہم مہدی کی بیعت کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔

یہ سن کر امام جعفر صادقؑ نے جواب دیا تم لوگ اس کی بیعت نہ کرو تمہارا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ اگر آپ (عبداللہ محض) یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا بیٹا ہی وہ مہدی ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ کیا ہے کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، تو ایسا ہرگز نہیں ہی، اور نہ اس دور میں اس مہدی نے ظاہر ہونا ہے اور اگر آپ اس سے اللہ تعالیٰ کے غضب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر خروج کروا رہے ہیں تو پھر خدا کی قسم! میں آپ کو اس امر سے نہیں روکتا آپ ہمارے بزرگ ہیں اور ہم آپ کے بیٹے سے عہد و پیمان کا اقرار کرتے ہیں۔

یہ سن کر عبداللہ محض نے غضب ناک ہو کر کہا آپ کو جس بات کی حقیقت کا علم نہیں ہے آپ اس کے برعکس بات کر رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آپ میرے فرزند سے حسد کرتے ہو۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں حسد کی وجہ سے ایسا نہیں کہہ رہا اور فرمایا یہ شخص اس کے بھائی اور بیٹے تم لوگوں کے درمیان حائل ہیں۔ پھر آپ نے ابو العباس سفاح کی کمر اور عبداللہ محض کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا اس بیعت کا اختیار نہ تمہارے پاس ہے نہ ہی تمہارے بیٹوں کے پاس ہے۔ بلکہ یہ امر بیعت ہم لوگوں کے پاس ہے۔ بے شک تمہارے یہ دونوں بیٹے قتل کر دیئے جائیں گے۔ پھر آپ

عبدالعزیز بن عمران زہری کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اس زرد عباء والے کو یعنی (ابوجعفر منصور) کو پہنچانتے ہو اس نے کہا جی ہاں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم ہم دیکھیں گے کہ یہ (ابوجعفر منصور) اِسے (محمد نفس ذکیہ) کو قتل کرے گا۔[1]

مذکورہ بالا واقعہ ابراہیم الامام بن محمد بن علی بن عبداللہ کی قید اور قتل سے قبل ہے۔ جس میں طے تھا کہ اموی سلطنت کے خاتمے پر بنو ہاشم کے متفقہ خلیفہ محمد نفس ذکیہ ہوں گے۔ بنوعباس نے دوہری چال چلی کیونکہ وہ ایک تحریک لے کر چل رہے تھے۔ کیونکہ اگر وہ سادات کو ساتھ نہ ملاتے تو وہ کبھی کامیاب نہ ہوتے، اس لئے انہوں نے عبداللہ محض کو سیاسی طور پر استعمال کیا۔ اور ایک جھانسہ دیا درحقیقت خراسانی داعی ابومسلم خراسانی جو اہل خراسان کی افواج کا جرنیل بھی تھا۔ عباسی حضرات کے کنڑول میں تھا۔ سادات کو ساتھ ملانے کا مقصد یہی تھا کہ ان کے شہدا جیسے امام حسینؑ۔ حضرت زید بن امام زین العابدینؑ اور یحییٰ بن زید شہید کا زیادہ سے زیادہ تذکرہ کر کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔ اور جب لوگوں کو یہ علم ہوا کہ عباسی سادات کے حقوق کے محافظ ہیں تو لوگ عربی اور خراسانی منطقوں سے ابومسلم اور ابی سلمہ کے پاس جمع ہونے لگے۔ خراسان کی افواج تو کثیر تعداد میں تھیں۔ جب عبداللہ محض بنوعباس کے ساتھ شمولیت کا تذکرہ عام ہوا تو تمام لوگ بنو اُمیہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

یہاں پر ہی ابوسلمہ حفص بن سلیمان خلال ہمدانی کو بنوعباس پر شبہ ہوا اور اس نے خط لکھ کر سادات کو دعوت کا سرکردہ بنانے کی کوشش کی مگر ایسا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ ابوسلمہ بنوعباس کے ہی ہاتھ میں تھا اس لئے امام جعفر صادقؑ نے کچھ بھی توجہ نہ تھی اور عبداللہ محض کو بھی سمجھایا مگر وہ اس بات کو نہ سمجھ سکے۔ ابو العباس سفاح سیاسی آدمی تھا۔ وہ اوّل دن سے بنو اُمیہ کے بعد اپنی حکومت بنانے کے لئے تیار تھا۔ کیونکہ وہ اپنے والد اور بھائی کی کیسانوی تحریک کا صدر تھا۔ اور ان کے والد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو وصیت میں، ابوہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ بن امام علیؑ نے کہا تھا کہ آپ کی اولاد میں ہی حکومت منتقل ہوگی۔ اور یہ وصیت سادات کے متعلق نہ تھی، لیکن سادات کو ساتھ ملائے بغیر عباسی اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے تھے۔ بنوعباس نے سادات کے شیعہ حضرات کو استعمال کر کے اپنی حکومت قائم کی اور بعد میں ان شیعہ حضرات پر ہی ظلم شروع کر دیئے۔ ابی سلمہ خلال جو شروع سے عباسیوں کا حامی تھا، سادات پرست بندہ تھا۔ اُس کے خط والی حرکت کو عباسیوں نے نوٹس کیا۔ سفاح عباسی کے بھائی منصور، چچا داؤد بن علی بن عبداللہ ابومسلم خراسانی نے خط لکھ کر تجویز دی کہ ابی

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی منشورات شریف رضی ص ۱۸۶،۱۸۵

سلمہ خلال کوقتل کیا جائے۔لیکن ابوالعباس سفاح اسکی خدمت کے عوض اس لغزش کو معاف کرنا ہی بہتر سمجھتا تھا۔ کیونکہ اسے وزیر بنایا ہوا تھا۔ اور اس سے بہت مانوس تھا۔لیکن ابومسلم خراسانی نے اس کے قتل کے لئے سپاہی بھیجے ایک رات جب ابوسلمہ سفاح کے پاس سے شہر انبار سے اکیلا واپس آ رہا تھا تو ابومسلم کے ساتھیوں نے اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔

عبداللہ محض کی قید اور شہادت کے اسباب:

جب بنوعباس کا اوّل خلیفہ ابوالعباس عبداللہ بن محمد سفاح عباسی تخت پر بیٹھا تو عبداللہ محض کے بیٹے روپوش ہو گئے۔ سفاح عباسی ہمیشہ عبداللہ محض کے ساتھ احترام کا رویہ رکھتا لیکن ہر ملاقات میں یہ ضرور پوچھتا کہ تمہارے بیٹے محمد اور ابراہیم کہاں ہیں۔لیکن جب منصور تخت نشین ہوا تو اس نے سخت رویہ اپنایا ۱۴۰ ہجری کو منصور حج کے لئے آیا تو عبداللہ محض کو مروان کے گھر میں قید کر دیا۔ اور ریاح بن عثمان کو زندان بان مقرر کیا۔[1]

بقول محمد ابن جریر طبری کہ منصور نے اعرابی غلام خریدے ان میں سے ایک کو ایک اونٹ دیا اور دوسرے کو دو اونٹ دیئے اور ایک کو چند اونٹنیاں دیں۔ اور انہیں مدینہ کے علاقے میں محمد نفس ذکیہ کی تلاش میں روانہ کیا۔

محمد بن عباد بن حبیب المہلی کہتا ہے کہ مجھ سے سندی امیر المومنین کے مولیٰ نے پوچھا تم جانتے ہو کہ کیوں عقبہ بن مسلم کا رسوخ ابوجعفر منصور کے پاس بڑھا۔ اس نے کہا کہ نہیں تب اس نے کہا کہ میرا چچا عمر بن حفص ایک وفد کے ساتھ جس میں عقبہ بھی تھا سندھ سے منصور کی خدمت میں پیش ہوا۔ جب سب چلے گئے تو عقبہ بن مسلم کو منصور نے طلب کر کے کہا کہ میں ایک کام کے لئے کسی مناسب آدمی کی تلاش میں تھا اگر تم اسے سرانجام دے سکو تو تمہیں بہت ترقی دوں گا۔

عقبہ بن مسلم نے حامی بھر لی، منصور نے اسے کہا کہ میرے اجدادی رشتہ دار میری حکومت وخلافت کے خلاف سازش پر تلے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اچانک اس کا خاتمہ ہو جائے۔خراسان کے فلاں گاؤں میں ان کے طرفدار ہیں جو اِن سے مراسلت رکھتے ہیں۔ اور وہ ان کو اپنے صدقات وزکوٰۃ کی آمدنی نیز میوے ہدیہ کے طور پر بھیجتے ہیں۔تم اِس گاؤں کے باشندے بن کر بھیس بدل کر نقد، روپیہ اور کپڑے میوے لے کر ان کے پاس جاؤ۔ ان کو ٹٹولو اور ان کا ارادہ معلوم کرو تا کہ میں اس ارادے کے مطابق اپنی حفاظت کی تدبیر کر

[1] مدرک الطالب از قمر عباس ص ۸۲،۸۳

سکوں اگر عبداللہ بن حسن تم کو بار بار دھتکارے اور وہ ایسا ہی کرے گا تو تم پھر بھی اس کے پاس بار بار جانا تا کہ وہ تم سے مانوس ہو جائے۔ عقبہ بن مسلم جعلی خط لے کر اسی طرح عبداللہ محض کے پاس آ گیا اور تحائف پیش کئے۔ عبداللہ محض نے اسے نکال دیا کہ ہمارا اس گاؤں کے لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن عقبہ کے بار بار آنے جانے کی وجہ سے اس کے تحائف قبول کر لئے اور اب اس سے بے تکلف ہو گئے۔ تب عقبہ نے خط کے جواب کی درخواست کی۔ عبداللہ محض نے کہا خط تو میں لکھتا نہیں تم ہی میرے خط ہو زبانی جا کر ان لوگوں سے میرا سلام کہنا اور ان کو کہنا کہ فلاح وقت میں میرے دونوں بیٹے حکومت کے خلاف خروج کریں گے۔ عقبہ نے اس بات کی تفصیل منصور کو دی تو اس نے ۱۳۸ھ کو فضل بن صالح بن علی کو امیر حج بنا کر بھیجا اور کہا اگر عبداللہ محض کے بیٹوں کو پاؤ تو ان کو اپنے سے علیحدہ نہ کرنا۔

فضل بن صالح مدینے آیا تو باقی لوگوں کی طرح عبداللہ محض بھی اس کے استقبال کے لئے گئے۔ تو فضل نے محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ دونوں مجھے ملنے کے لئے کیوں نہ آئے تو عبداللہ محض نے کہا بخدا ان کے نہ آنے کی وجہ کوئی برائی یا فساد نہیں ہے۔ بلکہ چونکہ وہ دونوں شکار کے بے حد دلدادہ ہیں، اور ہر وقت اس میں مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے کسی اچھائی یا برائی میں شرکت نہیں کر پاتے۔[1]

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ حارث بن اسحاق سے مروی ہے جب منصور حج کے لئے آیا تو اس نے عبداللہ محض سے ان کے بیٹوں کے متعلق پوچھا۔ عبداللہ محض نے کہا مجھے ان دونوں کے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔ صالح صاحب المصل سے منقول ہے کہ جب منصور مکہ کی طرف عازم سفر ہوا اور وہ وادی طاس میں کھانا کھا رہا تھا۔ تو میں اس کے سر پر کھڑا تھا جب کہ دسترخوان اس کے ہمراہ۔ عبداللہ محض ابو الکرام اور بنو عباس کے دیگر افراد موجود تھے۔ اسی دوران منصور نے عبداللہ محض سے کہا کہ میں دیکھتا ہو کہ تمہارے بیٹے مجھ سے نالاں ہیں۔ وہ دونوں میرے پاس کیوں نہیں آتے تا کہ میں اُن کی شادی کرواؤں، ان کو دل و جان سے اپنے ساتھ ملاؤں۔ یہ سن کر عبداللہ محض کافی دیر خاموش رہے اور کہا کہ مجھے ان دونوں کے متعلق کچھ علم نہیں کہ کس شہر میں ہیں۔ یقیناً وہ میرے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ منصور نے کہا تم ایسا کرو بلکہ جو اِن دونوں کو تمہارے خطوط پہنچاتا ہے اس کے نام ایک خط تحریر کرو۔ منصور نے خادموں کو کھانا لانے سے روک دیا عبداللہ محض قسم اٹھا رہے تھے کہ مجھے ان دونوں کے ٹھکانے کا کچھ علم نہیں اور منصور بار بار یہ جملہ دہرا رہا تھا کہ اے ابو محمد تم ایسا نہ کرو۔ تب اس کے اشارے پر عقبہ بن مسلم سامنے آ گیا جب عبداللہ محض نے مسلم کو دیکھا جو کہ جاسوسی کر کے سب کچھ

---

[1] تاریخ طبری از محمد بن جریر طبری، اردو ترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی ج ۵ حصہ دوئم ص ۱۱۰، ۱۱۱

منصور کو پہلے ہی بتا چکا تھا۔

تو عبداللہ محض دو زانوں ہو کر منصور کے سامنے بیٹھ گئے اور کہا کہ مجھ سے درگزر کریں، اللہ آپ سے درگزر کرے گا۔ منصور نے کہا اگر میں نے تم کو معاف کر دیا تو خدا مجھے معاف نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اس نے عبداللہ محض کو قید کرنے کا حکم دیا۔[1]

عبداللہ محض کو مروان کے گھر قید کیا گیا۔ یہاں پر عبداللہ محض تین سال قید رہے۔ اس دوران ریاح بن عثمان بار بار ان سے ان کے بیٹوں کے بارے میں تفتیش کرتا رہا۔ اس کے بعد بنوحسن کو عبداللہ محض کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ کر ابوالازہر کے ہمراہ ربذہ بھیج دیا گیا۔ اور ان کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان بھی تھے۔ وہ بہت نرم و نازک تھے منصور نے ان کو خیمہ میں طلب کیا اور اس قدر تازیانے مارے کہ ان کا رنگ سیاح ہو گیا۔ ابن عائشہ سے منقول ہے۔ کہ منصور نے عبداللہ محض کو غصہ دلانے کے لئے ایسا کیا۔ عیسیٰ بن زید سے مروی ہے کہ محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم دونوں بدوؤں کا بھیس بدل کر رات کو اپنے والد کے پاس آتے اور خروج کی اجازت طلب کرتے تو عبداللہ محض ان کو کہتے کہ ابھی جلدی نہ کرو تم لوگ مضبوط ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ عراق میں ہاشمیہ کے مقام پر ان حضرت کو قید کیا گیا۔

سید یحییٰ نسابہ نے جو قید ہوئے اور شہید ہو گئے ان کے درج ذیل نام تحریر کئے:

(۱) عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ
(۲) ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ (زندہ دفن ہو گئے)
(۳) حسن مثلت بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ (زندان میں فوت ہوا)
(۴) علی بن حسن مثلت بن حسن مثنیٰ بن حسن امام ہیں۔ (زندان میں فوت ہوئے)
(۵) یعقوب بن ابراہیم الغمر بن حسن المثنیٰ بن امام حسنؑ (زندان میں وفات پائی)
(۶) عباس بن حسن مثلث بن حسن المثنیٰ بن امام حسنؑ (زندان میں وفات پائی)
(۷) عبداللہ بن حسن مثلث بن حسن المثنیٰ بن امام حسنؑ[2]

اور وہ حضرات جو زندہ بچ نکلے اور مدینہ واپس آئے ان میں:

(۱) سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ

---

[1] ترجمہ مقاتل الطالبین از علامہ حسن رضا باقر، ص ۲۱۸،۲۱۹
[2] کتاب المعقبین بن ولد امیر المومنین نشر قم ایران، ص ۱۲۴،۱۲۵

(۲) حسن بن جعفر بن حسن المثنیٰ بن امام حسنؑ

(۳) اسماعیل دیباج بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ

(۴) علی بن ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ

(۵) علی بن عباس بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ

بقول ابی الفرج اصفہانی محمد بن علی بن حمزہ سے مذکور ہے کہ میں نے سنا ہے اولادِ حسن میں سے یعقوب، اسحاق، محمد اور ابراہیم کو قید خانے میں ہی مار مار کر شہید کر دیا جبکہ ابراہیم الغمر کو زندہ دفن کر دیا گیا۔ اور عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ پر گھر کی چھت گرا کر ان کو مار دیا گیا۔[1]

عبداللہ بن عمران بن ابی فروہ راوی ہے کہ میں اور شعبانی ہاشمیہ میں رہتے تھے اور ابوالازہر کے پاس جایا کرتے تھے۔ ابوجعفر منصور جب اس کو خط لکھتا تو اس طرح شروع کرتا یہ خط عبداللہ بن عبداللہ امیر المومنین کی طرف سے ابو الازہر اس کے غلام کو بھیجا جاتا ہے۔ جب ابوالازہر اسے خط لکھتا تو یوں لکھتا ابوالازہر کی طرف سے جو ان کا غلام ہے۔ ابوجعفر منصور ہفتے میں تین دِن ابوالازہر کو بلاتا تھا۔ اور جن تین دن نہیں بلاتا ان میں ہم ان سے ملتے تھے۔ ہم ابوالازہر کی پاس ہی تھے کہ اس کے پاس ابوجعفر منصور کا خط آیا۔ ابوالازہر نے اسے پڑھ کر پھنک دیا اور بنی حسنؑ کے قیدیوں کے پاس چلا گیا۔ جب ابوالازہر کے جانے کے بعد ہم نے اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔ اس مغرور اکڑ والے کے متعلق جو تم کو حکم دیا تھا اب اس پر عمل کرو شعبانی نے وہ خط پڑھا اور مجھ سے پوچھا جانتے ہو یہ غرور ناز والا کون ہے؟ میں نے کہا نہیں تو اس نے کہا یہ عبداللہ بن حسن ہے۔ دیکھو اب ابوالازہر کیا کر کے آتا ہے۔ تھوڑی دیر پر ابوالازہر ہمارے پاس آیا اور کہا بخدا عبداللہ بن حسن مر گئے۔[2]

بقول ابن خداع نسابہ مصری عبداللہ محض کی وفات ۷۵ سال کی عمر میں ہوئی۔

اولادِ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام:

بقول شیخ ابی نصر بخاری آپ کی اولاد چھ فرزندان سے باقی رہی:

۱۔ محمد نفس ذکیہ ۲۔ ابراہیم ۳۔ موسیٰ الجون

---

[1] ترجمہ مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ترجمہ علامہ حسن رضا باقر ص نمبر ۲۳۱

[2] تاریخ طبری (اردو ترجمہ) از جریر طبری، ترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی ج ۵ حصہ دوم ص ۱۳۳، ۱۳۴

۴۔یحییٰ ۵۔سلیمان ۶۔ادریس۔[1]

بقول شریف عمری کہ کہا میرے شیخ و استاد شرف العبید لی نے اپنی کتاب تہذیب الانساب میں کہ عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے اعقاب چھ فرزندان سے چلی:

۱۔محمد نفس ذکیہ ۲۔ابراہیم صاحب باخمریٰ

۳۔موسیٰ الجون ان تینوں کی والدہ ھند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن اُسید قریش بن عبدالعزی بن قصی تھیں اور کہا۔

۴۔یحییٰ صاحب دیلم کی والدہ ھند کے بھائی کی بیٹی تھی۔ ۵۔سلیمان

۶۔ادریس والدہ عاتکہ بنت عبدالملک المحز ومیہ تھیں۔[2]

ابوعبداللہ مصعب الزبیری اپنی کتاب نسب قریش میں بیان کرتا ہے۔عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی ابن ابی طالب کی اولاد میں: (۱) محمد جنہوں نے منصور کے خلاف خروج کیا اور عیسیٰ بن موسیٰ مدینہ میں نے انہیں قتل کر دیا (۲) ابراہیم اس نے ان کے بعد بصرہ میں خروج کیا اور عیسیٰ بن موسیٰ نے ان کو قتل کیا (۳) موسیٰ جو بصرہ میں رو پوش ہو گئے جن کو پکڑ کر منصور کے پاس لے جایا گیا اور منصور نے انہیں معاف کر دیا۔ (۴) فاطمہ (۵) زینب (۶) رقیہ ان سب کی والدہ ھند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسید بن عبدالعزیٰ بن قصی تھیں۔(۷) عیسیٰ بن عبداللہ درج تھے۔(۸) سلیمان جن کا قتل مقام فخ میں خلیفہ موسیٰ (ہادی) کے دور میں ہوا اور آپ حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنی بن امام حسن کے ساتھیوں میں سے تھے جنہوں نے خلیفہ موسیٰ (ہادی) پر خروج کیا تھا۔ (۹) ادریس جن کی وفات مغرب (مراکش) میں ہوئی ان دونوں (سلیمان اور ادریس) کی والدہ کے عاتکہ بنت عبدالملک بن حارث بن خالد بن عاص بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ تھیں۔(۱۰) یحییٰ کی والدہ قریبہ بنت رکیح (جس کا نام عبداللہ تھا) بن ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعۃ بن اسود بن مطلب بن اسید تھا، آپ کی وفات خلیفہ ہارون کی قید میں ہوئی۔

ان میں فاطمہ بنت عبداللہ محض کی شادی ابی جعفر عبداللہ بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن امام حسن سے ہوئی اور ان کے ہاں جعفر، محمد، ابراہیم اور ام الحسن پیدا ہوئے۔

پھر زینب بنت عبداللہ محض کی شادی علی العابد بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام سے ہوئی

---

[1] معالم انساب الطالبین فی شرح سر سلسلہ العلویہ از ڈاکٹر عبدالجواد ص ۷۸

[2] المجدی فی انساب الطالبین از شیخ عمری ص ۲۲۳، ۲۲۲

اور انکے ہاں حسن، حسین صاحب فخ، محمد، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ تولد ہوئے۔[1]

اور رقیہ بنت عبداللہ محض کی شادی اسحاق بن ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسن سے ہوئی۔

(۲۰) محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کی کنیت ابا عبداللہ اور کہا کہ ابوالقاسم تھی۔ اور آپ کو نفس ذکیہ قتیل احجار الزیت کہا جاتا ہے۔ آپ کو عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کے ایام میں مدینے میں قتل کیا، آپ اعتزال پر تھے سنہ ۱۰۰ ہجری کو پیدا ہوئے اور آپ کی عمر ۴۳ سال تھی۔[2]

بقول شیخ شرف العبید لی کی مجھ سے ابی الفرج اصفہانی نے کہا کہ محمد نفس ذکیہ کا قتل رمضان کے نصف میں سن ۱۴۵ ہجری کو ہوا اور ان کا سر ابن ابی الکرام جعفری نے اُٹھایا جس پر شاعر نے بیت کہے:

حمل الجعفری منك عظاماً　　　　عظمت عند ذلی الجلال جلالا

محمد نفس ذکیہ کے کندھوں کے مابین کالے رنگ کا انڈے کے برابر خال تھا۔ اور سید دندانی نسابہ نے اپنے دادا ابوالحسین یحییٰ مدنی عقیقی سے روایت کی آپ کی عمر ۴۵ سال تھی۔[3]

بقول ابن عنبہ کہ کہا ابی نصر بخاری نے انکی والدہ کو ان کے حمل کی مدت چار سال تھی اور دندانی نسابہ نے اپنے دادا ابوالحسین یحییٰ عقیقی مدنی سے سنا کہ محمد نفس ذکیہ معتزلی تھے۔ بقول ابن عنبہ آپ کی شہادت ۴۵ سال کی عمر میں رمضان المبارک کے مہینے میں ہوئی۔[4]

آپ کی والدہ ھند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اُسید بن عبدالعزیٰ بن قصی تھیں۔

آپ کی نانی قریبہ بنت یزید بن عبداللہ بن وہب بن زمعہ بن اسود بن مطلب تھیں قریبہ بنت یزید کی والدہ خدیجہ بنت محمد بن علیب بن از ہر بن عبدعوف بن عبدالحارث تھیں، محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو صریح قریش کہا جاتا تھا (یعنی خالص قریش کا فرد)۔ کیونکہ آپ کے تمام آباؤ اجداد اور ماؤں کے سلسلے میں کوئی بھی

---

[1] نسب قریش از مصعب الزبیری ص ۵۴، ۵۳

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۲۳

[3] المجدی ص ۲۲۳

[4] عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب نشر انصاریان، ص ۹۵

کنیز (ام ولد) شامل نہیں تھی۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ علی بن صالح سے منقول ہے عبدالملک بن مروان اُموی نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی ھند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود سے اور ریطہ بنت عبیداللہ بن عبدالمدان (عبداللہ) سے کی (یعنی عبداللہ بن عبدالملک کی دو شادیاں ہوئیں)۔

اور ریطہ بنت عبیداللہ کا نسب مصعب زبیری نے نسب قریش میں ریطہ بنت عبیداللہ بن عبداللہ (جن کو عبدالحجر بھی کہا گیا) بن عبدالمدان بن دیاں بن قطن بن زیاد بن حارث لکھا گیا)۔

جب عبداللہ بن عبدالملک بن مروان اموی فوت ہو گیا تو اس کی دونوں بیویاں آزاد ہو گئیں۔تو ان میں سے ہند بنت ابی عبیدہ سے عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ نے شادی کرلی اور ریطہ بنت عبیداللہ بن عبداللہ سے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب نے شادی کی۔(اور اسی ریطہ بنت عبیداللہ کے بطن سے بنوعباس کا اوّل خلیفہ ابوالعباس عبداللہ بن محمد سفاح تولد ہوا)۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ جب عبداللہ بن عبدالملک بن مروان کا انتقال ہو گیا ہند بنت ابی عبیدہ نے جو اس سے میراث پائی تھی وہ ساتھ لیکر اپنے میکے آ گئی عبداللہ محض نے اپنی والدہ فاطمہ بنت الحسین سے کہا آپ ہند کا میرے لئے رشتہ طلب کریں۔ سیدہ فاطمہ نے جواب دیا وہ تجھ سے عقد کرنے سے انکار کر دے گی۔کیا تم ہند سے شادی کے طلبگار ہو جبکہ اس نے عبداللہ سے بہت کچھ میراث میں پایا ہے۔ اور تم تنگدست اور محتاج ہو تمہارے پاس مال نہیں ہے۔

یہ سن کر عبداللہ محض خود ہی ہند کے والد ابوعبیدہ بن عبداللہ کے پاس چلے گئے اور اپنے لئے ہند کا رشتہ طلب کیا۔ انہوں نے جواب دیا میں بخوشی اس بات کو قبول کرتا ہوں میں نے ہند کو تمہاری زوجیت میں دیا تا کہ تمہاری قدر و منزلت زائل نہ ہو۔ پھر ابی عبیدہ اپنی بیٹی ہند کے پاس آئے اور کہا بیٹی یہ عبداللہ بن حسن ہیں اور آپ سے عقد کے طلب گار ہیں ہند نے کہا تو پھر آپ نے انہیں کیا جواب دیا، ابی عبیدہ نے کہا میں نے اپنی طرف سے تمہیں ان کی زوجیت میں دے دیا ہے تو ہند نے کہا بہت خوب، خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے۔ پھر ہند نے عبداللہ کو پیغام بھجوایا کہ جب تک آپ اپنی بیوی سے ملاقات نہ کرلیں، تب تک آپ یہاں سے مت جانا۔ پھر انہوں نے وہ رات حجرۂ عروسی میں گزاری جبکہ ان کی والدہ کو اس کا علم نہ تھا۔عبداللہ محض نے سات دن تک ہند کے گھر میں قیام کیا اور جب ساتویں دِن وہاں سے نکل کر اپنی والدہ کے پاس گئے جبکہ اس وقت عبداللہ محض خوشبو سے معطر تھے اور انہوں نے دوسرا لباس پہنا ہوا تھا۔جس کا ان کی والدہ کو علم نہ تھا

ان کی والدہ نے پوچھا آپ نے یہ لباس کہاں سے لیا ہے۔عبداللہ بن حسن نے جواب دیا اس عورت سے جس کے بارے میں آپ کا گمان تھا کہ وہ مجھے رد کر دے گی۔[1]

محمد نفس ذکیہ کے لقب مہدی کے متعلق:

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ سعید بن عقبہ جہنی (جس نے عبداللہ بن حسن کو بچپن میں جب وہ ماں کی آغوش میں تھے لے کر اس کی پرورش کی) وہ بیان کرتا ہے جب محمد بن عبداللہ کی ولادت ہوئی تو ان کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک بڑے سے انڈے کی شکل میں سیاہ تل تھا جس کی وجہ سے آپ کو مہدی کہا جاتا تھا اور آپ کو صریح قریش کہا جاتا۔

عمیر بن فضل خثعمی سے منقول ہے کہ ایک دن میں نے ابوجعفر منصور کو دیکھا جبکہ محمد بن عبداللہ محض اپنے گھر سے باہر نکلے اور ان کا حبشی غلام ان کا گھوڑا پکڑے ہوئے دروازے پر کھڑا تھا اور ابوجعفر منصور ان کا انتظار کر رہا تھا۔ جب محمد نفس ذکیہ باہر تشریف لائے ابوجعفر منصور تیزی سے ان کی جانب بڑھا اور ان کے گھوڑے کی رکاب تھام لی تا کہ وہ سوار ہو جائیں پھر اس نے گھوڑے کی زین پر ان کے لباس کو درست کیا اور محمد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ میں ان دِنوں ابوجعفر منصور کو جانتا تھا۔مگر محمد بن عبداللہ کو نہیں جانتا تھا لہٰذا میں نے منصور سے پوچھا یہ کون سی ہستی ہیں جس کی آپ نے اس قدر تعظیم کی ہے۔ابوجعفر منصور نے کہا کیا تم نہیں جانتے؟ میں نے کہا نہیں، اس نے کہا یہ محمد بن عبداللہ ہیں ہمارے گھرانے کے ''مہدی'' ہیں۔

حمید بن سعید سے مروی ہے کہ جب محمد بن عبداللہ پیدا ہوئے۔تو ان کی پیدائش سے آل محمد کے گھرانے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کرتے رہے کہ مہدی کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔آپ کی پیدائش پر انہوں نے آپ کی درازئی عمر کے لئے دعا کی اور ان کی آپ کی وجہ سے (ظلم سے چھٹکارا پانے اور عدل و انصاف کی) اُمید بندھ گئی۔ وہ اس پیدائش پر انتہائی مسرور ہوئے اور ان کی محبت ان کے دلوں میں جا گزیں ہوگئی۔ وہ اپنی محافل اور مجالس میں باہمی ان کا تذکرہ کرنے لگے اور ان کی ولادت کی اپنے شیعوں کو خوشخبری سنانے لگے۔[2]

بقول ابی الفرج اصفہانی:

کہ عثمان بن حکم بن صخر ثقفی کہتا ہے ایک دن مطر صاحب الحمام میرے پاس آیا تو اس نے خود کو بستر پر

---

[1] ترجمہ مقاتل الطالبین ابی الفرج اصفہانی از علامہ حسن رضا باقر ص ۲۳۵،۲۳۴

[2] مقاتل الطالبین (اُردو ترجمہ) از علامہ حسن رضا باقر ص ۲۳۶،۲۳۷-۲۴۲

گرایا اور ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے اس نے کہا عمرو بن عبید نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ میں نے پوچھا وہ کیسے، اس نے کہا: عمرو بن عبید نے یہ کہا ہے کہ ہمارا امر اور مقصد ختم ہو جائے گا یہ پورا نہ ہو گا اور ہمارا جہاد بے کار ہو جائے گا۔ عثمان بن حکم کہتا ہے یہ سن کر میں نے مطر سے کہا تو ہمارے ساتھ عمرو بن عبید کے پاس چل اور پھر میں اور مطر عمرو بن عبید کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے عمرو بن عبید سے کہا۔ ابو عثمان اور رجاء کیا کہہ رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا صحیح کہہ رہے ہیں۔

میں نے کہا صحیح کیسے کہہ رہے ہیں؟

اس نے کہا محمد بن عبداللہ جنھیں لوگ مہدی کہہ رہے ہیں، مدینہ میں قتل ہو گئے ہیں۔[1]

ابو العباس الفسطی سے مروی ہے کہ میں نے محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ کے متعلق مروان بن محمد سے کہا کہ محمد بن عبداللہ خلافت اور حکومت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور لوگ انہیں مہدی کہتے ہیں تو آگے سے مروان نے کہا: ایسا نہیں ہے وہ مہدی نہیں ہیں اور نہ ہی وہ باپ کی طرف سے اس معیار پر پورا اترتے ہیں۔ کیونکہ مہدی امام حسین علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے جبکہ یہ حسنی ہیں۔ اور مہدی ام الولد کی اولاد سے ہوں گے۔ مروان بن محمد نے محمد بن عبداللہ کی انقلابی تحریک کے شعلے بلند ہوتے ہوئے نہ دیکھے بلکہ وہ اس سے قبل ہی قتل کر دیا گیا۔[2]

عیسیٰ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ میری والدہ ام الحسین بنت عبداللہ بن محمد باقرؑ بن علی زین العابدؑین بن حسینؑ نے مجھے خبر دی کہ یہ ایک دفعہ میں نے اپنے چچا امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ میری جان آپ پر قربان ہو محمد (نفس ذکیہ) نے جو تحریک شروع کی ہے اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا اس میں رسوائی ہے محمد کو رومی کے گھر کے قریب قتل کیا جائے گا۔ اور اس کے سارے مادری پدری بھائیوں کو عراق میں قتل کیا جائے گا۔ جبکہ اس وقت ان کے گھوڑے کے کُھر پانی میں ہوں گے۔ مندرجہ بالا روایات ان کے مہدی ہونے کے اقرار اور انکار میں لکھی گئی ہیں۔

محمد نفس ذکیہ کے خروج کے اسباب:

بنو اُمیہ کی حکومت کے آخری ایام میں جب عباسی دعوت کی کامیابی کے امکانات روشن نظر آنے لگے تو ابواء میں بنو ہاشم کے سرکردہ لوگوں کا اجتماع ہوا تھا جس میں ابراہیم، سفاح اور منصور شامل تھے۔ اور یہ تسلیم کیا

---

[1] ترجمہ مقاتل الطالبین از علامہ حسن رضا باقر ص ۲۴۴

[2] ترجمہ مقاتل الطالبین از علامہ حسن رضا باقر ص ۲۴۴

گیا تھا کہ کامیابی کی صورت میں امام محمد نفس ذکیہ خلیفہ ہوں گے اس موقع پر مدینہ کے صاحب الرائے لوگوں نے بھی اس بات کی تائید کی لیکن جونہی بنی عباس بامراد ہوئے انہوں نے فیصلے کو پس پشت ڈال دیا اور عبداللہ سفاح کو منصب پر بٹھا دیا اور محمد نفس ذکیہ کی بیعت توڑ دی۔ لیکن اہل مدینہ اپنے موقف پر قائم رہے عبداللہ سفاح نے اپنی حکومت میں اس بات کو دبانے کے لئے بہت حیلے کئے اور اس کی حکومت کے اختتام تک محمد نفس ذکیہ نے خروج نہیں کیا۔ لیکن خفیہ طریقے سے اپنی بیعت کی دعوت اور اشاعت کا کام کرتے رہے۔

محمد نفس ذکیہ کا اپنی بیعت کی دعوت دینا:

محمد نفس ذکیہ عبداللہ سفاح کے ایام حکومت میں خفیہ طریقے سے اپنی دعوت اور بیعت کو جاری رکھے رہے۔ اس سلسلے میں ان کا بیٹا علی بن محمد نفس ذکیہ مصر گئے اور وہاں قتل ہو گئے۔[1]

جبکہ دوسرا بیٹا عبداللہ بن محمد نفس ذکیہ خراسان کی طرف گیا جب اسکی تلاش کی گئی تو سندھ کی طرف چلے گئے اور وہاں قتل ہوئے۔ تیسرا بیٹا حسن بن محمد نفس ذکیہ یمن کی طرف گیا جہاں اُسے قید کر لیا گیا اور وہیں قید میں فوت ہو گیا۔ پھر بھائیوں میں موسیٰ جون جزیرہ کی طرف گئے۔ یحییٰ بن عبداللہ محض رے اور پھر طبرستان چلے گئے اور ادریس بن عبداللہ محض نے مغرب کی طرف سفر کیا۔ اس طرح ابراہیم بن عبداللہ محض بصرہ میں ظہور پذیر ہوئے۔ تو اہل فارس، اہواز اور دیگر شہروں نے انہیں قبول کیا۔ زیدیہ کی بے شمار فوج اور بغدادی معتزلہ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔[2]

مذکورہ بالا بیان مسعودی کا ہے اس میں بعض اخبار کا تسامح معلوم ہوتا ہے۔ جیسے حسن بن محمد نفس ذکیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ یمن گئے اور قید ہو گئے اور اسی قید میں وفات پائی۔

بقول شیخ عمری آپ کا لقب ابازفت تھا اور بعض شیوخ الانساب نے کہا آپ پر شراب خوری کا جھوٹا الزام لگایا گیا اور یہ کہ آپ جنگ فخ میں حسین بن علی العابد بن حسن مثلث کے ساتھ موجود تھے اور اس جنگ میں شہید ہوئے۔[3]

اور بقول ابو اسماعیل ابن طبا طبا کہ حسن بن محمد نفس ذکیہ کا قتل جنگ فخ میں ہوا اور آپ کی والدہ ام سلمہ بنت محمد بن حسن بن حسنؑ تھیں۔ اور آپ انقرض ہوئے یعنی آپ کی اولاد نہ چلی۔[4]

---

[1] مروج الذہب اردو ترجمہ حصہ سوم ص ۳۵۸

[2] مروج الذہب اُردو ترجمہ حصہ سوم ص ۳۵۸

[3] المجدی ص ۲۲۴

[4] منتقلہ الطالبیہ ص ۲۳۰

اس طرح علی بن محمد نفس ذکیہ کے بیان میں مسعودی تحریر کرتے ہیں کہ یہ مصر میں گرفتار ہوئے اور وہیں قتل ہوئے۔ بقول ابوالحسن عمری کہ علی بن نفس ذکیہ کو قید کر لیا گیا حتیٰ کہ انہوں نے اقرار اپنے شیعہ عظائم پر اور آپ کی وفات قید میں ہوئی، آپ کی اولاد نہیں تھی۔[1]

بقول ابن اخی طاہر نسابہ کہ آپ مصر میں قید ہوئے اور یہ ظن بھی کیا جاتا ہے کہ عراق میں قید ہوئے۔ بقول یحییٰ مدنی عبیدلی عقیقی نسابہ کہ آپ کا قتل مصر میں ہوا۔[2]

بقول ابی الفرج اصفہانی علی بن محمد نفس ذکیہ کو ان کے والد نے اپنے بھائی موسیٰ بن عبداللہ اور صاحب الحمام مطر کو مصر کو روانہ کیا۔ مدائنی کے بقول مطر کو صاحب الحمام اس لئے کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بصرہ میں گورنر کے حمام کے انچارج متعین تھے۔ پھر یزید بن خالد القسری نے علی بن محمد نفس ذکیہ اور موسیٰ بن عبداللہ کو اپنے پاس بلایا تو اس نے علی کو پکڑ لیا۔ اور موسیٰ اس سے بچ گئے، یہ ان کو گرفتار نہ کر سکا۔ ابوجعفر منصور کے پاس علی بن محمد نفس ذکیہ کو پکڑ کر لائے تو اس نے انہیں خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ قید کر دیا اور ان کے ہمراہ قید میں ہی چل بسے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ قید خانے میں ہی رہے اور مہدی عباسی کے دور حکومت میں انتقال فرمایا۔ لیکن ابوالفرج اصفہانی کہتا ہے اوّل قول درست ہے۔[3]

محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض کا قیام اور شہادت:

ابوالفرج اصفہانی بیان کرتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ کی بیعت کا پرچار کرنے والے جو مختلف شہروں میں اس کام پر مامور تھے ان کی طرف سے حتمی جواب آنے سے پہلے ہی محمد نفس ذکیہ نے خروج کرنے میں جلدی کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ محض نے منصور کے کہنے پر موسیٰ الجون کو قید خانے سے آزاد کروا کر محمد نفس ذکیہ کے پاس بھیجا تاکہ محمد نفس ذکیہ منصور کے پاس آجائے اور اپنی انقلابی تحریک ختم کر دے۔ لیکن عبداللہ محض نے موسیٰ الجون کو اس کے برعکس پیغام دے کر بھیجا کہ وہ ہرگز ابوجعفر کے پاس نہ آئے۔

موسیٰ الجون وہاں سے مدینہ آئے اور ایک سال قیام کیا۔ جبکہ ریاح بن عثمان مدینہ کا گورنر تھا آپ کو یہاں سے دور کرنا چاہتا تھا۔ اس نے منصور کو خط لکھا اور موسیٰ الجون کی ٹال مٹول کا ذکر کیا تو منصور نے کہا اس کو عراق بھیج دو۔ ریاح بن عثمان نے ایسا ہی کیا اور جو گروہ عراق جا رہے تھا اس کے ساتھ بھیج دیا اور کہا اگر تم یہ

---

[1] المجدی فی الانساب الطالبین ص ۲۲۳
[2] کتاب المعقبین ص ۱۱۸-۱۲۳
[3] ترجمہ مقاتل الطالبین از علامہ حسن رضا باقر ص ۲۱۰، ۲۱۱

دیکھو کہ کوئی شخص مدینہ سے تمہاری تلاش اور جستجو میں آ رہا ہے تو موسیٰ کی گردن اڑا دینا۔ جبکہ اسے محمد بن عبداللہ کے خروج پر آمادگی کا احساس ہو گیا تھا جب محمد نفس ذکیہ کو ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے خروج کر دیا۔ عمر بن راشد سے منقول ہے کہ محمد بن عبداللہ نے جمادی الاوّل سے دو دِن پہلے ۱۴۵ ہجری کو خروج کیا جبکہ نسابین نے محمد بن عبداللہ کی شہادت رمضان میں تحریر کی ہے۔ خروج کے وقت محمد بن عبداللہ نے پیلی مصری ٹوپی پہن رکھی تھی۔ پیلا جبہ اور عمامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ اور اپنی تلوار گردن میں لٹکا رکھی تھی۔ اور آپ کے ساتھیوں نے ریاح بن عثمان کو مروان کے گھر میں ہی قید کر دیا۔ پھر فجر سے پہلے آپ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں سے خطاب کیا۔ پھر کچھ لوگوں کے سوا تمام حاضرین نے آپ کی بیعت کی اور کچھ لوگوں کو بیعت کے لئے بلوایا گیا۔

بقول محمد ابن جریر طبری کہ موسیٰ ثانی بن عبداللہ اپنے دادا کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جب ریاح نے مجھے (موسیٰ الجون کو) ابوجعفر منصور کی جانب روانہ کیا اور اس بات کی خبر محمد نفس ذکیہ کو ہوگئی تو اسی رات اس نے خروج کر دیا اور ریاح کو کہا کہ موسیٰ کہاں ہے؟ ریاح نے کہا وہ اب بہت دور چلا گیا محمد نے کہا کسی کو بھیجو جو موسیٰ کو واپس لے آئے۔ ریاح نے کہا یہ ناممکن ہے کیونکہ میں نے اس گروہ کو ہدایت کی تھی اگر کوئی مدینے سے موسیٰ کے لئے آئے تو موسیٰ کی گردن اُڑا دینا۔ محمد نفس ذکیہ نے ابن خضیر کو موسیٰ کے لئے روانہ کیا جب یہ لوگ اس قافلے کے قریب پہنچے تو اہل قافلہ نے گمان کیا شاید منصور کے فرستادہ عراق سے آ رہے ہیں۔ قریب آ کر انہوں نے موسیٰ الجون کو چھڑوالیا۔[1]

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ منصور کا یہ دستور تھا کہ وہ محمد کے نام اپنے سربرآوردہ سپہ سالاروں کی طرف سے جعلی خط بھیج دیا کرتے تھے۔ ان خطوط میں محمد کو ظاہر ہونے کی دعوت دی جاتی تھی اور یہ لکھا جاتا تھا کہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ اس لئے محمد کہا کرتے کہ جب جنگ ہوگی تو منصور کے سپہ سالار ہمارے ساتھ مل جائیں گے۔[2]

بقول ابن جریر طبری کہ حارث بن اسحاق راوی ہے مدینہ پر قبضہ کر کے محمد نفس ذکیہ نے عثمان بن محمد بن خالد بن زبیر کو مدینہ کا عامل مقرر کیا۔ عبدالعزیز بن مطلب بن عبداللہ مخزومی کو مدینہ کا قاضی بنایا۔ ابوالقلمش عثمان بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کو توال مقرر کیا۔ اور عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمان بن مسور بن مخرمہ کو بخشی مقرر کیا۔ محمد بن عبدالعزیز کو بلایا تو وہ آنے کا کہہ کر مکہ نکل گیا۔ عبدالحمید بن جعفر راوی ہے پہلے تو میں محمد بن

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ حصہ دوم ص ۱۴۲ از سید محمد ابراہیم ندوی

[2] تاریخ طبری اردو ترجمہ ج ۵ حصہ دوم ص ۱۴۲

عبداللہ کا افسر کوتوال تھا پھر اس نے مجھے کسی اور سمت بھیج دیا اور میرے بعد زبیری کوتوال بنایا۔[1]

بقول ابن جریر طبری کہ سعید بن عبدالحمید بن جعفر بن عبداللہ بن حکم بن سنان الحکمی انصار کے بھائی نے اس روایت کو ایک سے زیادہ آدمیوں سے سنا ہے۔ کہ محمد کے ہمراہ خروج کرنے کے متعلق امام مالک بن انس سے فتوی پوچھا گیا۔ اور یہ بھی کہہ دیا گیا کہ ہم منصور کی بیعت پہلے ہی کر چکے ہیں تو امام مالک نے کہا تم نے بادِل ناخواستہ بیعت کی تھی اور اس صورت میں فسخ بیعت کرنے کی حالت میں کفارہ یمین عائد نہیں ہوتا۔ اس حوالے کی بنا پر لوگ جوق در جوق محمد کے پاس جانے لگے اور خود امام مالک گھر میں ہی بیٹھے رہے۔[2]

بقول ابن جریر طبری کہ ابن ابی ملیکہ جو عبداللہ بن جعفر طیار کا غلام تھا، نے بیان کیا کہ خروج کے بعد محمد نفس ذکیہ نے اسماعیل الزاہد بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار کو بیعت کرنے کے لئے بلوایا۔ یہ بہت معمر شخص تھا اسماعیل نے کہا میرے بھتیجے بخدا میں جانتا ہوں کہ تم مارے جاؤ گے پھر میں بیعت کیونکر کروں، یہ سن کر سب تھوڑی دیر کے لئے بیعت کرنے سے رُک گئے۔ محمد نفس ذکیہ کی خروج کرنے کے بعد بنو امیہ بیعت کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ اس وجہ سے عمارہ بنت معاویہ اسماعیل الزاہد بن عبداللہ بن جعفر طیار کے پاس آئی اور بیعت کرنے پر زور دیا۔ مگر اس سن رسیدہ بزرگ نے اس کے کہنے پر کوئی التفات نہیں کیا اور محمد نفس ذکیہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ عمارہ اس کے بعد ان کی دشمن ہوگئی اور انہیں قتل کر دیا۔ محمد نفس ذکیہ چاہتے تھے کہ ان کا جنازہ پڑھائیں مگر عبداللہ بن اسماعیل ان سے بحث کرنے لگا کہ پہلے میرے باپ کو قتل کرواتا ہے اور پھر جنازہ پڑھانے کھڑا ہو جاتا ہے مگر جنازہ آخر محمد نفس ذکیہ نے ہی پڑھائی۔

محمد نفس ذکیہ کی بیعت نہ کرنے والوں میں امام جعفر صادقؑ اور عبیداللہ الاعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدؑین بھی تھے۔ محمد نفس ذکیہ نے قسم کھائی ہوئی تھی کہ جب بھی عبیداللہ الاعرج کو دیکھوں گا تو اسے قتل کر دوں گا۔

عیسیٰ اپنے باپ سے روایت بیان کرتا ہے کہ جب عبیداللہ الاعرج کو محمد نفس ذکیہ کے سامنے پیش کیا گیا محمد نفس ذکیہ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا میں نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی اسے دیکھوں گا اسے قتل کر دوں گا۔ لہٰذا میں اسے دیکھنا نہیں چاہتا عیسیٰ موتم اشبال بن زید بن امام زین العابدین کہنے لگے اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کا کام تمام کر دیتا ہوں۔ محمد نفس ذکیہ نے انہوں روک دیا۔

---

[1] تاریخ طبری اردو ترجمہ ج ۵ حصہ دوم ص ۱۴۲

[2] تاریخ طبری ص ۱۴۳ اردو ترجمہ

بقول ابن جریر طبری کہ محمد نے حسن بن معاویہ بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار کو مکہ کا عامل مقرر کیا۔ قاسم بن اسحاق عریضی بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار کو یمن کا عامل مقرر کر کے روانہ کر دیا قاسم بن اسحاق کو یمن اور موسیٰ بن عبداللہ کو شام کا عامل مقرر کیا تا کہ یہ دونوں ان علاقوں میں اس کے لئے دعوت دیں مگر قبل اس کے یہ دونوں اپنے اپنے علاقوں میں منزل مقصود کو پہنچتے خود محمد ہی قتل ہو گئے۔ نیز محمد نفس ذکیہ نے عبدالعریز بن دردادری کو اسلحہ کا محافظ مقرر کیا۔

اُدھر جب منصور عباسی کو خروج کی خبر ملی تو اس نے اپنے حفاظتی اقدامات شروع کئے اور محمد نفس ذکیہ سے خط و کتابت شروع کی۔

امارت مکہ معظّمہ پر حسن بن معاویہ بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار کا قبضہ:

بقول اصفہانی: آپ اور آپ کے دو بھائیوں یزید اور صالح کی والدہ فاطمہ بنت حسین اثرم بن حسن مجتبیٰ بن امیر المومنین علیؑ تھیں۔ ان تینوں بھائیوں نے محمد بن عبداللہ کے ہمراہ خروج کیا۔ محمد نے حسن بن معاویہ کو مکے کا عامل مقرر کیا۔ اور حسن بن معاویہ ستر پیدل اور سات سواروں سے حملہ آوار ہوا اور اس کے مقابلے میں عباسیوں کے عامل سری بن عبداللہ کو شکست ہوئی۔ حسن بن معاویہ بن عبداللہ مسجد الحرم میں داخل ہوئے اور محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ کے لئے بیعت طلب کی۔

جب حسن بن معاویہ نے مکے پر قبضہ کیا تو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ محمد کا خط اس کے نام آیا۔ جس میں اسے ہدایت کی گئی تھی کہ تم جلدی سے میرے پاس چلے آؤ کیونکہ عیسیٰ بن موسیٰ مدینے کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اس لئے تم ممکنہ عجلت کے ساتھ میرے پاس پہنچ جاؤ، حسن بن معاویہ دوشنبہ کے دن شدید بارش میں سے روانہ ہوا۔ کئی لوگوں کا خیال تھا اس دن نفس ذکیہ قتل ہو چکے تھے۔ اصح میں جو بنی خزاعہ کا تالاب ہے اور عسفان اور قدید کے درمیان واقع ہے۔ عیسیٰ بن موسیٰ کے ڈاک کے ہرکاروں کے ذریعہ اسے محمد کے قتل ہونے کی خبر موصول ہوئی اور یہ اور ان کے ساتھی منتشر ہو گئے۔

بقول محمد ابن جریر طبری کہ ابو سیار کہتا ہے کہ میں محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ کا حاجب تھا رات کو وقت ایک شتر سوار میرے پاس آیا۔ اس نے کہا میں بصرے سے آیا ہوں۔ اور ابراہیم نے خروج کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں قصر مروان آ کر اس کمرے میں آیا جہاں محمد نفس ذکیہ شب باش تھے۔ میں نے دروازے پر دستک دی اور محمد نفس ذکیہ نے پوچھا کیا ہے تو میں نے بتایا کہ ابراہیم نے بصرہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ محمد نفس ذکیہ کی یہ عادت تھی کہ نماز صبح و مغرب کے وقت کے بعد ان کا ایک نقیب تمام نمازیوں سے درخواست کرتا تھا کہ وہ

اپنے بصرے کے بھائیوں اور حسن بن معاویہ کی کامیابی کے لئے دعا مانگیں۔

منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو محمد نفس ذکیہ کے مقابلہ پر بھیجا ساتھ محمد بن سفاح عباسی اور بعض دوسرے خراسانی سردار بھی تھے۔ مقدمہ الجیش پر حمید بن قحطبہ سردار تھا، ان کے ساتھ اسلحہ اور خوراک اس قدر تھی کہ انہیں راستے میں کہیں جگہ قیام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

نیز ان کے ساتھ ابوجعفر منصور نے ابی الکرام جعفری کو بھیج دیا یہ نسباً جعفر طیار بن ابو طالب کی اولاد سے تھا، منصور کو اس پر مکمل اعتماد تھا اسی لئے اس کو بھی لشکر کے ساتھ بھیجا۔

محمد ابن جریر طبری بیان کرتا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے مدینے میں عمائدین کو خطوط لکھے اور ان خطوط کے بعد بہت سے عمائدین محمد نفس ذکیہ کو چھوڑ کر چلے گئے ان میں ہی عمر بن محمد بن عمر بن علی ابن ابی طالب اور ابو عقیل محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بھی مدینہ سے نکل گئے۔ انہوں نے حسن الافطس بن علی اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسینؑ بن علی ابن ابی طالب کو بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور مدینے میں محمد نفس ذکیہ ساتھ رہے۔ اور یہ حضرات عیسیٰ بن موسیٰ سے جا ملے[1]

بقول ابن جریر طبری منصور نے خود بھی عیسیٰ بن موسیٰ کو مدینہ کے کچھ عمائدین کے خط دیئے کہ ان لوگوں کو یہ خطوط پہنچا دینا۔ لیکن محمد نفس ذکیہ کے پیرہ داروں نے قاصد اور خط گرفتار کر لئے ان میں سے ایک خط ابراہیم بن طلحہ بن عمر بن عبیداللہ بن معمر اور قریش کے دوسرے عمائدین کے نام تھا محمد نے ابن عمر اور ابو بکر بن ابی سیرہ کے علاوہ ان سب لوگوں کو جن کے نام خط آئے تھے گرفتار کر کے ابن ہشام کے مکان واقع مصلیٰ میں قید کر دیا۔

محمد نفس ذکیہ کے ظاہر ہونے کے بعد اہل مدینہ اور اس کے مضافات کے باشندے اس کے ساتھ ہو گئے قبائل عرب میں سے جہینہ مزینہ سلیم بنو بکر اسلم اور غفار بھی اس کے ساتھ تھے مگر محمد نفس ذکیہ بنی جہینہ کو سب سے مقدم رکھتا تھا اسی لئے قیسی قبائل برہم ہو گئے۔

عبداللہ بن معروف جو اس ہنگامہ میں شریک تھا بیان کرتا ہے کہ تمام بنو سلیم اپنے سرداروں کے ہمراہ محمد نفس ذکیہ کے پاس آئے ان کے وکیل خطیب جابر ابن انس ریاحی نے محمد نفس ذکیہ سے کہا ہم آپ کے ننہالی رشتہ دار اور ہمسائے ہیں ہمارے پاس ہتھیار اور سواری کے جانور کثرت سے ہیں۔ بدو اس وقت میں تمام حجاز میں سب سے زیادہ رسالہ بنو سلیم کا ہی تھا۔ اب بھی ہمارے پاس اس قدر سوار ہیں کہ اگر وہ کسی ایک عرب کے

---

[1] تاریخ طبری اردو ترجمہ ج ۵ حصہ دوم ص ۱۶۰ نفیس اکیڈمی کراچی

پاس ہوں تو تمام بدوی قبائل اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ آپ ہرگز خندق نہ بنائیں۔ رسول پاک ۔ نے خندق اس وقت بنائی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا۔ اگر آپ خندق بنالیں گے تو یہ لوگ پوری طرح اپنی قابلیت کو بروئے کار لاسکیں گے۔

دوسری طرف بنی شجاع کے ایک شخص نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تو خندق بنوائی تھی تم یہ چاہتے ہو کہ رسول پاک ﷺ کی رائے چھوڑ کر تمہاری رائے اختیار کی جائے۔ یوں لشکر میں ایک اختلافی صورت تھی تو محمد نفس ذکیہ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی رائے پر عمل کریں گے پھر جب نفس ذکیہ کو علم ہوا کہ عیسیٰ بن موسیٰ کا لشکر مدینے کے قریب آ گیا ہے تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کی اس خندق کو جو غزوۂ احزاب میں بنائی گئی تھی پھر کھود لیا۔

محمد نفس ذکیہ کے ظاہر ہونے پر ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ ہوگئی مگر جب یہ سنا کہ عیسیٰ اور حمید بن قحطبہ مقابلہ میں بڑھ رہے ہیں تو آپ نے منبر پر تقریر کی کہ آپ لوگوں کو زبردست عہد و پیمان کے ساتھ لڑنے کے لئے اکٹھا کیا تھا اب دشمن زبردست فوج لے کر قریب پہنچ گیا ہے۔ اب مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو اجازت دے دوں اور وعدوں سے بری الذمہ کر دوں۔ اب جو چاہے میرا ساتھ دے اور ٹھہرے اور جو چاہے چلا جائے۔ اس اجازت کے بعد ہزارہا آدمی مدینے سے نکل گئے۔ مدینے کے بہت سے لوگ اپنے اہل و عیال کو لے کر پہاڑوں کے غاروں اور دروں میں جا چھپے۔

مدینے کے قریب پہنچ کر عیسیٰ بن موسیٰ نے قاسم بن حسن بن زید بن حسن بن امام علی ابن ابی طالبؑ کو محمد نفس ذکیہ کے پاس بھیجا کہ اس کو سمجھا بجھا کر مقابلے سے باز رکھا جائے قاسم بن حسن نے محمد نفس ذکیہ کو کہا کہ منصور نے تمہیں اور تمہارے اہل بیت کو امان دی۔ محمد نفس ذکیہ نے قسم سے کہا اگر سفیروں کو قتل نہ کرنے کی رسم نہ ہوتی تو میں تجھ کو قتل کر دیتا، میں بچپن سے تجھے دیکھتا ہوں کہ جب دو فریق ایک صاحب خیر اور دوسرا صاحب شر ہو تو ہمیشہ خیر کے مقابلے میں شر کا ساتھ دیتا ہے۔ اس کے بعد محمد ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد الارئیس بن علی زینبی بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار عیسیٰ بن موسیٰ کی طرف سے سفارت کیلئے گیا۔

اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ نے اہل مدینہ کو امان کی دعوت دی اور خود محمد نفس ذکیہ کو بھی امان کی دعوت دے دی جسے انہوں نے قبول نہ کیا۔ اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ نے مدینے کی ناکہ بندی کر دی۔ اس کے بعد دونوں طرف سے جنگ شروع ہوئی۔

محمد نفس ذکیہ نے اپنے تھوڑے ساتھیوں کے ساتھ خوب جنگ کی جہینہ کے بعض لوگ جن میں بنی

شجاع تھے نہایت صبر وثبات کے ساتھ محمد کی ساتھ ہوکر لڑتے رہے اور سب کے سب مارے گئے۔

عیسیٰ کے حکم سے اونٹوں کی لادیاں خندق میں ڈالی گئیں پھر اس نے سعد بن مسعود کے مکان کے جو ثنیہ میں واقع تھا دو پھاٹک خندق پر رکھوائے اور ان پر سے رسالہ گزر کر آگے بڑھا پھر گوداموں کے پاس فریقین عصر تک لڑتے رہے۔ عبداللہ بن جعفر نے نفس ذکیہ کو مشورہ دیا۔ کہ اب آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ ان سے لڑائی جاری رکھیں آپ مکے میں حسن بن معاویہ کے پاس چلے جائیں لیکن نفس ذکیہ نے کہا جب تک خود قتل نہ ہوجاؤں مدینے سے نہیں جاؤں گا۔ ابراہیم بن محمد کہتا ہے کہ میں نے محمد کو بنی سعد کے درمیان دیکھا جب ابن خضیر ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ خدا کے واسطہ آپ بصرہ یا کسی اور جگہ چلے جائیں لیکن محمد نفس ذکیہ نے جواب دیا کہ اگر میں چلا گیا تو تم لوگوں کو دو مرتبہ ہلاک ہونا پڑے گا۔ اس کے بعد ابن خضیر نے دفتر جلا دیا اور ریاح بن عثمان کو قتل کر دیا اور ثنیہ میں واپس آ گیا اور خود بھی مارا گیا۔

محمد نفس ذکیہ کی فوج نے دو مرتبہ عیسیٰ بن موسیٰ کے لشکر کو پسپا کر دیا مگر تعداد قلیل ہونے کی وجہ سے فتح حاصل نہ ہوسکی۔ یزید بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار کے بیان کے مطابق اگر محمد نفس ذکیہ کے پاس زیادہ فوج ہوئی تو ضرور فتح پاجاتا۔

دوسری طرف اسماء بنت حسن بن عبداللہ بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب جو کہ عبداللہ بن حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس کی زوجہ تھی نے ایک سیاہ اوڑھنی مسجد نبوی کے منارے پر بطور علم کے بلند کر دی اسے دیکھ کر محمد نفس ذکیہ کے ساتھیوں نے ایک دوسرے سے کہا دشمن مدینہ میں گھس گیا ہے یہ کہتے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

ابوالحجاج المنقری بیان کرتا ہے کہ اس روز محمد کی حالت وہی تھی جو حمزہ بن عبدالمطلب کی تھی وہ گاجر مولی کی طرح انسانوں کو کاٹ رہے تھے اس کے بعد ایک سرخ رنگ کنجی آنکھ والے شخص نے نفس ذکیہ کو تیر مارا اور اس کے بعد محمد دیوار کے پہلو میں کھڑا ہوگیا، لوگ اِن سے دور ہٹ گئے جب انہوں نے محسوس کیا کہ اب موت سے فاصلہ نہیں رہا اس نے اپنی تلوار پر زور ڈال کو توڑ ڈالا۔ آخر حمید بن قحطبہ نے محمد نفس ذکیہ کو شہید کیا اور ان کا سر کاٹ کر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس لایا۔ یہ ۱۴ رمضان بروز دوشنبہ عصر کے بعد کا وقت تھا[1]

محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ کے قتل کے دوسرے دن ان کی بہن زینب بنت عبداللہ محض اور بیٹی فاطمہ نے عیسیٰ بن موسیٰ کو کہلا بھیجا کہ محمد کا قتل کر کے تمہاری غرض پوری ہوگئی اب اگر اجازت دو تم ہم انہیں دفن کر دیں۔

---

[1] اقتباس، از تاریخ طبری از محمد بن جریر طبری

چنانچہ اجازت ملنے پر لاشہ اُٹھایا گیا اور ان کی گردن میں جہاں سے سر کاٹا گیا تھا اس قدر روئی بھر کر بقیع میں دفن کیا گیا۔ اور ان کی قبر امام علی ابن ابی طالب کی گلی کے سامنے جہاں وہ گلی بڑی سڑک سے آ کر مل جاتی ہے اس کے کہیں قریب واقع ہے۔

اولاد حضرت محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض:

بقول شریف عمری علوی آپ کی گیارہ اولادیں تھیں جن میں سے پانچ بیٹیاں تھیں: (۱) زینب مخمسہ (۲) فاطمہ، (۳) ام کلثوم، (۴) ام سلمہ، (۵) ام علی اور فرزندگان میں، (۶) عبداللہ اشتر، (۷) ابراہیم، (۸) طاہر، (۹) یحییٰ، (۱۰) حسن، (۱۱) علی ہے[۱]

بقول ابوعبداللہ مصعب الزبیری: (۱) عبداللہ اشتر جو کابل میں قتل ہوئے۔ (۲) اور علی، جو مہدی عباسی کی قید میں فوت ہوئے۔ (۳) حسن، جو جنگ فخ میں قتل ہوئے۔ (۴) فاطمہ، (۵) زینب ان سب کی والدہ اُم سلمہ بنت محمد بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام تھیں۔ (۶) طاہر کی والدہ فاختہ بنت قلیح بن محمد بن منذر بن زبیر تھیں اور ابراہیم کی والدہ ام الولد تھیں اور فاطمہ کی شادی حسن بن ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ سے ہوئی تھی۔[۲]

بقول عمری علی ابن محمد نفس ذکیہ نے اپنے والد محترم کا شیعہ ہونے کا اقرار کیا۔ ان کی وفات قید میں ہوئی اور ان کی اولاد نہ تھی۔ بقول ابن اخی طاہر نسابہ مصر میں قید ہوئے اور یہ بھی ظن کیا جاتا ہے کہ عراق میں قید ہوئے۔ ان کی اولاد نہ تھی۔

پھر بقول عمری یحییٰ بن محمد نفس ذکیہ درج (جس کی اولاد نہ چلے) تھے اور مدینہ میں ہی تھے۔ پھر حسن بن محمد نفس ذکیہ کا لقب ابا زفت تھا بعض شیوخ کا کہنا ہے آپ پر شراب نوشی کی (جھوٹی) حد لگی آپ حسین صاحب فخ کے ساتھ موجود تھے اور بقول زبیری فخ میں ہی قتل ہوئے۔

پھر طاہر بن محمد نفس ذکیہ بقول ابومنذر نسابہ آپ درج تھے اور آپ کی والدہ زبیریہ تھیں جبکہ بقول ابی نصر بخاری آپ کی والدہ محمدیہ تھیں۔ بقول اشنانی نسابہ بصری نے کہا کہ طاہر بن محمد نفس ذکیہ کے دو بیٹے محمد اور علی تھے اور ان کی اولاد بنی صائغ سے معروف ہے۔ اور پھر کہا ان کا نسب ثابت نہیں ہوتا۔ اور کہا میں نے خود ان میں سے ایک کو دیکھا وہ عامی (عام شخص تھا)۔

---

[۱] المجدی فی الانساب الطالبین ص ۲۲۳

[۲] نسب قریش، از ابوعبداللہ مصعب الزبیری ص ۵۵۔۵۴

پھر ابراہیم بن محمد نفس ذکیہ جو ام الولد سے تھے کی بیٹیاں تھیں اور ایک فرزند محمد تھا جس کی والدہ حسینیہ تھیں بقول ابی المنذر نسابہ یہ محمد بھی منقرض ہو گیا۔ بقول ابی نصر بخاری اس نے کوئی ایک ایسا نہ پایا جو اس گھر کی طرف داعوے دار ہو۔[1]

یوں محمد نفس ذکیہ کی اولاد صرف اور صرف عبداللہ اشتر سے باقی رہی۔ **محمد نفس ذکیہ کے اس فرزند کا ذکر جس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔**

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ مصعب نے اپنے باپ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ کے اس بیٹے کی والدہ کا نام رخیہ ہے جو فاختہ بنت فلیح بن (محمد) بن منذر بن زبیر (جو اِن کی بیوی تھیں) کی کنیز تھیں۔ جب آپ نے رخیہ کو دیکھا تو اسکے حسن سے متاثر ہوئے آپ نے فاختہ سے اسکے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا یہ کنیز حلال زادی نہیں ہے اس پر نفس ذکیہ نے کہا یہ ضروری نہیں کہ نجاست اور خباثت آنے والی نسلوں تک بھی پہنچے یہ سن کر فاختہ نے کہا خدا کی قسم! یہ خباثت اور گندگی آنے والی نسلوں تک ہی جاتی ہے۔لیکن اگر تم چاہوتو میں یہ کنیز تم کو ہبہ کر دیتی ہوں۔ پھر محمد نفس ذکیہ کے صلب سے اس کنیز نے ایک لڑکے کو جنم دیا یہ لڑکا جبال جہینیہ کے مقام پر محمد بن عبداللہ کے ہمراہ تھا اور ایک دن خوف کے مارے یہ بچہ پہاڑ سے گرا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ عبیداللہ بن محمد سے منقول ہے کہ محمد نفس ذکیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں مقام کو ہ رضوی پر اپنی مدخولہ کنیز کے ہمراہ موجود تھا اسکے پاس میرا بیٹا بھی تھا جسے وہ دودھ پلاتی تھیں اچانک پہاڑ پر مجھے گرفتار کرنے کیلئے دھاوا بولا گیا تو میں وہاں سے فرار کرنے کیلئے نکلا اور وہ کنیز بھی وہاں سے بھاگی تو اس سے بچہ گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔[2]

(۲۱) عبداللہ الاشتر بن محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ

آپ کی والدہ اُم سلمہ بنت محمد بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ تھیں اور حسن بن محمد نفس ذکیہ کی والدہ بھی یہی تھیں۔

بقول شیخ عمری کہ کہا ابو الفرج اور ابوعبداللہ صفوانی اور شیخ شرف العبید لی نے عبداللہ اشتر کا قتل کابل

---

1 المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۲۔ ۲۲۳

2 مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی منشورات شریف ص ۲۰۵۔ ۲۰۴

کے علج نامی پہاڑ پر ہوا اور ان کے سر کو منصور کے پاس لایا گیا۔ اور حسن بن زید بن امام حسنؑ نے اس سر کو پکڑ کر منبر پر اس کی لوگوں کے سامنے تشہیر کی۔[1]

ابوعبداللہ مصعب زبیری نے بھی آپ کی والدہ ام سلمہ بنت محمد بن حسن مثنیٰ تحریر کی ہیں۔

بقول مؤرخ مسعودی آپ خراسان کی طرف دعوت کے لئے گئے اور پھر وہاں سے سندھ چلے گئے اور قتل ہو گئے۔[2]

بقول جمال الدین ابن عنبہ کہ عبداللہ الاشتر جب سندھ میں قتل ہوئے تو ان کی جاریہ ان سے حاملہ تھیں۔[3]

بقول ابن فندق بیہقی نسابہ کہ عبداللہ اشتر محمد نفس ذکیہ کے لشکر سے ہند بھاگ کر چلے گئے اور وہاں کے حاکم نے انہیں قتل کروا کر سر منصور کو بھجوا دیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو سندھ میں ھشام بن عمرو بن بسطام نے قتل کیا۔[4]

اس طرح نسب قریش کے مصنف مصعب زبیری نے بھی آپ کا قتل کابل میں تحریر کیا ہے۔ اور ابوالفرج اصفہانی نے آپ کا قتل سندھ میں تحریر کیا لیکن آپ کا خراسان میں وارد ہونا بھی تحریر کیا۔

یوں مؤرخین اور نسابین کے مابین ان کا قتل کابل یا سندھ میں ہوا لیکن ان کا خراسان سے سندھ میں وارد ہونا تحریر کیا گیا اور کابل بھی خراسانی منطقے میں واقع تھا۔ اس سلسلے میں ابوالفرج اصفہانی نے باقی حضرات سے زیادہ معلومات تحریر کی ہیں۔ تاہم پھر بھی ان کا مدفن سندھ میں کس جگہ ہے واضح نہیں ہے۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ محمد نفس ذکیہ کے قتل کے بعد محمد بن مسعدہ معلم نے آپ کو ہندوستان کی طرف نکال دیا اور آپ وہیں پر شہید کر دیئے گئے۔ آپ کا سر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ عبداللہ اشتر کے قتل کے بعد ابن مسعدہ کے ہمراہ ان کا فرزند محمد بن عبداللہ اشتر مدینہ میں واپس آ گیا۔ اور عبداللہ اشتر موسیٰ بن عبداللہ سے چھوٹے تھے۔ اور یہ ابن مسعدہ عبداللہ بن حسن کو آداب اور تعلیمات سکھایا کرتے تھے۔[5]

بقول عیسیٰ بن عبداللہ بن مسعدہ کہ جب محمد نفس ذکیہ شہید ہو گئے تو ہم ان کے بیٹے عبداللہ اشتر کے ہمراہ (مدینے) سے نکل کر کوفہ آ گئے اور پھر کوفہ سے بصرہ کے راستے سندھ کی طرف نکل گئے جب ہمارے اور

---

[1] المجدی فی الانساب الطالبین، ص ۲۲۵

[2] مروج الذہب حصہ سوم اردو ترجمہ، ص ۳۵۸

[3] عمدۃ الطالب، ص ۹۷

[4] لباب الانساب، ج ۱ ص ۴۱۰

[5] مقاتل الطالبین عربی از ابی الفرج منشورات شریف رضی، ص ۲۶۹

سندھ کے درمیان کئی دنوں کی مسافت باقی تھی تو ہم نے ایک سرائے میں آرام کی خاطر قیام کیا اور عبداللہ اشتر نے اس سرائے میں اشعار تحریر کئے۔

ترجمہ اشعار:

جس شخص کے چرمی موزے اور قدموں کا نچلا حصہ پھٹ چکا ہو وہ پاؤں گھسنے کی شکایت کرتا ہے۔ مرو کے مضافات میں وہ مصیبت زدہ ہو کر ماتمی لباس زیب تن کرتا ہے۔ خوف نے اسے ڈرایا دھمکایا اور اپنے علاقے سے نکال دیا۔ اس نے اس کام میں سُستی کا مظاہرہ کیا۔ جیسے مصائب اور مشکلات برداشت کرنے والے کو سختیوں کے تحمل پر مجبور کیا گیا ہو۔ ایسے شخص کو موت میں راحت اور چین ملتا ہے اور بندگانِ خدا کی گردنوں پر موت کا طوق ایک یقینی امر ہے۔'' اور پھر عبداللہ اشتر نے ان اشعار کے نیچے اپنا نام تحریر کر دیا۔

راوی کہتا ہے اس کے بعد ہم منصورہ داخل ہوئے لیکن ہمیں وہاں اپنے مقصد کے حوالے سے کچھ نظر نہ آیا۔ تو ہم قندھار میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک ایسا قلعہ تھا جہاں کوئی داخل نہ ہوسکتا تھا اور نہ ہی کوئی پر مار سکتا تھا۔ خدا کی قسم! میں نے اس سے زیادہ بندگانِ خدا میں کوئی بہادر نہیں دیکھا جب اسکے ہاتھ میں نیزہ ہوتا تو کوئی اسکے وار سے بچ نہیں سکتا تھا۔ ہم نے وہاں ایسے لوگوں میں قیام کیا جن میں جاہلیت کی اقدار اور رسوم و رواج راسخ تھے اور وہ خرگوش کی طرز پر اپنے امور سست روی سے سلجھاتے تھے۔ جب ہم نے وہاں پر ایک قصر کے مالک سے میزبانی کی درخواست کی تو اس نے انکار کر دیا اور کہا کیا تم میری ہمسائیگی چاہتے ہو۔ جب میں ضروری کام کیلئے باہر نکلا تو بعض عراقی تاجر بھی وہاں آ گئے اور انہوں نے عبداللہ اشتر سے کہا اہلِ منصورہ نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور پھر وہ لوگ اس وقت تک عبداللہ اشتر کے ہمراہ رہے جب تک کہ وہ منصورہ والوں کی طرف نہ چل پڑے۔

بقول عیسیٰ بن عبداللہ بن مسعدہ کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ایک شخص نے منصور کو بتایا کہ اس نے سر زمین سندھ میں ایک قلعے میں ایک مکتوب دیکھا جس میں یہ (فلاں فلاں) امور تحریر کئے ہوئے تھے اور یہ اسی عبداللہ اشتر نے لکھا ہوا تھا۔

یہ سن کر ابو جعفر منصور نے ہشام بن عمرو بن بسطام سے کہا جان لو کہ اشتر سر زمین سندھ میں موجود ہے۔ پس میں نے تم کو سندھ کا گورنر نامزد کیا، اب تم سوچو کہ اسکے ساتھ کیا کرنا ہے۔ پھر ہشام بن عمرو روانہ ہو گیا اور عبداللہ اشتر کو قتل کر کے اس کا سر منصور کو بھیج دیا۔

ابن مسعدہ سے مروی ہے کہ عبداللہ اشتر اور انکے ساتھی اگلی صبح سفر پر نکلے اور پھر راستے میں ایک جگہ

آرام کرنے کیلئے سواریوں سے نیچے اُترے اور وہاں پر سوگئے جبکہ ان کے گھوڑے کھیتوں میں دشمنوں سے آگاہی کیلئے باندھ دیئے گئے۔ اسی دوران ہشام کے لوگ ان کی طرف بڑھے اور انہیں بھاری لکڑیوں سے قتل کر دیا پھر ہشام نے ان سب کے سروں کو منگوانے کے بعد عبداللہ اشتر کا سر ابوجعفر منصور عباسی کو بھیج دیا۔

ابن مسعدہ کہتا ہے اسکے بعد میں اور محمد بن عبداللہ اشتر ابوجعفر منصور کی موت تک اسی قلعہ میں مقیم رہے اور جب مہدی عباسی خلیفہ بنا تو میں محمد بن عبداللہ اشتر اور ان کی والدہ کو لے کر مدینہ آ گیا۔

عیسیٰ بن عبداللہ مسعدہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ ہشام نے عبداللہ اشتر کا سر مدینے روانہ کیا ان دِنوں مدینے کا گورنر حسن بن زید بن امام حسن بن امام علی علیہ السلام تھا۔

وہ خطباء کو بُلا کر خطاب کروا رہا تھا جو منصور کا تذکرہ کر رہے تھے اور اسکی تعریفیں بیان کر رہے تھے جبکہ حسن بن زید بن امام حسن بن علی المرتضیٰؑ منبر پر بیٹھا ہوا تھا اور اسکے سامنے عبداللہ اشتر کا سر پڑا ہوا تھا۔

آخر میں حسن بن زید بن ام حسنؑ نے گفتگو کرتے ہوئے لوگوں کو ابوجعفر منصور کی اطاعت وفرمانبرداری پر اُبھارتے ہوئے کہا ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کے خلاف امیر (منصور) کیلئے کافی ہے جنہوں نے امیر کے خلاف بغاوت اور سرکشی کی ان سے عداوت و دشمنی کا اظہار کیا اور انکی اطاعت سے روگردانی کی اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے امیر کے راستے سے جداگانہ راستے کا انتخاب کیا۔[1]

طبری اور تمام مورخین اور نسابین میں سے عبداللہ اشتر کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات ابی الفرج اصفہانی نے تحریر کئے ہیں۔ بعض مؤرخین ان کی سندھ میں آمد والد کی جانب سے بیعت طلبی کے زمرے شمار کرتے ہیں، مگر مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہے کہ عبداللہ اشتر اپنے والدمحترم کی شہادت کے بعد جان بچا کر خراسان کی طرف چلے گئے جہاں سے آپ منصورہ جو ملتان کے قریب سندھ کے علاقے میں آتا تھا گئے اور پھر واپس قندھار آئے اور کسی قلعہ میں قیام کیا اور یوں دوبارہ سندھ گئے حتیٰ کہ قتل کر دیئے گئے۔ پاکستان میں کراچی کلفٹن میں واقع عبداللہ شاہ غازی کا مزار عبداللہ اشتر کا مزار سمجھا جاتا ہے مگر یہ شہرت اس زمانے میں زیادہ مقبول ہوئی۔ اس کے تاریخی شواہد موجود نہیں۔ کچھ مصادر تو عبداللہ اشتر کا کابل میں قتل درج کرتے ہیں اور چوتھی صدی ہجری کے مصادر میں سندھ کا تذکرہ ملتا ہے جن میں ابی الفرج اصفہانی کی تحریر منطقی اور جامع ہے، مگر سندھ کے کس علاقے میں آپ کا قتل ہوا اور آپ کا مزار بنا یا نہیں بنا اس بارے میں کوٹھوس شواہد میسر نہیں۔ تاہم تاریخ طبری کے مطابق عبداللہ اشتر والدمحترم کی زندگی میں ان کی طرف سے بیعت لینے سندھ

[1] مقاتل الطالبین اُردو ترجمہ از علامہ حسن رضا باقرص ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴

آئے۔ واللہ اعلم

اولاد حضرت عبداللہ اشتر بن محمد نفس ذکیہ:

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کے دو بیٹے: (۱)حسن جو کہ درج تھے اور (۲) محمد الکابلی تھے اور بیٹی فاطمہ جنہیں ام کلثوم بھی کہا گیا۔ بقول ابن دینار نسابہ کہ محمد الکابلی کی ولادت کابل میں ہوئی۔ جو کہ ام الولد تھیں۔ آپ محمد بن عبداللہ اشتر کی، بقول شیخ ابوالحسن عمری۔

چودہ اولادیں تھیں جن میں(۱) مریم (۲) ام کلثوم (۳) رقیہ (۴) امامہ (۵) ام سلمہ، انکی والدہ اہل مکہ سے تھیں۔ (۶) زینب صغریٰ (۷) زینب جبکہ پسران میں (۸) طاہر، جومنقرض ہوئے (۹) علی منقرض ہوئے (۱۰) ابراہیم (۱۱) حسن اعور، آپ کی والدہ بنی زبیر سے تھیں۔

حسن اعور کا قتل ۲۵۱ ہجری میں بنی طے نے کیا اور ان کی قبر فید میں ہے۔ بقول موضع نسابہ کہ حسن اعور بنی ہاشم کے سخی افراد میں سے تھے۔ اور بقول شعرانی نسابہ عمری المعروف بابن سلطین کہ حسن کا قتل معتز عباسی کے زمانہ حکومت میں ہوا۔[۱]

بقول عمدۃ النسابین سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی کی محمد بن عبداللہ اشتر کے پانچ فرزند تھے: (۱) طاہر (۲) علی (۳) احمد (۴) ابراہیم (۵) حسن اعور، جن میں علی اور طاہر کے بارے میں بقول ابوالحسن عمری منقرض ہو گئے۔

اور بقول ابی نصر بخاری اشتر یہ حسن اور علی ابنان محمد بن عبداللہ اشتر تھے جن میں حسن کی اولاد کثیر تھی اور پھر کہا کہ بقول ابوالیقظان کہ علی کی اولاد منقرض ہوئی۔ واللہ اعلم...... اور احمد بن محمد الکابلی بھی درج تھے۔ اور ابراہیم بن محمد الکابلی کے بارے میں بقول عمری اولاد بطبرستان اور جرجان میں ہے۔ واللہ اعلم۔[۲]

بقول ابوالحسن عمری کہ اولاد حسن جواد اعور بن محمد الکابلی بن عبداللہ اشتر میں:

(۱)...... ام علی کی شادی یوسف بن محمد بن یوسف بن جعفر بن ابراہیم بن محمد الجعفری سے ہوئی۔

(۲)...... ام کلثوم کی شادی اسماعیل بن محمد الجعفری سے ہوئی

(۳)...... اور خدیجہ کی شادی ایوب بن محمد الجعفری سے ہوئی۔

ان تین بہنوں کی شادی تین جعفری حضرات برادران سے ہوئی۔ جبکہ بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین از شیخ عمری ص ۲۲۵، ۲۲۴

[۲] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۹۸

چار پسران سے باقی رہی۔

(۱) ابوجعفر محمد جعفر نقیب رئیس کوفہ آپ کی والدہ ام جعفر بنت علی بن یحییٰ بن حسین ذی عبرۃ بن زید بن امام زین العابدین تھیں۔

(۲) ابوعبداللہ حسین نقیب رئیس کوفی اپنے بھائی کے بعد نقیب ہوئے۔ آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔ آپ کی اولاد کوفہ میں بنی اشتر سے معروف تھی اور آپ منقرض ہو گئے۔ بقول ابن عنبہ ۶۰۰ ہجری کے بعد آپ کی اولاد ختم ہو گئی۔

(۳) ابومحمد عبداللہ، آپ کی اولاد جرجان، نیشاپور، بخارا، رے، شالوش، طبرستان، آمل، استر آباد اور خراسان میں گئی۔

(۴) ابومحمد قاسم آپ کی وفات مدینہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ام الحسین بنت عبدالرحمٰن بن قاسم بن حسن بن زید تھیں۔

بقول ابوعبداللہ حسین المعروف ابن طباطبا کہ حسن اعور کا پانچواں فرزند ابو العباس احمد تھا۔ آپ کو انقرض کہا گیا۔ اور بقول ابن طباطبا ابوالعباس احمد کی نسل سے کسی ایک کے باقی ہونے کی معرفت نہیں ہوئی۔ اس لئے ان کی اولاد سے دعویٰ کرنے والے کو عادلانہ گوائی کی ضرورت ہے۔

عبداللہ اشتر بن محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض کی اولاد سے شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد مدنی بن سید رشید الدین احمد غزنوی بن یوسف بن عیسیٰ بن سید حسن بن ابوالحسن علی بن ابی جعفر محمد بن قاسم بن سید ابی محمد عبداللہ بن سید حسن اعور جواد بن محمد کابلی بن عبداللہ اشتر المذکور تھے، لیکن بقول ابن عنبہ جو علی بن ابی جعفر محمد بن ابوعبداللہ علی بن ابومحمد عبداللہ بن حسن اعور تھے۔ اور اس علی بن ابوجعفر محمد کا ایک فرزند ناصر کا ذکر عمدۃ الطالب میں ہے۔ اور ابن عنبہ نے قاسم بن ابی محمد عبداللہ بن حسن اعور کی اولاد کے بارے میں تحریر نہیں کیا۔ ابی محمد عبداللہ کی اولاد صرف ابوعبداللہ علی سے تحریر کی ہے۔ واللہ اعلم

یہ قطب الدین محمد مدنی عزنی کے راستہ مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے ''کڑا مانک پور'' کو فتح کرنے کے بعد اس کو اپنا مستقر بنایا اور وہیں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی اولاد سے مجاہد اسلام زبدۃ المجاہدین سید احمد شہید بالاکوٹ بن سید محمد عرفان بن سید محمد نور بن سید شاہ محمد ھدیٰ بن سید شاہ علم اللہ حسنی بن سید محمد فضیل بن سید محمد معظم بن قاضی سید احمد بن قاضی سید محمود بن سید علاؤ الدین بن سید قطب الدین محمد ثانی بن سید صدرالدین ثانی بن سید زین الدین بن

احمد بن علی بن سید قیام الدین بن سید صدرا الدین بن قاضی سید رکن الدین بن امیر سید نظام الدین بن شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد حسنی مدنی غزنوی المذکور تھے۔[1]

(۲۲) ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن علیہ السلام

بقول شریف ابوالحسن عمری آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ باخمریٰ نامی زمین میں قتل ہوئے جو کوفہ کے قرب میں واقع تھی اور آپ معتزلی عقیدہ رکھتے تھے اور آپ کی والدہ ھند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اُسید بن عبدالعزیٰ بن قصی تھیں۔

بقول شریف عمری آپ کی بیعت بعض نامور مسلمانوں نے بھی کر رکھی تھی۔

جن میں بشیر رحال۔ ابوحنیفہ الفقیہ۔ اعمش عباد بن منصور القاضی صاحب مسجد عباد بصرہ اور مفضل بن محمد نے کر رکھی تھی۔[2]

بقول جمال الدین ابن عنبہ آپ اعتزال کے مذہب پر تھے اور اس میں شدید تھے۔[3]

بقول ابوالفرج اصفہانی کہ عمر بن شبہ سے منقول ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آل ابی طالب میں ہر وہ شخص جس کا نام ابراہیم تھا اُس کی کنیت ابوالحسن تھی۔ ابراہیم بھی اپنے بھائی محمد نفس ذکیہ کی طرح عباسی حکومت کے انتہائی مطلوب شخصیات میں سے تھے۔

بقول محمد بن جریر طبری کہ ابوصفوان نصر بن قدید بن نصر بن سیار راوی ہے کہ سن ۱۴۳ ہجری کی ابتداء میں ابراہیم اس وقت بصرے آئے جب حجاج حج کر کے اپنے اپنے وطن پلٹے۔ ابوجعفر منصور نے ان پر قابو پانے کیلئے بہت سے مخبر متعین کر دیئے اور پہرے اور چوکیاں بٹھا دیں۔ خود ابراہیم بن عبداللہ سے مروی ہے کہ مجھے موصل میں سرکاری طلب نے اس قدر مضطرب کر دیا کہ ایک دفعہ مجھے منصور کے دسترخوان پر بیٹھ کر پناہ لینا پڑی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب میں موصل پہنچا اتنی سختی سے میری تلاشی شروع ہوئی کہ میں پریشان ہوگیا ہر طرف میری گرفتاری کیلئے پہرے اور چوکیاں متعین کر دی گئیں۔ عام لوگوں کو جب صبح کے کھانے کی دعوت دی گئی۔ میں بھی ان کے ساتھ سرکاری دسترخوان پر جا بیٹھا دوسروں کے ساتھ کھانا کھا کر نکل آیا۔ اسی اثناء میں تلاشی ملتوی ہو چکی تھی۔

---

[1] تذکرہ حضرت سید احمد شہید از مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی، ص ۲۶۔۲۵ مجلس نشریات اسلام، کراچی

[2] المجدی فی الانساب الطالبین ص ۲۲۷

[3] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۹

ابونعیم الفضل بن وکین کہتا ہے کہ ایک شخص نے مطہر بن حارث سے کہا کہ ابراہیم کوفہ سے گزرا تھا میں اس وقت اس سے ملا بھی تھا۔ یہ سن کر اس نے کہا نہیں وہ کبھی کوفہ نہیں آیا۔ البتہ وہ پہلے موصل میں تھا وہاں سے انبار آیا پھر بغداد پھر مدائن،۔ نیل اور واسط آیا۔

ابراہیم بن عبداللہ اور سفیان الحمی :

عبداللہ بن محمد بن بواب کہتا ہے کہ ابوجعفر منصور نے فرات پر پُل بنوانے کا حکم دیا اور جب اس کو دیکھنے کیلئے وہاں گیا وہاں اس کی نظر ابراہیم بن عبداللہ پر پڑی۔ ابراہیم پچھلے پاؤں ہٹ گئے اور ہجوم میں مل کر ایک غلہ فروش کے پاس آ گئے اور اس کے پاس پناہ لی۔ اس نے ابراہیم کو ایک بالا خانے پر چڑھا دیا اور وہاں چُھپا دیا۔ منصور نے اس کی تلاش میں بڑی جدوجہد کی اور ہر مکان پر پہرہ بٹھا دیا مگر ابراہیم چُپ چاپ اپنے مسکن میں چُھپے رہے۔ اگرچہ منصور نے گرفتاری کیلئے انتہائی کوشش کی مگر اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اس وقت سفیان الحمی ابراہیم کے پاس تھا۔ اس نے کہا کس وقت تک چھپ کر بیٹھو گے۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا چاہے اس میں خطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ابراہیم نے جواب دیا جو تمہارے جی میں آئے وہ کرو۔ پھر سفیان ربیع کے پاس آیا۔ اور منصور سے ملنے کی اجازت چاہی اس نے اسے منصور کے پیش کروا دیا۔ منصور نے دیکھتے ہی اسے خوب گالیاں دیں۔ سفیان نے کہا آپ جو کہیں اس کا مستحق ہوں، مگر اب میں آپ کی خدمت میں ہوں اور معافی کا درخواست گار ہوں۔ آپ میری درخواست قبول کریں۔ میں آپ کو ایسی بات بتاؤں جس کو آپ دل سے چاہتے ہیں۔ سفیان نے کہا میں ابراہیم بن عبداللہ کو آپ کے پاس لے آتا ہوں۔ میں نے اس کو اور اس کے خاندان والوں کو اچھی طرح پرکھ لیا وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ منصور نے پوچھا ابراہیم کہاں ہے۔ سفیان نے کہا میں اسے خالد بن نہیک کے مکان میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ میرے اور میرے ایک غلام اور ایک فوجی افسر کیلئے پروانہ راہداری لکھوا دیجئے اور میرے لئے ڈاک کے گھوڑوں پر سفر کرنے کا حکم دے دیجئے۔

اور بعض راویوں نے بیان کیا کہ سفیان نے منصور سے کہا ایک دستہ فوجی میرے ہمراہ کریں اور میرے غلام کیلئے پروانہ راہداری لکھوا دیں۔ خیر منصور نے پروانہ راہداری لکھوا دیا پھر سفیان ابراہیم کے پاس آیا اور آواز دی ابراہیم کانپتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ان کو ساتھ لے کر مدائن آیا۔ پل کے افسر نے انہیں روکا تو سفیان نے پروانہ راہداری دکھایا۔ افسر نے غلام کے چہرے کو دیکھا تو کہا بخدا یہ غلام نہیں ہے یہ ابراہیم بن عبداللہ ہے۔ اچھا جاؤ میں تم کو نہیں روکتا، اس کے بعد ابراہیم وہاں سے بھاگ گئے۔

ایک اور روایت کے مطابق دونوں ڈاک کے گھوڑوں پر سوار ہو کر عبدسی آئے اور وہاں سے کشتی میں

سوار ہو کر بصرہ آگئے اور روپوش ہو گئے۔[1]

یہاں تک کہ تواریخ میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں جہاں ابراہیم بن عبداللہ کا مختلف شہروں میں چھپ جانا اور یہاں سے وہاں گردش کر جانے کا لکھا ہوا ہے۔ شہر اہواز اور جزیرہ میں بھی آپ رہے اور یونہی شاہی فرستادگان آپ کی تلاش میں سرگرداں رہے، مگر ابراہیم بن عبداللہ کسی صورت میں منصور کے ہاتھ نہ آئے۔

ابراہیم بن عبداللہ محض کی بیعت:

بقول محمد بن جریر کہ نصر بن قدید سے منقول ہے کہ ابراہیم نے عوام کو دعوت دینا شروع کی اس وقت آپ ابوفروہ کے مکان میں فروکش تھے۔ سب سے پہلے نمیلہ بن مرہ، عفواللہ بن سفیان، عبدالواحد بن زیاد، عمر بن سلمہ اور عبیداللہ بن یحییٰ بن حصین رقاشی نے ان کی بیعت کی۔ ان کے بعد عرب کے بعض بہادروں نے جن میں مغیرہ بن الفزع اور اس جیسے اور جواں سرداروں نے اس دعوت کو قبول کیا۔ اور بعض راویوں کا خیال ہے کہ چار ہزار آدمیوں کے نام ان کے دیوان میں لکھے گئے اور اب ان کی تحریک اعلانیہ شروع ہو گئی۔

اس دوران محمد نفس ذکیہ کا خط ابراہیم کو موصول ہوا جس میں اُنہوں نے اپنے خروج کی خبر دی بقول غفواللہ بن سفیان کہ میں نے ابراہیم کو اس خط کے موصول ہونے کے بعد غمگین پایا تو کہا کہ یہ معمولی بات ہے اور انہیں تسلی دیتا رہا اور کہا اب آپ کو کیا فکر ہے۔ آپ کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے۔ مضاء۔ طہوی۔ اور مغیرہ میں بیعت سے لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ہم رات کو جیل پر دھاوا کر دیں گے اور صبح تک ایک عالم آپ کے ہمراہ ہو گا۔ یہ سن کر ابراہیم کو اطمنان ہو گیا۔[2]

محمد بن سلیمان کا غلام مسلم الخصی بیان کرتا ہے کہ ابراہیم کے ہنگامہ کے وقت میری عمر دس سال سے زیادہ تھی میں اس وقت منصور کی خدمت میں حاضر تھا انہوں نے ہم سب کو خاص کوفہ میں ہاشمیہ میں اتارا اور خود اس کی پشت پر رصافہ میں فروکش ہوئے اس وقت اس کی تمام چھاؤنی میں کل ۱۵۰۰ فوج تھی۔ مسیب بن زبیر اس کے محافظ دستہ کا سردار تھا اس فوج کو بھی پانچ پانچ سو کے تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا مسیب ہر شب سارے کوفہ کا گشت کرتا تھا اور یہ عام منادی کر دی گئی کہ عشاء کے بعد جو شخص چلتا پھرتا ملے گا اسے پکڑ کر مناسب سزا دی جائے گی۔

عباس بن سلم قحطبہ کا غلام راوی ہے کہ منصور کو ابراہیم کی طرف میلان کا جس کوفے والے پر شبہ ہوتا

---

[1] تاریخ طبری از محمد ابن جریر طبری جلد پنجم حصہ دوم ص ۲۰۰۔ ۲۰۱

[2] تاریخ طبری از محمد ابن جریر طبری جلد پنجم حصہ دوم ص ۲۰۲، ۲۰۳)

وہ میرے باپ سلم کو اس کی گرفتاری کا حکم دیتا۔ رات کو میرا باپ مذکورہ شخص کے گھر میں سیڑھی لگا کر اچانک گھر میں کود پڑتا اسے باہر لاتا اور قتل کر دیتا۔

بصرے کی مکمل ناکہ بندی:

ابو جعفر منصور کی طرف سے فلاں بن معقل خراسانی کو اس لئے قادسیہ پر متعین کیا گیا تھا کہ کسی کوفے والے کو ابراہیم کے پاس نہ جانے دیں اور بصرے کے راستے پر پہرے متعین تھے۔ اس لئے لوگ یہ کرنے لگے تھے کہ پہلے کوفہ سے قادسیہ آتے وہاں سے غریب اور وادی سباع ہوتے ہوئے بائیں جانب صحرا کا راستہ اختیار کر کے بصرہ آ جاتے۔ ایک مرتبہ کوفہ کے بارہ افراد اس غرض سے روانہ ہوئے جب یہ وادی سباع پہنچے وہاں ان کو بنی اسلکا کا غلام بکر نامی جو شراف کا تھا ملا اس نے ابن معقل کو جا کر اس کی خبر دی، اس نے ان کا تعاقب کیا اور مقام فغان پر ان سب کو قتل کر دیا۔

ابراہیم بن عبداللہ محض کا خروج:

ابراہیم بن عبداللہ یکم رمضان ۱۴۵ ہجری کو بصرے میں داخل ہوئے اور اس پر قابض ہو گئے انہوں نے سفید لباس پہنا اور ان کے ساتھ اہل بصرہ نے بھی سفید لباس پہنا جن اصحاب نے ان کی تائید میں خروج کیا ان میں عیسیٰ بن یونس، معاذ بن معاذ، عباد بن قوام، اسحاق بن یوسف ارزق، معاویہ بن ہشام اور علماء اور فقہاء کی ایک جماعت تھی۔ یہ رمضان اور شوال بصرے میں ہی رہے جب ان کو اپنے بھائی محمد نفس ذکیہ کی شہادت کی خبر موصول ہوئی تو اب منصور کے مقابلے کیلئے کوفہ پر پیش قدمی کرنے کی تیاری کی اور یہ قول محمد بن عمر کا ہے۔

جن لوگوں نے ابراہیم بن عبداللہ کا بصرہ میں آمد کا زمانہ ۱۴۳ ہجری لکھا ہے ان کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔ اور یہ روایت بھی موجود ہے کہ منصور نے مجالد، محمد اور یزید جو تین بھائی تھے ابراہیم کے ظاہر ہونے سے قبل ان کی فوجوں کے ساتھ بصرہ بھیج دیا انہوں نے اپنے سے آگے اپنی فوجیں روانہ کر دیں اور یہ پے در پے بصرہ میں داخل ہونا شروع ہو گئیں ان کو دیکھ کر ابراہیم کو خوف ہوا کہ اگر میں خاموش رہا تو بہت زیادہ فوج یہاں جمع ہو جائے گی لہٰذا انہوں نے خروج کر دیا۔

نصر بن قدید بیان کرتا ہے کہ ابراہیم نے شب دوشنبہ رمضان ۱۴۵ ہجری کو خروج کیا اور اپنے مکان سے دس بارہ جوان مردوں کے ساتھ جن میں عبیداللہ بن یحییٰ بن حصین رقاشی بھی تھا بنی یشکر کے مقبرہ آ گیا۔ نیز

اسی شب میں ابو حماد ابرص دو ہزار فوج کے ساتھ سفیان کی مدد کے لئے بصرہ آیا، باقاعدہ قیام کا انتظام ہونے تک یہ جمعیت چوک میں فروکش رہی۔ ابراہیم بن عبداللہ مقابلہ کے لئے بڑھے، سب سے اوّل جو کامیابی ملی وہ اس فوج کے جانور اور اسلحہ تھا جو ان کے قبضے میں آ گئے۔ انہوں نے جامع مسجد میں لوگوں کو صبح کی نماز پڑھوائی اور سفیان بن معاویہ سرکاری محل میں قلعہ بند ہو کر رہ گیا۔

اب ہزار ہا آدمی ابراہیم کے پاس آنے لگے ان میں سے بعض تماشائی تھے اور بعض امداد کیلئے آئے۔ جب مددگاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو سفیان بن معاویہ (گورنر بصرہ) نے امان کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی اور ابراہیم بن عبداللہ قصر میں داخل ہوگئے اور سفیان بن معاویہ کو نظر بند کر لیا گیا۔

سلیمان بن علی کے بیٹے جعفر اور محمد کو جب ابراہیم کے متعلق خبر ملی تو وہ چھ سو افراد کے ساتھ مقابلے پر آ گئے۔ ابراہیم نے مضا بن قاسم جزری کو اٹھارہ سو افراد دیئے تو مضا بن قاسم نے ان کو شکست دے دی اس کے بعد ابراہیم نے منادی کروا دی کہ کسی مفرور کا تعاقب نہ کیا جائے اور خود آل سلیمان کو امان کامل دے دی۔

اس کے بعد بیت المال پر ابراہیم کا قبضہ ہوگیا اور خطیر رقم ان کو مل گئی جس سے ان کی قوت میں اضافہ ہوا اس کے بعد ابراہیم بن عبداللہ نے مغیرہ کے ساتھ ایک فوج اہواز پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجی۔ اہواز کا عامل محمد بن حصین چار ہزار افراد کے ساتھ اس کے مقابلے کیلئے آیا۔ اور دشت اریک میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ محمد بن حصین کو شکست ہوئی اور مغیرہ کا اہواز پر قبضہ ہوگیا۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے ابراہیم کے بغیرہ سے باخمریٰ جانے کے بعد مغیرہ اہواز گیا۔ اس کے بعد عمرو بن شداد کو فارس کا عامل مقرر کر کے فارس بھیج دیا گیا اور جب یہ رام ہرمز سے گزرا اس کی ملاقات یعقوب بن فضل سے ہوئی جو وہاں کا عامل تھا اس نے اسے اپنی دعوت میں شرکت کی دعوت دی وہ بھی عمرو بن شداد کے ساتھ ہوگیا۔ اور عمرو بن شداد فارس آ گیا۔ اسماعیل بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، ابوجعفر منصور کی طرف سے فارس کا عامل تھا اور اس کا بھائی عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بھی اس وقت اس کے پاس ہی تھا۔ جب ان عباسی حضرات کو عمرو بن شداد کی آمد کی خبر ملی تو دونوں دارابجرد کی طرف جھپٹے اور وہاں جا کر دونوں قلعہ بند ہوگئے اس طرف فارس کا سارا علاقہ بلامزاحمت عمرو بن شداد کے پاس آ گیا۔

عمر بن عبدالغفار بن عمرو الفقیمی کا بھائی بیان کرتا ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ ہارون بن سعد سے ناراض تھا اس سے کلام بھی نہیں کرتا تھا۔ ابراہیم کے خروج کے بعد ہارون ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلم نے اس کو معافی دلوا دی ہارون نے ابراہیم سے کہا جو کام آپ کے لئے زیادہ مشکل ہو اسے میرے سپرد کر دیں۔

ابراہیم نے واسط اس کے سپرد کر دیا۔

ادھر سے منصور نے عامر بن اسماعیل کو فوج دے کر واسط پر لشکر کشی کیلئے بھیجا۔ اس دوران ہارون بن سعد عجلی کوفی اور عامر بن اسماعیل کے درمیان کئی جھڑپیں ہوئیں بعد میں یہ سمجھوتہ قرار پایا کہ جب ابراہیم اور منصور کی جنگ ہوگی تو جو نتیجہ نکلا ہم اس کی اتباع کریں گے۔ اسماعیل بن عامر نے واسط داخل ہونا چاہا مگر اہلِ واسط نے اسے اندر نہ داخل ہونے دیا۔

سلیمان کہتا ہے کہ جب ابراہیم کے قتل اور ہارون کے بھاگنے کی خبر اہل واسط کو ہوئی تو انہوں نے امان کے وعدے پر عامر سے صلح کر لی۔

ادھر ابراہیم اطراف کے شہروں میں اپنی فوجیں بھیج رہے تھے کہ انہیں محمد نفس ذکیہ کی شہادت کی خبر ملی۔ عید کے روز ابراہیم نے عید گاہ میں تمام لوگوں کو اس خبر کی اطلاع دی۔

ادھر منصور کے پاس کچھ فوج کی کمی ہوئی تو اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کو مدینہ سے بلایا اور اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔

جب ابراہیم نے منصور پر پیش قدمی کا ارادہ کیا تو بشر بن سلمہ نے نمیلہ طھوی اور اہل بصرہ کے سرداروں کی ایک جماعت کو ابراہیم کے پاس پیش کیا۔ انہوں نے کہا جب بصرہ، اہواز، فارس اور واسط آپ کے قبضہ میں ہیں تو اب مناسب یہی ہے کہ آپ بصرے میں قیام کریں اور فوج کو مقابلہ پر بھیج دیں اس طرح اگر کسی سردار کو ہزیمت ہو تو کسی دوسرے سردار کو اس کی مدد کیلئے بھیج دینا اس طرح دشمن پر آپ کا رعب اور دبدبہ قائم ہو جائے گا۔ آپ اس سے محفوظ رہیں گے اور مال گزاری وصول کریں گے، اس طرح آپ کی حکومت کو استحکام ملے گا۔

اس پر اہلِ کوفہ نے کہا کوفہ میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو آپ کی صورت دیکھتے ہی آپ پر قربان ہو جائیں۔ اور اگر آپ کو نہ دیکھ پائے تو اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ جائیں گے۔ اور کوئی آپ کی مدد کو نہ آئے گا۔ اس بنیاد پر اہلِ کوفہ نے اس قدر اصرار کیا کہ آخر ابراہیم خود ہی کوفے کیلئے روانہ ہو گئے۔

ابراہیم بصرے سے چل کر باخمریٰ میں قیام پذیر ہوئے۔ اندازہ ہے کہ دس ہزار افراد ان کے ہمراہ تھے۔ اُدھر موسیٰ بن عیسیٰ ان کے مقابلے کیلئے روانہ ہوا تو اس کے پاس پندرہ ہزار فوج تھی۔ بنی ربیع نے ابراہیم سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ ہوں ہم آپ کو خفیہ طریقے سے کوفے پہنچا دیں گے اور منصور کو خبر بھی نہ ہوگی مگر آپ نے انکار کیا تو بنی ربیع نے کہا ہمیں اجازت دیں ہم شب خون مارنے کے عادی ہیں ہم عیسیٰ بن موسیٰ پر

شب خون مارتے ہیں، مگر ابراہیم نے کہا میں شب خون مارنے کو پسند نہیں کرتا۔

سعید بن ہریم اپنے باپ سے روایت نقل کرتا ہے کہ میں نے ابراہیم سے کہا جب تک آپ کا کوفہ پر قبضہ نہ ہوجائے آپ منصور کو شکست نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ میرے اعزہ کوفے میں مقیم ہیں مجھے اجازت دیں کہ میں خفیہ طور پر ان کے پاس جاؤں اور خفیہ طور پر تمہاری بیعت کیلئے دعوت دوں اور جب اچھی خاصی تعداد ہوجائے گی تو آپ کیلئے شعار بلند کردوں گا۔

ابراہیم نے بشیر الرحال سے پوچھا تو انہوں نے اسکی مخالفت کی اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس دعوت پر ایک چھوٹی سی جماعت کوفہ سے نکل کر ہمارے پاس آجائے گی اور اس کا خمیازہ کوفہ کی تمام آبادی کو بھگتنا پڑے گا۔ یوں ابراہیم نے بشیر الرحال کا اتباع کیا اور مجھے کوفہ نہ جانے دیا۔ ابراہیم بن سلم اپنے باپ کی روایت نقل کرتا ہے کہ جب ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا تو ہمارے ساتھیوں نے دشمن کے مقابلے پر ایک ہی صف قائم کی۔

میں نے ابراہیم بن عبداللہ سے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہمیں کئی دستے بنانے چاہئیں تاکہ ایک کی شکست پر دوسرا دستہ تیار ہو اور اپنی جگہ پر قائم ہو تو سب چلا اُٹھے کہ نہیں ہم تو اہل اسلام کے طریقے پر ہی جنگی ترتیب قائم کریں گے۔

یوں مقام باخمریٰ پر جنگ ہوئی۔ دونوں حریف نبرد آزما ہوئے۔ نہایت شدید اور خونریز جنگ ہوئی۔ حمید بن قحطبہ عیسیٰ بن موسیٰ کا امیر مقدمہ الجیش تھا کو ہزیمت ہوئی اس کے ساتھ تمام فوج نے شکست کھائی اور راہ فرار اختیار کی۔ مگر عیسیٰ بن موسیٰ نے ان کو روکا۔ ثابت قدمی و جان نثاری کے لئے خدا کا واسطہ دیا مگر کسی نے اس کی نہ سنی اور بھاگتے چلے گئے۔

حمید بن قحطبہ بھاگتا ہوا عیسیٰ کے سامنے آیا تو عیسیٰ نے کہا اے حمید اللہ کی جانثاری اور وفاداری کے اظہار کا یہی تو موقع ہے۔ اس نے کہا جناب والا اس ہزیمت میں طاعت کا خیال کسے، اس طرح ساری فوج دشمن کے مقابلہ سے فرار ہوکر عیسیٰ کے پاس سے گزر گئی مگر عیسیٰ بن موسیٰ نے اپنے سو سواروں کے ساتھ اپنے مقام پر ڈٹے رہے۔

اس پریشانی میں جب لوگ برابر بھاگے جا رہے تھے سلیمان کے بیٹے جعفر اور محمد نے ابراہیم کی پشت پر سے اس پر دھارا بول دیا۔ ابراہیم کی فوج جو عیسیٰ کی فوج کے تعاقب میں تھی ان کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ جب انہیں معلوم ہوا تو عیسیٰ کی فوج کا تعاقب چھوڑ کر واپس پلٹے اب عیسیٰ کی فوج نے ابراہیم کی فوج کا تعاقب شروع

کر دیا اور واپس میدان کارزار میں آ گئی۔

بقول عیسیٰ بن موسیٰ اگر اس روز سلیمان کے بیٹے جعفر اور محمد نہ ہوتے تو ہماری ذلت اور رسوائی میں کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا۔

اب دونوں افواج کا خون ریز مقابلہ ہوا اب حمید بن قحطبہ نے عیسیٰ بن موسیٰ کو مشہور مقتولین کے سر بھیجے ان میں ایک سر کے ساتھ بہت سے لوگ شور مچا رہے تھے۔ لوگوں نے کہا یہ ابراہیم کا سر ہے۔ جب محمد ابن ابی الکرام جعفری کو بلا کر یہ سر دکھایا گیا تو اس نے کہا یہ سر ابراہیم کا نہیں ہے۔ اس کے بعد دوبارہ جنگ شروع ہوئی۔ اتنے میں ایک نامعلوم تیر ابراہیم بن عبداللہ کے حلقوم میں پیوست ہوگیا۔ اس نے گویا ان کو ذبح کر دیا۔ تمام جان نثاران کے گرد جمع ہوگئے یہ دیکھ کر حمید بن قحطبہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اس جماعت پر حملہ کرو ان کو اس مقام سے ہٹا کر دیکھو کہ یہ کیوں اس جگہ جمع ہیں۔ حمید کی فوج نے دلیری سے حملہ کیا اور اس ہجوم کو منتشر کر دیا اور وہاں ابراہیم کا سر کاٹ کر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس لے آئے۔ جب محمد بن ابی الکرام جعفری کو سر دکھایا گیا تو اس نے تصدیق کر دی کہ یہ سر ابراہیم کا ہی ہے۔ بروز دوشنبہ ۱۴۵ ہجری ماہ ذیقعدہ کے ختم ہونے میں ابھی پانچ راتیں باقی تھیں کہ ابراہیم قتل ہوئے اس وقت ان کی عمر ۴۸ سال تھی۔ ابو ھدایہ سے روایت ہے کہ جنگ کے دوران ایک موٹے دھاگے کی قبا ابراہیم کے جسم پر تھی اس وجہ سے آپ کو گرمی محسوس ہوئی اس وجہ سے آپ نے قبا (اور زرہ) کھول دی اور اچانک ایک نامعلوم تیر آ کر آپ کو لگا اس وقت میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے سے لپٹ گئے اور زیدیوں نے ہر طرف سے ان کو گھیر لیا۔[1]

اولاد ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ:

بقول ابوالحسن شریف عمری آپ کی اولاد میں سات پسران تھے جس میں: (۱) طاہر (۲) علی، درج تھے، دونوں کی والدائیں ام الولد تھیں۔ (۳) محمد اکبر جن کی کنیت ابوالحسن تھی اور لقب فشانشرہ تھا۔

ابوالحسن عمری کہتے ہیں کہ میرے والد ابوالغنائم عمری کے بقول محمد اکبر درج تھے۔ (۴) جعفر، جن کا ایک فرزند زید تھا بقول ابوالمنذر نسابہ وہ درج تھا اس طرح جعفر بھی منقرض ہوئے۔ (۵) احمد اکبر جن کا ایک فرزند قاسم نامی تھا جو منقرض ہوا۔ (۶) محمد اصغر، آپ کی والدہ رقیہ بنت ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بن حضرت علی علیہ السلام تھیں۔ آپ کی پانچ بیٹیاں: (۱) فاطمہ (۲) صفیہ (۳) رقیہ (۴) ام علی (۵) زینب تھیں اور

---

[1] تاریخ طبری از ابن جریر طبری اردو ترجمہ ج ۵ حصہ دوم ص ۲۰۴ تا ۲۲۰

دو فرزند تھے: عبداللہ اور ابراہیم، اور ساتواں فرزند (۷) ابو محمد حسن تھا۔

ان میں ابراہیم بن محمد اصغر بن ابراہیم کی اولاد سے پانچ فرزند تھے: (۱) احمد (۲) سلیمان (۳) داؤد (۴) موسیٰ (۴) محمد، مگر ان حضرات کی اولاد جاری نہ رہی بقول عمری ان میں سے زیادہ منقرض ہو گئے [1]

بقول سید جمال الدین بن عنبہ کہ ابراہیم بن عبداللہ محض کی اولاد صرف ایک فرزند ابو محمد حسن بن ابراہیم سے باقی رہی۔[2]

ابو محمد حسن بن ابراہیم بن عبداللہ محض بقول عمری آپ کی والدہ بنی جعفر بن کلاب سے تھیں۔ بقول سید یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی آپ کی والدہ امامہ بنت عصمہ بن عبداللہ بن حنظلہ بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب تھیں۔[3]

بقول ابن عنبہ و عمری آپ کی زوجہ محترمہ ملیکہ بنت عبداللہ اشم نے حج کے موقع پر خلیفہ ہادی سے اپنے شوہر کیلئے امان طلب کی اور آپ کو امان مل گئی۔

شریف عمری نے آپ کے تین پسران کا ذکر کیا: (۱) ابراہیم (اولاد نہ چلی)۔ (۲) علی، جن کی والدہ ام الولد تھیں، انکی اولاد بھی نہ چلی۔

(۳) عبداللہ جن کی والدہ بنی تمیم سے تھیں اور بقول ابوالحسین یحییٰ بن حسن مدنی کہ آپ کی والدہ ملیکہ بنت عبداللہ اشیم تمیمی تھیں آپ کی بقول عمری چار صاحبزادیاں تھیں: (۱) رقیہ بنت عبداللہ بن حسن بن ابراہیم قتیل خمری، ان کی شادی حسن اعور بن عبداللہ اشتر بن محمد نفس ذکیہ سے ہوئی۔ (۲) فاطمہ (۳) ام الحسن (۴) بکیہ بنت عبداللہ ان کی شادی علی بن حسین بن علی مثلث سے ہوئی۔

عبداللہ بن ابو محمد حسن بن ابراہیم کے دو فرزند تھے: (۱) ابراہیم ازرق (۲) محمد اعرابی حجازی

محمد الاعربی بن عبداللہ کے بارے میں بقول ابن عنبہ ان کی اولاد قلیل تھی۔ بقول عمری و ابن طباطبا کے آپ کی اولاد سے احمد صاحب خاتم بن محمد بن احمد بن ابراہیم بن محمد الاعربی المذکور تھے۔

شیخ شرف العبید لی اور بعض نسابین نے احمد صاحب خاتم کو ابراہیم ازرق سے منسوب کیا ہے۔ دوم ابراہیم ازرق بن عبداللہ کے دو فرزند تھے: (۱) ابوعلی احمد (۲) ابوحنظلہ داؤد الامیر۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۲۸، ۲۲۹

[2] عمدۃ الطالب ص ۱۰۰

[3] المعقبین از یحییٰ نسابہ ص ۶۴

(۲۳) موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام

آپ کا نام موسیٰ اور کنیت ابوالحسن تھی اور بقول عمری کے کہا شیخ شرف عبیدلی اور ابوالغنائم عمری صوفی اور ابوعبداللہ حسین ابن طباطبا نے کہ موسیٰ کا لقب جون آپ کی کالی رنگت کی وجہ سے تھا اور آپ شاعر تھے۔[۱]

اور امام فخر الدین رازی نے آپ کی کنیت کتاب شجرۃ المبارکہ میں ابوعبداللہ تحریر کی ہے۔[۲]

اور کہا کہ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کی اکثر اولاد ان کی طرف ہی منسوب ہوتی ہے۔ آپ کی والدہ ہند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ تھیں۔

بقول ابن طقطقی کہ نسابہ الکبیر عبدالحمید کے خط سے نقل ہے کہ کہا کہ موسیٰ کی والدہ محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم قتیل باخمری کی بھی والدہ تھیں اور ان کو موسیٰ کا حمل ساٹھ سال کی عمر میں ہوا اور کہا کہ ساٹھ کی عمر میں صرف قریشی عورتیں بچے جن سکتی ہیں باقی عربی عورتوں میں یہ صلاحیت صرف پچاس سال کی عمر تک ہی ہے۔[۳]

آپ کی ولادت حدود ۱۳۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ ادیب اور شاعر تھے۔ آج بنی امام حسن علیہ السلام کے سب سے زیادہ قبائل آپ سے ہی منسوب ہوتے ہیں۔ نسابین اور مؤرخین نے آپ کو شاعر لکھا ہے۔ آپ کا تذکرہ اولاد علی کی اہل علم شخصیات میں ہوتا ہے۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ بقول موسیٰ بن عبداللہ کہ ایک دفعہ میں اپنے والد کے ساتھ ابوالعباس سفاح کے پاس گیا جبکہ اس وقت میں نوخیز لڑکا تھا ابوالعباس سفاح نے میرے والد کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ امید ہے کہ تمہارا یہ بیٹا حضرت ابوطالب کی اولاد میں سے اَن پڑھ افراد کے لئے علمی موضوعات کو بیان کرے گا۔ میرے والد نے کہا جی ایسی ہی امید ہے پھر ابوالعباس سفاح نے کہا آپ اس سے کہیں کوئی اشعار سنائے۔ تو میرے والد نے مجھ سے کہا۔ اٹھو اور انہیں اشعار پڑھ کر سناؤ پھر میں نے اشعار پڑھ کر سنائے اور بیٹھ گیا۔[۴]

ابوعبداللہ بن موسیٰ ثانی نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت نقل کی کہ وہ (موسیٰ الجون) بیان کرتے ہیں کہ جب ہم ربذہ پہنچے تو منصور نے میرے والد کو پیغام بھیجا کہ وہ میرے پاس اپنے

۱۔ المجدی فی الانساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۲۳۱

۲۔ شجرۃ المبارکہ از فخر الدین رازی ص ۶

۳۔ الاصیلی فی انساب الطالبین از ابن طقطقی ص ۷۹

۴۔ مقاتل الطالبین اردو ترجمہ از علامہ حسن رضا باقر ص ۳۵۹

لوگوں میں سے کسی کو بھیجیں اور جان لو کہ وہ شخص تمہارے پاس پھر لوٹ کر نہیں جائے گا۔ یہ سن کر ان کے بھتیجوں نے خود کو پیش کیا کہ وہ اس کے پاس جاتے ہیں، مگر میرے والد نے انہیں جزائے خیر کی دعا دی اور کہا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تمہاری وجہ سے تمہارے خاندان کو کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا کروں لیکن اے موسیٰ تم منصور کے پاس جاؤ تو میں اس کے پاس گیا جبکہ ایک نوخیز لڑکا تھا اور منصور نے اپنے ایک غلام کو تازیانہ لانے کو کہا تو وہ تازیانہ لے آیا اور اس نے مجھے اس بے رحمی کے ساتھ تازیانے مارے کہ مجھ پر غشی طاری ہوگئی پھر اس نے تازیانے کو ہٹاتے ہوئے مجھے قریب آنے کو کہا تو میں اس کے قریب ہوا۔ اور اس نے کہا تم جانتے ہو یہ کیا ہے۔ یہ میری طرف سے فیض ہے اور میں نے اپنے فیض کی سطور تم پر رقم کردی ہیں۔ اب میں اس فیض کو روک نہیں سکتا اور خدا کی قسم! اس فیض کے پیچھے موت چھپی ہے۔ یا تم اس سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرو۔ یہ سن کر میں نے کہا اے امیر! میں بےقصور ہوں میرا اس امر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ منصور نے کہا اپنے دونوں بھائیوں کو میرے پاس لے کر آؤ تو میں نے کہا تم مجھے ریاح بن عثمان کے پاس بھیج دو گے اور وہ جاسوس پھر مجھ پر مقرر کردے گا۔

جب یہ بات میرے بھائیوں کو معلوم ہوگی تو وہ مجھ سے رابطہ نہ کریں گے تو منصور نے ریاح کو خط تحریر کیا کہ تم کو موسیٰ پر کوئی تسلط حاصل نہیں ہے اور پھر میں مدینہ آ گیا اور وہاں ابن ہشام کے گھر میں آیا اور کئی مہینوں تک وہیں پر قیام کیا۔

مدائنی کے بقول کہ ریاح بن عثمان نے منصور عباسی کو خط تحریر کیا اور کہا کہ موسیٰ یہاں مدینہ میں مقیم ہے اور تمہیں نقصان پہنچانے کی تاک میں ہے اس کے پاس کوئی ایسی خبر نہیں جس سے تمہیں سکون حاصل ہو۔ منصور نے ریاح کو تحریر کیا کہ موسیٰ کو میرے پاس بھیج دو جب یہ خبر محمد نفس ذکیہ کو ملی تو انہوں نے خروج کر کے موسیٰ الجون کو ان کے چنگل سے آزاد کروایا۔

اور پھر محمد نفس ذکیہ نے موسیٰ کو شام بھیج دیا کہ وہ وہاں لوگوں کو محمد نفس ذکیہ کی بیعت کی طرف بلائیں لیکن موسیٰ کے شام پہنچنے سے قبل ہی محمد نفس ذکیہ شہید ہوگئے۔ اور دوسرے قول کے مطابق موسیٰ شام سے واپس آئے اور مدینہ میں ان کے ہمراہ جنگ کی اور محمد نفس ذکیہ کی شہادت کے بعد وہاں سے چھپ چھپا کر بصرہ آ گئے اور بصرہ میں مقیم ہوگئے۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ بشینہ شیبانیہ کہتی ہے کہ جب موسیٰ الجون شام سے بصرہ آئے تو بنوغبر میں میرے پاس آئے میں نے ان کے لئے کھانا لانے کے لئے ایک شخص کو بھیجا اور اس شخص نے بوجھ اٹھوانے

کے لئے غلام اجرت پر لیا اس غلام نے مخبری کر دی اور موسیٰ گرفتار ہو گئے۔ اور بصرہ کے گورنر محمد بن سلیمان کو پیش کیا جس نے انہیں منصور کے پاس بھیجا اور اس نے انہیں پانچ سو کوڑے مارے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ قید میں رہے حتیٰ کہ مہدی عباسی کے ایام خلافت میں آپ کو رہا کیا گیا۔ اور بعض دوسرے اقوال کے مطابق آپ مخفی ہو گئے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔[1]

بقول سید یحییٰ نسابہ عبیدلی عقیقی کہ آپ بصرہ میں مخفی ہو گئے اور منصور نے آپ کو پکڑا اور معاف کر دیا۔[2]

آپ کی زوجہ ام سلمۃ بنت محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ تھیں۔

بقول ابن طقطقی کہ اسناد کے ساتھ یحییٰ بن حسن عبیدلی کے بقول اسماعیل بن یعقوب کہ کہا عبداللہ بن موسیٰ جون نے کہ ایک دن موسیٰ الجون ہارون کے پاس گئے اور جب وہاں سے نکلے تو آپ کے پاؤں چٹائی میں الجھ گئے اور آپ گر پڑے یہ منظر دیکھ کر سپاہی اور خادم ہنسنے لگے تو آپ نے کھڑے ہو کر ہارون سے کہا یہ کمزوری روزہ کی وجہ سے ہے، نشے کی وجہ سے نہیں۔[3]

بقول ابن عنبہ آپ کی وفات سویقہ میں ہوئی۔ مسعودی نے آپ کا ایک واقعہ ہارون رشید کے دربار میں بیان فرمایا مگر شک کیا کہ ہوسکتا ہے یہ واقعہ یحییٰ بن عبداللہ محض سے متعلق ہو۔ جبکہ کتاب عمدۃ الطالب میں رقم ہے کہ جب خلیفہ مہدی حج کے لئے آیا۔ کسی نے دوران طواف کہا اگر آپ مجھے امان دیں تو بتاؤں موسیٰ الجون کہاں ہے۔ مہدی نے کہا تمہیں امان ہے، بتاؤ تو اس شخص نے کہا میں ہی موسیٰ الجون ہوں۔ مہدی نے کہا تمہارے اردگرد آل ابی طالب سے کون کون ہیں تو موسیٰ الجون نے کہا یہ ہیں حسن بن زید، یہ موسیٰ ابن جعفر الکاظمؑ، اور یہ حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علیؑ۔ اور موسیٰ زندہ رہے ہارون الرشید کے زمانے تک یہاں تک کہ سویقہ میں وفات پائی۔ (عمدۃ الطالب) اور بعض نے کہا کہ آپ قتل ہوئے۔

موسیٰ الجون کی اولاد:

بقول شیخ عمری آپ کی بارہ اولادیں تھیں جن میں نو بیٹیاں تھیں: (۱) زینب، جس کی شادی محمد بن جعفر بن ابراہیم الجعفری سے ہوئی اور چار فرزند: ابراہیم، عیسیٰ، داؤد اور موسیٰ تولد ہوئے۔ (۲) ام کلثوم

---

[1] اقتباس از مقاتل الطالبین، ابی الفرج اصفہانی
[2] الاصیلی فی انساب الطالبین ص ۹۰
[3] الاصیلی ص ۹۰

(۳)...... خدیجہ (۴) رقیہ، آپکی شادی اسماعیل بن جعفر بن ابراہیم الجعفری سے ہوئی اور ایک فرزند محمد پیدا ہوئے جو درج تھے۔(۵)صفیہ (۶) ام الحسن اور ان سب کی والدہ طلیحہ تھیں۔ (۷)فاطمہ (۸) ملیکہ ان کی شادی اپنے چچا زاد سے ہوئی اور بقول عمری آپ کے تین فرزند تھے: (۱) محمد، جو درج (لاولد) تھے: (۲)ابراہیم (۳) عبداللہ آخرالذکر دونوں کی اولاد جاری ہوئی۔

بقول سید یحییٰ ابوالحسین مدنی عقیقی عبیدلی ابراہیم اورعبداللہ دونوں کی والدہ ام سلمہ بنت محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابی بکرؓ بن ابی قحافہ تھیں۔

(۲۴)بنی اخیضر یون

امیر ابوعبداللہ محمد اخیضر اصغر بن یوسف اخیضر بن ابراہیم بن موسی الجون

بقول شریف عمری ابراہیم بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن کی اولاد میں پانچ دختران تھیں: (۱) قریبہ (۲) فاطمہ (۳) ریطہ (۴) مریم (۵)ملیکہ

اور بقول عمری آپ کے تین فرزند تھے: (۱) محمد ابوعبیدہ (۲) اسماعیل (۳) یوسف اخیضر

پھر یوسف اخیضر بن ابراہیم بن موسیٰ الجون کی والدہ قطبہ بنت عامر بن مزید بن شبیب بن عمرو بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب تھیں۔

بقول شیخ عمری آپ کی پانچ دختران تھیں : (۱) کلثوم (۲) زینب (۳) آمنہ (۴) فاطمہ (۵) امامہ، اور چھ فرزند تھے: (۱) صالح ،جس کی نسل نہ چلی (۲) اسماعیل المغور (۳) علی کی اعقاب نہ تھی (۴) ابراہیم (۵)ابوجعفر احمد (۶) امیر ابوعبداللہ محمد اخیضر

جبکہ ابن عنبہ نے ساتوں فرزند حسن کا ذکر بھی کیا ہے۔اورحسن کا تذکرہ صاحب اصیلی نے بھی کیا۔

بقول ابن عنبہ ان حضرات میں حسن بن یوسف اخیضر بن ابراہیم حجاز میں ظاہر ہوئے اور آپ کو بنو عباس نے مکہ میں قتل کیا۔[۱]

بنوعباس اور بنو اخیضر کے درمیان چپقلش اسماعیل بن یوسف اخیضر سے شروع ہوئی۔ اس سیاسی تحریک کی ابتداء ۲۵۱ ہجری میں ہوئی جب اسماعیل بن یوسف اخیضر نے مکہ پر حملہ کیا اور جعفر بن عیسیٰ بن موسیٰ عباسی قریشی جو گورنر تھا وہاں سے بھاگ گیا۔ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ معتز عباسی کے دور خلافت میں

[۱] عمدۃ الطالب ص ۱۰۳

اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ الجون نے خروج کیا اور لوگوں کو حکومت کے خلاف اکسایا۔ اس نے حجاج کو تنگ کیا اور ان کیلئے مشکلات کھڑی کیں اور دیگر افراد نے بھی ان کا ساتھ دیا اور حرم مقدس کے راستوں کو بند کر دیا۔اور اہل مکہ کے ساتھ اس جنگ میں اسماعیل بن یوسف کے بھائی حسن بن یوسف قتل ہوئے جن کی والدہ ام سلمہ بنت محمد بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن تھیں۔

بقول ابو الفرج اصفہانی جعفر بن عیسیٰ بن اسماعیل بن جعفر بن ابراہیم بن محمد بن علی زینبی بن عبداللہ بن جعفر طیار بھی اس جنگ میں قتل ہوئے۔[1]

بقول ابن عنبہ کہ اسماعیل بن یوسف نے مکہ میں ظاہر یعنی خروج کیا اور اس پر غالب آ گئے اور یہ زمانہ المستعین باللہ عباسی کا تھا اور آپ نے کثیر تعداد میں حجاج کا قتل کیا، پھر آپ کی وفات ۲۵۲ ہجری کو ربیع الاوّل میں ہوئی۔

اور آپ کی اعقاب نہیں تھی۔آپ کی وفات کے بعد آپ کے برادر ابوعبداللہ محمد اخیضر بن یوسف نے قیام کیا اور معتز عباسی نے سفاح اسروشی کو ایک لشکر دے کر محمد اخیضر کے مقابلے کے لئے بھیجا اور محمد اخیضر نے جنگ کی اور یمامہ چلے گئے۔[2]

دولت بنی اخیضر یون:

دولت بنی اخیضر کی بنیاد ابی عبداللہ محمد صاحب یمامہ اخیضر صغیر نے رکھی آپ کی ولادت ۲۱۰ ہجری میں ہوئی اور آپ اپنے برادر اسماعیل بن یوسف سے ۲۰ سال چھوٹے تھے۔آپ اپنے بھائی کی وفات کے بعد بنی عباس سے نبرد آزما ہوئے اور نجد کی سرزمین یمامہ کی طرف چلے گئے اور اس جنگ میں کثیر افراد کا قتل ہوا۔آپ کی وفات یمامہ نجد کی سرزمین پر ہی ہوئی اور یہاں کی امارت آپ کی اولاد میں جاری ہوئی۔ دولت اخیضر عربیہ اسلامیہ ۲۵۲ ہجری اور ۲۶۶ ہجری کو قائم ہوئی۔محمد اخیضر نے ۴۳ سال کی عمر میں یمامہ میں قدم رکھا اور سلطنت کا موسس قرار پائے۔شروع میں قرامطہ نے بنی اخیضر کی حمایت کی اس دوران ۲۸۶ ہجری میں بحرین میں قرامطی حکومت کا قیام ہوا۔ بنی اخیضر کی حکومت نجد کے زیادہ تر بدو قبائل پر تھی جن میں بنی کلاب کے عامریہ اور ہوازنیہ شامل تھے۔ جب محمد اخیضر کی وفات ہوئی تو حکومت ان کے فرزند یوسف بن محمد اخیضر کے پاس آئی۔ بقول ابن حزم یوسف بن محمد اخیضر نے اپنی زندگی میں ہی اپنے فرزند اسماعیل کو حکومت

---

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر ص ۵۶۶

[2] عمدۃ الطالب ص ۱۰۳

میں شریک کرلیا اور بعد میں یہ باقاعدہ حکمران بن گئے۔ دوسری طرف جب قرامطہ کی حکومت مضبوط ہوئی تو ان کے بنی اخیضر کے ساتھ اختلافات ہوئے۔ اور ۳۱۶ ہجری کو ان کے مابین سخت جنگ ہوئی جس میں اسماعیل الامیر بن یوسف بن محمد اخیضر اور ان کے بھائی، ابراہیم بن یوسف، ادریس بن یوسف، اور حسین بن یوسف قتل ہوگئے اور یہاں سے بنی اخیضر کی حکومت کا زوال شروع ہوا۔ بنی اخیضر کی طاقت کا عروج قرامطہ کی حکومت سے قبل تھا اور اس دوران دولت عباسیہ کافی کمزور ہوگئی تھی جس کا سبب مستعین اور معتز کی باہمی لڑائی تھی۔ محققین میں بنی اخیضر کی حکومت کی مدت میں اختلات ہے، مگر یہ مدت ۶۷ سال سے زیادہ نہیں بنتی۔ ابن عنبہ، ابن خلدون اور قلقشندی اور ابن حزم نے درج ذیل امراء بنی اخیضر کا ذکر کیا:

(۱) محمد بن یوسف اخیضر (۲) یوسف بن محمد بن یوسف اخیضر
(۳) اسماعیل بن یوسف اخیضر (۴) حسن بن یوسف اخیضر
(۵) احمد بن حسن بن یوسف اخیضر (۶) صالح بن یوسف اخیضر
(۷) محمد بن احمد بن حسن بن یوسف اخیضر (۸) جعفر بن احمد بن حسن بن یوسف
(۹) حسن بن جعفر بن احمد بن حسن (۱۰) محمد بن جعفر بن احمد بن حسن
(۱۱) جعفر بن جعفر بن احمد بن حسن (۱۲) کرزاب بن علی بن جعفر بن احمد بن حسن بن یوسف بن محمد اخیضر

اولاد محمد اخیضر بن یوسف اخیضر بن ابراہیم بن موسیٰ الجون:

بقول شیخ عمری آپ کی اٹھائیس اولادیں تھیں جن میں سولہا دختران تھیں: (۱) عاتکہ (۲) خدیجہ (۳) رقیہ (۴) فاطمہ (۵) قریبہ (۶) رقیہ (۷) صفیہ (۸) حسنہ (۹) حبیبہ (۱۰) ملیکہ (۱۱) ام سلمہ (۱۲) ریطہ (۱۳) ام کلثوم (۱۴) ملیکہ صغریٰ (۱۵) کلثوم الکبریٰ (۱۶) کلثوم۔

اور بیٹوں میں: (۱) محمد (۲) قاسم (۳) احمد (۴) حسن (۵) محسن (۶) عبداللہ (۷) حسین (۸) زغیب فی صحؑ (۹) ابراہیم (۱۰) اسماعیل (۱۱) محمد (۱۲) یوسف۔[۱]

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد تین فرزندان سے جاری ہوئی: (۱) یوسف الامیر (۲) ابراہیم (۳) ابوعبداللہ محمد۔

ان میں اوّل احمد بن محمد اخیضر صاحب یمامہ۔ ان کی کنیت ابوجعفر تھی اور آپ کی شادی بنی علیج کی

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۳۴

ایک خاتون سے ہوئی تھی آپ کی اولاد میں : (۱) رحمۃ جو شادی کے دن فوت ہوئے (۲) حسن (۳) محسن، درج اور (۴) قاسم، جن کے اعقاب نہ تھے۔

دوم عبداللہ بن امیر محمد اخیضر صاحب یمامہ۔ آپ کو ابن ابی الساج نے قتل کیا اور آپ کی وفات قید میں ہی ہوئی یعنی ابن ابی الساج نے آپ کو قید کیا، حتیٰ کہ قید میں قتل ہوئے اور بقیع میں دفن ہوئے اور یہ ۲۵۶ ہجری معتز عباسی کا زمانہ تھا۔

سوم زغیب بن امیر محمد اخیضر صاحب یمامہ۔ جن کی اولاد ہونے یا نہ ہونے کی خبر نہیں۔

چہارم ابوعبداللہ محمد بن محمد اخیضر صاحب یمامہ، آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔ بقول اشنانی نسابہ آپ کو قرامطہ نے یمامہ میں قتل کیا۔ ابن متناب نسابہ کی تحریر تھی کہ بغداد میں فوت ہوئے مگر یہ وہم ہے اشنانی کا قول درست ہے۔

پنجم ابراہیم بن محمد اخیضر صاحب یمامہ، آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔[1]

اولاد یوسف الامیر بن محمد اخیضر صغیر بن یوسف اخیضر بن ابراہیم بن موسیٰ الجون:

شریف عمری کے بقول آپ اپنے والدمحترم کے بعد یمامہ کے حکمران بنے آپ کی والدہ ام عبداللہ بنت اسماعیل بن ابراہیم بن موسیٰ الجون تھیں۔

آپ کی چھ دختران تھیں: (۱) فاطمہ (۲) عاتکہ (۳) زینب (۴) ام کلثوم (۵) ریطہ (۶) کلثوم اور فرزندان میں :(۱) احمد اصغر (۲) عبداللہ (۴) ابوالقاسم ادریس (۵) عیسیٰ جن کی اعقاب کا کوئی تذکرہ نہیں۔ (۶) ابوعبداللہ محمد، آپ کا لقب غیثور تھا۔ (۷) ابوالقاسم صالح (۸) داؤد (۹) احمد (۱۰) اسماعیل حاکم یمامہ (۱۱) ابراہیم (۱۲) ادریس اکبر (۱۳) اور حسین کو قرامطہ نے قتل کر دیا۔ اور یہ ۳۱۶ ہجری کا زمانہ تھا۔

بقول شریف عمری اسماعیل بن یوسف الامیر کی اولاد سے بنی حمیدان اور بنو اذکین اور بنوالالف یمامہ کے سادات بادیہ تھے۔

(۱۴) چودھویں فرزند ابومحمد حسن بن یوسف الامیر کے دو فرزند تھے: (۱) عبداللہ فروخ (۲) امیر ابوجعفر احمد

پہلی شاخ میں عبداللہ المعروف فروخ بن ابومحمد حسن کی اولاد سے غیثار (ابن منتفقلیہ) بن حسن بن ابراہیم بن عبداللہ المعروف فروخ المذکور تھے۔

ابوالحسن اشنانی نسابہ نے حسن بن ابراہیم بن عبداللہ فروخ کا ذکر شک میں کیا۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۳۴، ۲۳۵

دوسری شاخ میں امیر ابوجعفر احمد بن ابومحمد حسن کی اولاد سے کثیر سادات اور اُمراء ہوئے امیر جعفر، علی، امیر محمد، امیر حسن ابنان امیر ابوالمقلد جعفر عبریہ بن امیر ابوجعفر احمد المذکور تھے۔
اور ان میں سے علی بن امیر ابوالمقلد جعفر عبریہ کی ایک بیٹی صباح العافیہ اور ایک فرزند امیر کرزاب تھے۔[1]

(۲۵) ابوعبداللہ محمد بن صالح بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

آپ آل ابی طالب کے مشاہیر میں سے تھے۔ آپ کی زندگی بارے میں دو مصادر سے ہمیں معلومات ملتی ہیں۔ ایک عمدۃ الطالب از ابن عنبہ حسنی دوسرا مصدر مقاتل الطالبین ہے جس میں آپ کی زندگی کی زیادہ تفصیل ملتی ہے ہم ان دونوں مصادر کی روشنی میں بیان کریں گے، کیونکہ دونوں کی روایات خاصی مختلف ہیں۔
صالح بن عبداللہ بن موسیٰ الجون کے اعقاب کے بارے میں بقول شریف عمری آپ کی ایک دختر ''ذلفاء'' تھیں اور تین بیٹے درج تھے، (لاولد تھے)۔
اور ان تین میں سے ہی ایک کا ذکر شریف عمری نے کیا محمد جنہیں شہید کہا جاتا ہے اور ان کی قبر بغداد میں ہے (عمری کے خیال میں ابوعبداللہ محمد کی قبر بغداد میں تھی)۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی آپ شاعر تھے اور بقول عمری آپ نے ایام متوکل عباسی میں سویقہ میں قیام کیا اور سر من رائے میں قید کر دیئے گئے۔[2]
بقول ابی الفرج اصفہانی ابوعبداللہ محمد بن صالح بن عبداللہ بن موسیٰ الجون نے سویقہ کے مقام پر خروج کیا جبکہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے ساتھ خروج کرنے کے لئے اکٹھی ہوگئی اس سال ابوالساج حج کرنے آیا اور اس نے آپ کو آپ کی اولاد اور خاندان کے بُرے انجام سے ڈرایا تو آپ نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔
بقول احمد بن ابی خیثمہ کہ ابی الساج کے ہمراہ آپ کے چچا موسیٰ ثانی بن عبداللہ بن موسیٰ جون بھی تھے اور انہوں نے آپ کو بُرے انجام سے ڈرایا اور ابی الساج نے انہیں اس بات کی ضمانت دی کہ اگر آپ ہتھیار ڈال دیں تو آپ کو امان اور سلامتی دینے کا عہد کرتا ہوں پھر آپ اپنے چچا کے پاس آئے اور ان کو آگاہ

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۳۶
[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۳۷، ۲۳۸

کیا اور ان کے سامنے اسلحہ ڈال دیا۔

اس کے بعد ابوالساج کے پاس گئے تو اس نے آپ کو قید کرلیا اور آپ کے خاندان کی ایک جماعت کے ہمراہ آپ کو سامرا روانہ کر دیا۔ وہاں آپ تین سال قید رہے اس کے بعد آپ کو آزاد کر دیا گیا اور آپ اپنی وفات تک سامرہ میں ہی مقیم رہے۔ آپ کی وفات کا سبب چیچک کے مرض میں مبتلا ہونا تھا۔[1]

بقول جمال الدین ابن عنبہ نسابہ متوکل عباسی کے ایام خلافت میں آپ نے خروج کیا اور پکڑے گئے آپ کو قید کر کے سرمن رائے لے جایا گیا۔ وہاں سے آپ کی آزادی کا سبب یہ بنا کہ کہ ابراہیم بن مدبر جو متوکل کے وزراء میں سے ایک تھا اُس نے آپ سے اشعار لکھوائے جو متوکل کی شان میں تھے اور ان اشعار کو ایک گانے والی کے ذریعے متوکل کو سنائے جب متوکل نے اشعار سنے تو پوچھا یہ کس کے اشعار ہیں۔ تو ابراہیم بن مدبر نے کہا ابوعبداللہ محمد بن صالح بن عبداللہ بن موسیٰ الجون کے اشعار ہیں۔ ابراہیم بن مدبر نے آپ کی ذمہ داری لی کہ دوبارہ خروج نہیں کریں گے تو ابوعبداللہ محمد کو رہا کر دیا گیا لیکن آپ دوبارہ حجاز نہ آسکے اور سامرہ میں ہی وفات پائی۔

بقول شیخ تاج الدین ابن معیہ حسنی نسابہ کہ ابراہیم بن مدبر کا آپ کے حق میں سفارش کرنے کا سبب یہ تھا کہ بقول ابوعبداللہ محمد بن صالح کہ میں نے ایک دفعہ حجاز کے راستے میں (حج کے قافلے پر) ایک قافلے پر حملہ کیا اور انہیں مغلوب کیا اور ایک ٹیلے پر کھڑا ہو گیا تا کہ دیکھوں میرے ساتھی مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہیں، اچانک ایک عورت جو کہ ہودج میں بیٹھی ہوئی تھی میرے سامنے آئی اور کہنے لگی اس لشکر کا رئیس کون ہے۔ میں (ابوعبداللہ محمد) نے کہا۔ تم رئیس سے کیا چاہتی ہو۔ عورت کہنے لگی میں نے سنا ہے اس لشکر میں اولا درسول سے ایک شخص موجود ہے مجھے اس سے حاجت ہے۔ میں نے کہا میں حاضر ہوں، بتاؤ کیا چاہتی ہو۔ تو اس عورت نے کہا سید میں ابراہیم بن مدبر الوزیر کی بیٹی ہوں اور قافلہ میں میرا بہت سا مال اونٹ ریشم اور دوسری چیزیں موجود ہیں۔ نیز میرے اس ہودج میں بہت سے جواہرات ہیں۔ میں آپ کو اپنے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور والدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کا واسطہ دیتی ہوں کہ یہ مال مجھ سے حلال طریقے سے لے لیں اور کسی دوسرے شخص کو میرے ہودج کے نزدیک نہ آنے دیں، اس کے علاوہ بھی آپ کو جتنا مال چاہئے میں وعدہ کرتی ہوں کہ تجارت حجاز سے قیمتاً لے کر آپ کے سپرد کر دوں گی۔ جب میں نے یہ بات سنی تو اپنے ساتھیوں سے کہا لوٹ مار سے ہاتھ کھینچ لو۔ اور جو کچھ لوٹا ہے سب واپس کر دو اور مال سے چشم پوشی کر لی اور کم یا زیادہ کچھ بھی نہ لیا پھر

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی تحقیق سید احمد صقر، نشر مکتبہ شریف رضی، ص ۴۸۰، ۴۸۱

جس وقت میں سامراء میں قید تھا چند عورتیں میرے پاس آئیں اور ملاقات کا اذن چاہا میں سمجھا کہ شاید کوئی میری رشتہ دار ہیں۔ اور اجازت چاہتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ عورتیں آئیں اور کھانے کے بہت سے ہدیئے ساتھ لائیں ان میں ایک صاحب حشمت تھی میں نے پوچھا یہ کون ہے تو اس نے کہا آپ مجھے نہیں جانتے میں ابراہیم بن مدبر کی بیٹی ہوں اور میں نے آپ کا احسان نہیں بھلایا۔ غرض جب تک میں قید میں رہا میری دیکھ بھال کو آتی رہی اور اپنے باپ کو تیار کیا کہ میری نجات کا وسیلہ بنے۔[1]

رہائی کے بعد ابوعبداللہ محمد بن صالح نے ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی تو ابراہیم بن مدبر نے ان کی شادی اپنی بیٹی سے کردی۔[2]

جبکہ یہی روایت ابی الفرج اصفہانی نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ حمدونہ بنت عیسیٰ بن موسیٰ بن ابی خالد حربی سے منسوب کی ہے۔ یعنی ابی الفرج اصفہانی کے بقول جس عورت سے ابی عبداللہ محمد کا قافلے پر حملے کے بعد سامنا ہوا، حمدونہ بنت عیسیٰ بن موسیٰ بن ابی خالد حربی تھی نہ کہ ابراہیم بن مدبر کی بیٹی۔

اور ابی الفرج اصفہانی نے یہ قصہ ابراہیم بن مدبر کی روایت سے ہی نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن مدبر نے یہ بیان کیا اور ابی الفرج اصفہانی کے بقول کہ حمدونہ بنت عیسیٰ ابی عبداللہ محمد کیلئے دینار اور خوشبودار لباس لائی اور ہر روز کھانا بھجواتی رہی اور جیل کے داروغہ کو رشوت دے کر کھانا ابی عبداللہ محمد تک پہنچاتی رہی۔

ابی الفرج اصفہانی نے قید سے خلاصی کا سبب وہ نہیں لکھا جو تاج الدین ابن معیہ حسنی کی روایت میں ہے کہ ابراہیم بن مدبر نے ایک گانے والی کو ایسے اشعار یاد کروائے جو ابوعبداللہ محمد نے متوکل کی شان میں لکھے۔

ابی الفرج اصفہانی نے لکھا کہ احمد بن جعفر مکی نے مبرد سے نقل کیا کہ جب ابوعبداللہ محمد بن صالح قید میں تھے تو بنان نے ان کے درج ذیل شعر خوش الحانی سے پڑھے:

وبدا له من بعد الذمل الهوى　　　برق تألق موهنا لمعانه

ترجمہ: ''جب تمام خواہشیں دم توڑ چکیں تو آدھی رات کے وقت غموں کو منزل دکھانے کے لئے بجلی چمک پڑی۔''[3]

---

[1] ہدایہ الطالب از تاج الدین ابن معیہ غیر مطبوعہ اقتباس از عمدۃ الطالب ص ۱۰۶، ۱۰۷

[2] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب، از سید قمر عباس اعرجی ص ۹۹، ۱۰۰

[3] الاغانی ج ۱۵ ص ۱۹۳

جب متوکل نے یہ شعر خوش الحانی میں سنے تو اس نے سُر اور شعر کی تعریف کی اور پوچھا کہ یہ شعر کسی کس کے ہیں تو بتایا گیا کہ یہ ابوعبداللہ محمد بن صالح کا شعر ہے پھر ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے متعلق گفتگو چل نکلی اور سب نے ان کا اچھے الفاظ میں تذکرہ کیا۔ اس کے بعد متوکل نے فتح کو محمد بن صالح کی ذمہ داری سونپی نیز انہیں رہا کرنے کا حکم دیا اور کہا قید خانے سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں اور نان نفقہ کی خبر گیری لے اور ذمہ داری لے کہ یہ حجاز کی طرف نہ جائیں۔ یوں ابوعبداللہ محمد ابن صالح کی وفات سامراء میں ہی ہوئی۔

ابوعبداللہ محمد بن صالح نے متوکل کے وزیر عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کی بہت زیادہ ہجو بیان کی کیونکہ وہ اولاد ابو طالب سے سخت عداوت رکھتا تھا اور متوکل کو ان کے خلاف اکساتا تھا اور ان کو رہا کرنے سے منع کرتا تھا۔ جب ابوعبداللہ محمد بن صالح کی وفات ہوئی تو ان کے دوست شاعر سعید بن حمدی نے ان کی وفات پر مرثیہ کہا۔[1]

بقول شریف عمری ابوعبداللہ محمد بن صالح کی قبر بغداد میں ہے بقول شیخ تاج الدین ابن معیہ جو قبر بغداد میں ہے وہ محمد الفضل کے نام سے مشہور ہے جس پر مزار بنا ہے اور یہ بھی قول ہے کہ یہ بغداد والی قبر محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ کی قبر ہے۔ یہ درست نہیں، ان میں فضل والی کیا بات تھی؟ جو انہوں نے فعل کیا یعنی اپنے چچا امام موسیٰ کاظمؑ کو ہارون رشید کے ہاں قید کروانے کی کوشش کی حتیٰ کہ وہ قتل (شہید) کردیئے گئے۔

بقول ابن معیہ ابوعبداللہ محمد بن صالح نے سامراء میں وفات پائی اور کسی ایک نے ان کی وفات کا قول بغداد میں نہیں لکھا۔ واللہ اعلم (لیکن ابوالحسن عمری نے ان کی قبر بغداد میں ہی لکھی ہے)۔[2]

اس لئے اگر بغداد والی قبر ہوئی تو محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق کی بجائے ابوعبداللہ محمد بن صالح کی ہوسکتی ہے، جمہور مورخین نے ان کی وفات سرمن رائے میں لکھی اور دفن بھی وہیں لکھا صرف عمری نے نے مدفن بغداد کا لکھا ابوعبداللہ محمد بن صالح کا ایک ہی فرزند عبداللہ تھا اور عبداللہ بن ابی عبداللہ محمد کا بھی ایک فرزند حسن قتیل جہینہ تھا جن کے آگے تین فرزند تھے: (۱) ابوضحاک عبداللہ (۲) احمد (۳) سلیمان، ان میں سے زید بن ابوضحاک عبداللہ کے دو فرزند تھے: اول مسلم بن زید جس کا بیٹا ہذیم تھا اور اس کی اولاد آل ہذیم کہلائی۔ دوم حسن بن زید جس کی اولاد آل حسن مشہور ہوئی۔[3]

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی منشورات شریف رضی، ص ۴۸۳ تا ۴۸۸

[2] عمدۃ الطالب ص ۱۰۷، ۱۰۸

[3] عمدۃ الطالب از ابن عنبہ نشر انصاریان ص ۱۰۷، ۱۰۸

(۲۶) یحییٰ صاحب دیلم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ

بقول یحییٰ بن حسن مدنی عقیقی عبید لی آپ کی والدہ قریبہ بنت رکیح بن ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب تھیں۔[۱]

اور یہ قریبہ بنت رکیح، ہند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ کی بھتیجی تھیں یہ دونوں پھپھی بھتیجی عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کی زوجیت میں تھیں۔

یحییٰ ابن عبداللہ محض مذہب کے انتہائی پابند اور ہدایت یافتہ تھے۔ آپ ہر قسم کی تہمت اور عیب جوئی سے دور تھے آپ نے احادیث بھی نقل کی ہیں جبکہ آپ نے زیادہ تر احادیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کی ہیں۔ آپ نے اپنے والد عبداللہ محض بھائی محمد نفس ذکیہ اور ابان بن تغلب سے بھی روایات کو نقل کیا ہے اور آپ سے مخول بن ابراہیم، بکار بن زیاد، یحییٰ بن مساور اور عمرو بن حماد نے روایات نقل کی یں۔

بقول ابی الفرج اصفہانی جب امام جعفر صادق علیہ السلام کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو آپ نے یحییٰ بن عبداللہ، امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور اپنی ام الولد زوجہ (حمیدہ خاتون) کو وصیت کی تھی آپ نے ان کے ترکہ کے امور کی نگرانی اور ان کی چھوٹی اولاد کی دیکھ بھال کی تھی۔[۲]

علی بن حسان نے اپنے چچا عبدالرحمان بن کثیر سے نقل کیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے یحییٰ بن عبداللہ کی پرورش کی اور یحییٰ آپ کو شدید محبت کی وجہ سے حبیب (میرا محبوب) کہہ کر پکارتے تھے۔

یحییٰ بن عبداللہ محض کی پیدائش ۱۱۰ ہجری کو ہوئی۔

اسماعیل بن موسیٰ فزاری سے مروی ہے کہ میں نے دیکھا یحییٰ بن عبداللہ مدینہ میں امام مالک بن انس کے پاس تشریف لائے تو مالک بن انس ان کے احترام میں اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور انہیں پہلو میں بٹھایا۔ مختلف روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب اصحاب فخ شہید ہوگئے تو یحییٰ بن عبداللہ بھی جنگ فخ میں موجود تھے بلکہ اس معرکہ میں اہم شخصیت تھے۔

جب جنگ فخ ختم ہوئی اور حسین بن علی صاحب فخ شہید ہوگئے تو یحییٰ بن عبداللہ ایک عرصہ تک مختلف علاقوں میں در بدر پھرتے رہے اور اس دوران وہ روپوش رہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ چھپ جاتے وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں ان کو پناہ مل جائے۔ فضل بن یحییٰ کو جب ان کے ٹھکانے کا علم ہوگیا تو

۱۔ المعقبین از یحییٰ نسابہ ص ۶۳

۲۔ اردو ترجمہ مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۴۱۶

انہیں وہاں سے کسی اور جگہ جانے کو کہا۔

یوں آپ دیلم کی جانب روانہ ہوگئے اور اس نے ایک شاہی فرمان لکھ دیا تھا کہ کوئی آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔ آپ اپنا بھیس بدل کر سفر کرتے ہوئے دیلم پہنچ گئے۔ جب آپ راستے میں ہی تھے تو ہارون کو آپ کے دیلم جانے کی خبر موصول ہوئی تو اس کو خوف محسوس ہوا اس نے فضل بن یحییٰ کو مشرق کی طرف کئی علاقوں کا گورنر نامزد کرتے ہوئے یحییٰ صاحب دیلم کی طرف کوچ کرنے کو کہا۔

مذکورہ بیان ابی الفرج اصفہانی کا ہے، جبکہ محمد ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں کہ ابوحفص کرمانی کے بقول یحییٰ صاحب دیلم کے متعلق اول خبر یہ موصول ہوئی کہ انہوں نے دیلم میں خروج کیا ہے اور بہت سے اضلاع اور شہروں کے باشندے ان کی طرف جھک گئے ہیں یہ خبر ہارون رشید کو غمگین کرگئی اس زمانے میں ہارون نے نبیذ (شراب) بھی نہیں پی۔

اور فضل بن یحییٰ کو جبال، رے، جرجان، طبرستان، قومس، نہاوند، اور رویان کا والی مقرر کرکے بہت سا روپیہ دیا۔ اور یحییٰ صاحب دیلم کی طرف روانہ کیا۔ فضل بن یحییٰ ایک کثیر لشکر لے کر چلا اور اس نے یحییٰ صاحب دیلم کو خطوط تحریر کرنے شروع کیے جن میں انتہائی نرم لہجہ اپنایا اور انکی خوشامد اور انجام سے ڈرایا اور یحییٰ کو صلح کی جانب دعوت دی۔

جب فضل بن یحییٰ، طالقان، رے اور دستبیٰ کے ''اشب'' نامی ایک موضع میں مقیم تھا نہایت سردی پڑی اور برفباری ہوئی یہاں سے دیلم کی جانب پیش قدمی ناممکن ہوگئی اس نے یہاں متواتر یحییٰ صاحب دیلم کو خطوط تحریر کئے اور امان کی پیشکش کی۔

دوسری طرف یحییٰ صاحب دیلم بھی اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے لہٰذا آپ نے مصالحت قبول کرلی اور اس شرط پر آمادگی ظاہر کی کہ ہارون رشید اپنے ہاتھوں سے ایک امان نامہ لکھ کر اسے بھیج دے۔

جب ہارون کو اس کی خبر دی گئی تو وہ بہت خوش ہوا اسنے یحییٰ بن عبداللہ کیلئے امان نامہ لکھ دیا اور اس پر تمام فقہاء قضاۃ بنی ہاشم کے اعیان اور اکابرین مثلاً عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، عباس بن محمد، محمد بن ابراہیم، موسیٰ بن عیسیٰ اور ان کے ہم مرتبہ دوسرے عمائدین کی شہادت ثبت کی اور ساتھ تحائف اور خلعت بھی روانہ کی۔ یوں فضل بن یحییٰ، یحییٰ بن عبداللہ کو لے کر بغداد آ گیا جہاں ہارون نے ان کا شاہانہ استقبال کیا۔[1]

---

[1] تاریخ طبری اردو ترجمہ ج ٦ ص ۳۷،۳۸

بقول ابی الفرج اصفہانی اس کے بعد ایک مدت تک یحییٰ بن عبداللہ ہارون رشید کے پاس مقیم رہے جبکہ ہارون کے دل میں یحییٰ کے لئے نفرت اور کینہ موجود تھا۔ ہارون اس تاک میں تھا کہ کب یحییٰ کو انتقام کا نشانہ بنایا جائے۔ ادھر جب یحییٰ بن عبداللہ محض کو علم ہوا کہ ہارون ان کے متعلق ناپاک عزائم رکھتا ہے تو اس سے حج پر جانے کی اجازت چاہی اور اس نے اجازت دے دی۔

علی ابن ابراہیم کی روایت کے مطابق یحییٰ بن عبداللہ نے ہارون رشید سے سفر حج کی اجازت طلب نہیں کی بلکہ آپ (یحییٰ بن عبداللہ) نے فضل بن یحییٰ سے کہا کہ مجھے قتل کرنے کے حوالے سے خدا سے ڈرو اور اس بات سے احتیاط کرو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کل بروز قیامت میرے بارے میں تم سے سوال کریں گے اور تمہارے خلاف خدا کی عدالت میں مقدمہ پیش کریں گے تو فضل کا دل نرم پڑھ گیا اور اس نے یحییٰ بن عبداللہ کو آزاد کر دیا۔ ہارون رشید نے فضل پر جاسوس مقرر کر رکھے تھے جنہوں نے یہ اطلاع ہارون رشید کو دے دی اور ہارون نے فضل کو بلا کر تفتیش کی اور عزم کیا کہ اگر تجھ کو قتل نہ کر دوں تو خدا مجھے قتل کرے۔

چند دیگر روایان کے بقول اہل حجاز سے کچھ افراد نے ہارون رشید کو چغل خوری کرتے ہوئے قسم اٹھا کر کہا کہ یحییٰ بن عبداللہ لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دے رہا ہے۔ لہٰذا اب ان کے امان نامے کا عہد ٹوٹ گیا ہے۔ ان لوگوں کی جھوٹی گواہی سے ہارون رشید کے دل میں چھپے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کی فرصت مل گئی۔ جن لوگوں نے یحییٰ بن عبداللہ محض کے خلاف گواہی دی ان میں عبداللہ بن مصعب زبیری، ابو البختر ی وہب بن وہب، بنوزہرہ کا ایک شخص اور بنومخزوم کا ایک شخص شامل تھا۔ اس کے بعد ہارون نے یحییٰ کو اپنے پاس بُلوا کر مسرور الکبیر کے پاس زندان میں قید کر دیا۔ اس کے بعد یحییٰ ابن عبداللہ کے قتل کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کو کس طرح سے قتل کیا گیا۔

قتل یحییٰ بن عبداللہ محض بن حسن المثنیٰ:

ہارون رشید نے اپنے دربار میں فقہاء کو جمع کیا ان میں قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن، حسن بن زیاد لولؤی اور ابوالبختر ی وہب بن وہب تھے اور اس کے بعد مسرور الکبیر جس کے پاس یحییٰ بن عبداللہ محض قید تھے کے پاس ہارون رشید کا امان نامہ لے جایا گیا۔

سب سے اوّل محمد بن حسن نے کہا یہ امان نامہ نافذ العمل ہے۔ اس میں حیلہ سازی کی گنجائش نہیں ہے۔ محمد بن حسن کے درج بالا قول کو سن کر مسرور نے کہا یہ امان نامہ ادھر لاؤ پھر یہ امان نامہ محمد بن حسن کے ہاتھ سے لے کر حسن بن زیاد لولؤی کو دیا گیا۔ اس نے دیکھ کر کمزور سی آواز میں کہا ہاں! یہ امان نامہ

درست ہے، پھر ابوالبختری وہب بن وہب نے امان نامہ کھینچتے ہوئے کہا کہ یہ امان نامہ باطل ہے اور ٹوٹ گیا کیونکہ یحییٰ بن عبداللہ نے خلیفہ کی اطاعت سے خروج کرتے ہوئے مسلمانوں میں انتشار پیدا کیا اور خون بہایا لہٰذا اسے قتل کر دو اور اسکا خون میری گردن پر ہوگا۔

یہ سن کر مسرور ہارون کے پاس گیا تو ہارون نے کہا ابوالبختری سے کہو اگر یہ امان باطل ہو گیا ہے تو اسے اپنے ہاتھوں سے پھاڑ دو۔ یہ سن کر ابوالبختری نے چھری لے کر امان نامے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ہارون رشید اس بات سے بہت خوش ہوا اس نے ابوالبختری کو ایک کروڑ ساٹھ لاکھ درہم دیئے اور اسے قاضی القضاء مقرر کر دیا اور ہارون رشید نے باقی فقہاء سے اپنی نظریں پھیر لیں، اور محمد بن حسن کو ایک مدت تک فتویٰ دینے سے بھی روکے رکھا اور یحییٰ بن عبداللہ کے خلاف اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

عمرو بن حماد نے اس شخص سے نقل کیا جو یحییٰ بن عبداللہ کی ساتھ قید خانے میں قید تھا وہ بیان کرتا ہے کہ میں یحییٰ بن عبداللہ کے قریب واقع بیرک میں تھا جبکہ یہ بیرکیں انتہائی تنگ اور تاریک تھیں۔ ایک رات ہم اپنی اپنی بیرک میں موجود تھے کہ ہمیں کچھ تالوں کے کھلنے کی آواز آئی اس وقت رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا۔ ہارون رشید آیا اور یحییٰ کو سو چھڑیاں ماری گئیں ہارون نے سپاہیوں سے پوچھا اس کو کتنا کھانا دیتے ہو تو سپاہیوں نے کہا چار روٹیاں اور آٹھ رطل پانی۔ ہارون نے کہا اس کی مقدار آدھی کر دو یوں دو روٹیاں اور چار رطل پانی دیا جانے لگا۔

دوسری بار ہارون آیا تو کھانا مزید آدھا کر گیا یوں ایک روٹی اور دو رطل پانی مہیا کیا جانے لگا، حتیٰ کہ کمزوری سے یحییٰ بن عبداللہ فوت ہو گئے اور ان کی میت کو باہر نکال کر دفنایا گیا۔

ابن عمار نے علی بن محمد بن سلیمان سے جو روایات نقل کی ہے اس میں مذکور ہے کہ ''لسنہ'' نے رات کے وقت یحییٰ بن عبداللہ کا گلا گھونٹ کر انہیں قتل کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق انہیں زہر دے دیا گیا۔ ابن عمار نے ابراہیم بن ریاح سے جو روایت نقل کی ہے اس میں مذکور ہے کہ ہارون رشید نے یحییٰ بن عبداللہ پر ایک ستون تعمیر کروایا جب کہ یہ ابھی زندہ تھے۔

محمد بن ابی الخنساء سے مروی ہے کہ ہارون نے درندوں کو بھوکا رکھا اور پھر یحییٰ بن عبداللہ کو ان درندوں کے آگے پھینک دیا تو انہوں نے ان کو چیر پھاڑ کر کھا لیا۔

عبدالرحمان بن عبداللہ بن عمر بن حفص العمری سے منقول ہے کہ ہمیں ہارون رشید کی موجودگی میں یحییٰ بن عبداللہ سے مناظرہ کے لئے بلوایا گیا۔ اور ہارون نے یحییٰ سے کہا خدا سے ڈرو اور مجھے اپنے ستر

ساتھیوں کے نام بتادو تا کہ تمہارا امان نامہ باطل نہ ہو، پھر ہارون رشید نے ہماری طرف متوجہ ہوکر کہا یہ شخص اپنے ساتھیوں کے نام نہیں بتا رہا جب بھی میں نے کسی شخص کو پکڑا اور مجھے اس کے متعلق کوئی ناگوار خبر ملی تو اس نے یہی کہا کہ تم نے مجھے امان دے رکھی ہے۔ یہ سن کر یحییٰ بن عبداللہ نے کہا اے امیر! میں ان ستر افراد میں سے ہوں مجھے تمہارے امان نامے نے کیا فائدہ دیا ہے۔ کیا یہ چاہتے ہیں کہ میں ان ستر افراد کو تمہارے حوالے کردوں تا کہ میرے ساتھ انہیں بھی قتل کردو، راوی کہتا ہے پھر ہم چلے گئے۔

پھر ایک دن ہارون نے ہمیں بلوایا تو ہم نے وہاں جا کر دیکھا کہ یحییٰ بن عبداللہ کا رنگ متغیر ہوگیا ہے اور ہارون رشید اس سے کلام کررہا ہے لیکن وہ کوئی جواب نہیں دے رہا تو ہارون نے کہا تم نے دیکھا یہ مجھے کوئی جواب نہیں دے رہا۔ یہ سن کر یحییٰ بن عبداللہ نے اپنی زبان باہر نکال دی جو کوئلے کی طرح سیاہ تھی یعنی وہ بتا رہے تھے کہ وہ کلام پر قادر نہیں۔ یہ دیکھ کر ہارون رشید کو غصہ آ گیا اس نے کہا یہ تم لوگوں کو دکھا رہا ہے کہ میں نے اسے زہر دے دی ہے۔ اگر میں نے اسے قتل کرنا ہوتا تو کند خنجر سے اس کی گردن اڑا دیتا۔

راوی کہتا ہے اس کے بعد ہم ہارون رشید کے دربار سے باہر نکلے ابھی ہم دربار کے درمیان بھی نہ پہنچے تھے کہ یحییٰ بن عبداللہ منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔

ابوحسین یحییٰ مدنی عقیقی عبیدلی بیان کرتے ہیں کہ ادریس بن محمد بن یحییٰ بن عبداللہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے دادا کو بھوک اور پیاس کی وجہ سے قید خانے میں مار ڈالا گیا۔[1]

اولاد یحییٰ صاحب دیلم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام:

بقول دندانی حسینی نسابہ وشعرانی عمری نسابہ کہ جناب یحییٰ کا لقب اثینی تھا اور آپ کی گیارہ اولادیں تھیں: (۱) رقیہ (۲) عاتکہ (۳) قریبہ بنت مریہ (۴) فاطمہ، اور بیٹوں میں بقول اشنانی نسابہ (۵) علی جو ام الولد سے تھے۔ (۶) ابراہیم بھی ام الولد کے بطن سے تھے۔ (۷) عیسیٰ المعروف اخی صفیہ یعنی آپ صفیہ بنت علی الطیب بن عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف بن امیر المومنین علیؑ کے مادری بھائی تھے۔ اوران عیسیٰ کی ایک بیٹی بھی تھیں جن کا نام بھی صفیہ ہی تھا۔ (۸) عبداللہ اکبر اور ان کے ایک فرزند ابراہیم تھے۔ (۹) عبداللہ اصغر (۱۰) صالح ابن بربریہ، اور بعض نے آپ کی والدہ صفیہ بنت عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف بن علی علیہ السلام تحریر کی۔(۱۱) محمد ابن تیمیہ الاثینی بقول سید یحییٰ نسابہ مدنی عبیدلی، آپ کی والدہ خدیجہ بنت ابراہیم بن طلحہ بن عمر

---

[1] اقتباس از مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی اموی

بن عبیداللہ بن معمر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم تھیں۔[1]

بقول شیخ شرف العبید لی کہ یحییٰ صاحب دیلم کی اولاد صرف محمد الاثینی سے باقی رہی اور باقی سب منقرض ہو گئے۔

اور ان محمد اثینی بن یحییٰ صاحب دیلم کی ایک دختر عاتکہ تھیں اور چار فرزندان میں (۱) عیسیٰ درج تھے، (۲) ادریس بقول عمری کہ شیخ شرف عبید لی کا کہنا ہے ادریس بن محمد اثینی کا ایک فرزند ابوالعباس محمد تھا جس کے دو فرزند ابو القاسم فافا محمدی اور احمد تھے جو کہ مصر میں تھے۔ بقول عمری ان کی تین دختران بھی تھیں۔ (۳) ابوالحسین احمد بن محمد اثینی، بقول عمری آپ کی ایک دختر قریبہ تھیں اور چار فرزند تھے: محمد، احمد، سلیمان اور یحییٰ، ان میں سلیمان بن ابوالحسین احمد کی ایک دختر ام زرین تھیں جبکہ یحییٰ بن ابوالحسین احمد کے پانچ فرزند: عیسیٰ، ابراہیم، احمد، صالح اور سلیمان تھے۔

جن میں سے آخر الذکر چار سیدوں کو ابن ابی الساج نے مدینہ میں قید کرلیا جہاں یہ فوت ہوئے یا قتل کر دیئے گئے۔ اور عیسیٰ بن یحییٰ بن ابوالحسین احمد کے ایک فرزند کو روم میں قید کرلیا گیا اور بعد میں آزاد کر دیا گیا اور دوسرا فرزند زید تھا جس کا ایک فرزند ابو تیم مصر میں تھا۔[2]

(۴) عبداللہ بن محمد اثینی: آپ کی والدہ فاطمہ بنت ادریس بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ تھیں بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کی تین دختران فاطمہ، رقیہ اور زینب تھیں اور چار فرزند: (۱) احمد درج (۲) ابراہیم (۳) سلیمان (۴) محمد تھے۔[3]

جبکہ بقول ابن عنبہ ابراہیم، سلیمان اور محمد کی نسل جاری ہوئی۔[4]

(۲۷) سلیمان بن عبداللہ محض بن حسن المثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ

بقول سید یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی عبید لی آپ کی اور آپ کے بھائی ادریس بن عبداللہ محض کی والدہ عاتکہ بنت عبدالملک بن حارث بن خالد بن عاص بن ہشام بن مغیرہ تھیں جو بنی مخزوم میں سے تھیں۔[5]

---

[1] المعقبین من ولد امام امیر المومنین از سید یحییٰ نسابہ، ص ۶۷، ۶۸

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۴۶، ۲۴۷

[3] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۴۷

[4] عمدۃ الطالب ص ۱۴۰ نشر مکتبہ انصاریان، قم ایران

[5] المعقبین من ولد امام امیر المومنین از یحییٰ بن حسن عبید لی ص ۶۳

بقول ابو اسماعیل طباطبا آپ کی نانی لبابہ بنی فزارہ سے تھیں اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ سابیہ بنت حکم بن عبدالجبار فزاری تھیں۔[1]

بقول دندانی نسابہ عبیدلی آپ کا قتل جنگ فخ میں ہوا۔[2]

بقول ابی الفرج اصفہانی جناب عاتکہ بنت عبدالملک بن حارث نے حج کے دوران ابوجعفر منصور دوانقی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا اے امیر! عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے بچے جو یتیم ہو چکے ہیں وہ تنگ دست ہیں ان کے پاس مال واسباب میں سے کچھ نہیں۔ پھر منصور نے ان کے جو اموال غصب کئے تھے وہ واپس کر دیئے۔[3]

سلیمان بن عبداللہ محض نے حسین بن علی عابد بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ کی ساتھ خلفیہ ہادی کے زمانے میں خروج کیا اور آپ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ آپ کی عمر ۵۳ برس تھی آپ کی کنیت ابومحمد تھی۔

اولاد سلیمان بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ:

بقول شیخ ابوالحسن عمری کہ کتاب تہذیب الانساب میں شیخ شرف العبید لی نے کہا کہ سلیمان بن عبداللہ محض کی اولاد صرف محمد بن سلیمان سے جاری ہوئی اور محمد بن سلیمان بھی جنگ فخ میں ہی شہید ہوئے۔[4]

جبکہ بقول جمال الدین ابن عنبہ کہ آپ اپنے والد کے قتل ہونے کے بعد بھاگ کر اپنے چچا ادریس بن عبداللہ محض کے پاس مراکش چلے گئے۔ اور آپ کی اولاد وہاں ہی ہوئی جس میں عبداللہ، احمد، ادریس، عیسیٰ، ابراہیم، حسن، حسین، حمزہ اور علی تھے۔ جبکہ عمری نے ان میں سلیمان کا ذکر بھی کیا۔

بقول ابن عنبہ ان کے نسب کے قطع ہونے کی اخبار ہے۔ بقول شیخ عمری کہ کہا شیخ شرف عبیدلی نے کہ انکے بارے میں کچھ نہ سنا گیا پھر عمری کہتے ہیں کہ لوگ اس سے مختلف کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ بنی سلیمان بن عبداللہ محض مغرب (مراکش) میں آج موجود ہے لیکن ان کی تعداد بنی ادریس بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ سے کم ہے (جبکہ آج مغرب میں اولاد ادریس ہی موجود ہے)

ان میں بقول موضع نسابہ عبداللہ بن محمد بن سلیمان بن عبداللہ محض کوفہ میں داخل ہوئے وہ جلیل القدر اور احادیث کے راوی تھے بقول ابی الفرج آپ کا قتل سوڈان میں جارنامی جگہ پر ہوا آپ کے دو فرزند

---

[1] منتقلہ الطالبیہ از ابوالسماعیل طباطبا ص ۲۳۰
[2] المجدی فی انساب الطالبین از شیخ ابوالحسن عمری، ص ۲۴۹
[3] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی، مکتبہ منشورات شریف رضی ص ۳۶۵
[4] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۴۹

تھے: محمد اور ادریس اور دو دختران ام عبداللہ اور فاطمہ تھیں۔[1]

اور دوسرے فرزند حسن بن محمد بن سلیمان بن عبداللہ محض کا ایک فرزند عبداللہ بن حسن تھا اور اسکے دو فرزند: ابراہیم اور حسین تھے۔

(۲۸) ادریس بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام

بقول سید ابوالحسین یحییٰ مدنی عقیقی عبیدلی نسابہ آپ کی والدہ عاتکہ بنت عبدالما لک بن حارث بن خالد بن عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی تھیں یعنی آپ سلیمان بن عبداللہ محض کے مادری پدری بھائی تھے۔[2]

بقول ابن خداع نسابہ مصری ارقطی حسینی آپ اصغر یعنی چھوٹے تھے (غالباً عبداللہ محض کی اولاد میں) آپ کی کنیت ابومحمد تھی آپ کی والدہ عاتکہ مخزومیہ تھیں جو سلیمان بن عبداللہ محض کی والدہ بھی تھیں اور آپ کی وفات زہر کی وجہ سے ہوئی۔[3]

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ علی بن ابراہیم علوی سے مروی ہے کہ میں نے محمد بن موسیٰ کو خط تحریر کیا تو اس نے مجھے محمد بن یوسف اور عبداللہ بن عبدالرحیم بن عیسیٰ کے حوالے سے یہ خبر دی کہ ادریس بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ جنگ فخ سے زندہ بچ گئے۔ ان کے ہمراہ ایک آزاد کردہ غلام راشد بھی تھا اور یہ دونوں حضرات مصر اور افریقہ کے حاجیوں میں شامل ہوکر مکہ سے نکل پڑے۔ ادریس اس سفر کے دوران راشد کی خدمت کرتے اور اس کے ہر حکم کی بجا آوری کرتے تاکہ لوگوں کو کوئی شک نہ ہو۔ یہاں تک کہ دونوں مصر پہنچ گئے۔ اس وقت رات ہوچکی تھی بنوعباس کے موالیوں میں سے ایک کے گھر کے سامنے بیٹھ گئے۔ جب اس شخص نے ان دونوں کی گفتگو سنی تو یہ حجازی لہجے میں عربی بول رہے تھے۔ اس نے پوچھا کیا تم لوگ عربی ہو تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں ہم عربی ہیں۔ پھر راشد نے اس شخص سے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے امر سے آگاہ کروں بشرطیکہ تم اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرو کہ تم یہ جاننے کے بعد ہمارے ساتھ ان دو معاملوں میں سے ایک معاملے پر عمل کروگے یا تو تم ہمیں پناہ دوگے یا ہمارے امر کو مخفی رکھوگے یہاں تک کہ ہم اس علاقے سے نکل جائیں۔ اس نے کہا میں ایسا ہی کروں گا۔

---

[1] مقاتل الطالبین (عربی) از ابی الفرج ص ۵۰

[2] المعقبین من ولد امام امیر المومنین از یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی ص ۶۳

[3] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۵۰

پھر راشد نے کہا کہ میں راشد ہوں اور یہ میرے آقا ادریس بن عبداللہ محض ہیں تو اس شخص نے دونوں کو پناہ دی اور ان کی بات کو بھی مخفی رکھا۔ پھر جب افریقہ جانے والا قافلہ تیار ہو گیا تو اس شخص نے راشد کو اس قافلے کے ساتھ تو افریقہ روانہ کر دیا اور راشد سے کہا اس راستے پر جا بجا حکومتی چیک پوسٹیں قائم ہیں جہاں سے گزرنے والوں کی تلاش ہوتی ہے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ تمہیں پہچان نہ لیں۔ جبکہ ادریس بن عبداللہ محض کو اس کے علاوہ دوسرے غیر معروف راستوں سے لے کر آتا ہوں پھر اس شخص نے جیسے کہا تھا ویسے ہی کیا اور ادریس کو لے کر اس راستے پر نکل پڑا جب وہ افریقہ کے قریب پہنچا تو اس قافلہ کو چھوڑ دیا اور راشد کے ہمراہ ایک ایسے علاقے میں داخل ہوا جہاں بربر قوم آباد تھی۔ یہ لوگ جس علاقے میں رہتے تھے اسے فاس اور طنجہ کہتے تھے۔ ادریس نے ان لوگوں کو جب اپنی بیعت کی دعوت دی تو ان بربریوں نے لبیک کہا۔ جب ہارون رشید کو خبر ملی تو وہ غمگین ہو گیا۔

ہارون رشید نے یحییٰ بن خالد سے اپنا غم بیان کیا تو یحییٰ بن خالد نے کہا میں ادریس کے معاملے میں کافی ہوں۔ پھر اس نے سلیمان بن جریر جزری کو بلایا جو زیدیہ بتریہ کے متکلمین میں سے تھا اور ان کا نمایاں سردار تھا۔ یحییٰ بن خالد نے اسے قائل کیا اگر وہ ادریس کا کام تمام کرے تو جو چاہے خلیفہ اسے دے گا۔ پھر اس نے سلیمان بن جریر جزری کو زہر آلود مشک وعنبر و کافور سے مرکب خوشبو دی۔

سلیمان بن جریر جزری مختلف شہروں کو عبور کرتا ادریس بن عبداللہ کے پاس پہنچ گیا اور اپنے مذہب کے ذریعے ادریس سے تعلق اور قرب پیدا کیا اور کہا حاکم میرے مذہب کی وجہ سے مجھے تلاش کر رہا ہے۔

یوں ادریس اس سے مانوس ہو گئے۔ یہ صحیح اور فی البدیہہ کلام کرتا تھا یہ بربر کی محافل میں بیٹھ کر لوگوں کو زیدی مذہب کے دلائل پیش کرتا اور انہیں اہل بیعت کی طرف دعوت دیتا۔ اس طرح اسے ادریس کو اپنی جانب مائل کرنے کا خوب موقع ملا۔

ایک دن فرصت پا کر اس نے وہ زہر آلود خوشبو ادریس کو تحفے کے طور پر پیش کی۔ اور کہا کہ یہ میں آپ کیلئے عراق سے لایا ہوں کیونکہ عراق میں اس خوشبو سے زیادہ نفیس اور طیب اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ادریس نے تحفہ قبول کیا اور اس کو لگا کر سونگھا۔

پھر فوراً سلیمان بن جریر اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آیا اس نے سفر کے لئے گھوڑے تیار کر رکھے تھے اور یہ دونوں ان گھوڑوں پر بیٹھ کر بھاگ گئے۔ زہر کی شدت کی وجہ سے ادریس بے ہوش ہو گئے جبکہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کو اس ماجرے کا پتہ نہ چلا کہ انہیں کیا ہوا ہے تو ان لوگوں نے ادریس کے غلام راشد

کے پاس پیغام بھیج کر اسے ادریس کی حالت سے آگاہ کیا تو وہ ایک گھنٹے تک ان کا علاج کرتا رہا اور اس کے بارے میں غور وفکر کرتا رہا پھر ادریس کو غشی سے افاقہ ہوا تو وہ سارا دن تکلیف سے کراہتے رہے۔

بالآخر رات کو ان کا انتقال ہو گیا جب راشد کو سلیمان کا علم ہوا کہ یہ ساری اس کی کارستانی ہے تو راشد ایک جماعت کے ہمراہ ان کی تلاش کے لئے نکل پڑا۔ جب کہ راشد کے علاوہ کوئی بھی سلیمان تک نہ پہنچ سکا ان کے گھوڑے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ جب راشد سلیمان تک پہنچا تو اس نے سلیمان کے سر اور چہرے پر وار کئے اور ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ کر لٹک گئیں اور ہتھیلی کی طرف مڑ گئیں۔(درج بالا روایت نوفلی کی ہے)

داؤد بن قاسم جعفری سے منقول ہے کہ سلیمان بن جریر جزری نے ایک بھنی ہوئی زہر آلود مچھلی تحفے کے طور پر ادریس کو بھیجی جس سے ادریس کی موت واقع ہوئی۔سلیمان پر حملہ کرنے کے بعد راشد اس علاقے طنجہ میں واپس آ گیا جہاں ادریس رہتے تھے اور انہیں دفن کیا جس وقت ادریس فوت ہوئے تو ان کی ایک زوجہ حاملہ تھیں راشد نے اس کی دیکھ بھال کی یہاں تک کہ اس کا بیٹا پیدا ہوا تو اسکا نام بھی ادریس رکھا گیا پھر راشد نے بربریوں کی باگ ڈور خود سنبھال لی یہاں تک کہ جب ادریس بن ادریس بڑا ہوا تو بربریوں کا بہترین انداز میں حاکم اور سرپرست بنا[1]

اولاد ادریس بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ:

بقول جمال الدین ابن عنبہ حسنی کہ جب ادریس بن عبداللہ محض کی وفات ہوئی تو اس وقت ان کی ام ولد بربریہ حاملہ تھی اور ادریس بن عبداللہ محض کی وفات پر سلطنت کا تاج اس جاریہ کے شکم پر رکھا اور اس کے چار مہینے بعد ادریس بن ادریس کی ولادت ہوئی۔

بقول ابی نصر بخاری کہ یہ بات عوام سے چھپی ہوئی تھی کہ ادریس بن عبداللہ محض کی کنیز ان سے حاملہ ہے لوگوں نے ادریس ثانی کا نسب اس غلام راشد نامی سے جوڑا کہ یہ اس کی اولاد ہے کہ راشد نے ملک حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا لیکن بقول ابن عنبہ حسنی ایسا نہیں ہے کیونکہ نسابہ داؤد بن قاسم جعفری ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض کی ولادت تک وہیں موجود تھا انہوں نے ادریس بن ادریس کا قصہ لکھا ان کے نسب کو حق اور تصدیق شدہ جانا اور اس کتاب کا نام ولادت ادریس بن ادریس رکھا اسی نسابہ داؤد بن قاسم بن اسحاق بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب نے کہا کہ میں مغرب میں ادریس بن ادریس کے ساتھ تھا میں نے اس سے

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی تحقیق سید احمد صقر منشورات شریف رضی ص ۴۰۶ تا ۴۰۹

زیادہ بہادر نہیں دیکھا۔

بقول جمال الدین ابن عنبہ کہ امام علی بن موسیٰ رضاعلیہ السلام نے فرمایا کہ ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض اہل بیت کے بہادروں میں سے تھے۔ بقول عمری ادریس ثانی کی پیدائش ''ولیلی'' نامی جگہ ہوئی۔

بقول قاضی نور اللہ شوستری اسلامی دنیا میں ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض کے علاوہ اور کوئی نہ تھا کہ جسے شکم مادر میں ہی تاج سلطنت پہنایا جائے کیونکہ ارکان حکومت نے تاج ادریس بن ادریس کی والدہ کے شکم پر رکھ دیا تھا۔[1]

ابوالحسن عمری علوی نے ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض کی اولاد میں دو دختران : (۱) ام محمد (۲) رقیہ کا ذکر کیا ہے جبکہ عمری نے آپ کے گیارہ پسران کا ذکر کیا ہے جن میں: (۱) محمد (۲) عیسیٰ (۳) داؤد (۴) یحییٰ (۵) قاسم (۶) سلیمان (۷) عمر (۸) علی (۹) عبداللہ (۱۰) حمزہ (۱۱) عبیداللہ۔[2]

اوّل: سلیمان الباکمانی بن ادریس بن ادریس، بقول عمری کہ بقول بخاری (یعنی ابی نصر بخاری) آپ کے دوفرزند محمد اور جعفر تھے اور بقول ابی الغنائم صوفی عمری کہ یہ مغرب میں تھے۔

دوم: علی بن ادریس بن ادریس بقول عمری آپ کے دو پسران تھے۔ ایک ''امیر عمر'' جن کا ذکر اشانی نسابہ کے خط سے ملتا ہے اور وہ مخاض لجانہ میں ساکن تھے اور دوسرا فرزند ''محمد'' جو سِلہ نامی علاقہ میں فوت ہوئے اور ان کی اعقاب نہیں تھی۔

سوم: عبیداللہ بن ادریس بن ادریس، بقول عمری آپ بہت بڑے زاہد تھے اور ''فاس'' کے مقام پر فوت ہوئے اور اپ کی اولاد ''سوس الاقصیٰ'' میں تھی جن میں حکمران اور ملوک تھے۔[3]

بقول سید جمال الدین ان عنبہ حسنی کہ ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض کی اولاد آٹھ پسران سے جاری ہوئی: داؤد، حمزہ، عمر، یحییٰ، عیسیٰ الملک، عبداللہ، قاسم اور بعض نے آٹھواں فرزند ابوعبداللہ محمد تحریر کیا۔ دراصل ابن عنبہ نے صرف ان پسران کا ذکر کیا جن کی اولاد باقی رہ گئی اور عمری نے تمام کا تذکرہ کیا۔

چہارم: داؤد بن ادریس بن ادریس، بقول ابن عنبہ آپ فاس بشتانیہ اور صدفیہ کی جانب سفر میں رہے اور ان کی اولاد سے ایک جماعت وہاں مقیم ہوئی بقول موضح نسابہ کہ یہ لوگ نہر اعظم مغرب میں رہے۔

---

[1] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از سید قمر عباس اعرجی ہمدانی ص ۱۲۷، ۱۲۸
[2] درخت طوبیٰ تشجیر المجدی فی انساب الطالبین از غلام رضا جلالی ص ۱۷
[3] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۵۰، ۲۵۱

پنجم: حمزہ بن ادریس بن ادریس، بقول ابن طباطبا اور ابی الغنائم عمری اور ابی نصر بخاری سے کہ حمزہ کی اولاد تھی۔

ششم: عبداللہ بن ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض۔

بقول عمری کہ میرے استاد شیخ شرف عبیدلی نے کہا کہ ان کی اعقاب ''سوس الاقصیٰ'' کی جانب گئی اور ابن عنبہ نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ آج بھی آپ کی اولاد موجود ہے۔

ہفتم: ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض۔

بقول شریف عمری کہ ابوحسن محمد بن محمد شیخ شرف علوی حسینی کی تحریر سے ملا کہ ابی نصر بخاری نسابہ نے کہا ابن الداعی محمد بن حسن بن قاسم کی نقابت کے دفتر میں ایک شخص داخل ہوا۔ اور کہا میرا نام درج کریں میں بنی ادریس میں سے ''علوی'' ہوں اور میرا نام احمد بن ادریس بن احمد بن یحییٰ بن محمد بن ادریس ابن ادریس ہے۔ اور میری رہائش ''اندلس'' میں ہے۔ بقول عمری کہا کہ جب ابوزکریا قاضی اندلس حاضر ہوا تو اس نے ان کارد (انکار) کیا کہ اندلس میں کوئی بھی علوی ہے کتابوں میں انکی رہائش وادی حجارۃ تھی اور نسب شجرات میں ثابت ہوتا تھا اور قاضی کا قول بھی باطل نہ تھا۔[1]

جبکہ ایک نسب کا ذکر سید عبدالرزاق آل کمونہ نے اپنی کتاب منیہ الرغبین میں کیا ہے وہ اس طرح ہے:

''السید عبدالحی الکتانی الادریس حسنی فاسی بن عبدالکریم بن ابی المفاخر محمد بن عبدالواحد بن احمد بن موسیٰ بن ابی بکر بن محمد بن عبداللہ بن ہادی بن یحییٰ بن عمران بن عبدالجلیل بن یحییٰ بن محمد بن ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب۔''[2]

بقول عبدالرزاق آل کمونہ کہ عبدالحی الکتانی ادریس حسنی الفاسی ولادت ۱۳۰۲ ہجری میں ہوئی آپ عالم الفاضل اور نسابہ تھے اور انساب العرب سے واقف تھے بالخصوص انساب بنی ہاشم اور انساب ادریس اور آپ نے مختلف فنون پر کثیر کتب رقم کیں۔[3]

ہشتم: عیسیٰ الملک بن ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض، بقول شریف عمری آپ کی اولاد ''ولھاضہ''

---

[1] المجدی ص ۲۵۳

[2] منیۃ الراغبین از عبدالرزاق آل کمونہ ص ۵۰۴

[3] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از سید قمر عباس اعرجی، ص ۱۲۹

اور ''مکلایہ'' میں تھی ان میں سے القاسم کنون بن عبداللہ بن یحییٰ بن احمد بن عیسیٰ الملک المذکور جو کتاب نسب بنی عیسیٰ کے مؤلف تھے۔ سید مہدی رجائی نے آپ کی اولاد میں شرفاء دباغیون کا ذکر کیا۔

نہم: یحییٰ بن ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض، بقول عمری آپ کی اولاد صدفیہ میں تھی آپ کی اولاد سے علی ابن عبداللہ التاہرتی بن مہلب بن محمد بن یحییٰ بن ادریس بن یحییٰ المذکور تھے جن کا قتل خراسان کے علاقہ شہر یر میں ہوا۔

بقول ابوعبداللہ حسین بن محمد بن قاسم بن طباطبا جو میرے استاد تھے کہ یہ سنا ابن مرعش نقیب رے سے کہ ان کے نسب پر طعن کیا گیا اور علی بن عبداللہ تاہرتی کی اولاد مصر اور خراسان گئی۔[1]

ابن عنبہ نے یہی نسب علی بن عبداللہ تاہرتی بن مہلب بن یحییٰ بن ادریس سے لکھا اور یہ نسب محمد بن ادریس بن ادریس تک بھی لکھا گیا۔

بقول شریف مروزی کہ یہ نسب یحییٰ بن ادریس بن ادریس تک منتہیٰ ہوتا ہے اور یہ بھی زعم کیا جاتا ہے کہ یہ نسب اس طرح ہے علی بن عبداللہ بن مہلب بن محمد بن یحییٰ بن یحییٰ صاحب تاج مگر اہل نسب کے نزدیک یہ ثابت نہیں۔[2]

بقول ابن عنبہ کہ علی بن عبداللہ تاہرتی سلطان محمود غزنوی کے پاس عبیدی فاطمی حکمرانوں کا فرستادہ بن کر آیا اس وقت وہاں حسن بن طاہر بن مسلم علوی بن عبیداللہ بن طاہر بن یحییٰ نسابہ بن حسن بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدینؑ موجود تھا۔

یوں ان کا سلطان کی موجودگی میں عقائد اور نسب پر مباحثہ ہوا اور علی بن عبداللہ تاہرتی کا نسب ثابت نہ ہوا جس کی وجہ سے اسے قتل کر دیا گیا۔ لیکن وہ ظاہراً علوی ہی تھا ان کے پاس باطنیہ کی تصانیف بھی تھیں۔ واللہ اعلم[3]

بقول امام فخر الدین رازی کہ یحییٰ بن یحییٰ بن ادریس کی اولاد صرف یحییٰ سے جاری ہوئی اور ان کے تین پسران تھے: (۱) محمد (۲) القاسم عقب سوس اقصیٰ (۳) عبداللہ تاہرتی۔ آپ کے فرزند مصر سے خراسان گئے اور حاکم باللہ کی دعوت دی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ محمد بن یحییٰ بن یحییٰ کی اولاد سے تھے پھر یہ نسب

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۵۲
[2] الفخری فی انساب الطالبین ص ۱۰۱
[3] عمدہ الطالب ص ۱۴۴

اس طرح ہوجاتا ہے۔علی بن عبداللہ تاہرتی بن مہلب بن محمد بن یحییٰ۔ اور یہ ذکر ابو الغنائم نسابہ نے کیا اور ان کے نزدیک نسب ثابت تھا اور بقول ابو اسماعیل ناصر طباطبا نسابہ کہ اس میں کوئی طعن نہیں تھا۔[1]

دہم: ابو حفص عمر بن ادریس بن ادریس آپ مراکش کے شمال میں بلاد غمازہ کے حاکم تھے آپ کی وفات ۲۲۱ ہجری کو ہوئی آپ کے اعقاب میں چھ فرزند تھے: (۱) ادریس (۲) محمد (۳) علی (۴) عبداللہ (۵) موسیٰ (۶) عمران، لیکن صاحب عمدہ نے تین اعقاب تحریر کئے، ادریس، عبداللہ اور محمد۔

یازدہم القاسم بن ادریس بن ادریس۔

سید جمال الدین ابن عنبہ نے آپ کے ایک فرزند محمد کا ذکر کیا ہے اور ان محمد بن قاسم کے دو فرزند تھے: (۱) احمد بن محمد (۲) ابراہیم بن محمد۔ احمد بن محمد کی اولاد سے ابوطالب ناسک بن احمد بن عیسیٰ ابن احمد المذکور ہے اور ابراہیم بن محمد کی اولاد سے مصر میں الشیخ الشاعر الضریر صاحب الفضل حسن بن یحییٰ بن قاسم کنون بن ابراہیم المذکور تھے۔[2]

(۲۹) سید جمال الدین ابن عنبہ الحسنی الدوادی الحلی تاج النسابین

من اولاد عبداللہ بن موسیٰ الجون

آپ کا نام جمال الدین احمد تھا۔آپ کا نسب اس طرح تھا: سید جمال الدین احمد بن علی عنبہ بن حسین بن علی بن مھنا بن عنبہ اصغر بن علی عنبہ بن محمد الوارد بن یحییٰ بن عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن محمد بن داؤد الامیر بن موسیٰ الثانی بن عبداللہ الرضا بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بن امام علی المرتضیٰ علیہ السلام۔

اور آپ کا نسب کتاب فصول الفخریہ میں اس طرح رقم ہے۔ احمد بن علی بن حسین بن مھنا بن عنبہ بن معد بن عنبہ بن محمد الوارد۔[3]

بقول شیخ عباسی قمی آپ سید تاج الدین ابن معیہ کے شاگرد تھے۔ بقول سید شہاب الدین مرعشی آپ علامہ، نسابہ، فقیہ، محدث اور ادیب تھے اور بارہ سال تاج الدین ابن معیہ سے علم حاصل کیا۔آپ علمائے امامیہ میں سے تھے، لیکن بعض حضرات آپ کو علمائے زیدیہ میں شمار کرتے ہیں۔

---

[1] الشجرۃ المبارکہ ص ۳۴

[2] مدرک الطالب ص ۱۳۰

[3] فصول الفخریہ ص ۱۱۷

آپ کی زندگی میں آپ کے چند سفر بھی ملتے ہیں۔ آپ ۷۸۱ ہجری کو حج کے لئے گئے اور وہاں شریف محمد بن محمود بن احمد بن رمیثہ سے ملاقات کی پھر آپ ۷۷۶ ہجری کو فارس گئے اور اصفہان میں داخل ہوئے جہاں آپ کی ملاقات شریف نقیب شرف الدین حیدر بن محمد بن حیدر بن اسماعیل بن علی بن حسن بن علی بن شرف شاہ بن عبادہ بن ابوالفتوح بطحانی حسنی سے ہوئی۔ پھر تیمور گورگان کے عہد میں سمرقند کا سفر بھی کیا جہاں الشریف علم الدین عبداللہ بن مجد الدین محمد بن علم الدین علی نقیب بن ناصر بن محمد بن معمر الحسنی جو بنی کتیلہ سے تھے سے ملاقات ہوئی۔

۷۷۶ ہجری کو آپ ہرات میں بھی گئے جہاں قبر عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ جواد بن جعفر بن ابی طالب کی زیارت کی۔

بعض نسب کی فارس کتب میں تحریر ہے کہ آپ بلخ کے شہر مزار (مزار شریف) میں داخل ہوئے اور کہا کہ قبر کے صندوق میں تحریر ہے کہ یہ قبر امیر المومنین ابی الحسن علی بن ابی طالب بن عبیداللہ بن علی بن حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ بن حسین الاصغر بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالبؑ ہے۔ آپ کے نام اور کنیت کی وجہ سے عوام میں اشتباہ ہوا کہ یہ قبر امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ہے۔ آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں کرمان میں وفات پائی۔

سلسلہ اجازہ من علم الانساب:

(۱)......سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی عن [1]

(۲)......سید شیخ ابوعبداللہ محمد تاج الدین ابن معیہ حسنی عن

(۳)......سید علم الدین مرتضیٰ بن جلال الدین عبدالحمید بن شمس الدین فخار بن معد الموسوی عن

(۴)......فخار الاول موسوی نسابہ عن

(۵)......محمد فخار الموسوی بن ابوالغنائم محمد عن

(۶)......سید جلال الدین عبدالحمید ابن تقی حسینی زیدی عن

(۷)......ابن کلبون عباسی عن

(۸)......جعفر بنی ہاشم بن ابی الحسن عمری علوی عن

(۹)......الشریف الشیخ ابوالحسن عمری علوی۔ [1]

---

[1] مؤلف کتاب المجدی فی الانساب الطالبین

(۱۰)......شیخ شرف العبید لی۔ [1]

(۱۱)......ابوجعفر محمد معیہ نسابہ

آپ نے علم الانساب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ سادات کے انساب پر ایسی جید کتاب تحریر کی کہ جو آنے والی تمام کتابوں کی سردار ثابت ہوئی۔ جناب جمال الدین ابن عنبہ نے اس کتاب کی غرض تالیف بیان کرتے ہوئے کہا جب میں نے مختلف علاقوں کا سفر کیا ایسے افراد کو دیکھا جو علوی ہونے کے دعویدار تھے لیکن ان کے اس دعویٰ کو کوئی رد نہیں کرتا اگر چہ دعویٰ کرنے والے علویوں کے نسب سے بالکل آگاہ نہیں ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر کتاب علم الانساب کے اصول اور فروع کی وضاحت کیلئے تالیف کیا۔

ابن عنبہ نے اس کتاب کو مختلف حجموں میں تین بار تالیف کیا۔

پہلی مرتبہ مفصل اور نامنظم تھی اور احتمال ہے کہ یہ تالیف ۸۰۲ میں مکمل ہوئی اور پھر یہ کتاب امیر تیمور گورگان کو پیش کی گئی اس نسبت سے اس کو عمدۃ الطالب تیموریہ کہا جاتا ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کے آغاز میں وضاحت کی کہ کتاب حاضر اپنے استاد ابوالحسن عمری اور مختصر طور پر شیخ ابی نصر بخاری سے مطالب اخذ کئے نیز دیگر منابع سے مزید نکات کا اس میں اضافہ کیا گیا۔

اور ایک روایت کے مطابق تیمور گورگان چونکہ اہل بیت سے محبت رکھتا تھا اس لئے سادات میں خمس تقسیم کیا کرتا تھا۔ اس غرض سے روزانہ ہزاروں افراد سیادت کے دعویدار بنکر اس کے پاس خمس لینے آجاتے جن کو نسب کا علم بالکل نہ ہوتا اور نہ ہی سیادت پر کوئی ثبوت ہوتا، آخر سادات کے نسب کی پہچان کے لئے تیمور گورگان کی فرمائش پر عمدۃ الطالب کبریٰ لکھی گئی جس کو عمدۃ الطالب تیموریہ بھی کہا جاتا ہے۔

دوسری مرتبہ کتاب عمدۃ الطالب جلالی کے نام سے لکھی گئی جو کہ سید شریف جلال الدین حسن بن علی بن حسن بن علی بن حسن بن محمد بن علی بن احمد بن علی بن علی بن حسن بن حسن بن یحییٰ بن حسین بن احمد محدث بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذی عبرۃ بن زید بن امام زین العابدینؑ کے لئے لکھی گئی۔

مؤلف نے اسے ۸۱۲ کو مکمل کیا اور پہلی تالیف سے دو حصے انتخاب کئے اور انہیں ۱۳ ابواب میں تقسیم کیا اور ہر باب کو چند فصلوں پر تقسیم کیا اور شریف جلال الدین حسن کیلئے ایک مقدمے کا اضافہ کیا۔

اور تیسری مرتبہ یہ کتاب عمدۃ الطالب شمسیہ یا صغریٰ (یا مختصر بنی ہاشم) اور اس کو حاکم حویزہ کے جد سادات سلطان شریف محمد بن فلاح مشعشعی کیلِے تیار کیا گیا اور اس کی تالیف ۱۰ صفر ۸۲۷ ہجری کو مکمل ہوئی۔

---

[1] مؤلف کتاب تہذیب الانساب

سید شہاب الدین نجفی مرعشی نے ان تینوں کوعمدۃ الطالب کبریٰ ، وسطیٰ یا صغریٰ کہا ہے کتاب عمدۃ الطالب صغریٰ میں چونکہ دیگر بنی ہاشم جیسے اولاد عباس بن عبدالمطلب کا بھی ذکر ہے اس لئے کچھ محققین اسے مختصر بنی ہاشم کہتے ہیں۔

عمدۃ الطالب کا مکمل اور مفصل حجم عمدۃ الطالب جلالی ہے جس میں مؤلف نے تمام انساب آل ابی طالب پر بہترین بحث کی اور اس پر اپنے سے پہلے تمام نسابین کی رائے قلمبند کی۔ ابن عنبہ نے بالواسطہ اور بلاواسطہ بہت سے نسابین سے استفادہ کیا۔ آپ نے نقباء کی تحریریں اور نسابین کے اقوال کو یکجا کر کے قدیم زمانے کی تمام روایات کا تجزیہ کیا۔ آپ کو تاج النسابین کہا جائے تو ہرگز غلط نہ ہوگا۔

عمدۃ الطالب جلالی کو حقیقی اور جامع عمدۃ الطالب کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ بہت جامع کتاب ہے اور اس میں ہی جمال الدین ابن عنبہ کا فن عروج پر نظر آتا ہے۔

جبکہ عمدۃ الطالب شمسیہ یا صغریٰ عمدۃ الطالب کبریٰ، تیموریہ سے ہی مختصر انتخاب ہے مگر صغریٰ یا شمسیہ میں بنو ہاشم کے دیگر قبائل جیسے بنو عباس کے انساب کا بھی ذکر ہے۔

عمدۃ الطالب کے درج ذیل نسخے اہم ہیں:

(۱) نسخہ جزائریہ	(۲) نسخہ علی امیری ترکی	(۳) نسخہ مصریہ
(۴) نسخہ برطانیہ	(۵) نسخہ موریتاطانیہ	(۶) نسخہ محلاتیہ
(۷) نسخہ ابوتراب محلاتی	(۸) نسخہ مکتبہ بروجردی، ایران	(۹) نسخہ دشتکیہ
(۱۰) نسخہ باعلوی	(۱۱) نسخہ شیراز	(۱۲) نسخہ ایرانیہ
(۱۳) نسخہ حسین ابن مساعد	(۱۴) نسخہ مکتبہ آیت اللہ کاشف الغطاء	(۱۵) نسخہ امبروزیانا
(۱۶) نسخہ حمد الجاسر	(۱۷) نسخہ کتابدار بالتعلیقات	(۱۸) نسخہ مشہد الرضوی
(۱۹) نسخہ پیرس	(۲۰) نسخہ دارالوثائق مصریہ	(۲۱) نسخہ سبزواری
(۲۲) نسخہ مکتبہ لایدن	(۲۳) نسخہ برطانیہ دوم	(۲۴) نسخہ الملک عبدالعزیز

اس کے علاوہ بھی عمدۃ الطالب کے بے شمار نسخے ہیں۔

تصانیف:

(۱) عمدۃ الطالب کبریٰ (المعروف تیموریہ)

(۲) عمدۃ الطالب وسطیٰ (المعروف جلالیہ)

(۳) عمدۃ الطالب صغریٰ، جسے بعض حضرات مختصر بنی ہاشم بھی کہتے ہیں۔
(۴) فصول الفخریہ فی اصول البریہ (فارسی زبان میں طبع ہو چکی ہے)
(۵) تحفۃ الجمالیہ (فارسی زبان کی کتاب ہے)
(۶) تحفہ الطالب (مختصر عمدۃ الطالب، غیر مطبوعہ)

(۳۰) ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

بقول سید ابی الحسین یحییٰ عقیقی مدنی آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت حسین بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب تھیں۔[1]

اور آپ کی نانی ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تمیمی تھیں۔

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی کنیت ابوالحسن تھی جبکہ بقول الشریف عمری آپ کی کنیت ابو اسماعیل تھی اور آپ کو صاحب صندوق کہا جاتا ہے آپ کا لقب غمر تھا آپ کی وفات ۶۹ سال کی عمر میں ۱۴۵ ہجری کو ہوئی۔ بقول ابن خداع نسابہ مصری آپ کی عمر ۶۷ سال تھی اور آپ کی وفات کوفہ کے مرحلہ سے قبل ہوگئی تھی۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ کہا ابوالحسین یحییٰ نسابہ نے کہ ابراہیم بن حسن لوگوں میں سب سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔

یحییٰ بن علی بن یحییٰ المنجم سے منقول ہے کہ میں نے عمر بن شبہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ اولاد علی میں جس ابراہیم نے پیش قدمی کی اس کی کنیت ابوالحسن تھی۔

عیسیٰ بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حسن مثلث بن حسن مثنیٰ اپنے بھائی ابراہیم بن حسن مثنیٰ کے قریب سے گزرے تو ابراہیم اپنے اونٹ کو چارہ کھلا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حسن نے ابراہیم سے کہا عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ قید میں ہیں اور آپ کو اپنے اونٹ کو چارہ کھلانے کی پڑی ہوئی ہے۔ یہ سن کر آپ نے کہا اے لڑکے میں ان اونٹوں کو کھول دیتا ہوں پھر آپ نے اونٹوں کی رسیوں کو کھول دیا اور ان کو پیچھے سے ہانکا تو وہ سب اونٹ وہاں سے چلے گئے اور کوئی ایک اونٹ بھی باقی نہ رہا۔

ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ ربیع الاوّل کے مہینے میں ۱۴۵ ہجری میں ہاشمیہ کے مقام پر قید خانے میں دنیا سے رخصت ہوئے اور اس وقت آپ کی عمر ۶۷ برس تھی بقول ابی الفرج اصفہانی جناب حسن مثنیٰ کے صلب

---

[1] المعقبین من ولد الامام امیر المومنین ص ۶۱

سے یہ تین بیٹے قید خانے میں مارے گئے۔عبداللہ، ابراہیم غمر،حسن مثلث۔مدینہ میں ان تینوں کے علاوہ ایک اور جماعت کو بھی ان کے ہمراہ قید کیا گیا تھا۔

اولادِ ابراہیم غمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام:

بقول شریف عمری آپ کی گیارہ اولادیں تھیں جس میں: (۱) رقیہ (۲) خدیجہ (۳) فاطمہ (۴) حسنہ (۵) ام اسحاق، جبکہ آپ کے چھ فرزند تھے: (۱) یعقوب (۲) محمد الاکبر (۳) محمد الاصغر المعروف دیباج الاصغر، یہ تینوں فرزندان درج تھے۔ (۴) اسحاق (۵) علی (۶) اسماعیل دیباج الاکبر۔

اوّل: یعقوب بن ابراہیم الغمر ، بقول سید یحییٰ بن حسن مدنی عقیقی نسابہ آپ کو بنی حسن کے ساتھ ایام منصور میں قید کیا گیا اور آپ کی وفات قید خانے میں ہوئی۔

دوم: محمد الاکبر بن ابراہیم الغمر ،آپ درج تھے بقول عمری آپ کی اولاد نہ چلی۔

سوم: محمد الاصغر المعروف دیباج الاصغر، آپ کو منصور دوانقی نے قتل کیا۔

بقول نسابین کے آپ بہت خوبصورت تھے آپ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔آپ کی والدہ ام الولد تھیں جن کا نام عالیہ تھا۔ آپ کو کمال حسن کی وجہ سے دیباج الاصغر بھی کہا جاتا تھا۔ جب آپ کو منصور کے سامنے لے جایا گیا تو منصور نے کہا دیباج الاصغر تو ہے آپ نے کہا ہاں میں ہوں، منصور نے کہا خدا کی قسم! تجھ کو اس طرح ماروں گا کہ تیرے رشتہ داروں میں سے کسی کو اس طرح نہ قتل کیا ہوگا۔ پھر کہا ایک ستون تیار کیا جائے اور محمد الاصغر کو اس میں کھڑا کر دیا اور ستون بند کر دیا گیا، محمد دیباج الاصغر زندہ ہی ستون میں چنوا دیئے گئے۔[1]

چہارم: علی بن ابراہیم الغمر ، بقول ابی الغنائم صوفی عمری علوی نسابہ آپ مدنی تھے اور آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور دوسروں نے کہا آپ کی کنیت ابا قریہ تھی آپ نے جنگ فخ کو دیکھا یعنی موجود تھے اور علی بن ابراہیم الغمر کے ایک فرزند حسن تھے اور انہیں حسن المطوف بھی کہا گیا جن کی اولاد مصر کی طرف گئی بقول عمری ان کی اولاد سے حسین مطوق بن محمد بن احمد بن حسن (مطوف) الذکور تھے جس کا قتل شیمشاط میں ہوا۔

پنجم: اسحاق بن ابراہیم غمر، بقول ابی الفرج اصفہانی کہ آپ کو اہل بیت کی ایک جماعت کے ساتھ ابوجعفر منصور عباسی نے قید کر لیا اور محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم باخمریٰ ابنان عبداللہ محض کے قتل کے بعد رہا کر دیا جبکہ ذکر کیا محمد بن علی بن حمزہ نے کہ اسحاق بن ابراہیم الغمر کو قتل کر دیا گیا لیکن اول روایت درست ہے۔[2]

۱۔ احسن المقال ترجمہ منتہی الآمال از سید صفدر حسین نجفی، ج ۱ ص ۳۲۴

۲۔ مقاتل الطالبین ص ۱۲۸

بقول ابواسماعیل بن طباطبا آپ کی نسل منقرض ہوگئی۔[1]

بقول شریف عمری آپ کے اعقاب میں ایک فرزند عبداللہ جدی بن اسحاق بن ابراہیم غمر تھا اور بقول ابی الفرج اصفہانی عبداللہ جدی کی والدہ رقیہ بنت عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ تھیں آپ جنگ فخ میں حسین بن علی العابد بن حسن مثلث کے ساتھ شہید ہوئے۔[2]

بقول شریف عمری آپ کی ایک بیٹی فاطمہ بنت عبداللہ جدی تھی جن کی شادی یحییٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن مولا علی علیہ السلام سے ہوئی۔[3]

بقول بیہقی کہ عبداللہ جدی جنگ فخ میں شہید ہوئی۔[4]

ششم: اسماعیل بن ابراہیم غمر، بقول عمری آپ جنگ فخ میں موجود تھے آپ کی کنیت ابوابراہیم اور لقب دیباج الکبیر تھا۔ بقول ابی الغنائم عمری آپ شریف الخلاص تھے آپ کی والدہ مخزومیہ تھیں۔[5]

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ آپ کی والدہ ربیحہ بنت محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن ابی امیہ تھیں اور ابی امیہ کو زاد الرکب بھی کہا جاتا تھا اور یہ ابی امیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کے والد محترم تھے۔

عبداللہ بن موسیٰ سے منقول ہے کہ عبدالرحمان بن ابی الموالی زیرزمین قیدخانے میں بنوحسن کے ہمراہ قید تھے اور میں نے ان سے پوچھا زیرزمین قیدخانے میں ان لوگوں کے صبر کی کیا کیفیت تھی۔ اس نے جواب دیا انتہائی صابر اور مصائب کو تحمل سے برداشت کرنے والے تھے، جبکہ ان میں سے ایک شخص پگھلائے ہوئے سونے کی مانند تھا۔ اس کے خلاف جس قدر آگ بھڑکائی جاتی تھی اس کا اخلاص اور خالص پن (سونے کی مانند) اس قدر بڑھ جاتا تھا اور یہ اسماعیل بن ابراہیم الغمر تھے ان کو جس قدر مصائب اور مشکلات سے دوچار کیا جاتا ان کا صبر اتنا ہی بڑھ جاتا۔[6]

---

[1] منتقلہ الطالبیہ ص ۲۶۵
[2] مقاتل الطالبین، از ابی الفرج اصفہانی تحقیق سید احمد صقر، ص ۲۸۹
[3] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۵۶
[4] لباب الانساب، از ابن فندق نسابہ بیہقی، ج ۲ ص ۲۵۰، ۲۵۱
[5] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۵۷
[6] ترجمہ مقاتل الطالبین از علامہ حسن رضا باقر ص ۲۱۰

جمہور نسابین کے نزدیک ابراہیم الغمر کی اولاد صرف اسماعیل سے جاری ہوئی۔ بقول شریف عمری آپ کی تین اولادیں تھیں ایک دختر شجعیہ جن کو ام اسحاق بھی کہتے ہیں اور دو فرزند: (۱) حسن التج (۲) ابراہیم طباطبا۔ ان میں حسن بن اسماعیل بن ابراہیم الغمر کو بابن ہلالیہ کہا جاتا تھا۔

(۳۱) بنی معیہ (اعقاب حسن بن ابراہیم الغمر بن حسن المثنیٰ

آپ کی کنیت ابوعلی تھی اور بقول سید یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی آپ کی والدہ ام الکریم بنت عبدالملک بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن قرۃ بن نہیک ہلال تھیں۔[1]

آپ کا لقب ''تج'' رکھا گیا اور بعض نے یہ لقب آپ کے بیٹے حسن بن حسن کا بھی لکھا اور بعض نے دونوں حضرات کا تحریر کیا ہے۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ جنگ فخ میں موجود تھے یعنی آپ جنگ فخ کے غازیوں میں سے تھے آپ کو ہارون رشید نے ۲۰ سال قید میں رکھا۔

حتیٰ کہ مامون نے آپ کو رہا کیا آپ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ بقول عمری آپ کی اولاد میں دو فرزند تھے: (۱) علی (۲) ابومحمد حسن التج

لیکن بقول ابن عنبہ اولاد صرف ابومحمد حسن التج بن ابوعلی حسن التج بن اسماعیل دیباج سے جاری ہوئی۔

ابومحمد حسن التج بن ابوعلی حسن التج: بقول شیخ عمری آپ کی والدہ نوفلیہ ہاشمیہ تھیں۔ آپ کی ایک بیٹی اور سات بیٹے تھے جن میں: (۱) علی (۲) اسماعیل، یہ دونوں درج تھے۔ (۳) ابراہیم کی بیٹی تھی (۴) القاسم کی اعقاب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ (۵) احمد بقول ابی الغنائم عمری آپ درج تھے بعض دوسروں نے اولاد تحریر کی ہے، جبکہ کی آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۶) ابوجعفر محمد التج (۷) ابوالقاسم علی المعیہ

اول: ابوجعفر محمد بن ابومحمد حسن التج بن ابوعلی حسن التج: آپ کے دو فرزند تھے: (۱) ابوالغارات احمد (۲) ابوعبداللہ حسین بربری۔

ان میں پہلی شاخ ابوالغارات احمد بن ابوجعفر محمد کی اولاد سے ابوعبداللہ حسین زویدی بن ابراہیم بن محمد بن ابی الحسن محمد مصری بن ابی الغارات احمد المذکور تھے۔ آپ کی اولاد مصر میں بہت شان والی تھی۔

دوسری شاخ میں ابوعبداللہ حسین بربری بن ابوجعفر محمد کی اولاد سے بنو بربری تھی آپ کی اولاد مکہ اور

---

[1] المعقبین من ولد الامام امیر المومنین از یحییٰ نسابہ عقیقی مدنی ص ۶۹

شام میں رہی۔آپ کے دوفرزند تھے: (۱)علی (۲) عبداللہ المعروف جریہ، دونوں کی اولاد آل بربری کہلائی[1]

اعقاب ابوالقاسم علی المعیہ بن ابومحمد حسن التج بن حسن التج بن اسماعیل دیباج:

آپ کی والدہ معیہ تھیں بقول شریف عمری آپ کی والدہ معیہ انصاریہ تھیں اور آپ کی اولاد اس نام سے معروف ہوئی۔ بقول ابن خداع نسابہ مصری کہ ان معیہ کی اصل بغداد سے تھی۔ بقول ابن عنبہ کہ یہ خاتون معیہ بنت محمد بن حارثہ بن معاویہ بن اسحاق بن زید بن حارثہ بن عامر بن مجمع بن عطاف بن ضبیۃ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن الاوس اور یہ کوفے کی تھیں۔[2]

جبکہ نقیب تاج الدین ابن معیہ نے اپنی کئی تصانیف میں لکھا کہ یہ معیہ علی بن حسن بن حسن بن اسماعیل بن ابراہیم کی والدہ تھیں۔ بقول ابوالحسن عمری کہ علی بن ابوحسن التج بن ابوعلی حسن تج کی کنیت ابوالقاسم تھی اور بقول ابی الغنائم عمری آپ کو اُیدہ اللہ کہتے تھے اور بابن معیہ سے معروف تھے۔ بقول عمری آپ کے تین فرزند تھے: (۱)ابی طاہر حسن (۲) ابی عبداللہ حسین ، ان دونوں کی اولاد جاری ہوئی اور تیسرے فرزند: (۳) ابوجعفر محمد نسابہ صاحب مبسوط تھے جن سے شیخ شرف عبیدلی نے اخذ کیا اور بقول ان کے کہ منقرض تھے۔

بقول شیخ ابوالحسن عمری کہ شریف محدث نسابہ تھے اور آپ نے ابن عبدہ سے اخذ کیا اور آپ منقرض تھے۔ اور ابوالحسن عمری نے ابرزہ کا ذکر کیا ہے جوکہ ابوالحسن محمد بن احمد بن ابوالقاسم علی معیہ تھے۔ یوں ابوالقاسم علی المعیہ کے چار پسران کا تذکرہ ہوا لیکن اولاد اوّل دوحضرات کی جاری ہوئی۔

بقول ابن عنبہ ان حضرات میں ابی طاہر حسن بن ابوالقاسم علی معیہ کی اعقاب کوفہ میں کثیر تھیں جن میں سے سید عالم نسابہ عبدالجبار بن حسن بن محمد بن جعفر بن ابی طاہر حسن المذکور تھے، جبکہ دوسرے فرزند ابی عبداللہ حسین بن ابوالقاسم علی المعیہ کی اولاد سے ابن عنبہ کے استاد شیخ نقیب تاج الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوجعفر القاسم جلال الدین بن فخر الدین حسین بن ابوجعفر جلال الدین قاسم بن ابومنصور حسن ذکی ثالث بن ابوطالب محمد ذکی ثانی بن ابومنصور زکی اوّل بن احمد بن حسن بن ابوعبداللہ حسین قصری بن ابوطیب محمد بن ابو عبداللہ حسین فیومی بن ابی القاسم علی بن ابی عبداللہ حسین خطیب بن ابوالقاسم علی معیۃ المذکور تھے۔

بقول ابن عنبہ آپ کے پاس علومنزلت کی سندیں تھیں، میں نے بارہ سال آپ کے پاس حدیث، فقہ، حساب، انساب اور تاریخ کو پڑھا۔

---

[1] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب ص ۱۳۳

[2] عمدۃ الطالب ص ۱۴۶

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی تصانیف میں:

(۱) کتاب فی معرفت الرجال۔

(۲) نہایۃ الطالب فی نسب آل ابی طالب اور بقول ابن عنبہ میں نے اس کو بہت پڑھا۔

(۳) کتاب ثمرۃ الظاہرہ من شجرۃ الطاہرہ۔ (۴) ملک المشحون فی انساب القبائل والبطون

(۵) اخبارامم (۶) سبک الذھب فی شبک النسب

(۷) جذوۃ الزینبیہ (۸) تبدیل الاعقاب

(۹) کشف الاقباس فی نسب بنی عباس (۱۰) ابتھاج فی حساب

(۱۱) منھاج الاعمال فی ضبط الاعمال

بقول ابن عنبہ آپ لباس فتوت پہنچے تھے اور آپ کی اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں جبکہ بقول شیخ عباس قُمی آپ شیخ شہید کے استاد تھے۔ شیخ ان سے روایت کرتے تھے۔ آپ کی وفات ۸ ربیع الاوّل ۷۷۶ ہجری کو ہوئی۔

(۳۲) ابراہیم طباطبا بن اسماعیل دیباج بن ابراہیم غمر بن حسن مثنیٰ

آپ کی والدہ ام الولد تھیں بقول سید صفی الدین ابن طقطقی صاحب الاصیلی کہ شجرۃ نسب بیت رمضان المعروف بیت طقطقی میں نسابہ عبدالحمید بن فخار بن معد بن فخار الموسوی کی تحریر سے پڑھا ہے جو انہوں نے مذکورہ شجرہ نسب پر حواشی جو کہ خط عبدالحمید نسابہ الفاضل محمد بن عبدالحمید الاول سے لکھا ابراہیم جب کم سن تھے تو آپ کے والد محترم نے چاہا کہ آپ کے لئے قمیض سلوائی جائے تو آپ سے کہا تم چاہو تو تمہارے لئے قمیض سلوائی جائے ورنہ قبا بنائی جائے چونکہ ابراہیم کی زبان مخارج حروف کے نکالنے میں ابھی صاف نہ تھی تو آپ نے چاہا کہ کہیں قبا قبا تو کہا طباطبا، تو یہی لفظ آپ کا لقب ہوگیا اور اس تحریر میں رقم تھا کہ طباطبا قبطی زبان میں سید السادات کو کہتے ہیں۔[1]

لیکن نسابین کے نزدیک اوّل قول قوی ہے۔ آپ باوقار اور جلیل القدر شخصیت تھے۔ آپ نے اپنے عقائد حضرت امام علی الرضاؑ کے سامنے پیش کئے اور انہیں شک وشبہ سے پاک وصاف کیا۔[2]

---

[1] الاصیلی از ابن طقطقی ص ۱۱۵،۱۱۶

[2] احسن المقال منتھیٰ الآمال، از شیخ عباس قمی مترجم صفدر حسین نجفی ص ۳۲۵

بقول شریف عمری آپ کی دو دختران تھیں : (۱) لبابہ (۲) فاطمہ، آپ کی شادی حضرت عباس علمدارؑ کی اولاد میں کسی شخص سے ہوئی۔ بقول عمری آپ کے گیارہ فرزند تھے: (۱) جعفر (۲) ابراہیم، دونوں درج تھے۔ (۳) اسماعیل (۴) موسیٰ (۵) ہارون، ان تینوں کے اعقاب کا ذکر نہیں۔ (٦) علی، بقول عمری کہ یہ زعم تھا کہ آپ منقرض ہیں لیکن میرے والد ابوالغنائم عمری اور ابن طباطبا نسابہ کو اس کی معرفت نہیں تھی جبکہ (۷) عبداللہ (۸) محمد صاحب ابی السرایا (۹) حسن (۱۰) ابوعبداللہ احمد رئیس (۱۱) ابومحمد قاسم الرسی، آخر الذکر کی اولاد چلی، مگر آج باقی اولاد قاسم، احمد اور حسن کی ہے۔

اوّل عبداللہ بن ابراہیم طباطبا، بقول جمال الدین ابن عنبہ آپ کا ایک فرزند احمد بن عبداللہ بن ابراہیم طباطبا تھا جس نے صعید مصر میں ۲۷۰ ہجری کو خروج کیا اور ان کو احمد بن طولون نے قتل کیا یوں آپ کی اولاد ختم ہوگئی۔

دوم: محمد صاحب ابی السرایا بن ابراہیم طباطبا، آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی آپ آئمہ زیدیہ میں سے تھے۔ ابوالسرایا سری بن منصور شیبانی کے ساتھ مل کر خروج کیا اور رضا من آل محمدؐ کی دعوت دی آپ کا تذکرۃ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ بقول عمری کہ آپ کے فرزند جعفر تھے جن کے آگے دو فرزند تھے: (۱) حسین (۲) علی اطروش، ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی بقول ابی الغنائم عمری کہ آپ درج تھے یہ ایک مبسوط سے دریافت ہوا اور مجھے ابوعبداللہ حسین بن طباطبا نے بتایا آپ کی اولاد تھی جو بحر کی جانب نکل گئے پھر ان کی خبر موصول نہ ہوئی۔ جبکہ حسین بن جعفر بن محمد صاحب ابی السرایا المذکور کا ایک فرزند محمد بن حسین تھا جس نے بلاد حبشہ میں خروج کیا اور پھر اس کی خبر نہ آئی۔ جبکہ ابن عنبہ نے جعفر بن محمد المذکور کے دو فرزندوں میں حسین اور محمد کا ذکر کیا اور علی اطروش جس کا ذکر عمری نے کیا ان کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ محمد بن جعفر بن محمد صاحب ابی السرایا المذکور آپ کا لقب قائم المتوسل تھا۔ بقول ابن عنبہ آپ کو کرمان میں قتل کیا گیا اور رسولی پر چڑھایا گیا یوں چالیس روز تک لگاتار زلزلہ آتا رہا جب آپ کو سولی سے اتارا تو زلزلہ ختم ہوا۔[1]

ابراہیم طباطبا بن اسماعیل دیباج بن ابراہیم غمر کی کثیر اولاد تین پسران : ابومحمد قاسم رسی، حسن اور احمد رئیس سے جاری ہوئی۔

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۵۵

(۳۳) محمد بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل دیباج بن ابراہیم غمر

آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی آپ نے ابی السرایا بن منصور شیبانی کے ساتھ مل کر ایام مامون عباسی میں کوفہ میں خروج کیا اور اس پر غالب آگئے آپ نے خوشنودی آل محمد کی دعوت دی اور امیرالمومنین کے لقب سے معروف ہوئے۔

بقول ابی اسماعیل ابن طباطبا صاحب منتقلہ الطالبیہ کہ آپ کوفہ میں داخل ہوئے اور وہیں پر وفات پائی آپ کی والدہ ام زبیر بنت عبداللہ بن ابی بکر بن عبدالرحمان بن حرث بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم تھیں اور آپ کی اولاد میں: اسماعیل، عبداللہ، جعفر اور فاطمہ تھے اور ان کی سب کی والدہ ام جعفر بنت اسحاق بن ابراہیم بن جعفر بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن زہرہ بن عبدعوف بن حرث بن زہرۃ بن کلاب تھیں اور محمد بن ابراہیم طباطبا کی نسل منقرض ہوگئی ہے[1]

جبکہ ابن عنبہ اور عمری نے صرف ایک فرزند جعفر کا ذکر کیا ہے۔

بقول ابن ابی الحدید معتزلی کہ آپ عابد فقیہ اور اہل بیت میں عظیم القدر تھے اور زیدیہ کے مابین بھی صاحب منزلت تھے۔[2]

اس سلسلے میں ابی الفرج اصفہانی نے نصر بن مزاحم کی روایات پر اعتماد کیا کہ راویوں نے بیان کیا کہ نصر بن شبیب جو حجاج کے ہمراہ حج کیلئے آیا جب کہ وہ شیعیت کا دعویٰ دار تھا اور جزیرہ میں رہا کرتا تھا جب یہ مدینے آیا تو اس نے اہل بیت کے خاندان کے زندہ بچ جانے والی نمایاں شخصیات کے متعلق دریافت کیا تو ان کے سامنے تین شخصیات کا تذکرہ کیا گیا جو درج ذیل ہے:

(۱) علی الصالح بن عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدینؑ
(۲) عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن المثنیٰ بن امام حسن المجتبیٰؑ
(۳) محمد بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل دیباج بن ابراہیم غمر بن حسن المثنیٰؑ

ان حضرات میں علی الصالح بن عبیداللہ الاعرج ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے ان کے پاس کوئی نہیں جاسکتا تھا اور یہ کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے۔ عبداللہ بن موسیٰ الجون حکومت کو

---

[1] منتقلہ الطالبیہ، ص ۲۶۶
[2] شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید ج ۱۵ ص ۲۸۸

مطلوب تھے اسلئے حکومت ہر وقت ان کی تلاش میں ان کے پیچھے لگی رہتی اور آپ اس ڈر کی وجہ سے کسی کو نہیں ملتے تھے جبکہ محمد بن ابراہیم طباطبا لوگوں سے میل جول رکھتے اور ان سے حکومت کے خلاف قیام کرنے کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔

نصر بن شبیب ان کے پاس آیا اور ان کو ان کے خاندان کے شہداء کی شہادت اور لوگوں نے خاندان اہل بیت کے جو حقوق غصب کئے تھے وہ یاد دلائے نصر ابن شبیب نے کہا ان تمام حالات و واقعات کے بعد آپ کب اس ذلت و رسوائی کو کچل ڈالیں گے اور اپنے شیعوں کو اپنے گرد جمع کر کے اپنے حقوق کو ان ظالموں سے چھین لیں گے۔ جب اس حوالے سے بہت گفتگو ہوئی تو محمد بن ابراہیم طباطبا نے اس کی دعوت پر لبیک کہا اور اس سے ''جزیرہ'' میں ملاقات کا وعدہ کیا جب تمام حجاج واپس چلئے گئے تو محمد بن ابراہیم طباطبا اپنے اصحاب اور شیعان کے ہمراہ جزیرہ چلے گئے۔ نصر بن شبیب نے اپنے خاندان اور قبیلے کے افراد کو ان کے پاس اکٹھا کرنے کے بعد ان لوگوں کو محمد بن ابراہیم کی بیعت اور ان کا ساتھ دینے کی پیش کش کی تو انکے قبیلے کے بعض افراد نے حامی بھر لی اور بعض نے انکار کر دیا۔ یوں اختلاف طویل ہوا تو یہ لوگ ڈنڈوں اور جوتوں سے باہم لڑنے لگے۔ اس کے بعد نصر بن شبیب کے چچا زاد نے اس سے کہا اگر تم نے ان (محمد بن ابراہیم طباطبا) کے ہمراہ خروج کیا تو حاکم تم کو ہرگز نہیں چھوڑے گا اور اگر محمد بن ابراہیم طبا طبا کامیاب ہوگئے تو تم ان کے ساتھیوں میں غیر معروف ہوگے، اپنے خاندان والوں کو کسی ایسے امر میں الجھانے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا اس شہر کے لوگ آل ابی طالب کے دشمن ہیں آج اطاعت کر بھی لی تو کل تمہیں دشمنوں میں چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔ غرض اس شخص نے نصر بن شبیب کی رائے کو تبدیل کر دیا پھر نصر بن شبیب نے محمد بن ابراہیم طباطبا سے معذرت کر لی کہ ان لوگوں کو آپ پر اختلاف ہے، اور یہ لوگ اہل بیت سے دور ہیں۔ اگر مجھے ان کا علم ہوتا تو نصرت کا وعدہ نہ کرتا۔ پھر نصر نے اشارہ کیا کہ محمد بن ابراہیم کو کچھ مال دے دیا جائے تا کہ ان پانچ ہزار دینار کے ذریعے خود کو مزید مضبوط کریں۔

نصر کی باتیں سن کر محمد بن ابراہیم غصے کی حالت میں وہاں سے چل پڑے۔ جب واپس حجاز آ رہے تھے تو راستے میں بنو ربیعہ بن ذھل بن شیبان کے ایک شخص ابو سرایا سری سے ملاقات ہوئی یہ خلیفہ مامون الرشید کا بہت بڑا مخالف تھا۔ ابو سرایا کا عقیدہ مولا علی کے پیروکاروں والا تھا۔

آپ پکے شیعہ تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ شہروں سے ہٹ کر بستیوں میں رہائش رکھتے تھے۔
محمد بن ابراہیم طباطبا نے ابو سریا سری کو اپنی بیعت کی دعوت دی تو انہوں نے لبیک کہا اور محمد اس سے خوش

ہوئے اور کہا تم فرات کی طرف نکل جاؤ یہاں تک کہ میں کوفہ کے باہر پہنچ جاؤں تو تم بھی کوفہ پہنچ جانا اور پھر ہماری تم سے کوفہ میں ملاقات ہوگی۔

ابو سرایا نے ایسا ہی کیا محمد بن ابراہیم بھی کوفہ پہنچ گئے اور لوگوں کے حالات دریافت کرتے اپنی انقلابی تحریک کی تیاریاں کرتے رہے، حتیٰ کہ آپ کے گرد کافی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔

ابو السرایا اپنے وعدے کے مطابق دریا کے راستے کوفہ پہنچ گئے۔ ابو السرایا دریا کے راستے کوفہ کی جانب آئے اور گھڑ سواروں کے ہمراہ عین التمر پہنچے جبکہ ان کے ساتھیوں میں کوئی پیادہ نہ تھا وہ نہرین کے راستے ہوتے ہوئے نینوا پہنچے اور وہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے اور پھر کوفہ میں آئے۔

ابوسرایا نے جس دن محمد بن ابراہیم سے کوفہ میں ملنے کا وعدہ کیا تھا اسی دن محمد بن ابراہیم طباطبا نے خروج کر دیا اور کوفہ کے باہر ظاہر ہوئے۔

اس وقت کوفہ کے باہر آپ کے ہمراہ علی الصالح بن عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدین اور کوفہ کے دیگر لوگ بکثرت بکھرے پڑے تھے لیکن یہ لوگ منظم اور طاقت ور نہ تھے جبکہ ان کے ہاتھوں میں چھڑیاں، چھریاں اور اینٹیں تھیں۔

جب کافی دیر تک ابوسرایا کا انتظار کرتے رہے اور دور دور تک اس کا کوئی نشان نظر نہ آیا تو بعض کوفی انہیں گالیاں دینے لگے اور محمد بن ابراہیم طباطبا کو ابوسرایا کی مدد طلب کرنے پر ملامت کرنے لگے۔ اتنے میں ابوسرایا نمودار ہو گئے اس کے بعد محمد کوفہ شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں کو خوشنودی آل محمد کی دعوت دینے لگے۔

تو لوگوں کی کثیر تعداد نے ان کی بیعت کرنی شروع کر دی اور جس مقام پر آپ کی بیعت کا انعقاد ہوا تھا۔ وہ قصر الفرتین کے نام سے معروف ہوئی۔ سعید بن خثیم بن معمر سے منقول ہے کہ میں نے زید بن امام زین العابدین کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ ہمارے خاندان سے ایک شخص کی ۱۰ جمادی الاول ۱۹۹ ہجری کو قصر الفرتین کے مقام پر لوگ بیعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے فرشتوں پر فخر و مباہات کرے گا۔ اسی قسم کی روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔ محمد بن ابراہیم طباطبا نے فضل بن عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس اپنا قاصد بھیجا تا کہ اسے میری بیعت کی طرف بلائے اور ان سے اسلحہ اور طاقت میں مدد طلب کرے لیکن فضل بن عباس کوفہ سے نکل چکا تھا اور اس کے گھر کے گرد ایک خندق تھی جس میں غلام اسلحہ لیئے جنگ کے لئے تیار کھڑے ہیں۔

محمد بن ابراہیم نے ابوسرایا کو بھیجا اور جنگ میں پہل نہ کرنے کی تاکید کی جب ابوسرایا فضل کے گھر آئے تو آگے سے تیر برسائے گئے۔ ابوسرایا یہ ماجرا محمد کو سنانے آئے اور دوبارہ اذن جنگ لے کر ان پر حملہ کیا اور انہیں شکست دے دی۔ اور اپنے ساتھیوں کو تاکید کی کہ فضل کے گھر سے کچھ بھی نہ لوٹا جائے۔

ادھر فضل بن عباس کوفہ سے فرار ہوکر سیدھا حسن بن سہل (والئ عراق) کے پاس گیا اور اسے اپنی ذلت کی کہانی سنائی۔ اس پر حسن بن سہل نے زہیر بن مسیب کو کئی افراد اور مال دے کر رخصت کیا اور کہا اسی وقت ابوسرایا کی طرف کوچ کرے اور یہاں سے سیدھا کوفہ جائے اور راستے میں کہیں قیام نہ کرے۔ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ ان دنوں محمد بن ابراہیم طباطبا بیمار تھے اور اس بیماری کے سبب وفات پا گئے۔

جبکہ محمد ابن جریر طبری اپنی کتاب تاریخ طبری میں بیان کرتا ہے کہ خود ابوسرایا نے ہی محمد بن ابراہیم طباطبا کو زہر دی جس کی وجہ یہ تھی کہ جب محمد ابن ابراہیم طباطبا نے زہیر کی فروگاہ پر قبضہ کیا تو انہوں نے ابوسرایا کو اس میں دخل وتصرف کی قطعی ممانعت کر دی۔ تمام فوج محمد کی مطیع تھی اس طرزِ عمل سے ابوسرایا پر یہ بات واضح ہوگئی کہ محمد بن ابراہیم کے ہوتے ہوئے اسے کچھ بھی اختیار حاصل نہیں۔ اس لئے اس نے محمد بن ابراہیم طباطبا کو زہر دے دیا۔

بقول ابی الفرج اصفہانی زہیر بن مسیب چلتے ہوئے قصر ابن ھبیرہ پہنچا اور وہاں قیام کیا۔ ادھر سے ابوسرایا بھی چلا اور سوق اسد نامی مقام پر ان سے نبرد آزما ہوا۔ اور اس جنگ میں ابوسرایا کو کامیابی حاصل ہوئی مگر یہ جس حصے کو شکست ہوئی فوج کا اگلا حصہ تھا جس کی نمائندگی زہیر بن مسیب کا بیٹا ازہر بن زہیر کر رہا تھا۔

دوسری طرف زہیر بن مسیب قصر ابن ھبیرہ سے چلتا ہوا قنطرہ نامی مقام پر پہنچا اور ادھر سے ابوسرایا بھی پہنچا اور لشکر کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔ اہل بغداد کوفیوں کو غلیظ گالیاں دے رہے تھے کہ ہم تمہاری عورتوں سے یہ اور یہ کریں گے۔ اس کے بعد جب ابوسرایا نے حملہ کیا اور اس حملے کے نتیجے میں زہیر بن مسیب کا لشکر پسپا ہوا اور بھاگ گیا۔ ابوسرایا نے ان کا شاہی نامی مقام تک تعاقب کیا۔

اس معرکے میں کوفیوں کو بے شمار مال غنیمت ملا۔ اس کے بعد حسن بن سہل نے عبدوس بن عبدالصمد کو بلایا اور لشکر دے کر کوفہ بھیجا اس کو بھی شکست ہوئی۔

اس کے بعد ابوسرایا محمد بن ابراہیم طباطبا کے پاس آیا جو اس وقت سخت بیمار تھے اور اپنی جان خدا کے سپرد کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ انہوں نے ابوسرایا کو اس بات پر ملامت کیا کہ عبدوس کے لشکر پر یوں شب خون کیوں مارا۔

جب ابوسرایا نے آپ کے چہرے پر موت کے آثار دیکھے تو کہا اے فرزند رسولؐ ہر زندہ نے مرنا ہے لہٰذا آپ اپنی وصیت فرمادیں تو محمد بن ابراہیم نے فرمایا۔ خدا سے ڈرو اور اپنے دین کی حفاظت کرو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کی نصرت کرنا۔ اور اولاد علی بن ابی طالبؑ میں سے نیک اور صالح شخص کو میرا نائب مقرر کرنا۔ اگر اس حوالے سے لوگوں میں اختلاف ہو تو علی الصالح بن عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدینؑ کو یہ ذمہ داری سونپنا اور وہی میرے جانشین ہوں گے کیونکہ میں نے انہیں آزما رکھا ہے اور میں ان کے دین سے راضی اور خوش ہوں۔

پھر محمد وفات پاگئے تو ابوسرایا نے اس خبر کو چھپائے رکھا اور رات کے وقت زیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ باہر نکالا اور ان کو ''غسری'' کے مقام پر دفن کیا۔

دوسرے دن تمام لوگوں کو ان کی وصیت سنائی گئی جس میں ان کی نیابت کا علی الصالح بن عبیداللہ اعرج کو سپرد کرنے کا بھی کہا گیا تھا۔

لیکن علی الصالح نے کہا کہ میں خود کو اس منصب کے لائق نہیں سمجھتا اور ابوسرایا سے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے تو اس منصب کیلئے محمد بن محمد بن زید شہید بن امام زین العابدین کی بیعت کی جائے؟

ابوسرایا نے کہا میں آپ کی رضا میں راضی ہوں لہٰذا اس تحریک کے صدر محمد بن محمد بن زید بن امام زین العابدینؑ منتخب ہوئے جو کہ ابھی بالکل جوان ہوئے تھے اور مختلف شہروں کے نگران مقرر کئے گئے۔

اسماعیل بن علی بن اسماعیل بن جعفر کو کوفہ میں اپنا نائب مقرر کیا گیا۔ روح بن حجاج کو سپائیوں کا انچارج مقرر کیا گیا۔ عامر بن عامر کو قاضی مقرر کیا گیا۔ نصر بن مزاحم کو سوق کا والی بنایا گیا۔ ابراہیم بن امام موسیٰ کاظمؑ کو یمن کا گورنر بنایا گیا۔ زید بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اہواز کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس شرط پر کہ جب وہ ان کے زیرنگین آجائے، حسین بن حسن کو مکہ کا گورنر نامزد کیا۔

جعفر بن محمد بن زید بن امام سجاد علیہ السلام اور حسین بن ابراہیم بن حسن بن علی کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ دونوں واسط کو زیرنگین کرنے کے بعد اس کے گورنر اور کلیدی عہدے پر متعین ہوں گے پھر یہ سب اپنے اپنے علاقوں کی طرف نکل گئے۔

حسین بن حسن افطس بن علی بن امام زین العابدین علیہ السلام کو کسی نے مکہ کی گورنری سے نہیں روکا اور انہوں نے اسی سال ۱۹۹ ہجری کو بیت اللہ کا حج بھی ادا کیا۔

ابراہیم بن امام موسیٰ کاظمؑ کو مختصر سے معرکے کے بعد یمن کے لوگوں نے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری

کا یقین دلایا جو ان کے درمیان رونما ہوا تھا۔

جعفر بن محمد بن زید بن امام سجاد اور حسین بن ابراہیم بن حسن بن علی کے متعلق جب واسط کے گورنر (عباسی گورنر) نصر بجلی کو اطلاع ملی تو وہ ان کے مقابلے پر آیا اور گھمسان کی جنگ ہوئی۔ لیکن دونوں نے استقامت سے مقابلہ کیا اور نصر بجلی کو شکست دے کر واسط میں داخل ہو گئے اور خراج جمع کرنا شروع کیا۔ عباس بن محمد بن عیسیٰ بن محمد بن علی زینبی بن عبداللہ بن جعفر طیار جو بصرہ کے گورنر نامزد تھے علی بن جعفر الصادق علیہ السلام کے ہمراہ بصرہ کی طرف چل پڑے اور زید بن امام موسیٰ کاظمؑ جو اہواز کے گورنر بن کر عازم سفر تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ آ ملے۔ انہوں نے مل کر حسن بن علی المعروف مامونی (مامون عباسی کی جانب سے بصرہ کا گورنر تھا) کا سامنا کیا اور اس سے جنگ کر کے اسے شکست سے دوچار کیا اور اسکے لشکر کو اپنے قبضے میں لے کر اپنے ماتحت کر لیا۔ زید بن امام موسیٰ کاظمؑ نے بصرہ میں موجود بنو عباس کے گھروں کو آگ لگا دی۔ جس کی وجہ سے ان کا لقب زید النار پڑ گیا۔

یوں محمد بن محمد بن زید بن امام زین العابدین کو ہر طرف سے فتوحات کا خبریں موصول ہونے لگیں۔ اُدھر حسن بن سہل نے ہرثمہ بن عین کو کثیر فوج دے کر ابوسرایا کے مقابلے پر بھیجا۔ اس وقت ابوسرایا قصر ابن ھبیرہ میں موجود تھے۔ محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ کو مدائن کی گورنری کا پروانہ دیا گیا۔ اور ان کے ہمراہ عباس طبطبی اور مسیب بھی تھے۔ یہ لوگ بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مدائن روانہ ہوئے اور ان کا سامنا حسین بن علی المعروف ابوالبط (عباسی گورنر) سے ہوا۔ ان دونوں لشکروں میں سخت جنگ ہوئی اور محمد بن اسماعیل کو کامیابی ہوئی تو انہوں نے مدائن پر اپنا تسلط جما لیا۔

ادھر ہرثمہ بن عین نے حیلہ کر کے کوفے کے لوگوں کو جنگ سے پیچھے دھکیل دیا اور عین اس وقت جب ابوسرایا ان پر غلبہ حاصل کرنے کے قریب تھا۔ ہرثمہ نے ان کو مناظرے کی پیشکش کی جس کو سن کر کوفیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لئے۔ اور ہرثمہ بن عین بچ نکلا۔ ادھر جمعہ کے روز ابوسرایا نے جمعہ کے خطبہ میں کوفیوں کو سرزنش کیا۔ تو ایک جماعت نے ان سے بحث کی دوسری طرف ہرثمہ بن عین کو مضبوط ہونے کا وقت مل گیا اور کوفہ والوں کے درمیان جنگ کے معاملے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

آخر ابوسرایا محمد بن محمد بن زید علوی کے ہمراہ کوفے سے نکل کر قادسیہ گئے اور تین دِن بعد قادسیہ سے فقان روانہ ہو گئے۔ کوفہ میں ہرثمہ بن عین نے غسان بن فرج کو گورنر مقرر کیا۔ اور یوں ابوسرایا بصرہ کی طرف گیا وہاں معلوم ہوا کہ بصرہ پر بھی عباسیوں کا غلبہ حاصل ہو گیا ہے پھر واسط میں بھی ایسا ہی ہوا۔ پھر اہواز کی

جانب رخ کیا اور سوس کے مقام تک جا پہنچے۔ تو وہاں پر آپ کے لئے شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے اور جب آپ نے بلند آواز میں کہا کہ دروازہ کھولو تو دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں کے عامل حسن بن علی مامونی نے کہا کہ میں آپ سے جنگ نہیں کرنا چاہتا لہٰذا آپ کا جہاں جی چاہے وہاں چلا جایئے۔ لیکن ابوسرایا نے جنگ پر اصرار کیا تو دونوں لشکروں میں شدید لڑائی ہوئی۔

محمد بن محمد بن زید بن امام سجادؑ کی سرکردگی میں زیدیوں اور علویوں نے خوب استقامت کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے کچھ افراد مارے گئے۔ سوس کے لوگ ان پر حملہ آور ہونے کے لئے ان کے پیچھے سے آئے تو ابوسرایا کا غلام ان سے لڑائی کے لئے ان کی طرف پیچھے مُڑا تو ان کے ساتھیوں نے یہ سمجھا کہ انہیں پسپائی ہوئی ہے۔ اس لئے پیچھے ہٹ رہے ہیں اور یوں ان کے ساتھی بھی پسپا ہو گئے۔ پھر مامونی کے ساتھیوں نے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ رات کی تاریکی چھا گئی اور یہ لوگ منتشر ہو گئے اور ان کی سواریاں جدا ہو گئیں۔ ابوسرایا سوس سے نکل کر خراسان کی طرف نکل گئے اور ایک گاؤں ''برقانا'' میں پڑاؤ ڈالا یہاں کی ذمہ داری عباسیوں کی طرف سے حماد الکندغوش کی تھی جب اسے ابوسرایا کے متعلق خبر ملی تو حماد الکندغوش نے ایک شرط پر امان دی کہ انہیں حسن بن سہل کے پاس بھیج دے گا۔

یوں حسن بن سہل نے محمد بن محمد بن زید کو مامون رشید کے پاس خراسان روانہ کیا جس نے آپ کو زہر دے دی۔ اور ابوسرایا کی گردن تن سے جدا کری۔ اور ان کے غلام ابوالشوک کو بھی قتل کر دیا گیا۔

اولاد محمد بن ابراہیم طباطبا:

بقول شیخ عمری آپ کے فرزند جعفر تھے اور ان کے دو فرزند: (۱) حسین اور (۲) علی اطروش جن کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ بقول ابوالغنائم عمری یہ درج تھے جو مجھے ایک مبسوط سے دریافت ہوا اور مجھے ابی عبداللہ حسین بن طباطبا نے بتایا کہ ان کی اولاد تھی جو بحر کی جانب گئی اور پھر ان کی خبر موصول نہ ہوئی۔ جبکہ حسین بن جعفر بن محمد المذکور کا ایک فرزند محمد جس نے بلاد حبشہ میں خروج کیا اور اس کی خبر نہ آئی۔[1]

جبکہ ابن عنبہ نے جعفر بن محمد المذکور کے دو فرزندوں میں (۱) حسین اور (۲) محمد کا ذکر کیا ہے۔ اور علی اطروش جس کا ذکر عمری نے کیا۔ اور محمد بن جعفر بن محمد المذکور کا لقب قائم التوسل تھا بقول ابن عنبہ آپ کو کرمان میں قتل کیا گیا اور سولی پر چڑھا دیا گیا۔ تو چالیس دین مسلسل زلزلہ آتا رہا جب آپ کو سولی سے اتارا گیا

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۶۰، ۲۶۱

تو زلزلہ ختم ہوا[1]

آپ کی اولاد منقرض ہوگئی۔

(۳۴) ابومحمد قاسم الرسی بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل دیباج بن ابراہیم الغمر

بقول عمری آپ کی کنیت ابومحمد تھی آپ عفیف زاہد اور وصی من آل محمدؐ کی دعوت دیتے تھے اور بقول ابن عنبہ آپ رضا (خوشنودی) من آل محمدؐ کی دعوت دیتے تھے۔ آپ صاحب التصانیف تھے آپ کا تفصیلی ذکر کتاب خلائق الوردیہ فی احوال آئمہ زیدیہ میں ہوا ہے۔

آپ نے ۷۷ سال کی عمر میں بمطابق ۲۴۶ ہجری کو جبل الرس میں وفات پائی۔ آپ کی والدہ ہند بن عبدالمالک بن سہل بن مسلم بن عبدالرحمان بن عمر بن سہل بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسان بن عامر بن حسان بن لوی تھیں۔ آپ کی پیدائش ۱۶۹ھ میں ہوئی۔

آپ کا لقب ترجمان الدین تھا۔ آپ کی تربیت آپ کے خاندان کے عالم ترین افراد کے درمیان ہوئی۔ آپ نے جبل الرس جو مدینہ کے قریب ایک پہاڑ ہی پر رہائش اختیار کی یوں آپ ''رسی'' مشہور ہو گئے۔

بقول قلقشندی کہ جب آپ کے بھائی محمد بن ابراہیم طباطبا نے ابوسرایا کے ساتھ مل کر خروج کیا تو خلیفہ مامون رشید نے آپ کو اپنے پاس طلب کیا لیکن آپ ھند چلے گئے آپ نے ۲۴۵ ہجری کو وفات پائی اور آپ کے فرزند ابوعبداللہ حسین یمن میں آئے۔[2]

اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ کے پیروکاروں نے آپ کی ۲۲۰ ہجری کو بیعت کی بقول مقریزی کہ محمد بن ابراہیم طباطبا کی وفات کے بعد زیدیہ کی امامت ان کے بھائی ابومحمد قاسم رسی کے سپرد ہوئی تا کہ زیدیہ میں کوئی اختلاف نہ ہو۔[3]

آپ کو زیدیوں کی مابین خاص مقام حاصل تھا کیونکہ آپ سے قبل زیدیہ میں سے یمن میں کوئی امام اور بادشاہ نہیں تھا (یعنی آپ کی اولاد میں زیدی امام اور یمن کے بادشاہ شروع ہوئے) دوسرا آپ کے فقہی آراء اور افکار سرزمین یمن میں زیدی مذہب کے لئے بہت موثر ثابت ہوئیں۔ اور زیدی مسلک یمن میں آپ

---

[1] عمدۃ الطالب ص ۱۵۵

[2] صبح الاعشیٰ از قلقشندی ج ۵ ص ۴۷ طبع قاہرہ، مصر

[3] اتعاظ الحنفاء ج ۱ ص ۱۲ طبع قاہرہ، مصر

کی افکار سے خوب پھیلا اس بنیاد پر یمن کے زیدیوں کو ''قاسمیہ'' کہا جانے لگا۔[1]

آپ کے پیروکار یمن کے باہر بھی بہت ہو گئے جن کے بنیاد آپ کی تعلیمات پر تھیں اور انہیں نے زیدی مسلک ہر جگہ پھیلایا۔ آپ کے کچھ بیٹے اور پوتے مصر میں بھی تبلیغ کرنے کے لئے گئے۔ آپ کے پیروکاروں میں جعفر بن محمد نیروسی بھی تھا جس کا تعلق نیروس سے تھا نیروس قدیم دیلمان میں واقع تھا۔ اس نے ''رویان اور کلار'' میں زیدی مسلک کی تبلیغ کی اور گیلان میں ''اسلام'' کے پھیلاؤ کیلئے راہ ہموار کی۔[2]

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ قاسم الرسی ''معتزلی'' تھے مگر یہ بات ثابت نہیں ہوتی آپ مسلکاً زیدی آئمہ تھے۔

ابو محمد قاسم الرس نے فقہ کلام اور تاریخ میں بہت کچھ لکھا جن میں دلیل علی اللہ الکبیر، صفہ العرش والکرسی وتفسیرھما، الھجر ۃ العدل والتوحید ونفی الجبر والتشبیہ، الدلیل الصغیر، مسالہ الطبر یسین، امامہ، المستر شد، سیاسہ النفس، القتل والقتال، المدیح الکبیر، للقرآن المبین، المداح الصغیر، الناسخ والمنسوخ، الرد علی الزندیق اللعین بن المقفع، الرد علی الملحد، الرد علی الروافض من اصحاب الغلو، الرد النصاری۔[3]

آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد، ابراہیم طباطبا بن اسماعیل، ابوبکر بن ادریس مدنی ابوسہل سعد بن سعید مقبری کے نام ملتے ہیں۔ جبکہ آپ کے شاگردوں میں، محمد بن منصور مرادی، عبداللہ یحییٰ قومسی علوی، محمد بن موسیٰ خوارزمی اور ابوعبداللہ فارسی مشہور تھے۔

ابو محمد قاسم الرسی کے گرد تب لوگ جمع ہونے شروع ہوئے جب ان کے بھائی محمد بن ابراہیم طباطبا کی کوفہ میں شہادت ہوئی اور مدینہ اور یمن کے اکثر لوگ ان سے آ ملے اور عباسیوں کے خلاف ہو گئے اور آخر لوگوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہنا شروع کر دیا۔ آپ زیدی فقہ کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ایک ہیں۔

اولاد ابو محمد قاسم الرسی بن ابراہیم طباطبا:

آپ کی گیارہ دختران تھیں: (۱) رقیہ (۲) مریم (۳) خدیجہ (۴) صفیہ (۵) ام سلمہ (۶) زینب (۷) حسنہ (۸) دلیلہ (۹) اسماء (۱۰) حمدونہ (۱۱) ام کلثوم

ابوالحسن عمری نسابہ علوی نے آپ کے گیارہ فرزند تحریر کئے ہیں جن میں: (۱) یحییٰ، رملہ کی طرف گئے ان کی اعقاب وہیں تھی۔ (۲) اسحاق سید مدنی، ان کی اولاد منقرض ہوگئی۔ (۳) ابراہیم کی مثال بھی ایسی ہی

---

[1] الفہرست از محمد بن اسحاق المعروف ابن ندیم ج ۱ ص ۲۷۴ بیروت، لبنان
[2] تاریخ ایران از اسلام تا سلاجقہ ج ۴ ص ۱۷۹
[3] تاریخ الادب عربی از بروکلمان ج ۳ ص ۳۲۷، ترجمہ عبدالحلیم نجار طبع قاہرہ، مصر

تھی۔ (۴) داوَد کی بیٹی تھی۔ (۵) موسیٰ کی قبر مصر میں ہے۔ (۶) حسن (۷) اسماعیل (۸) سلیمان (۹) محمد (۱۰) حسین الرسی (۱۱) ابراہیم ہے[۱]

ابومحمد قاسم الرسی کے اعقاب میں عمری اور ابن عنبہ کی روایات میں کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے ہم ابن عنبہ اور ابن طقطقی کی روایات کو تحریر کریں گے ابن طقطقی کا تعلق تو اس خانوادے سے تھا۔

بقول ابن طقطقی ابومحمد قاسم الرسی کے وہ فرزندان جن کی اولاد چلی ان میں: (۱) اسماعیل (۲) محمد (۳) حسین رسی (۴) سلیمان (۵) یحییٰ عالم الرئیس (۶) حسن (۷) موسیٰ (۸) ابراہیم تھے، جبکہ جمال الدین بن عنبہ نے ان میں سے ابراہیم کا ذکر صاحب اعقاب حضرات میں نہیں کیا اور عمری نے بھی ان کو منقرض کی طرح لکھا ہے۔

اوّل حسن بن قاسم الرسی:

بقول ابن طقطقی آپ کی اولاد تین پسران سے چلی: (۱) قاسم الجمال (۲) محمد (۳) محمد رئیس مدینہ۔ جبکہ جمال الدین ابن عنبہ نے صرف دو فرزند محمد اور ابراہیم کے نام تحریر کئے اور طقطقی کے بقول تیسرے فرزند قاسم الجمال کو ابراہیم بن حسن بن قاسم رسی کا فرزند تحریر کیا۔

بقول ابن طقطقی کہ محمد رئیس مدینہ بن حسن بن قاسم الرسی کی اولاد سے علیان بن محسن بن عبداللہ بن محمد المذکور تھے بقول جمال الدین ابن عنبہ کہ ان کا مزار عبیداللہ بن علی بن ابی طالب کے مزار میں ہے۔

بقول ابن عنبہ ابراہیم بن حسن بن قاسم الرسی کی اولاد سے دو فرزند: (۱) محمد (۲) قاسم الجمال۔ ان میں سے قاسم الجمال بن ابراہیم کے چار فرزند تھے: (۱) ابی خلاط علی المعروف معمر (۲) محمد (۳) ابراہیم (۴) حسین ہے[۲]

دوم: اسماعیل بن قاسم الرسی:

بقول جمال الدین ابن عنبہ آپ کی اعقاب ایک فرزند ابی عبداللہ محمد شعرانی سے جاری ہوئی جو کہ مصر میں نقیب الطالبین تھے۔

بقول ابن عنبہ آپ کے اعقاب میں سات فرزند تھے: (۱) ابی محمد عیسیٰ (۲) ابی محمد القاسم (۳) ابی الحسین یحییٰ (۴) ابوالحسن علی (۵) ابومحمد جعفر (۶) ابوالقاسم احمد (۷) ابوابراہیم اسماعیل

۱۔ المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۲۶۴ تا ۲۶۶

۲۔ عمدۃ الطالب ص ۱۵۷

سوم: ابوعبداللہ محمد بن قاسم الرسی:

بقول طقطقی کہ کہا عمری نسابہ نے آپ کی اولاد جبل رس اور حجاز میں رہی اور جو دنیا کے مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے ان کی اولاد سے بنی طقطقی تھی[1]

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابومحمد قاسم رئیس (۲) ابراہیم (۳) ابو محمد عبداللہ الشیخ المعروف مسجد ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت محمد بن جعفر صحصح بن عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر بن امام سجاد علیہ السلام تھیں، جبکہ الفخری فی انساب الطالبین میں ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت جعفر بن عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام سجاد علیہ السلام تحریر ہیں۔

چہارم سلیمان بن ابومحمد قاسم الرسی:

بقول ابن عنبہ آپکی تین اعقاب سے اولاد چلی: (۱) علی الفارس (۲) ابراہیم (۳) موسس قتیل صنعاء۔

پنجم یحییٰ بن ابومحمد قاسم الرسی:

آپ رملہ کی طرف گئے اور آپ کی اعقاب وہی تھیں۔

ششم موسیٰ بن ابومحمد قاسم الرسی:

ابن عنبہ نے آپ کے اعقاب کا ذکر نہیں کیا مگر بقول عمری نسابہ آپ کی اولاد سے ابوالقاسم علی بابن قرعہ یا بابن بنت قرعہ بن محمد شاعر بن موسیٰ المذکور تھے۔

ہفتم ابوعبداللہ حسین بن قاسم الرسی:

بقول ابن طقطقی و ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) عبداللہ (۲) یحییٰ ہادی (آپ کا تذکرہ آئندہ صفحات میں ہوگا)

جن میں عبداللہ بن حسین بن قاسم الرسی بقول ابن طقطقی آپ کو ابومحمد العالم المدینہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت حسن بن محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام تھیں۔ اور آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) اسحاق (۲) یحییٰ، ان میں یحییٰ بن عبداللہ بن حسین بن قاسم کی نسل سے الشریف الشیخ نسابہ عالم سید رضی الدین حسن مدنی بن قتادہ بن مزروع بن علی بن مالک بن احمد بن حمزہ نفس ذکیہ

---

[1] الاصیلی فی انساب الطالبین از ابن طقطقی ص ۱۱۸

بن حسن بن عبدالرحمان بن یحییٰ المذکور تھے۔[1]

بقول ابن طقطقی آپ مشہد غروی میں امام صلاۃ تھے۔ سید زاہد فاضل مقری مجود تھے۔[2]

(۳۵) بنی طقطقی

من اعقاب ابوعبداللہ محمد بن قاسم الرسی بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل الدیباج بن ابراہیم غمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

بقول ابن طقطقی کہ ابوعبداللہ محمد بن قاسم الرسی عالم اور سید جلیل تھے اور بقول عمری آپ کی نسل جبل الرس اور حجاز میں بڑی تعداد میں ہیں۔

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابومحمد قاسم الرئیس (۲) ابراہیم (۳) ابومحمد عبداللہ الشیخ المعروف مسجد۔ ان حضرات کی والدہ فاطمہ بنت محمد بن جعفر صحصح بن عبداللہ عقیقی بن حسین الاصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔ جبکہ بقول شریف عز الدین مروزی ان کی والدہ فاطمہ بنت جعفر بن عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدین تھیں۔[3]

اوّل عبداللہ بن محمد بن قاسم الرسی:

بقول ابوالحسن عمری عبداللہ بن ابوعبداللہ محمد بن قاسم الرسی کے ایک فرزند علی الشاعر تھے اور ان کے دو فرزند تھے: (۱) قاسم، جو امام زیدیہ تھے اور یمن میں انہوں نے قیام کیا اور ان کا ایک فرزند حسین بن قاسم تھا جس نے اپنے والد کے بعد قیام کیا۔ (۲) برکات بن علی الشاعر، آپ نے دیلم میں اپنے لئے بیعت طلب کی جس کا پہلے اہل دیلم نے انکار کیا اور بعد میں اعتراف کرلیا۔

دوم قاسم بن ابوعبداللہ محمد بن قاسم الرسی:

عمری نے ان کے اعقاب میں دو پسران: (۱) جعفر (۲) احمد کا ذکر کیا ہے جبکہ ابن طقطقی نے تیسرے فرزند (۳) علی کا ذکر بھی کیا اور بقول ابن عنبہ کہ قاسم بن ابوعبداللہ محمد کے آٹھ فرزند تھے لیکن ابن عنبہ نے صرف علی بن قاسم کی اولاد کا ذکر کیا جن سے بنی طقطقی تھی۔

---

[1] عمدۃ الطالب ص ۱۶۰

[2] الاصیلی از ابن طقطقی ص ۱۲۰

[3] الفخری فی انساب الطالبین از سید ابوطالب عز الدین مروزی، ص ۱۰۳، نشر مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی، قم، ایران

ان میں احمد بن قاسم بن ابوعبداللہ محمد کی اولاد سے بقول شریف عمری ان کے چار پسران تھے:
(۱)مبشر صالح (۲) برکات (۳) کتیم (۴) ابراہیم۔
پھر جعفر بن قاسم بن ابوعبداللہ محمد کی اولاد سے ابوالحسین محمد واسطی (جو کہ امامی شیعہ تھے) بن حسن بن جعفر المذکور تھے۔
جبکہ تیسرے فرزند علی بن قاسم بن ابوعبداللہ محمد کی اولاد سے بقول طقطقی حسن بن رمضان بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ بن علی المذکور تھے جو کہ صاحب خیر تھے ان کی والدہ امیرہ بنت طقطقی عامیہ تھیں جن کی طرف اس گھر کی عرفیت منسوب ہوئی ہے[1]
جبکہ ابن عنبہ نے اس نسب کو اس طرح لکھا ہے بنو رمضان بن علی بن عبداللہ بن مفرج بن موسیٰ بن علی المذکور۔
اور اس رمضان بن علی کے دو فرزند تھے: (۱) محمد (۲) حسن ہے[2]
اوّل محمد بن رمضان بقول ابن عنبہ آپ کا ایک فرزند نقیب النقباء تاج الدین علی بابن طقطقی تھے۔[3]
اور دوم حسن بن رمضان کی اولاد سے شمس الدین علی بن حسن تھے۔ جن کی والدہ بنی امام حسن علیہ السلام سے تھیں آپ ولی بلاد حلہ اور کوفہ تھے آپ کے فرزند تاج الدین علی تھے، آپ کے بارے میں سید شہاب الدین نجفی مرعشی تحریر کرتے ہیں کہ آپ علامہ نسابہ ولی نقابہ العلویین نجف کربلا اور حلہ تھے اور انہوں نے نسب پر کتاب بھی تحریر کی اور بقول عبدالرزاق شیبانی المعروف بابن فوطی فی کتاب حوادث جامعہ ۶۷۲ ہجری میں آپ کا قتل بغداد میں ہوا آپ پر تلواروں سے حملہ کیا اور آپ شہید ہو گئے۔[4]
اور آپ کا خاندان کا نام بنی طقطقی: امیرۃ بنت طقطقی سے پڑا بقول ابن طقطقی یہ حسن بن رمضان کی والدہ تھیں اور سید مہدی رجائی نے علی بن حسن بن رمضان کی والدہ امیرۃ بنت طقطقی لکھی ہے اور ابن عنبہ نے تاج الدین علی بن محمد بن رمضان کو بابن طقطقی تحریر کیا ہے۔ جبکہ احتمال یہ بھی ہے کہ تاج الدین علی بن محمد بن رمضان المذکور جن کو ابن عنبہ نے بابن طقطقی لکھا ہے یہی تاج الدین علی بن علی بن رمضان ہوں ان تاج

---

[1] الاصیلی از ابن طقطقی ص ۱۱۸
[2] المعقبون من آل ابی طالب از سید مہدی رجائی، ج ا ص ۲۸۵
[3] عمدۃ الطالب ص ۱۶۱
[4] مقدمہ کتاب اصیلی فی انساب الطالبین از صفی الدین بابن طقطقی، ص ۶، نشر مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی، قم، ایران

الدین علی بن شمس الدین علی بن حسن بن رمضان کے دوفرزند تھے: (۱) ابوجعفر محمد جس کی والدہ عامیہ تھیں اور ولی نقابۃ حلہ والمشاہد اپنے والد کے بعد مقرر ہوئے[۱]

اور دوسرے فرزند سید صفی الدین محمد المعروف ابن طقطقی تھے جونسابہ مؤرخ محقق عالم فاضل تھے۔

سید صفی الدین محمد المعروف ابن طقطقی بن تاج الدین علی:

آپ کی پیدائش موصل میں ہوئی۔ آپ کی والدہ علویہ موسویہ تھیں جو بنی موسیٰ بن معد بن رافع الموسوی سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ بہت بلند پایہ کے عالم فاضل، نسابہ، مؤرخ اور سیاسی مفکر تھے۔ آپ کی پیدائش ۶۶۰ ہجری۔ ۱۲۶۲ عیسوی کو ہوئی۔ آپ کی انساب پر کتاب الاصیلی فی انساب الطالبین ہے جو بہترین کتاب ہے جبکہ سیاسیات پر آپ کی شہرۂ آفاق کتاب ''الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ'' کی، آر اے نکلٹسن نے بے حد تعریف کی ہے۔ ابن طقطقی نے اپنی اس کتاب کا نام والئ موصل فخر الدولہ ابی محمد عیسیٰ بن ھبۃ اللہ نصرانی کے نام پر رکھا۔ مجمع الآداب میں تحریر ہے کہ فخر الدولہ ابی محمد عیسیٰ خود سلطان الاعظم غازان محمود کے ایام میں موصل کے والی مقرر تھے۔ اپنی تحریر میں ابن طقطقی ،قرآن حکیم، احادیث، آثار صحابہ، سے جابجا حوالے لیتے ہیں اور جابجا برمحل اشعار بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اوغدائی خان (چنگیز کا بیٹا) ایرانی بادشاہ اردشیر، سکندر اعظم نوشیروان عادل کے عاقل وزیر بزرجمہر کے خیالات کا بھی معترف ہے۔

ابن طقطقی اپنی تحریروں میں ذاتی عقائد کو آڑے آنے نہیں دیتے۔ وہ کامل بادشاہ کو الملک الفاضل کہتے ہیں اور اس میں ایجابی اور سلبی اوصاف گنواتے ہیں۔ ایجابی اوصاف میں عقل عدل وعلم، خوف الٰہی، عفوودرگزر، سخاوت، جاہ وجلال، تدبیر اور ایفائے عہد شامل ہیں جبکہ عجلت، غصہ، بے زاری اور نفرت کا نہ ہونا سلبی اوصاف ہیں۔

ان کے مطابق خلیفہ کو لامحدود اختیارات نہیں دینے چاہئیں، وہ اس کے فرائض میں دارالحکومت کی حفاظت، سرحدوں کی نگہبانی، سرحدی چوکیوں کا قیام، راستوں کے شرپسندوں کی بیخ کنی، کمزوروں کی دستگیری، حلم اور بردباری گنواتے ہیں۔ شہروں پر قرض ہے کہ وہ حاکم کی اطاعت کریں اور اس کی غیبت نہ کریں۔ ابن طقطقی بادشاہ کو امور سیاست کی انجام دہی میں مشاورت کا پابند کرتے ہیں۔ ابن طقطقی ،نظم ونسق کی پانچ اقسام گنواتے ہیں: (۱) تدبیر (۲) منزل (۳) دیہی نظام شہری نظام (۴) فوجی نظام (۵) ملکی نظام۔ وہ سزائے

---

[۱] الاصیلی ص ۱۱۹

موت اور آگ میں ڈلوانے کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ وہ سزا کے ذریعے مجرم کی اصلاح کے خواہاں ہیں۔

ابن طقطقی کا خیال ہے کہ دفاع فوج کے ساتھ ساتھ مفسدین کی سرکوبی کیلئے بھی ضروری ہے اور سربراہ ریاست کے جاہ وجلال میں اضافہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ابن طقطقی کے مطابق دشمن کی خلاف کاروائی صرف اس وقت کی جائے جب کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو۔ فوجیوں کی تنخواہیں نہ بہت زیادہ ہوں نہ بہت کم ہوں۔ ابن طقطقی سزاء کے انتخاب میں بے حد احتیاط برتنے کی تاکید کرتے ہیں۔ سفراء عاقل، دیانتدار اور خوشحال ہوں۔[1]

اس کے علاوہ آپ کی کتاب الاصیلی فی انساب الطالبین علم الانساب ہر بہت بلند پایہ تصنیف ہے جو کہ تشجیری شکل میں ہے، جس میں بنی ہاشم خاص کر اولاد ابی طالب اور سادات بنی فاطمہ کے نسب کا بہت مفصل بیان ہے۔

ابن طقطقی کے مشائخ میں درج ذیل اشخاص کا نام ملتا ہے:

(۱) جمال الدین ابوالحسن علی بن محمد الدستجردانی الوزیر رتبہ سلطان غازان فی دیوان ممالک جس کو سلطان غازان کے حکم سے سنہ ۶۹۶ ہجری میں قتل کر دیا گیا۔

(۲) ظہیر الدین ابوالحسن علی بن محمد بن محمود الگارزدنی المتوی ۶۹۷ ہجری

(۳) علامہ الفقیہ یحییٰ بن سعید الحلی المتوفی سنہ ۶۹۰ ہجری

(۴) فخر الدین علی بن یوسف البوقی المتوفی ۷۰۷ ہجری

(۵) السید اسماعیل کیا المتوفی سنہ ۷۰۰ ہجری

(۶) علامہ علی بن عباس اربلی صاحب کشف الغمہ

(۷) سید شریف عبدالکریم بن طاوؤس حلی المتوفی سنہ ۶۹۳ ہجری

(۸) سید شرف الدین ابوجعفر بن محمد بن تمام بن علی بن تمام عبیدلی

(۹) شریف علی بن احمد عبیدلی

(۱۰) ابو طالب شمس الدین محمد بن عبدالحمید

(۱۱) نجم الدین محمد بن محمد بن لکتبی

(۱۲) تاج الدین نقیب علی بن عبدالحمید حسنی

---

[1] اہم سیاسی مفکرین از محمد صدیق قریشی ص ۳۳۳ تا ۳۳۵، مقتدرہ قومی زبان پاکستان سال ۲۰۰۲ء

(۱۳) صفی الدین عبدالمومن بن فاخر ارموی

(۱۴) امیر فخر الدین بُغدی بن قشتر

(۱۵) فلک الدین محمد بن ایدمر

(۱۶) نصر میلسی حبشی

(۱۷) شرف الدین ابوالقاسم علی علقمی

(۱۸) کمال الدین احمد بن ضحاک المتوفی سنہ ۶۹۳ ہجری

(۱۹) نجم الدین حمزہ بن ثوبہ بن حقریش علوی عبیدلی

(۲۰) عزالدین زید ثانی بن ابی نمی حسنی

(۲۱) ابراہیم زرکشی

(۲۲) محمد بن حسن بن ابوعلی رازی

(۲۳) ابوالفضل عبدالرزاق بن احمد شیبانی المعروف بابن فوطی متوفی سنہ ۷۲۳ ہجری

تلامذہ وشاگردان میں درج ذیل افراد تھے:

(۱) عزالدین ابوجعفر حسن بن احمد بن ابی منصور جسراوی ادیب

(۲) عزی الدین ابوعبداللہ حسین محمد بن حابس حلبی مقری

(۳) عزالدین ابوالفضل عبدالعزیز بن جمعہ بن زید الموصلی

(۴) عزالدین ابوالفضل یونس بن یحییٰ بن عبداللہ خالدی نیلی خطیب

(۵) شرف الدین محمد بن عبیداللہ بن حسن عبیدلی

(۶) ابوالفضل عبدالرزاق بن احمد شیبانی المعروف بابن فوطی متوفی ۷۲۳ ہجری

ابن فوطی نے آپ سے اخذ کیا اور آپ نے ان سے بھی اخذ کیا۔

ابن طقطقی کی تالیفات میں:

(۱) الاصیلی فی الانساب الطالبین

(۲) الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ (آپ کی شہرۂ آفات کتاب)

(۳) تجارت السلف

(۴) منیہ الفضلاء فی تاریخ الخلفاء والوزراء

(۵) کتاب التاریخ ، جو آپ نے عزالدین عبدالعزیز بن شیخ الاسلام جمال الدین ابراہیم بن محمد بن سعدی الطیبی الکوفی کیلئے تحریر کی۔

(۶) کتاب الغایات [1]

اس کے علاوہ ابن طقطقی بہت بلند پایہ شاعر بھی تھے جو آپ کے شعر اعلیٰ ادبی معیار کا خزانہ ہیں جو آپ کی تالیفات کے علاوہ دوسروں کی کتابوں میں بھی مل جاتے ہیں۔

آپ نے اپنی زندگی میں کچھ سفر بھی کئے جن میں شیراز، بغداد، حلہ، مراغہ، فراہان، برزآباد، رے اور قم کے نام معروف ہیں۔

آپ کی وفات ۷۰۹ ہجری کو ہوئی اور بعض کے مطابق ۷۰۶ ہجری کو ہوئی۔

(۳۶) سید یحییٰ ہادی بن ابوعبداللہ حسین بن ابومحمد قاسم الرسی بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل الدیباج بن ابراہیم غمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسن مجتبیٰ السبط علیہ السلام

آپ کی والدہ فاطمہ بنت حسن بن محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن المثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام تھیں۔ آپ کا لقب ''ہادی الی الحق'' تھا آپ بنی ہادی کی جد ہیں۔ بقول ابن عنبہ آپ السید جلیل فارس مصنف وشاعر تھے۔ اور آئمہ زیدیہ میں سے تھے آپ نے ۲۸۰ ہجری میں المعتضد باللہ عباسی کے زمانے میں یمن میں خروج کیا اور ہادی الی حق کے لقب سے شہرت پائی۔ آپ خود جہاد کرتے اور صوف کا جبہ پہنتے آپ نے فقہ میں بڑی ضخیم تصانیف کی ہیں جو مذہب حنیفہ کے قریب ہیں۔ آپ نے سنہ ۲۹۸ ہجری کو یمن میں وفات پائی۔ آپ کی اولاد سے زیدیہ مذہب کے امام اور یمن کے بادشاہ گزرے ہیں [2]

آپ نے یمن میں سادات طباطبا کی حکومت کی بنیاد رکھی جو ۲۸۴ ہجری سے ۱۰۰۶ ہجری تک قائم رہی یہ دور یمن میں خوشحالی اور علمی ترقی کا دور شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد سے کئی شخصیات نے یمن پر حکومت کی۔ اس دور میں یمن میں مذہب زیدیہ کی باقاعدہ تدوین ہوئی۔ اس دور کا علمی کام فرقہ زیدیہ کی اساس ہے۔

---

[1] مقدمہ کتاب الاصیلی از سید مہدی رجائی ص ۱۱ تا ۲۳، نشر قم، ایران

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از ابن عنبہ ص ۱۵۸، ۱۵۹

بقول مسعودی یحییٰ ہادی بن حسین بن قاسم الرسی کی وفات صعدۃ میں ہوئی جو یمن میں واقع ہے اور یہ سنہ ۲۷۸ میں ہوئی۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے حسن بن یحییٰ نے قیام کیا[1]

لیکن ابن عنبہ نے وفات کا سن ۲۹۸ ہجری لکھا ہے اور اس وقت آپ ۷۸ سال کے تھے۔

بقول ابن طقطقی آپ الفقیہ الجلیل القدر امام زیدیہ تھے اور آپ نے یمن میں خروج کیا یہ زمانہ المعتضد کا تھا۔ آپ صعدہ جو یمن میں ایک مقام ہے کے حاکم تھے۔ آپ نے خوشنودی آل محمد کی دعوت دی۔[2]

بقول عاصمی آپ کی پیدائش سن ۲۴۵ ہجری میں جبل الرس میں ہوئی اور آپ نے بلاد یمن میں صعدہ کے مقام پر ۲۸۰ میں خروج کیا۔ تاریخ خزرجی میں مرقوم ہے کہ آپ نے ۲۸۴ ہجری کو قیام کیا اور محرم ۲۸۸ ہجری کو صنعاء میں داخل ہوئے اس وقت خلیفہ معتضد عباسی کی حکومت تھی آپ کے گرد قبیلہ ہمدان اور عرب کے دیگر قبائل جمع ہو گئے پھر صنعاء سے نکل کر صعدہ پر غالب آ گئے۔[3]

آپ زیدیہ کے اوّل امام تھے جنہوں نے یمن پر حکومت کی۔ آل رسی کی حکومت جو ۲۸۰ ہجری میں قائم ہوئی ۱۷۶۲ عیسوی تک اس کے اثرات باقی رہے۔ اور یہ لوگ ہادیہ زیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یحییٰ الہادی نے اپنے دادا قاسم الرسی کی تعلیمات کو ہی بنیاد بنا کر تبلیغ شروع کی۔ علم الکلام میں ان کے نظریات عراقی معتزلہ کے قریب تھے۔ ۸۹۳ عیسوی یحییٰ حجاز سے یمن آئے تا کہ یمن میں زیدیہ فرقے کی بنیاد اور مرکز بنا سکیں ان کے خیال سے وہ مذہب سے خرافات کو ختم کر کے اسے اصلی شکل میں نمایاں کریں گے۔

یحییٰ الہادی کی پہلی کوشش ۸۹۳ عیسوی میں یہ تھی کہ وہ امام کے طور پر پہچانے جائیں۔ وہ پہلے عشرفہ نامی جگہ جو صنعاء کے قریب پہنچے لیکن مجبوری میں وہ واپس آ گئے کیونکہ لوگوں نے ان کی حمایت نہ کی یا درست استقبال نہ مل سکا۔ اس کے تین سال بعد ۸۹۶ عیسوی میں صعدہ اور خولان کے قبائلی سرداروں نے آپ کو دعوت دی۔ تا کہ آپ شمالی یمن میں آئیں اور ان لوگوں کو کچھ مسائل کے حل نکال دیں۔ ۸۹۷ میں یحییٰ الہادی اپنے چچا محمد بن حسین بن قاسم الرسی اور اپنے کچھ رشتہ داروں کے ساتھ صعدہ کے علاقے میں پہنچے جہاں پر ان کی امامت کو تسلیم کیا گیا اس دوران الہادی الحق کے لقب سے مشہور ہو گئے۔[4]

---

[1] مروج الذہب ج ۳ ص ۲۱۶، الکوکب المشرقہ از مہدی رجائی ج ۳ ص ۲۵۰

[2] الاصیلی از ابن طقطقی ص ۱۱۹

[3] کواکب المشرقہ از سید مہدی رجائی، ج ۳ ص ۶۵۱

[4] Tasseron Landu 2010 P. 424

مصادر کی رو سے آپ بہت ذہین ، نیک اور جسمانی طور پر بہت مضبوط تھے۔آپ نے نجران کے علاقے میں ایک مرکز بنایا اور قبائلی گروہوں کے ساتھ شمالی یمن میں خود کو قائم کیا اور وہاں سے مذہبی قوانین کے مطابق ٹیکس وصول کیا۔

اس دوران کوئی با قاعدہ نظام رائج نہ تھا زیدیہ فرقہ کی حکومت کی کوئی حقیقی ساخت نہ بنی۔زیدیہ امام کو قبائلی سرداروں کی صرف حمایت ہی حاصل ہوتی تھی لیکن امام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرتے رہے۔ زیدیہ گروہ کے مقاصد میں یہ تھا کہ صنعاء شہر پر حکومت کرسکیں۔

صنعاء کا حاکم ابی العتاھیہ خود ''یعفر یین'' کی حرکات سے تنگ آچکا تھا۔اس لئے اس نے ۸۹۹ کو یحییٰ الہادی کو دعوت دی اور ان کو تسلیم کیا اور ان کو امامت کے منصب پر قبول کیا۔یحییٰ الہادی نے ۹۰۱ عیسوی میں خطبے میں اپنا نام جاری کیا اور سکے پر ان کا با قاعدہ نام لکھا گیا۔

اس دوران ان علاقوں میں جنگ کا امکان پیدا ہوگیا اور یحییٰ الہادی اور یعفری عبدالقاہر کے درمیان جنگ شروع ہوگئی اس دوران یحییٰ ہادی کی صحت کمزور تھی اور ان کو قبائلی سرداروں کی حمایت بھی خاص نہ تھی تو یحییٰ ہادی صنعاء سے واپس صعدہ میں آ گئے۔

اگلے سال ہی صنعاء میں ایک نیا معرکہ پیش آیا جس میں یحییٰ ہادی کا ایک فرزند بنو یعفر کی قید میں آ گیا۔

۹۰۶ میں اسد جو یعفری حاکم تھا نے فاطمیوں کے خلاف احتجاج کیا اور کوشش کی کہ یحییٰ ہادی کے ساتھ معاہدہ کیا جا سکے مگر کامیاب نہ ہوا۔لہٰذا صنعاء شہر فاطمیوں کے پاس آیا اور فاطمی کمانڈر علی بن فضل قرامطی حمیری نے شہر کو اپنے قبضے میں کیا اور تہامہ اور جنوب پر تسلط قائم کیا۔لیکن علی بن فضل قرامطی حمیری نے بعد میں فاطمیوں سے بھی منہ پھیر لیا اور اسلام سے بھی منحرف ہوگیا۔

۹۱۰ ہجری میں یحییٰ ہادی نے دوبارہ یمن پر تسلط قائم کرنے کی کوشش کی اور اپنے جرنیلوں اور سپاہ کے ساتھ کوشش کی کہ شہر میں داخل ہوں انہوں نے شہر میں کسی مزاحمت کے بغیر گشت کیا لیکن جلد یہ سب بنو یعفر کیلئے چھوڑ دیا۔اس سے اگلے سال امام یحییٰ الہادی صعدہ میں وفات پا گئے اور کچھ لوگ کہتے ہیں ان کو زہر دی گئی۔

آپ کا مزار مسجد الہادی صعدہ میں بنایا گیا جس کا نام ان کی وفات کے بعد مسجد الہادی رکھا گیا اور یہ یمن کی قدیم تعمیرات میں سے ایک ہے۔

اور یحییٰ الہادی کے بعد ان کے فرزند محمد مرتضیٰ نے امامت کو سنبھالا۔

البتہ یحییٰ الہادی ایک بہت بڑے حکمران نہ بن سکے مگر زیدی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا اور زیدیہ کا مستقل مسکن یمن میں قرار پا گیا۔ اور انہیں زیدیوں نے یمن میں اسلام کو پھیلایا۔ یحییٰ نے ستر کے قریب جنگوں میں حصہ لیا۔ یہ اس قدر قوی تھے کہ دھات سے بنے سکے پر بھی مہر کو اپنی انگلیوں سے مٹا دیتے تھے۔ وہ حقیقی اسلام کو عوام میں اجاگر کرنے کے خواہاں تھے۔ وہ خود کہتے تھے کہ میں نے لوگوں کی اصلاح کی اور خدا کی کتاب کا حقیقی معانی لوگوں تک پہنچایا تاکہ وہ گمراہ نہ ہوں اور سنت کو بھی دوبارہ قائم کیا۔ یحییٰ الہادی کی مذہبی تعلیمات بہت سخت تھیں۔

آپ کی اولاد میں یمن کے بادشاہ اور امام ہو گزرے ہیں۔[1]

اولاد یحییٰ الہادی بن حسین بن قاسم الرسی:

بقول ابوالحسن عمری آپ کے تین فرزند تھے: (۱) ابو محمد حسن فیلی القتیل (۲) ابوالقاسم محمد مرتضیٰ (۳) ابوالحسین احمد الناصر۔

اوّل ابو محمد حسن الفیلی:

آپ کا لقب صعدۃ میں جبل الفیل کی وجہ سے فیلی مشہور ہوا بقول شیخ ابوالحسن عمری ان کی اولاد کا سلسلہ لمبا نہ ہوا۔ اور آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔ آپ کا قتل نجران میں ہوا۔

دوم ابو القاسم محمد القائم الملقب مرتضیٰ:

بقول عمری آپ صاحب جلالت تھے اور آپ کی اولاد یمن اور خوزستان میں تھی۔ آپ اپنے والد کے بعد حکمران ہوئے۔ بقول ابن عنبہ آپ کی اعقاب میں ایک جماعت تھی جس میں: (۱) علی (۲) ابراہیم (۳) حسن تج اور بقول ابن طباطبا (۴) حسین بھی تھے۔

ان میں حسن التج بن ابوالقاسم محمد مرتضیٰ کا ایک فرزند ابوعبداللہ یحییٰ تھا۔ اور ان کی اولاد میں دو فرزند: (۱) ابوالعساف محمد (۲) ابو ہاشم حسن تھے۔

ابوالعساف محمد کی اولاد آل ابی العساف سے معروف تھی اور یہ اصفہان میں چھٹی صدی ہجری تک موجود تھے۔ پھر ابو ہاشم حسن بن یحییٰ بن حسن التج کی اولاد میں: (۱) داعی نسابہ (۲) رضی (۳) عبداللہ (۴) علی تھے، ان حضرات کی اولاد ساریہ، خوزستان اور رے میں گئی۔

---

[1] حدائق الودریہ فی مناقب آئمہ الزیدیہ ج ۲

سوم ابوالحسین احمد الناصر بن یحییٰ الہادی:

بقول ابن عنبہ آپ اکابرین آئمہ زیدیہ میں سے تھے جمع الفضائل اور کثیر المحاسن تھے آپ کی وفات ۳۲۴ہجری کو ہوئی۔

بقول عمری آپ کی پانچ دختران تھیں: (۱) فاطمہ صالحہ (۲) زینب (۳) خدیجہ (۴) کلثم (۵) فاطمہ صغریٰ اور پسران میں: (۱) شعیب درج تھا، (۲) ابومحمد عبداللہ کی اعقاب میں دختر تھی۔

(۳) ابوالقاسم محمد بقول عمری آپ پر شراب نوشی کی حد جاری کی گئی اور آپ کے فرزند تین: ابوالسرایا احمد لقب شریف الدولہ، ابی تراب علی اور داؤد تھے۔

(۴) ابوالفضل رشید بن احمد الناصر آپ کی اولاد حلب کو گئی۔

(۵) ابا عبداللہ حسین بن احمد الناصر آپ محدث اور عالم تھے منتقلہ الطالبیہ میں آپ کا لقب منتخب الدین اللہ تحریر ہے لیکن بعض جگہ یہ لقب آپ کے بھائی حسن کا تھا۔ بقول عمری آپ کی اولاد یمن میں تھی۔

(۶) ابوالخطمش ابراہیم بن احمد الناصر آپ کو الخل کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں آپ کی کنیت ابوالخطمس تھی آپ بہت بہادر تھے، آپ کی اولاد مصر میں گئی۔

(۷) ابوالقاسم محمد مہدی بن احمد الناصر آپ کی والدہ زینب بنت ابی القاسم عبداللہ بن محمد بن جعفر بن عبدالرحمان شجری بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسنؑ تھیں۔ آپ کی اولاد حلب اور مصر میں تھی۔

(۸) اسماعیل بن احمد الناصر بقول عمری آپ کی اولاد میں: (۱) ابوالحسن (۲) ابویعلی تھے۔ آپ کی اولاد خورستان میں گئی۔

بنگال میں موجود علاقہ مرشد آباد کا ایک خاندان آپ کی طرف شجرہ روایت کرتا ہے۔

(۹) ابوالحمد داؤد بن احمد الناصر آپ کا ایک فرزند ابومحمد قاضی مخل تھا آپ خوزستان میں داخل ہوئے اور آپ کی اولاد وہاں ہوئی۔

(۱۰) ابوالحسین یحییٰ بن احمد الناصر الملقب منصور بقول عمری آپ کا فرزند علی الجراب تھا جس کی اولاد بغداد میں تھی۔

(۱۱) قاسم بن احمد الناصر، آپ کا ایک فرزند ابوالفضل جعفر تھا۔

(۱۲) حسن بن احمد الناصر بقول ابن عنبہ آپ نے اپنے والد کے بعد حکومت سنبھالی۔ آپ امیر صعدہ تھے۔ آپ کا لقب منتجب الدین تھا۔

(۱۳) ابومحمد قاسم المختار، آپ کی والدہ رقیہ بنت ابراہیم بن محمد بن قاسم الرسی تھیں، آپ آئمہ زیدیہ میں سے تھے۔ بقول عمری آپ کی گیارہ اولادیں تھیں جن میں: (۱) ملیحا (۲) عبداللہ زاہد (۳) یحییٰ (۴) حسین (۵) اسماعیل (۶) علی (۷) جعفر (۸) یوسف (۹) سلیمان (۱۰) احمد اور (۱۱) محمد منتصر تھے۔

(۳۷) حسن المثلث بن حسن المثنیٰ بن امام حسن السبط علیہ السلام

آپ کا نام حسن لقب مثلث اور کنیت ابوعلی تھی مثلث آپ کو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ امام حسن علیہ السلام کے بعد حسن مثنیٰ اور پھر آپ لگا تار حسن نامی فرد ہیں۔ یعنی تیسرے حسن آپ کی والدہ فاطمہ بنت امام حسین بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھیں۔ آپ خدا کی بندگی کرنے والے عالم فاضل شخص تھے۔ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں مذہب زیدیہ کی طرف گئے۔ آپ کی ولادت ۷۷ ہجری کو ہوئی جب عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کو قید کرلیا گیا تو آپ کے بھائی حسن مثلث بن حسن مثنیٰ نے قسم کھائی کہ جب تک عبداللہ محض قید میں ہیں وہ نہ تو سر میں تیل لگائیں گے اور نہ آنکھ میں سرمہ ڈالیں گے، نہ نرم ملائم لباس پہنیں گے اور نہ ہی لذیذ کھانا کھائیں گے۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کی شہادت کے بعد آپ کے غم سے تسلیت پانے کی خاطر حسن مثلث بن حسن مثنیٰ نے اپنی داڑھی کو خضاب کرنا چھوڑ دیا۔

اور جب منصور ان سے اس کے متعلق دریافت کرتا تو جواب دیتے کہ یہ میں نے کوئی کفر نہیں کیا۔ حسن مثلث نے منزل ذی الائل کے مقام پر قیام کیا تو مدینہ کا حصار کرلیا گیا۔ اس وقت عبداللہ محض قید خانے میں تھے اور وہاں سے آزاد نہیں ہوئے تھے ان دنوں حسن مثلث سخت کھردرا لباس پہنتے تو منصور عباسی ان کو ''الحاذ'' کہتا تھا۔ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ آپ نے ذیقعدہ ۱۴۵ ہجری کو ہاشمیہ کے مقام پر ابوجعفر منصور کے قید خانے میں وفات پائی اس وقت اپ کی عمر ۶۸ سال تھی۔[۱]

آپ کی زوجہ عائشہ بنت طلحہ بن محمد بن عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عائشہ بنت طلحہ جواد بن عبیداللہ بن معمر اور ام عبداللہ بنت عامر بن بشر بن عامر بن ملاعب الاسنہ تھیں۔

ابن حبان نے آپ کو اتباع التابعین میں شمار کیا ہے اور بقول عمری کہ آپ نے اپنے والد حسن المثنیٰ ابن امام حسن علیہ السلام سے روایت کی اس کے علاوہ اپنی والدہ فاطمہ بنت الحسینؑ سے بھی روایت کی اور خود حسن

---

[۱] اقتباس از مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی

المثلث سے عبید بن وسیم الجمال، عمر بن شبیب مسلی اور فضیل بن مرذوق نے روایت کی۔

بقول شیخ طوسی آپ اصحاب امام محمد الباقرؑ میں سے تھے اور فرمایا کہ حسن المثلث، مدنی تابعی تھے، آپ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے اور اپنی والدہ فاطمہ بنت الحسینؑ سے بھی روایت کی۔

محمد ابن جریر طبری کے بقول کہ جب بنی حسن ہاشمیہ کے قید خانے میں قید تھے تو سب سے پہلے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کا انتقال ہوا اور حسن مثلث نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جیل کے افسر نے کہا تم میں سے جو اس کا قریب تر عزیز ہو وہ نماز جنازہ پڑھوائے[1]

کتاب تاریخ بغداد میں آپ کا اپنے بھائی عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے ہمراہ انبار (عراق) کے سفر کا ذکر ملتا ہے۔

سفاح ابوالعباس اکثر عبداللہ محض سے ان کے پسران محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کے متعلق دریافت کرتا کہ وہ کہاں ہیں میرے پاس کیوں نہیں آتے۔ اور ہر دفعہ عبداللہ کو شرمندگی کا سامنا ہوتا بالآخر ایک دفعہ اس نے کہہ دیا کہ ان دونوں کا غائب ہونا تمہاری نظروں سے اوجھل نہیں۔ آگاہ رہو محمد کو ضرور سلع کے مقام پر اور ابراہیم کو نہر عیاب کے مقام پر قتل کروں گا۔ یہ سن کر عبداللہ محض اس کے پاس سے انتہائی رنجیدہ ہو کر واپس لوٹ آئے۔ اس پر حسن مثلث نے کہا کہ اب اگر سفاح تم سے ان کے متعلق پوچھے تو کہہ دینا ان کا چچا زیادہ بہتر جانتا ہے۔ پھر جب دوسرے دن عبداللہ محض سفاح کے پاس گئے تو سفاح نے پھر یہی قصہ چھیڑ دیا۔ عبداللہ محض نے کہا ان کے چچا ان کے متعلق مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ ابوالعباس سفاح خاموش ہو گئے اور قاصد بھیج کر حسن المثلث کو بلوایا تو حسن المثلث آ گئے اور فرمایا بے شک میں جانتا ہوں کہ آپ اس وجہ سے میرے بھتیجوں کے متعلق مضطرب اور ہیجانی کیفیت میں مبتلاء ہیں جو کہ آپ کے پاس ان دونوں کے حوالے سے خبریں پہنچ رہی ہیں۔

میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے سابق علم (علم ذاتی) کی روشنی میں یہ لکھ دیا ہے کہ محمد اور ابراہیم کو امرِ خلافت کی ذمہ داری سونپ جائے تو کیا زمین آسمان کی تمام مخلوقات مل کر اس امر کو مٹا سکتے ہیں یا اس کو روک سکتے ہیں جو اللہ نے محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کیلئے لکھ دیئے ہیں۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ حصہ دوم اردو ترجمہ ص ۱۳۶ ناشر نفیس اکیڈمی کراچی

اور اگر اللہ نے محمد نفس ذکیہ کے لئے خلافت کو تحریر اور مقتدر نہیں کیا تو کیا وہ اس امر اور خلافت کو پہنچ سکتے ہیں۔ یہ سن کر ابوالعباس سفاح نے کہا خدا کی قسم نہیں پہنچ سکتے۔ کائنات میں صرف وہی ہوسکتا ہے جس کو خداوند تعالیٰ لکھ چکا ہے یہ سن کر حسن المثلث نے کہا۔

اے امیر پھر آپ اس بزرگ (عبداللہ محض) کے سامنے بار بار اس بات کا تذکرہ کر کے اس کو کیوں تنگ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ابوالعباس سفاح نے محمد اور ابراہیم کے بارے میں سوال کرنا چھوڑ دیا اور اس کے بعد عبداللہ محض واپس مدینہ لوٹ آئے۔ یہی واقعہ سید ابن عنبہ نے عمدۃ الطالب میں ابراہیم الغمر بن حسن المثنیٰ سے منسوب کیا ہے۔

اولاد حسن المثلث بن حسن المثنیٰ:

بقول الشریف عمری آپ کے چھ پسران تھے: (۱) طلحہ، آپ کی اعقاب کا ذکر نہیں، آپ کی والدہ بقول مہدی رجائی، عائشہ بنت طلحہ بن محمد بن عبدالرحمان بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھیں۔ (۲) عباس، بقول عمری آپ منقرض تھے، بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ عائشہ بنت طلحہ الجواد بن عمر بن عبیداللہ بن معمر التیمی تھیں۔ (۳) حسن، درج صغیر (۴) ابراہیم (۵) ابا جعفر عبداللہ الفاضل (۶) علی العابد۔

اوّل عبداللہ الفاضل بن حسن المثلث بن حسن المثنیٰ بن امام حسن:

آپ کی والدہ ام عبداللہ فاطمہ بنت عامر بن عبداللہ بن بشر بن عامر ملاعب الاسنہ تھیں اور یہ آپ کے بھائی علی العابد کی بھی والدہ تھیں۔

حارث بن اسحاق سے مروی ہے کہ ''ریاح'' بنو امام حسن علیہ السلام اور محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان کے ساتھ زبذہ کی طرف نکلا جب یہ لوگ مدینہ سے تین میل کی مسافت پر قصرِ نفیس پہنچے تو لوہے کی ہتھکڑیاں اور طوق منگوائے گئے اور ان میں سے ہر شخص کے پیروں اور گلوں میں بیڑیاں اور طوق پہنا دیئے گئے پھر عبداللہ الفاضل بن حسن المثلث کے زنجیروں کے حلقوں کو تنگ کر دیا گیا جس سے یہ زنجیریں آپ کے گوشت کو کاٹتیں اور آپ کراہتے تھے، یہ دیکھ کر آپ کے بھائی علی العابد نے ان لوگوں سے کہا کہ میری زنجیریں جو نسبتاً کشادہ تھیں۔ عبداللہ الفاضل بن حسن المثلث کو پہنا دی جائیں۔ عبداللہ الفاضل نے چالیس سال کی عمر میں اور بقول ابی الفرج اصفہانی چھیالیس سال کی عمر میں بروز عیدالاضحیٰ ۱۴۵ ہجری کو وفات پائی۔

دوم عباس بن حسن المثلث بن حسن المثنیٰ بن امام حسن السبط علیہ السلام:

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ عائشہ بنت طلحہ الجواد بن عمر بن عبیداللہ بن معمر التیمی تھیں آپ بنو ہاشم کے کریم اور سخی افراد میں سے تھے۔

عبداللہ بن عمران بن ابی فروہ سے منقول ہے کہ جب عباس بن حسن المثلث کو گرفتار کیا گیا تو اس وقت وہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے تھے یہ دیکھ کر آپ کی والدہ نے کہا اسے چھوڑ دو اور میرے پاس آنے دو تاکہ میں ایک دفعہ اس کی خوشبو سونگھ لوں اور اپنے گلے سے لگا لوں یہ سن کر ان سپاہیوں نے کہا نہیں خدا کی قسم! ہم اسے نہیں چھوڑیں گے، اور اب تمہارا دنیا مین رہنا مناسب نہیں ہے۔

عباس بن حسن المثلث نے ۳۵ سال کی عمر میں ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۵ ہجری کو قید خانے میں وفات پائی۔

(۳۸) علی العابد بن حسن المثلث بن حسن المثنیٰ بن امام حسن السبط علیہ السلام

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی آپ کو علی الخیر اور علی العابد کہا جاتا تھا اس کے علاوہ علی الاغر بھی کہا جاتا تھا۔
بقول شریف عمری آپ کا لقب ذوالثفنات تھا آپ اپنے بھائیوں کے ہمراہ بغداد میں قید تھے اور زندان میں ہی شہید ہو گئے آپ کی والدہ بنی کلاب سے تھیں۔

اور بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ ام عبداللہ بنت عامر بن عبداللہ بن بشر بن عامر بن ملاعب الاسنہ بن مالک بن جعفر بن کلاب تھیں۔

آپ کی زوجہ آپ کی چچا زاد زینب بنت عبداللہ محض تھیں اور آپ دونوں کو زوج الصالح کہا جاتا تھا یعنی نیک جوڑا کہا جاتا تھا۔

ابو خذافہ سہمی سے مروی ہے کہ مجھے آل طلحہ کے غلام نے بتایا کہ میں نے علی العابد بن حسن المثلث کو دیکھا کہ وہ مکہ مکرمہ کے راستے میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور ایک سانپ ان کے پاجامے کے نیچے سے ان کے لباس میں داخل ہوا اور قمیص کی طرف سے نکل گیا لوگ چلانے لگے کہ آپ کے لباس میں سانپ گھس گیا ہے لیکن آپ اپنی نماز میں مشغول رہے اور پھر سانپ وہاں سے رینگتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن آپ نے حرکت نہ کی اور نہ ہی اس منظر کا کوئی اثر آپ کے چہرے پر ظاہر ہوا۔

موسیٰ الجون بن عبداللہ محض سے منقول ہے کہ ہمیں زمین کے نیچے بنائے گئے ایسے قید خانے میں قید

کیا گیا تھا جہاں نمازوں کی اوقات کا بھی پتا نہیں چلتا تھا۔ جب علی العابد بن حسن المثلث نماز کے اجزاء میں قرأت کرتے تو ہمیں نمازوں کے اوقات کی خبر ہوتی۔

موسیٰ ثانی بن عبداللہ بن موسیٰ الجون سے مروی ہے علی العابد کی منصور کے قید خانے میں سجدے کی حالت میں وفات ہوئی۔ عبداللہ محض نے یہ منظر دیکھ کر کہا میرے بھتیجے کو جگاؤ میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ سجدے کی حالت میں سوگیا ہے جب ان کو ہلایا گیا تو علی العابد دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔

جویریہ بن اسماء سے منقول ہے کہ جن اولاد حسن المثنیٰ کو قید کرکے منصور کے پاس لے جایا گیا اور ان کو قید کرنے کے لئے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لائی گئیں تو اس وقت علی العابد کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے جبکہ ان بیڑیوں میں بھاری اور وزنی زنجیریں تھیں جب بھی کسی کے قریب یہ بیڑیاں کی جاتیں تو وہ ان سے بچنے کی کوشش کرتا اور معافی مانگنے لگتا۔ جب علی العابد نے نماز ختم کرلی تو آپ نے کہا تم لوگ اس قدر واویلا اور بے صبری کا مظاہرہ کیوں کرر ہے ہو ہم جس منزل کے راہی ہیں اس کے لئے یہی (بیڑیاں اور ہتھکڑیاں) زادِ راہ ہیں۔[1]

سلیمان بن داؤد بن حسن اور حسن بن جعفر سے منقول ہے کہ جب ہم قید خانے میں تھے تو ہمارے ساتھ علی العابد بھی قید تھے ہماری بیڑیوں کے حلقے کشادہ تھے جب ہم نماز پڑھنے یا سونے کا ارادہ کرتے تو ان بیڑیوں کو اتار دیتے اور جب ہمیں یہ خدشہ ہوتا کہ محافظ قید خانے کے اندر آرہے ہیں تو ہم دوبارہ ان بیڑیوں کو پہن لیتے لیکن علی العابد ایسا نہیں کرتے تھے اور جب آپ کے چچا آپ سے کہتے کہ تم ان کو کیوں نہیں اتارتے تو آپ کہتے کہ میں اس حالت میں ہی خدا کی حضور پیش ہوں گا اور منصور بھی میرے ساتھ ہوگا یعنی میں اس ظلم پر اس کی خداوند تعالیٰ سے شکایت کروں گا۔

عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ نے اپنی والدہ فاطمہ بنت حسینؑ سے اور انہوں نے اپنے والد امام حسین علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنی والدہ سیدہ فاطمہ الزہر علیہا السلام سے اور انہوں نے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ (فاطمہ الزہرا علیہا السلام) سے فرمایا:

> ''میری اولاد میں سے سات افراد کو فرات کے کنارے پر دفن کیا جائے گا اولین میں سے کوئی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور آخر میں سے کوئی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔''

عبداللہ بن حسن نے کہا ہم تو آٹھ افراد ہیں تو انہوں نے کہا میں نے اسی طرح یہ حدیث سنی ہے۔

---

[1] تاریخ طبری ج۹ ص ۱۹۴

پھر عبداللہ بن حسن کہتے ہیں جب قید خانے کا دروازہ کھولا گیا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ سب (سات افراد) دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ جب میرے پاس آئے تو مجھ میں ابھی جان باقی تھی تو انہوں نے مجھے پانی پلایا اور قید خانے سے باہر نکالا اس کے بعد میں مزید زندہ رہا۔

حسین بن نصر سے مروی ہے کہ منصور عباسی نے ان لوگوں کو قید خانے میں ۲۰ راتوں تک اس حالت میں رکھا کہ انہیں نہ رات کا پتا چلا اور نہ دن کا پتہ چلتا اور نماز کے اوقات بھی معلوم نہ ہوتے، مگر جب علی العابد تسبیح کرتے تو نماز کے اوقات کا معلوم ہوجاتا۔ راوی کہتا ہے کہ عبداللہ محض بے قرار ہوکر علی العابد سے کہتے ہیں کہ اے علی! ہم جس مصیبت اور پریشانی میں گرفتار ہیں کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ آپ خدا تعالیٰ سے یہ دعا نہیں مانگتے کہ وہ ہمیں اس تنگی و تاریکی اور مصیبت سے نجات دے۔

یہ سن کر علی العابد نے کہا اے چچا جان! جنت میں ہمارے لئے جو مقام ہیں۔ ہم ان تک صرف ان مصیبتوں کے ذریعے ہی پہنچ سکتے ہیں اور جہنم میں منصور کے لئے جو مقام ہے وہ اس مقام تک ہمیں ان مصیبتوں میں مبتلا کر کے ہی پہنچ سکتا ہے اگر آپ چاہیں تو اس مصیبت پر صبر کریں اور قریب ہے کہ ہم اس مصیبت میں دنیا سے رخصت ہوجائیں تو اس رنج سے یوں چھٹکارہ پا جائیں گے جیسے کبھی غم تھا ہی نہیں۔ اور اگر آپ چاہیں تو ہم اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اس رنج و غم سے نجات دے یوں ابوجعفر منصور پر جہنم کے عذاب میں کچھ کمی کردے۔ یہ ہم پر منحصر ہے یہ سن کر عبداللہ محض نے کہا نہیں، بلکہ میں صبر کروں گا۔

بقول ابی الفرج اصفہانی اس کے بعد یہ لوگ صرف تین دن زندہ رہے او رپھر خدا نے انہیں اپنے پاس بلالیا یہ شہادت کی موت سے ہمکنار ہوئے۔ علی العابد نے ۴۵ سال کی عمر مبارک میں ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۵ ہجری میں وفات پائی۔[1]

اولاد علی العابد بن حسن المثلث بن حسن المثنیٰ بن امام حسن السبط:

بقول ابوالحسن عمری نسابہ آپ کی چار دختران تھیں: (۱) رقیہ (۲) فاطمہ (۳) ام کلثوم (۴) ام الحسن اور آپ کے پسران میں (۵) محمد (۶) عبداللہ (۷) عبدالرحمان کی ایک رقیہ نامی بیٹی تھی۔ (۸) حسن المکفوف ینبعی (۱) حسین صاحب فخ آپ دونوں کی والدہ زینب بنت عبداللہ محض بن حسن المثنیٰ تھیں۔ علی العابد کی نسل صرف اور صرف حسن المکفوف سے جاری ہوئی۔ بقول عمری آپ کی چھے صاحبزادیاں اور تین پسران تھے مگر

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی تحقیق سید احمد صقر منشورات شریف رضی ص ۱۷۴ تا ۱۷۸

اولاد صرف ابوجعفر عبداللہ الضریر شاعر سے جاری ہوئی۔

حسن المکفوف بن علی العابد کی دختران میں:(۱) ام الحسن (۲) ام کلثوم (۳) فاطمہ (۴) رقیہ (۵) زینب (۶) امینہ تھیں۔ اور بیٹوں میں محمد اور علی دونوں درج تھے، اس لئے اولاد صرف ابوجعفر عبداللہ ضریر سے جاری ہوئی۔

ابوجعفر عبداللہ ضریر بن حسن مکفوف کی والدہ سکینہ بنت یزید بن سلمہ بن بلال الفارسی تھیں۔

آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) محمد ان کی والدہ مریم بنت اسماعیل بن جعفر بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ الجواد بن جعفر طیار تھیں اور دوسرے فرزند (۲) علی الشاعر جن سے آپ کی اولاد کا سلسلہ جاری ہوا۔[1]

(۳۹) حسین صاحب فخ بن علی العابد بن حسن المثلث بن حسن المثنیٰ

آپ کی والدہ زینب بنت عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ تھیں آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور نام حسین بن علی العابد تھا۔آپ کی نانی ہند بنت ابی عبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود تھیں۔

بقول ابی الفرج اصفہانی حسین صاحب فخ کی والدہ زینب، محمد نفس ذکیہ ابراہیم قتیل باخمریٰ اور موسیٰ الجون کی مادری پدری بہن تھی۔ زینب اپنے بیٹے کولوری دیتے ہوئے بچپن میں یہ اشعار پڑھتی تھیں:

تعلم یا بن زینب وهند　　　　کم لك بالبطحاء من معد

من خال صدق ماجد وجد

ترجمہ:''اے زینب اور ہند کے بیٹے یہ جان لو کہ بطحاء میں تمہارے پہلو میں رہنے والے تمہارے خاندان کے کئی افراد ہیں ان میں تمہارے نانا اور ماموں بھی ہیں جو سچائی کا پیکر اور بزرگی اور شرف والے تھے۔''[2]

جناب زینب اور ان کے شوہر علی العابد ان دونوں کو کثرت عبادت کی وجہ سے صالح اور نیک جوڑا کہا جاتا تھا۔

جب منصور نے آپ کے والد (عبداللہ محض) آپ کے بھائی (محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم) اور چچا (حسن مثلث اور ابراہیم غمر) اور شوہر (علی العابد) کو قتل کر دیا تو اسکے بعد آپ ہمیشہ کھردرا لباس پہنتی تھیں

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین، عمدۃ الطالب، مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب

[2] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ از علامہ حسن رضا باقر ص ۳۸۹

اسی طرح آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوچ کر گئیں۔ آپ اپنے خاندان کے افراد کا غم مناتے ہوئے اس قدر آہ زاری کرتیں کہ بے ہوش ہوجاتیں اور منصور دوانقی کا بُرے الفاظ میں ذکر نہ کرتیں۔ تا کہ اس سے اسے کوئی نقصان نہ ہو (یعنی تا کہ اس کو اس کے ظلم کی سزا آخرت میں برابر ملے)۔

موسیٰ ثانی بن عبداللہ بن موسیٰ جون سے مروی ہے کہ میں نے اپنی پھوپھی رقیہ بن موسیٰ الجون سے سنا ہے کہ انہوں نے بیان کیا میری پھوپھی زینب بنت عبداللہ محض نے مرتے دم تک سخت اور کھردرا لباس پہنا۔

حسین بن علی صاحب فخ کے متعلق روایات:

حسین بن علی العابد کی ولادت ۱۲۸ ہجری کو ہوئی اور آپ کی شہادت ۴۱ سال کی عمر میں بروز یوم ترویہ آٹھ ذی الحج سن ۱۶۹ کو ہوئی۔[1]

جناب ریطہ بنت عبداللہ ابو ہاشم بن محمد حنفیہ بن امام علی علیہ السلام سے روایات نقل ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ فخ پر پہنچے آپ نے وہاں پر نماز ادا کرنے کے بعد فرمایا، اس جگہ میرے اہل بیت کا ایک فرد مومنوں کی ایک جماعت کے ہمراہ شہید کیا جائے گا اور ان کے لئے جنت سے کفن اور حنوط کے لئے کافور نازل ہوگا ان کی روحیں ان کے اجسام سے پہلے جنت میں داخل ہوجائیں گی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر شہید ہونے والوں کی شان میں مزید فضائل بھی بیان کئے جو جناب ریطہ بن عبداللہ بن محمد حنفیہ کو یاد نہ رہے۔[2]

اسی طرح امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام فخ سے گزرے تو وہاں سواری سے اتر کر نماز ادا کی پہلی رکعت کے بعد جب دوسری رکعت ادا کرنے لگے تو نماز کے دوران گریہ کرنے لگے، جب لوگوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گریہ کرتے دیکھا تو لوگ بھی رونے لگے۔ نماز کے بعد لوگوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ کو گریہ کرتے دیکھا تو گریہ کرنے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میں نے پہلی رکعت ادا کی تو جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا آپ کی اولاد میں سے ایک شخص اس جگہ شہید ہوگا جو اس شخص کے ہمراہ منصب شہادت پر فائز ہوگا اسے دو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

۱۔ المختصر فی اخبار الطالبیہ وآئمہ اثناء عشر از ابن طقطقی حاشیہ علاء الموسوی، ص ۳۴۸

۲۔ مقاتل الطالبین از ابن الفرج اصفہانی، اردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر، ص ۳۹۱

علی بن حسین حضرمی کہتا ہے میں نے حسن بن ہذیل کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے حسین بن علی صاحب فخ کو ایک باغ چالیس ہزار دینار میں فروخت کیا جیسا کہ انہوں نے اسے گھر کے باہر ہی لوگوں پر نچھاور کردیا اور اس میں سے ایک دانہ بھی گھر نہ لے کر گئے وہ مجھے ایک ایک مٹھی کر کے دیتے اور میں مدینے کے فقراء میں تقسیم کرتا۔

ہاشم بن قریش سے منقول ہے کہ حسین بن علی صاحبِ فخ کے پاس ایک شخص آیا تو آپ نے اسے جواب دیا میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں لیکن تم یہاں میں بیٹھو ابھی میرا بھائی حسن مکفوف میرے پاس ملنے کے لئے آئے گا تو تم اس کی سواری کا گدھا لے جانا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حسن مکفوف آ گئے وہ اپنے بھائی حسین صاحب فخ کے پاس آ گئے اور گدھے کو اپنے غلام کے حوالے کیا۔ یہ حسن مکفوف نابینا تھے۔

پھر حسین بن علی صاحب فخ نے اشارہ کیا کہ سائل گدھا لے لے سائل آگے بڑھا تو غلام نے گدھا دینے سے انکار کردیا اس پر حسین نے اشارہ کیا کہ غلام اس سائل کو گدھا دے دو وہ سائل گدھا لے کر وہاں سے چلا گیا۔ حسن مکفوف آ کر بیٹھ گئے اوران سے گفتگو کرنے لگے۔ پھر جب حسن اٹھنے لگے تو غلام سے کہا میرا گدھا لاؤ غلام نے کہا وہ تو آپ کے بھائی نے سائل کو دے دیا۔ یہ سن کر حسن نے حسین سے کہا میری جان آپ پر قربان ہو کیا آپ نے اُسے گدھا ادھار دے دیا یا بخشش۔

حسین بن علی نے کہا خدا کی قسم! میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ مجھ جیسا شخص کسی کو یہ گدھا ادھار دے۔ پھر حسن نے اپنے غلام سے کہا مجھے پکڑ کر لے چلو۔ اسماعیل بن ابراہیم واسطی سے منقول ہے کہ ایک شخص سوالی بن کر حسین بن علی صاحب فخ کے پاس آیا جبکہ اس وقت آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا لہٰذا آپ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور ایک شخص کو یہ کہہ کر اپنے گھر بھیجا کہ جو کپڑے دھلوانا چاہتا ہے وہ باہر نکال دے یوں آپ کے گھر والوں نے اپنے کپڑے دھونے کے لئے باہر نکال دیئے۔ جب سارے کپڑے اکٹھے ہو گئے تو آپ نے سوالی سے کہا تم یہ سارے کپڑے لے لو۔ غرض کہ حسین ابن علی صاحب فخ کے سخاوت کے بہت زیادہ واقعات مختلف کتابوں میں درج ہیں۔

مقتل حسین بن علی صاحب فخ:

محمد ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں رقم طراز ہے اسحاق بن عیسیٰ بن علی مدینہ کا والی تھا مہدی کی وفات کے بعد موسیٰ ہادی خلیفہ بنا تو یہ اس سے ملنے کیلِے عراق روانہ ہوا۔

اور اس نے مدینہ میں اپنی جگہ پر عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کو اپنا قائم مقام (بعض افراد کے قائم مقام کو حضرت عمرؓ کی اولاد سے تحریر کیا اور اس کے نسب کا باقاعدہ تعین نہیں کیا) مقرر کردیا جبکہ فضل بن اسحاق کی روایت کے مطابق اسحاق بن عیسیٰ بن علی والی مدینہ نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا اور بغداد آنے کی اجازت مانگی۔ ہادی نے استعفیٰ قبول کیا۔ اور اس کی جگہ عمر بن عبدالعزیز کو والی مدینہ مقرر کیا۔[1]

ابوالفراج اصفہانی نے بھی اول روایت لکھی ہے۔

بقول اصفہانی کہ یہ شخص جو حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے تھا آل ابو طالب کو ستاتا اور حد سے زیادہ اذیت میں رکھتا تھا انہیں ہر روز مقصورہ میں پیش ہوکر اپنی حاضری لگوانے کا حکم دیتا اور ہر ایک کی ضمانت ان کے رشتہ داروں سے لے رکھی تھی جبکہ حسن بن محمد نفس ذکیہ کی ضمانت حسین بن علی صاحب فخ اور یحییٰ بن عبداللہ محض نے دے رکھی تھی۔

حج کے موسم کے قریب تقریباً ستر افراد شیعہ مدینہ میں آئے اور بقیع کے قریب ابنِ افلح کے گھر میں قیام کیا ان افراد نے حسین ابن علی سے ملاقات کی۔ اس سے قبل گورنر (عبدالعزیز بن عبداللہ) نے حسن بن محمد نفس ذکیہ، ابن جندب ہذلی شاعر اور حضرت عمر بن خطابؓ کے ایک غلام کو اس وقت گرفتار کیا جب یہ تینوں اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے اور ان تینوں کے متعلق یہ خبر مشہور کردی گئی کہ ان کو شراب پیتے ہوئے پکڑا گیا ہے پھر حسن بن محمد بن عبداللہ کو اسی کوڑے ابن جندب ہذلی کو پندرہ کوڑے اور عمر بن خطاب کے غلام کو سات کوڑے لگوائے اس سزا کے بعد یہ حکم دیا کہ ان کو مدینہ کی گلیوں میں ننگی کمر کے ساتھ پھراؤ تا کہ انکی رسوائی ہو۔

اس کی اس حرکت کو دیکھ کر محمد نفس ذکیہ کے زمانہ میں سیاہ پرچم بلند کرنے والی ہاشمیہ عباسیہ خاتون نے اس کو پیغام بھیجا کہ ایسا مت کرو۔ بنو ہاشم کے کسی شخص کی عزت سرِ بازار پامال مت کرو اور انہیں برا بھلا مت کہو حالانکہ تم ایک ظالم ہو تو پھر اس گورنر نے ان کو آزاد کردیا۔[2]

جب شیعوں میں سے کچھ افراد ابن افلح کے گھر میں جمع ہوئے تو عبدالعزیز بن عبداللہ (گورنر) کو ان کا ایک جگہ جمع ہونا ناگوار گزرا۔ اور اس نے آل ابو طالب کے افراد کو پیش ہونے کا حکم دیا اور اولاد ابوطالب پر انصار کے مولیٰ ابوبکر بن عیسیٰ الحائک کو نگران مقرر کیا۔ جب یہ افراد جمعہ کے دن جمع ہوئے تو اس نے انہیں

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ حصہ دوم ص ۳۸۵
[2] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی، تحقیق سید احمد صقر منشورات شریف رضی، ص ۳۸۱ تا ۳۸۳

واپس جانے کی اجازت نہ دی یہاں تک کہ مسجد میں نماز کیلئے لوگ آنا شروع ہو گئے تو انہیں بھی نماز کی اجازت دی گئی۔ یہ لوگ وضو کرنے کے بعد نماز کے لئے مسجد کی طرف گئے اور جب سب نے نماز پڑھ لی تو انہیں عصر تک مقصورہ میں ہی روک کر رکھا پھر ان سب کو پیش کیا گیا جب حسن بن محمد نفس ذکیہ کا نام پکارا گیا تو وہ غیر حاضر تھے اس پر ابوبکر بن عیسیٰ الحائک نے یحییٰ بن عبداللہ محض اور حسین بن علی سے کہا کہ تم دونوں اس کے ضمانتی ہو اسے میرے سامنے حاضر کرو ورنہ میں تم دونوں کو قید خانے میں ڈال دوں گا کیونکہ وہ تین دن سے یہاں پیش ہو کر حاضری نہیں لگوا رہا، اور یہاں سے نکل کر کہیں غائب ہو گیا ہے۔ پھر ان میں باہمی تلخ کلامی ہوئی اور یحییٰ بن عبداللہ محض نے ابوبکر بن عیسیٰ الحائک کو سب وشتم کیا تو وہاں سے اٹھ کر عبدالعزیز بن عبداللہ اس کے پاس گیا اور اسے سارا ماجرا سنا دیا۔ اس نے یحییٰ اور حسین کو بلا کر سرزنش کیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا تو حسین بن علی نے اس کے سامنے قہقہہ لگایا اور کہا اے ابوحفص تم غصے میں ہو۔ یہ سن کر عبدالعزیز نے کہا کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو اور مجھے میری کنیت سے بلا رہے ہو۔

اس پر حسین بن علی العابد نے کہا خلیفہ اول اور دوم تم سے بہتر تھے اس لئے اگر انہیں کنیت سے پکارا جاتا تو انہیں بُرا محسوس نہیں ہوتا جبکہ تمہیں کنیت سے مخاطب کرنا بُرا محسوس ہوتا ہے تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں گورنر کہہ کر پکارا جائے۔

یہ سن کر عبدالعزیز نے کہا تمہاری آخری بات تمہاری پہلی بات سے بھی زیادہ شر انگیز اور خطرناک تھی۔ اس پر حسین بن علی نے کہا خدا کی پناہ! اللہ تعالیٰ مجھے شرارت سے بچائے اور مجھے شریر لوگوں میں سے قرار نہ دے یہ سن کر عبدالعزیز بن عبداللہ نے حسین بن علی سے کہا کیا میں نے تمہیں اس لئے اپنے پاس بلایا ہے کہ تم مجھ پر فخر ومباہات کرو اور مجھے اذیت اور تکلیف میں مبتلا کرو۔ یہ سن کر یحییٰ صاحب دیلم بن عبداللہ محض کو غصہ آ گیا تو اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا تم ہم سے کیا چاہتے ہو۔ گورنر نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ تم دونوں حسن بن محمد نفس ذکیہ کو میرے سامنے حاضر کرو۔ یحییٰ نے کہا، ہم اسے تمہارے سامنے حاضر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور وہ بھی وہاں ہوگا جہاں باقی لوگ ہیں۔ لہٰذا تم عمر بن خطابؓ کی اولاد کے پاس اپنا بندہ بھیج کر ان سب کو یوں ہی اکٹھا کرو جیسے ہمیں اکٹھا کیا ہے۔ اور ان میں سے ایک ایک کو یوں ہی پیش کرو اور ان سے ہر روز استفسار کرو۔ اگر تم کو ان میں کوئی شخص بھی ایسا نہ ملے جو حسن بن محمد نفس ذکیہ کے غائب ہونے کی خبر دے جو تین دن کی مدت سے زیادہ تیری نظروں سے اوجھل رہیں تو پھر تم نے ہم سے عدل وانصاف کیا۔ (اور تم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہو کہ حسن بن محمد کہاں ہے)۔

اس پر گورنر نے حسین کو یہ قسم دے کر کہا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق اور تمام غلاموں کو آزاد کر دے گا اور وہ صرف اسی صورت میں اسے وہاں سے جانے دے گا جب وہ ایک دن اور ایک رات تک حسن بن محمد نفس ذکیہ کے لے کر اس کے پاس حاضر ہوگا۔ اگر وہ حسن کو لے کر نہ آیا تو اس کی جائے پناہ جلا کر خاکستر کر دیا جائے گا۔ اور حسین صاحب فخ کو ایک ہزار کوڑے مارے گا نیز گورنر نے مذکورہ قسم کھاتے ہوئے یہ بھی کہا اگر میری نظر حسن بن محمد نفس ذکیہ پر پڑی تو میں اس کو اسی لمحے قتل کر دوں گا۔

گورنر کی یہ باتیں سن کر یحییٰ بن عبداللہ محض غصے میں اس کی جانب بڑھے اور کہا میں اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ میں اگلے ایک رات اور دن کے اندر اندر حسن بن محمد نفس ذکیہ کو تیرے پاس نہ لاؤں تو میرے تمام غلام آزاد ہوں اور اگر وہ مجھے نہ مل سکا تو میں خود تیرے دروازے پر آؤں گا تا کہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ میں تمہارے پاس لوٹ آیا ہوں اس کے بعد حسین اور یحییٰ غصے کی حالت میں اس گورنر کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ جبکہ گورنر بھی غضبناک تھا۔ حسین نے یحییٰ سے کہا آپ نے اپنی زندگی کا بڑا فیصلہ اس وقت کیا جب آپ نے یہ قسم کھائی کہ حسن بن محمد نفس ذکیہ کو گورنر کے پاس لے آئیں گے آپ حسن کہاں موجود پائیں گے۔

یحییٰ بن عبداللہ نے کہا، خدا کی قسم! میرا ہرگز اس کے پاس حسن بن محمد نفس ذکیہ لانے کا ارادہ نہیں تھا۔ اگر میں ایسا کروں تو میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رہا، بلکہ میں نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اس وقت تک نہیں سوؤں جب تک اپنی تلوار کے ساتھ اس (گورنر) کے دروازے پر دق الباب کرتے ہوئے اسے اپنے سامنے قتل نہ کر دوں۔

حسین نے یحییٰ سے کہا یہ تو آپ کا صحیح عمل نہیں ہوگا بلکہ اس سے ہمارا بنایا ہوا منصوبہ ناکام ہوجائے گا۔ یحییٰ نے حسین سے کہا میں آپ کا منصوبہ کیسے ناکام کر رہا ہوں ابھی تو میرے اور اس کے درمیان دس دنوں کا فاصلہ ہے جبکہ میں دس دنوں کے بعد اپنا کام کروں گا اور آپ اس عرصہ میں مکہ کی طرف کوچ کر جائیں۔

پھر حسین نے حسن بن محمد نفس ذکیہ سے کہا اے میرے چچا زاد بھائی کیا آپ کو اس بات کی خبر ملی ہے جو میرے اور اس فاسق (گورنر) کے درمیان ہوئی ہے۔ آپ اس کی پرواہ نہ کریں بلکہ آپ کا جہاں جی چاہتا ہے وہاں چلے جائیں۔ اس پر حسن بن محمد نفس ذکیہ نے کہا خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں کروں گا بلکہ میں ابھی آپ کے ساتھ جا کر خود کو اس کے حوالے کر دوں گا۔

توحسین بن علی نے جواب دیا اللہ تعالیٰ مجھے اس امر سے دوچار نہ کرے اگر میں آپ کو اس کے سپرد کردوں تو نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر انہیں کیا منہ دکھاؤں گا بلکہ میں اپنی جان کے عوض آپ کی حفاظت کروں گا شاید کہ اللہ مجھے اس کے بدلے جہنم کی آگ سے بچالے۔

پھر حسین صاحب فخ وہاں سے چلے گئے تو آپ کے پاس، یحییٰ بن عبداللہ محض، سلیمان بن عبداللہ محض، ادریس بن عبداللہ محض، ابراہیم طباطبا بن اسماعیل دیباج، عمر بن حسن بن علی بن حسن بن حسین بن حسن، عبداللہ بن اسحاق بن ابراہیم غمر بن حسن المثنیٰ، عبداللہ افطح بن امام جعفر صادقؑ آئے۔ پھر یہ اپنے دیگر جوانوں اور غلاموں کی جانب روانہ ہوئے جبکہ ان لوگوں میں حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں سے چھبیس افراد، دس حجاج اور کچھ غلام اکٹھے ہوئے جب مؤذن نے اذان دی تو یہ سب مسجد میں داخل ہوئی اور باآواز بلند صدا دی ''احد، احد'' عبداللہ بن حسن افطس بن علی بن امام زین العابدینؑ نے مؤذن سے کہا ''حی علی خیر العمل'' کے ساتھ اذان دو جب مؤذن نے عبداللہ کے ہاتھ میں تلوار دیکھی تو ''حی علی خیر العمل'' کے ساتھ اذان دی۔ جب گورنر عبدالعزیز بن عبداللہ نے یہ سنا تو محسوس کیا کہ معاملہ بگڑ گیا ہے تو وہ ڈر گیا اور حواس باختہ ہوکر بلند آواز میں کہنے لگا دروازے پر جانور کو چارہ ڈالو اور مجھے پانی کا اَناج کھلاؤ۔

علی بن ابراہیم کی روایت ہے کہ مذکورہ گورنر کی اولاد کو اب تک مدینہ میں پانی کے اناج کی اولاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان حضرات نے دار عمر بن خطاب پر دھاوا بول دیا اور گورنر ایک گلی جو زقاق عاصم بن عمر کے نام سے مشہور تھی سے نکل کر چلا گیا اور یوں اس نے اپنی جان بچائی۔

اس کے بعد حسین صاحب فخ نے نماز فجر پڑھانے کے بعد ان عادل گواہوں کو طلب کیا کہ دیکھوں میں حسن بن محمد نفس ذکیہ کو لے آیا ہوں اب تم لوگ گورنر کو لے آؤ۔ خدا کی قسم میں اپنی قسم سے آزاد ہوجاؤں گا کیونکہ میں نے اسے پورا کردیا اولاد ابوطالب میں صرف حسن بن جعفر بن حسن المثنیٰ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس تحریک سے الگ رہے جبکہ حسن بن جعفر بن حسن المثنیٰ نے ان سے اس حوالے سے معذرت کی اور انہوں نے ان کا ساتھ نہ دینے کو ناپسند نہیں کیا۔

عباد بن یعقوب نے عینزہ قصبانی سے روایت نقل کی ہے کہ جب حسین صاحب فخ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اپنے خروج کے حوالے سے گفتگو کی تو امام پاک نے ان سے فرمایا آپ شہید ہوجائیں گے بے شک یہ قوم جو آپ کے مدمقال ہے۔ ظاہری طور پر ایمان کا دکھاوا کرتے ہیں لیکن انکے دلوں میں شرک پنہاں ہے۔ انا للہ انا الیہ راجعون۔ اور میں خدا کی بارگاہ میں آپ لوگوں کو نیک کار اور برگزیدہ شمار کرتا ہوں۔

اس کی بعد حسین صاحب فخ نے ایک خطبہ دیا۔ جب یہ لوگ مسجد میں جمع تھے تو خالد بربری جو مدینہ کی مقرر کردہ باقاعدہ مسلح فوج کا سربراہ تھا وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان لوگوں کی طرف روانہ ہوا یہاں تک کہ مسجد کے باب جبرائیل پر دونوں گروہ آمنے سامنے ہوگئے۔ ادھر یحییٰ ابن عبداللہ نے آگے بڑھ کر خالد بربری کا سر کاٹ دیا اسی سال ''مبارک ترکی'' نے بھی حج کیا وہ سب سے پہلے مدینے آیا اور حسین بن علی کو خط لکھا کہ تم رات کو دس افراد طے شدہ منصوبے کے تحت میرے پاس بھیجو جو غوغا کریں۔

اور میں اسے شب خون ظاہر کر کے فرار کر جاؤں میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے کسی آزمائش میں ڈالو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اسی سال بنوعباس میں سے عباس بن محمد، سلیمان بن ابی جعفر اور موسیٰ بن عیسیٰ بھی حج کرنے کے لئے آئے اور مکہ میں مبارک ترکی بھی ان کے ساتھ جا ملا اور یہ بہانہ پیش کیا کہ مدینہ میں اس کے لشکر پر شب خون مارا گیا اس لئے وہ جلد یہاں پر آ گیا۔

ادھر حسین بن علی اپنے خاندان کے افراد کے ہمراہ مکہ کے لئے عازم سفر ہوئے ان لوگوں کی تعداد تین سو افراد پر مشتمل تھی جبکہ حسین نے مدینہ میں دینار خزاعی کو اپنا نائب مقرر کیا جب یہ لوگ مکہ کے قریب فخ اور بلدح کے درمیان پہنچے تو حکومت کی افواج سے ان کا آمنا سامنا ہوا۔عباس نے حسین بن علی کو امان نامہ اور صلہ رحمی کی پیش کش کی جسے حسین بن علی نے سختی سے ٹھکرا دیا۔

سلیمان بن عباد سے منقول ہے کہ جب حسین بن علی العابد نے لشکر والوں کو دیکھا تو انہوں نے ایک شخص اونٹ پر بٹھا رکھا تھا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی جو اسے لہرا رہا تھا۔ حسین اسے ایک ایک حرف لکھوا رہے تھے کہ تم یہ کہہ کر ندا دو اور یہ شخص یہ کہہ رہا تھا۔ اے لوگو! یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حسین بن علی العابد ہیں اور یہ ان کے چچازاد ہیں جو تمہیں کتاب اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف بلا رہے ہیں۔

حسین بن علی کا بنوعباس کی فوجوں سے مقام فخ پر آمنا سامنا ہوا جبکہ اس فوج کی قیادت عباس بن محمد، موسیٰ بن عیسیٰ، سلیمان کے بیٹے جعفر اور محمد اور مبارک ترکی، منارہ حسن حاجب اور حسین بن یقطین کر رہے تھے۔ان دونوں لشکروں کی یوم ترویہ (آٹھ ذوالحجہ) کو صبح کے وقت مڈبھیڑ ہوئی۔

حکومت کے لشکر میں سب سے پہلے موسیٰ بن عیسیٰ آگے بڑھا اور حسین بن علی اس پر حملہ آور ہوئے وہ بھاگنے کا بہانہ کر کے ایک طرف ہوگیا تو حسین بن علی کی ساتھی اس کا پیچھا کرتے کرتے نیچے وادی میں اُتر گئے پھر محمد بن سلیمان پیچھے ان پر حملہ آور ہوا اور ایک ہی حملے میں ان کو پیس کر رکھ دیا یہاں تک کہ حسین کے اکثر

ساتھی اس حملے میں مارے گئے۔عباسی لشکر کے سردار چیختے رہے کہ اے حسین! تیرے لئے امان ہے لیکن حسین نے کہا مجھے تمہاری امان کی کوئی ضرورت نہیں اور بہادری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔[1]

سید ابوالحسین یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی عبیدلی نے اپنی کتاب مبسوط میں درج ذیل آل علی لکھے ہیں جو جنگ فخ میں شہید ہوئے:

(۱) حسین بن علی عابد بن حسن بن حسن بن حسن بن علی علیہ السلام

(۲) سلیمان بن عبداللہ محض بن حسن بن حسن بن علی علیہ السلام

(۳) عبداللہ بن اسحاق بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی علیہ السلام

(۴) حسن بن محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض بن حسن بن حسن بن علی علیہ السلام

موسیٰ بن عیسیٰ نے آپ کی گردن پر وار کر کے اسے تن سے جدا کر دیا۔[2]

محمد ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں رقم کیا ہے کہ حسین بن علی صاحب فخ کے ہمراہ ان کی بہن سیدہ فاطمہ بنت علی العابدین بن حسن مثنیٰ بن امام حسن السبط بھی تھیں جن کو گرفتار کر کے زینب بنت سلیمان بن منصور عباسی کے پاس چھوڑ دیا گیا اور شکست خوردہ جماعت حاجیوں میں گڈمڈ ہوگئی۔[3]

دوسری طرف جب گورنر عبدالعزیز بن عبداللہ کو مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ حسین بن علی عابد فخ کے مقام پر قتل ہو گئے ہیں تو یہ ان کے اور ان کے خاندان والوں کے گھروں کی طرف روانہ ہوا اور انہیں آگ لگا کر جلا دیا اور ان کی املاک اور باغات قبضے میں لے لیں۔

حسین بن علی صاحب فخ کی سیاسی فعالیت:

سنہ ۱۶۹ ہجری سے قبل حسین بن علی کی سیاسی فعالیت کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات درکار نہیں ہیں۔بعض روایات کے مطابق شیعیانِ کوفہ کی ایک جماعت نے ان کے قیام سے کچھ عرصہ قبل ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس کے علاوہ انہوں نے مکہ اور مدینہ کی عوام کو بھی دعوت دی کہ ان کی بیعت کریں اور بعض داعی خراسان اور جبل روانہ کئے۔[4]

---

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ از علامہ حسن رضا باقر ص ۳۹۷ تا ۴۰۷

[2] کتاب المعقبین من ولد الامام الامیر المومنین از یحییٰ مدنی ص ۱۳۲

[3] تاریخ طبری اردو ترجمہ ج ۵ حصہ دوم ص ۳۹۱ ناشر نفیس اکیڈمی کراچی

[4] تتمہ مصابیح ابی العباس حسنی از علی بن بلال آملی چاپ عبداللہ بن عبداللہ حوثی ص ۴۶۸

لیکن لگتا ہے کہ حسین سنہ ۱۶۹ ہجری سے قبل بھی سیاسی میدان میں فعال رہے ہوں گے کیونکہ اس خاندان کے اکثر افراد نے بنی عباس کے خلاف خروج کیا اور اکثر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

خود حسین بن علی کے دادا حسن مثلث اور والد علی العابد نے بھی بنی عباس کے زمانے میں بہت مصیبتیں دیکھیں اور علی العابد کی شہادت بھی منصور عباسی کی قید میں ہی ہوئی۔

اس کے علاوہ مہدی عباسی کے زمانے میں انہیں بغداد طلب کیا گیا کیونکہ عباسی حکومت ان کے اقدامات اور فعالیت سے فکر مند تھی۔

ہادی عباسی اور اس کے والی نے مدینہ میں اولاد علی علیہ السلام سے سخت رویہ اپنائے رکھا۔ حسین بن علی پر الزام بھی لگایا گیا کہ وہ امارات کے خواہش مند ہیں۔[1]

حسین بن علی صاحب فخ کی خصوصیات:

حسین بن علی بلیغ اور سخنور تھے۔ زہد تقویٰ، تعبد تہجد، شجاعت، فقراء کی نسبت سخاوت اور محتاجوں کی دستگیری پر ان کی بہت زیادہ تعریف ہوئی۔[2]

شیخ طوسی نے انہیں اصحاب امام جعفر الصادق علیہ السلام کے زمرے میں گردانا ہے۔[3]

شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۱ سال تھی بقول ابی نصر بخاری و دیگر نسابین آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔[4]

آپ بلند کردار کے مالک تھے آپ کی شہادت کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے شہدائے فخ کو یاد کر کے گریہ اور بکاء کیا اور اللہ تعالیٰ سے ان کے قاتلوں کیلئے موت اور شدید عذاب کی التجا کی۔ آپ نے فخ میں شہادت پانے والے علویوں کے اطفال اور بیواؤں کی کفالت اپنے ہاتھ میں لی۔[5]

---

[1] اخبار فخ وخبر یحییٰ بن عبداللہ واخیہ ادریس بن عبداللہ، از احمد بن سہل رازی، ص ۱۵۳، ۱۵۴ چاپ ماہر جرار، بیروت، ۱۹۱۵ عیسوی

[2] الافادہ فی تاریخ آئمہ السادہ ص ۲۶ از یحییٰ بن حسین ہارونی چاپ محمد کاظم، تہران

[3] رجال الطوسی از محمد بن حسن طوسی ص ۱۸۲ چاپ جواد قیوم اصفہانی ۱۴۱۵ ہجری قمری

[4] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۱۵ چاپ محمد صادق بحر العلوم ۱۳۸۱ ہجری قمری

[5] بطل فخ از امینی ص ۱۳۶، ۱۳۷

(۴۰) جعفر بن حسن مثنیٰ بن امام حسن السبط بن امام علی علیہ السلام

بقول ابن عنبہ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور عمر کے اعتبار سے آپ اپنے والد حسن المثنیٰ کی سب سے بڑی اولاد تھے۔ آپ فصیح اور بلیغ تھے اور بنی ہاشم کے نامور خطباء میں سے تھے آپ بھی اپنے بھائیوں کے ہمراہ منصور کی قید میں رہے اور بعد میں رہا کر دیئے گئے، آپ نے ستر سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کے متعلق مصادر میں بہت کم ذکر ملتا ہے۔

بقول ابوالحسن عمری آپ کی چھ بیٹیاں تھیں: (۱) فاطمہ (۲) رقیہ (۳) زینب (۴) ام الحسین (۵) ام الحسن (۶) ام القاسم تھیں۔

ان میں ام الحسین کی شادی عمر بن محمد بن عمر بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کے چار فرزند تھے: (۱) عبداللہ (۲) قسم، دونوں کی اعقاب نہیں تھے۔ (۳) ابراہیم، آپ منقرض ہو گئے۔ (۴) حسن [1]

اول: بقول ابن طقطقی جعفر بن حسن مثنیٰ کی اولاد صرف حسن سے جاری ہوئی اور ان حسن بن جعفر کی والدہ عائشہ بنت عوف بن حارث بن طفیل تھیں۔[2]

بقول ابن عنبہ حسن بن جعفر نے جنگ فخ کی مخالفت کی اور اس میں شریک نہ ہوئے۔[3]

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ جنگ فخ میں مقاتل الطالبین میں تحریر کیا ہے کہ حسن بن جعفر بن حسن مثنیٰ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہی حسین بن علی عابد صاحب فخ کی تحریک سے الگ رہے اور حسن بن جعفر نے ان سے اس حوالے سے معذرت کی اور انہوں نے ان کے ساتھ نہ دینے کو ناپسند نہ کیا۔

جبکہ ایک روایت میں آپ کو جماعت اہل بیت کے ساتھ منصور نے قید کیا اور محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم ابنان عبداللہ محض کے قتل کے بعد رہا کیا۔

آپ کی زوجہ ملیکۃ بنت داؤد بن حسن المثنیٰ تھیں۔

بقول عمری آپ کی اولاد میں بیٹیاں تھیں جن میں فاطمہ کبریٰ تھیں جن کی کنیت ام جعفر تھی اور آپ کی

۱۔ المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۲۷۱
۲۔ الاصیلی فی انساب الطالبین از ابن طقطقی ص ۱۲۴
۳۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، از ابن عنبہ ص ۱۶۵

شادی عمر بن علی بن عبیداللہ بن محمد بن عمر بن امام علی علیہ السلام سے ہوئی۔

بقول عمری آپ کے پانچ فرزند تھے: (۱) جعفر (۲) عبداللہ (۳) محمد (۴) سلیمان (۵) ابراہیم [۱]

ان میں ابراہیم اور سلیمان درج تھے جبکہ باقی تین صاحب اولاد تھے۔

دوم ابراہیم بن جعفر بن حسن مثنیٰ کے بارے میں شیخ عباس قمی نے احسن المقال میں تحریر کیا ہے۔ ان کی والدہ رومی تھیں ان کا ایک پوتا عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم المذکور تھا۔ جس کی والدہ آمنہ بنت عبداللہ بن حسین الاصغر تھیں۔ اور یہ عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم المذکور مامون کے زمانے میں فارس کے سفر پر نکلے ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے کہ خوارج کی ایک جماعت ان پر حملہ آور ہوئی اور ان کو قتل کر دیا۔ ان کی اولاد میں ایک بیٹی کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اس بیٹی کی شادی محمد بن جعفر الاصحصح بن عبداللہ بن حسین الاصغر بن امام سجاد علیہ السلام سے ہوئی، لیکن قدیم نسابین نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ [۲]

(۴۱) داؤد بن حسن المثنیٰ بن امام حسن السبط بن امام علی علیہ السلام

بقول الشریف عمری کہ آپ اپنے بھائی عبداللہ محض کی نیابت میں صدقات امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کے متولی تھے۔ آپ کی والدہ ام الولد تھیں جن کا نام ام داؤد تھا۔

جب منصور دوانقی نے آپ کو قید کیا تو آپ کی والدہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نالہ وزاری کی تو امام پاک نے آپ کو دعائے استفتاح جو دعائے ام داؤد کے نام سے مشہور ہے کی تعلیم فرمائی۔

ام داؤد پندرہ رجب کو اسی طرح وہ عمل بجالائیں جس طرح حضرت نے تعلیم فرمائی تو وہ داؤد بن حسن مثنیٰ کی خلاصی کا سبب بنی اور آپ رہا ہو کر مدینہ منورہ واپس آئے۔ [۳]

اور ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ جبکہ ابن طقطقی نے داؤد بن حسن مثنیٰ کے متعلق لکھا کہ آپ اپنے بھائی حسن مثلث کی طرف سے صدقات امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کے متوالی تھے جبکہ ابن عنبہ نے بھی عبداللہ محض کا تحریر کیا ہے۔

بقول عمری آپ کی دو دختران: (۱) ملیکہ جن کی شادی اپنے چچا زاد حسن بن جعفر بن حسن مثنیٰ

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۷۱

[۲] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب ص ۱۵۲

[۳] لباب الانساب از ابن فندق بیہقی ج ۱ ص ۳۸۷

سے ہوئی۔ (۲) حمادہ اور پسران میں (۳) عبداللہ (۴) سلیمان تھے۔ اور ان چاروں کی والدہ ام کلثوم بنت امام زین العابدینؑ تھیں۔

بقول ابوالحسن عمری اول عبداللہ بن داؤد بن حسن مثنیٰ کے دو فرزند تھے: (۱) محمد ارزق فاضل ورع، آپ کی اولاد میں آل جملس جو منقرض ہوگئی اور آل سرواط تھیں۔ (۲) علی ابن محمد یہ جن کی وفات خلیفہ مہدی کی قید میں ہوئی۔ آپ کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔

دوم سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ، بقول ابی الفرج اصفہانی کہ آپ کو منصور نے قید کیا اور محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کے قتل کے بعد رہا کیا۔ آپ کا ایک فرزند محمد بن سلیمان المعروف بربری تھا جس نے محمد دیباج بن امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ مدینہ میں خروج کیا آپ نے اپنے والد کی زندگی میں تیس سال سے کچھ زیادہ عمر میں وفات پائی۔ بقول عمری آپ کی والدہ مخزومیہ تھیں [۱]

بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ آپ کی والدہ اسماء بنت اسحاق بن ابراہیم بن یعقوب بن سلمۃ مخزومیہ تھیں [۲]

بقول جمال الدین ابن عنبہ آپ کے چار فرزند: (۱) موسیٰ (۲) داؤد (۳) اسحاق (۴) حسن، جو نوبہ میں قتل ہوئے تھے اور بقول عمری پانچواں فرزند (۵) سلیمان تھا اور تین دختران: (۱) فاطمہ (۲) ملیکہ (۳) کلثم تھیں۔

بقول عمری ان میں سلیمان کی ایک بیٹی تھی دوم موسیٰ کے فرزند تھے۔ اور داؤد کے بارے میں بقول شیخ شرف عبیدلی کہ آپ ولی صدقات امیرالمومنین علی علیہ السلام تھے۔ پھر اسحاق کی اعقاب میں بقول ابن عنبہ بنو قتادہ مصر میں تھی جو حمزہ قتادہ بن زید بن محمد بن اسحاق المذکور تھی۔

آل طاؤس

اعقاب حسن بن محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ:

آپ کا لقب عجیر تھا آپ کو قتیل نوبہ بھی کہتے ہیں۔ بقول عمری آپ عبدالحمید بن جعفر المولتانی بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن علی المرتضیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے جنہوں نے اپنے لئے ملک کا

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۲۷۹

[۲] المعقبین من ولد الامیر المومنین از یحییٰ بن حسن مدنی عقیقی ص ۷۱، ۷۲

خطاب رکھا جب وہ بلاد بجہ پر غالب آئے بقول ابی الفرج اصفہانی کہ آپ کوعبداللہ بن عبدالحمید بن جعفر ملتانی علوی عمری کی فوج میں قتل کر کے باہر پھینک دیا گیا جبکہ نواح بجہ پر غالب آئے۔[1]

اسی لئے آپ کو قتیل نوبہ بھی کہتے ہیں۔ آپ کی اولاد میں بقول ابن عنبہ دو فرزند: (۱) ابراہیم عجیر (۲) اسحاق اور بعض نے تیسر فرزند جعفر والی مکہ لکھا ہے اور ان سب کی والدہ فاطمہ بنت حسین بن عبداللہ بن حسن بن زید بن امام حسن السبط علیہ السلام تھیں۔

ان مین اسحاق بن حسن بن محمد بربری کے دو فرزند تھے: (۱) علی دقیس (۲) ابوعبداللہ محمد الملقب طاؤس بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کو حسن اور وجاہت کی وجہ سے طاؤس کہا گیا آپ کی اولاد کو بھی آل طاؤس کہا گیا جو پہلے سوراشہر میں مقیم تھی اور بعد میں وہاں سے بغداد اور حلہ کو منتقل ہوئے ان میں سادات علماء اور نقباء عظام تھے۔[2]

ابوعبداللہ محمد طاؤس کی اولاد سے سید سعد الدین ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفر بن محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن ابوعبداللہ محمد طاؤس المذکور تھے۔ آپ کی اولاد میں چار فرزند تھے: (۱) امیر حاج عزالدین حسن (۲) شرف الدین محمد (درج)، (۳) العالم زاہد ابوالفضائل جمال الدین احمد (۴) عالم مصنف ابوالقاسم رضی الدین علی نقیب النقباء، عراق۔

ابوالقاسم رضی الدین علی بن سید سعد الدین موسیٰ المعروف سید ابن طاؤس:

سید ابن طاؤس چھٹی اور ساتویں ہجری کے مشہور شیعہ عالم ہیں۔

سید ابن طاؤس نے عباسیوں کے دور حکومت میں نقابت کا منصب قبول نہیں کیا۔ لیکن ہلاکو خان کے زمانے میں نقیب رہے۔ آپ کی ولادت ۱۵ محرم الحرام بروز جمعرات عراق کے شہر حلہ میں بمطابق سنہ ۵۸۹ ہجری کو ہوئی۔ اور وفات ۶۶۴ ہجری کو ۷۵ سال کی عمر میں ہوئی۔ وصیت کے مطابق جسد نجف شریف لے جایا گیا اور حرم امیر المومنین میں دفن کیا گیا آپ کے والد بلند پایہ راویوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی روایات کو کاغذ پر لکھا اور بعد میں آپ کے بیٹے سید ابن طاؤس نے ان کو جمع کر کے فرقہ الناظر و بہجہ الخاطر مما رواہ موسیٰ بن جعفر کے نام سے جمع کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ شیعہ عالم ورام ابن ابی فراس کی بیٹی تھیں۔[3]

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۴۵۳

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از ابن عنبہ ص ۱۷۰

[3] روضات الجنات از خوانساری، ج ۴ ص ۳۲۵

آپ کی دادی شیخ طوسی کی نواسی تھیں۔ شیخ طوسی کی دو دختران تھیں۔سید ابن طاؤس کے دادا جعفر بن محمد ان میں سے ایک کے شوہر تھے۔[1]

سید ابن طاؤس نے تعلیم کا آغاز حلہ شہر سے کیا۔ اور اپنے والد موسیٰ بن جعفر اور نانا ورام بن ابی فراس سے علم حاصل کیا۔ اور بہت جلد علوم فقہ پر دسترس حاصل کرلی۔ سید ابن طاؤس نے حصول تعلیم کی خاطر حلہ سے کاظمین کی طرف سفر کیا۔ کچھ مدت کے بعد شادی کی اور بغداد میں مقیم ہوگئے جہاں ۱۵ سالوں تک شاگردوں کی تربیت کرتے رہے۔

عباسی دور حکومت میں حکومتی منصب قبول کرنے کے حوالے سے آپ پر روز دباؤ ڈالا جاتا خلیفہ ناصر نے آپ کو منصب نقابت کی بھی پیشکش کی۔لیکن آپ نے قبول نہ کیا اور بغداد سے واپس حلہ میں آگئے۔

سید ابن طاؤس نے تین سال تک شہر طوس میں امام رضاعلیہ السلام کے جوار میں زندگی بسر کی اور پھر نجف اور کربلا چلے گئے جہاں تین تین سال گزارے انہوں نے کربلا میں قیام کے دوران اپنی کتاب کشف المحجہ کو اپنی اولاد کیلئے بطور وصیت تحریر فرمایا جو اس وقت بچپنے میں تھی۔

۶۵۲ ہجری میں آپ نے بغداد کی جانب اپنا آخری سفر کیا اور منصب نقابت کو قبول کیا اور عمر کے آخری ایام تک بغداد میں ہی مقیم رہے۔ جب منگولوں نے بغداد پر حملہ کیا تو آپ بغداد میں ہی تھے۔ بقول شیخ عباس قمی المحدث کہ آپ نے ہلاکو خان کے بار بار کہنے پر منصب نقابت قبول کیا۔آپ نے چاہا کہ معذرت کرلیں مگر خواجہ نصیر الدین نے منع کیا، سید ابن طاؤس کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر سرتابی کی تو ہلاکو خان کے ہاتھوں ذلیل ہوجاؤں گا اسلئے نقابت قبول کرلی۔[2]

آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد اور آپ کے نانا کا نام ملتا ہے۔ اور آپ کے شاگردوں میں:

(۱) سدید الدین حلی (علامہ حلی کے والد) (۲) علامہ حلی (۳) ابن نما حلی

(۴) فخار بن معد موسوی (۵) حسن بن داؤد حلی (۶) عبدالکریم بن احمد بن طاؤس

(۷) علی بن عیسیٰ اربلی زیادہ معروف ہیں۔[3]

آپ نے ۵۰ سے زائد کتب تحریر کیں جن میں اقبال الاعمال، مہج الدعوات مقتل لہوف اور کشف المحجہ

---

[1] رہنمائی سعادت ترجمہ کشف الغمہ ،از سید محمد باقر گلپایگانی ص ۱۴

[2] الفصول الفخریہ از جمال الدین ابن عنبہ حسنی ص ۱۳۱، ۱۳۲، بااہتمام میر جلال الدین حسینی ارموی محدث

[3] طبقات اعلام الشیعہ (قرن السابع) ص ۱۱۷ طبع بیروت

مشہور ہیں۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کے دو پسران تھے: (۱) صفی الدین محمد الملقب مصطفیٰ (۲) رضی الدین علی الملقب مرتضیٰ۔

(۴۲) زید بن امام حسن السبط بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

بقول ابن خداع نسابہ مصری کہ زید بن حسن شریفاً نبیھًا آپ کی کنیت ابوالحسین تھی اور آپ کی والدہ انصاریہ تھیں۔ آپ کی وفات ۹۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کی اولاد میں ایک دختر اور ایک فرزند ابومحمد حسن تھے۔ اور کہا مجھ سے بعض شیعہ اہل علم وفضل حضرات نے کہ ان کی بیٹی کا نام نفیسہ تھا جس کی قبر مصر میں مشہور ہے اور بقول عمری آپ کے ایک فرزند یحییٰ بھی تھے جس کی قبر مصر میں ہے۔[1]

لیکن یحییٰ کا ذکر کسی اور نے نہ کیا۔

بقول امام فخر الدین الرازی کہ ابوالحسین زید اپنے بھائی حسن المثنیٰ سے عمر میں بڑے تھے۔ اور آپ نے اپنے چچا امام حسینؑ کی اطاعت کرنے میں تاخیر کی۔[2]

بقول ابن عنبہ آپ نے اپنے چچا امام حسین علیہ السلام سے عراق جانے پر اختلاف کیا۔ بقول الموضع نسابہ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ متولی صدقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔[3]

بقول سید یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام، آپ کی والدہ ام بشیر (فاطمہ) بنت ابی مسعود عقبہ بن زبان بن سیار بن عمرو بن جابر الفزاری تھیں۔[4]

اور آپ کی ایک بہن ام الحسن بنت امام حسن بھی تھیں۔[5]

ولادت:

آپ کی پیدائش کے متعلق مؤرخین اور علمائے رجال نے کوئی خاص اشارہ نہیں کیا جبکہ آپ کی وفات

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۰۲

[2] الشجرۃ المبارکہ از فخر الدین رازی، ص ۴۱

[3] عمدۃ الطالب ص ۶۵

[4] المعقبین من ولد الامام امیر المومنین از یحییٰ نسابہ ص ۵۹

[5] انساب الاشراف ج ۳ ص ۷۳ تحقیق سہیل زکار، مکتبہ دار الفکر، بیروت لبنان

۱۲۰ ہجری قمری آپ کی عمر کی مقبول روایت جوالمجد ی میں ابن خداع سے روایت ہے ۹۰ سال کی ہے اور بعض جگہ آپ کی عمر ۹۵ سال لکھی ہے۔اس حساب سے آپ کی ولادت ۲۰ یا ۲۵ ہجری بنتی ہے۔

بعض مؤرخین نے آپ کی موجودگی کا کربلا میں ذکر لکھا ہے کہ آپ اسیر ہو گئے مگر آل ابی طالب کا سب سے قدیمی مقاتل کا منابع مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ہے جس میں ان کی شہادت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔مگر آپ کی موجودگی کا ذکر ہے۔آپ کو زید ابلج بھی کہا جاتا ہے۔

سیرت و کردار:

بقول شیخ مفید آپ مرد ذی وقار بزرگوار تھے شاعروں نے آپ کی بہت تعریف لکھی ہے۔[1]

بعض منابع میں مذکور ہے کہ زید ایک مرتبہ بازار ''سوق الطہر'' کی طرف گئے جہاں کچھ دیر قیام کیا۔ آپ کے گرد ہجوم جمع ہو گیا جو آپ کی وجاہت اور قوی جسامت کو دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔[2]

بقول شیخ مفید آپ صدقات رسول کے متولی تھے آپ جلیل القدر شریف الطبع اور پاکیزہ نفس تھے۔ لوگ احسان مند ہونے کے لئے اطراف سے آپ کا قصد کرتے تھے۔سلیمان بن عبدالملک جب تخت پر بیٹھا تو اس نے حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ امابعد میرا خط تجھ کو ملے تو زید بن حسن کو صدقات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معزول کردے اور صدقات اپنی قوم کے فلاں بن فلاں شخص کے سپرد کردے۔ حاکم مدینہ نے ایسا ہی کیا اور جب خلافت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ملی تو اس نے حاکم مدینہ کو تحریر کیا۔ امابعد زید بن حسن بن علی بنی ہاشم کے سن رسیدہ اور شریف بزرگ ہیں جب میرا خط تمہیں ملے تو ان کو صدقات النبی واپس کردو اور جن امور میں تمہاری مدد چاہیں ان کی مدد کرو پس صدقات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تولیت زید کو واپس مل گئی۔آپ نوے سال زندہ رہے اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو شعراء کی ایک جماعت نے آپ پر مرثیہ کہا اور قدامہ بن موسیٰ نے آپ کی شان میں قصیدہ کہا۔[3]

چند روایات کے مطابق امام علیؑ نے کہا تھا صدقات کی تولیت ان کے خاندان میں جو معتبر اور اچھا انسان ہو اس کے حوالے کی جائے روایت کے مطابق ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں یہ تولیت زید بن

---

[1] الارشاد از شیخ مفید، ص ۲۰ تا ۲۲، منتہی الآمال، ج ۳ ص ۲۸۶

[2] زندگانی امام حسن بن علیؑ از شریف باقر قریشی ج ۲ ص ۵۷۲

[3] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از شریف قمر عباس اعرجی ص ۵۳، الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۷۶ انشر قم المقدسہ

حسن کو ملی تھی اور اس دوران ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ بن امام علی علیہ السلام اور زید بن امام حسن علیہ السلام کے مابین تولیت صدقاتِ علی پر کچھ اختلاف اور مسائل تھے۔ ابو ہاشم عبداللہ کا دعویٰ تھا کہ زید نسب کے اعتبار سے اس کے برابر ہے اور فرق یہ تھا کہ زید بن حسن کا نسب فاطمہ بنت رسول خدا کی طرف جاتا تھا جبکہ ابو ہاشم عبداللہ کا نسب اس طرف نہ جاتا تھا۔

تولیتِ صدقات کے بارے میں یہ بھی شرط تھی کہ خاندان علیؑ میں سب سے زیادہ عالم اور فضیلت والے شخص کو اس کا متولی ہونا چاہئے اور ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ کے مطابق وہ زید بن حسن سے زیادہ عالم اور فقہ کا علم رکھتے ہیں۔ اور زیادہ بُردبار بھی ہیں۔ اس کے بعد زید بن حسن ولید بن عبدالملک کے پاس چلے گیا اور مسئلہ بیان کیا تو اس نے حکم دیا کہ زید بن حسن کو تولیت دی جائے۔[1]

شیخ مفید نے آپ کے مذہب کے متعلق کہا کہ زید بن امام حسن نے کبھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ زید بن حسن کی اس طویل عمر میں شیعہ کے تین گروہ نمودار ہو چکے تھے: (۱) امامیہ (۲) کیسانیہ (۳) زیدیہ

اول: کیسانیہ سے تو زید بن امام حسن یقینی طور پر متفق نہیں تھے کیونکہ کیسانی ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ بن امام علی ابن ابی طالبؑ کی پیروی کرتے تھے اور ابو ہاشم عبداللہ اپنے والد محترم کے بعد کیسانی تحریک کے امام سمجھے جاتے تھے۔

زید بن امام حسن علیہ السلام کے ابو ہاشم عبداللہ کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں تھے کیونکہ ان دونوں کا صدقات کی تولیت پر ایک دوسرے سے اختلاف ہوا۔[2]

دوم: زید بن حسن کا زیدیہ فرقہ شیعہ سے ہونا بھی درست نہیں کیونکہ اس طریقہ سے ان کو امامت کا مدعی ہونا ہوتا اور زید بن امام حسن نے اپنی زندگی میں کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ خاموشی سے زندگی گزار دی اور تقیہ زیدیہ شیعہ میں حرام سمجھا جاتا ہے۔ شیخ مفید کے نزدیک زید بن امام حسن بنی امیہ کے دور میں تقیہ میں تھے۔[3]

زید بن امام حسن اور نقل حدیث:

آپ نے اپنے والد امام حسن بن علی علیہ السلام، جابر بن عبداللہ انصاری اور عبداللہ بن عباس سے احادیث

---

[1] حیاۃ ومسندۃ عبدالعظیم حسنی، ص ۷۵

[2] حیات ومسندہ عبدالعظیم حسنی ص ۷۵

[3] الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۲۲

نقل کیں۔ اور جن لوگوں نے آپ سے احادیث نقل کیں ان میں آپ کے فرزند حسن بن زید، عبدالرحمان بن ابی موال، ابومعشر عبداللہ بن عمرو بن خداش، عبدالمالک بن زکریا انصاری۔

اور یزید بن عیاض بن جعدبہ شامل ہیں۔[1]

اس کے علاوہ شیخ طوسی نے آپ کو امام زین العابدینؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔[2]

ابن حبان نے آپ کو ثقات کے زمرہ میں شامل کیا اور روایات کو قبول کیا ہے۔[3]

ابن حجر نے کتاب تہذیب التہذیب میں زید بن حسن کو ہاشمی مدنی اور جلیل القدر بزرگوار تحریر کیا ہے۔[4]

وفات:

آپ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ بقول شیخ مفید آپ نے نوے سال کی عمر میں وفات پائی اور بقول سید محسن الامین کہ آپ کی وفات سن ۱۲۰ ہجری کو ہوئی اس وقت اپ کی عمر ۹۰ یا ۹۵ یا ۱۰۰ سال تھی۔[5]

آپ کی وفات مکہ اور مدینہ کے درمیان ''حاجز'' نامی جگہ پر ہوئی۔ آپ کے جنازے پر حسن مثلث بن حسن مثنیٰ اور ابراہیم غمر بن حسن مثنیٰ جو آپ کے بھتیجے تھے گریہ کرر ہے تھے اور انہوں نے آپ کے تابوت کو اٹھایا ہوا تھا۔[6]

اور عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ جنازے کے آگے پیدل چل رہے تھے اور باقی لوگ بھی احترام میں پیدل چلنے لگے آپ کا جنازہ آپ کے گھر لایا گیا جہاں آپ کو غسل دیا گیا اور پھر قبرستانِ بقیع میں دفن کر دیا گیا۔[7]

آپ کی وفات پر بہت سے شعراء نے مرثیہ کہا جن میں قدامہ بن موسیٰ جمحی بھی شامل ہے۔

اولاد زید بن امام حسن علیہ السلام:

آپ کی شادی حضرت عباس علمدار کی بیوہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس عبدالمطلب سے ہوئی تھی۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۵۰
[2] نقد الرجال ج ۲ ص ۲۸۲
[3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۵۰، اعیان الشیعہ ج ۷ ص ۹۶
[4] تہذیب التہذیب از ابن حجر ج ۳ ص ۳۵۰
[5] اعیان الشیعہ ج ۷ ص ۹۵
[6] تاریخ کبیر ج ۳ ص ۳۹۲
[7] حیاۃ و مسندۃ عبدالعظیم حسنی، ص ۸۴

شریف عمری نے آپ کے ایک فرزند یحییٰ اور دوسرے ابومحمد حسن تحریر کئے ہیں۔ ان میں ابومحمد حسن کی والدہ بقول نسابین ام الولد زجاجہ تھیں اور یحییٰ بن زید کی قبر مصر میں تھی مگر ان کی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ نفیسہ نامی ایک دختر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ آپ کی نسل صرف حسن بن زید سے ہی جاری ہوئی۔

(۴۳) حسن بن زید بن امام حسن علیہما السلام

بقول نسابہ جمال الدین ابن عنبہ آپ کی والدہ ام الولد زجاجہ نامی خاتون تھیں جس کا لقب ''رقرقا'' تھا۔[1]

بعض مؤرخین نے آپ کی والدہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس لکھی ہیں لیکن اول قول نسابین کا ہے اور درست قول اول ہی ہے۔ آپ کی کنیت ابومحمد تھی۔ آپ اولادِ علی میں اول تھے جنہوں نے بنی عباس کی موافقت میں کالا لباس پہنا۔

بقول ابن عنبہ آپ بنی عباس کی طرف سے اپنے چچازادوں یعنی اولادِ حسن مثنیٰ کی جاسوسی کی خبریں منصور کو پہنچاتے تھے۔[2]

زندگی پر ایک نظر:

آپ کے والد محترم واقعہ کربلا میں غیر جانبدار رہے۔ بقول ابن عنبہ انہوں نے اپنے چچا امام حسین سے اختلاف کیا اور ان کے ساتھ کربلا کے سفر پر نہیں گئے۔ اور جب ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ اور زید بن امام حسنؑ کے درمیان صدقات کی تولیت پر اختلاف ہوئے تو زید بن امام حسن علیہ السلام یہ مسئلہ لے کر ولید بن عبدالملک کے پاس گئے اور اس نے زید بن امام حسن علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

اسی طرح ان کے فرزند نے بھی عام علوی حضرات کی طرح جنگ و جدل کو معمول نہ بنایا اور بنو امیہ کے دور میں کسی بڑی کاروائی کا حصہ نہ بنے حتیٰ کہ جب بنی عباس نے سادات کا انتقام لینے کے لئے اور بنی امیہ کے ظلم کے خلاف لڑنے کے لئے مختلف منطقوں میں اپنے داعی بھیجے تو اس وقت بھی حسن بن زید بن امام حسنؑ نے واضح طور پر کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیا جبکہ دوسری طرف ان کے چچا زاد یعنی بنی حسن المثنیٰ نے بنی عباس کے شانہ بشانہ ہو کر اس تحریک میں حصہ لیا لیکن اولاد زید بن امام حسن نے اس عرصہ میں کسی بڑی سرگرمی

---

[1] عمدة الطالب از ابن عنبہ ص ۶۶

[2] عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب از جمال الدین ابن عنبہ ص ۶۵

میں حصہ نہیں لیا۔

جب بنی امیہ کا تختہ پلٹا ابومسلم خراسانی نے بنی امیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور حکومت پر بنی عباس براجمان ہوگئے۔ معاہدے کے تحت حکومت عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے فرزند اکبر محمد نفس ذکیہ کے سپرد ہونی تھی مگر بنوعباس نے بنی حسن المثنیٰ کو فریب دے کر حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور سب سے پہلے عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے فرزندان کو طلب کیا جانے لگا اس دوران سید محمد نفس ذکیہ اور ان کے برادر ابراہیم روپوش ہوگئے۔

بنی عباس کو ان سے مستقل خطرہ تھا، کیونکہ محمد نفس ذکیہ حکومت اسلامی کے دعویدار تھے اور ان کی بیعت تمام بنوعباس کے اکابرین نے کی ہوئی تھی۔ اس لئے بنوعباس کو یہ خوف تھا کہ کبھی بھی محمد نفس ذکیہ ظاہر ہوں گے اور اپنے حق کے طلبگار ہوں گے اور اولادرسولؐ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی طرف مائل ہوجائیں گے۔

بنوعباس کے خلیفہ اوّل ابو العباس سفاح عباسی نے ہر ممکن کوشش کی کہ کہیں سے عبداللہ محض کے فرزندان کی خبر ملے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا منصور عباسی نے آتے ہی تمام سیاسی تدابیر لینی شروع کردی اور ساتھ ساتھ تشدد کا راستہ بھی اپنایا۔ سادات کی حمایت حاصل کرنے کیلئے اس نے حسن بن زید بن امام حسن کو مدینے کا گورنر تعینات کردیا۔ اور حسن بن زید بن حسن نے اس عہدہ کو قبول بھی کرلیا۔

۱۵۰ ہجری میں مدینے کے گورنر بنے یوں حسن بن زید بن امام حسن نے علویوں میں سب سے پہلے کالا لباس پہنا جو بنی عباس کا سرکاری لباس تھا۔ آپ نے اپنے بھتیجوں کی جاسوسی بھی کروائی اور ان کی حرکات کی خبریں بنوعباس کو دیتے رہے۔ اس لئے آپ کو حکومت دی گئی۔

بعض روایات کے مطابق آپ اپنے بھتیجوں کی خبر جب وہ کسی مقام پر قیام پذیر ہوکر چلے جاتے تب منصور کو دیتے منصور کاروائی کروا کر چھاپے مارتا تو معلوم ہوتا کہ محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم یہاں سے کچھ دن قبل نکل گئے ہیں۔

یعنی حسن بن زید بن امام حسن جان بوجھ کر تاخیر سے خبر دیتے تاکہ ان کے بھتیجے کسی محفوظ مقام پر منتقل ہوجائیں، لیکن منصور برابر حسن بن زید کے ذریعے محمد نفس ذکیہ کی خبر کے درپے رہتا تھا۔ ۱۵۵ ہجری میں آپ معزول ہوگئے پھر آخر منصور آپ سے ناراض ہوگیا اور آپ کو مدینے کی حکومت سے معزول کردیا اور بغداد میں قید کردیا اور آپ کا مال چھین لیا اور منصور کی وفات تک قید رہے۔ مہدی خلیفہ بنا تو آپ کو رہا کیا اور آپ کا مال واپس کردیا۔ حسن بن زید نے منصور، مہدی، ہادی اور ہارون رشید کا زمانہ دیکھا اور ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

بقول ابو الغنائم حسنی کہ کہا ابن خداع نسابہ مصری نے آپ نے حاجر نامی مقام پر وفات پائی۔[1]
خطیب بغدادی نے حسن بن زید کے بیٹے سے روایت کی کہ میرا باپ صبح کی نماز اوّل وقت میں جب فضا تاریک ہوتی ہے پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن نماز صبح ادا کی اور اپنی زمین کی طرف چلے جو کہ ''غابہ'' میں تھی اچانک ان کے پاس عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بن عوام آیا۔ یعنی مؤلف کتاب نسب قریش کا والد اور میرے والدمحترم سے کہا۔ میں نے شعر پڑھنا ہے آپ سنیے میرے والد نے کہا یہ شعر پڑھنے کا وقت نہیں۔ عبداللہ بن مصعب نے کہا آپ کو اس قرب اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ یہ میرا شعر سن لیں اور شعر پڑھا:

یا بن بنت النبی و ابن علی

انت انت المجیر من ذی الزمان

''اے نبی کی بیٹی کے بیٹے اور علی کے بیٹے صرف تم ہی اس زمانہ سے پناہ دے سکتا ہے۔''
اس کا مقصد تھا کہ حسن بن زید اس کا قرض ادا کر دیں تو حسن بن زید نے وہ قرض ادا کر دیا۔[2]
خطیب بغدادی کے بقول آپ بنی حسن کے سخی افراد میں سے تھے۔
بقول شیخ عباس قمی جب ابراہیم بن عبداللہ محض کو شہید کر کے انکا سر منصور کے پاس لایا گیا تو آپ اس کے قریب موجود تھے۔ منصور نے حسن بن زید سے کہا کیا تم اس سر کو پہچانتے ہو تو حسن بن زید نے کہا:
''یہ ایسا شخص تھا جس کی تلوار اسے لوگوں کے ظلم سے بچاتی تھی اور ذلت کی جگہ سے اسے ذلت سے اجتناب کرنا نجات دیتا تھا یہ کہہ کر رونے لگے۔ منصور کہنے لگا میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مارا جائے لیکن وہ چاہتا تھا کہ میرا سر تن سے جدا کر دے لہٰذا میں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔''[3]
بقول ابی الفرج اصفہانی کہ عیسیٰ بن عبداللہ بن مسعود کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ جس وقت ہشام بن عمرو بن بسطام نے عبداللہ اشتر بن محمد نفس ذکیہ کو قتل کر کے انکا سر مدینے کو روانہ کیا اس وقت مدینے کے حاکم حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام تھے۔ وہ خطباء کو بلا کر خطاب کروا رہے تھے جو منصور کا تذکرہ کر رہے تھے اور

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۰۳
[2] احسن المقال ترجمہ منتہی الآمال ج ۱ ص ۳۰۸، ۳۰۹
[3] احسن المقال از شیخ عباس قمی ترجمہ منتہی الآمال از صفدر حسین نجفی ج ۱ ص ۳۰۹

اس کی تعریفیں بیان کر رہے تھے جبکہ حسن بن زید بن امام حسن منبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے عبداللہ اشتر بن محمد نفس ذکیہ کا سر مبارک پڑا ہوا تھا۔ آخر میں حسن بن زید بن امام حسن نے خطاب کرتے ہوئے لوگوں کو ابوجعفر منصور کی اطاعت پر ابھارتے ہوئے کہا:

''ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کے خلاف امیر (منصور) کے لئے کافی ہے جنہوں نے امیر کے خلاف بغاوت اور سرکشی کی اور ان سے عداوت اور دشمنی کا اظہار کیا اور ان کی اطاعت سے روگردانی کی اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے امیر کے راستے سے جداگانہ راستے کا انتخاب کیا۔''[1]

چند دیگر واقعات از محققین موافقت ہمراہ بنی عباس:

بقول ابن اثیر حسن بن زید عباسیوں کی طرف مائل تھے۔[2]

اور شیعہ آئمہ پر ان کا اعتقاد نہیں تھا اور تین خلفاء کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔[3]

بقول مامقانی عباسیوں کی فتح اور خلافت قائم ہونے پر وہ بنوعباس کے طرف دار رہے۔[4]

بقول مامقانی وابن اثیر کہ حسن بن زید بن امام حسن نے ہی محمد نفس ذکیہ کے قیام کی خبر منصور کو دی کہ عنقریب محمد نفس ذکیہ خروج کرنے والا ہے اس لئے موسیٰ الجون بن عبداللہ محض ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے خداوندا ہمارے خون کا انتقام حسن بن زید سے لیا جائے۔[5]

محمد نفس ذکیہ کی شہادت کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ عباسی نے محمد نفس ذکیہ کا سر قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن کے ہاتھوں منصور عباسی کو بھیجا اور اسے فتح کی خوشخبری دی گئی۔ حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام اس وقت منصور کی مجلس میں ہی موجود تھے جب محمد نفس ذکیہ کا سر اسے پیش کیا گیا حسن بن زید بہت رنجیدہ ہوئے مگر خوف کی وجہ سے کچھ نہیں کہا۔ بعد میں حسن بن زید نے کہا کاش وہ تسلیم کر لیتا اور قتل نہ ہوتا۔[6]

---

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر ص ۲۹۲ تا ۲۹۴

[2] ابن اثیر ج۶ ص ۸۰

[3] شوستری ج ۳ ص ۲۴۸

[4] مامقانی ج۱۹ ص ۲۳۰

[5] ابن اثیر ج ۵ ص ۵۱۴، مامقانی ج۱۹ ص ۲۳۰

[6] ابن اثیر ج ۵ ص ۵۵۰

اسی طرح جب ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کا سر منصور کو پیش کیا گیا۔ تو بھی حسن بن زید وہیں موجود تھے لوگ ابراہیم کے سر کے سامنے آتے اور اس کو اور اس کے خاندان والوں کو برا بھلا کہنے لگے۔ حسن بن زید نے سر دیکھا تو آپ کا رنگ زرد پڑ گیا اور منصور کو کہا۔ اے امیر! تم نے اسکو قتل کیا جبکہ یہ روزہ دار تھا۔ اور راتوں کو جاگتا تھا اور عبادت کرتا تھا۔ تم نے یہ کیوں کیا اور اسکا خون کیونکر اپنے سر لیا۔[1]

مدینے میں حکمرانی اور معزولی:

بقول محمد ابن جریر طبری کہ ۱۵۰ ہجری کو منصور نے حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام کو مدینے کی حکومت سپرد کی۔[2]

اور ۱۵۵ ہجری کو منصور آپ سے بدگمان ہوگیا اور اس کو حسن بن زید پر غصہ آیا اس لئے حکومت سے معزول کر دیا۔ اور بغداد میں قید کر دیا اور آپ کے اموال کو ضبط کر لیا۔[3]

اس کے بعد خلیفہ مہدی عباسی جب تخت پر بیٹھا تو اس نے آپ کو رہا کر دیا اور حاکم مدینہ عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کو خط تحریر کیا کہ وہ حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔[4]

اور آپ کی ضبط شدہ جائیداد آپ کو واپس کر دی گئی۔[5]

الکلینی روایت کرتے ہیں کہ جب حسن بن زید بن امام حسن والی حرمین (مکہ و مدینہ) تھے اور منصور سے حکم وصول کرتے تھے تو آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر کو بحکم منصور عباسی آگ لگا دی اور اس گھر کی دہلیز کو جلا دیا جبکہ امام صادق علیہ السلام اس آگ سے صحیح سلامت باہر آ گئے اور فرمایا:

میں اعراق الثری کا بیٹا ہوں اور یہ لقب حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کا تھا۔"[6]

لیکن بقول طبری آپ نے پانچ سال مدینہ میں حکمرانی کی اور یہ عرصہ ۱۵۵۔۱۵۰ ہجری کا ہے اور

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۷۸
[2] تاریخ طبری بیروت، ج ۸ ص ۳۲ ،تاریخ ابن اثیر ج ۵ ص ۵۹۳
[3] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۵۴۳
[4] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۵۴۳
[5] تاریخ ابن اثیر ج ۶ ص ۸۰
[6] اصول کافی از کلینی ج ۱ ص ۴۷۲

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت ۱۴۸ ہجری میں ہوئی۔ اس لئے یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا۔

وفات:

۱۶۸ ہجری کو حسن بن زید خلیفہ مہدی عباسی کے ہمراہ عازم حج ہوئے اور اس دوران حاجر نامی مقام پر وفات پائی جو کہ مدینہ سے ۵ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے اور اسی جگہ سپرد خاک ہوئے، اس وقت آپ کی عمر ۸۵ سال تھی۔[1]

جبکہ بعض دیگر حوالوں سے آپ کی عمر وفات کی وقت ۸۰ سال تھی۔

اولاد حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام:

بقول عمری کہ کہا شیخ شرف العبید لی نے اپنی کتاب تہذیب الانساب میں کہ حسن بن زید بن امام حسن کی اولاد سات پسران سے جاری ہوئی جن میں: (۱) قاسم (۲) علی (۳) اسماعیل (۴) ابراہیم (۵) زید (۶) عبداللہ (۷) اسحاق شامل ہیں۔[2]

اسی طرح بقول جمال الدین ابن عنبہ آپ کی اولاد سات پسران سے جاری ہوئی:

(۱) القاسم، جن کی کنیت ابومحمد تھی اور آپ کی والدہ ام سلمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن بن امام علی علیہ السلام تھیں۔

(۲) علی جن کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کی والدہ ام الولد تھیں آپ کی وفات منصور کی قید میں ہوئی آپ کا لقب ''سدید'' تھا۔

(۳) زید آپ کی کنیت ابوطاہر تھی اور آپ کی والدہ ام الولد نوبیہ تھیں۔

(۴) ابراہیم، آپ کی کنیت ابواسحاق تھی آپ کی والدہ بھی ام الولد تھیں۔

(۵) عبداللہ، آپ کی کنیت ابوزید اور ابومحمد تھی، آپ کی والدہ ام الولد جریدہ تھیں، یہ قول ابی نصر بخاری کا ہے اور ابی نصر بخاری نے اپنی کتاب میں دوسری جگہ ان کی والدہ ام الرباب بنت بسطام تحریر کی ہیں۔ واللہ اعلم

(۶) اسحاق، آپ کی کنیت اباالحسن تھی اعور تھے اس لئے لقب کوکبی تھا آپ کی والدہ ام الولد بحرانیہ تھیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ ہارون رشید کے مصاحبین میں سے تھے۔ آپ کی رائے سے ہارون رشید نے علویوں کی ایک جماعت کے قتل کا حکم دیا۔ بعد میں ہارون رشید کو یہ بات ناگوار گزری تو اس نے آپ کو قید کر دیا۔ جہاں آپ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۵۴۳، خطیب بغدادی ج ۸ ص ۲۷۴

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۰۳

فوت ہو گئے۔

(۷) اسماعیل آپ کی کنیت ابومحمد تھی اور لقب حالب الحجارۃ تھا آپ اپنے پدر بزرگوار کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔

بقول ابی نصر بخاری لوگوں میں اولاد حسن بن زید بن امام حسن کی اولاد سے پانچ فرزندان کی اعقاب ثابت ہے جن میں (۱) قاسم (۲) علی (۳) زید (۴) اسحاق (۵) اسماعیل۔ ان پانچوں کی اولاد جاری ہوئی اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ جبکہ (۶) ابراہیم کی اولاد کے باقی ہونے میں اختلاف موجود ہے اور (۷) عبداللہ کی اولاد کہانہیں ہے، پھر بعض نے اس کے خلاف نفی لکھی۔

بقول شیخ سید تاج الدین ابن معیہ حسنی کہ حسن بن زید بن امام حسن کی اولاد سات پسران سے ہی جاری ہوئی۔ ان میں : (۱) قاسم (۲) اسماعیل (۳) علی السدید کی اولاد کثیر ہے۔ اور چار (۴) اسحاق (۵) زید (۶) عبداللہ اور (۷) ابراہیم کی اولاد کم ہے۔[1]

تاریخی مصادر سے آپ کی ایک دختر سیدہ نفیسہ بنت حسن بن زید کا معلوم ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نفیسہ، زید بن حسن کی دختر تھیں نہ کہ حسن بن زید بن حسن کی۔ اور ان کی شادی اسحاق المؤتمن بن امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ یعنی نفیسہ بنت حسن بن زید بن امام حسن کی شادی فرزند امام صادق سے ہوئی تھی۔ آپ کی ولادت ۱۱ ربیع الاوّل ۱۴۵ ہجری کو ہوئی۔ آپ کی شادی ۱۵ برس کی عمر میں اسحاق المؤتمن بن امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہوئی۔[2]

سیدہ نفیسہ ۱۹۳ ہجری میں مصر کے سفر پر گئیں جہاں عوام نے ان کا استقبال کیا۔ جہاں ان کا حکم عظیم اور ان کی شان رفیع قرار پائی۔[3]

وہاں انہوں نے اپنے شوہر کے ہمراہ ایک تاجر جمال الدین بن عبداللہ بن جصاص کے گھر قیام کیا کچھ ماہ قیام کے بعد انہوں نے ام ہانی کے یہاں نقل مکانی کی اور یہاں سے ابوالسرایا ایوب بن صابر کے گھر میں منتقل ہو گئیں۔ عوام میں آپ کا استقبال اس طرح ہوتا تھا کہ آپ کو محسوس ہوتا تھا کہ صاحب خانہ کی اذیت کا سبب بن رہا ہے۔ لہٰذا آپ نے ترکِ مصر کا قصد کیا۔ لوگوں نے حاکم سے درخواست کی کہ آپ کی رہائش کا

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از جمال الدین ابن عنبہ حسنی ص ۶۶، نشر مکتبہ حیدریہ نجف و انصاریان قم
[2] گوہر خاندان امامت یا زندگی نامہ سیدہ نفیسہ ص ۷ انتشارات عطارد تہران
[3] ناسخ التواریخ ج ۳ ص ۱۲۰

انتظام کیا جائے ۔ حاکم نے ایک مکان سیدہ کے لئے مخصوص کردیا اور اس لئے آپ نے مصر میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔[1]

سیدہ نفیسہ کو قرآن سے بہت تعلق خاطر تھا زیادہ تر مؤرخین نے تحریر کیا کہ ان کو قرآن مکمل حفظ تھا اور انہوں نے قرآن کو انیس سو بار ختم کیا ہوا تھا۔ اور ان کے انتقال اس آیہ کریمہ کی تلاوت کے وقت ہوا:

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ (سورۃ الانعام:۱۲۷)[2]

انہوں نے اپنی زندگی میں ۳۰ بار حج بیت اللہ کیا۔ وہ اہل نماز شب تھیں اور اکثر اوقات روزہ رکھا کرتی تھیں۔[3]

نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودی اور روزانہ اس قبر میں اتر کر نماز پڑھتیں اور تلاوت کیا کرتی تھیں۔

امام محمد بن ادریس شافعی نے اپنی عمر کے تیسرے عشرے میں فقہ کی طرف توجہ دی وہ مصر گئے اور جس وقت وہ مسجد فسطاط میں تدریس کیلئے جاتے تھے تو اثنائے راہ میں سیدہ نفیسہ کے گھر میں توقف کرتے اور ان سے اخذ حدیث کرتے تھے۔[4]

اس کے علاوہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال جو احمد بن حنبل سے معروف ہیں وہ سیدہ نفیسہ کے علمی اخذ حدیث کی نشستوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔[5]

کہا جاتا ہے کہ صوفی ذوالنون مصری نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا۔

سیدہ نفیسہ اپنے گھر میں ہی دفن ہوئیں اس وقت وہیں ان کا مزار ہے۔ ان کے شوہر نے چاہا کہ ان کا جنازہ لے کر مدینہ لے جایا جائے لیکن اہل مصر نے ان سے چاہا کہ وہ انہیں تبرک اور توسل کیلئے وہیں مصر میں دفن کریں۔[6]

---

[1] گوہر خاندان امامت ص ۱۳، آل بیت نبی فی مصر ص ۱۰۸

[2] کواکب السیارۃ فی ترتیۃ الزیارۃ از ابن زیارت ص ۳۳

[3] بانوی کرامت گلی زوارہ ص ۳۴

[4] نور الابصار، از شبلنجی نشر قاہرہ ص ۲۵۶

[5] آل بیت النبی فی مصر ص ۱۰۷

[6] الشیعہ فی مصر از الوردانی ص ۱۱۰

اس لئے آپ کو مصر میں ہی دفن کیا گیا جہاں آج آپ کا دربار مرجع خلائق ہے۔

(۴۴) ابو محمد قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام

آپ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑی تھے۔ المجدی فی انساب الطالبین میں عمری نے ابن خداع نسابہ مصری کا قول نقل کیا ہے کہ آپ کی والدہ ام سلمۃ بنت حسین اثرم بن امام حسن بن مولا علی شیر خدا تھیں اور قاسم زاہد اور عابد اور ورعا میں کمال تھے۔

اور آپ کے چار فرزند اور دو دختران تھیں۔ دختران میں: (۱) عبیدۃ کی شادی اپنے چچا زاد طاہر بن زید بن حسن سے ہوئی اور خدیجہ کی شادی عبدالعظیم بن (عبداللہ) بن علی السد ید بن حسن بن زید بن امام حسن سے ہوئی۔ اور آپ کے چار بیٹے تھے: (۱) عبدالرحمان شجری (۲) محمد بطحانی (۳) حمزہ (۴) حسین [۱]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی کہ آپ بنی عباس کی جانب سے اپنے چچا کی اولاد پر نظر رکھتے تھے (یعنی ان کی جاسوسی کیا کرتے تھے)۔[۲]

محمد نفس ذکیہ کے خروج میں آپ نے کھل کر بنو عباس کا ساتھ دیا۔ بقول محمد ابن جریر طبری کہ جب عیسیٰ بن موسیٰ عباسی لشکر لیکر مدینہ کے قریب پہنچا تو قاسم بن حسن بن زید کو محمد نفس ذکیہ کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تا کہ وہ اسے سمجھا بجھا کر اس مقابلے سے باز رکھیں اور محمد نفس ذکیہ کو اطلاع دے کہ ابوجعفر منصور نے ان کو اور ان کے اہل بیت کو امان دے دی ہے۔ محمد نفس ذکیہ نے جواب میں قاسم سے کہا:

> ''اگر سفیروں کو قتل نہ کرنے کا رواج نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا میں بچپن سے تجھے دیکھتا ہوں کہ جب دو فریق ایک صاحب خیر اور دوسرا شر پر ہوتا ہے تو تُو ہمیشہ خیر کے مقابلے پر شر کا ساتھ دیتا رہا ہے۔'' [۳]

اس کے علاوہ تاریخ ابن اثیر میں رقم ہے کہ جب محمد نفس ذکیہ قتل ہوئے تو عیسیٰ بن موسیٰ عباسی نے محمد نفس ذکیہ کا سر قاسم بن حسن بن زید کے ہاتھ منصور عباسی کو بھیجا اور اسے فتح کی خوشخبری دی گئی اس وقت قاسم بن حسن کے والد محترم حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام بھی منصور کی مجلس میں ہی موجود تھے۔ جب محمد نفس ذکیہ کا

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۰۳

[۲] عمدۃ الطالب فی نسب آل ابی طالب، ص ۶۶

[۳] تاریخ طبری از محمد ابن جریر طبری اردو ترجمہ ج ۵ حصہ دوم ص ۱۶۴

سرِ منصور پیش کیا گیا تو حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام بہت رنجیدہ ہوئے مگر خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہا۔
اور بعد میں حسن بن زید نے کہا کاش وہ تسلیم کر لیتا اور قتل نہ ہوتا۔[1]

قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن کی والدہ ام سلمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن علیہ السلام تھیں۔ اس لئے آپ اسماعیل اعرج، عبداللہ افطح اور ام فروہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور یہ تینوں امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد تھی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی شادی فاطمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن سے ہوئی تھی۔

اولاد قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام:

بقول عمری آپ کی دو دختران اور چار فرزندان تھے، دختران میں: (۱) عبیدہ جن کی شادی اپنے چچا زاد طاہر بن زید بن حسن بن زید سے ہوئی اور دوسری دختر (۲) خدیجہ، جن کی شادی عبدالعظیم حسنی بن عبداللہ بن علی السدید بن حسن بن زید بن امام حسن سے ہوئی۔

اور فرزندان میں (۱) عبدالرحمان شجری (۲) محمد بطحانی (۳) حمزہ (۴) حسین تھے۔ بقول شیخ شرف عبیدلی نسابہ کبیر کہ آپ کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: عبدالرحمان شجری، محمد بطحانی اور حمزہ۔

اور بقول عمری کہ چوتھے فرزند حسن (حسین) بن قاسم کا ایک فرزند حسین تھا جب وہ دیلم گیا تو پھر کوئی خبر موصول نہیں ہوئی۔

پھر اول حمزہ بن قاسم بن حسن بقول شیخ شرف عبیدلی کہ حمزہ کی اولا ''فی صح'' ہے۔ یعنی ان کے ہونے یا نہ ہونے کی خبر نہیں مگر بقول ابی الحسین بن دینار اسدی نسابہ اور ابو عمر و عثمان بن متاب نسابہ اور ابن خداع نسابہ مصری کہ حمزہ کی اولاد میں: (۱) علی تھا جس کی والدہ فاطمہ بنت علی السدیہ تھیں (۲) حسین (۳) محمد (۴) ام علی جن کی شادی ابن ارقط سے ہوئی (۵) ام الحسن جن کی شادی محمد بن امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہوئی (۶) امینہ جن کی شادی جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن محمد حنفیہ بن امام علیؑ سے ہوئی۔

اور بقول نسابہ محمدی کہ ایک دختر (۷) میمونہ کی شادی زید النار بن امام موسیٰ کاظمؑ سے ہوئی اور ایک بیٹی حسنہ کی ولادت ہوئی۔

بقول عمری اول علی بن حمزہ کا ایک فرزند محمد تھا جس کی کوئی خبر موصول نہیں ہوئی۔

دوم: محمد بن حمزہ کی والدہ ام الولد تھیں ان کے چار فرزند تھے: (۱) حسن (۲) حسین (۳) حمزہ، ان

---

[1] تاریخ ابن اثیر ج ۵ ص ۵۵۰

تینوں کا قتل حسین الکوکبی کے ہمراہ قزوین میں ہوا۔اور (۴) چہارم فرزند عبداللہ کی والدہ ام الولد تھیں۔

بقول نسابہ ارقطی حسینی کہ حسن، حسین اور حمزہ ابنان محمد بن حمزہ بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام کا قتل۔ابی عبداللہ حسین الکوکبی بن احمد الدخ بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

کیونکہ ابی عبداللہ حسین کوکبی نے ۲۵۵ ہجری میں قزوین میں خروج کیا اور قزوین ابھر اور زنجان پر غالب آ گئے اور طاہر بن عبداللہ بن طاہر کے ساتھ زبردست جنگ ہوئی اور حسین الکوکبی کو شکست ہوئی۔

سوم: حسین بن حمزہ کی والدہ ام الولد تھیں اور آپ کے اعقاب یمامہ میں تھے۔[1]

قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن کی کثیر اولاد دو پسران: عبدالرحمان شجری اور محمد بطحانی سے آج دنیا میں موجود ہے۔

(۴۵) داعی صاحب دیلم (داعی الصغیر)

ابومحمد حسن بن قاسم بن حسن بن علی السید بن عبدالرحمان شجری بن قاسم بن حسن بن زید بن حسن بن امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

عمری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابومحمد حسن داعی بن قاسم بن حسن بن علی بن عبدالرحمان شجری جو کہ صاحب دیلم تھے اور ان کو بمطابق ۳۱۰ ہجری ایک جنگ میں مرداویج بن زیاد نے قتل کر دیا۔آپ زاہد تھے اور قزوین پر آپ کا قبضہ تھا۔اور آپ کی اولاد بھی تھی اور کہا جاتا ہے کہ ابومحمد حسن الداعی محمد البطحانی کی اولاد سے تھے لیکن یہ ثابت ہے کہ وہ عبدالرحمان شجری کی اولاد سے تھے۔[2]

پھر اسی طرح اولاد محمد بطحانی بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام کی اولاد کے تذکرے میں عمری تحریر کرتے ہیں کہ ابومحمد حسن الداعی جلیل بن قاسم بن علی بن عبدالرحمان بن قاسم بن محمد بطحانی المذکور اور عجمیوں کو یہ زعم تھا کہ یہ داعی عبدالرحمان شجری کی اولاد سے تھے اور یہ درست ہے اور اشنائی نسابہ کا زعم تھا کہ داعی یہی تھے۔[3]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۰۳، ۲۰۴

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۱۶ تا ۲۱۷

[3] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۱۴

اسی طرح سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی اولاد محمد بطحانی بن قاسم بن حسن بن زید کے تذکرے میں بیان کرتے ہیں الداعی الجلیل ابومحمد حسن بن قاسم بن علی بن عبدالرحمان بن قاسم بن محمد بطحانی تھے جوکہ دیلم کے حکمران تھے اور آئمہ زیدیہ میں سے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ داعی عبدالرحمان شجری کی اولاد سے تھے کہ یہ حسن بن قاسم بن علی بن عبدالرحمان شجری تھے اور یہ ابی نصر بخاری کے قول کے مطابق ہے اور اول روایت عمری نے تحریر فرمائی ہے۔ اور نقیب تاج الدین بن معیہ دوسرے قول پر قائل ہے جو عجمیوں کا ہے۔ واللہ اعلم [1]

اسی طرح سید جمال الدین ابن عنبہ اولاد عبدالرحمان شجری بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام کے تذکرے میں تحریر کرتے ہیں کہ

''حسن بن علی السید بن عبدالرحمان شجری کی اعقاب رے اور کوفہ میں گئی۔''

اور ان میں سے ہی داعی الصغیر تھے اور جنہوں نے کہا کہ یہ شجری تھے ان میں الشیخ ابوعبداللہ حسین بن طباطبا حسنی تھے انہوں نے کہا کہ داعی الجلیل ابومحمد حسن بن قاسم بن حسن بن علی بن عبدالرحمان شجری تھے اور ان کی اولاد ایک فرزند ابوعبداللہ محمد نقیب خلیفہ دیلم سے جاری ہوئی۔[2]

بقول شیخ ابونصر بخاری نسابہ کبیر کہ حسن بن قاسم بن حسن بن علی بن عبدالرحمان شجری بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام جوکہ داعی الصغیر تھے کیا کی بن ماہان کے ساتھ رے میں داخل ہوئے اور آمل میں ۳۱۶ ہجری بمطابق رمضان میں قتل ہوئے۔[3]

ابومحمد حسن بن قاسم بن حسن بن علی بن عبدالرحمان شجری جوکہ زیدی مذہب کے داعی اور طبرستان کے حاکم تھے اور داعی الصغیر کے طور پر معروف تھے اور حسن اطروش بن ابوالحسن علی عسکری بن ابومحمد حسن بن علی اصغر بن عمر اشرف بن امام زین العابدینؑ کے لشکر کے سب سے اول سپہ سالار تھے لیکن جب ان کے تعلقات حسن اطروش سے خراب ہوئے تو اس لشکر کے بزرگ ارکان اور دیگر زیدی علماء ان کی طرف راغب تھے انہوں نے امامت کا دعویٰ بھی کیا اور پھر حسن اطروش کو قید میں ڈال دیا اس کے بعد حسن اطروش کے فرزندوں اور ابومحمد حسن داعی صغیر کے درمیان جنگ ہوئی۔

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۷۷

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۸۳

[3] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ناشر مکتبہ حیدریہ نجف ص ۲۳

ابو محمد حسن داعی الصغیر کا قتل مرداویج بن زیاد کے ہاتھوں ۳۱۰ ہجری کو ہوا اور علویوں زیدیوں کی حکومت زوال پذیر ہوئی۔

حسن اطروش کے ساتھ تعلق:

حسن اطروش کے ساتھ منسلک ہونے کی کچھ خاص معلومات موجود نہیں لیکن حسن بن قاسم داعی صغیر نے قیام حسن اطروش میں حصہ لیا اور جنگ جو بوروز بمطابق جمادی الثانی ۳۰۱ ہجری میں سامانیوں کے خلاف ہوئی تو داعی صغیر علویوں کی فوج کا سپہ سالار تھا۔[1]

اور جب سامانیوں کو شکست ہوئی تو ابو محمد حسن داعی نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا جنہوں نے محلہ چالوس میں پناہ لی ہوئی تھی اور حسن اطروش نے انہیں امان دی ہوئی تھی ان کے قتل کے بعد داعی نے اس قلعہ کو بھی ویران کر دیا۔ ساری اور طبرستان میں علوی حکومت کے بعد آمل بھی حسن اطروش کے قبضے میں آ گیا۔[2]

دعویٰ امامت زیدی:

جب ابو محمد حسن داعی اور حسن اطروش کے تعلقات خراب ہوئے تو لشکر کے اہم عہدہ دار اور علمائے زیدی نے ابو محمد حسن داعی کی امامت کیلئے راستہ ہموار کیا اور حسن اطروش کو زندان مین قید کر دیا۔[3]

کچھ عرصہ بعد لیلیٰ بن نعمان جو کہ حسن اطروش کا وفادار سردار تھے اور ابو محمد حسن داعی کے حق میں نہیں تھا اس کی سفارش پر حسن اطروش کو رہا کیا گیا اور ابو محمد حسن داعی اور اس کے کچھ خاص وفادار دیلمان میں چلے گئے۔[4]

جہاں انہوں نے امامت کا دعویٰ کیا اور داعی کے لقب سے معروف ہوئے۔[5]

اس حادثہ کے بعد کچھ زیدی علماء اور سرداروں نے کوشش کی کہ زیدیوں کے مابین دو گروہ نہ بن جائیں اس لئے انہوں نے تجویز دی کہ ابو محمد حسن داعی کو حسن اطروش کی فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا جائے اور

---

[1] تاریخ طبرستان از ابن اسفند یار نشر عباس اقبال آشتیانی تہران ج ۱ ص ۲۶۹، کتاب المنتزع من جزالاول من کتاب المعروف التاجی فی اخبار دولۃ الدیلمیہ در اخبار آئمہ زیدیہ فی طبرستان دیلیمان وجیلان چاپ ویلفر د مادلونگ بیروت از ابراہیم بن ہلال صابی ص ۲۸
[2] کتاب تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء از حمزہ بن حسن حمزہ اصفہانی ص ۱۷۵، تاریخ طبرسان از ابن اسفندیار ج ۱ ص ۲۶۹
[3] ناطق بالحق ص ۵۷
[4] ناطق بالحق ص ۵۷
[5] کتاب المنتزع من خبر الاول من الکتاب از صابی ص ۳۰،۳۱

حسن اطروش کی موت کے بعد ابو محمد حسن داعی ان کے جانشین ہوں گے۔[1]

حسن اطروش نے ابو محمد حسن داعی کو داعی الی حق کا لقب عطا کیا حالانکہ وہ ایسا کرنا نہیں چاہتے تھے۔[2]

جب ابو محمد حسن الدعی واپس آئے تو حسن اطروش نے اپنی پوتی یعنی اپنے فرزند ابوالحسین احمد کی دختر کا نکاح ابو محمد حسن داعی کے ساتھ کر دیا۔

اور ان کو گرگان کے علاقے کا حاکم بنایا تاکہ وہ سامانی لشکر سے دفاع کر سکے اور اس کی ساتھ اپنے فرزند ابوالقاسم جعفر کو روانہ کیا۔

اور جب حملہ ہوا تو ابوالقاسم جعفر کی کارشکنی کی وجہ سے ابو محمد حسن الداعی محاصرہ میں گھر گیا اور سال ۳۰۴ ہجری کو مغلوب ہو کر آمل آیا اور یہاں سے گیلان چلا گیا۔[3]

بعد از وفات حسن اطروش:

سن ۲۵ شعبان ۳۰۴ ہجری حسن اطروش کی وفات ہوئی تو وصیت کے مطابق ابوالحسین احمد بن حسن اطروش نے ابو محمد حسن داعی کو آمل میں بلایا اور ۲۴ رمضان ۳۰۴ ہجری کو وصیت کے مطابق حکومت ابو محمد حسن داعی الجلیل کو سپرد کی گئی۔[4]

لیکن ابو القاسم جعفر نے اس پر اعتراض کیا اور ''رے'' چلا گیا اور سامانی عامل محمد بن علی صعلوک جو رے پر حکمران تھا اس کے پاس فروکش ہوا جبکہ ابوالحسین احمد نے ابو محمد حسن الداعی کے ساتھ وفاداری کی۔

سنہ ۳۰۶ ہجری میں گرگان پر علویوں کا تصرف ہوا شعراء نے اس پر قصائد تحریر کئے اور مبارک باد پیش کی پھر دوبارہ سامانی فوج ''قراتکین'' کی قیادت میں گرگان آئی اور ابو محمد حسن داعی اور ابوالحسین احمد کو آخر وہاں سے تمیشہ کی طرف جانا پڑا۔[5]

داعی کی عدالت:

داعی کے عدل و انصاف کے قصے بہت مشہور ہوئے۔ داعی ابو محمد حسن کی عدالت کی ایک مثال

---

[1] کتاب المنتزع از صابی ص ۱۳۱

[2] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ج ا ص ۳۷۵، ۳۷۶

[3] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ج ا ص ۲۷۵

[4] ناطق بالحق ص ۱۶

[5] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ص ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۱

قائم ہوگئی[1]

لیکن ابو القاسم جعفر بن حسن اطروش نے سامانیوں کے ساتھ مل کر ذی الحجہ ۳۰۶ میں حملہ کیا اور حالات بالکل بدل گئے۔

ابو محمد حسن الداعی کی شکست:

ان حالات میں ابوالحسین احمد بن حسن اطروش اپنے بھائی ابوالقاسم جعفر بن حسن اطروش سے مل گئے اور انہوں نے طبرستان کے مختلف علاقے فتح کر لئے اور ابو محمد حسن الداعی نے ناچار ہوکر ایک فوجی سردار محمد بن شہر یار قارنوندی کے پاس پناہ لی اور اس نے داعی کو علی بن وھسودان جستانی جو کہ خلیفہ مقتدر عباسی کا 'رے' میں نائب تھا کے پاس بھیج دیا جس نے ابو محمد حسن داعی کو قلعہ الموت میں قید کرلیا۔

دوبارہ حکومت حاصل کرنا:

اس کے بعد جب علی بن وھسودان جستانی قتل ہوا تو ابو محمد حسن داعی آزاد ہو گئے اور لوگوں کو جمع کر کے گیلان چلے گئے اور جمادی الثانی ۳۰۷ کو آمل پر حملہ کردیا اور ''ساری'' اور استر آباد کی طرف بڑھتے گئے اور ابوالحسین احمد اور ابوالقاسم جعفر پسران حسن اطروش کو شکست سے دوچار کیا اور اس شکست کے بعد ابوالقاسم جعفر گیلان کی طرف چلا گیا اور ابوالحسین احمد نے ابو محمد حسن الداعی سے صلح کر لی اور داعی نے اسے حکومت میں اپنے ساتھ شریک کرلیا۔[2]

چونکہ اس زمانے میں سامانیوں کا خراسان پر تصرف کمزور پڑ گیا تھا تو داعی نے اپنا سردار لیلیٰ بن نعمان ایک لشکر کی قیادت کے ساتھ روانہ کیا تا کہ سامانیوں پر فتح حاصل کی جا سکے۔ لیلیٰ بن نعمان دامغان پر تصرف حاصل کرنے کے بعد ذوالحجہ ۳۰۸ ہجری کو نیشاپور میں داخل ہوا اور داعی کے نام کو خطبہ نماز میں پڑھا جانے لگا لیکن ربیع الاوّل ۳۰۹ ہجری میں لیلیٰ بن نعمان کو طوس میں سامانیوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا اور اس معرکے میں وہ خود بھی قتل ہو گیا اس شکست کے بعد گیل اور دیلم کے کچھ سرداروں نے داعی کو قتل کر کے اس کی جگہ ابوالحسین احمد کو حاکم منتخب کرنا چاہا مگر داعی کو اس سازش کا علم ہو گیا اور اس نے ان حضرات کو گرگان میں قتل کر دیا۔[3]

---

[1] تاریخ طبرستان از ابن اسفند یار ص ۲۷۶، ۲۷۷

[2] تاریخ طبرستان از ابن اسفند یار ج ۱ ص ۲۸۱ تا ۲۸۳

[3] تاریخ طبرستان از ابن اسفند یار ج ۱ ص ۲۷۸، تاریخ ابن اثیر ج ۸ ص ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۸۹، ۱۹۰

سنہ ۳۱۰ ہجری میں سامانی فوج نے ''سیمجو ردواتی'' کی قیادت میں گرگان کو داعی اور ابوالحسین احمد سے واپس لے لیا، لیکن اسی سال کے آخر میں داعی نے دوبارہ گرگان کو فتح کرلیا اور ابوالحسین احمد کو گرگان کا حاکم مقرر کردیا۔ اس دوران ابوالقاسم جعفر نے گیلان میں ایک فوج جمع کرلی اور طبرستان پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا دوسری طرف ابوالحسین احمد جو کہ ابومحمد حسن الداعی کی طاقت سے ہراساں تھے انہوں نے آمل پر حملہ کردیا اور شکست کے بعد دوبارہ اپنے بھائی ابوالقاسم جعفر سے مل گئے ان دونوں بھائیوں نے گیل اور دیلم میں ''کاکی'' اور اسفار بن شیرویہ جیسے سرداروں کی حمایت سے جمادی اول سنہ ۳۱۱ ہجری کو طبرستان پر حملہ کردیا اور آمل پر قبضہ کرلیا یوں داعی مغلوب ہو گئے۔[۱]

اس شکست کے بعد داعی کو کوہستان میں پناہ لینا پڑی اور رجب ۳۱۱ ہجری کو ابوالحسین احمد کی وفات ہوئی تو حکومت ابوالقاسم جعفر کو مل گئی۔ داعی نے ۳۱۱ ہجری کو ہی دوبارہ آمل فتح کرنے کی کوشش کی مگر ناکام ہو گئے۔[۲]

نیز ذیقعدہ ۳۱۲ ہجری کو ابوالقاسم جعفر بھی فوت ہو گئے اور اہل گیل اور دیلم نے ان کے برادر زادہ ابوعلی حسن الناصر کی بیعت کرلی اور مکان الکاکی کو گرگان کا حاکم بنا دیا گیا۔ ابومحمد حسن الداعی ظاہری طور پر کوہستان سے گیلان چلا گیا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ لیکن حکومت کے مدعیان نے طبرستان میں جھگڑے شروع کردیے مکان الکاکی نے آمل حاصل کرلیا اور اوائل ۳۱۴ ہجری میں مکان نے داعی سے آمل آنے کی درخواست کی۔[۳]

وفات:

۳۱۶ ہجری میں تک، رے، قزوین، ابھر اور زنجان اور قم کو علویوں نے فتح کرلیا۔ اس دوران نصر بن احمد نے اسفار بن شیرویہ کو طبرستان بھیجا جو سامانیوں سے مل گیا تھا تاکہ طبرستان کو حاصل کیا جائے۔ دوسری طرف مکان الکاکی نے ابومحمد حسن داعی کا ساتھ دینے سے انکار کردیا اور داعی ایک چھوٹے سے لشکر کے ساتھ اسفار بن شیرویہ کی جانب بھیج دیئے گئے اس امید پر کہ آمل کے لوگ داعی کا ساتھ دیں گے مگر ابوالعباس فقیہ کے فتوے کے بعد اہل آمل نے داعی کی حمایت نہ کی۔[۴]

---

[۱] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ج ۱ ص ۲۷۴ تا ۲۷۶

[۲] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ص ۲۷۶

[۳] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ص ۲۸۶ تا ۲۹۲

[۴] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ج ۱ ص ۲۸۶ تا ۲۹۲، تاریخ مسعودی ج ۵ ص ۲۱۶

رمضان ۳۱۶ ہجری کو حالت نماز میں مرداویج بن زیاد نے داعی کو قتل کر دیا اور داعی کے قتل کے بعد امیر سامانی اور خلیفہ عباسی کا سکہ جاری ہوا اور خطبے میں ان کا نام پڑھا جانے لگا اور طبرستان سے علویوں کی حکومت ختم ہوگئی۔[۱]

بعد ازاں ابوالقاسم محمد بن حسن المعروف ابوعبداللہ داعی التوفی ۳۶۰ ہجری نے جو کہ حسن بن قاسم کے فرزند تھے اور دختر فیروز دیلمی نے طبرستان میں ایک زیدی امارت کا قیام عمل میں لایا۔[۲]

(۴۶) سید عبدالعظیم حسنی

عبدالعظیم حسنی بروز جمعرات ۴ ربیع الثانی ۱۷۳ ہجری کو ہارون رشید کے دور حکومت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔[۳]

بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔[۴]

آپ کے والد عبداللہ بن علی السدید بن حسن امیر بن زید بن امام حسن بن امام علی علیہ السلام تھے۔ بقول شیخ ابونصر بخاری کہ علی السدید بن حسن بن زید بن امام حسن اپنے والد کی زندگی میں انتقال کر گئے تو آپ کی کنیزوں کو فروخت کیا گیا لیکن ان میں ھیفاء نامی کنیز آپ سے حاملہ تھیں جب معلوم پڑا تو حسن بن زید بن امام حسن نے ان کو واپس لے لیا اور ان سے عبداللہ بن علی السدید پیدا ہوئے۔[۵]

یوں علی السدید کی اولاد صرف عبداللہ سے جاری ہوئی۔ عبداللہ بن علی السدید کی اولاد میں بقول ابوالحسن عمری کہ پانچ فرزند تھے: (۱) جعفر (۲) قاسم (۳) عبدالعظیم (۴) حسن (۵) احمد

جبکہ بقول ابن خداع نسابہ مصری اولاد کا سلسلہ صرف احمد اور عبدالعظیم سے جاری ہوا۔ ان میں عبدالعظیم عظیم شخصیت تھی جن کی قبر ''رے'' میں ہے۔[۶]

جبکہ بقول ابن طباطبا حسن کی اولاد بھی جاری ہوئی لیکن منقرض ہوگئی ۔ حسن بن عبداللہ المعروف

---

[۱] تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء از حمزہ اصفہانی ص ۱۵۳
[۲] ناطق بالحق ص ۶۴ تا ۷۴
[۳] الذریہ ج ۷ ص ۱۶۱ از آقائے بزرگ تہرانی
[۴] المعقبین از یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی عبیدلی ص ۷۳
[۵] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۲۴
[۶] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۲۱۹

مصفف ولی اموال فدک ایام معتضد میں رہے جبکہ ابوالحسن عمری نے ان کو فی ''صح'' لکھا ہے۔[1]

شیخ نجاشی کہتے ہیں سید عبدالعظیم کی وفات کے بعد غسل دیتے وقت آپ کے لباس میں ایک رقعہ پایا گیا جس میں ان کا نسب یوں درج تھا۔ عبدالعظیم بن عبداللہ بن علی بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب۔[2]

آئمہ طاہرین سے تعلق:

آپ کو کئی اماموں کی خدمت اقدس میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ آقاء بزرگ تہرانی نقل کرتے ہیں کہ عبدالعظیم حسنی نے امام رضاؑ، امام جوادؑ کے زمانے کو درک کیا اور امام ہادیؑ کی خدمت اقدس میں اپنا ایمان عرض کیا اور امام ہادیؑ کی زندگی میں ہی دنیا سے چلے گئے۔[3]

لیکن آیت اللہ خوئی نے حضرت عبدالعظیم کا امام رضاؑ کے ساتھ ہم عصر ہونے کو رد کیا ہے۔[4]

شیخ طوسی نے انہیں اپنی کتاب رجال شیخ طوسی میں امام حسن عسکریؑ کے اصحاب میں ذکر کیا ہے۔[5]

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالعظیم جب بھی امام جوادؑ یا امام ہادیؑ کی خدمت میں مشرف ہوئے تو نہایت ادب، خضوع وخشوع اور تواضع کا اظہار کرتے تھے اور نہایت ادب کے ساتھ ان اماموں کو سلام عرض کرتے تھے۔ امام انکے سلام کا جواب دینے کے بعد ان کو اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کے گھٹنے آپس میں ملتے تھے اور امام مکمل انکی خیر وعافیت دریافت کرتے، امام پاک کا یہ رویہ دوسروں کے لئے موجب حسرت ہوا کرتا تھا۔[6]

شہر ''رے'' کی جانب سفر:

حصرت عبدالعظیم کی زندگی بنی عباس کے دور میں شیعوں کی سرکوبی کے دوران گزری ہے۔ آپ سالوں سال دشمن کے ظلم اور بربریت کا شکار رہے۔ اس لئے مدینہ، بغداد اور سامراء میں زندگی کے دوران تقیہ میں

---

[1] عمدۃ الطالب ص ۸۶

[2] رجال نجاشی ص ۲۴۸

[3] الذریعہ ج ۷ ص ۱۹۰

[4] معجم رجال الحدیث از ابوالقاسم خوئی ج ۱۱ ص ۵۳

[5] رجال شیخ طوسی ص ۴۰۱

[6] زندگانی حضرت عبدالعظیم ص ۳۰

رہتے تھے اوراپنا عقیدہ پوشیدہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود متوکل اور معتز عباس کے ظلم کا شکار رہتے تھے۔[1]

تاریخی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالعظیم نے عباسی خلیفہ معتز کے ظلم و جور اور اذیت و آزار سے تنگ آ کر، امام علی ہادی علیہ السلام کے حکم پر سامراء سے ''رے'' ہجرت کی اور بعض

کہتے ہیں کہ انہوں نے علی ابن موسیٰ الرضا کی زیارت کے قصد سے خراسان کا سفر کیا اور راستے میں حمزہ بن امام موسیٰ کاظم کی زیارت کے لئے رک گئے اور وہیں پر مخفیانہ زندگی گزارنے لگے۔[2]

شیخ نجاشی نے احمد بن محمد بن خالد برقی کے توسط سے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے:

''حضرت عبدالعظیم وقت کے جابر اور ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں سے فرار ہوتے ہوئے شہر ''رے'' آئے ور وہاں پر ''سکۃ الموالی'' ایک محلے میں ایک شیعہ مومن کے گھر کے تہہ خانے میں عبادت میں مشغول رہتے تھے گھر سے مخفی طور پر باہر آ کر کسی قبر کی زیارت کے لئے جاتے اور کہا کرتے یہ قبر حمزہ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسل سے کسی شخص کی قبر ہے۔ آپ اسی تہہ خانے میں زندگی گزارتے تھے یہاں تک کہ ایک کے بعد ایک شیعہ کو آپ کی خبر ہونے لگی اور اکثر شیعوں کو آپ کے وہاں رہنے کے خبر ہوگئی۔''[3]

وفات:

کہا جاتا ہے کہ شاہ عبدالعظیم حسنی کی رحلت ۱۵ شوال ۲۵۲ ہجری کو امام علی ہادی کے زمانہ میں ہوئی۔[4]

نجاشی نقل کرتے ہیں کہ عبدالعظیم بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں دنیا سے چل بسے۔[5]

شیخ طوسی فرماتے ہیں کہ عبدالعظیم حسنی نے رے میں وفات پائی اور اسی شہر میں ان کی قبر ہے۔[6]

جبکہ بقول امام فخر الدین رازی عبدالعظیم طبرستان میں تھے اور رے میں قتل ہوئے آپ کا مزار وہیں رے میں ہے۔[7]

---

[1] برآستان کرامت، دارالحدیث ص ۱۷
[2] جنۃ النعیم ج ۴ ص ۱۳۱
[3] رجال نجاشی ص ۲۴۸
[4] الذریعہ از آقائے بزرگ تہرانی، ج ۷ ص ۱۹۰
[5] رجال نجاشی ص ۲۴۸
[6] الفہرست محمد بن حسن طوسی تحقیق جواد قیومی ص ۱۹۳
[7] شجرۃ المبارکہ ص ۶۴

مدفن اورزیارت:

محدث نوری کے مطابق کسی شیعہ کوخواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدارنصیب ہوا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کل عبدالجبار بن عبدالوہاب رازی کے گھرسیب کے باغ میں میری نسل سے ایک شخص دفن ہوگا۔ اس شخص نے اس باغ کوخریدا اور اسے عبدالعظیم حسنی اور دیگر شیعوں کی اموات کے نام وقف کردیا۔[1]

اسی وجہ سے حرم عبدالعظیم حسنی ''مسجد شجرۃ'' یا مزارنزدیک درخت سے معروف تھا۔[2]

شیخ صدوق نے حضرت عبدالعظیم کی قبر کی زیارت کے حوالے سےایک رویات نقل کی ہے جس کے مطابق شہر ''رے'' کا ایک شخص امام علی نقی ہادی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا حضرت سید الشہد اء امام حسین علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوکر آیا ہوں۔ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا۔ قبر عبدالعظیم جوتمہارے نزدیک ہے اس کی زیارت کا ثواب قبرامام حسین علیہ السلام کی زیارت کےثواب کے برابر ہے۔[3]

اولادسید عبدالعظیم حسنی:

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی اولاد میں محمد بن عبدالعظیم تھے جو بہت بڑے زاہد تھے اور وہ منقرض ہوگئے۔[4]

سید مہدی رجائی نے المعقبون من آل ابی طالب میں تحریر کیا ہے کہ

''سید عبدالعظیم ابوالقاسم بن عبداللہ بن علی السدید کے بارے میں ابو اسماعیل طباطبا نے ذکر کیا کہ وہ طبرستان سے ''رے'' میں داخل ہوئے وہ محدث اور صاحب مشہد فی شجرۃ رے تھے ان کی والدہ ام الولد تھیں اور بقول ابی عبداللہ بن طباطبا کہ عبدالعظیم بن عبداللہ کے اعقاب نہیں تھے اور بقول ابی الغنائم کے عبدالعظیم بن عبداللہ کا ایک فرزند محمد تھا جس کی والدہ فاطمہ بنت عقبہ بن قیس حمیری تھیں اور اس کے علاوہ آپ کی دو دختران: (۱) رقیہ (۲) خدیجہ بھی تھیں۔''

---

[1] خاتمہ مستدرک ج ۴ ص ۴۰۵

[2] برآستان کرامت ص ۱۲، عمدۃ الطالب ص ۸۶

[3] ثواب الاعمال وعقاب الاعمال از شیخ صدوق نشر قم ص ۹۹

[4] عمدۃ الطالب ص ۸۶

بقول ابی الحسین محمد بن قاسم تمیمی نسابہ کہ عبدالعظیم بن عبداللہ کے اعقاب میں : (۱) محمد درج تھے (۲) خدیجہ (۳) رقیہ تھیں۔[1]

بقول کیا اجل امام نسابہ المرشد باللہ زین الشرف ابوالحسین یحییٰ بن حسین کہ عبدالعظیم کے اعقاب میں محمد تھے جو درج ہوئے۔[2]

بقول بابن فندق نسابہ بیہقی کہ عبدالعظیم بن عبداللہ لاعقب لہ یعنی ان کے اعقاب نہیں چلے۔[3]

(۴۷) عزت مآب ابومحمد حسن امیر داعی الکبیر بن ابوطالب زید حاکم طبرستان

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ اور آپ کی والدہ دختر عبداللہ بن عبیداللہ اعرج بن حسین الاصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام تھیں۔[4]

آپ حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن زید بن امام حسنؑ تھے۔

اور بعض جگہ آپ کی والدہ آمنہ بنت ابی صفارہ حسین بن عبیداللہ بن عبداللہ عقیقی بن حسین الاصغر بن امام زین العابدین بھی لکھی گئی ہیں۔

آپ کو داعی الاول اور داعی الکبیر کہا جاتا تھا۔ آپ آئمہ زیدیہ میں سے تھے۔ اور تیسری صدی ہجری میں طبرستان میں علویوں کی حکومت کے بانی قرار پائے۔ داعی الکبیر اہل طبرستان کی دعوت پر طبرستان گئے اور وہاں علویوں کی حکومت کی بنیاد رکھی اور زیدیہ مسلک شیعہ کی تبلیغ کی اور طاہریوں کو طبرستان اور رے سے نکال باہر کیا۔ طاہریوں کی حکومت کی بنیاد طاہر بن حسین بن مصعب بن رزیق بن ھامان نے رکھی تھی۔[5]

اور کچھ تاریخ منابع ان کو ایرانی نسل میں شمار کرتے ہیں۔[6]

حالانکہ یہ خاندان عباسیوں کی خلافت تسلیم کرتا تھا لیکن درحقیقت طاہری آزاد تھے اس حکومت کا بانی طاہر بن حسین تھا جسے عباسی خلیفہ مامون نے خراسان کا مستقل والی مقرر کیا تھا اور خلیفہ متوکل باللہ کے انتقال

---

[1] المعقبون من آل ابی طالب از مہدی رجائی ج ۱ ص ۵۳۸
[2] منتقلہ الطالبیہ ص ۱۵۶، ۱۵۷
[3] لباب الانساب ج ۲ ص ۷۴۴
[4] عمدۃ الطالب ص ۸۵
[5] پیروھشی درنسب طاہریان خراسان ص ۶۸
[6] طبقات ناصری ج ۱ ص ۱۹۰

کے بعد اس نے خودمختاری حاصل کر لی۔ طاہر خود کو قبیلہ خزاعہ سے جوڑتا تھا۔ طاہر بن حسین کا دادا مصعب بن زریق عباسیوں کے خراسان میں داعی سلیمان بن کثیر خزاعی کا دبیر تھا۔

زندگی نامہ:

ابو محمد حسن داعی الکبیر بن زید بن محمد اکشف بن اسماعیل حالب الحجارۃ بن حسن امیر بن زید بن امام حسن علیہ السلام بن امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔ آپ سادات بنی حسن میں سے تھے آپ کی والدہ دختر عبداللہ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔[1]

داعی الکبیر نے جوانی کے ایام مدینہ میں گزارے اور یہ بھی احتمال ہے کہ داعی الکبیر نے یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذی العبرۃ بن زید بن امام زین العابدین علیہ السلام کے خروج میں شرکت تھی جنہوں نے اوّل خروج متوکل عباسی کے زمانے میں کیا تھا اور اس قیام کی سرکوبی کے بعد متوکل عباسی نے علویوں کے خلاف کاروائیاں تیز کر دی اور سادات حجاز اور عراق سے نکل کر ایران ہجرت کرنے لگے اور اِسی زمانے میں حسن بن زید داعی الکبیر نے ''رے'' میں جا کر رہائش اختیار کر لی۔[2]

اہل طبرستان کی طرف سے دعوت:

۲۵۰ ہجری میں جب طبرستان میں شورش ہوئی تو اہل طبرستان کے ایک گروہ کو ایک علوی طبرستانی نے تجویز دی کہ حسن بن زید کے پاس جائیں اور انہیں ایک اپنا قائد بننے کی دعوت دیں۔ حسن بن زید نے اس گروہ کی دعوت قبول کر لی اور طبرستان چل پڑے طبرستان کے زیادہ تر لوگوں نے بشمول دیلمان کے مقامی حکمرانوں نے آپ کی حمایت کر دی یہ واقعہ رمضان ۲۵۰ ہجری اکتوبر ۸۶۴ عیسوی کا ہے اور عام لوگوں کے علاوہ جستانیان نے ان کی بیعت کر لی۔[3]

طبرستان اور رے کی فتح:

طاہریوں کو طبرستان سے باہر نکالنے کے بعد داعی الکبیر نے آمل پر حملہ کر دیا اور اس کے بعد وہ ''ساری'' کی طرف چل پڑے اور ساری کی فتح کے بعد داعی الکبیر نے تمام طبرستان فتح کر لیا۔[4]

---

[1] تاریخ طبرستان از ابن اسفند یارج اوّل ص ۹۴ چاپ عباس اقبال آشتیانی تہران
[2] کتاب المنتزع من جزالاوّل من الکتاب المعروف بالتاجی فی اخبار دولت الدیلمیہ از ابراہیم بن ہلال صابی ص ۱۸۔۲۰
[3] تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء ازحمزہ بن حسن اصفہانی ص ۱۸۰: طبری ج ۹ ص ۲۷۱: صابی ص ۲۰
[4] کتاب المنتزع از ابراہیم بن ہلال صابی ص ۲۱

اس کے فوراً بعد حسن بن زید داعی الکبیر نے ایک فوج اپنے ایک رشتہ دار کی زیر کمان رے کی جانب بھیجی اور یہ ان کے ہم نام تھے جن کی زیر کمان فوج بھیجی تھی جب یہ شہر میں داخل ہوئے تو طاہریوں کی طرف سے مقرر کردہ حاکم نے شہر چھوڑ دیا اور خود شہر کے باہر نکل گیا۔ اور محمد بن جعفر علوی کو حکومت دی گئی۔ اور داعی کے رشتہ دار طبرستان واپس آ گئے۔ لیکن محمد بن جعفر کی حکومت زیادہ نہ چل سکی لوگ ان سے مطمئن نہ ہوئے اور دوبارہ طاہریوں کے لئے راہ ہموار کرنے لگے۔ لیکن داعی الکبیر کے سرداروں نے دوبارہ ''رے'' پر کنٹرول حاصل کر لیا۔[1] اس وقت طبرستان دیلم اور ''رے'' کا بڑا حصہ داعی الکبیر فتح کر چکے تھے۔[2]

اور اس عرصہ میں داعی الکبیر نے زیدیہ مسلک کی تبلیغ کے لئے دماوند فیروز کوہ اور ''رے'' کے مختلف علاقوں میں داعی بھیجے۔[3]

از تاریخ طبری:

محمد ابن جریر طبری کے مطابق جب حسن بن زید طبرستان آئے تو ان کی بیعت جن لوگوں نے کی وہ شتربان تھے۔ اور عام شتربانوں کو داعی الکبیر کے ظہور کی خبر پہنچی تو طبرستان کے پہاڑوں کے کماصمغان اور فادسبان کے اونٹ والے اور لیث بن قباد اور پہاڑ والے سوائے کوہ فریم کے رہنے والوں کے سب لوگ شامل ہو گئے۔ اور اہل کوہ فریم کے رہنے والوں کا شامل نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس زمانے میں ان کا مالک اور متصرف قارن بن شہر یار تھا وہ اپنے پہاڑ اور اپنے ساتھیوں کو جنگ سے روکے رہا اس نے داعی الکبیر کی اطاعت نہ کی حسن بن زید داعی الکبیر اور ان کے سرداروں نے جو اطراف والوں میں سے تھے۔ شہر آمل کی طرف چڑھائی شروع کر دی اور آمل طبرستان کے شہروں میں سب سے پہلا شہر ہے جو کلاروسالوس کے پہاڑ سے متصل ہے۔ ادھر ابن اوس شہر ساریہ سے مدافعت کے ارادے سے سامنے آیا۔

دونوں لشکر آمل کے بعض اطراف میں مل گئے اور آپس میں خوب زور کی جنگ ہونے لگی۔ حسن بن زید اور ان کے کچھ ساتھیوں نے لڑائی کا میدان چھوڑ کر دوسری جانب کا رخ کیا اور شہر آمل میں داخل ہو گئے۔ جب ابن اوس نے یہ خبر سنی تو وہ میدان میں حسن بن زید کے ساتھیوں سے جنگ میں مشغول تھا جو اس کے سامنے تھے اس لئے اپنی جان بچانے اور ساریہ میں سلیمان بن عبداللہ سے مل جانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ

---

[1] تاریخ طبری ج نہم ص ۲۷۵: عربی لغت

[2] تاریخ مسعودی از مسعودی ج پنجم ص ۶۶

[3] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ص ۲۳۱ ج اوّل

رہا جب حسن بن زید شہر میں داخل ہوئے تو لشکر اور مضبوط ہو گیا۔

ساریہ پر قبضہ:

بیان کیا گیا ہے کہ حسن بن زید آمل میں چند روز مقیم رہے اور وہاں کے باشندوں سے خراج جمع کیا۔ اور سلیمان بن عبداللہ کے ساتھ ''ساریہ'' میں جنگ کی تیاری کرتے رہے اور چل پڑے۔ ادھر سلیمان بن عبداللہ اور ابن اوس بھی جنگ کے لئے نکل آئے اور شہر کے باہر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ اس بار بھی زید بن حسن کے سردار جنگ کو چھوڑ کر شہر پر قبضے کرنے کے لئے شہر میں داخل ہو گئے اور حسن بن زید بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے یوں شہر ہاتھ سے جاتے دیکھ کر سلیمان بن عبداللہ جرجان کی طرف بھاگ گیا۔ اور اس کے لشکر پر داعی الکبیر کا لشکر غالب آ گیا۔

سلیمان کے اہل وعیال کو حسن بن زید داعی الکبیر نے سواریوں کے ہمراہ سلیمان کے پاس جرجان میں بھیج دیا۔ اور اس کے مال و اسباب کو لوٹ لیا گیا۔

تمام طبرستان پر حکومت:

یوں سلیمان بن عبداللہ کے جرجان بھاگ جانے کے بعد داعی الکبیر کو مکمل طبرستان کی حکومت مل گئی پھر داعی الکبیر نے اپنے ایک رشتہ دار کی سربراہی میں ایک لشکر ''رے'' کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ لوگ رے پہنچے تو وہاں کا عامل جو طاہریوں کا مقرر کردہ تھا بھاگ گیا اور محمد بن جعفر علوی کو رے کا حاکم بنا دیا گیا۔

اسماعیل بن فراشتہ کی ہمدان آمد:

جب مستعین باللہ عباسی کو یہ خبر موصول ہوئی اس زمانے میں اس کے معاملات کا مدبر اور کاتب احمد بن صالح بن شیرزاد تھا اور اس کے سپرد مستعین کی مُہر تھی۔ مستعین نے اسماعیل بن فراشتہ کو ایک لشکر کے ساتھ ہمدان روانہ کیا اور اسے وہاں قیام کرنے اور حسن بن زید کی فوج کو آگے بڑھنے سے روکنے کا حکم دیا۔ یہ حکم اس لئے دیا کہ ہمدان کی طرف کی حکمرانی محمد بن طاہر بن عبداللہ بن طاہر کے سپرد تھی اسکے ساتھ اس کے عمال تھے اور اچھا انتظام تھا۔ جب محمد بن جعفر علوی رے پر حاکم ہوئے تو ان سے ایسے امور ظاہر ہوئے جن کو اہل رے نے ناپسند کیا۔

محمد بن جعفر اور محمد بن میکال کی جنگ:

محمد بن طاہر بن عبداللہ نے اپنی طرف سے محمد بن میکال کو محمد بن جعفر علوی کی سرکوبی کے لئے رے روانہ کیا۔ اور محمد بن میکال نے رے کے باہر ہی محمد بن جعفر علوی کے لشکر کو منتشر کر دیا اور ''رے'' میں داخل ہو گیا اور خلیفہ کے لئے دعا کروائی۔

وہاں قیام کو اس کا زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حسن بن زید نے دوبارہ لشکر واجن کی سربراہی میں رے کی طرف بھیجا۔ واجن نے محمد بن میکال کو شکست دے دی محمد بن میکال جان بچانے کے لئے رے کی طرف بھاگا تو واجن اور اس کے ساتھیوں نے اس کا تعاقب کرکے اسے قتل کر دیا اور رے دوبارہ حسن بن زید کے قبضے میں آ گیا۔[1]

خلیفہ عباسی سے نبرد آزمائی:

ان گذشتہ معرکوں سے حسن بن زید کی شہرت کوفہ اور سامراء تک پھیل گئی اور خلیفہ معتز باللہ عباسی اس شہرت سے خوف و ہراس کا شکار ہو گیا۔ سن ۲۵۳ ہجری میں معتز باللہ نے موسیٰ بن بغاء کی کمان میں ایک لشکر طبرستان کی طرف بھیجا تا کہ حسن بن زید داعی الکبیر کی طاقت کو منتشر کیا جا سکے۔ موسیٰ بن بغاء نے ہمدان میں قیام کیا۔ اور مفلح کو آگے روانہ کیا مفلح نے سال ۲۵۵ میں رے اور قزوین حاصل کر لئے اور طبرستان داخل ہوا پھر مفلح اور حسن بن زید کی جنگ میں حسن بن زید کو شکست ہوئی اور وہ دیلم چلے گئے جبکہ مفلح آمل کی جانب چلا گیا۔

اچانک موسیٰ بن بغاء نے مفلح کو پیغام بھیجا کہ حسن بن زید کا تعاقب چھوڑ دو اور رے واپس آ جاؤ ظاہری طور پر خلیفہ معتز کی وجہ سے یہ جنگ ادھوری چھوڑنی پڑی۔[2]

سن ۲۵۵ھ کو موسیٰ بن بغاء اور مفلح سامراء چلے گئے اور حسن بن زید داعی الکبیر آمل آ گئے اس کے ایک سال بعد داعی الکبیر نے دوبارہ (رے) پر قبضہ کر لیا۔ اور سن ۲۵۷ھ کو گرگان ۲۵۹ھ کو قومس کو اپنے تصرف میں لے آئے۔

یعقوب لیث سے جنگ:

سن ۲۶۰ ہجری میں یعقوب لیث نے طبرستان پر حملہ کیا جس کا بہانہ یہ تھا کہ وہ عبداللہ بن محمد سجزی کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ جس نے یعقوب کے خلاف بغاوت اور فساد کیا تھا۔ حسن بن زید کو پیغام بھیجا مگر حسن بن زید نے اسے واپس نہ کیا۔ اور یعقوب کی جنگ کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔

اس جنگ کے آغاز میں حسن بن زید فرار کر کے دیلم کے پہاڑوں کی طرف چلے گئے۔ اس دوران یعقوب نے ''ساری'' اور آمل پر قبضہ کر لیا۔ اور دیلم کی جانب حسن بن زید کا تعاقب کرنے لگا مگر اس منطقے کی

---

[1] تاریخ طبری ج ہفتم حصہ اوّل اردو ترجمہ ص ۱۰۲۔ ۱۰۴

[2] تاریخ طبری عربی از محمد ابن جریر طبری ۳۸۲۔ ۳۸۹۔ ۴۰۶

آب و ہوا اور جغرافیہ یعقوب کے سپاہیوں کے لئے دشوار ثابت ہوئیں اس کے علاوہ چالیس روز مسلسل بارش کی وجہ سے یعقوب کو واپس لوٹنا پڑا۔ یعقوب سیستان چلا گیا اور سن ۲۶۱ ہجری کو حسن بن زید داعی الکبیر طبرستان واپس آیا۔ اور اس کی کمانداری میں چالوس شہر کو آگ لگا دی گئی کیونکہ اس شہر کے لوگوں نے یعقوب کا ساتھ دیا تھا۔[1]

احمد بن عبداللہ خجستانی کے ساتھ جنگ:

اور اس عرصہ میں طبرستان کے علاقوں میں سکون نہیں تھا۔ گرگان جہاں حسن بن زید کا بھائی محمد بن زید حکومت کر رہا تھا دیلمان کے ایک گروہ نے نافرمانی شروع کر دی۔ حسن بن زید داعی الکبیر نے دوسروں کو عبرت ناک سبق دینے کے لئے ہزار دیلمی مردوں کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیئے اور آمل میں بھی ایک گروہ جو اس کے مخالف تھا کو قتل کر دیا۔[2]

اس کے اس اقدام سے طبرستان میں سکون ہو گیا۔ سال ۲۶۶ ہجری میں احمد بن عبداللہ خجستانی جو صفاریوں کا امیر تھا نے گرگان پر حملہ کر دیا۔ حسن بن زید کو اس حملے کے بارے میں غفلت تھی اس لئے شکست کھا کر آمل چلا گیا۔ اسی دوران حسن بن محمد العقیقی بن جعفر صحصح بن عبداللہ عقیقی بن حسین الاصغر بن امام زین العابدین جو کہ ایک قول کے مطابق آپ کا خالہ زاد تھا اور داعی کی طرف سے شہر ساری کا حاکم تھا۔ داعی الکبیر کی عدم موجودگی میں مشہور کیا کہ داعی الکبیر قتل ہو گئے ہیں اور اپنے لئے بیعت طلب کی جب داعی ساری واپس آیا تو ان کو قتل کروا دیا۔[3]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ آپ حسن بن زید داعی الکبیر کے خالہ زاد تھے داعی کی عدم موجودگی میں آپ نے سیاہ لباس پہنا جو عباسیوں کا شعار تھا۔ اور سلاطین خراسان کے نام کا خطبہ پڑھا لیکن جب داعی الکبیر نے دوبارہ قوت پکڑی تو ان کو قتل کر دیا اور یہودیوں کے قبرستان ساریہ میں دفن کیا۔[4]

وفات داعی الکبیر:

ابو محمد حسن داعی الکبیر نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بھائی محمد بن زید کو اپنا جانشین مقرر کر لیا تھا۔

---

[1] تاریخ ابن اثیر ج ۷ ص ۲۸۸

[2] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ج اوّل ص ۲۴۳۔ ۲۴۷، ۲۴۸

[3] ابن اثیر ج ۷ ص ۳۳۵

[4] عمدہ الطالب از جمال الدین ابن عنبہ ص ۲۹۲ نشر مکتبہ انصاریان و مکتبہ حیدریہ نجف اشرف

داعی الکبیر کی وفات رجب یا شعبان سن ۲۷۰ ہجری کو ہوئی۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی جو شادی کی عمر سے پہلے ہی فوت ہوگئی۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ داعی الکبیر کی وفات کے بعد ان کے بہنوئی ابوالحسن احمد بن محمد بن ابراہیم عطار بن علی السید بن عبدالرحمان شجری بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام نے دیلم اور طبرستان کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت داعی الکبیر کا چھوٹا بھائی جرجان میں تھا وہاں ہی اس نے اپنے بھائی کی موت کی خبر سنی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تحت بہنوئی ابوالحسن احمد بن محمد کے قبضے میں ہے۔ تو اسی سال ۲۷۰ ہجری کو محمد بن زید واپس آیا اور ابوالحسن احمد کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرلیا اور سات سال اور دو مہینے حکومت کی۔[2]

داعی الکبیر کی شخصیت:

بقول ابن اثیر حسن بن زید داعی الکبیر فقیہ تھے ان کے علاوہ بہت سخی بھی تھے ہر سال ایک ہزار دینار بغداد کے ایک نیک آدمی کو بھیجتے تھے تاکہ وہ ان کو علویوں کے مابین تقسیم کردے۔ داعی الکبیر نے شیعہ رسومات کو بھی کسی حد تک زندہ رکھا۔ مثال کے طور پر انہوں نے حکم دیا کہ کہ اذان میں ''حی علی خیر العمل'' پکارا جائے۔ وہ جوتوں پر وضو کے دوران مسح کرنے سے منع کرتے تھے اور جبر کے بھی بہت مخالف تھے تشبیہ اور حلول کے بھی مخالف تھے۔ اور اپنے عقائد دوسرے علاقوں تک پہنچاتے تھے اور اس سلسلے میں مخالف لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔[3]

اسی وجہ سے ان پر تنقید بھی ہوئی تھی وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ داعی الکبیر طبرستان کے کچھ لوگوں کے بارے میں سمجھتا تھا کہ وہ اس سے مکروکینہ اور بغض رکھتے ہیں۔ اس نے چاہا کہ ان سب کو قتل کردے پس اپنے آپ کو مریض ظاہر کیا اور چند دن بعد اپنی موت کی خبر مشہور کروا دی پس اسے ایک تابوت میں ڈال کر مسجد میں لے آئے تاکہ نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ پس اس کے آدمیوں نے مسجد کے دروازے بند کردیئے اور داعی الکبیر خود بھی تابوت سے باہر تلوار لے کر آیا اور سب کو قتل کردیا۔ آگرچہ داعی الکبیر خونخوار اور جری تھا مراتب اور فضائل میں بلند مقام رکھتا تھا۔ علماء اور شعراء کے لئے اس کا دربار محیط الرجال تھا۔[4]

---

[1] لباب الانساب ج اوّل ص ۲۸۶ از ابن فندق بیہقی

[2] عمدۃ الطالب از جمال الدین ابن عنبہ ص ۸۳

[3] تاریخ طبرستان از ابن اسفندیار ج اوّل ص ۲۴۰،۲۴۱،۲۴۲

[4] احسن المقال ترجمہ منتہیٰ الآمال، از شیخ عباس قمی اردو ترجمہ از سید صفدر حسین نجفی ج اوّل ص ۳۱۳،۳۱۴

بقول صفدی کہ حسن بن زید داعی الکبیر جسمانی طور پر قوی تھے اور یہ احتمال ہے کہ انہوں نے کتاب اخبار الخلفاء صولی سے نقل کیا کہ حسن بن زید شاعر تھے اور دوسروں کی شاعری پر تنقید بھی کرتے تھے۔[1]

داعی الکبیر زیدیوں کی نظر میں:

حسن بن زید داعی الکبیر کو زیدی مسلک میں با قاعدہ امام کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔[2]

اس کی ظاہری دلیل یہ ہے کہ طبرستان کے زیدی حضرات نے ابوجعفر احمد زبارہ بن محمد اکبر بن عبداللہ مفقود بن حسن مکفوف بن حسن افطس بن علی اصغر بن امام زین العابدینؑ کو خط تحریر کیا اور داعی الکبیر کی شکایت کی اور ابوجعفر احمد زبارہ کو امامت کے لئے دعوت دی۔[3]

ابوجعفر احمد زبارہ مدینے کے رہائشی تھے آپ کو اہل طبرستان میں سے زیدیہ نے خط تحریر کیا اور داعی الکبیر کی شکایت کی اور کہا کہ آپ ہمارے امام بننے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ ابوجعفر احمد زبارہ اپنے بھائی علی کے ہمراہ مدینے سے طبرستان منتقل ہوئے۔ اور طبرستان میں غدر کیا لیکن داعی الکبیر کی حکومت کو استحکام حاصل ہوا پھر آپ طبرستان سے آبہ منتقل ہوئے اور آبہ سے دوبارہ طبرستان گئے۔ یہ ایام داعی ہی کی بات ہے اس کے بعد نیشاپور کا اعادہ کیا اور یہاں آ کر آباد ہو گئے۔[4]

اور یہ بھی منقول ہے کہ جب ابوجعفر احمد زبارہ طبرستان پہنچے تو کچھ لوگوں نے ان سے کیا ہوا وعدہ توڑ دیا اور وہ جنگ میں شکست کھا کر آبہ منتقل ہو گئے۔[5]

---

[1] صفدی ج ۱۲ ص ۲۰۔۲۲

[2] المنیر علی مذہب امام ہادی یحییٰ بن حسین از احمد بن موسیٰ طبری ص ۱۸۲ چاپ علی سراج الدین عدلان صعدہ یمن

[3] لباب الانساب از ابن فندق بیہقی قم ج دوئم ص ۴۹۲

[4] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از سید قمر عباس اعرجی ہمدانی ص ۲۰۰

[5] لباب الانساب از ابن فندق بیہقی نسابہ ج ۲ ص ۴۹۲ چاپ مہدی رجائی، قم المقدس، ایران

باب چہارم:

(۴۸) سید الشہداء امام حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام کی کینت ابوعبداللہ تھی۔ امام حسین علیہ السلام کے بہت سے القابات ہیں جن میں سے اکثر آپ کے بھائی حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشترک ہیں۔ جیسے شباب اہل الجنتہ (جنت کے جوانوں کے سردار) آپ کے بعض دوسرے القابات میں ذکی، طیب، نافع مبارک، دلیل علی ذات اللہ زیادہ مشہور ہیں۔[۱]

پیغمبر اکرم کی روائیت جس کو شیعہ اور اہل سنت کے اکثر منابع میں نقل کیا گیا اس میں حسین سبط من الاسباط حسین اسباط میں سے ایک ذکر ہوا ہے۔[۲]

سبط یا اسباط جو کہ اس روائیت میں اور قرآن کی بعض آیات میں بھی آیا ہے اس کے معنی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ علاوہ برایں انبیاء کی نسل امام ہیں اور نقیبوں میں سے بھی ہیں جو لوگوں کی سرپرستی کے لئے انتخاب ہوئے ہیں۔[۳]

ولادت:

امام حسین بن علی علیہ السلام مدینہ منورہ میں تین ہجری قمری کو متولد ہوئے۔[۴]

لیکن مشہور قول کے مطابق آپ کی ولادت چار ہجری قمری ہے۔[۵]

آپکی ولادت کے دن کے بارے میں بھی اختلاف ہے مشہور قول کے مطابق ۳ شعبان کو ولادت ہوئی۔[۶]

لیکن شیخ مفید کے نزدیک چار شعبان کو ولادت باسعادت ہوئی۔[۷]

شیعہ اور اہل سنت کی گزارشوں میں آیا ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت رسول اللہ بہت روئے اور

---

[۱] مناقب آل ابی طالب از ابن شہر اشوب ج ۴ ص ۸۰

[۲] انساب الاشرف از بلاذری ج ۳ ص ۱۴۲ ارشاد از شیخ مفید ج دوم ص ۱۲۷

[۳] دانشنامہ امام حسین ج اول ص ۴۷۴۔۴۷۷

[۴] الکافی از کلینی ج ۱ ص ۴۶۳ تہذیب الاحکام از شیخ طوسی ج ششم ص ۴۱

[۵] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۶ بیروت الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۲۷

[۶] اقبال الاعمال سید ابن طاؤس ص ۶۸۹،۶۹۰

[۷] الارشاد، از شیخ مفید ج ۲ ص ۲۷

آپ کی شہادت کی خبر دی۔[1]

کتاب کافی کی روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنی والدہ کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ نہیں پیا۔[2]

مگر یہ بھی منقول ہے کہ اُم فضل زوجہ عباس بن عبدالمطلب نے خواب دیکھا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن سے گوشت کا ٹکڑا اس اُم فضل کی گود میں رکھا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب کی تعبیر میں کہا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوگی۔ تم اس کی دایہ ہوگی جب امام حسین علیہ السلام متولد ہوئے تو ام فضل نے دودھ پلانے کی ذمہ داری اپنے ذمے لی۔[3]

بقول شیخ ابوالحسن عمری کہ کہا ابوعلی موضع نسابہ نے کہ حسین علیہ السلام کی کینت ابوعبداللہ تھی اور آپ ہجرت کے چوتھے سال متولد ہوئے اور ۶۱ ہجری کو آپ کا قتل ہوا اُس وقت آپ کی عمر ستاون برس تھی۔ اور آپ کی اُم افضل زوجہ عباس بن عبدالمطلب نے اپنے فرزند قثم بن عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ رضاعت کی۔[4]

بقول سحاوی اس طرح عبداللہ بن لقطر کی ماں کا نام بھی دایوں میں لکھا گیا لیکن امام حسین نے ان دونوں میں سے کسی دودھ نہیں پیا۔ امام پاک نے صرف اپنی والدہ کا دودھ پیا۔[5]

اہل سنت کے بعض منابع میں آیا ہے کہ رسول پاک اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو چاہتے تھے۔ اور یہ محبت اتنی زیادہ تھی کہ کبھی مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے حسنینؑ مسجد میں آئیں تو آپ خطبے کو ادھورا چھوڑتے تھے اور منبر سے اُتر کر انہیں اپنی گود میں لیتے تھے۔[6]

حضرت امام حسینؑ باقی اصحابِ کساء کی طرح مباہلہ میں بھی شریک تھے۔[7]

بقول محمد ابن سعد آپ اصحاب کے طبقے میں سے آخری طبقے میں تھے۔[8]

---

[1] الارشاد، از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۲۹

[2] الکافی از کلینی ج ا ص ۴۶۵

[3] ارشاد، از شیخ مفید ج ۶ ص ۲۳۰

[4] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۱۹۴

[5] ایصار العین از سحاوی ص ۹۳

[6] المسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۴، سنن ترمذی از ترمذی ج ۵ ص ۳۲۲، صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۴۰۲، المستدرک از حاکم نیشاپوری ج اوّل ص ۲۸۷

[7] طبقات ابن سعد از ابن سعد ج ۶ ص ۴۰۶ الارشاد از شیخ مفید ج ا ص ۱۶۸

[8] طبقات ابن سعد از محمد ابن سعد ج ۶ ص ۳۶۱

کیونکہ آنحضرت کے وصال مبارک کے وقت آپ کی عمر چھے یا سات سال تھی۔

دورانِ زندگی:

امام حسین علیہ السلام نے اپنی زندگی کے تقریباً ۲۵ سال حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بسر کئے۔ خلیفہ اوّل کی خلافت کے آغاز کے وقت آپ کی عمر مبارک سات سال تھی اور خلیفہ ثانی کی خلافت کے آغاز میں آپ کی عمر مبارک نو (۹) سال تھی جبکہ حضرت عثمانؓ ابن عفان کی خلافت کے آغاز میں آپ کی عمر مبارک انیس (۱۹) سال تھی۔ امام حسینؑ نے ہی حضرت عثمانؓ کا اپنے بھائیوں اور دیگر نوجوان بنی ہاشم کے ہمراہ اپنے والد محترم حضرت علی علیہ السلام کے حکم پر بلوائیوں سے دفاع کیا تھا۔ جب لوگوں نے امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی بیعت کی تو امام حسین نے ایک خطبہ دیا۔[1]

امام حسینؑ نے جنگ جمل میں امیر المومنین کے لشکر کے بائیں جانب کو اپنے ذمہ لیا۔[2] اور جنگ صفین میں لوگوں کو جہاد کی طرف رغبت دلانے کے لئے ایک خطبہ دیا۔[3] اور جنگ صفین میں لشکر کے دائیں جانب کے سپہ سالار تھے۔[4]

اور جنگ صفین میں شامی لشکر سے پانی واپس لینے میں آپ شریک تھے۔ اور اسکے بعد امیر المؤمنینؑ نے فرمایا یہ پہلی کامیابی تھی جو حسینؑ کی برکت سے حاصل ہوئی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام علیؑ جنگ صفین میں حسنینؑ کو لڑنے سے منع فرماتے اور اسکی وجہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کی حفاظت کرنا تھی۔[5]

اور بعض منابع کے مطابق آپ نے جنگ نہروان میں بھی شرکت کی۔ امام علی کی شہادت کے وقت امام حسینؑ آپ کے پاس موجود تھے۔[6] اور تجہیز اور تدفین میں شریک تھے۔[7]

اور ایک روائیت کے مطابق امام حسین امیر المومنین کی شہادت کے وقت آپ ہی کی طرف سے کوئی

---

[1] بحار الانوار ج ۱۰ ص ۱۲۱ علامہ باقر مجلسی
[2] الجمل از شیخ مفید ص ۳۴۸۔ تاریخ اسلام ج ۳ ص ۴۸۵
[3] واقعہ الصفین از نصر بن مزاحم صفحہ ۱۱۵۔ ۱۱۶
[4] الفتوح از ابن اعثم کوفی ج ۳ ص ۲۴۔ المناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۱۶۸
[5] کشف الغمہ از اربلی ج اوّل ص ۵۶۹
[6] تاریخ طبری کے از طبری ج ۵ ص ۱۴۵
[7] امامہ و سیاسیہ ج اوّل ص ۱۸۱۔ ابن قتیبہ

کام سرانجام دینے کی غرض سے مدائن کے دورے پر تھے اور امام حسن علیہ السلام کا خط پا کر واقع کی اطلاع ملتے ہیں کوفہ لوٹ آئے۔[1]

امام حسن علیہ السلام کا دور خلافت:

تواریخ میں ملتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی امام حسن علیہ السلام کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے اور نقل ہوا ہے کہ جس مجلس میں امام حسن علیہ السلام ہوا کرتے تھے اس مجلس میں امام حسین علیہ السلام احترام کی خاطر بات نہیں کیا کرتے تھے۔[2]

امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی شہادت کے بعد خوارج جو شامیوں سے جنگ کرنا چاہتے تھے انہوں نے امام حسن علیہ السلام کی بیعت نہیں کی اور امام حسین علیہ السلام کے پاس آ کر آپ کی بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں جب تک امام حسنؑ حیات ہیں میں تمہاری بیعت قبول نہیں کر سکتا۔[3]

معتبر روایات کے مطابق امیر شام کے ساتھ حضرت امام حسنؑ کی صلح کے وقت آپ نے امیر شام کے ساتھ اپنے بھائی کی مصالحت کی حمایت کی۔[4]

امام حسین علیہ السلام سن ۴۱ ہجری کو امیر شام سے صلح کے بعد اپنے بھائی کے ہمراہ کوفہ سے مدینے واپس آ گئے امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی آپ برابر صلح کی پاسداری کرتے رہے۔

امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد کے حالات:

حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی حکومت بہت مضبوط ہو گئی تھی۔ انہوں نے شیعیان حیدر کرار کو بہانے بہانے سے قتل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حجر بن عدی، عمرو بن حمق خزاعی اور عبداللہ بن یحییٰ حضرمی جیسی شخصیات کے قتل پر امام حسین نے شدید اعتراض کیا۔[5]

بہت سے تاریخی منابع کے مطابق آپ نے امیر شام (معاویہ) کو خط تحریر کیا اور حضرت علیؑ کے دوستوں اور طرفداروں کو قتل کرنے کے مذمت کی اور معاویہ کے بعض بُرے کاموں کی نشاندہی کرتے ہوئے

---

[1] اصول کافی از کلینی ج ۳ ص ۲۲۰ انساب الاشراف ج دوم ص ۲۹۸، ۴۹۷

[2] المناقب از ابن شہر آشوب مازندرانی ج ۳ ص ۴۰۱ الکافی از کلینی ج اوّل ص ۲۹۱

[3] امامہ وسیاسیہ از ابن قتیبہ دینوری، ص ۱۸۴

[4] اخبار الطوال از دینوری، ص ۲۲۱

[5] اخبار الطوال از ابن قتیبہ دینوری ص ۲۲۴، ۲۲۵، انساب الاشراف ج ۵ ص ۱۲۰، ۱۲۱، امامہ والسیاسیہ از ابن قتیبہ ج ا ص ۲۰۲، ۲۰۴

اس کو محکوم کیا اور کہا: میں اپنے اور اپنے دین کے بارے میں تمہارے ساتھ جہاد سے بالا تر کوئی اور چیز نہیں جانتا ہوں۔ اس خط میں مزید لکھا اس امت پر تمہاری حکومت سے زیادہ بڑے فتنے کا مجھے علم نہیں ہے۔[۱]

یزید کی ولی عہدی پر اعتراض:

سن ۵۶ ہجری کو امیر شام نے حسن علیہ السلام سے کئے ہوئے صلح نامے میں مذکور (اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کرو گے) قرار داد کے برخلاف یزید لعین کو اپنا جانشین بنا کر لوگوں کو اس کی بیعت کرنے کا کہا۔[۲]

امام حسین علیہ السلام سمیت بعض شخصیات نے اس بیعت سے انکار کر دیا۔ معاویہ نے یزید کی ولی عہدی مستحکم بنانے کے لئے وسیع اقدامات کیئے اور مدینہ منورہ کا دورہ کیا تاکہ اکابرین سے یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت لے۔[۳]

امام حسین علیہ السلام نے ایک مجلس میں جہاں معاویہ عبداللہ ابن عباس اور بعض اموی درباریوں کی موجودگی میں امیر شام کو ملامت کی اور یزید کی نااہلی اور ہوس بازیوں کی یاد آوری کروائی۔ اور اس کو یزید کی ولی عہدی کا اعلان کرنے سے متنبہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ امام حسین علیہ السلام نے اپنے مقام اور حق کو بیان کرتے ہوئے یزید کی بیعت کے لئے امیر شام کی طرف سے پیش کیئے جانے والے دلائل کو رد کیا۔[۴]

اسی دوران امیر شام کی وفات سے دو سال پہلے یعنی سن ۵۸ ہجری میں امام حسین علیہ السلام نے یزید کی ولی عہدی پر اعتراض آمیز خطبہ دیا۔[۵]

امیر شام کی وفات کے بعد ۱۵ رجب ۶۰ ہجری کو یزید بن معاویہ حاکم بن گیا اس نے بعض ان بزرگوں سے زبردستی بیعت لینے کا ارادہ کیا، جنہوں نے اس کی ولی عہدی کو قبول نہیں کیا تھا۔ ان میں سے ایک حسین بن علی علیہ السلام تھے۔[۶]

---

[۱] طبقات الکبریٰ از محمد ابن سعد ج ۱۰ ص ۴۴۰، اختیار معرفتہ الرجال (رجال کشی) ص ۵۰، تاریخ السلام از ذہبی ج ۵ ص ۶، تاریخ مدینہ الدمشق از ابن عساکر ج ۱۴ ص ۲۰۶

[۲] البدایہ والنہایہ از ابن کثیر ج ۸ ص ۷۹، نشر مکتبہ دار الفکر بیروت

[۳] الامامہ والسیاسیہ از ابن قتیبہ دینوری ج ۱ ص ۲۰۴

[۴] الامامہ والسیاسیہ از ابن قتیبہ دینوری ج ۱ ص ۲۰۸،۲۰۹

[۵] تحف العقول از ابن شعبہ حرانی ص ۶۸

[۶] تاریخ امم والملوک از محمد ابن جریر طبری ج ۵ ص ۳۳۸

لیکن امام حسین علیہ السلام نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔[1]
اور اپنے دوست احباب اور خاندان سمیت ۲۸ رجب کو مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔[2]

مکہ مکرمہ میں قیام:

مکہ مکرمہ میں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ مدائنی نے یونس بن اسحاق سے مروی روایت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب کوفہ والوں کو یہ خبر ملی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ میں قیام پذیر ہیں اور انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تو انہوں نے امام حسین علیہ السلام کے پاس ابوعبداللہ جدلی کی قیادت میں ایک وفد روانہ کیا اور شبث بن ربعی، سلیمان بن صُرد خزاعی، مسیب بن نجبہ اور کوفے کے سرداروں نے خطوط ارسال کیئے اور عرض کیا۔ آپ ہمارے پاس کوفہ آئیں تا کہ ہم آپ کی بیعت کر دیں اور یزید کی بیعت اپنی گردنوں سے اُتار پھینکیں۔

تو امام حسین علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔

''میں تمہارے پاس اپنے چچا زاد بھائی (حضرت مسلم بن عقیلؑ) کو روانہ کر رہا ہوں جب انہوں نے تم لوگوں سے میرے لئے بیعت لے لی اور انہوں نے ویسے ہی بتایا جیسا تم لوگ اپنے متعلق لکھ رہے ہو تو میں تمہارے پاس آجاؤں گا''

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے مسلم بن عقیل کر بلایا اور فرمایا آپ کوفہ کی طرف عازم سفر ہوں اگر آپ یہ دیکھیں کہ وہ لوگ اس بات پر اکٹھے ہیں۔ جو انہوں نے مجھے لکھ بھیجی ہے اور وہ آپ کے ہمراہ خروج پر آمادہ ہیں تو مجھے اپنی رائے لکھ بھیجیں اس کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کوفہ آئے اور آل رسول کی محبت کے دعویٰ دار لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے امام حسین علیہ السلام کے لئے بیعت لے لی۔ اُدھر یزید نے خبر ملتے ہی نعمان بن بشیر کی جگہ ابن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔

کوفہ کے حالات میں تبدیلی:

ابی مخنف بیان کرتا ہے، جب عبیداللہ ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوا تو اس کے ہمراہ مسلم بن عمر الباہلی، منذر بن عمر بن جارود اور اس کے خاندان کے کچھ افراد تھے یہ اس حالت میں کوفہ داخل ہوا کہ اس کے سر پر

---

[1] مقتل الحسینؑ از ابی مخنف مطبوعہ العلمیہ ص ۵
[2] انساب الاشراف از بلاذری ج ۳ ص ۱۶۰۔ الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۳۴

سیاہ عمامہ تھا اور چہرہ کپڑے سے چُھپا رکھا تھا۔ جبکہ کوفہ کے لوگ امام حسین علیہ السلام کے منتظر تھے۔ ابن زیاد جہاں سے بھی گزرتا لوگ اس کو امام حسین علیہ السلام سمجھ کر کہتے مرحبا اے فرزند رسول۔ ابن زیاد کو یہ سخت ناگوار گزرتا حتیٰ کہ قصر دارالامارۃ داخل ہوا اور لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کے لئے کہا۔ اور جب لوگ جمع ہو گئے تو اس نے مسجد میں ایک خطبہ دیا جس میں لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اور سخت سزا کی خبر سنائی۔

حضرت مسلم بن عقیل نے ابن زیادہ کا کوفہ میں آنے کے متعلق سنا تو آپ نے اپنا ٹھکانہ تبدیل کر لیا اور ہانی بن عروہ مذحجی کے گھر میں چلے گئے۔ حضرت ہانی بن عروہ کے گھر وقتاً فوقتاً شیعہ حضرت مسلم بن عقیل سے ملاقات کرنے کے لئے آنے لگے۔ شریک بن اعور نے بھی ہانی بن عروہ کے گھر میں قیام کیا۔ یہ حضرت علی کے شیعیان میں سے تھا ابن زیاد نے اپنے غلام معقل کو بلایا اور اس سے کہا تم یہ تین ہزار درہم پکڑو اور اس کے ذریعے مسلم کو تلاش کرو اور کسی شیعہ کو تلاش کرو اُن سے کہنا کہ تم یہ تین ہزار درہم کو اپنے دشمن کے خلاف تیاریٔ جنگ کے لئے استعمال کرنا۔

معقل رقم لے کر کوفہ کی جامع مسجد میں آیا اور وہاں مسلم ابن عوسجہ سے ملاقات کی کیونکہ لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ شخص جو نماز پڑھ رہا ہے اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیعت کر رکھی ہے۔ معقل مسلم ابن عوسجہ کے قریب گیا اور کہا۔ اے بندۂ خدا میں شام سے آیا ہوں اور میں قبیلہ ذوالکلاع کا غلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام و اکرام کیا ہے میں اہل بیت کے محبوں میں سے ہوں میرے پاس یہ تین ہزار درہم ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اہل بیت کے خاندان کا ایک فرد جو کوفہ میں وارد ہوا ہے۔

اور رسول خدا نواسے کے لئے بیعت طلب کر رہا سے اسے دے دوں اور میں ان سے ملاقات کرنے کی بھی شدید خواہشمند ہوں اور اس کے قیام کی جگہ جاننا چاہتا میں نے کئی مسلمانوں یہ سنا ہے کہ وہ آپ کے متعلق کہہ رہے تھے کہ اس شخص کے پاس اہلِ بیت اور ان سے متعلقہ خبریں ہوتی ہیں اس لئے میں آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ علیہ السلام مجھ سے یہ مال وصول کر لیں اور مجھے میرے مطلوبہ شخص تک رہنمائی فرمائیں تا کہ میں ان کے ہاتھ پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیعت کر سکوں۔

معقل کی یہ باتیں سن کر مسلم ابن عوسجہ علیہ السلام نے کہا: میں تم سے ملاقات پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاتا ہوں۔ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت سے محبت اور ان کے حق کی خاطر ان کی نصرت پر آمادگی نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں آیا کہ اس سرکش اور ظالم و جابر گورنر کو مغلوب کرنے سے قبل ہی لوگوں کو میرے متعلق یہ علم ہو چکا ہے کہ ہم ان کے لئے بیعت لینے میں پیش پیش ہیں۔

پھر مسلم ابن عوسجہ نے اس شخص سے عہد و پیمان اور قسمیں لیں کہ وہ اس بات کو راز میں رکھے گا اور کسی کو نہیں بتائے گا۔ معقل نے بھی ہر وہ عہد و پیمان اور قسم دی جس سے مسلم ابن عوسجہ اس کو حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام سے ملوانے پر راضی ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد مسلم ابن عوسجہ نے اس سے کہا: تم کچھ دنوں کے لئے چپکے سے میرے پیچھے پیچھے میرے گھر آتے رہو تاکہ میں تمہارے لئے حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام سے اجازت مانگ سکوں۔ پھر اس نے دیکھا کہ مسلم ابن عوسجہ لوگوں کو اپنے پیچھے پیچھے چپکے سے حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے پاس لے جاتے ہیں اور اِس نے بھی یوں حضرت ہانی کے گھر آپ سے ملاقات کی۔

شریک بن اعور سخت بیمار ہو گئے جبکہ آپ کے ابن زیاد کے ساتھ انتہائی قریبی اور مضبوط تعلقات تھے لیکن آپ پکے شیعہ تھے۔ ایک دن عبیداللہ ابن زیاد نے آپ کے پاس پیغام بھجوایا کہ آج رات میں آپ کی عیادت کی خاطر آپ کے پاس آؤں گا تو شریک بن اعور نے حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام سے کہا: یہ فاجر شخص میرے بیمار پُرسی کے لئے آج رات میرے پاس آ رہا ہے لہٰذا جب وہ میرے پاس بیٹھ جائے تو آپ علیہ السلام اسے قتل کر دینا اور خود قصر دار الامارہ میں مسند نشین ہو جانا کیونکہ اس وقت اس کو قتل کرنے کے لئے آپ کے اور اس کے درمیان کوئی حائل نہیں ہوگا۔ میں جب تندرست ہو گیا تو بصرہ جا کر آپ علیہ السلام کے تمام اُمور آپ علیہ السلام کے حق میں بہتر کر دوں گا۔

جب رات کے وقت ابن زیاد شریک بن اعور کی بیمار پُرسی کے لئے حضرت ہانی بن عروہ کے گھر آیا تو شریک بن اعور نے حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام سے کہا: جب یہ (ملعون) بیٹھ جائے تو ہرگز آپ سے بچ کر واپس نہ جانے پائے۔ لیکن حضرت ہانی نے حضرت مسلم سے کہا کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا کہ وہ میرے گھر میں قتل ہو۔ گویا انہوں نے اس امر کو یوں پایۂ تکمیل تک پہنچانا برا تصور کیا۔

جب عبیداللہ ابن زیاد ان کے بیمار پُرسی کے لئے آ کر بیٹھ گیا تو اس نے شریک بن اعور سے پوچھا تمہیں کیا بیماری ہے اور کب سے اس مرض کی شکایت ہے؟ جب عبیداللہ ابن زیاد ان سے کافی دیر تک سوالات کرتا رہا اور جناب شریک نے دیکھا کہ حضرت مسلم علیہ السلام اس (ملعون) کو قتل کرنے کے لئے باہر نہیں آ رہے تو انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ بچ کر نکل نہ جائے لہٰذا انہوں نے حضرت مسلم علیہ السلام کو اپنا مقصود سمجھانے کے لئے درج ذیل اشعار پڑھے:

ترجمہ اشعار: ''تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو اور سلمٰی کو مبارک باد کیوں نہیں دیتے! تم اسے اور اس کے علاوہ جسے مبارک دینی چاہیے اسے مبارک باد دو۔ تم اسے جلدی سے

موت کے پیالے سے سیراب کرو۔ تمہیں تمہارے باپ کی قسم! تم اس کے ذریعے مجھے سیراب کرو اگرچہ اس سے میری موت ہی کیوں نہ واقع ہوتی ہو۔''

شریک بن اعور نے دو یا تین مرتبہ ان اشعار کا تکرار کیا تو عبیداللہ ابن زیاد جو ان اشعار کا مطلب نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس نے کہا: اسے کیا ہو گیا اور یہ کیا ہذیان بک رہا ہے؟ تو حضرت ہانی نے جواب دیا: غروب شمس سے اس وقت تک ان کی یہی حالت ہے اور یہ ان اشعار کو ہی دہرائے جا رہے ہیں۔

اس کے بعد ابن زیاد وہاں سے اُٹھ کر واپس چلا گیا اور حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام باہر نکلے تو جنابِ شریک نے ان سے پوچھا: آپ علیہ السلام نے اس کو کیوں قتل نہیں کیا؟ حضرت مسلم علیہ السلام نے فرمایا: دو باتوں کی وجہ سے میں نے اس (ملعون) کو قتل نہیں کیا۔ ان میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ جنابِ ہانی اس بات کو ناپسند فرما رہے تھے کہ وہ ان کے گھر میں قتل ہو اور دوسری وجہ رسول علیہ السلام خدا کی وہ حدیث ہے جو میں نے لوگوں سے سنی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ الْاِیْمَانَ قَیدَ اللّٰتكَ فَلَا یقتلَ موٴمن

''ایمان مخفیانہ قتل سے منع کرتا ہے اور مومن کسی کو مخفیانہ قتل نہیں کرتا''۔

یہ سن کر شریک بن اعور نے ان سے کہا: خدا کی قسم! اگر آپ علیہ السلام اسے قتل کر دیتے تو آپ علیہ السلام نے ایک فاسق و فاجرہ کافر اور غدار، دھوکے باز شخص کو قتل کر دیا تھا۔

جس شخص کو عبیداللہ ابن زیاد نے حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کو تلاش کرنے کے لئے مال دے کر اس ذمہ داری کو سونپا تھا وہ اکثر جنابِ ہانی کے گھر دوسرے لوگوں کے ساتھ آتا رہتا تھا۔ وہ سب سے پہلے آتا اور لوگوں کے وہاں سے چلے جانے کے بعد سب سے آخر میں وہاں سے نکلتا۔ وہ ان لوگوں کی باتیں سن کر ان کے رازوں سے آگاہی حاصل کرتا اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر ابن زیاد کے پاس جا کر اسے ان تمام باتوں کی خبر دیتا تھا۔

مدائنی نے ابومخنف سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ایک دن ابن زیاد نے (اپنے حواریوں سے) کہا: ہانی! ہم سے ملنے کے لئے ہمارے دربار کیوں نہیں آتا، تو جب اسماء ابن خارجہ اور ابن اشعث کی جناب ہانی سے ملاقات ہوئی تو ان دونوں نے ان سے کہا: آپ امیر کے دربار میں کیوں نہیں آتے حالانکہ وہ آپ کو یاد کر رہا ہے۔ پھر جب جنابِ ہانی اس (ملعون) کے دربار میں گئے تو اس (ملعون) نے یہ شعر پڑھا:

''میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور یہ میرا قتل چاہتا ہے۔ اب تمہارا دوست کیا عذر اور بہانہ

تلاش کرے گا''[1]

پھر جناب ہانی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے ہانی! کیا ابن عقیل علیہ السلام تمہاری پناہ میں ہے؟ جناب ہانی نے کہا: میں نے ان کو پناہ نہیں دے رکھی۔

پھر ابن زیاد نے معقل (جاسوس) کو بلایا اور جنابِ ہانی سے پوچھا: کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟ جنابِ ہانی نے جواب دیا: ہاں! میں اسے جانتا ہوں اور اس نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ میں نے اسے اپنے گھر میں دیکھا ہے۔ پھر ابن زیاد نے کہا: تم اس وقت تک یہاں سے نہیں جا سکتے جب تک ابن عقیل علیہ السلام کو میرے حوالے نہ کردو۔ پھر وہ (ملعون) ان پر چیخنے چلانے لگا اور ان کے چہرے پر لاٹھی سے مارا اور انہیں اپنے پاس قید کرلیا۔

حجاج بن علی ہمدانی سے ابومخنف نے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب عبیداللہ ابن زیاد نے جنابِ ہانی کو لاٹھی سے مارا اور انہیں اپنے پاس قید کرلیا تو اسے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں لوگ اس کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے نہ ہوں لہٰذا وہ جامع مسجد کوفہ میں گیا جبکہ اس کے ہمراہ کوفہ کے سردار، اس کے سپاہی اور غلام بھی تھے۔ اس نے منبر پر جا کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد کہا:

ایھاالناس!!

''اے لوگو! سب اللہ تعالیٰ اور اپنے رہبروں کی اطاعت وفرمانبرداری کا دامن تھام لو، تم لوگ فرقہ بندی میں نہ پڑو، ورنہ تم میں اختلاف پیدا ہوجائے گا اور تم ہلاک اور ذلیل ورسوا ہوجاؤ گے۔ افتراق وانتشار کی صورت میں تم خوف زدہ ہوکر جنگ کے لئے نکلو گے۔ بے شک! جس نے تم سے سچ بولا وہ تمہارا بھائی (اور خیرخواہ) ہے اور جس نے تم کو ڈرایا اور خبردار کیا گویا اس نے تم پر حجت تمام کردی۔''

پھر وہ منبر سے نیچے اُترنا چاہ رہا تھا کہ اس نے اُترنے سے پہلے مسجد میں موجود ناظرین کی طرف دیکھا تو اس نے مشاہدہ کیا کہ کچھ لوگ تیزی سے اس کی طرف لپک رہے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں:

قد جاء ابن عقیل۔

''ابن عقیل علیہ السلام آ گئے ہیں۔''

---

[1] تاریخ ابن اثیر: ج ۴،ص ۱۲، فخری: ص ۹۰، تاریخ طبری: ۲،ص ۲۰۵ پر ہے: ارہد سیارہ

یہ منظر دیکھ کر ابن زیاد اپنے قصر میں چلا گیا اور اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

عبداللہ بن حازم البکری سے مروی ہے کہ خدا کی قسم! حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کی طرف سے وہ قاصد میں ہی تھا جو جنابِ ہانی کی خبر گیری کے لئے قصر دارالامارہ میں گیا تا کہ میں یہ دیکھ سکوں کہ ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا ہے۔ جب میں نے جنابِ ہانی علیہ السلام کے متعلق حضرت مسلم علیہ السلام ابن عقیل کو آگاہ کیا تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو پکاروں تو میں نے یہ ندادی: یامنصور اُمت۔ میرا یہ نعرہ سن کر کوفہ کے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے گرد جمع ہو گئے تو آپ علیہ السلام نے عبدالرحمٰن بن عزیز الکندی کو قبیلہ ربیعہ کا سردار بنا کر فرمایا: آپ میرے آگے آگے چلیں اور گھڑسواروں کے ساتھ پیش قدمی کریں۔

جناب مسلم ابن عوسجہ کو قبیلہ مذحج اور اس کا سردار بنا کر فرمایا: آپ گھوڑے سے نیچے اُتر آئیں اور پیادہ افراد کے ہمراہ پیش قدمی کریں۔ ابوثمامہ الصائدی کو قبیلہ تمیم اور ہمدان کا سردار بنایا اور عباس بن جعدہ جدلی کو شہر والوں کا سردار بنایا۔ پھر ابن زیاد کے قصر دارالامارہ کی طرف پیش قدمی فرمانے لگے۔

جب عبیداللہ ابن زیاد کو ان کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے خود کو قصر میں محبوس کر لیا اور قصر کے تمام دروازوں کو بند کر دیا۔ حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے آگے بڑھتے ہوئے قصر کا محاصرہ کر لیا۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! ابھی ہمیں تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ مسجد اور بازار لوگوں سے بھر گئے اور مزید لوگوں کا شام تک تانتا بندھا رہا۔ عبیداللہ ابن زیاد پر یہ امر سخت گراں گزرا لہٰذا اس نے عبیداللہ بن کثیر بن شہاب الحارثی کو بلا کر یہ حکم دیا کہ قبیلہ مذحج میں سے جو اس کے وفادار ہیں، ان کو لے کر باہر نکلے اور لوگوں کو ابن عقیل علیہ السلام سے جدا کرے اور انہیں جنگ سے ڈرائے اور ان کے دل میں حاکم کی سخت سزا کا خوف پیدا کرے۔ پھر وہ کوفہ والوں کی طرف روانہ ہوا اور انہیں ابن زیاد اور اس کے باپ کی سنگدلی اور قہر وغضب سے ڈرایا۔

ابومخنف نے عبداللہ بن عازم کی روایت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ عبداللہ بن عازم البکری کہتا ہے: کوفہ کے اشراف اور بزرگان ہمارے پاس آئے اور ان میں سے سب سے پہلے کثیر بن شہاب نے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

> ''اے لوگو! اپنے خاندان اور گھر والوں کے پاس واپس چلے جاؤ اور جلدی نہ کرو۔ تم سب منتشر ہو جاؤ اور اپنی جانوں کو قتل ہونے کے لئے پیش نہ کرو۔ امیر المومنین یزید (لعنۃ اللہ) کے لشکر پہنچنے والے ہیں اور اس نے گورنر (ابن زیاد) کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ اگر

تم لوگ اس سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو اور آج شام تک اپنے گھر والوں کے پاس واپس نہیں جاتے ہو تو وہ تمہاری اولاد کو اپنی نوازشات سے محروم رکھے اور شام کی فوج کے درمیان تمہارے مال و اسباب کو تقسیم کر دے اور تمہارے گناہ گار اور مجرم افراد کے مقابلے میں بے جرم و بے خطا افراد کو بھی معاف نہ کرے اور تمہارے غائب ہو جانے والوں کا بدلہ تمہارے موجودہ افراد سے لے یہاں تک کہ تم نافرمان لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہ بچے جسے اس کے قہر اور غضب کا نشانہ نہ بنایا گیا ہو" [1]

اسی طرح کوفہ کے دیگر اشراف نے بھی اس قسم کی گفتگو کی، جسے سن کر لوگ منتشر ہو گئے۔ ابومخنف کہتے ہیں کہ میں نے مجالد بن سعید سے سنا، وہ کہتے ہیں: جب کوفہ کے اشراف نے ان لوگوں سے خطاب کیا تو ہر ایک عورت اپنے بیٹے اور بھائی کے پاس آتی اور کہتی کہ واپس چلو، ورنہ دشمن کے لوگ تمہیں گھیر لیں گے۔ اسی طرح ہر ایک مرد اپنے بھائی اور بیٹے کے پاس آتا اور اس سے کہتا کہ کل شامی تمہارے پاس آ جائیں گے لہٰذا تم جنگ اور اس شرارت کا کیا کرو گے؟ پس تم فوراً واپس چلو۔

لوگ حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام سے جدا ہوتے رہے اور واپس جاتے رہے یہاں تک کہ شام کے وقت حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے ہمراہ صرف تیس افراد تھے۔ آپ علیہ السلام نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد قبیلہ کندہ کے دروازوں کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قبیلہ کندہ کے دروازوں کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام کے ہمراہ صرف دس افراد تھے۔ اور جب آپ علیہ السلام ان دروازوں سے باہر نکلے تو آپ علیہ السلام کے ہمراہ کوئی بھی نہ تھا۔ آپ علیہ السلام کوفہ کی گلیوں میں حیران و پریشان چل رہے تھے جبکہ آپ علیہ السلام کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آپ علیہ السلام کہاں جائیں۔ [2]

آپ علیہ السلام یوں ہی چلتے چلتے قبیلہ کندہ کے خاندان بنو بجیلہ کے گھروں کی طرف نکل پڑے یہاں تک کہ آپ علیہ السلام ایک عورت کے گھر کے دروازے کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس عورت کا نام طوعہ تھا۔ یہ اشعث کی کنیز تھی اور اس نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ پھر اُسید الحضرمی نے اس سے شادی کی اور اس کا ایک بیٹا بلال پیدا ہوا۔ اس کا بیٹا بلال لوگوں کے ہمراہ باہر نکلا ہوا تھا اور یہ دروازے پر کھڑے ہوئے اس کا انتظار کر

---

[1] الارشاد: ص ۱۹ تاریخ طبری: ج ۶ ص ۲۰۸

[2] مقتل الحسین علیہ السلام: ص ۳۱

رہی تھی۔حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے اسے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا۔ پھر حضرت مسلم علیہ السلام نے اس سے پینے کے لئے پانی مانگا تو یہ عورت ان کے لئے پانی لے کر آئی اور انہیں پانی پلایا۔ پھر برتن رکھنے کے لئے دوبارہ اندر گئی اور اب جو باہر نکلی تو حضرت مسلم علیہ السلام کو اپنے گھر کے باہر دروازے پر بیٹھے ہوئے پایا۔تو اس نے کہا: کیا آپ علیہ السلام نے پانی نہیں پیا؟

حضرت مسلم علیہ السلام نے فرمایا مَیں نے پی لیا ہے

اس عورت (طوعہ) نے کہا: اب آپ علیہ السلام اپنے گھر چلے جائیں۔

یہ سن کر جنابِ مسلم علیہ السلام خاموش ہو گئے۔اس عورت نے تین بار اس جملے کو دہرایا اور کہا: اے بندۂ خدا اُٹھو اور اپنے گھر والوں کے پاس چلے جاؤ کیونکہ تمہارا میرے گھر کے دروازے پر بیٹھنا مناسب نہیں ہے اور نہ ہی یہ تمہارے لئے جائز ہے۔

یہ سن کر حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''اے کنیز خدا کی قسم اس شہر میں میرے خاندان کا کوئی فرد نہیں ہے، کیا تم میرے ساتھ نیکی کر سکتی ہو اور میں تمہیں اس کا بدلہ بھی عنایت کروں گا۔''

اس عورت نے کہا: ''اے بندۂ خدا! تم کون ہو؟''

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے فرمایا:

''میں عقیل علیہ السلام کا بیٹا مسلم علیہ السلام ہوں۔اس قوم (کوفیوں) نے میرے ساتھ جھوٹ بولا مجھے دھوکا دیا اور میری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔''

یہ سن کر طوعہ نے تعجب سے کہا: ''کیا آپ مسلم علیہ السلام ہیں؟'' آپ علیہ السلام نے جواب دیا: ''جی ہاں! میں ہی مسلم علیہ السلام ہوں۔''

اس عورت نے کہا: ''آپ علیہ السلام اندر تشریف لے آیئے۔''

اس عورت (طوعہ) نے اپنے گھر میں ایک کمرے میں انہیں ٹھہرایا، ان کے لئے بستر لگایا اور رات کا کھانا پیش کیا۔ جب طوعہ کا بیٹا گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی ماں ایک کمرے میں بار بار جا رہی ہے۔اس نے اپنی ماں سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: بیٹا چھوڑو، اس بارے میں کچھ نہ پوچھو۔اس کے بیٹے نے کہا: خدا کی قسم! تمہیں ضرور بتانا پڑے گا اور یہ مسلسل اصرار کرنے لگا۔اس کی ماں نے کہا: بیٹا! تم اس بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گے اور اس نے قسمیں لیں کہ وہ کسی کو نہیں بتائے گا۔اس کے بیٹے نے قسمیں کھائیں تو پھر

اس کی ماں نے اسے سب کچھ بتا دیا اور وہ سن کر خاموشی سے لیٹ گیا۔

جب ابن زیاد نے کافی دیر تک حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے ساتھیوں کی آوازیں نہ سنیں تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اوپر سے دیکھو تو انہوں نے دیکھا اور شمعیں روشن کیں۔ پھر ابن زیاد کے ساتھی رسیوں کے ذریعے جامع مسجد کے صحن میں اُتر آئے لیکن انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ انہوں نے اس کے متعلق ابن زیاد کو بتایا کہ باہر کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن زیاد نے قصر کا دروازہ کھولا اور باہر نکل کر بلند آواز میں لوگوں سے کہا: جس نے نماز عشاء جامع مسجد میں نہ پڑھی میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

پھر تمام لوگ جامع مسجد میں اکٹھے ہو گئے تو اس نے منبر پر جا کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد کہا: بے شک! یہ عقیل علیہ السلام کا بیٹا بیوقوف اور لاعلم ہے۔ تم سب جانتے ہو کہ اس اختلاف اور انتشار کا سبب وہی ہے۔ اس لئے ہمیں جس شخص کے گھر سے وہ مل گیا تو اس پناہ دینے والے کی جان کا میں ذمہ دار نہیں ہوں اور جو شخص اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئے گا، اُسے اس کا خون بہا دیا جائے گا۔

اے بندگانِ خدا! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اطاعت اور بیعت کے عہد و پیمان پر کار بند رہو اور خود اپنے لئے مشکلات پیدا نہ کرو۔ پھر اس نے (کوفہ کے داروغہ) حصین بن تمیم سے کہا: اے حصین بن تمیم! تیری ماں تیرے غم میں روئے، اگر یہ شخص کوفہ کی گلیوں سے غائب ہو گیا یا یہ یہاں سے نکل گیا اور تم اسے پکڑ کر میرے پاس نہ لے آئے تو تمہاری ماں تجھ پر روئے گی۔ میں نے تمہیں کوفہ والوں کے گھروں پر مسلط کیا ہے، پس! تم فوراً اپنے سپاہی کوفہ کی گلیوں اور چوراہوں پر پھیلا دو اور کل صبح تمام گھروں کی تلاشی لو اور عقیل علیہ السلام کے بیٹے کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ۔

اس کے بعد ابن زیاد منبر سے نیچے اُتر آیا۔

جب اگلے دن صبح کے وقت لوگ ابن زیاد سے ملاقات کے لئے آنے لگے اور اس نے ملاقات کی اجازت دی تو محمد بن اشعث اس کے پاس گیا اور ابن زیاد نے اس سے کہا: مرحبا! خوش آمدید اس شخص کو، جسے ملامت نہیں کیا جاتا اور نہ ہی وہ دھوکا باز اور منافق ہے۔ پھر اس نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا۔

وہ بڑھیا (طوعہ) جس کے گھر میں حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے پناہ لے رکھی تھی، اگلے دن صبح کے وقت اس کا بیٹا بلال گھر سے نکلا اور محمد بن اشعث کے بیٹے عبدالرحمٰن کو یہ اطلاع دی کہ ابن عقیل علیہ السلام نے ہمارے گھر میں میری ماں کے پاس پناہ لے رکھی ہے۔

یہ سن کر عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث فوراً اپنے باپ کے پاس قصر دارالامارہ گیا جو اس وقت ابن زیاد

کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے کان میں بات کی تو ابن زیاد نے محمد بن اشعث سے پوچھا: یہ تجھ سے کیا کہہ رہا ہے؟ محمد بن اشعث نے جواب دیا: میرے بیٹے نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ ابن عقیل علیہ السلام ہمارے گھروں میں سے ایک گھر میں مقیم ہے۔

یہ سن کر ابن زیاد نے اپنی لاٹھی کی نوک اس کے پہلو میں چبھو کر کہا: اُٹھو اور اسی وقت اُسے میرے پاس حاضر کرو۔

ابومخنف کہتا ہے کہ مجھے قدامہ بن سعد بن زائدہ ثقفی نے خبر دی ہے کہ ابن زیاد نے ابن اشعث کی ہمراہ ساٹھ یا ستر سپاہی روانہ کیے، ان سب کا تعلق بنو قیس سے تھا اور ان پر عمرو بن عبیداللہ بن عباس السلمی کو سردار متعین کیا۔ یہ لوگ اس گھر میں آئے، جہاں حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام پناہ لئے ہوئے تھے۔ جب حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے گھوڑوں کی ٹاپوں اور لوگوں کی آوازیں سنی تو آپ علیہ السلام سمجھ گئے کہ ابن زیاد کے سپاہی آ گئے ہیں۔ آپ اپنی تلوار لے کر ان کی جانب نکلے تو ابن زیاد کے سپاہیوں نے اس گھر پر ہجوم کر دیا اور حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام بھی ان پر حملہ آور ہوئے۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد کے سپاہیوں نے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر ان پر پتھر برسانے شروع کر دیئے اور لکڑی کے گٹھوں کو آگ لگانے کے بعد انہیں حصرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کی طرف پھینکنے لگے۔ جب حضرت مسلم علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو آپ علیہ السلام نے اپنے آپ سے کہا:

> ''کیا یہ سب تگ و دو جو میں دیکھ رہا ہوں عقیل کے بیٹے (حضرت مسلم علیہ السلام) کو شہید کرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ اے نفس! موت کی جانب بڑھو اس سے کسی کو فرار نہیں ہے۔''

پھر آپ علیہ السلام تلوار لہراتے ہوئے گھر سے باہر گلی میں نکل آئے اور ابن زیاد کے سپاہیوں سے لڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر محمد ابن اشعث نے ان سے کہا: اے نوجوان! ہم تجھے امان دیتے ہیں، تم خود کو ہلاک نہ کرو۔ یہ سن کر حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام آگے بڑھ کر حملہ کرنے لگے اور یہ اشعار پڑھے:

> ترجمہ: ''میں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ میں ایک آزاد مرد کی طرح شہید ہوں گا اور مجھے یقین ہے کہ موت کو آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ مجھے صرف اس بات کا خدشہ ہے کہ مجھ سے جھوٹ بولا جائے گا یا مجھے دھوکا و فریب دیا جائے گا یا ٹھنڈا گرم کے ساتھ مخلوط ہو جائے گا۔ نفس و روح کی کرن واپس لوٹ آئی اور یہ اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے۔ ہر شخص کو ایک دن شر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

محمد بن اشعث نے آپ علیہ السلام سے کہا: آپ علیہ السلام سے جھوٹ نہیں بولا جائے گا اور آپ علیہ السلام سے دھوکا

وفریب نہیں کیا جائے گا۔ یہ لوگ آپ علیہ السلام سے نہ جنگ کریں اور نہ ہی آپ علیہ السلام پر وار کریں گے۔ جب آپ علیہ السلام زخموں سے چور چور ہو گئے اور جنگ کرنے سے عاجز آ گئے تو آپ علیہ السلام اس وقت مصیبت و تکلیف سے ہانپ رہے تھے اور آپ علیہ السلام نے اس بُڑھیا کے گھر کے ساتھ واقع دیوار سے اپنی کمر سے ٹیک لگالی۔ محمد بن اشعث آپ علیہ السلام کے قریب ہوا اور آپ علیہ السلام سے کہا: میں تمہیں امان دیتا ہوں۔

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم مجھے امان دے رہے ہو؟

اس نے کہاب ہاں! تم امان میں ہو۔

پھر عبیداللہ بن عباس السلمی کے سوا تمام لوگوں (حاضرین) نے کہا: ہاں! تم امان میں ہو۔ لیکن عبیداللہ بن عباس السلمی نے کہا: میں اس امان نامے سے بری الذمہ ہوں اور وہ اس معاملے سے الگ ہو گیا۔

پھر حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر تمہاری طرف سے امان نہ ہوتی تو میں کبھی خود کو تمہارے حوالے نہ کرتا۔ اس کے بعد ابن زیاد کے سپاہی ایک خچر لے کر آئے اور حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کو اس پر سوار کیا اور وہ سب ان پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے حضرت مسلم علیہ السلام کی گردن سے تلوار اُتار لی۔ اس وقت حضرت مسلم علیہ السلام کی یہ کیفیت تھی، گویا اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ قوم انہیں قتل کر کے دم لے گی۔ اس وقت آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ تم لوگوں کی طرف سے میرے ساتھ پہلا دھوکا ہے۔''

محمد بن اشعث نے کہا: میں امید کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ یہ سن کر حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ صرف تمہاری اُمید اور آرزو ہے۔ پس! اب تمہاری امان کہاں گئی۔ پھر آپ علیہ السلام نے ......انا للہ وانا الیہ راجعون...... کہا اور یہ کہہ کر رونے لگے۔

یہ دیکھ کر عبیداللہ بن عباس السلمی نے کہا: بے شک! تمہاری طرح کا انسان اور جو تیری طرح امان طلب کرے اگر اس پر اس طرح کے مصائب و تکالیف آئیں تو اسے گریہ نہیں کرنا چاہیے۔

یہ سن کر حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! میں اپنی جان کے خوف سے گریہ نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی میں موت سے گھبراتا ہوں بلکہ میں تو اپنے ان خاندان والوں کو یاد کر کے گریہ وبکا کر رہا ہوں جو میری طرف کوفہ آ رہے ہیں۔ میں تو حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی اولاد پر گریہ کر رہا ہوں۔

پھر آپ علیہ السلام نے اشعث کے بیٹے سے کہا: خدا کی قسم! میں تمہارے متعلق یہی گمان کر رہا ہوں کہ تم

میری امان سے عاجز اور اس پر قدرت نہیں رکھ سکو گے۔ آپ علیہ السلام نے اس سے یہ بھی کہا کہ تم حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کی طرف ایک قاصد روانہ کر کے انہیں حقیقت حال سے آگاہ کر دو اور انہیں واپس چلے جانے گا کہہ دو۔

محمد بن اشعث نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں ایسا ضرور کروں گا۔[1]

جب حضرت مسلم علیہ السلام کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے دربار (قصر دار الامارہ) میں لایا گیا تو آپ علیہ السلام نے محل کے دروازے پر ٹھنڈے پانی کا مٹکا دیکھا تو کہا: مجھے پینے کے لئے پانی دے دو۔

مسلم بن عمر اور ابو قتیبہ بن مسلم باہلی نے جواب میں کہا: خدا کی قسم! تم اس پانی سے ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے یہاں تک کہ تم جہنم کی آگ سے کھولتا ہوا پانی پیو گے (العیاذ باللہ)

یہ سن کر حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے کہا: تجھ پر ہلاکت اور وائے ہو! تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے، تم کس قدر سنگ دل اور تندخو، بدمزاج آدمی ہو۔ اے باہلہ کے بچے! تم جہنم کے کھولتے ہوئے پانی کے زیادہ حق دار ہو۔ پھر حضرت مسلم محل کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

قدامہ بن سعد سے مروی ہے کہ پھر عمرو بن حریث نے اپنے غلام سلیمان کو بھیجا اور وہ حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے لئے پانی لایا اور انہیں سیراب کیا۔

مدرک بن عمارہ کی روایت کے مطابق عمارہ بن عقبہ نے اپنے غلام نسیم کو پانی لانے کے لئے بھیجا اور وہ حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے لئے پانی کا کوزہ لے آیا تو حضرت مسلم علیہ السلام نے پانی پینا چاہا لیکن کوزہ خون سے بھر گیا اور آپ علیہ السلام وہ پانی نہ پی سکے۔ جب آپ علیہ السلام نے دوبارہ پینے کا ارادہ کیا تو وہ برتن دوبارہ خون سے بھر گیا اور آپ علیہ السلام کے سامنے والے دو دانت ٹوٹ کر اس میں گر گئے تو آپ علیہ السلام نے کہا: الحمدللہ اگر میری قسمت میں اس پانی کا پینا ہوتا تو میں اسے ضرور پی لیتا۔

پھر حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کو عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا تو آپ علیہ السلام نے اسے سلام نہ کیا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک محافظ نے آپ علیہ السلام سے کہا: کیا تم امیر کو سلام نہیں کرو گے؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: اگر تمہارا یہ امیر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو میں اس کی سلامتی کی دُعا کیوں کروں؟ اگر وہ میرے قتل کا ارادہ نہیں رکھتا تو پھر اسے اور کافی لوگ سلام کرنے والے ہیں۔ اسے میرے سلام کی کیا ضرورت ہے۔

یہ سن کر عبیداللہ ابن زیاد نے کہا: تجھے ہر حالت میں قتل کر دیا جائے گا۔

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: تاریخ طبری: ج ۶ ص ۲۱۱

آپ علیہ السلام نے کہا: کیا تم مجھے ضرور قتل کرو گے؟ اس نے جواب دیا: ہاں! پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو میرے قتل کا مصمم ارادہ کر چکا ہے تو مجھے اتنی فرصت دے کہ میں کسی کو اپنی وصیت کر سکوں۔ ابن زیاد نے کہا: تمہارا جس کو جی چاہتا ہے وصیت کرو۔ آپ علیہ السلام نے دربار میں بیٹھے لوگوں پر نظر دوڑائی تو آپ علیہ السلام کو عمر بن سعد نظر آیا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے کہا: میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے، اس لئے مجھے تم سے ایک حاجت ہے لہٰذا میری اس حاجت کو ضرور پورا کرنا جو ایک راز ہے۔

عمر بن سعد نے تنہائی میں آپ علیہ السلام کی وصیت کو سننے سے انکار کر دیا تو ابن زیاد نے اسے کہا کہ تم اپنے چچازاد کی وصیت کو سنو اور اس کام سے ہرگز انکار نہ کرو۔ پھر عمر بن سعد حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کے ساتھ دربار کے اندر ایک طرف کھڑا ہو گیا، جہاں پر ابن زیاد ان دونوں کو دیکھ سکتا تھا۔

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے اسے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: میں نے کوفہ میں ایک شخص سے قرض لیا ہے، تم میرا وہ قرض ادا کر دینا اور مدینہ سے میری زمین کی آمدنی سے تمہیں یہ رقم موصول ہو جائے گی۔ میری شہادت کے بعد میرا جسد ابن زیاد سے لے کر دفن کر دینا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو میرا تمام حال لکھ کر آگاہ کر دینا کہ اب وہ کوفہ تشریف نہ لائیں بلکہ واپس چلے جائیں۔

عمر بن سعد نے ابن زیاد کے پاس آ کر کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اس نے مجھ سے کیا کہا ہے؟ ابن زیاد نے کہا: اس نے تم سے جو کچھ کہا ہے، اُسے اپنے پاس راز رکھو۔

عمر بن سعد نے دوبارہ کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اس نے مجھ سے کیا کہا ہے؟

اب زیاد نے کہا بتاؤ کیا کہا ہے؟ بے شک! امین شخص خیانت نہیں کرتا اور خائن شخص کو امین نہیں بنایا جا سکتا۔ پھر عمر بن سعد نے سارا راز فاش کر دیا تو ابن زیاد نے کہا: قرض کے حوالے سے یہ تمہارا معاملہ ہے، اسے جیسے جی چاہے نمٹاؤ لیکن حسین علیہ السلام اگر وہ ہمارے پاس نہ آئے تو ہم بھی ان کے پیچھے نہیں جائیں گے اور اگر انہوں نے ہمارے پاس آنے کا ارادہ کر لیا تو ہم بھی ان سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ باقی رہا مسلم علیہ السلام کے قتل کے بعد ان کے جسد کا معاملہ! تو ہم اس کے متعلق تمہیں سفارش نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے جبکہ اس نے ہماری مخالفت کی اور وہ ہماری ہلاکت کے درپے تھا۔

پھر ابن زیاد نے حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خدا مجھے ہلاک کر دے اگر میں تجھے یوں قتل نہ کروں کہ اسلام میں اب تک کوئی شخص اس طرح قتل نہیں ہوگا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ اس معاملہ میں وہ روش اختیار کرو جو اسلام

میں جائز نہیں ہے اور بدعات کا ارتکاب کرو کیونکہ تم اس طرح قتل کرنے، قتل کے بعد لاش کا بُری طرح مُثلہ کرنے اور سیرت و کردار میں باطنی نجاست کے اعتبار سے سب سے بڑے جنایت کار ہو۔

پھر ابن زیاد نے کہا: اسے قصر کی چھت پر لے جا کر قتل کر دو۔ اس نے مزید یہ بھی کہا کہ ایسے شخص کو بلاؤ، جسے ابن عقیل علیہ السلام نے سر اور شانوں پر اپنی تلوار سے ضرب لگائی ہو۔ وہ ایک شخص کو لے کر آئے تو ابن زیاد نے اس سے کہا: تم اسے چھت پر لے جاؤ اور اس کا سر تن سے جدا کر دو۔

یہ (بدبخت) شخص بکیر بن حمران احمری تھا۔ ابن زیاد کے سپاہی حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام کو چھت پر لے گئے۔ اس وقت حضرت مسلم علیہ السلام کی زبان پر استغفار اور نبی خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کی تلاوت تھی۔ آپ علیہ السلام نے ان لوگوں کے لئے یوں بددعا کی:

''اے اللہ! تُو ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما جس نے ہمیں دھوکا وفریب دیا اور (ہمیں اپنے پاس بلا کر) ہماری مدد کرنے سے انکار کر دیا۔''

پھر آپ علیہ السلام کو دارالامارہ کی چھت پر لے جا کر آپ علیہ السلام کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا اور پھر آپ علیہ السلام کے سر اور جسد کو اُوپر سے نیچے پھینک دیا گیا۔

حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے حضرت حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف یہ تحریر کیا تھا کہ میں نے لوگوں سے آپ علیہ السلام کے لئے بیعت لے لی ہے۔ یہ سب آپ علیہ السلام پر متفق ہیں اور آپ علیہ السلام کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کوفہ کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ جن دنوں امام حسین علیہ السلام مکہ معظّمہ میں قیام پذیر تھے، اس وقت عبداللہ ابن زبیر آپ علیہ السلام سے ملاقات کے لئے آیا کیونکہ آپ علیہ السلام کی حجاز میں موجودگی اس کے لئے سخت تکلیف دہ تھی۔ وہ سب سے زیادہ اس بات کو پسند کرتا تھا کہ آپ علیہ السلام جلد از جلد حجاز سے روانہ ہو جائیں اور یہ مقام اس کے لئے خالی ہو جائے تا کہ وہ یہاں پر اپنی قدر و منزلت بڑھا سکے۔ لیکن عبداللہ ابن زبیر خوب جانتا تھا کہ ایسا صرف امام حسین علیہ السلام کا مکہ سے چلے جانے کے بعد ہی ممکن ہے۔

عبداللہ ابن زبیر نے امام حسین علیہ السلام سے دریافت کیا: ابوعبداللہ! آپ کا کیا ارادہ ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے کوفہ سے کافی خطوط آئے ہیں، جن میں مجھے وہاں آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ جب کہ امام علیہ السلام نے ابن زبیر کو اس بات سے بھی آگاہ کیا جو حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کی طرف خط میں کوفیوں کے بارے میں تحریر کیا تھا۔

یہ سن کر عبداللہ ابن زبیر نے امام حسین علیہ السلام سے کہا: اس کے باوجود آپ علیہ السلام کو کس چیز نے وہاں جانے سے روک رکھا ہے؟ خدا کی قسم! جس قدر آپ علیہ السلام کے عراق میں شیعہ اور پیروکار ہیں اگر اس قدر میرے پیروکار ہوتے تو میں وہاں جانے میں ہرگز دیر نہ کرتا اور مصمم ارادے کے ساتھ چلا جاتا۔ اس کے بعد وہ امام حسین علیہ السلام کے پاس سے اُٹھ کر چلا گیا۔

عبداللہ بن عباس کو جب پتا چلا کہ امام حسین علیہ السلام کوفہ کی طرف کوچ کا ارادہ رکھتے ہیں تو وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں وہاں جانے سے روکا اور کوفیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

''بے شک! آپ علیہ السلام ایسی قوم کی پاس جا رہے ہیں جس نے آپ علیہ السلام کے والد بزرگوار کو شہید کیا اور آپ علیہ السلام کے بھائی (حضرت امام حسن علیہ السلام) کی عیب جوئی کرتے ہوئے ان کو اذیت دی اور میں یہی دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپ علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیں گے۔''

یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میرے پاس کوفہ والوں کے خطوط آئے ہیں اور یہ مسلم علیہ السلام کا خط ہے، جس میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ کوفہ والے میرے بارے میں ایک رائے پر جمع ہیں۔ جب عبداللہ ابن عباس نے آپ علیہ السلام کو کوفہ کی طرف عازم سفر دیکھا تو عرض کیا: اگر آپ علیہ السلام کوفہ ضرور جانا چاہتے ہیں تو اپنی اولاد اور بیویوں اور مستورات کو ساتھ نہ لے جائیں، کیونکہ اللہ نہ کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ علیہ السلام کو ان کی سامنے شہید کر دیا جائے، جیسے عفان کے بیٹے کو قتل کیا گیا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کی اس رائے کو قبول نہ کیا۔ جب ابن عباس نے یہ دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے ان کی رائے کو رد کر دیا ہے تو ابن عباس نے آپ علیہ السلام سے کہا: خدا کی قسم! اگر میں ایسا کر سکتا کہ میں آپ علیہ السلام کے ساتھ چمٹ جاؤں اور آپ علیہ السلام کے لباس کو مضبوطی سے پکڑ لوں تا کہ آپ علیہ السلام مجھ سے جدا نہ ہو سکیں اور اپنا ہاتھ آپ علیہ السلام کے بالوں میں ڈال دوں یہاں تک کہ لوگ آپ علیہ السلام اور مجھ پر متفق ہو جائیں۔ اگر میرا یہ عمل مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا تو میں ضرور ایسا کرتا لیکن میں جانتا ہوں کہ خدا کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اس کے بعد ان کے آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور زار و قطار رونے لگے اور روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کو الوداع کیا۔ پھر واپس لوٹ آئے جبکہ امام حسین علیہ السلام اپنی منزل کی جانب (کوفہ کی طرف) روانہ ہوئے۔

جب حضرت حسین علیہ السلام کی مکہ معظّمہ سے روانگی کے بعد عبداللہ ابن عباس کی عبداللہ ابن زبیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ابن زبیر سے کہا:

''اے چڑیا! اب تم آباد اور خوش حال جگہ پر رہو۔ اب تمہارے لئے فضا خالی ہے، لہٰذا تم

انڈے دو اور سیٹیاں بجاؤ۔ اب تم جس جگہ کو چاہو انڈے دینے کے لئے اسے نرم کرلو۔ یہ (امام) حسین علیہ السلام (مکہ معظّمہ سے) جارہے ہیں اور تم اس خوشخبری پر خوش ہو جاؤ۔''[1]

آپ نے ابن زبیر سے کہا: حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے چلے گئے اور حجاز کی سر زمین تمہارے لئے خالی ہوگئی ہے۔

عبیداللہ ابن زیاد نے جنابِ حُر کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے راستے کی نگرانی کرے تاکہ کوفہ میں داخل نہ ہوسکیں۔ جب امام علیہ السلام نے کچھ راستہ طے کرلیا تو قبیلہ بنی اسد کے دو افراد نے امام علیہ السلام سے ملاقات کی۔ امام علیہ السلام نے ان سے کوفہ کے حالات دریافت کیے تو انہوں نے بتایا: اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

''لوگوں کے دل آپ علیہ السلام کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں آپ علیہ السلام کے خلاف ہیں لہٰذا آپ علیہ السلام واپس تشریف لے جائیں۔''

ان دونوں نے امام علیہ السلام کو حضرت مسلم ابن عقیل علیہ السلام اور انکے ساتھیوں کی شہادت کی خبر دی تو امام حسین علیہ السلام نے واپس جانا چاہا لیکن بنوعقیل علیہ السلام نے کہا:

''خدا کی قسم! ہم واپس نہیں لوٹیں گے اور ہم اپنے شہیدوں کے خون کا بدلہ لیں گے یا ہم بھی جامِ شہادت نوش کریں گے۔''

اسکے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپ علیہ السلام سے ملحق ہونے والے عرب کے باشندوں سے فرمایا:

''تم میں سے جو ہمیں چھوڑ کر واپس جانا چاہتا ہو اس سے میں اپنی بیعت اُٹھا رہا ہوں وہ واپس جا سکتا ہے۔ پھر کئی لوگ آپ علیہ السلام کو چھوڑ کر چلے گئے اور آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے خاندان اور اصحاب میں سے چند افراد باقی رہ گئے۔''

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ہمراہیوں کے ہمراہ چلتے رہے یہاں تک کہ حُربن یزید الریاحی کے لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ جب آپ علیہ السلام کے اصحاب نے اس لشکر کو دور سے دیکھا تو نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے ان سے پوچھا: نعرۂ تکبیر کی صدا کیوں بلند کی ہے؟

آپ علیہ السلام کے اصحاب نے جواب دیا: ہم نے کھجور کے درخت دیکھے ہیں۔ لیکن آپ علیہ السلام کے ایک

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳، ص ۱۷۔ مقتل الحسین: ص ۱۴۱۔ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۱۷۔ تاریخ ابن عساکر: ج ۴ ص ۳۳۱

صحابی نے کہا: خدا کی قسم! یہاں پر کھجور کے درخت نہیں ہیں، میرے خیال کے مطابق تم جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ گھوڑوں کی گردنیں اور نیزوں کی نوکیں ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ علیہ السلام ان کی طرف بڑھے اور حر بن یزید الریاحی بھی اپنے ساتھیوں سمیت آپ علیہ السلام سے آملا۔ حر نے امام علیہ السلام سے کہا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میری جس جگہ پر بھی آپ علیہ السلام سے ملاقات اور آمنا سامنا ہو، میں آپ علیہ السلام کو وہیں پر روک دوں اور آپ کو اتنی مہلت بھی نہ دوں کہ آپ علیہ السلام اپنی جگہ سے آگے بڑھ سکیں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں تم سے جنگ کروں۔ پس تم اس بات سے ڈرو کہ میرے قتل کی وجہ سے بدبخت قرار پاؤ، تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے۔

امام علیہ السلام کے جواب میں حر نے کہا: خدا کی قسم! اگر آپ علیہ السلام کے علاوہ عرب کا کوئی شخص مجھے یہ جملہ کہتا تو میں بھی اسے جواب میں یہی کہتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا لیکن خدا کی قسم! میرے لئے صرف یہی سزاوار ہے کہ میں آپ علیہ السلام کی والدہ کا نام عزت واحترام سے لوں۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے اور حر بھی اپنے لشکر سمیت آپ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ چلتے جب کہ اس نے آپ علیہ السلام کو مدینہ واپس جانے سے روک دیا جہاں سے آپ تشریف لائے تھے اور کوفہ میں بھی داخل ہونے کی اجازت نہ دی، یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے (کوفہ کے قریب ایک گاؤں) ''اقساس مالک'' میں پڑاؤ ڈالا۔ اس کے بعد جناب حر نے عبیداللہ ابن زیاد کو خط لکھ کر تمام احوال سے آگاہ کیا۔

عتبہ بن سمعان کلبی سے منقول ہے کہ جب ہم قصر ابن مقاتل سے روانہ ہوئے تو ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد امام حسین علیہ السلام کو اُونگھ آگئی اور جب آپ علیہ السلام بیدار ہوئے تو فرمایا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

آپ علیہ السلام نے اس کو دو دفعہ دہرایا۔ سن کر حضرت علی اکبر علیہ السلام جو گھوڑے پر سوار تھے، آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا:

''اے بابا جان! میری جان آپ علیہ السلام پر قربان ہو، آپ علیہ السلام نے کلمہ استرجاع کیوں پڑھا ہے؟ آپ علیہ السلام نے کس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی ہے؟''

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

''بیٹا جان! میں نے ایک گھڑ سوار کو دیکھا جو یہ کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ آگے کی جانب بڑھ

رہے ہیں اور موت ان لوگوں کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ہمیں موت کی اطلاع دی جا رہی ہے۔''

حضرت علی اکبر علیہ السلام نے عرض کیا:

''بابا جان! اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو ہمیشہ ہر بلا و مصیبت سے محفوظ رکھے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

''کیوں نہیں، بے شک! اس ذات کی قسم، جس کے طرف بندگانِ خدا نے لوٹ کر جانا ہے، ہم حق پر ہیں۔''

حضرت علی اکبر علیہ السلام نے عرض کیا: بابا جان! جب ہم حق پر ہیں تو پھر موت کا کیا خوف؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے جو ایک باپ کی طرف سے اپنے بیٹے کے لئے بہترین بدلا ہوتا ہے۔

عبیداللہ ابن زیاد (لعنۃ اللہ) نے عمر بن سعد کو ''رے'' کی گورنری کا عہد نامہ دیا اور اسے کہا کہ تم پہلے حسین علیہ السلام کو قتل کرو اور وہاں سے واپس آ کر ''رے'' کی طرف روانہ ہو جانا۔

عمر بن سعد نے کہا: اے امیر! مجھے حسین علیہ السلام کے قتل سے معاف کرو۔

ابن زیاد نے کہا: چلو! تمہیں اس کام سے معاف کیا لیکن تمہاری رے کی گورنری کا کیا بنے گا؟

یہ سن کر ابن سعد نے کہا: مجھے اس بارے میں سوچنے کی مہلت دو۔ تو اس نے اسے مہلت دے دی اور وہ اگلے دن امام حسین علیہ السلام کے قتل پر رضا مند ہو گیا اور اپنی فوج کے ہمراہ امام علیہ السلام سے جنگ کے لئے روانہ ہوا۔

جب عمر ابن سعد کا لشکر قریب آ گیا اور وہ جنگ کے لئے امام حسین علیہ السلام کے مد مقابل آ کھڑے ہوئے تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا:

''اے پروردگار! یقیناً تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ بہتر کسی کے اصحاب نہیں پائے اور نہ ہی میرے خاندان کے افراد سے بہتر کسی کے خاندان والے ہیں۔ پس! اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر دے۔ بے شک! تم نے میری غم خواری اور مدد کی لیکن یہ قوم اشقیاء صرف میرے خون کی پیاسی ہے۔ اگر انہوں نے مجھے شہید کر دیا تو انہیں کسی اور کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا جب تمہارے سامنے رات کی تاریکی چھا جائے تو اس

تاریکی میں منتشر ہو جاؤ اور اپنی جانوں کو بچالو۔''

یہ سن کر آپ علیہ السلام کے بھائی حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام، آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت علی اکبر علیہ السلام اور جنابِ عقیل علیہ السلام کی اولاد نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اللہ کی پناہ! حرمت کے اس مہینے میں ہم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ اگر ہم یہاں سے واپس چلے جائیں تو لوگوں کو کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے سید و سردار کے بیٹے، اپنی پناہ گاہ اور خاندان کے ستون اور اپنے سید و سردار کو تنہا چھوڑ دیا تھا اور انہیں تیر و تلوار، نیزوں اور درندوں کے آگے چھوڑ آئے ہیں۔ ہم آپ علیہ السلام کے بغیر مزید جینا نہیں چاہتے۔ ہم اس بات سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں بلکہ ہمارا جینا اور مرنا آپ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام ان کی یہ باتیں سن کر رونے لگے اور آپ علیہ السلام کو گریہ کرتے ہوئے دیکھ کر آپ علیہ السلام کی مظلومیت پر آپ علیہ السلام کے جانثار بھی رو دیئے۔ امام علیہ السلام نے انہیں جزائے خیر کی دُعا دی۔

علی ابن حسین علیہ السلام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: میں شبِ عاشور علیل تھا اور اپنے والد گرامی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جبکہ آپ علیہ السلام تیروں کی مشق کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام کے سامنے حضرت ابوذر غفاری علیہ السلام کے غلام جون علیہ السلام تشریف فرما تھے اور آپ علیہ السلام یہ رجز پڑھ رہے تھے:

''اے زمانے! تجھ پر افسوس ہے کیونکہ تو ایسا دوست ہے جو صبح کچھ ہوتا ہی اور شام کے وقت کچھ ہوتا ہے۔ تو کبھی دوست ہوتا ہے اور کبھی مقتول کے خون کا طلب گار اور تو کسی بھی چیز کے عوض راضی نہیں ہوتا اور بے شک ہم سب کو خداوند جلیل کی بارگاہ کی طرف لوٹنا ہے اور ہر زندہ شخص اس راستے پر چل رہا ہے۔''

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: جب میں نے اپنے بابا جان کی زبان سے یہ اشعار سنے تو میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور جب میری پھوپھی زینب سلام اللہ علیہا نے یہ اشعار سنے تو آہ و پکار اور اپنے چہرے پر ماتم کرتی ہوئی کھلے سر باہر تشریف لے آئیں اور فرمایا:

''ہائے میں برباد ہوگئی! ہائے یہ مصیبت و پریشانی! اے کاش کہ مجھے موت آ چکی ہوتی اور میں یہ دن نہ دیکھتی۔ ہائے حسین علیہ السلام! ہائے سید و سردار! ہائے اہلِ بیت رسول کی باقی بچ جانے والی نشانی، آپ اپنی زندگی سے مایوس اور نا اُمید ہو گئے۔ گویا آج میرے نانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری والدہ حضرت فاطمہ زہرؑا، میرے بابا علی علیہ السلام اور میرے بھائی حسن علیہ السلام سے رخصت ہو رہے ہیں۔ آپ علیہ السلام گزرے ہوئے لوگوں کی یاد اور باقی بچ

جانے والوں کا آسرا وسہارا ہیں۔"

حضرت زینب علیہا السلام کے یہ بین اور آہ و زاری سن کر امام حسین علیہ السلام نے عربی کی ایک ضرب المثل بیان کرتے ہوئے فرمایا

یا اضتی لو ترن القطا لنام۔

"اے میری بہن! اگر قطا کو رات میں چھوڑا جائے تو وہ اپنے آشیانہ میں آرام سے سو جاتا۔"

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے عرض کیا: آپ علیہ السلام اپنی جان کو زبردستی ہم سے جدا کر رہے ہیں، اس بات نے میرے خون و ملال کو مزید بڑھا دیا ہے اور میرے دل کو زیادہ غمگین کر دیا ہے۔ پھر جناب زینب سلام اللہ علیہا پر غشی طاری ہوگئی اور آپ علیہا السلام اسی بات کا تکرار کرتی رہیں اور امام حسین علیہ السلام آپ علیہا السلام کو سہارا دے کر خیام کے اندر لے گئے۔[1]

مقتل امام حسین علیہ السلام کا مزید تذکرہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد سے پوچھا کہ تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ میں تمہیں چند اُمور میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا کہتا ہوں:

یہ سن کر ابن سعد خوش ہو گیا اور اس نے یہ سمجھا کہ ابن زیاد اسے قبول کر لے گا لہٰذا اس نے فوراً ایک قاصد ابن زیاد کی طرف بھیجا تا کہ اسے امام حسین علیہ السلام کے اس ارادہ سے آگاہ کرنے نیز ابن سعد نے قاصد کے ذریعے ابن زیاد کو یہ پیغام بھی دے بھیجا کہ اگر تم سے ان باتوں کا دیلم کا کوئی شخص بھی سوال کرتا اور تو اسے قبول نہ کرتا تو گویا تم نے اس پر ظلم کیا۔

جب ابن زیاد کو یہ پیغام ملا تو اس نے جواب میں کہا: اے سعد کے بیٹے! تم راحت و چین کے خواہش مند ہو اور حسین علیہ السلام کو چھوڑ دینا چاہتے ہو، تم اس کا مقابلہ کرتے ہوئے ان سے جنگ کرو۔ تم سے میں صرف اس صورت میں راضی ہوں گا جب تم میرے احکامات کی پیروی کرو گے اور حسین علیہ السلام میرے حکم کے مطابق عمل (یزید کی بیعت) پر رضا مند ہوگا۔

جب امام حسین علیہ السلام کو ابن زیاد کے ان ناپاک ارادوں کا پتا چلا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی پناہ!

---

[1] تاریخ طبری: ج ۶ ص ۲۴۰

میں کبھی مرجانہ کے بیٹے کے حکم پر عمل پیرا نہیں ہوں گا۔[1]

ابن زیاد نے شمر ابن ذی الجوشن الضبابی سے کہا کہ وہ ابن سعد کو امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے پر آمادہ کرے تو پھر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری بروز جمعۃ المبارک عمر ابن سعد نے امام حسین علیہ السلام سے جنگ کی۔ تو پھر امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ایک ایک نے میدان میں جا کر جنگ کی یہاں تک کہ سب نے جامِ شہادت نوش کیا۔

مدائنی نے بیان کیا ہے جبکہ اس روایت کو اسماعیل بن ابی ادریس نے اپنے باپ سے اور اس نے حضرت جعفر علیہ السلام بن محمد علیہ السلام (امام جعفر صادق علیہ السلام) سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت محمد علیہ السلام بن علی علیہ السلام (امام محمد باقر علیہ السلام) سے روایت نقل کی ہے کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ اولاد حضرت ابو طالب علیہ السلام میں سے سب سے پہلے آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت علی اکبر علیہ السلام شہید ہوئے۔

آپ علیہ السلام میدان میں یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن پر حملہ کر رہے تھے:

''میں حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کا بیٹا علی ہوں۔ رب کعبہ کی قسم! ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت داری کے اس شبث اور اس ذلیل شخص شمر سے زیادہ حق دار ہیں میں تم کو تلوار سے ایسی کاری ضربیں لگاؤں گا جو ایک ہاشمی خاندان کی ضربیں ہوں گی اور آج میں اپنے بابا کی حمایت میں یوں ہی جنگ کرتا رہوں گا۔ خدا کی قسم! ہم پر حرام زادے کی حکومت نہیں چلے گی۔''

آپ علیہ السلام نے کئی دفعہ ان اشعار کو دُہرایا تو مرۃ بن منقذ العبدی ملعون نے آپ کو دیکھ کر کہا: تمام عربوں کے گناہ میرے سر ہوں اگر اس نے مجھ سے بھی ویسے ہی کہا جیسے میں اسے کہتا ہوا دیکھ رہا ہوں، اگر یہ میرے پاس سے گزرا تو میں اس کی ماں کو اس کے غم میں رُلاؤں گا۔

آپ علیہ السلام فوجِ اشقیاء پر بڑھ چڑھ کر حملہ کر رہے تھے اور درج بالا اشعار دہرا رہے تھے کہ مرۃ بن منقذ نے آپ علیہ السلام کا راستہ روکا اور اپنا نیزہ آپ علیہ السلام کے سینے میں اُتار دیا اور آپ علیہ السلام زمین پر آ گرے۔ یہ منظر دیکھ کر یزیدی لشکر آپ علیہ السلام پر ٹوٹ پڑا اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ جب حضرت علی اکبر علیہ السلام شہید ہوئے تو اس وقت میرے کانوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی آواز آئی، وہ فرما رہے تھے:

---

[1] عقد ابن فرید، ج ۴، ص ۳۷۹، شرح شافیہ ابی فراس، ص ۱۳۷

''اے میرے بیٹا جان! خدا اس قوم کو ہلاک کرے جس نے تمہیں شہید کیا ہے۔ یہ قومِ اشقیاء خدا اور رسولِ خدا کی حرمت کو پامال کرنے پر کس قدر جری ہوگئی ہے؟''

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''تمہارے بعد دنیا اور اس کی زندگی پر افسوس ہے۔''

حمید کہتا ہے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی شہادت کے بعد میں نے دیکھا کہ روشن آفتاب کے مانند ایک خاتون خیامِ حسینی علیہ السلام سے تیزی سے نکلی اور وہ پکار رہی تھی:

''ہائے میرا پیارا، محبت و اُلفت والا بھتیجا!''

حمید بیان کرتا ہے میں نے اس خاتون کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ حضرت علی ابن ابی طالب کی صاحبزادی حضرت زینب سلام اللہ علیھا ہیں۔ حضرت زینب سلام اللہ علیھا نے خود کو حضرت علی اکبرؑ کے لاشے پر گرادیا تو امام حسین علیہ السلام آئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں خیمے میں چھوڑ آئے۔ پھر اپنے بیٹے کے لاشے پر دوبارہ تشریف لائے اور بنو ہاشم کے جوانوں کو صدا دی:

''اپنے بھائی کے لاشہ کو اٹھاؤ۔''

پھر یہ جوان ان کو میدان سے اٹھا کر خیامِ حسینی میں لائے اور ان کے لاشہ اطہر کو امام کے سامنے رکھ دیا۔

سعید بن ثابت سے مروی ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزند حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ کی طرف نکلے تو امام علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور آپ گریہ کرنے لگے، پھر آپ نے فرمایا:

''اے بارالہا! تو اس قومِ اشقیاء پر گواہ رہنا کہ اب انکی طرف وہ جوان جارہا ہے جو صورت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہے۔''[1]

اس کے بعد حضرت علی اکبر علیہ السلام میدان میں تشریف لے گئے اور قومِ اشقیاء پر بڑھ چڑھ کر حملے کئے پھر اپنے بابا جان کے پاس واپس آئے اور عرض کیا:

''بابا جان! مجھ پر سخت پیاس کا غلبہ ہے۔''

تو امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا:

''میرے پیارے محبوب! صبر کرو یقیناً آج شام سے پہلے تمہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ سے (حوضِ کوثر کے جام سے) سیراب فرمائیں گے۔''

---

[1] مقتل الحسین: ص ۸۲، تاریخ ابن اثیر ج ۴ ص ۳۳، تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۶

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی دفعہ اس جملہ کو دہرایا یہاں تک کہ پھر ایک تیر آیا جو حضرت علی اکبر علیہ السلام کے گلوئے مبارک پر لگا اور اس نے آپ کے حلق کو چھید دیا اور آپ خون میں لت پت ہوگئے، پھر آپ نے صدا دی:

''اے بابا جان! آپ پر میرا (آخری) سلام ہو۔ یہ جدّ بزرگوار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے ہیں اور آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور وہ فرما رہے ہیں کہ آپ جلدی سے ہمارے پاس آجائیں اور دنیا سے جدائی پر اپنی نظریں گاڑ لیں۔''

حمید ابن مسلم بیان کرتا ہے: جب یزیدی لشکر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ہر طرف سے گھیر لیا تو آپ کے خاندان کا ایک نوخیز لڑکا خیامِ حسینی سے نکل کر آپ کی جانب میدان کی طرف بڑھا اور حضرت زینب بنت علیؑ نے اسے روکنے کی کوشش کی کیونکہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ (بہن زینب) اسے روک لو، لیکن اس نوخیز لڑکے نے (اپنے چچا کو مظلومیت کی حالت میں دیکھ کر) رکنے سے انکار کر دیا۔ وہ تیزی سے میدانکی طرف امام حسین علیہ السلام کی جانب دوڑا اور امام کے پہلو میں کھڑا ہوگیا جب ابجر بن کعب نے تلوار سے امام حسین علیہ السلام پر وار کرنا چاہا تو اس لڑکے نے ابجز سے کہا:

''اے خبیث عورت کے بیٹے! کیا تُو میرے چچا کو قتل کرتا ہے؟''

یہ سن کر ابجز نے اس نوخیز لڑکے پر تلوار سے وار کیا اور اس نے اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے وار سے بچنے کی کوشش کی مگر یہ وار جلد تک پہنچ گیا اور آپ کا بازو کٹ کر جِلد کے ساتھ لٹکنے لگا تو اس نوخیز لڑکے نے صدا دی: یا اماہ! ہائے اماں جان!

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: اے میرے بھتیجے! خدا نے تمہیں جس اجر و ثواب سے نوازا ہے اس پر صبر کرو بے شک خدا تمہیں تمہارے نیک اور صالح آباؤ اجداد اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت حمزہؑ، حضرت علیؑ، حضرت جعفرؑ اور حضرت حسنؑ سے ملانے والا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری وقت میں پانی طلب کیا تو شمر لعین نے کہا خدا کی قسم! تمہیں پانی نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ تم جہنم میں پہنچ جاؤ۔ (العیاذ باللہ)

ایک اور بدبخت نے کہا اے حسینؑ! کیا تم اس بہتے ہوئے دریائے فرات کو نہیں دیکھ رہے ہو، گویا یہ زندگی کا سرچشمہ ہے لیکن خدا کی قسم! تم اس بہتے ہوئے دریا سے ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے یہاں تک کہ تم پیاسے دنیا سے چلے جاؤ۔

اس بدبخت کی جسارت دیکھ کر امام حسینؑ نے اس کو بددعا دی۔ اے بار الہا اسے پیاسے مارنا۔ راوی

کہتا ہے کہ خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ مجھے پانی سے سیراب کرو مگر جب اسے پانی پلایا جاتا تو اس کے منہ سے باہر نکل جاتا، بار بار پانی پینا چاہتا مگر نہ پی سکتا اور آخر کار فی النار ہو گیا۔

ابومخنف کہتا ہے کہ حمید ابن مسلم سے مروی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام پر پیاس نے غلبہ کیا تو آپ نے اپنے بھائی عباس بن علیؑ کو بلایا اور انہیں پانی لانے کیلئے فرات کی طرف بھیجا ان کے ہمراہ تیس گھڑ سوار اور تیس پیادے روانہ کئے جبکہ ان کے پاس بیس پانی کی مشکیں تھیں جب یہ حضرات پانی کے قریب پہنچے تو نافع بن ہلال سب سے آگے تھا۔

آگے سے عمرو بن حجاج نے پوچھا کہ تم کون ہو تو نافع نے کہا میں نافع بن ہلال ہوں کیوں آئے ہو، نافع نے کہا پانی سے سیراب ہونے آیا ہوں۔ عمرو ابن حجاج نے کہا تم پانی پی سکتے ہو تو نافع نے جواب دیا میں اس وقت تک ایک قطرہ پانی نہیں پی سکتا جب تک کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پیاسے ہیں۔

اس کے بعد معتبر روایات کے مطابق حضرت عباس علیہ السلام کے بازو قلم ہو گئے اور آپ اس معرکے میں شہید ہو گئے اور آپ پانی خیام تک نہ لا سکے۔

راوی کہتا ہے کہ امام حسین میدان کارزار میں جنگ کرنے میں مشغول تھے تو اسی دوران شمر نے امام حسین علیہ السلام کے باقی ماندہ لشکر پر حملہ کر لیا اور امام پاک کے خیام کی جانب آیا تاکہ انہیں لوٹ سکے یہ دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم لوگوں پر وائے ہو اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے تو اپنی دنیا میں آزاد فرد بنو میرے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد یہ پست حرکت کرنا۔"

یہ سن کر وہ شرمسار ہو کر واپس لوٹ آیا۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام میدان جنگ میں تشریف لائے اور مصروفِ قتال ہو گئے جبکہ آپ کے بھائی، بھتیجے، بیٹے اور چچا زاد سب شہید ہو چکے تھے۔

اسی اثناء میں زرعہ بن شریک نے آپ کے بائیں شانے پر تلوار سے وار کیا اور آپ زمین پر گر پڑے پھر ابوالجنوب زیاد بن عبدالرحمان جعفی قشعم، صالح بن وہب یزنی اور خولی بن یزید نے آپ کو شہید کر دیا۔

یہ چاروں ملعون آپ پر ضربیں چلاتے رہے اور یہ مل کر وار کرتے ہوئے آپ کو شہید کر رہے تھے۔

اس کے بعد سنان بن انس نخعی گھوڑے سے نیچے اترا تو اس نے آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے جسدِ اقدس، کمر، پہلو اور چہرہ مبارک کو پامال کر دینا، اس

حکم کی تکمیل کی خاطر فوج یزید نے آپ کی لاش پر گھوڑے دوڑائے۔[1]

جبکہ بعض روایات کے مطابق آپ کو شمر نے خنجر کے وار سے قتل کیا۔

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی شہادت کے بعد آپ کے خاندان کے افراد کو اسیر کرلیا گیا۔ ان اسیروں میں اولاد امام حسن علیہ السلام میں، عمر، زید، حسن مثنیٰ شامل تھے جبکہ حسن مثنیٰ جنگ کے دوران زخمی ہوئے اور فوج اشقیاء آپ کو زخمی حالت میں اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئی ان قیدی مردوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے بیٹے علی زین العابدینؑ بھی تھے۔ ان قیدیوں میں عقیلہ بن ہاشم بی بی زینبؑ، ام کلثوم بنت علیؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی دختر سکینہ شامل تھیں۔

اولاد حضرت امام حسین السبط بن علی ابن ابی طالبؑ:

بقول شریف ابوالحسن عمری کہ امام حسین ابن علی کی اولاد میں: (۱) علی اکبر (۲) جعفر (۳) علی اصغر (۴) عبداللہ (۵) فاطمہ (۶) سکینہ شامل تھیں۔

ان میں اوّل علی اکبر یوم عاشور شہید ہوگئے اور آپ کی اولاد نہیں تھی اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

دوم جعفر درج رہے۔ سوم عبداللہ آپ کی شہادت اپنے والد محترم کے ہاتھوں یں ہوئی۔ (یعنی آپ سن صغیر تھے اور فوج اشقیاء نے آپ پر تیر چلایا جس سے آپ شہید ہوئے) چہارم فاطمہ بنت الحسین آپ کی شادی اپنے چچا زاد حسن مثنیٰ سے ہوئی اور تین فرزند ہوئے: (عبداللہ محض، ابراہیم غمر اور حسن مثلث) تولد ہوئے۔ ششم علی الصغیر زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین بقول عمری امام حسین علیہ السلام کی تمام اولاد آپ سے جاری ہوئی۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب زین العابدین اور ذوالثفنات تھا آپ کی والدہ کے بارے میں بقول عمری لوگوں میں اختلاف ہے یہ نقل ہوا ہے کہ وہ شان زنان بنت کسریٰ یزدجرد تھیں جو کہ فتح مدائن کے بعد حضرت عمرؓ نے امام حسینؑ کو دیں۔

بقول عمری کہ میرے شیخ ابی الحسین کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زین العابدینؑ کی کنیت ابو محمد تھی اور آپ کی کنیت ابوبکر بھی کہی گئی لیکن اوّل قول درست ہے۔[2]

بقول سید صفی الدین ابوعبداللہ محمد طباطبائی صاحب اصیلی فی انساب الطالبین کہ آپ کے پانچ فرزند تھے: (۱) علی زین العابدینؑ (۲) علی الاکبر جو کربلا میں شہید ہوئے (۳) علی اصغر شہید کربلا (۴) عبداللہ اپنے

---

[1] اقتباس از مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی

[2] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۲۸۳

والد کے ہمراہ کربلا میں شہید ہوئے (۵) جعفر جس کی والدہ بنی قضاعہ سے تھیں [1]

شیخ مفید فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی چھ اولادیں تھیں جن میں چار فرزند تھے: علی بن حسین الاکبر، زین العابدین ان کی کنیت ابو محمد ہے اور ان کی والدہ شاہ زنان بنت یزدجرد کسریٰ تھیں۔ (۲) علی بن الحسین اصغر جو علی اکبر مشہور ہیں اور کربلا میں اپنے والد محترم کے ساتھ شہید ہوئے۔ (۳) جعفر بن حسین ان کی والدہ قبیلہ قضاعہ سے تھیں اور جعفر اپنے والد کی زندگی میں ہی وفات پا گئے اور یہ صاحب اولاد نہیں تھے (۴) عبداللہ بھی کربلا میں اپنے والد کی گود میں تیر کے زخم سے شہید ہو گئے باقی رہی بیٹیاں تو سکینہ کی والدہ رباب بنت امراؤ قیس تھیں اور فاطمہ کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمیہ تھیں۔ [2]

بقول نسابہ کبیر ابو نصر بخاری کہ حضرت ابو عبداللہ حسین بن علی علیہ السلام کے چار فرزند اور دو دختران تھیں۔ لیکن آپ علیہ السلام کی اولاد ابی محمد علی زین العابدین علیہ السلام سے جاری ہوئی امام حسن علیہ السلام کی اولاد دو فرزندان حسن اور زید اور ایک دختر ام عبداللہ فاطمہ سے جاری ہوئی۔ جبکہ امام حسین علیہ السلام کی اولاد ایک فرزند امام زین العابدین علیہ السلام اور ایک دختر فاطمہؑ سے جاری ہوئی ان میں علی بن حسین اکبر یوم عاشورہ کو قتل ہوئے اور یہ درست ہے کہ وہ سب سے بڑے تھے، ان کی والدہ لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروۃ بن مسعود بن معتب بن مالک بن معتب بن عمرو بن سعد بن عوف بن قسی بن ثقیف تھیں۔

اور لیلیٰ بنت ابی مرۃ کی والدہ میمونہ بنت سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھیں۔ بقول ابی نصر بخاری کہ علی اکبر کی اولاد نہیں تھی اس پر اتفاق ہے پھر عبداللہ بن حسینؑ شیر خوارگی کے سن میں اپنے والد کے ہمراہ قتل ہوئے آپ کا قاتل بنی اسد میں سے تھا۔

اور پھر بقول ابی نصر بخاری کہ ابو بکر بن حسینؑ سن صغیر میں فوت ہوئے۔ [3]

لیکن ابو بکر کا ذکر کسی دوسرے نے نہیں کیا۔

(۴۹) علی اکبر بن امام حسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام

آپ کی ولادت ۱۱ شعبان ۳۳ ہجری کو مدینے میں ہوئی۔ آپ امام حسین کے بڑے فرزند تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروۃ بن مسعود الثقفی تھیں۔

---

[1] الاصیلی فی انساب الطالبین از ابن طقطقی ص ۱۴۳

[2] سیرت معصومین احسن المقال ج ۱ ص ۵۶۱

[3] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۳۰

آپ کی نانی میمونہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبدمناف تھیں اکثر منابع میں آپ کا نام لیلیٰ یا ام لیلیٰ آیا مگر طبقات ابن سعد میں آپ کا نام آمنہ لکھا ہے۔[1]

لیلیٰ بنت ابی مرۃ کے والد ابی مرۃ بن عروہ بن مسعود بن معتب تھے جو قبیلہ بنی ثقیف سے تھا اور یہ ابی مرۃ رسول پاک کے زمانے میں پیدا ہوئے ابی مرۃ اور ان کا والد عروہ بن مسعود دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ ابی مرۃ نے اپنے بھائی کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔[2]

ابی مرۃ کے والد عروہ بن مسعود اسلام کے چار سرداروں میں سے تھا اور عرب کے بزرگواروں میں گنا جاتا تھا۔

قدیمی ماخذ میں لیلیٰ بنت ابی مرۃ کا کربلا میں ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن بعد کے منابعوں میں کربلا میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ایک زوجہ لیلیٰ بنت مسعود تھیں۔ جو ابوبکر بن علی جن کو بعض نے عبداللہ بھی کہا یہ لیلیٰ بنت مسعود ان کی والدہ تھیں اور ان ابوبکر بن علی کی شہادت کربلا میں ہوئی۔[3]

انہیں لیلیٰ بنت مسعود کو کبھی اشتباہ کی بنا پر لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروہ بن مسعود یعنی علی اکبر بن امام حسین کی والدہ کہا گیا۔[4]

حضرت علی اکبر کی زندگی کے بعض پہلوؤں کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً بعض آپ کو امام حسین کے سب سے بڑے فرزند کے طور پر متعارف کرواتے ہیں جبکہ بعض آپ کو امام سجادؑ سے عمر میں چھوٹا تصور کرتے ہیں۔[5]

اسی طرح آپ کی شادی اور اولاد کے بارے میں بھی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات آپ کے زیارت نامے میں موجود ایک جملے کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے صاحب ہمسر اور فرزند ہونے کے قائل ہیں۔[6]

---

[1] طبقات ابن سعد از محمد ابن سعد ج ۵ ص ۴۷۰
[2] الاصابہ از ابن حجر عسقلانی ج ۷ ص ۳۰۶
[3] الاختصاص از مفید ص ۸۲
[4] السیرۃ النبویہ و اخبار الخلفاء از ابو حاتم تمیمی الکتب الثقافیہ ج ۲ ص ۵۵۹، بیروت
[5] الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۴۴ رجال از شیخ طوسی ص ۷۶
[6] کامل الزیارات ص ۲۳۹ ب زیارت ۱۸

شیخ کلینی اپنی کتاب فروع کافی میں امام رضاؑ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں جو آپ کی ایک کنیز کے ساتھ شادی ہونے اور حسن نامی بیٹے کی پیدائش سے حکایت کرتی ہے جبکہ بعض دوسرے محققین تصریح کرتے ہیں کہ آپ کی کوئی اولاد نہیں ہے اور امام حسینؑ کی نسل صرف اور صرف امام زین العابدین سے جاری ہوئی ہے[1]

اسی طرح تمام جید نسابین، ابی نصر بخاری، ابوالحسن یحییٰ عقیقی مدنی شیخ شرف عبیدلی ابومحمد عبداللہ حسین ابن طباطبا، ابوالحسن عمری، ابن طقطقی، جمال الدین ابن عنبہ اور سید جعفر اعرجی متفق ہیں کہ امام حسینؑ کی نسل صرف امام زین العابدینؑ سے جاری ہوئی۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ مغیرہ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک دن معاویہ اپنی حکومت کے زمانہ میں بیٹھا تھا اور کہنے لگا کہ خلافت کے لائق سب سے زیادہ کون ہے سب کہنے لگے ہم تیرے علاوہ کسی کو اس لائق نہیں سمجھتے۔ معاویہ کہنے لگا ایسا نہیں ہے بلکہ سب سے زیادہ خلافت کے لائق علی ابن حسین یعنی علی اکبر ہیں جن کے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور جو شجاعت میں بنی ہاشم سخاوت میں بنی امیہ اور حسن منظر و افتخار میں بنی ثقیف کا مجموعہ ہیں۔[2]

آپ آئینہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسین علیہ السلام کی گواہی کے مطابق آپ تمام ظاہری اور باطنی صفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ تھے۔[3]

اس بنا پر آپ شبیہ پیغمبر کے نام سے مشہور تھے۔[4]

شہادت:

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔

اور عاشورہ جناب علی اکبرؑ نے اپنے والد محترم سے اذنِ جہاد لیا اور میدان کی طرف روانہ ہوگئے جب آپ رخصت ہوئے تو امام حسینؑ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اپنی ریش مبارک آسمان کی طرف بلند کرکے عرض کیا اے میرے پروردگار اس قوم پر گواہ رہنا اب ان کی طرف مبارزت کیلئے وہ جوان جا رہا ہے جو خلق اور خُلق اور گفتار میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ شباہت رکھنے والا ہے۔ ہم جب تیرے حبیب کی زیارت

---

[1] طبقات الکبریٰ از محمد ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۱، تاریخ یعقوبی از یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۴

[2] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۸۶، سیرت المعصومین احسن المقال اردو ترجمہ از صفدر نجفی ج ۱ ص ۴۵۶ تا ۴۵۷

[3] المفتوح از ابن اعثم کوفی ج ۵ ص ۱۱۴

[4] مقتل الحسین از خوارزمی ج ۲ ص ۳۴: مقتل لہوف از سید ابن طاؤس: ص ۱۳۹

کے مشتاق ہوتے تو اس جوان کے چہرے پر نظر کرتے۔

یوں جناب علی اکبرؑ میدان میں آئے اور آتے ہی اشقیاء کو فی النار کرنا شروع کر دیا۔

آپ متواتر جنگ کرتے گئے اور ابن سعد کا لشکر برابر کٹتا رہا ان میں شور اور غوغا کی صدائیں بلند ہوتی رہیں اتنے میں شدید گرمی، زخموں کی کثرت اور ہتھیاروں کی سنگینی نے آپ کو تھکا دیا۔ آپ میدان سے واپس آئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور فرمایا: بابا جان! اس پیاس نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ ان ہتھیاروں کے بوجھ نے مجھے تھکا دیا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دیں تا کہ آپ کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں قوت حاصل ہو۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا اے فرزند جلد تمہارے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو سیراب کریں گے اور ایک روایت کے مطابق اپنی انگوٹھی آپ کے دہن میں ڈالی یوں جناب علی اکبرؑ دوبارہ میدان جنگ میں آئے اور مصروف جنگ رہے لشکر اشقیاء حیران اور پریشان رہ گئے اس وقت مرۃ بن منقذ عبدی نے موقع پا کر آپ کے سر مبارک پر تلوار سے ضرب لگائی اور آپ کے فرق مبارک میں شگاف پڑ گیا اور ایک روایت کے مطابق آپ کو نیزہ مارا اور بے حال کر دیا۔ پہلی روایت کے مطابق باقی سواروں نے بھی متواتر آپ پر تلواروں سے ضربیں لگائیں یہاں تک کہ آپ کی قوت جواب دے گئی اور آپ نے اپنے ہاتھ گھوڑے کی گردن پر ڈال دیئے اور گھوڑے کی باگ چھوڑ دی گھوڑا آپ کو لشکر اعداء میں ادھر اُدھر لے جاتا جہاں سے گزرتا ظالم آپ پر وار کرتے یہاں تک کہ آپ کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ان حملوں کے دوران ایک تیر آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا اور آپ خون میں لوٹنے لگے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا کہ بہشت کی طرف پرواز کریں تو آواز دی اے بابا السلام علیکم میرے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ رہے ہیں کہ آنے میں جلدی کرو پس امام حسین علیہ السلام اپنے لخت جگر کے پاس آئے اور سید ابن طاوؤس کی روایت کے مطابق اپنا رخسار شہزادے کے رخسار پر رکھا۔ امام پاک کے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اے بیٹا! تیرے بعد زندگانیٔ دنیا پر خاک ہے۔[1]

(۵۰) عبداللہ بن حسین بن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ

عبداللہ بن حسین، عبداللہ رضیع امام حسینؑ کے شیر خوار فرزند تھے جو برصغیر پاک و ہند میں علی اصغر کے اسم سے مشہور ہیں۔ آپ کی والدہ رباب بن امرؤ قیس بن عدی بن اوس بن جابر بن کعب بن علیم بن جناب بن کلب تھیں۔

---

[1] احسن المقال ص ۴۵۶ تا ۴۶۰، مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از قمر اعرجی ص ۱۷۴، ۱۷۵

اور آپ کی نانی محترمہ ہند الہنود بنت ربیع بن مسعود بن مصاد بن حصین بن کعب بن علیم بن جناب تھیں اور ہند الہنود کی والدہ میسون بنت عمرو بن ثعلبہ بن حصین بن ضمضم تھیں اور میسون کی والدہ اوس بن حارثہ کی دختر تھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب ربابؑ کے بارے میں فرمایا:

لعمرك انني لاحب دارا — تكون بها سكينه والرباب

أحبها وابذل جل مالي — و ليس لعاتب عندى عتاب

ترجمہ: ''مجھے میری زندگی کی قسم مجھے وہ گھر پسند ہے جس میں سکینہؑ اور ربابؑ ہوں مجھے ان دونوں سے پیار اور الفت ہے اور میں ان پر وافر مال و دولت خرچ کرتا ہوں اور مجھے اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی کوئی پرواہ نہیں [1]

جناب ربابؑ کے والد شام کے عرب اور نصرانی تھے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مسلمان ہوئے۔[2]

سید محسن امین نے کتاب آغانی سے ہشام کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ رباب عورتوں میں فضیلت، خوبصورتی، ادب اور عقل کے لحاظ سے بہترین اور برترین تھیں۔[3]

ایک قول کے مطابق امراؤ قیس حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ بہت عقیدت اور محبت رکھتا تھا جس کی وجہ سے اپنی ایک بیٹی کا نکاح امیر المومنین اور ایک کا امام حسن علیہ السلام اور ایک کا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کیا۔[4]

رباب بنت امراؤ قیس سے امام حسین علیہ السلام کی دو اولاد میں ہوئیں ایک عبداللہ اور دوسری سیدہ سکینہ، عبداللہ نہایت کمسنی میں عاشور کے دن اپنے بابا کی آغوش میں شہادت پر فائز ہوئے۔[5]

تاریخ میں موجود ہے کہ رباب کربلا میں موجود تھیں اور اسیروں کے ہمراہ شام بھی گئیں کہا گیا ہے کہ آپ نے عبداللہ (علی اصغر) کو اپنے بابا کی آغوش میں شہادت کا مشاہدہ فرمایا۔

ایک قول کے مطابق رباب بنت امراؤ قیس نے ابن زیاد کے دربار میں امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک

---

[1] المعارف ص ۹۳، مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۱۰۶، ۱۰۷، اردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر

[2] اعیان الشیعہ ج ۶ ص ۴۴۹

[3] اعیان الشیعہ ج ۶ ص ۴۴۹، از محسن امین عاملی نشر دار التعارف بیروت

[4] انساب الاشراف از بلاذری ج ۲ ص ۱۹۵ نشر دار الفکر بیروت

[5] ارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۳۵

اپنی آغوش میں لے کر بوسہ لیا۔[1]

بعض اقوال کے مطابق ربابؑ واقعہ کربلا کے بعد ایک سال تک امام حسینؑ کی قبر کے پاس کربلا میں رہیں اور پھر مدینہ لوٹ گئیں لیکن شہید قاضی طباطبائی کا قول ہے رباب نے مدینہ میں عزاداری کی نہ کہ کربلا میں وہ کہتے ہیں اگرچہ امام سجادؑ بھی اس بات پر راضی نہ ہوتے کہ امام حسینؑ کی زوجہ اکیلی کربلا میں رہیں۔ وہ کہتے ہیں کوئی بھی یقینی طور پر یوں نہیں کہتا کہ یہ معظّمہ خاتون پورا سال امام کی قبر پر رہی ہیں۔ ابن اثیر نے بھی اپنے قول کا کوئی قائل ذکر نہیں کیا اس لئے پہلا قول کہ رباب شہادتِ امام کے بعد پورا سال کربلا میں رہیں ضعیف قول ہے۔[2]

مدینے میں قریش کی بزرگ شخصیات نے آپ کا رشتہ مانگا لیکن آپ نے انکار کردیا اور کسی کے ساتھ شادی کیلئے حاضر نہیں ہوئیں۔ آپ فرماتی تھیں میں اس بات پر راضی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور میرا سسر ہو۔[3]

معقلہ الطحان نے امام جعفر صادقؑ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا جب حسینؑ شہید ہوگئے تو آپ کی زوجہ آپ کے لئے مجلس بپا کرتی خود بھی روتیں اور آپ کی خدمت کرنے والیاں بھی گریہ کرتیں۔ یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو خشک ہوگئے۔ اس وقت اپنی ایک کنیز کو دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اس کو بلاکر آپ نے سوال کیا۔ کیا وجہ ہے کہ ہم سب کے درمیان صرف تمہارے آنسو خشک نہیں ہوئے۔

تو اس کنیز نے کہا میں سویق کا شربت پیتی ہوں آپ حضرت (ربابؑ) نے بھی حکم دیا کہ سویق کا شربت منگوایا جائے اور وہی شربت پیا۔ اس کے بعد کہا کہ یہ شربت پی کر حسینؑ پر رونے کی طاقت پیدا کروں گی۔[4]

ابن کثیر لکھتا ہے کہ جناب رباب بنت امراؤ قیس واقعہ کربلا کے بعد ایک سال سے زیادہ زندہ نہ رہیں اور اس ایک سال میں درخت کے سائے میں نہ بیٹھیں۔ اور شدید غم و اندوہ کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوگئیں۔[5]

---

[1] دانش نامہ امام حسینؑ ج ا ص ۲۹۲، ۲۹۳، تذکرۃ الخواص ص ۲۳۴

[2] تحقیق دوبارہ اول اربعین حضرت سید الشہداء علیہا سلام از قاضی طباطبائی نشر وزارت فرہنگ تہران: ص ۱۹۸۔۲۰۰

[3] الکامل فی تاریخ ج ۴ ص ۸۸

[4] کافی از کلینی ج ا ص ۹۶۶

[5] الکامل فی تاریخ از ابن کثیر ج ۴ ص ۸۸

بقول سید محسن الامین کہ جناب ربابؑ کا سنہ وفات ۶۲ ہجری قمری ہے۔[1]

اہل سنت اور اہل تشیع کے قدیم مصادر میں امام حسین علیہ السلام کے کم سن بیٹے کا نام عبداللہ تھے لیکن اہل تشیع کے موخر منابع میں آپ علی اصغر کے نام سے مشہور ہیں۔ مقتل الحسین از اخطب خوارزمی اور مناقب آل ابی طالب از ابن شہر آشوب مازندرانی میں ان کم سن کا نام علی اصغر ہے۔[2]

انہیں منابع کی پیروی بن عبداللہ کا نام علی اصغر مشہور ہوا لیکن قدیم مصادر اور چوتھی صدی ہجری کی کتابیں، مقاتل الطالبین سر سلسلہ العلویہ اور پانچویں صدی کی کتابیں، المجدی فی انساب الطالبین اور اس کے بعد کی کتابیں الفخری فی انساب الطالبین اور شجرۃ المبارکہ میں ان کا نام گرامی عبداللہ بن حسین ہی تحریر ہے۔ خاص کر قدیم عربی مصادر میں عبداللہ نام ہی ملتا ہے۔

شہادت عبداللہ بن حسین علیہ السلام:

بقول شیخ مفید جب حضرت قاسم بن حسنؑ کی لاش مبارک کو دوسرے شہداء کے ساتھ رکھا گیا تو عبداللہ (علی اصغر) کو امام پاک کے پاس لایا گیا۔ امام نے انہیں گود میں لیا اس وقت بنی اسد کے ایک مرد نے ایک تیر عبداللہ کی طرف چلایا اور آپ کو شہید کر دیا۔[3]

ایک اور قول کے مطابق امام حسینؑ نے آخری وقت تمام اعوان اور انصار کی شہادت کے بعد اس سے پہلے کہ خود میدان کی جانب روانہ ہوتے وداع کیلئے خیمے میں آئے اور اپنے گھر والوں سے وداع کرنے کے بعد جب عبداللہ کو آغوش میں لے کر اسے چوم رہے تھے اچانک بنی اسد کے ایک شخص نے تیر چلایا اور علی اصغر (عبداللہ) کو شہید کر دیا۔[4]

اور اس تیر چلانے والے کا نام حرملہ بن کاہل اسدی لکھا گیا۔[5]

بقول سید ابن طاؤس کہ کچھ افراد کے مطابق بی بی زینب بنت علیؑ بچہ کو لے کر بھائی کے پاس آئیں اور فرمایا کہ لشکر سے اس بچے کیلئے پانی طلب کریں امام پاک بچے کو لیکر لشکر کے سامنے لے گئے اور

---

[1] اعیان الشیعہ از سید محسن امین ج ۶ ص ۴۴۹
[2] مقتل الحسین از اخطب خوارزمی ج ۲ ص ۳۷، مناقب آل ابی طالب از ابن شہر آشوب مازندرانی ج ۴ ص ۱۰۹
[3] ارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۲
[4] مقتل الحسین خوارزمی از اخطب خوارزمی ج ۲ ص ۳۶۔ ۳۷، تاریخ طبری از محمد ابن جریر طبری ج ۵ ص ۴۴۸
[5] انساب الاشراف از بلازری ج ۳ ص ۲۰۱

فرمایا تم نے میرے اہل بیت اور پیروکاروں کو قتل کر دیا اب صرف یہی بچہ رہ گیا ہے جو پیاس کی وجہ سے بلک رہا ہے۔ اس کو پانی دے دو جب امام حسینؑ لشکر سے مخاطب تھا اس وقت ایک شخص نے بچے کی جانب تیر پھینکا اور شہید کر دیا۔[1]

ابن جوزی نے ہشام بن محمد کلبی سے روایت نقل کی ہے...... اس وقت امام حسین علیہ السلام نے بچے کی طرف دیکھا جو کہ پیاس سے نڈھال ہو چکا تھا...... بچے کو ہاتھوں میں لیا اور فرمایا اے قوم! اگر مجھ پر رحم نہیں کرتے تو اس بچے پر رحم کرو اس وقت اہل کوفہ کے لشکر میں سے ایک مرد نے بچے کے گلے میں تیر مار کر شہید کر دیا۔

بقول سید ابن طاؤس تیر لگنے کے بعد امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند کے گلے پر ہاتھ رکھا اور آپ کا ہاتھ خون سے بھر گیا آپ نے اس خون کو آسمان کی طرف پھینکا۔

اور فرمایا جو چیز ان سب سختیوں اور مشکلوں کو میرے لئے آسان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سب اللہ کے محضر ہیں۔[2]

اور امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ آیا۔[3]

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ حمید ابن مسلم سے مروی ہے کہ امام حسین علیہ السلام ایک کم سن بچے کو اٹھا کر یزیدی لشکر کے سامنے لائے اور عقبہ بن بشر نے اس کمسن کو تیر مار کر ذبح کر دیا۔

مورع بن سوید بن قیس بیان کرتا ہے جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے کربلا کے معرکہ کا مشاہدہ کیا انہوں نے بیان کیا کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے کو اٹھا رکھا تھا اسی اثناء میں ایک تیر اس بچے کی طرف آیا اور اس کے گلے کو چھید دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس ننھے شہزادے کی گردن سے خون کو اپنے ہاتھوں پر لے کر آسمان کی طرف پھینکا خون واپس زمین کی طرف نہیں آیا۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

''بارالہا یہ ظلم تیری بارگاہ میں ناقۂ صالح پر ڈھائے جانے والے ظلم سے ہرگز کم نہیں۔''[4]

---

[1] مقتل اللہوف از سید ابن طاؤس ص ۱۶۹
[2] مقتل اللہوف از سید ابن طاؤس ص ۱۶۹
[3] مقتل الحسین از لوط بن ابی مخنف ص ۱۷۳
[4] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی اردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر ص ۱۰۸،۱۰۷

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام اس بچے (عبداللہ/علی اصغر) کے بے جان جسم کو لے کر خیمے کی جانب گئے اور بعض نے کہا امام پاک نے اپنی تلوار سے زمین کھود کر چھوٹی سی قبر بنائی جس میں بچے کو دفن کیا۔[1]

لیکن بعض مؤرخین نے تحریر کیا کہ امام پاک نے (عبداللہ) علی اصغر کو خون بھری حالت میں خیمے لائے اور سیدہ زینبؑ کے سپرد کر دیا۔[2]

اور بعض نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے (عبداللہ) علی اصغر کا جنازہ دوسرے شہداء کے ساتھ رکھ دیا۔[3]

---

[1] مقتل الحسین از خوارزمی ج ۲ ص ۳۷

[2] مقتل الحسین از ابی مخنف ص ۱۷۳

[3] ارشاد از مفید ج ۲ ص ۱۰۸

باب پنجم:

(۵۱) حضرت امام علی زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام

نسب کنیت اور لقب:

آپ علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ امامیہ کے چوتھے امام اور امام حسین علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام شہر بانو یا شاہ زنان ملتا ہے۔

بقول شیخ ابوالحسن عمری علوی نسابہ کبیر، کہ آپ کا نام علی الصغیر زین العابدین تھا اور کنیت ابوالحسن تھی۔ اور لقب زین العابدین اور ذوالثفنات تھا اور آپ سے احادیث مروی ہیں آپ کثرت سے عبادت کرتے تھے اور لوگوں میں آپ کی والدہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ نقل ہوتا ہے کہ وہ شاہ زنان بنت کسریٰ یزدجرد تھیں۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی والدہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ شاہ زنان بنت کسریٰ یزدجرد بن شہریار بن ابرویز تھیں اور کہا جاتا ہے کہ ان کا نام شہر بانو تھا اور یہ فتح مدائن کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ نے امام حسینؑ کو دیں۔ اور کہا حریث بن جابر جعفی نے کہ امیرالمومنین علی ان ابی طالبؑ نے یزدجرد بن شہریار کی بیٹیوں سے ایک بیٹی کا نکاح امام حسین علیہ السلام سے کر دیا اور ان کے پاک بطن سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے اور دوسری بیٹی (یعنی شہر بانو بی بی کی بہن) کا نکاح محمد بن ابی بکرؓ سے کر دیا جن سے قاسم الفقیہ بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ پیدا ہوئے۔ یوں قاسم الفقیہ اور امام زین العابدین آپس میں خالہ زاد ہوئے اور بقول ابن جریر طبری کہ امام زین العابدینؑ کی والدہ کا نام غزالہ تھا اور وہ کسریٰ کی بیٹیوں میں سے تھیں اور مبرد کے بقول وہ سلامہ تھیں اور یزجرد کی اولاد تھیں۔[2]

بی بی شہر بانو کے والد محترم کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر تاریخی روایات میں سامانی سلسلہ کے آخری بادشاہ یزدگرد جن کو عربی میں یزدجرد لکھا جاتا ہے آپ کے والد محترم تھے۔ تیسری صدی ہجری میں یعقوبی، نوبختی، اشعری قمی، حسن بن محمد قمی، ابن ابی ثلج بغدادی، ابن حیون اور خلیفہ ابن خیاط اس کے معتقد ہیں جبکہ چوتھی صدی ہجری میں کلینی، شیخ مفید، شیخ صدوق نے بھی اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے اور بہت

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۸۲، ۲۸۳

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از ابن عنبہ ص ۱۷۳

سے محدثین اور مؤرخین نے ان کی پیروی کرتے ہوئے امام سجاد علیہ السلام کی والدہ کو یزدگرد کی دختر تحریر کیا ہے۔

شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام میں بھی اسی کو ذکر کیا ہے۔[1]

ابن شہر آشوب نے مناقب میں امام سجاد علیہ السلام کی والدہ کو نوشجان کی دختر کہا ہے۔[2]

اربلی اور ابن خشاب نے بھی نوشجان کی دختر تحریر کیا ہے۔

جنھوں نے بی بی شہر بانو کی شادی امام حسینؑ سے ذکر کی ہے وہ واقعہ کے زمانے میں بھی اتفاقِ نظر نہیں رکھتے۔ وہ اس شادی کا زمانہ شہر بانو کے مدینے آنے کے وقت کو ذکر کرتے ہیں لیکن مدینے آنے کا کون سا زمانہ ہے۔

اوّل: زمانہ حکومت حضرت عمر ابن خطابؓ وہ محققین جو یزدگرد کی دختر کی شادی امام حسینؑ سے زمانہ خلافت حضرت عمر ابن خطابؓ ذکر کرتے ہیں۔ ان میں کلینی، یعقوبی، مسعودی، ثقفی کوفی، عمری، جمال الدین ابن عنبہ قابل ذکر ہیں۔

دوم: زمانہ حکومت عثمان ابن عفانؓ میں شیخ صدوق کے مطابق یہ شادی سرانجام پائی۔

سوم: جنھوں نے مولا علی شیر خدا کے زمانہ حکومت میں یہ شادی تحریر کی ان میں شیخ مفید، فتال نیشاپوری، طبری اور اربلی شامل ہے۔

اکثر مؤرخین کے مطابق امام زین العابدین کی والدہ ان کی ولادت کے وقت فوت ہوگئیں۔[3]

آپ کے القابات میں علی الخیر، علی اصغر علی عابد مشہور ہیں۔[4]

اس کے علاوہ آپ کے القابات میں ذوالثفنات، سیدالساجدین، زین العابدین، ہاشمی، علوی، مدنی، قریشی شامل ہیں۔ بقول ابن عباس کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ قیامت کے دن منادی ندا دے گا۔ زید العابدین کہاں ہے تو گویا میں صفوف کے درمیان علی بن حسین کو چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔[5]

ذوالثفنات آپ کے دیگر القابات میں سے ہے جو زین العابدینؑ کو دیا گیا کیونکہ عبادت، نماز اور سجود

---

[1] تہذیب الاحکام تحقیق خرسان ص ۷۷: ج ششم

[2] مناقب آل ابی طالب از ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۷۶

[3] اثبات الوصیہ از مسعودی ۱۴۵، الرجال از ابن داؤد ص ۲۷۳، نشر محمد صادق بحرالعلوم دانشگاہ ایران

[4] طبقات الکبریٰ از محمد ابن سعد ج ۵ ص ۲۲۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۱۵ ص ۲۷۳

[5] علیل الشرائع ص ۲۳۰

کی کثرت کی وجہ سے آپ کے اعضائے سجدہ پر اونٹ کے گھٹنوں کی طرح گھٹے پڑ گئے۔[1]

ولادت:

شیخ مفید اور کلینی کے نزدیک آپ کی ولادت سنہ ۳۸ ہجری کو ہوئی۔[2]

جبکہ ۳۳ اور ۳۰ ہجری کا قول بھی ہے جبکہ علامہ طبرسی نے ۳۷ ہجری بھی تحریر کیا ہے مگر درست قول اول ہی ہے۔

فضائل ومناقب:

مالک ابن انس سے مروی ہے کہ علی بن حسینؑ دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز بجالاتے تھے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہوئے چنانچہ آپ کو زین العابدینؑ کہا جاتا ہے۔

ابن عبدربہ لکھتا ہے کہ علی ابن حسینؑ جب نماز کیلئے تیاری کرتے تو ایک لرزہ آپ کے وجود پر طاری ہوجاتا جب آپ سے اس کا سبب پوچھا جاتا تو آپ فرماتے وائے ہوتوم پر کیا تم جانتے ہو کہ اب کس ذات کے سامنے جا کر کھڑا ہونے والا ہوں کس کے ساتھ راز و نیاز کرنے جارہوں۔[3]

مالک ابن انس سے مروی ہے کہ علی بن حسین نے احرام باندھا اور ''لبیك اللهم لبیك'' پڑھ لیا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی جیسے گھوڑے کی زین سے زمین پر آ گرے۔[4]

غرباء اور مساکین کی حاجت روائی:

ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ علی بن حسین علیہ السلام راتوں کو کھانے پینے کی چیزوں کو اپنے کندھے پر رکھ کر اندھیرے میں خفیہ طور پر غرباء اور مساکین کو پہنچا دیتے اور فرمایا کرتے جو صدقہ اندھیرے میں دیا جائے وہ غضب پروردگار کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔[5]

محمد بن اسحاق کہتا ہے کہ کچھ لوگ مدینہ کے نواح میں زندگی بسر کرتے تھے اور انہیں معلوم نہ تھا کہ ان کے اخراجات کہاں سے پورے کئے جاتے ہیں علی ابن حسین کی وفات پر ہی ان کو راتوں کو ملنے والی غذائی

---

1. وفیات الاعیان از ابن خلکان ج ۳ ص ۲۶۷، صبح الاعشی از قلقشندی ج ۱ ص ۵۱۶
2. الکافی از کلینی ج ۱ ص ۴۶۶ الارشاد از مفید ج ۲ ص ۱۳۷
3. عقد الفرید از ابن عبدربہ ج ۳ ص ۱۶۹ سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۳۹۲
4. سیر اعلام النبلاء از ذہبی ج ۴ ص ۳۹۲
5. سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۳۹۳

امداد کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔[1]

ابن سعد روایت کرتا ہے کہ جب کوئی محتاج آپ کے پاس حاضر ہوتا تو آپ فرماتے صدقہ سائل تک پہنچنے سے پہلے اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔[2]

ایک سال آپ نے حج کا ارادہ کیا تو آپ کی بہن نے ایک ہزار درہم سفر کا خرچ تیار کیا اور جب آپ حرہ تک پہنچے تو وہ سفر خرچ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ امام نے وہ محتاجوں کے درمیان بانٹ دیا۔[3]

آپ کا ایک چچا زاد بھائی ضرورت مند تھا اور آپ راتوں رات کو شناخت کروائے بغیر ان کو دینار پہنچا دیتے تھے اور وہ شخص کہتا تھا علی ابن حسین قرابت داروں کا حق ادا نہیں کرتے۔ خدا یا انہیں اپنے اس عمل کا بدلہ دے امام پاک اس کی باتیں سن کر صبر اور بردباری سے کام لیتے اور اسی کی ضرورت پوری کرتے وقت اپنی شناخت نہیں کروایا کرتے تھے۔ جب امام پاک کی شہادت ہوئی تو وہ احسان اس مرد سے منقطع ہو گیا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ نیک کام علی ابن حسینؑ ہی کیا کرتے تھے لہٰذا آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور زاروقطار رونے لگا۔[4]

جب کوئی سائل آپ کے دروازے پر آتا تو آپ فرماتے آفرین ہے اس شخص پر جو میرا سفر خرچ آخرت میں منتقل کر رہا ہے۔[5]

سید الاہل نے لکھا ہے کہ امام سجادؑ جنہیں غلاموں کی کوئی ضرورت نہ تھی غلاموں کی خریداری کا اہتمام کرتے اور اس خریداری کا مقصد انہیں آزادی دلانا ہوتا۔ غلاموں کا طبقہ امام کا یہ رویہ دیکھ کر اپنے آپ کو امام کی سامنے پیش کرتے تاکہ آپ انہیں خرید لیں۔

امام پاک ہر موقع مناسبت پر غلام آزاد کر دیتے تھے اور صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں امام کے آزاد کردہ غلاموں اور کنیزوں کا ایک لشکر دکھائی دیتا تھا اور وہ سب امام کے موالی تھے۔[6]

علم اور حدیث میں آپ کا مقام:

علم اور حدیث میں آپ کا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ اہل سنت کی چھ اہم کتب صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع

---

[1] سیر اعلام النبلاء از ذہبی ج ۴ ص ۳۹۳
[2] طبقات الکبریٰ از محمد ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰
[3] کشف الغمہ ج ۲ ص ۷۸، صفۃ الصفوات ج ۲ ص ۵۴
[4] کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۰۷، حلیۃ الاولیاء از ابونعیم اصفہانی ج ۳ ص ۴۰ اور زندگانی علی ابن الحسین از شہیدی ص ۱۴۸
[5] حلیۃ الاولیا از ابونعیم اصفہانی ج ۳ ص ۱۳۶
[6] امام زین العابدین از سید الاہل ج ۷ ص ۴۷

اصحیح ترمذی، سنن ابی داوٗد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، نیز سنن ابن حنبل میں بھی آپ کی احادیث نقل کی گئی ہیں۔ بخاری نے اپنی کتاب میں تہجد، نماز جمعہ، حج اور بعض دیگر ابواب میں اور مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری نے اپنی کتاب ابواب الصوم، الحج، الفرائض الفتن الادب اور دیگر تاریخی مسائل کے ضمن میں امام سجاد سے احادیث نقل کی ہیں۔[1]

ذہبی رقمطراز ہیں امام سجادؑ نے امام علی ابن ابی طالبؑ سے مرسل روایت نقل کی ہیں جبکہ آپ نے اپنے چچا حضرت امام حسن علیہ السلام اور اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السلام عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور ابورافع سے بھی احادیث نقل کی ہیں۔

اور دوسری طرف امام محمد باقر علیہ السلام، زید بن علی، ابوحمزہ ثمالی، یحییٰ بن سعد، ابن شہاب زہری، زید بن اسلم اور ابوالزناد نے آپ سے حدیثیں نقل کی ہیں۔[2]

امام زین العابدینؑ کربلا میں اور ایام اسیری:

امام سجاد علیہ السلام واقعہ کربلا میں اپنے والد امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی شہادت کے دن شدید بیماری میں مبتلا تھے اور بیماری کی شدت اس قدر تھی کہ جب بھی یزیدی سپاہی آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے ان میں سے ہی بعض کہہ دیتے اس نوجوان کیلئے یہی بیماری کافی ہے جس میں کہ وہ مبتلا ہے۔[3]

سنہ ۶۱ ہجری کے بعد جب لشکر یزید نے اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسیر کر کے کوفہ منتقل کیا ان میں بی بی زینب سلام اللہ علیہا کے علاوہ امام سجاد علیہ السلام نے بھی اپنے خطبوں کے ذریعے حقائق واضح کئے اور ان حالات کی تشریح کی اور اپنا تعارف کراتے ہوئے یزید کے کارندوں کے جرائم کو آشکار کر دیا اور اہلِ کوفہ پر ملامت کی۔[4]

امام سجادؑ نے کوفیوں سے خطاب کرنے کے بعد ابن زیاد کی مجلس میں بھی موقع پا کر چند مختصر جملوں کے ذریعے اس مجلس کے حاضرین کو متاثر کیا۔ اس مجلس میں ابن زیاد نے امام سجادؑ کے قتل کا حکم صادر کیا مگر بی بی زینبؑ نے اس کے خواب کو پورا نہ ہونے دیا۔[5]

---

[1] رجال صحیح مسلم از ابن منجویہ ج ۲ ص ۵۳

[2] سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۳۸۶، از ذہبی، تہذیب الکمال از مزی ج ۱۳ ص ۲۳۷

[3] الاشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۱۳، اعلام الوریٰ از طبرسی ج ۱ ص ۴۶۹

[4] مناقب آل ابی طالب از ابن شہر آشوب مازندرانی ج ۳ ص ۲۶۱: مقتل اللھوف از سید ابن طاؤس: ص ۲۲۰۔ ۲۲۲

[5] بحار الانوار از علامہ مجلسی ج ۴۵ ص ۱۱۷

اس کے بعد جب یزیدی لشکر اہل بیت کو خارجی اسیروں کے عنوان سے شام لے گیا تو بھی امام سجادؑ نے اپنے خطبوں کے ذریعے امویوں کا حقیقی چہرہ بے نقاب کیا جب اسیروں کو پہلی مرتبہ یزید کی مجلس میں لے جایا گیا تو امام سجادؑ کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔آپ نے فرمایا: تجھے خُدا کی قسم دلاتا ہوں تو کیا سمجھتا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اس حال میں دیکھیں ؟[1]

یزید نے اس کے بعد حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں سے رسیاں کھول دی جائیں ۔[2]

اسیری کے بعد کے حالات:

امام سجادؑ واقعہ کربلا کے بعد ۳۴ سال زندہ رہے اور آپ نے شہدائے کربلا کی یاد تازہ رکھنے کی ہر کوشش کی۔

پانی پیتے وقت سید الشہداء کو یاد کرتے تھے۔ان کے مصائب پر گریہ کرتے اور آنسو بہاتے تھے۔ ایک روایت کے ضمن میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام سجاد علیہ السلام نے تقریباً چالیس سال تک اپنے والد کے لئے گریہ کیا جبکہ دنوں کو روزہ رکھتے اور راتوں کو نماز وعبادت میں مصروف رہتے تھے۔افطار کے وقت جب آپ کا خادم کھانا اور پانی لاکر عرض کرتا آئیں کھانا کھائیں تو آپؑ فرماتے فرزند رسولؐ بھوکے مارے گئے پیاسے مارے گئے اور یہی بات مسلسل دہراتے رہتے اور گریہ کرتے رہتے حتیٰ کہ آپ کے اشک آپ کی آب وغذاء میں گھل مل جاتے۔آپ مسلسل اسی حالت میں تھے حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہوئے۔[3]

معاصر تحریکیں:

امام سجادؑ کے زمانے میں اور کربلا کے واقعے کے بعد مختلف تحریکیں اٹھیں جن میں سے اہم ترین کچھ یوں ہیں:

(ا) واقعہ حُرہ:

کربلا کا واقعہ رونما ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد مدینہ کے عوام نے اموی حکومت اور یزید بن معاویہ کے خلاف قیام کرکے، اس تحریک کا آغاز کیا۔

---

[1] اللہوف از سید ابن طاوس ص ۲۴۸

[2] طبقات الکبریٰ ج ۱۰ ص ۴۴۸

[3] اللہوف از سید ابن طاؤس ص ۲۹۰،نفس المہموم از شیخ عباس قمی ج ۱ ص ۷۹۴

اس تحریک کی قیادت جنگ اُحد میں جام شہادت نوش کرنے والے حنظلہ غسیل الملائکہ کے فرزند عبداللہ بن حنظلہ کررہے تھے اور اس قیام کا نصب العین اموی سلطنت اور یزید بن معاویہ اور اس کی غیر دینی اور غیر اسلامی روش کی مخالفت اور اس کے خلاف جدوجہد تھا۔ امام زین العابدین علیہ السلام اور دوسرے ہاشمیوں کی رائے اس قیام سے سازگار نہ تھی۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے خاندان کے ہمراہ مدینہ سے باہر نکل گئے امام سجادؑ کے نزدیک نہ صرف یہ قیام شیعہ نہ تھا بلکہ درحقیقت آل زبیر کی پالیسیوں سے مطابقت رکھتا تھا اور آل زبیر کی قیادت اس وقت عبداللہ ابن زبیر کررہے تھے۔ یہ قیام یزید کے بھجوائے گئے کمانڈر مسلم بن عقبہ نے کچل دیا جس نے اپنے مظالم کی بنا پر مسرف کا لقب کمالیا۔[1]

(۲) توابین کا قیام:

توابین کی تحریک واقعہ کربلا کے بعد اٹھنے والی تحریکوں میں سے ایک ہے جس کی قیادت سلیمان بن صُرد خزاعی اور شیعیان کوفہ کی چند سرکردہ بزرگ کررہے تھے۔ توابین کی تحریک کا نصب العین یہ تھا کہ بنوامیہ پر فتح پانے کی صورت میں مسلمانوں کی امانت اور قیادت کو اہلِ بیت کے سپرد کریں گے اور سید فاطمۃ الزہراء کی نسل سے علی ابن حسینؑ سب سے زیادہ امامت مسلمین کے لئے موزوں تھے تاہم امام سجادؑ اور توابین کے درمیان کوئی باقاعدہ ربط و تعلق نہ تھا۔[2]

(۳) مختار کا قیام:

مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کا قیام اور امویوں کی حکمرانی کے خلاف واقعہ کربلا کے بعد تیسری بڑی تحریک تھی جو واقعہ حرہ اور قیام توابین کے بعد شروع ہوئی۔ اس تحریک کے امام سجادؑ کے ساتھ تعلق کے بارے میں بعض ابہام پائے جاتے ہیں۔ یہ تعلق نہ صرف سیاسی تفکرات کے لحاظ سے بلکہ محمد بن حنفیہ کی پیروی کے حوالے سے۔ اعتقادی لحاظ سے بھی مبہم تھا اور اس کے متعلق کوئی یقینی مؤقف اپنانا مشکل ہے۔

روایت ہے کہ جب مختار نے کوفہ کے بعض شیعیان اہل بیت کی حمایت حاصل کرنے کے بعد امام زین العابدینؑ کے ساتھ رابطہ کیا تو امام سجادؑ نے خیر مقدم نہیں کیا۔[3]

---

[1] الامامہ والسیاسیہ ج ا ص ۱۲۰۸ از ابن قتیبہ دینوری

[2] تشیع در میر تاریخ از جعفری ص ۲۸۶

[3] رجال الکشی ص ۱۲۶، اختیار معرفۃ الرجال از شیخ طوسی ص ۱۲۶

اصحاب:

امام سجادؑ کے چند مشہور اصحاب میں، سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، محمد بن جبیر بن مطعم، یحییٰ بن ام الطویل، ابو خالد کابلی تھے۔

اسکے علاوہ شیخ طوسی نے امام سجادؑ کے مجموعی اصحاب کی تعداد ۱۷۳ لکھی ہے۔[1]

آثار:

امام سجاد کی لکھی ہوئی کتاب جو دعاؤں پر مشتمل ہے صحیفہ کاملہ کے نام سے مشہور ہے جسے اُخت القرآن، انجیل اہلِ بیت یا زبور آل محمد بھی کہتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ الحقوق بھی امام پاک سے منسوب ہے جو مشہور ہے کہ ۵۰ حقوق پر مشتمل ہے۔[2]

شہادت:

آپ کی شہادت اموی حکمران ولید بن عبدالملک کے زہر دینے سے ہوئی۔[3]

آپ کی شہادت کا سال ۹۵ ہجری ہے۔[4]

بعض نے ۹۶ ہجری تحریر کیا ہے۔[5]

اسی طرح بعض نے ۹۲ اور بعض نے ۹۳ ہجری بھی لکھی ہے۔ شہادت کے وقت عمر مبارک ۵۷ سال مشہور ہے اور ۵۹ سال چار مہینے اور کچھ دن والی روایت بھی مذکور ہے۔

امام سجادؑ سن ۹۵ ہجری میں اس زہر کے ذریعے جام شہادت نوش کر گئے جو ولید بن عبدالملک کے حکم پر انہیں کھلایا گیا۔[6]

آپ کو جنت البقیع میں آپ کے چچا امام حسن علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

اولاد امام زین العابدین علیہ السلام:

بقول شیخ عمری علوی کہ امام زین العابدین کی نو دختران تھیں: (۱) ام الحسن (۲) ام موسیٰ (۳) کلثوم

---

[1] اختیار معرفۃ الرجال از شیخ طوسی ص ۱۱۵
[2] علی ابن حسین از شہیدی ص ۱۶۹ تا ۱۹۱
[3] مناقب آل ابی طالب از ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۳۱۱
[4] الکافی از کلینی ج ۱ ص ۴۶۶
[5] کشف الغمہ از اربلی ج ۲ ص ۲۹۴
[6] مروج الذہب از مسعودی ج ۳ ص ۱۶۰

(۴) عبدہ (۶) ملیکہ (۶) علیہ (۷) فاطمہ (۸) سکینہ (۹) خدیجہ اور اوّل ان خدیجہ کی شادی محمد بن عمر بن امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ہوئی تھی اور ان کی آگے اولاد بھی جاری ہوئی ہے[۱]

دوم کلثوم بنت امام زین العابدینؑ کی شادی داؤد بن حسن المثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام سے ہوئی اور سلیمان، عبداللہ، ملیکہ اور حمادہ پیدا ہوئے۔

سوم: عبدہ بنت امام زین العابدینؑ کی شادی محمد بن معاویہ بن عبداللہ الجواد بن جعفر طیار بن ابی طالبؑ سے ہوئی اور ان کی دو دختران تولد ہوئیں جبکہ ان کی وفات کے بعد دوسری شادی علی بن حسین اثرم بن امام حسن علیہ السلام سے ہوئی۔ اور دو فرزند حسن اور محمد پیدا ہوئے۔

چہارم: علیہ بنت امام زین العابدینؑ کی شادی علی بن حسین اثرم بن امام حسن علیہ السلام سے ہوئی اور پھر ان کے بعد عبداللہ بن عبداللہ الجواد بن جعفر طیار بن ابی طالبؑ سے دوسری شادی ہوئی لیکن ان کی اولاد پیدا نہ ہوئی۔

اور علیہ وہی سیدہ ہیں جن سے زرارہ نے روایات نقل کی ہیں۔

پنجم: ام الحسن بنت امام سجادؑ

ششم: فاطمہ بنت امام زین العابدین۔

جبکہ سکینہ، ملیکہ اور ام موسیٰ کی شادی کا ذکر کسی بھی مصادر میں نہیں ملتا۔ جبکہ سید مہدی رجائی نے امام زین العابدین کی بارہ (۱۲) دختران تحریر کی ہیں جن میں (۱۰) زینب (۱۱) ام جعفر اور (۱۲) ام عمرو شامل ہیں۔ اور مندرجہ بالا تمام ذکر بھی سید مہدی رجائی کی بیانکردہ روایت کے مطابق ہے۔[۲]

مگر قدیم عربی مصادر میں اول الذکر نو دختران کا ذکر ہی ملتا ہے۔

بقول شریف عمری علوی نسابہ کبیر کہ امام زین العابدینؑ کے گیارہ پسران تھے: (۱) امام محمد باقرؑ (۲) حسن (۳) عبداللہ باہر (۴) حسین الاکبر (۵) قاسم (۶) حسین الاصغر (۷) زید (۸) عمر الاشرف (۹) سلیمان (۱۰) عبدالرحمان (۱۱) علی اصغر

بقول شیخ ابوالحسن محمد بن محمد ابی جعفر علوی حسینی نسابہ یعنی شیخ شرف عبید لی کہ امام زین العابدینؑ کی اولاد ان میں سے چھ پسران سے جاری ہوئی: (۱) امام محمد باقرؑ (۲) عبداللہ باہر (۳) عمر الاشراف (۴) حسین

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۲۸۳

[۲] المعقبون من آل ابی طالب ج ۲ ص ۱۱، ۱۲ از سید مہدی رجائی نشر قم ایران

الاصغر (۵) زید شہید (۶) علی اصغر[1]

شیخ مفید نے امام زین العابدینؑ کی اولاد کی تعداد ۱۵ لکھی ہے محمد ابن سعد نے امام زین العابدین کی اولاد کی تعداد ۱۹ تحریر کی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اور عبداللہ باہر کی والدہ ام عبداللہ (فاطمہ) بنت امام حسن تھیں اور باقی اولاد چار کنیزوں سے تھی۔

حسین الاصغر اور ام علی یعنی علیہ بنت امام زین العابدینؑ ان دونوں کی والدہ ایک تھیں عمر الاشراف، زید شہید علی اصغر اور خدیجہ ان چاروں کی والدہ ایک تھیں۔کلثوم، سلیمان اور ملیکہ ان تینوں کی والدہ ایک تھیں۔ قاسم، ام حسن، ام حسین اور فاطمہ ان چاروں کی والدہ ایک تھیں۔[2]

بقول نسابہ شیخ ابی نصر بخاری: امام زین العابدینؑ کے نو بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں، چھ فرزند ان کے بعد زندہ رہے جو یہ ہیں: (۱) امام محمد باقر علیہ السلام (۲) عبداللہ باہر، دونوں کی والدہ ام عبداللہ بنت امام حسنؑ تھیں۔ (۳) زید شہید (۴) عمر الاشرف، دونوں کی والدہ جیداء نامی جاریہ تھیں، جنہیں مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے ایک لاکھ درہم میں خریدا اور امام زین العابدینؑ کی طرف بھیج دیا اور ان سے زید اور عمر پیدا ہوئے۔ (۵) حسین الاصغر ان کی والدہ رومیہ کنیز تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ ان کی والدہ ام عبداللہ (فاطمہ) بنت امام حسن تھیں مگر بقول ابی نصر بخاری یہ قول غلط ہے اور اول درست ہے۔ (۶) علی بن امام زین العابدین ان کی والدہ بھی کنیز تھیں اور یہ امام زین العابدینؑ کی اولاد میں سب سے زیادہ کم سن تھے۔ بقول ابی نصر بخاری تمام حسینیوں کا نسب اِن چھ کی جانب منتہی ہوتا ہے۔[3]

(۵۲) عبداللہ باہر بن امام زین العابدین علیہ السلام

بقول عمری آپ کی والدہ فاطمہ بنت امام حسن بن علی ابن ابی طالبؑ تھیں۔ آپ ولی صدقات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور آپ کی والدہ امام باقر علیہ السلام کی بھی والدہ تھیں۔[4]

فاطمہ بنت امام حسنؑ بھی واقعہ کربلا میں اسیر ہونے والی خواتین میں تھی آپ کی کنیت ام عبداللہ تھی،

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری نسابہ ص ۲۸۳، ۲۸۴

[2] طبقات الکبریٰ از محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ ہجری ج ۵ ص ۲۱۱ دار صادر بیروت لبنان

[3] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۳۲ تا ۶۹

[4] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۳۳۹

جبکہ بقول سید محسن الامین آپ کی کنیت اُم عبداللہ تھی۔[1]

ایک اور روایت میں آپ کا لقب صدیقہ مذکور ہے۔[2]

ایک روایت کے مطابق جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے صحیفہ فاطمہ میں آئمہ طاہرین کی ماوؤں کے نام دیکھے ہیں اس روایت میں ام عبداللہ بنت امام حسن علیہ السلام کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی والدہ کہا گیا ہے۔[3]

ام عبداللہ فاطمہ بنت امام حسنؑ واقعہ کربلا میں موجود تھیں اور خاندانِ عصمت کی دوسری خواتین کے ہمراہ اسیر ہوئیں۔[4]

بقول شیخ مفید عبداللہ باہر بن امام زین العابدین عالم فاضل اور فقیہ تھا آپ نے اپنے والد کے واسطہ سے رسول خدا سے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے۔ اور لوگوں نے ان سے بہت سے آثار نقل کئے ہیں ان نقل شدہ روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہت زیادہ بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا جائے اور وہ مجھ پر صلوات نہ بھیجے جناب عبداللہ کو عبداللہ باہر اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ حسن و جمال میں بے مثال ہے جس مجلس میں بیٹھتے تو حاضرین کو اپنے فروغِ حسن اور جمال سے روشنی عطا کرتے۔[5]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی وفات ۵۷ برس کی عمر میں ہوئی اور آپ صدقات النبی کے ساتھ ساتھ ولی صدقات امیر المومنین بھی تھے۔[6]

اولاد عبداللہ باہر بن امام زین العابدین:

بقول ابوالحسن عمری آپ کی تین صاحبزادیاں تھیں: (۱) کلثوم، جن کی شادی حسین ذی العبرہ بن زید بن امام زین العابدینؑ سے ہوئی تھی۔ (۲) فاطمہ (۳) علیہ، جن کو عالیہ بھی کہا جاتا ہے اور وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زوجہ تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عبداللہ بن امام جعفر صادق علیہ السلام کی زوجہ تھیں مگر بقول عمری اول قول درست ہے کیونکہ نسابہ ابن دینار کی تحریر ہے۔

---

[1] اعیان الشیعہ از محسن الامین ج ۸ ص ۳۹۰

[2] اصول کافی از محمد بن یعقوب کلینی ترجمہ حسن زادہ قلی ج ۲ ص ۴۴۶ نشر قم

[3] بحار الانوار ج ۳۶ ص ۱۹۴

[4] تاریخ مدینہ دمشق از ابن عساکر تحقیق علی شیری: ج۔ ۷۰: ص ۲۶۱ نشر مکتبہ دار الفکر بیروت

[5] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از سید قمر عباس اعرجی ص ۱۷۷

[6] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب: ص ۲۳۳

بقول عمری آپ کے سات فرزند تھے: (۱) عباس (۲) علی (۳) جعفر (۴) اسحاق (۵) قاسم (۶) حمزہ (۷) محمد ارقط

ان حضرات میں اسحاق بن عبداللہ باہر بقول ابوالحسن عمری کہ آپ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ تھے اسحاق، محمد ارقط، کلثوم اور علیہ کی والدہ (ام الولد) ایک ہی ہیں۔ آپ کی پانچ اولادیں تھیں: (۱) عبداللہ (۲) یحییٰ (۳) محمد اکبر (۴) محمد اصغر (۵) خدیجہ اور ان کی والدہ تیمیہ تھیں ان کی تزویج عبداللہ بن محمد ارقط سے ہوئی اور ان کے بعد دوسری شادی عبدالرحمان بن اسحاق بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار بن ابی طالب سے ہوئی اور ایک دختر کلثوم تولد ہوئیں۔[1]

عبداللہ باہر بن امام زین العابدین کی اولاد بقول جمہور نسابین بالخصوص جمال الدین ابن عنبہ صرف اور صرف محمد ارقط بن عبداللہ باہر سے باقی رہی۔

(۵۳) محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدین علیہ السلام

بقول ابوالحسن عمری آپ محمد بن عبداللہ بن علی بن حسین بن علی علیہ السلام تھے۔ آپ کی کنیت اباعبداللہ تھی آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔ آپ کی عمر اٹھاون (۵۸) برس تھی اور آپ اہل مدینہ میں سے ایک محدث تھے آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے رویات کی ہے۔[2]

بقول شیخ ابونصر بخاری محمد ارقط پر طعن کیا گیا اور یہ طعن نسب کے اعتبار سے نہ تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ محمد ارقط اور امام جعفر صادق کے مابین کسی بات پر جھگڑا ہوا تو محمد ارقط نے امام جعفر صادق کی طرف منہ کر کے تھوکا تب امام نے آپ کو بددعا دی جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ خال دار ہو گیا۔[3]

آپ کی زوجہ ام سلمہ بنت امام محمد باقر علیہ السلام تھیں جن سے آپ کے دو فرزند اسماعیل اور عباس تولد ہوئے۔

اولاد محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدین علیہ السلام:

بقول عمری آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں اول فاطمہ الکبریٰ جن کی والدہ ام الولد تھیں اور ان کی شادی علی عریضی بن امام جعفر صادق سے ہوئی۔

دوم: رقیہ سوم: فاطمہ صغریٰ، چہارم: زینب جن کی شادی حمزہ مختلس الوصیہ بن عبیداللہ اعرج بن حسین

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری علوی: ص ۳۳۹

[2] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری: ص ۳۴۰

[3] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری علق علیہ، علامہ سید محمد صادق بحر العلوم: ص ۵۰، ۵۱، نشر مکتبہ حیدریہ نجف

اصغر بن امام سجادؑ سے ہوئی۔ اور فرزندوں میں: (۱) اسماعیل (۲) عباس (۳) عبداللہ، اور بقول ابوالحسن اشنانی نسابہ (۴) ہارون تھے۔

اول عبداللہ بن محمد ارقط:

آپ کی اولاد میں بقول ابن دینار نسابہ (۱) محمد (۲) علی جبکہ بقول اشنانی نسابہ تیسرے فرزند عباس اور ایک دختر ام محمد تھی۔[1]

مگر عبداللہ بن محمد ارقط کی نسل جاری نہ رہ سکی یعنی منقرض ہوگئی۔

دوم: عباس بن محمد ارقط:

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ ام سلمہ بنت امام محمد باقر علیہ السلام تھیں یعنی آپ امام جعفر صادقؑ کے بھانجے تھے۔ آپ کی کنیت ابوالفضل تھی عبداللہ بن محمد سے منقول ہے کہ عباس بن محمد بن عبداللہ بن علی بن امام حسین علیہ السلام ہارون رشید کے پاس گئے۔ اور کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ اس دوران ہارون رشید نے کہا اے بدکردار ماں کے بیٹے، اس کے جواب میں عباس نے کہا، بدکردار تمہاری ماں ہے جس کے پاس نخاسون (غلاموں اور جانوروں کے تاجروں) کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

یہ سن کر ہارون رشید کو غصہ آ گیا اور اس نے حکم دیا کہ اسے میرے قریب لاؤ، جب عباس کو اس کے قریب لایا گیا تو اس نے لوہے کی چھڑی یا ستون سے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔[2]

بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی کہ عباس بن محمد ارقط کی والدہ ام الولد تھیں آپ کا ایک فرزند علی بن عباس تھا جس کی والدہ ام کلثوم بنت عبدالرحمان بن قاسم بن اسحاق بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار بن ابی طالب تھیں لیکن آپ کی نسل منقرض ہوگئی۔[3]

سوم اسماعیل بن محمد ارقط:

آپ کی شادی زینب بنت عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر سے ہوئی۔ بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ مدنی

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۳۴۰

[2] مقاتل الطالبین عربی از ابی الفرج اصفہانی شرح محقق سید احمد صقر منشورات شریف رضی ص ۴۱۲، ۴۱۳

[3] کتاب المعقبین من ولد امام امیر المومنین از یحییٰ بن حسن مدنی علوی عقیقی تحقیق محمد کاظم، ص ۹۱

عقیقی علوی آپ کی والدہ ام سلمہ بنت ام محمد باقر علیہ السلام تھیں۔[1]

بقول عمری آپ نے ابی سرایا سری بن منصور شیبانی کے ساتھ خروج کیا آپ کی چار دختران تھیں: (۱) زینب ام جعفر (۲) فاطمہ جن کی شادی محمد بن ابراہیم بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی سے ہوئی (۳) رقیہ جن کی والدہ علویہ تھیں (۴) فاطمہ جو جدہ بنی شبیہ ھیں یعنی آپ کی شادی علی الشبیہ بن حسین ذی العبرۃ بن امام زین العابدین سے ہوئی۔

آپ کے تین فرزند تھے: (۱) محمد (۲) احمد (۳) حسین، جبکہ احمد کی والدہ ام الولد تھیں بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے باقی رہی۔ محمد اور حسین بنفسج۔

(۵۴) بنی خداع

محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ کی والدہ بقول سید یحییٰ بن حسن مدنی عقیقی عبیدلی زینب بنت عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔[2]

بقول شریف ابوالحسن عمری آپ کے تین فرزند تھے: (۱) عبداللہ جن کی ایک ہی دختر ام محمد تھی اور انکی قبر کلثوم بنت محمد دیباج بن امام جعفر صادق کی قبر کے ساتھ، مصر میں ہوئی (۲) اسماعیل (۳) احمد

اور اسماعیل بن محمد کے بارے میں عمری لکھتے ہیں کہ ان کی وفات مصر میں ہی ہوئی اور یہ سیاہ لباس پہنتے تھے اور ان کو ابن طولون سے قرابت حاصل تھی۔[3]

محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط کی اولاد میں آخر الذکر دونوں فرزندان کے نام جمال الدین ابن عنبہ نے اسماعیل الناصب اور احمد الدخ تحریر کیئے ہیں۔

بقول ابن عنبہ اسماعیل الناصب بن محمد بن اسماعیل کی اولاد کو بنو غریق کہا گیا جو شام اور مصر میں تھی۔[4]

جبکہ احمد الدخ بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ کی والدہ بقول سید یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی ام محمد بنت عبداللہ بن محمد ارقط بن اسماعیل بن عبداللہ باہر تھیں۔[5]

---

[1] المعقبین از یحییٰ مدنی نسابہ عقیقی ص ۸۰
[2] المعقبین من ولد امام امیر المومنین از یحییٰ بن حسن علوی عبیدلی: ص ۹۰
[3] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری: ص ۳۴۲
[4] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از ابن عنبہ: ص ۲۳۴
[5] المعقبین از یحییٰ بن حسن علوی مدنی: ص ۹۰

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی آپ کی اولاد پانچ پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابوعبداللہ جعفر خداع (۲) ابوعلی عبداللہ مصری (۳) ابوجعفر محمد الفقیہ الکوکبی (۴) ابوالقاسم حمزہ قمی (۵) ابوعبداللہ حسین الکوکبی۔

اوّل ان میں ابوعبداللہ جعفر خداع۔

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد سے الشریف نسابہ المصنف ابوالقاسم حسین نسابہ مصری ارقطی حُسینی بن جعفر الاحول بن حسین بن ابوعبداللہ جعفر المذکور تھے جو کہ باابن خداع سے مشہور تھے آپ مصر میں موجود تھے۔

بقول عمری ابوالقاسم نسابہ ذی الفضل تھے اور انہوں نے جید احادیث کو جمع کیا تھا اور آپ ثقہ تھے۔ اور یہ خداع ایک عورت تھیں جنہوں نے حجاز میں آپ کے دادا حسین بن ابوعبداللہ جعفر بن احمد الدخ کی پرورش کی تھی۔

بقول ابوالحسن عمری بنی خداع کی بقایا مصر میں موجود رہی اور بعض کی رائے ہے کہ مغرب میں موجود رہی۔[1]

(۵۵) ابوعلی عبداللہ مصری بن احمد الدخ بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط

بقول ابوالحسن عمری آپ کی والدہ بنان نامی بربریہ خاتون تھیں۔ آپ نے سن ۲۵۲ میں مصر میں خروج کیا اور آپ کو خطاب کے بعد سامرا پکڑ کر لے گئے آپ کی ایک دختر زینب تھیں جو آپ کے ہمراہ سامرا آ گئیں۔ آپ کے اہل وعیال امام حسن عسکریؑ سے ملے امام نے انہیں رحمت اور سایہ میں جگہ دی اور اپنا ہاتھ زینب بنت ابوعلی عبداللہ مصری کے سر پر پھیرا اور ان کو اپنی انگوٹھی بھی عنایت فرمائی وہ انگوٹھی چاندی کی تھی زینب نے اس کا حلقہ بنا کر کان میں پہن لیا اور جب زینب فوت ہوئی تو وہ حلقہ ان کے کان میں ہی تھا زینب ۱۰۰ سال کی عمر میں فوت ہوئیں مگر ان کے بال کالے تھے اور زینب کو اس حلقے سمیت دفن کیا گیا۔[2]

بقول شیخ ابی نصر بخاری کہ عبداللہ مصری نے ایام مستعین باللہ میں سن ۲۵۲ کو خروج کیا اور دینار بن عبداللہ سے جنگ کی اور غائب ہوگئے اور اپنی موت تک غائب ہی رہے اور آپ کی قبر کا معلوم نہ ہوا جب آپ غائب ہوئے تو آپ کی عمر ۵۵ سال تھی۔[3]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۳۴۳

[2] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری علوی ص ۳۴۲

[3] سر سلسلہ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۵۱ نشر مکتبہ حیدریہ نجف

بقول ابی نصر بخاری مصر میں ایک قوم اپنا نسب عبداللہ بن احمد الدخ بن اسماعیل سے منسوب کرتی ہے مگر ان کا نسب میرے نزدیک درست نہیں۔

بقول عمری آپ کی اعقاب منتشر ہوگئی۔

(۵۶) حسین الکوکبی بن احمد الدخ بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط

بقول شیخ ابوالحسن عمری نسابہ کبیر کہ حسین بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن ارقط المعروف بالکوکبی صاحب رے ایام مستعین میں قتل ہوئے اور کہا گیا کہ حسن بن زید داعی الکبیر نے ان کو تالاب، میں غرق کردیا ان کی والدہ امام باقر کی بیٹیوں میں سے تھیں (یعنی امام کی اولاد سے تھیں)[1]

بقول ابی نصر بخاری کہ حسین بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ باہر المعروف کوکبی نے خروج کیا اور قزوین، ابہر اور زنجان پر غالب آ گئے اور ان کے ساتھ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے بھی خروج کیا۔

انہوں نے طاہر بن عبداللہ بن طاہر سے جنگ کی اور ابراہیم بن محمد بن عبداللہ عباسی علوی قزوین کے موضع سنجاس میں قتل ہوگئے یوں حسین الکوکبی کو شکست ہوگئی۔ آپ کو داعی الکبیر حسن بن زید نے قتل کروادیا۔

بقول ابی نصر بخاری میرے نزدیک حسین کوکبی کی اولاد باقی نہ رہی۔ واللہ اعلم[2]

جبکہ بقول ابن عنبہ حسین نے داعی سے مدد کیلئے التجا کی حتیٰ کہ آپ تالاب میں غرق ہوکر فوت ہوگئے۔

بقول ابی الفرج اصفہانی در کتاب مقاتل الطالبین کہ یہ کوکبی حسین بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ بن علی بن امام حسین علیہ السلام تھے۔ آپ کی والدہ جعفر بن (محمد) بن اسماعیل بن جعفر الصادق بن محمد الباقر علیہ السلام بن امام زین العابدینؑ کی صاحبزادی تھیں (ابی الفرج اصفہانی کے نزدیک ان کا قتل مقتدر باللہ عباسی کے دور میں ہوا) حسن بن زید بن محمد اکشف بن اسماعیل حالب الحجارۃ بن حسن امیر بن زید بن امام حسنؑ حاکم طبرستان کو جب یہ خبر ملی کہ حسین الکوکبی اور عبیداللہ بن حسن بن جعفر بن عبیداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی علیہ السلام دونوں اس کے خلاف لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو حسن بن زید نے دونوں کو بلایا اور ان پر غیض و غضب کا اظہار کیا اور ان دونوں کو سزا دینے کا حکم دیا تو ان دونوں کے پیٹ کو پیروں سے ٹھوکریں مار مار کر روند ڈالا گیا پھر دونوں کو ایک حوض میں پھینک دیا گیا جہاں یہ دونون ڈوب کر

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری علوی ص ۳۴۲

[2] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۵۱، ۵۲

مر گئے پھر اس نے ان دونوں کو حوض سے نکال کر ایک تہہ خانے میں ڈال دیا اور ان کی لاشیں اس تہہ خانے میں پڑی رہیں۔ یہاں تک کہ جب صفار نے اس شہر پر غلبہ حاصل کیا تو اس نے ان کی لاشوں کو دیکھا اور انہیں وہاں سے نکال کر دفن کر دیا۔[1]

جبکہ بقول محدث شیخ عباس قمی کہ داعی الکبیر کی ایام سلطنت میں بڑے لوگوں کا قتل ہوا ہے جس میں اشراف بھی تھے اور ان میں دو حسینی سادات تھے جن میں ایک حسین بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدین تھے یہ دونون حضرات داعی الکبیر کی طرف سے قزوین اور زنجان کے حاکم تھے جس وقت موسیٰ بن بغاء (جو عباس سالار تھا) نے زنجان اور قزوین کو ان سے چھڑوانے کے لئے عمدہ لشکر کے ساتھ حملہ کیا تو اس کے مقابلے میں ان دونوں کی ہمت نہ رہی مجبوراً طبرستان کی طرف بھاگ گئے داعی الکبیر نے شکست کھانے اور بھاگ کر آنے کے جرم میں دونوں کو حاضر کیا اور گہرے پانی میں غرق کر دیا یوں ان حضرات کی جان نکل گئی اور پھر ان کی لاشیں نکال کر سرداب میں ڈال دیں۔

اور جب یعقوب بن لیث طبرستان آیا اور داعی الکبیر دیلم کی طرف بھاگ گیا تو یعقوب نے دونوں کی لاشوں کو سرداب سے نکال کر دفن کیا۔[2]

تاریخی طور پر آخر الذکر واقعہ جو حسین الکوکبی کے متعلق لکھا گیا زیادہ درست ہے اور یہ زمانہ معتز باللہ کا تھا۔ حسین الکوکبی کی اولاد جاری نہ ہو۔

(۵۷) ابوالقاسم حمزہ قمی بن احمد الدخ بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط

آپ ابوالقاسم حمزہ قمی بن احمد الدخ بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدین تھے۔ آپ کی والدہ رقیہ بنت جعفر بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر الصادق تھیں۔[3]

آپ نے طبرستان سے قم کی جانب ہجرت کی اور یوں آپ قم کے نقیب بن گئے آپ ان سادات میں سے بھی جو اوائل میں سرزمین قم میں وارد ہوئے لیکن اس سے قبل آپ نے کچھ عرصہ طبرستان میں بھی قیام کیا اور وہاں پر رہنے کی وجہ سے جب آپ قم تشریف لائے تو آپ اور آپ کے فرزند طبری زبان بول لیتے تھے۔

یہاں تک کہ جب قم میں آئے تو اس کو اپنا وطن بنا لیا اور وجہ معاش کا اکتساب کیا اور یہاں ہی وفات

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی (عربی) شرح سید احمد صقر منشورات شریف رضی ص ۵۵۸

[2] احسن المقال اردو ترجمہ منتہی الآمال از سید صفدر حسین نجفی ج ۱ ص ۳۱۳، ۳۱۴، مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از سید قمر عباس اعرجی ص ۷۲

[3] المعقبون من آل ابی طالب ج ۲ ص ۵۱۲: از سید مہدی رجائی

پائی اور مقبرہ بابلان میں مدفون ہوئے۔

آپ سے قبل جو سید اس سرزمین پر آئے ان میں ان میں محمد کابلی بن عبداللہ اشتر بن محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن تھے بقول نسابہ سید شریف ابوحرب محمد بن محسن حسینی کہ محمد بن عبداللہ اشتر کابل میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ام الولد کابلیہ تھیں جن کا نام آمنہ تھا ان کے والد (عبداللہ اشتر) نے مدینے کی طرف سے جنگ کی آپ مدینے سے قم منتقل ہوئے اور یہاں ہی فوت ہوئے لیکن اس کا زکر کسی اور نسابہ نے نہ کیا۔[1]

اس کے علاوہ احمد ابوالحسین بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل بن ابراہیم غمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بھی قم منتقل ہوئے۔[2]

ابوالقاسم حمزہ القمی کے بارے میں نسابہ ابی اسماعیل ابراہیم بن ناصر طباطبا:

اس طرح لکھتے ہیں کہ حمزہ بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ باہر اپنے بیٹوں اول ابوجعفر محمد جن کی والدہ ام الولد تھیں اور ابوالحسن علی جن کی والدہ طبریہ تھیں یعنی طبرستان کی رہنے والی تھیں۔ طبرستان سے قم منتقل ہوئے۔[3]

اولاد ابوالقاسم حمزہ قمی:

شریف عمری علوی نسابہ کبر نے اپنی کتاب المجدی فی انساب الطالبین میں آپ کے ایک فرزند ابوالحسن علی کا ذکر کیا ہے۔[4]

جبکہ ابی اسماعیل ابراہیم بن ناصر طباطبا نے اپنی کتاب منتقلہ الطالبیہ میں ابوالحسن علی اور ابوجعفر محمد کا ذکر کیا ہے۔[5]

ابن طقطقی نسابہ نے آپ کے ایک فرزند ابی جعفر محمد الطبری کا ذکر کیا ہے۔[6]

---

[1] منتقلہ الطالبیہ از ابی اسماعیل ابراہیم ص ۲۵۲

[2] منتقلہ الطالبیہ از ابی اسماعیل ابراہیم ص ۲۵۲ انتشارات مکتبۃ حیدریہ

[3] منتقلہ الطالبیہ از ابی اسماعیل ابراہیم ابن ناصر ص ۲۵۶ انتشارات مکتبہ حیدریہ نجف

[4] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۴۲

[5] المنتقلہ الطالبیہ ص ۲۵۶

[6] الاصیلی ص ۲۲۴

اور بعض مصادر جن میں سید مہدی رجائی کی المعقبون بھی ہے جن میں آپ کے تین فرزندان تحریر ہیں ان میں (۱) ابوالحسن علی (۲) ابوجعفر محمد (۳) حسن ہیں [1]

ابوجعفر محمد بن حمزہ قمی:

آپ اپنے والد کے بعد قم کے رئیس اور نقیب تھے اور یہاں پر شہرت پائی آپ کے دو چچا ابوعلی عبداللہ مصری اور حُسین کوکبی بڑی شہرت کے حامل تھے۔

ابوعبداللہ مصری نے ۲۵۲ کو مصر میں خروج کیا۔

اور حسین الکوکبی نے خروج کیا اور قزوین، ابھر اور زنجان پر غالب آ گئے پھر ان کو داعی الکبیر نے قتل کر دیا۔۔معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دونوں چچاؤں کے سیاسی طور پر فعال ہونے کی وجہ سے بھی آپ کو ہجرت کرنا پڑی۔ عبداللہ مصری نے تو مصر میں خروج کیا مگر حسین الکوکبی کا خروج اور جنگ طبرستان کے علاقوں میں تھا۔اور وہ طبرستان میں ہی قتل کر دیئے گئے اس وجہ سے شاید آپ کے والد محترم کو ہجرت کرنا پڑی اور وہ اپنے بچوں کے ہمراہ قم تشریف لائے کیونکہ یہ جگہ (قم) اس وقت امن کی جگہ تھی۔

اس کے علاوہ ایران کے علاقوں میں سادات کی آمد کا سلسلہ جاری تھا کیونکہ یہاں سادات کا احترام زیادہ تھا اور عباسی حکومت کی گرفت بھی بہت زیادہ سخت نہیں تھی۔

ابوجعفر محمد نقیب بن ابوالقاسم حمزہ قمی کو بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی آپ اپنے والد محترم کے بعد قم کے رئیس ٹھہرے اور قم میں چند صنعتیں بھی ایجاد کیں اس کے علاوہ وادی واشجان کا پل تعمیر کروایا۔ وہاں چونے اور مٹی کی ایک سرائے بھی بنوائی آپ بھی مقبرہ بابلان میں دفن ہوئے آپ کی اولاد میں دو فرزند: (۱) ابوالقاسم علی نقیب رئیس قم (۲) ابومحمد حسن

ان میں ابوالقاسم علی نقیب قُم بن ابوجعفر محمد کامل اور فاضل تھے اور قوت اور شجاعت سے موصوف تھے اور کئی جاگیریں علاوہ اس کے جو والد کے ترکہ میں ملیں تھیں آپ نے حاصل کیں اور مقدم و پیشوائے سادات علویہ قم ہوئے۔

آپ اپنے چچا ابوالحسن علی بن حمزہ قمی کے بعد قم کے نقیب ٹھہرے۔

آپ ۳۴۵ کو حج پر گئے اور معز الدولہ اور سادات عراق وحجاز نے آپ کی عزت توقیر کی اور ۳۴۶

---

[1] المعقبون من آل ابی طالب از مہدی رجائی ج ۲ ص ۵۱۴

قمری کوقم میں واپس آئے یہاں تک کہ ۳۴۷ ہجری کو آپ کا انتقال ہوا آپ کی اولاد سے ابوالفضل محمد شرف الدین بن علی بن محمد بن ابوالحسن مطہر بن ابوالحسن علی بن ابوالفضل محمد بن ابوالقاسم علی نقیب قم المذکور تھے۔

بقول امام فخر الدین رازی کہ ابوالفضل محمد شرف الدین آپ کی اولاد میں صرف بیٹیاں تھیں بیٹا نہیں تھا۔تو آپ کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوخواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا اپنے بیٹے کا نام یحییٰ رکھنا جب آپ کا بیٹا ہوا تو اس کا نام عزالدین یحییٰ رکھا گیا۔[1]

آپ عالم فاضل تھے رے قم اور دوسرے مقامات کے نقیب تھے، آپ کوخوارزم شاہ نے قتل کروایا۔[2]

(۵۸) عمر الاشرف بن امام زین العابدین علیہ السلام

آپ کے بارے میں نسابہ کبیر ابوالحسن عمری بیان فرماتے ہیں کہ آپ عمر الاشرف بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب تھے اور آپ کی کنیت ابوحفص تھی آپ ۶۵ سال زندہ رہے۔ بقول سید ابوعبداللہ حسین ابن طباطبا کہ عمر الاشرف زید شہید کے مادری پدری بھائی تھے اور ان دونوں کی والدہ جیداء تھیں۔

آپ زید سے عمر میں چھوٹے تھے آپ محدث اور فاضل تھے اور صدقاتِ علیؑ کے متولی تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی کنیت ابوعلی تھی۔

بقول شیخ ابوالحسن محمد بن محمد (شیخ شرف عبیدلی) کہ کہا ابوالفرج اصفہانی نے ایک جاریہ (جیداء) مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی نے امام زین العابدین کو دیں تو اس سے عمر، زید، علی اور خدیجہ تولد ہوئے۔[3]

بقول امام فخر الدین رازی کہ آپ متولی صدقات علیؑ اور فدک تھے۔[4]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ آپ کو اشرف کہا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ کے والد کے چچا کو عمر الاطرف کہا جاتا ہے کہ کیونکہ ان کو صرف ایک فضیلت حاصل تھی کہ وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند ہیں لیکن آپ کو اشرف اس لئے کہا گیا کیونکہ آپ کو دو فضیلتیں حاصل تھیں آپ کو سیدۃ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد ہونے کی وجہ سے زیادہ شرف حاصل تھا۔

اسی طرح بنی جعفر طیار میں اسحاق عریضی بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار کو اطرف کہا گیا اور اسحاق بن

---

[1] شجرۃ المبارکہ ص ۱۱۸

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۳۵

[3] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۳۴۴

[4] شجرۃ المبارکہ ص ۱۲۱

علی زینبی بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار کو اشرف کہا گیا۔ عمر بن امام علی کو عمر الاشرف بن امام زین العابدین کی ولادت کے بعد اطرف کہا گیا۔[1]

بقول شیخ مفید آپ صاحب الورع اور سخاوت تھے داؤد بن قاسم نے حسین ذی العبرۃ بن زید شہید سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے چچا عمر الاشرف کو دیکھا جو اِن سے صدقات امیرالمومنین کے باغ خریدا کرتا تھا اس سے شرط طے کرتے تھے (یعنی جو لوگ میوہ جات باغات و زرعات کو خریدتے) کہ وہ ان کی دیواروں میں شگاف رکھیں گے اگر کوئی شخص اس میں داخل ہونا چاہے تو وہ اندر داخل ہو سکے اور کسی کو منع نہ کریں گے تا کہ اس میں جا کر جو کچھ کھانا چاہے کھا سکے۔

رجال الکبیر میں مرقوم ہے کہ عمر الاشرف مدنی تھے اور تابعین میں سے تھے آپ ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کرتے ہیں آپ کی وفات ۶۵ یا ۷۰ سال کی عمر میں ہوئی آپ کی شادی ام سلمہ بنت امام حسن علیہ السلام سے ہوئی۔

عمر بن علی زین العابدین عظیم السادۃ جلیل القدر المنز لت تھے۔ بنی عباس اور بنی امیہ دونوں کی سلطنت کے ایام میں صاحب علم رہے ابو جارود بن منذر نے روایت کی ہے کہ میں نے امام ابوجعفر محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کے بھائیوں میں سے کون سا بھائی افضل اور محبوب تر ہے تو آپ نے فرمایا عبداللہ باہر میرا دست و بازو ہے جس کے ساتھ میں حملہ کرتا ہوں (جو کہ آپ کے مادری پدری بھائی تھے) عمر اشرف میری آنکھ ہے جس سے میں دیکھتا ہوں زید میری زبان ہے جس سے میں بولتا ہوں اور حسین اصغر حلیم اور بردبار ہے۔[2]

بقول محمد ابن سعد کہ عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب کی والدہ ام الولد تھیں۔ آپ کے ہاں علی، ابراہیم، خدیجہ پیدا ہوئے ان سب کی والدہ ام الولد تھیں اور جعفر، جن کے چہرے پر دانے تھے ان کی والدہ ام اسحاق بنت محمد بن عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب تھیں۔ اور محمد بن عمر اور موسیٰ جو پست قد اور موٹے تھے۔ خدیجہ، حسبہ، محسبہ، عبدۃ ان سب کی والدہ ام موسیٰ بنت عمر الاطرف بن امام علیؑ تھیں۔[3]

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۸۱
[2] احسن المقال ترجمہ منتہیٰ الآمال از شیخ عباس قمی اردو ترجمہ سید صفدر حسین نجفی ج ا ص ۶۳۶
[3] طبقات الکبریٰ از محمد ابن سعد ج ۵ ص ۳۲۴

اور شیخ طوسی نے آپ کا ذکر آپ کے بھائی امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب میں اور امام جعفر الصادق علیہ السلام کے اصحاب میں کیا ہے اور کہا کہ آپ تابعین میں سے مدینہ کے رہنے والے تھے آپ نے ابی امامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کی ہے آپ کی وفات ۶۵ سال کی عمر میں ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۷۰ سال کی عمر میں ہوئی۔[1]

بقول ذہبی عمر الاشرف بن امام زین العابدینؑ نے اپنے والد اور سعید بن مرجانہ سے روایت کی اور عمر الاشرف سے انکے فرزندوں محمد اور علی اور بھتیجے حسین ذی العبرة بن زید، یزید بن الھاد، ابن اسحاق اور فضیل بن مرزوق نے روایت کی آپ کثیر العبادہ اور اجتہاد تھے اور صاحب علم و فضل تھے۔[2]

اور بقول ابن حجر عسقلانی عمر الاشرف نے اپنے والد (امام زین العابدین) اپنے بھتیجے امام جعفر صادق، اور سعید بن مرجانہ سے روایت ہے کہ آپ کے فرزندوں، محمد اور علی اور بھتیجے حسین ذی العبرة بن زید، یزید بن الھاد، ابن اسحاق اور فضیل بن مرزوق، محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع اور حکیم بن صھیب نے آپ سے روایت کی اور ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور عتمہ بن بشیر الاسدی کے بقول عمر بن علی بن حسین صاحب فضل اور کثیر عبادت کرنے والے تھے۔[3]

اولاد عمر الاشرف بن امام زین العابدین:

بقول نسابہ الکبیر شریف عمری علوی آپ کی پندرہ اولادیں تھیں جن میں سے پانچ دختران تھیں:

(۱) محسنہ (۲) سیدہ (۳) ام حبیب (۴) عبدة (۵) خدیجہ

اور آپ کے دس فرزند تھے (۱) جعفر اکبر المعروف بالبنین، آپ منقرض ہوگئے (۲) جعفر اصغر (۳) اسماعیل ابن عمر یہ آپ بھی منقرض ہوگئے (۴) موسیٰ اکبر (۵) موسیٰ اصغر (۶) حسن جن کا ایک فرزند علی ہوا اور پھر وہ منقرض ہوگیا (۷) ابو عمر ابراہیم آپ حسن نام سے معروف تھے (۸) علی اکبر آپ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے آپ کے اعقاب نہیں تھے (۹) محمد اکبر المدنی آپ کا عمر نام کا فرزند تھا جو کہ دانشمند تھا اور آپ کی والدہ ام الولد تھیں بقول عمری ظن کیا جاتا ہے کہ محمد اکبر منقرض ہوئے (۱۰) علی اصغر صاحب حدیث آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور آپ کی اعقاب آج تک جاری ہیں۔[4]

---

[1] رجال شیخ طوسی ص ۱۳۹، ۲۵۲

[2] تاریخ اسلام ص ۴۳۲۔ از شمس الدین ذہبی

[3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۸۵

[4] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۳۴۵

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ عمر الاشرف کی اولاد صرف ایک فرزند علی اصغر المحدث سے جاری ہوئی جنہوں نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی۔

ان علی بن عمر الاشرف کی اولاد میں بقول شریف عمری چھ دختران تھیں جن میں ایک علیہ تھیں جن کی شادی عمر بن محمد بن عمر بن علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی۔

بقول عمری آپ کے چھ فرزند تھے جن کی اولاد جاری نہ ہوئی: (۱) موسیٰ (۲) حسین (۳) زید (۴) محمد الملقب کباشہ (۵) جعفر (۶) عبداللہ، جبکہ تین کی اولاد جاری ہوئی (۷) ابوعلی قاسم (۸) عمر الشجری (۹) ابومحمد حسن۔

اول: موسیٰ بن علی بن عمر الاشرف:

آپ کی والدہ ام الولد تھیں آپ مغرب (مراکش) چلے گئے بقول ابوالحسن اشنانی نسابہ آپ کی پانچ بیٹیاں اور تین فرزند (۱) احمد (۲) علی (۳) محمد تھے مگر ان کا ذکر بعد میں کسی نسابہ نے نہ کیا اور ان پانچ دختران میں ایک صفیہ بھی تھیں۔

دوم: عبداللہ بن علی بن عمر الاشرف:

بقول ابی الغنائم نسابہ عمری اور شیخ شرف عبیدلی آپ کے تین پسران تھے: (۱) محمد (۲) قاسم (۳) زید تھے، مگر ان حضرات کی اولاد بھی بعد میں کسی نسابہ نے تحریر نہ کی، شاید یہ لوگ منقرض ہو گئے ہیں۔

سوم: جعفر بن علی بن عمر الاشرف:

بقول عمری آپ کی والدہ ام فروہ بنت جعفر بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ۔ بقول ابی الغنائم صوفی نسابہ کہ آپ ایام معتز باللہ میں قید ہوئے اور وہاں سے بھاگ گئے اور بقول ابی منذر بن خزار نسابہ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور آپ صوفی کے نام سے مشہور تھے۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ الحسنی کہ علی بن عمر الاشرف بن امام زین العابدین کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) قاسم (۲) عمر الشجری (۳) ابومحمد حسن۔[2]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۴۶

[2] عمدة الطالب ص ۲۸۱

(۵۹) ابوجعفر محمد بن ابوعلی قاسم بن علی اصغر بن عمر الاشرف بن امام سجاد

آپ کی والدہ صفیہ بنت موسیٰ بن عمر الاشرف بن امام زین العابدین تھیں۔ آپ کی کنیت ابوجعفر تھی اورعوام آپ کوصوفی کا لقب دیتے تھے۔

کیونکہ آپ سفید اون کا لباس زیب تن کرتے تھے۔ آپ عالم فاضل فقیہ تھے۔ بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کے بمطابق نص شیخ جلال الدین بن عبدالحمید بن تقی نسابہ آپ منقرض ہوئے اور آپ صوفی سے ملقب ہوئے کیونکہ صوف کا سفید لباس پہنتے تھے آپ نے معتصم عباسی کے دور میں طالقان سے خروج کیا۔[1]

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کا نام ونسب یہ ہے: محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن حسین بن علی علیہ السلام بن ابی طالبؑ۔ آپ کی والدہ کا نام صفیہ بنت موسیٰ بن عمر بن علیؑ بن حسینؑ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ کی کنیت ابو جعفر ہے۔ عامہ (غیر شیعہ) آپ کو صوفی کا لقب دیتے تھے کیونکہ آپ سفید اُون کا لباس زیب تن کرتے تھے۔ آپ عالم، فقیہ، دین دار، زاہد اور بہترین مذہبی شخصیت کے مالک تھے۔

مؤلف کہتے ہیں آپ اللہ تعالیٰ کی عدالت (عادل ہونا) اور وحدانیت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ آپ کا اس حوالے سے زیدیہ جارودیہ فرقے والا نظریہ تھا۔ آپ نے معتصم کے دَورِ حکومت میں طالقان میں خروج کیا اور وہاں پر آپ کے اور عبداللہ بن طاہر کے درمیان ہونے والے کئی معرکوں کے بعد عبداللہ بن طاہر نے آپ کو پکڑ کر معتصم کے پاس بھیج دیا۔

عبیداللہ بن حمدون نے ابراہیم بن عبداللہ العطار سے نقل کیا ہے جب کہ ابراہیم بن عبداللہ العطار جو طالقان میں ابوجعفر محمدؒ بن قاسم کے ہمراہ تھا۔ اس نے محمد بن قاسمؒ کے خراسان میں مختلف علاقوں میں نقل مکانی کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

ابوجعفر محمدؒ بن قاسمؒ نے مرو میں قیام کیا تو ہم کوفیوں میں سے بھی تقریباً دس کے لگ بھگ افراد ان کے ساتھ تھے۔ اس سے پہلے آپؒ ''رقہ اور روز'' کی طرف نکل گئے جہاں پر ان کے ہمراہ زیدیوں کے سر کردہ افراد کی ایک جماعت تھی۔ ان زیدیوں میں یحییٰ بن حسن بن فرات الفراز اور عباد بن یعقوب الرواجنی بھی شامل تھے ان زیدیوں نے جب محمد بن قاسم کو ان کے ایک فرد سے معتزلہ کے مذہب کی ایک بات کرتے ہوئے سنا تو تمام کوفی ان سے جدا ہو گئے اور ہم دس کے لگ بھگ کوفہ کے باشندے ان کے پاس باقی بچ

[1] عمدۃ الطالب از ابن عنبہ ص ۲۸۲

گئے۔ ہم لوگوں میں پھیل گئے اور انہیں ان کی بیعت کی طرف بلایا تو تھوڑے ہی عرصے میں چالیس ہزار افراد نے ان کی بیعت کی حامی بھر لی اور ہم نے ان لوگوں سے ان کی بیعت لی۔

ہم نے ابوجعفر محمد رحمۃ اللہ علیہ بن قاسمؒ کو مرو کے ایک گاؤں میں ٹھہرا دیا جہاں کوئی پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا تھا جب کہ یہ قلعہ ''جبل حریز'' میں واقع تھا۔ جب تمام لوگ آپ کی بیعت اور خلافت پر متفق ہو گئے تو وہ لوگ اسی رات ان کے پاس آئے تو آپ بھی قلعہ سے نیچے ان لوگوں کی طرف آئے۔

ابھی ہم آپ کے پاس موجود ہی تھے کہ اچانک ایک شخص کے رونے اور فریاد کرنے کی آواز آئی تو ابوجعفر محمد بن قاسمؒ نے مجھ سے کہا: ابراہیم اُٹھو اور باہر جا کر دیکھو کہ یہ رونے کی آواز کیوں آ رہی ہے۔؟

پھر میں اُس جگہ کی طرف آ کر کھڑا ہوا جہاں سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ پھر میں اس جگہ کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہاں پر ایک اچھی شکل وصورت کا مرد موجود ہے جس سے ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے اس کی زین کے نیچے کا عرق گیر چھین لیا ہے اور وہ اس عرق گیر سے چمٹا ہوا بیٹھا ہے۔ تو میں نے اس رونے والے سے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو اور تمہارا کیا ماجرا ہے۔؟

اس نے جواب دیا: تمہارے ساتھیوں نے میرا عرق گیر چھین لیا ہے۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اس شخص کو اس کا عرق گیر واپس کر دو کیونکہ اس کے رونے کی آواز ابو جعفر نے سُن لی ہے۔

اس شخص نے مجھ سے کہا: ہم لوگ اس لئے تمہارے ہمراہ قیام کرنے کے لئے آمادہ ہوئے تھے تا کہ مال واسباب اور نفع حاصل کریں اور اپنی ضرورت کی اشیاء پا سکیں۔ جب سے میں تم لوگوں کے ساتھ شامل ہوا ہوں تب سے اب تک صرف یہ ایک عرق گیر ہی لیا ہے، جسے تم نے اس کے مالک کو واپس لوٹا دیا ہے۔

اس کے بعد میں محمد رحمۃ اللہ علیہ بن قاسمؒ کے پاس واپس آ گیا اور انہیں تمام حقیقت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ میں نے وہ عرق گیر اس شخص سے زبردستی لے کر اس کے مالک کو واپس کر دیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے مجھ سے کہا: ابراہیم ......! کیا ایسے لوگ بھی دینِ خدا کی نصرت و مدد کرتے ہیں۔؟ پھر انہوں نے مجھ سے کہا: تمام لوگوں کو مجھ سے دور کر دیں تا کہ میں اپنی رائے اور فیصلے کے بارے میں غور وفکر کروں۔

پھر میں نے لوگوں کے پاس جا کر ان سے کہا کہ اب یہ صورتِ حال ناگزیر ہو چکی ہے کہ تم لوگ اس وقت یہاں سے منتشر ہو جاؤ۔ پھر وہ سب وہاں سے تتر بتر ہو گئے۔

اس کے بعد اسی وقت محمد بن قاسمؒ وہاں سے طالقان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب کہ طالقان اور مرو

کے درمیان چالیس فرسخ کا فاصلہ ہے۔ آپ نے طالقان میں قیام کیا جب کہ ہم لوگوں کو ان کی طرف بلانے کے لئے منتشر ہو گئے۔ ہم نے ان کے لئے بہت بڑی جمعیت کو جمع کر لیا اور پھر ہم ان کے پاس آئے اور کہا: اگر آپ اپنے امر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں اور خروج پر آمادہ ہیں تو اس قوم (عباسی فوج) سے مقابلہ کریں۔ ہمیں اُمید ہے کہ خدا ہماری مدد کرے گا۔ اگر آپ کو فتح و کامیابی نصیب ہوئی تو پھر آپ اپنے لشکر اور فوج میں سے جسے پسند کریں اُسے اپنے لئے چُن لیں۔ اگر آپ نے اب بھی ویسے ہی کرنا ہے جیسے مرو میں کیا تھا تو عبداللہ بن طاہر آپ کی پشت پر ہے۔ لہٰذا اس سے صلح کر لیں تا کہ اس سے ہماری اور آپ کی جان بخشی ہو۔ پھر آپ اپنے گھر میں اپنے خاندان کے دیگر افراد کی طرح بیٹھ کر زندگی کے اُمور کے لئے تگ و دو کریں۔

پھر محمد بن قاسمؒ نے دشمن سے لڑنے کا مضبوط ارادہ کیا اور لوگوں کے ہمراہ حکومت کے خلاف خروج کر دیا۔

جب عبداللہ بن طاہر کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خروج کی اطلاع ملی تو اس نے حسین بن نوح جو اس کے سپاہیوں کا سردار (چیف) تھا، اُسے ان کی طرف روانہ کیا۔ جب ہم نے اس کا سامنا کیا اور دونوں لشکروں میں جنگ ہوئی تو ہم نے اسے بہت بُری شکست سے دو چار کیا۔ جب عبداللہ کو اس کی شکست کی خبر ملی تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک قائد کو الگ کیا جس کا نام نوح بن حبان بن جبلہ یا حبان بن نوح بن جبلہ تھا، اُسے ایک جماعت کا سردار مقرر کر کے محمد رحمۃ اللہ علیہ بن قاسمؒ کی طرف روانہ کیا۔

جب ہمارا اس سے آمنا سامنا ہوا تو ہم نے اسے حسین بن نوح سے بھی زیادہ بُری طرح شکست دی اور وہیں سے طالقان کے گرد و نواح کی طرف پسپا ہو کر نکل گیا اور ہو عبداللہ بن طاہر کے پاس واپس نہیں گیا۔ اس نے عبداللہ بن طاہر کو خط لکھ کر اپنے پسپا ہونے پر معذرت کی اور یہ قسم کھائی کہ وہ صرف اس صورت میں اس کے پاس واپس لوٹے گا جب اسے کامیابی ملے گی یا قتل ہو جائے گا اور اس کی لاش اس کے پاس آئے گی۔

اس کے بعد عبداللہ بن طاہر نے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا جو آہستہ آہستہ محمدؒ بن قاسمؒ کی طرف بڑھا اور ان کے سامنے جا کر پڑاؤ ڈالا۔ اس لشکر نے کئی جگہوں پر کمین گاہیں نصب کیں اور جب ہماری ان سے لڑائی شروع ہوئی تو ہم نے ایک گھنٹے تک انتہائی جوانمردی سے لڑائی کی۔ پھر وہ ہم پر حملہ کرتے ہوئے پسپا ہو گئے تو ہمارے ساتھی ان کا تعاقب کرنے کے لئے ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب ہم سب ان کے بھاگے ہوئے سپاہیوں کی تلاش میں منتشر ہو گئے تو ان کمین گاہوں میں ان کے چھپے ہوئے سپاہیوں نے ہمارے ساتھیوں پر ہر طرف سے حملہ کر دیا اور ہمیں شکست سے دو چار کیا۔ محمد رحمۃ اللہ علیہ بن قاسمؒ ان کے ہاتھ سے بچ نکلے اور وہ ''نسا'' کی طرف چھپتے ہوئے نکل گئے جبکہ ہم مرو کے گرد و نواح کے علاقوں میں ہی مقیم رہے اور لوگوں کو

ان کی طرف بلاتے رہے۔

علی بن محمد ازدی سے مروی ہے کہ عبداللہ بن طاہر کے ساتھی ابراہیم بن غسان بن فرج العودی نے یہ خبر دی تھی کہ ایک دن مجھے میرے امیر عبداللہ بن طاہر نے بلایا جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے جب کہ اس کے پہلو میں ایک کرسی پر ایک مہر شدہ خط رکھا ہوا ہے جس پر کوئی عنوان تحریر نہ تھا۔ وہ اپنی داڑھی میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس سے کھیل رہا تھا اور اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل تھا کہ وہ اس وقت غصے میں ہے لہٰذا میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ کی دُعا مانگی۔ پھر میں اس کے قریب ہوا تو اس نے مجھ سے کہا: اے ابراہیم! میرے حکم کی مخالفت سے ڈرنا، اگر تم نے میری حکم عدولی کی تو میرا قہر تم پر یوں برسے گا کہ مَیں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

یہ سن کر مَیں نے کہا: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے اس قدر دھمکی سننا پڑے اور آپ کے غضب کا سامنا کروں۔

پھر عبداللہ بن طاہر نے کہا: مَیں نے لشکر گاہ سے ایک ہزار شہسوار تمہارے لئے منتخب کیے ہیں اور مَیں نے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے ہمراہ ایک لاکھ درہم بھی روانہ کیے جائیں تا کہ تم اپنے اُمور میں انہیں جہاں استعمال کرنا چاہو وہاں خرچ کر سکو۔ تم اسی وقت کوچ کا نقارہ بجاؤ اور وہ شہسوار بھی تمہارے پیچھے چل پڑیں گے۔ لہٰذا باہر جاؤ اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ جب کہ میرے خاص گھوڑوں میں سے تین گھوڑے بھی لے لو اور انہیں بھی اپنے ساتھ رکھنا اور ان پر منتقل ہوتے رہنا۔ راستہ دکھانے کے لئے اس رہنما کو بھی اپنے ہمراہ لے لو، جسے مَیں نے تمہارے ساتھ جانے کا حکم دیا ہے۔

پس! تم اسے ایک ہزار درہم دے دو اور ان تین گھوڑوں میں سے کسی ایک پر سوار کر دو تو وہ تمہارے آگے گھوڑا دوڑاتا ہوا جائے گا۔ جب تم مقامِ نسا سے ایک فرسخ کے فاصلے پر پہنچو تو یہ خط کھول کر پڑھنا اور اس میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس پر عمل کرنا اور اس مکتوب کا ایک حرف بھی بے عمل نہ رہے۔ مَیں نے اس خط میں تمہارے لئے جو منصوبہ بندی کی ہے اس کی ہر گز مخالفت نہ کرنا جان لو کہ تمہارے ساتھیوں میں ہی میرے جاسوس موجود ہیں جو تمہاری سانسوں کے متعلق بھی مجھے باخبر رکھیں گے لہٰذا ہوشیار رہنا، ہوشیار رہنا، ہوشیار رہنا اور تم یہ زیادہ بہتر جانتے ہو۔

ابراہیم بن غسان کہتا ہے: پھر مَیں اس کے پاس سے باہر نکلا اور نقارہ بجایا۔ پھر وہ تمام شہسوار ''شادیاج'' جو آلِ طاہر کے محلات کی جگہ ہے وہاں پر مجھ سے آملے جبکہ عبداللہ ایک بلند جگہ سے ہمیں دیکھ رہا

تھا پھر میں نے فوراً اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور اپنا گھوڑا دواڑا تا ہوا چل پڑا۔ اور وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے چلنے لگے یہاں تک کہ ہم تیسرے دن ''نسا'' سے ایک فرسخ کی دُوری پر پہنچے تو وہاں پر مَیں نے وہ خط کھول کر پڑھا۔ اس میں یہ مکتوب تھا:

''اللہ تعالیٰ کی برکت اور مدد سے آگے بڑھو۔ جب تم ''نسا'' سے ایک فرسخ پر پہنچ جاؤ تو اپنے ساتھویں کو جنگ کے لئے تیار کرو اور ''نسا'' میں داخل ہو جانا۔ ''نسا'' میں پہنچ کر اپنے تین سو ساتھیوں پر لشکر کے سرداروں میں سے ایک سردار متعین کر کے ان کو یہ ذمہ داری سونپو کہ وہ محکمہ ڈاک کی عمارت کو چاروں طرف سے گھیر لیں اور مزید پانچ سو گھڑسواروں پر ایک اور سردار متعین کر کے انہیں وہاں کے گورنر کے دروازے کی طرف روانہ کر دینا تا کہ وہاں کے لوگوں کی گردنوں میں محمد ﷺ بن قاسمؒ کی بیعت کا جو طوق ہے وہ اس وجہ سے کوئی مکر و فریب نہ کر سکیں اور تم اپنے باقی ساتھیوں کے ہمراہ فلاں محلہ کی فلاں گلی کے کشادہ دروازے سے فلاں ابن فلاں کے گھر کی طرف نکل جانا اور وہاں پہنچ کر پہلے گھر میں داخل ہونا پھر پہلے گھر سے دوسرے گھر میں چلے جانا۔ پھر دوسرے گھر سے تیسرے گھر میں داخل ہونا۔ جب تم تیسرے گھر میں داخل ہو گے تو اندر دائیں طرف ایک سیڑھی ہو گی تم نے اس سیڑھی سے اُوپر چلے جانا ہے اور وہاں پر ایک کمرہ ہو گا جس میں محمد بن قاسم علوی صوفی ہو گا اور اس کے ہمراہ اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص ہو گا جس کا نام ابو تراب ہو گا۔ تم نے ان دونوں کو لوہے کی زنجیروں میں سختی سے جکڑ دینا ہے۔ پھر تم نے مجھے اپنی اور محمد بن قاسم کی انگوٹھی خط تحریر کرنے سے بھی پہلے ارسال کر دینی ہے تا کہ مجھے تمہاری کامیابی کا علم ہو جائے اور تم نے ایک قاصد کے ہاتھ یہ دونوں انگوٹھیاں میری طرف روانہ کرنی ہیں اور اس قاصد کو فوراً وہاں سے میری طرف روانہ کر دینا ہے تا کہ وہ تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا تیسرے دن ان شاءاللہ میرے پاس پہنچ جائے گا۔ پھر اس کے بعد تم مجھے اپنے حالات تفصیل کے ساتھ خط میں لکھ بھیجنا اور اس ساری مہم میں تم نے انتہائی محتاط اور بیدار رہنا ہے تا کہ تم محمد بن قاسمؒ اور اس کے ساتھی کے ہمراہ میرے پاس خیریت سے پہنچ جاؤ۔''

ابراہیم کہتا ہے: مَیں نے کبھی اس طرح کی کوئی خبر نہیں سنی تھی گویا یہ خبر وحی کے مانند تھی۔ پھر میں اُس

جگہ کی طرف اس کے حکم کے مطابق چل پڑا تو میں نے اس گھر میں سیڑھی کے شروع میں محمدؒ کو کھڑا ہوا پایا۔ انہوں نے عمامہ پہن رکھا تھا جب کہ سیڑھی کے نیچے ان کا خچر بندھا ہوا تھا اور وہ خوارزم کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تو میں نے انہیں پکڑ لیا۔ اس پر انہوں نے مجھ سے کہا: تم کون ہو اور تم کس شخص کو مِلنا چاہتے ہو؟

میں نے کہا: محمد بن قاسمؒ کو

انہوں نے کہا: مَیں ہی محمد بن قاسمؒ ہوں۔

تو مَیں نے کہا: اپنی انگوٹھی مجھے دے دو۔ انہوں نے مجھے اپنی انگوٹھی دے دی تو مَیں نے فوراً ان کی انگوٹھی اور اپنی انگوٹھی کو ایک قاصد کے ذریعے عبداللہ بن طاہر کی طرف روانہ کر دیا جس مرد کو مَیں نے ان تین گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا دیا تھا۔ وہ فوراً سوار ہو کر عبداللہ بن طاہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب کہ مَیں نے اس کے ہمراہ ایک فوجی دستہ بھی روانہ کر دیا تا کہ اس سے کوئی گھوڑا نہ چھین لے۔

پھر میں نے اپنے بعض ساتھیوں کو یہ حکم دیا کہ وہ کمرے میں داخل ہوں تو محمد بن قاسمؒ نے کہا: تم کمرے کے اندر سے کیا چاہتے ہو؟ تم نے مجھے پکڑ لیا ہے اب وہاں کوئی نہیں ہے لیکن میں ان کی طرف متوجہ نہ ہوا اور اپنے ساتھیوں کو کمرے میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ وہ سب کمرے میں داخل ہو گئے اور اس کی تلاشی لی تو لکڑی کے ایک حوض کے نیچے سے ابو تراب مل گیا جس میں آٹا پیسا جاتا تھا یا اس میں انگور کی شراب بنائی جاتی تھی۔

پھر مَیں نے ان دونوں کو پکڑ کر بھاری لوہے کی زنجیروں میں مضبوطی سے جکڑ دیا اور ان دونوں کے متعلق عبداللہ بن طاہر کو خط تحریر کیا۔ ہم چھے دنوں میں نیشاپور پہنچے تو مَیں محمد بن قاسمؒ کو سیدھا اپنے گھر لے گیا اور وہاں اسے ایک کمرے میں رکھا اور اس پر اپنے ایک قابلِ اعتماد ساتھی کو نگران مقرر کیا جبکہ ابو تراب کی نگرانی عبدالشعرانی کو سونپی۔

وہاں پہنچ کر محمد بن قاسمؒ نے اپنی عبا کے بغیر ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھی جبکہ عبداللہ ''شادیاج'' میں موجود ایک کمرے کے اُوپر سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ جب مَیں نے تمام حفاظتی اُمور سے فراغت پائی تو عبداللہ بن طاہر کے پاس گیا اور اسے تمام قصہ سنایا تو اس نے مجھ سے کہا: میں بھی اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر وہ غروب آفتاب کے وقت اس حالت میں میرے پاس آیا کہ اس نے قمیص اور پاجامہ پہن رکھا تھا۔ اس کے پیروں میں جوتا اور اس نے ایک چادر اَوڑھ رکھی تھی یعنی اس نے اپنا بھیس بدل رکھا تھا۔

جب اس نے محمد بن قاسمؒ اور اس کی وزنی زنجیروں کو دیکھا تو مجھ سے کہا: ابراہیم......! تجھ پر افسوس

ہے! کیا تمہیں اپنے اس فعل پر خدا کا ڈر نہیں؟ کیا اس نیک وصالح مرد کو اس طرح کی وزنی زنجیروں میں جکڑ کر قید کیا جاتا ہے؟

مَیں نے جواب دیا: اے امیر! تمہارے خوف نے مجھے خدا کا خوف بھلا دیا اور جو وعید تم نے مجھے سنائی تھی، اس سے میری عقل اُڑ گئی تھی۔

پھر اس نے مجھ سے کہا: اس کی ان زنجیروں کا وزن کم کرو۔ یہ تمام زنجیریں اُتار کر اِسے ایسی ہلکی زنجیریں پہناؤ جن کا وزن صرف ایک رطل نیشا پوری ہوتا ہے (ایک رطل نیشا پوری سو درہم کے برابر ہوتا ہے) اِن زنجیروں کا عمود طولانی ہو اور اس کے (پیروں میں ڈالنے والے) دونوں حلقے چوڑے ہوں تا کہ یہ اس میں آسانی سے چل سکے۔ پھر عبداللہ بن طاہر وہاں سے چلا گیا۔

عبداللہ بن طاہر نے تین ماہ تک محمد بن قاسمؒ کو نیشا پور میں ہی ٹھہرایا اور انہیں یہاں پر ٹھہرانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان کی خبر لوگوں سے چھپی رہے اور لوگ اس پر دھاوا نہ بول دیں کیونکہ خراسان کے علاقوں میں محمد بن قاسمؒ کی بیعت کرنے والے لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

عبداللہ بن طاہر اپنے اصطبل سے اس حالت میں خچروں کے ساتھ نکلتا کہ ان پر گنبد نما خیمے رکھے ہوئے ہوتے تھے تا کہ لوگ یہ گمان کریں کہ اس نے محمد بن قاسمؒ کو ان خچروں پر نکالا ہے اور پھر وہ ان خچروں کو واپس اصطبل میں لے آتا یہاں تک کہ اسے نیشاپور سے رات کی تاریکی میں چپکے سے نکال دیا۔ اس نے محمد بن قاسمؒ کے ساتھ ابراہیم بن غسان کو بھی روانہ کیا جس نے اسے ''نسا'' سے قید کیا تھا اور اور یہ اسے نیشاپور سے رَے میں لے آیا۔

عبداللہ بن طاہر نے ابراہیم کو یہ حکم دیا کہ وہ رَے میں اسی طرح کی چال چلے جیسے اس نے نیشاپور میں لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے چلی تھی۔ ابراہیم تین راتوں تک مسلسل گنبد نما خیموں سے آراستہ خچروں اور فوج کے ساتھ رَے سے نکلتا اور رَے سے چند فرسخ دُور جانے کے بعد واپس پلٹ آتا یہاں تک کہ پھر ایک شب کو رات کی تاریکی میں چپکے سے وہاں سے محمد بن قاسمؒ کو لے کر نکل گیا جبکہ وہ یہ چال اس لئے چلتا تھا کیونکہ اسے یہ ڈر تھا کہ محمد بن قاسمؒ کی کافی لوگوں نے بیعت کی ہے، کہیں وہ اس پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ یوں اس نے انہیں رَے سے باہر نکالا کہ کسی کو ان کے وہاں سے جانے کی خبر تک نہ ہوئی۔ پھر خود ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا انہیں بغداد میں (عباسی خلیفہ) معتصم کے پاس پہنچا دیا۔

ابراہیم بن غسان کہتا ہے: محمد بن قاسمؒ کو اربابِ اقتدار نے مال و جواہرات میں سے ہر قیمتی و نفیس

شے پیش کی لیکن انہوں نے صرف عبداللہ بن طاہر کے ایک قرآن مجید کو قبول کیا۔ جب آپ نے اس قرانِ مجید کو قبول کیا تو عبداللہ بہت خوش ہوا۔ آپ نے قرآن مجید کو اس لئے قبول کیا کیونکہ آپ قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اور وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ مَیں نے ان سے زیادہ اُمورِ خیر میں جد و جہد کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے ان کے علاوہ اس قدر خضوع وخشوع اور حضورِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کرتے ہوئے کسی کو پایا ہے۔ ان پر جو مصائب وتکالیف کے پہاڑ ٹوٹے انہوں نے ان پر کبھی واویلا اور آہ وزاری نہیں کی۔ ہم لوگوں نے انہیں صرف ایک مرتبہ مزاح کرتے اور مسکراتے ہوئے دیکھا جب ہم لوگ ''عقبہ حلوان'' سے چلنے لگے اور محمد بن قاسمؒ سوار ہونا چاہتے تھے کہ اتنے میں ابراہیم بن غسان کے ساتھیوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے ان کو سوار کرانے کے لئے اپنی کمر جھکا دی تو آپ اس کی کمر کا سہارا لیتے ہوئے محمل میں سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب آپ صحیح طرح بیٹھ گئے تو جس شخص نے آپ کو اپنی کمر کے ذریعے سوار کروایا تھا آپ نے اس سے مزاح میں کہا: تم بنوعباس سے تنخواہ لیتے ہو اور بنوعلی بن ابی طالبؑ کی خدمت گزاری کرتے ہو اور پھر مسکرا دیئے۔

اس شخص کا نام محمد شعرانی تھا اور وہ عباس خراسانی کی اولاد میں سے شیعہ تھا تو اس شخص نے ان سے کہا: میری جان آپ پر فدا ہو! میرے نزدیک اولادِ علی علیہ السلام اور اولادِ عباس برابر ہیں۔

ہم نے اس دن سے پہلے اور اس کے بعد کبھی انہیں مزاح کرتے اور مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہم نے انہیں صرف اس دن غم زدہ دیکھا جب معتصم نے اپنے خط میں ان سے توہین آمیز برتاؤ کے متعلق تحریر کیا تھا۔ وہ ایسے ہوا تھا، جب ہم انہیں (نیشا پور سے رَے اور رَے سے) لے کر نہروان پہنچے تو ہم نے معتصم کو وہاں سے خط لکھ کر تمام حالات واقعات سے آگاہ کیا اور شہر (بغداد) میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو اس نے ہمیں خط کے جواب میں یہ تحریر کیا کہ ان کی سواری سے محمل اُتار لو اور یہ سرِ عام شہر میں داخل ہوں، نیز یہ کہ نہرین کے مقام پر ان سے عمامہ بھی لے لیں اور یہ کھلے سر بغداد میں داخل ہوں اور یہ سر من رای (سامرہ) شہر کی تعمیر سے پہلے کی بات ہے۔

جب ہم نے نہروان سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو ہم نے محمل کو اُتار لیا۔ انہوں نے ہم سے اس کی وجہ پوچھی تو ہم نے حقیقت بتائی اور وہ یہ سن کر غمگین ہو گئے۔ جب ہم نہرین کے پاس پہنچے تو ہم نے اِن سے کہا:

اے ابوجعفر! آپ اپنا عمامہ اُتار دیں کیونکہ امیر (معتصم عباسی) کا حکم ہے کہ آپ کھلے سر بغداد

میں داخل ہوں تو اُنہوں نے اپنا عمامہ میری طرف پھینک دیا۔ پھر یہ نو روز کے دن قریہ شماسیہ میں داخل ہوئے اور یہ ۲۱۹ ہجری کا سال تھا جب کہ آپ سرِ عام ننگے سر سواری پر قُبہ میں بیٹھے ہوئے تھے جس قُبے کا بالائی حصہ اُتار دیا گیا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے برابر عبداللہ بن طاہر کے ساتھیوں میں سے ایک بوڑھا چل رہا تھا جب کہ حکومتی درباری لوگ آپکے سامنے کھیل تماشا اور فراغنہ (فارس کے ایک گاؤں فرغان کے باشندے) رقص کر رہے تھے۔

جب محمد بن قاسم نے ان لوگوں کو یوں دیکھا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! تُو جانتا ہے کہ مَیں ہمیشہ لہو ولعب کی ان محفلوں کو ناپسند کرتا ہوں اور اس ثقافت کو بدلنے کا خواہش مند رہا ہوں۔

فراغنہ عام لوگوں کو برانگیختہ کر رہے تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ پر نجاست و مُردار کی قہقہیں لگا رہے تھے جب کہ معتصم قہقہے لگا کر ہنس رہا تھا اور محمد بن قاسمؒ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور استغفار کر رہے تھے اور ان لوگوں کو بد دعا دے رہے تھے جب کہ معتصم شماسیہ میں واقع اپنے محل میں بیٹھے ہوئے ان تماش بینوں کا نظارہ کر رہا تھا اور محمد رحمۃ اللہ علیہ (بے کسی کی تصویر بنے ہوئے) کھڑے تھے۔

جب معتصم ان کے کھیل تماشے سے فارغ ہوا تو اس کے سامنے محمد رحمۃ اللہ علیہ بن قاسمؒ کو پیش کیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ اسے مسرور الکبیر (داروغہ) کے حوالے کر دیا جائے تو انہیں اس کے حوالے کر دیا گیا۔ اس (داروغہ) نے انہیں کنواں نما تہہ خانے میں قید کر دیا جس میں قریب تھا کہ آپ کی موت واقع ہو جاتی لیکن معتصم کو ان کے اس جگہ قید ہونے کا علم ہو گیا اور اس نے انہیں وہاں سے نکالنے کا حکم جاری کیا۔

پھر آپ کو معتصم کے گھر کے ساتھ واقع موسیٰ کے بستان (باغ) میں واقع گنبد میں قید کر دیا گیا جب کہ مسرور نے اپنے کئی خدام اور بااعتماد لوگوں کو ان پر نگران مقرر کیا۔ جس گنبد نما جگہ پر آپ قید تھے، وہاں کئی بڑے بڑے روشن دان تھے جہاں سے روشنی اندر آتی تھی۔ پھر ایک دن آپ نے نگرانوں سے ایک قینچی مانگی اور کہا کہ میں اس سے اپنے ناخن کاٹنا چاہتا ہوں تو انہیں قینچی دے دی گئی۔ پھر آپ نے اپنے نیچے جو شیر کی ایال بچھی ہوئی تھی اسے نکال کر قینچی سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے اور اسے تسمہ کی شکل میں کاٹا اور اسے سیڑھی کی طرح بنا دیا۔

پھر آپ نے نگہبانوں سے کھجور کی ایک شاخ طلب کی اور یہ بتایا کہ میں اس سے چوہوں کو بھگانا چاہتا ہوں کیونکہ وہ ان کی روٹی کھا جاتے ہیں اور ان پر نجاست کر دیتے ہیں تو انہوں نے انہیں کھجور کی ایک شاخ لا کر دی۔ آپ نے کھجور کی اس شاخ کو کاٹ دیا اور قینچی کے ذریعے اس شاخ کے اردگرد سوراخ کر دیئے یہاں تک کہ آپ نے اس شاخ کو تین ٹکڑوں میں توڑ دیا۔ پھر اس شاخ کو اپنی مسواک سے جوڑ کر اسے سیڑھی کے

شروع میں نصب کیا اور باقی کو روشن دان کے قریب ایک دائرہ بنا کر اس میں لٹکا دیا۔ پھر اس رسی کے ذریعے روشن دان سے باہر نکل گئے۔ آپ نے اُوپر چڑھ کر اس رسی کو اپنی طرف کھینچ دیا اور یوں وہاں سے نجات پائی۔

جس دن آپ وہاں سے نکلے وہ عید الفطر کی رات ۲۱۹ ہجری تھی۔ اس لئے پھل، خوشبو، جڑی بوٹیاں اور عید کے اسباب قلی (سامان اُٹھانے والے) اپنے سروں پر اُٹھا کر باغ میں لائے۔ پھر یہ سب قُلی اس گنبد نما مقام کے پاس آئے جہاں پر محمد بن قاسمؒ قید تھے۔ یہ قُلی اس مقام کے اِردگرد آرام کی غرض سے لیٹ گئے اور اپنی اشیاء و اسباب کو وہاں پر رکھ کر سو گئے۔

جب محمد بن قاسمؒ نے گنبد سے خود کو نیچے گرایا تو ان کے درمیان آ کر سو گئے جبکہ ان کی کمر کا جوڑ ہل گیا۔ پھر آپ جلدی سے ان قلیوں کے درمیان سے اُٹھے، ان کے سامان کی ایک گٹھڑی اُٹھائی اور باہر جانے کے لئے چل پڑے۔ دروازے پر موجود نگہبانوں میں سے ایک نے آپ سے پوچھا: تم کون ہو؟ تو آپ نے جواب دیا: میں قلی (سامان اُٹھانے والا) ہوں اور اب میں اپنے خاندان والوں کے پاس واپس جا رہا ہوں۔ اس نگہبان نے کہا: آج کی رات تم میرے پاس ہی قیام کرو تا کہ رات کو گشت کرنے والے سپاہیوں کا کوئی دستہ تمہیں نہ پکڑے۔ پھر آپ اس نگہبان کے پاس ہی سو گئے۔ جب طلوعِ فجر ہوئی تو یہ سامان اُٹھانے والے وہاں سے باہر نکلے اور آپ بھی اِن کے ہمراہ وہاں سے باہر نکل گئے۔ یوں آپ ان کے چنگل سے آزاد ہوئے۔ جب صبح ہوئی اور نگہبان نے وہاں کا دروازہ کھولا جہاں پر آپ قید تھے تو انہوں نے آپ کو اس جگہ پر موجود نہ پایا۔ انہوں نے مسرور کو ان کے غائب ہو جانے کی خبر دی تو مسرور یہ سن کر ننگے پاؤں خود کو قتل ہونے کے لئے آمادہ کرتے ہوئے معتصم کے پاس گیا اور اسے ان کے غائب ہونے کی خبر سنائی۔ معتصم نے اس سے کہا: کوئی بات نہیں اگر وہ چلا گیا ہے تو ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکے گا۔ اگر وہ منظر عام پر آیا یا خروج کیا تو ہم اسے پکڑ لیں گے اور اگر وہ امن و سلامتی سے رہتے ہوئے مخفی رہا تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔

یہ سن کر مسرور نے کہا: یہ تو مجھ پر امیر (معتصم) کا احسان اور فضل ہے، اگر یہ حادثہ ہارون الرشید کے دَورِ حکومت میں رُونما ہوتا تو مجھے قتل کروا دیتا۔

ایک قول کے مطابق: محمد بن قاسمؒ قید خانے سے نکل کر واپس طالقان چلے گئے اور پھر وہاں پر آپ کی وفات ہوئی۔

دوسرے قول کے مطابق: آپ واسط کی طرف چلے گئے اور مؤلف کے نزدیک یہی (دوسرا) قول درست ہے۔

محمد بن ازھر سے روایت منقول ہے کہ میں نے محمد بن قاسمؒ کو اس دن دیکھا جس دن آپ کو بغداد میں لایا گیا۔آپ کا قد درمیانہ، رنگ گندمی، چہرے پر چوٹ یا زخم کا نشان اور پیشانی پر سجدوں کی وجہ سے محراب کا نشان تھا۔

حسین بن موسیٰ بن منیر سے مروی ہے کہ محمد بن قاسمؒ قید خانے سے فرار ہو کر (بغداد میں) قبیلہ ربیع کی جاگیر میں منیر بن موسیٰ بن منیر کے گھر آئے تو اس نے آپ کو ابراہیم بن قیس کے گھر منتقل کر دیا۔ پھر یہ دونوں ان کے پاس اکٹھے ہوئے اور کہا: آپ کو جلد ہی سختی کے ساتھ تلاش کیا جائے گا اور بغداد میں کوئی ایسا گھر نہیں ہے جہاں پر آپ قیام کر سکیں (کیونکہ یہاں پر حکومتی سپاہی آپ کو ڈھونڈ نکالیں گے) لہٰذا اس سے پہلے کہ آپ کو تلاش کرنے کے لئے سختی اپنائی جائے آپ بغداد سے واسط کی طرف کوچ کر جائیں۔ پھر آپ واسط کی نکل گئے لیکن کمر کے مہروں میں آپ کو جو چوٹ لگی تھی اس کی وجہ سے آپ بہت لاغر اور نحیف ہو گئے تھے اور جب واسط پہنچے تو آپ کا انتقال ہو گیا۔

علی بن محمد ازدی بیان کرتا ہے: محمد بن قاسمؒ کے بیٹے علی بن محمد بن قاسم صوفی نے مجھے خبر دی کہ جب محمد بن قاسمؒ واسط پہنچے تو وہ دریائے دجلہ کو عبور کرنے کے بعد شہر واسط کے مغربی جانب گئے اور وہاں پر اپنے چچا زاد علی بن حسن بن علیؒ بن عمرؒ بن علیؑ بن حسینؑ کی والدہ کے پاس قیام کیا۔ یہ ایک بوڑھی خاتون تھیں جو ہر وقت بیٹھی رہتی تھیں اور اُٹھ بھی نہیں سکتی تھیں۔ جب اُنہوں نے محمد ﷺ بن قاسمؒ کو دیکھا تو بے حد مسرور ہوئیں اور کہا: خدا کی قسم! اے محمد ﷺ! میں تم پر اپنی جان اور اپنے خاندان کو قربان کر دوں، میں تمہارے زندہ سلامت ہونے پر خدا کا شکر ادا کرتی ہوں۔

پھر وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئیں جب کہ اس سے پہلے کئی برسوں سے کھڑی نہیں ہو سکتی تھیں، پھر آپ کافی عرصے تک ان کے پاس مقیم رہے جب کہ آپ کمر کی بیماری کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور ہو گئے اور پھر اسی تکلیف میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

احمد بن حارث الخراز سے منقول ہے کہ جب محمد بن قاسمؒ شہر کے مغربی جانب سے دریا عبور کر رہے تھے تو دریائے دجلہ عبور کرتے وقت آپ نے اپنے ہمراہ کشتی میں ایک بوڑھے کو دیکھا جو اُن افراد میں سے تھا، جنہیں آپ کی نگرانی سونپی گئی تھی۔ محمد ﷺ اسے دروازے کے پیچھے سے دیکھ رہے تھے اور انہیں پہچان لیا لیکن یہ بوڑھا انہیں نہ پہنچان سکا۔ جب آپ نے کشتی سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو ملاح نے اپ سے کہا: مجھے میری اُجرت (کرایہ) دو تو آپ نے اس کے سامنے قسم کھائی اور کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ اَونی

جبہ جو میں نے اس وقت پہن رکھا ہے اس کے سوا کوئی چیز میری ملکیت میں نہیں ہے۔ یہ سن کر اس بوڑھے کو آپ پر ترس آیا اور اس نے اپنی طرف سے ملاح کو ان کا کرایہ ادا کر دیا۔

احمد بن حارث الخراز سے یہ بھی منقول ہے کہ محمد بن قاسم معتصم اور واثق کے دورِ خلافت میں روپوش رہے، اور متوکل کے دور میں آپ کو پکڑ کر اس کے پاس بھیج دیا گیا تو اس نے آپ کو قید خانے میں ڈال دیا اور آپ قید خانے میں ہی دُنیا سے رخصت ہوئے۔ احمد بیان کرتا ہے: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ متوکل نے آپ کو زہر دیا تھا اور آپ اس زہر کی وجہ سے وفات پا گئے۔

عبید بن حمدون سے منقول ہے کہ میں نے عباد بن یعقوب سے سنا کہ وہ کہتا ہے: ایک دفعہ میں اور یحییٰ بن حسن بن فرات القراز، محمد بن قاسم کے ہمراہ چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر رقہ کی طرف سفر کر رہے تھے جب کہ ہمارے ہمراہ اس طبقہ کی ایک جماعت بھی تھی۔ جب ہمیں یہ پتا چلا کہ ان کے مذہب کے مطابق یہ معتزلہ کی آراء رکھتے ہیں تو ہم وہاں سے نکل آئے اور انہیں چھوڑ دیا۔ وہ یہ دیکھ کر رونے لگے اور ہمیں واپس لوٹنے کے لئے کہا لیکن ہم ان کے پاس واپس نہ گئے۔

(۶۰) ابو محمد حسن اطروش المعروف ناصر الکبیر

آپ ابو محمد حسن اطروش المعروف ناصر الکبیر بن ابوالحسن علی عسکری بن ابو محمد حسن بن علی بن عمر اشرف بن امام زین العابدین علیہ السلام بقول نسابہ کبیر عمری آپ کی کنیت ابو محمد تھی اور لقب ناصر الکبیر تھا آپ صاحب دیلم شاعر الفقیہ مصنف تھے آپ کی والدہ ام الولد تھیں بقول عمری کہ یہ قول میرے والد (ابوالغنائم نسابہ عمری) کا ہے۔

آپ ۲۹۰ ہجری کو مکتفی باللہ عباسی کے زمانے میں بلادِ دیلم میں داخل ہوئے اور بھوشم نامی جگہ پر قیام کیا پھر طبرستان کی طرف ایک عظیم لشکر کے ساتھ خروج کیا اور صعلوکا سامانی سے ۳۰۱ ہجری میں جنگ کی اور طبرستان پر حاکم ہوئے اور شعبان ۳۰۴ ہجری کو فوت ہوئے۔[1]

بقول سید جمال الدین ان عنبہ آپ زیدیہ سلسلہ کے امام اور دیلم کے بادشاہ صاحب مقالہ تھے اور زیدیوں میں ناصری آپ کی جانب منسوب ہیں۔ آپ محمد بن زید داعی کے ساتھ طبرستان میں تھے جب وہ رافع پر غالب آئے طبرستان کو فتح کیا اور اسے پکڑ کر ہزار تازیانے مارے گئے۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۴۹

آپ دیلم میں قیام پذیر ہوئے اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ لوگوں کو اللہ اور اسلام کی طرف بلاتے رہے یہ تبلیغ ۱۴ سال کی تھی اس دوران کافر اور مجوسی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ آپ جمادی الاول سن ۳۰۱ ہجری میں طبرستان میں داخل ہوئے اور تین سال اور تین ماہ حکومت کی یہاں آپ ناصر الحق کے نام سے مشہور ہوئے۔

بڑی تعداد میں لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے آپ نے آمل شہر میں بمطابق ۳۰۴ ہجری وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ۹۵ یا ۹۹ سال تھی۔[1]

حسن اطروش طبرستان کے تیسرے علوی حاکم تھے آپ ایک عادل فرما روا تھے۔ تاریخ طبری کے مطابق اہل طبرستان آپ کی حکومت کی طرح کسی اور کی حکومت کو عادلانہ نہیں مانتے۔ انہوں نے اہل طبرستان کو مسلمان اور شیعہ کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

پیدائش:

بعض مصادر میں آپ کی پیدائش کا سن ۲۳۰ ہجری بیان ہوا ہے۔ آپ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی۔[2]

اور آپ کوفہ اور دوسرے شہروں کے مشائخ کے حضور حدیث نقل کرتے تھے۔ ناصر الکبیر اور مذکورہ مشائخ نے ایک دوسرے سے روایات نقل کی ہیں۔[3]

طبرستان پر حکومت اور تبلیغ اسلام:

ناصر الکبیر، حسن بن زید داعی الکبیر (۲۵۰-۲۷۰) اور محمد بن زید (۲۷۰-۲۸۷) طبرستان کے اول اور دوم علوی حکمرانوں کی حکومت کے دوران ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ محمد بن زید حسنی کے قتل کے بعد انہوں نے ۱۴ سال تک گیلان اور دیلم میں اسلام کی تبلیغ کی۔

ناصر الکبیر نے ۳۰۱ ہجری میں طبرستان میں علویوں کی تیسری حکومت قائم کی اور خود تیسرے حاکم بنے انہوں نے طبرستان کے علاوہ دیلم و گیلان کے مشرقی علاقوں پر بھی حکومت کی ان کی حکومت کا مرکز شہر

---

[1] عمدۃ الطالب فی نسب آل ابی طالب ص ۲۸۳، ۲۸۴

[2] الافادہ فی تاریخ الائمۃ السیادہ از ناطق بالحق ص ۵۰

[3] البساط از اطروش حسن ص ۶۵ تا ۷۵، ۵۶ تا ۵۸، تحقیق عبدالکریم احمد جدبان صعدہ یمن، طبقات زیدیہ الکبریٰ از شہاری ج ۲ ص ۱۱۱۳

''آمل'' تھا وہ ۳۰۴ ہجری میں ۷۵ سال کی عمر میں اپنی وفات تک حاکم رہے۔[1]

بقول ابن اسفند یار ''در کتاب تاریخ طبرستان'' کہ ناصر الکبیر نے آخری عمر میں حکومت ترک کر دی تھی اور نقل کیا ہے کہ حکومت ترک کرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے ان کی طرف رجوع کیا تا کہ ان سے فقہ اور احادیث میں استفادہ کر سکیں۔[2]

ان کے بعض اقدامات میں علماء اور دانشمندان کی حمایت، سادات کو طبرستان میں بسنے کی داعوت قرآن کریم کی تعلیم، شعراء کی تشویق، مساجد کی تاسیس، اسی طرح سے فقہ اور حدیث اور تفسیر قرآن کی تدریس جیسے امور ذکر ہوئے ہیں۔

تاریخی مصادر سے معلوم ہوتا ہے طبرستان کے لوگوں کے مسلمان اور شیعہ ہونے میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔[3]

اس بنیاد پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایک دن میں ۱۴ ہزار لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔[4]

ناصر الکبیر کا مسلک:

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ جو چوتھی صدی ہجری کے بزرگ ترین شیعہ علماء میں سے تھے اور ناصر الکبیر والدہ کی طرف سے ان کے جد ہیں اگر چہ ان کے علم و زہد، فقاہت اور شمال میں اسلام کے فروغ کو ان کی کاوشوں کا نتیجہ قرار دیا لیکن انہوں نے ان کے مسلک کا ذکر نہیں کیا۔[5]

سید جمال الدین ابن عنبہ نے اپنی کتاب عمدۃ الطالب میں آپ کو زیدی امام تحریر کیا ہے۔[6]

بقول سید صفی الدین محمد بابن طقطقی کہ حسن الناصر الاطروش بن علی العسکری جو کہ ناصر الکبیر صاحب دیلم، فقیہ، شاعر مصنف اور امام زیدیہ تھے بلکہ ایک بڑے زیدی امام تھے۔[7]

محمد واعظ زادہ خراسانی کے مطابق کتاب ناصریات جو سید مرتضیٰ علم السیدی کی تالیف ہے جس میں

---

[1] مجموعہ مقالات ہمائیش بین الملکی ناصر الکبیر از موسوی نژاد: ص ۲۹
[2] تاریخ طبرستان از ابن اسفند یار ص ۲۷۵
[3] مجموعہ مقالات ہمائیش بین الملکی ناصر الکبیر ص ۱۶۲ تا ۱۶۵
[4] مجموعہ مقالات ہمائیش از موسوی نژاد: ص ۱۶۸، اخبار آئمہ زیدیہ ص ۲۱۳
[5] مسائل الناصریات از سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ص ۳۸
[6] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از جمال الدین ابن عنبہ ص ۲۸۳
[7] الاصیلی فی انساب الطالبین از ابن طقطقی ص ۲۷۸

سید مرتضیٰ نے ناصر کبیر کے آرائے فقہی پر حاشیہ لگائے ہیں اس کتاب سے ایک شیعہ امامی و زیدیہ عالم کے درمیان روح مفاہمت کا اندازہ ہے کہ جس کی بنیاد پر ناصر الکبیر کے زیدیہ مسلک ہونے کا پتہ چلتا ہے۔[1]

نجاشی جو پانچویں صدی کے شیعہ ماہر رجال علماء سے تھے نے امامت پر ناصر الکبیر کے اعتقاد کا تذکرہ کیا ہے اور امامت، فدک، خمس اور شہادت جیسی کتابوں کو ان کی طرف نسبت دی ہے۔ نجاشی کے بقول ناصر الکبیر کی ایک کتاب شجرے و امام زمانہ تک فرزندان آئمہ کے سلسلہ میں بھی تھی۔[2]

فضائل:

تاریخی اور رجالی مصادر نے ان کی حکومت کے عادلانہ ہونے اور اِسی طرح ناصر الکبیر کے فقہ اور دیگر علوم سے آشنا ہونے کا ذکر کیا ہے آپ عادل بادشاہ تھے۔ انکے معاصر محمد ابن جریر طبری نے بھی اجرائے عدالت کی وجہ سے ان کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ طبرستان کے لوگ کسی بھی حکومت کو ناصر الکبیر کی حکومت کی طرح عادلانہ نہیں مانتے۔[3]

بقول ابو ریحان البیرونی کہ ناصر اطروش نے مکھیا اور چوہدری والے نظام اور مال و بیوی بچوں پر ان کی مالکیت کا خاتمہ کیا اور عوام میں سب کو ایک درجہ قرار دیا۔[4]

سید مرتضیٰ کے مطابق ناصر الکبیر کا علمی مرتبہ زہد اور فقاہت سب کے لئے عیاں ہے وہ علماء فقہاء کے ساتھ مناظرے اور اسی طرح سے مطالعہ حدیث کے لئے جلسات منعقد کیا کرتے تھے۔

تالیفات:

بعض منابع میں ناصر کبیر کی تالیفات کی تعداد ۳۰۰ ذکر ہوئی ہے۔[5]

ابن ندیم نے اپنی کتاب فہرست میں ان کے دس سے زیادہ فقہی رسائل کا نام پیش کرنے کے بعد بعض زیدیوں کے دعویٰ کا ذکر کرتے ہیں جو ان کی تالیفات ۱۰۰ تک مانتے ہیں۔[6]

---

[1] مسائل ناصریات از سید مرتضیٰ، تحقیق مرکز البحوث والدرسات العلمیہ تہران ص ۳۸

[2] رجال نجاشی از نجاشی ص ۵۷، ۵۸

[3] تاریخ طبری از ابن جریر طبری طبع بیروت ج ۱۰ ص ۱۴۹

[4] آثار الباقیہ از البیرونی ص ۲۶۸

[5] التحف شرح زلف از حسنی مویدی ص ۱۸۶

[6] الفہرست از ابن ندیم ص ۲۷۳، ۲۷۴ نشر دار المعرفہ بیروت

نجاشی نے بھی ان کی بعض کتب کے نام کا ذکر کیا ہے۔

الاحتساب:

اسلامی ریاستوں میں امور حسبیہ کے اجراء کے سلسلہ میں اولین کتاب میں سے ہے جو کچھ انہوں نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے اسکے مطابق امام یا نمائندہ امام یعنی محتسب کو چاہیئے کہ وہ کوچہ و بازار میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو روکے۔[1]

وہ اِسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت کی بناء پر زیارتِ قبور کو مباح اور میت پر عورتوں کے نوحے و جنازہ کے ساتھ ان کی ہمراہی کو جائز نہیں جانتے۔[2]

البساط:

ان کی ایک کتاب علم الکلام کے موضوع پر جس میں توحید، معرفت خداوند۔ اسی طرح بندوں کے حق میں عدل خداوندی کے بارے میں بحث کی گئی ہے یہ کتاب ناصر کبیر نے اپنے شاگردوں کیلئے تحریر کی تھی۔[3]

مسائل الناصریات:

ناصر کبیر کی ایک فقہی کتاب بھی ہے جو مسائل ناصریات کے نام سے ایک مستقل کتاب ہے جس پر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے ان کے نظریوں کے ساتھ اپنے فقہی نظریات کا ذکر کیا ہے۔

وفات:

حسن اطروش ناصر الکبیر نے تین سال تین ماہ حکومت کرنے کے بعد ۲۵ شعبان ۳۰۴ ہجری کو آمل میں وفات پائی۔ اور انہیں آمل میں قاسم بن علی کے گھر میں دفن کیا گیا۔

ان کی قبر ہمیشہ زیدیوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی اور ابن اسفند یار نے آٹھویں صدی ہجری میں ان کے مزار کو زیارت گاہ واہل زُہد کے لئے محل سکونت کے طور پر پیش کیا۔[4]

اور ساتویں صدی ہجری تک اس کے ساتھ کتب خانہ موجود تھا۔ نویں صدی ہجری میں حاکم مازندران

---

[1] درس نامہ تاریخ وعقائد زیدیہ ص ۱۰۵ از فرمانیان

[2] درس نامہ تاریخ وعقائد زیدیہ از فرمانیان ص ۱۰۵

[3] نقش وعملکرد ناصر کبیر در نشر اندیشۂ شیعی در طبرستان ص ۵۸

[4] تاریخ طبرستان از ابن اسفند یار ج ۱ ص ۹۷

سید علی مرعشی نے ایک بار پھر سے اس پر ایک بارگاہ تعمیر کرائی جو اب تک باقی ہے۔[1]

اولاد حسن اطروش المعروف ناصر الکبیر:

بقول نسابہ کبیر عمری علوی آپ کی دس اولادیں تھیں جس میں پانچ دختران تھیں: (۱) میمونہ (۲) مبارکہ (۳) زینب (۴) ام محمد (۵) ام الحسن اور پانچ فرزند تھے: (۱) زید (۲) محمد (۳) جعفر (۴) علی (۵) احمد۔[2]

بقول ابن عنبہ کہ آپ کے پانچ فرزند تھے: (۱) زید (۲) ابوعلی محمد مرتضیٰ (۳) ابوالقاسم جعفر ناصرک (۴) ابوالحسن علی المجل (۵) ابوالحسین احمد صاحب جیش۔

اول: زید بن حسن اطروش المعروف ناصر کبیر:

آپ کی اولاد کا تذکرہ موجود نہیں۔

دوم: ابوعلی محمد مرتضیٰ بن ناصر کبیر:

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) حسین (۲) علی المحدث

سوم: ابوالحسن علی المجل بن ناصر الکبیر:

آپ مذہب شیعہ امامیہ پر تھے اور آپ نے زیدیہ کی ہجو گوئی کی۔

اور آپ نے زیدیوں کے نظریات کے رد میں قصیدہ نظم کیا۔[3]

بقول ابن اثیر آپ کی وفات ۳۱۲ ہجری کو ہوئی۔ بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابوعبداللہ محمد اطروش (۲) حسن جبکہ امام فخر الدین رازی نے تیسرا فرزند (۳) ابوعلی محمد الشریف بھی لکھا جن کی اولاد طبرستان میں بنی سمین سے مشہور تھی۔[4]

چہارم: ابوالقاسم جعفر ناصرک بن ناصر الکبیر:

آپ کے دو فرزند تھے: (۱) ابوجعفر محمد الفانا (۲) ابومحمد حسن نقیب بغداد۔

---

[1] تاریخ طبرستان و رویان و مازندران از ظہیر الدین مرعشی ص ۱۴۸

[2] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۳۵۰

[3] علویان طبرستان از حکیمیان ص ۹۷

[4] شجرۃ المبارکہ از امام فخر الدین رازی ص ۱۳۸

پنجم: ابوالحسین احمد بن ناصر الکبیر:

آپ اپنے والد کی فوج کے سردار تھے۔ آپ کے تین فرزند تھے: (۱)ابوجعفر محمد (۲) ابوالحسن محمد (۳)ابومحمد حسن ناصر صغیر

ان میں ابومحمد حسن ناصر صغیر بن ابوالحسین احمد کی اولاد میں ایک دختر فاطمہ بھی تھیں جس کی شادی ابو احمد حسین بن موسیٰ بن محمد اعرج بن ابوسبحہ موسیٰ بن ابراہیم بن امام موسیٰ کاظم سے ہوئی تو آپ کے دوفرزند: (۱)علم الہدیٰ سید مرتضیٰ اور (۲) شریف رضی تولد ہوئے۔[1]

(۶۱) حسن افطس بن علی اصغر بن امام زین العابدینؑ

علی اصغر امام زین العابدین کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ بقول نسابہ کبیر شیخ ابوالحسن عمری علوی آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور آپ جناب زید شہید اور عمر الاشرف کے مادری پدری بھائی تھے آپ کی وفات تیس سال کی عمر میں ینبع میں ہوئی آپ کی قبر بھی ینبع میں بنائی گئی آپ کی اولاد میں فقط ایک فرزند حسن الافطس تھے جب علی اصغر بن امام زین العابدین کی وفات ہوئی تو حسن افطس حمل میں تھے۔[2]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی کی نسابین کی رو سے ابوجعفر محمد بن محمد معیہ نسابہ نے اپنے مبسوط میں شعر درج کیا:

افطیسون انتم اسکتوا لا تکموا

بقول شیخ عمری آپ کے بارے میں ابن طباطبا کی طرف ایک قول کی نسبت دی جاتی ہے وہ قول طعن کے نزدیک ہے۔[3]

بقول ابی نصر بخاری کہ حسن افطس اور امام جعفر صادق کے مابین تلخ کلامی ہوئی جس کی وجہ سے ان پر طعن لگایا گیا لیکن یہ طعن نسب پر نہیں تھا۔[4]

بقول ابوالحسن عمری کہ شیخ شرف عبیدلی نے ایک کتاب تحریر کی اور میں نے ان کی تحریر اپنی آنکھوں سے دیکھی اس کتاب کا نام ''الانتصار لبنی فاطمۃ الابرار'' تھا اس میں شیخ شرف عبیدلی نے کہا کہ حسن الافطس اور

---

[1] مدرک الطالب فی نسب آل الطالب از قمر عباس اعرجی ص ۱۹۰
[2] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۴۱۶
[3] عمدۃ الطالب ص ۳۱۱
[4] سر سلسلۃ العلویہ ص ۷۷ ابی نصر بخاری

انکی اولاد صحیح النسب ہے اور اس طعن پر تنقید کی اور بقول عمری جرائد اور شجرات سے اس طعن کو دفع نہیں کیا گیا۔
بقول عمری کہ میں نے اپنے شیخ ابوالحسین ابن کتیلہ نسابہ سے بنی افطس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا بنی افطس صحیح ہے اور یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اور ان کے لئے بھی کافی ہے پھر ابوالحسن عمری نے اپنے والد ابوالغنائم عمری صوفی سے حسن الافطس کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے انہیں طعن سے بری کیا۔[1]

بقول ابی نصر بخاری کہ حسن الافطس بن علی اصغر بن امام سجادؑ نے محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے ساتھ خروج کیا اور ان کے ہاتھ میں سفید پرچم تھا۔ یہ آزمودہ کار تھے اور کسی شخص نے اتنی شجاعت اور صبر کے ساتھ محمد نفس ذکیہ کے ساتھ خروج نہیں کیا۔[2]

جبکہ بقول عمری کہ جب حسن الافطس کے ہاتھ میں خروج کے دن زرد رنگ کا علم اٹھایا ہوا تھا۔

بقول شیخ ابی نصر بخاری کہ جب محمد نفس ذکیہ کی شہادت ہوئی تو حسن الافطس روپوش ہو گئے اور جب امام جعفر صادق عراق تشریف لائے تو ابوجعفر منصور دوانقی سے فرمایا میرے چچا زاد حسن الافطس سے درگزر کرو تو انہیں معاف کر دیا گیا۔[3]

بقول ابی الحسن عمری کہ کتاب ابی الغنائم حسین نے خبر دی کہ اسے ابن خداع نسابہ مصری نے اور اِسے عبیداللہ بن فضل طائی نے اور اسے ابن سباط نے اور اسے حمید الراسی نے اور اسے سالمہ کنیز امام محمد الصادقؑ نے خبر دی اور وہ کہتی ہے کہ جب امام جعفر صادقؑ بیمار ہوئے تو اپنے بیٹے امام موسیٰ کاظم کو بلایا اور فرمایا اے فرزند حسن الافطس کو ستر اشرفیاں اور فلاں فلاں چیز بھی دو۔ سالمہ کہتی ہے کہ میں امام جعفر صادق کے قریب گئی اور عرض کیا آپ حسن الافطس کو دے رہے ہیں حالانکہ وہ آپ کی کمین گاہ میں بیٹھا تھا اور آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا تو امام صادقؑ نے فرمایا اے سالمہ کیا تو چاہتی ہے کہ میں ان اشخاص میں سے ہو جاؤں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ولقطعیون ما امر اللہ بہ ان یوصل۔
"قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کے وصل کا حکم خدا دیتا ہے۔"

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص۴۱۶
[2] سر سلسلۃ العلویہ ص۷۷
[3] سر سلسلۃ العلویہ ص۷۷،۷۸

یعنی امام صلہ رحمی کے بارے میں فرما رہے تھے۔[1]

بقول جمال الدین ابن عنبہ کہ ابی نصر بخاری نے اسی حکائیت کو تھوڑے تغیر کے ساتھ رقم کیا ہے اور کہا کہ میں نے ایک جماعت سے سنا ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی موت پر اپنے قبیلے کو وصیت کی کہ حسن الافطس بن علی بن امام زین العابدین کو ۸۰ دینار دینا۔ اس وقت ایک بوڑھی عورت گھر میں تھی اس نے امام سے کہا آپ یہ حکم اس کے لئے دے رہے ہیں جو گھر میں گھس کر خنجر سے آپ کو مارنا چاہتا تھا۔

تو امام جعفر صادق نے فرمایا تو کیا چاہتی ہے کہ میں ان میں سے ہو جاؤں جن کے لئے اللہ نے فرمایا:

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ۔[2]

''یعنی قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کے وصل کا حکم خدا دیتا ہے۔''

یعنی اس واقع کے بعد بھی امام نے ان کے لئے ۸۰ یا ۱۰۰ دینار چھوڑے اور بقول ابی نصر بخاری کہ یہ واقعہ شہادت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے کہ حسن افطس بھی اولاد رسول تھے۔[3]

آپ کی طویل القامت ہونے کی وجہ سے آپ کو ''رمح آل ابی طالب'' یعنی آل ابی طالب کا نیزہ کہا جاتا تھا۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی والدہ ام الولد سندھی خاتون تھیں۔

اولاد حسن الافطس بن علی اصغر بن امام زین العابدین:

بقول عمری کہ نسابہ ابن دینار کی روایت کے مطابق حسن الافطس کی چار صاحبزادیاں تھیں (۱) حسنہ (۲) فاطمہ (۳) کلثوم (۴) خدیجہ اور آپ کے پسران میں: (۱) عبداللہ شہید برامکہ (۲) عمر (۳) حسن مکفوف (۴) حسین (۵) علی (۶) زید (۷) محمد (۸) عبداللہ اصغر (۹) حسن اصغر (۱۱) حسین اصغر (۱۲) قاسم (۱۳) جعفر تھے۔

عبداللہ، حسن اصغر اور حسین اصغر کی اولاد نہیں تھی جعفر بن حسن افطس کی صرف بیٹیاں تھیں۔

قاسم بن حسن افطس کا بھی بیٹا تھا۔

محمد بن حسن افطس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۷

[2] سورۃ البقرۃ: ۲۷

[3] عمدۃ الطالب فی نسب آل ابی طالب ص ۳۱۲

اور زید بن حسن افطس کی اولاد کا ذکر طولانی نہیں ہے[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ حسن افطس کی اولاد پانچ پسران سے جاری ہوئی: (۱) علی الحریری (۲) عمر (۳) حسین (۴) حسن مکفوف (۵) عبداللہ الشہید قتیل برامکہ ہے[2]

اول علی الحریری بن حسن الافطس:

آپ کا نام المجدی فخری اور لباب میں علی خرزی لکھا ہے جبکہ عمدۃ الطالب میں علی حریری تحریر کیا گیا ہے۔ آپ کی والدہ عبادہ یا مائیدہ تھیں اور کتاب الباب میں ان کا نام عابدہ تحریر ہے۔

آپ شاعر تھے اور فصاحت میں کمال تھے آپ نے عمر العثمانیہ کی بیٹی سے نکاح کیا جو آپ سے پہلے خلیفہ مہدی عباسی کے نکاح میں تھی جب خلیفہ ہادی کو معلوم ہوا تو اس کو یہ بات گراں گزری اس نے آپ کو حکم دیا کہ اس کو طلاق دو تو علی حریری نے فرمایا مہدی عباسی کوئی رسول تو نہیں کہ اس کی بیویاں اس کے بعد دوسروں پر حرام ہوں اور یوں طلاق دینے سے انکار کیا۔ خلیفہ ہادی اس بات سے آگ بگولہ ہو گیا اور آپ کو اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔[3]

بقول شیخ ابی نصر بخاری کہ ابن جریر نے ذکر کیا یہ قصہ علی بن حسین الاصغر سے تھا لیکن غلطی سے علی بن حسن الافطس سے منسوب ہوا۔[4]

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کو ہارون رشید نے قتل کیا۔ علی خرزی اور آپ کے بھائی زید، محمد اور عمر اور اس کے علاوہ آپ کی بہنوں، حسنہ، کلثوم، خدیجہ اور فاطمہ کی والدہ ام الولد "عایدہ" تھیں۔

اور علی خرزی کی چھ اولادیں تھیں جن میں: (۱) علیہ بنت حارثیہ (۲) علی ابن زبیریہ (۳) فاطمہ (۴) حسن (۵) حسین (۶) رقیہ

دوم: عمر بن حسن الافطس:

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ نے جنگ فخ کو دیکھا اور آپ کی کثیر اولاد آذر بائیجان قم اور اصفہان میں ہے۔ بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی اولاد پانچ پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابو طاہر ابراہیم (۲) ابو

---

[1] المجدی نسائی انساب الطالبین ص ۴۱۷

[2] عمدۃ الطالب از ابن عنبہ ص ۳۱۲

[3] عمدۃ الطالب ص ۳۱۲

[4] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۷۸، ۷۹

عبداللہ حسین قتی (۳) ابوالحسن محمد (۴) ابوالقاسم احمد (۵) عمر

جبکہ حسن الافطس کے فرزندان: عبداللہ شہید، حسن مکفوف اور حسین کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔

(۶۲) السید شہید ابوالفضل تاج الدین محمد بن مجد الدین حسین

آپ سید ابوالفضل تاج الدین محمد بن مجد الدین حسین بن علی بن زید بن داعی بن علی بن حسین بن حسن الفتح بن ابوالحسن علی بن ابومحمد حسن رئیس آبہ بن علی بن ابوعلی محمد حریری بن علی بن علی حریری بن حسن الافطس المذکور تھے۔

آپ کی شہادت کے بارے میں صاحب عمدۃ الطالب بیان فرماتے ہیں کہ آپ ابتداء امر میں واعظ تھے اور اپنا وقت مواعظ و نصائح میں بسر کرتے تھے۔ سلطان اولجاتیوء نے انہیں بلایا اور اپنے خواصِ دربار میں شامل کرلیا اور نقابتِ نقباء عراق، ملک رے، بغداد، خراسان اور فارس اور باقی ممالک کی ان کی عہدہ کفایت کے حوالے کردی لیکن رشید الدین طبیب جو کہ سلطان اولجاتیوء محمد کا وزیر تھا۔

اسے سید ابوالفضل تاج الدین محمد سے عداوت اور کینہ تھا اس کا سبب یہ تھا کہ مشہد ذی الکفل نبی علیہ السلام جو کہ حلہ اور کوفہ کے درمیان ایک بستی میں ہے کی زیارت کو آنے والے کچھ یہودیوں کو اس بستی میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور جس رات سے روکا تھا اس کی صبح کے وقت وہاں منبر نصب کیا گیا وہاں نماز جمعہ اور جماعت ہونے لگی رشید الدین طبیب چونکہ سید والا مرتب کے علو ومقام ومنزلت سے جو کہ انکو دربارِ سلطان میں حاصل تھی سے کینہ رکھتا تھا لہٰذا اس واقعہ سے اس کا کینہ اور حسد اور بڑھ گیا۔

اس نے سید کے قتل کے اسباب مہیا کیئے پس سید ابوالفضل محمد تاج الدین اور ان کے دو بیٹوں شمس الدین حسین اور شرف الدین علی کو رشید الدین طبیب کی قلبی میل کے مطابق دریائے دجلہ کے کنارے لے آئے پہلے دو بیٹوں کو اور پھر سید کو قتل کردیا۔ یہ واقعہ ۷۱۱ ہجری کا ہے ان کی شہادت کے بارے میں حنابلہ نے اپنی خباثت فِطری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سید جلیل کا بدن پارہ پارہ کردیا ان کے بال اکھاڑے اور ان کے مبارک بالوں کا ایک ایک دستہ ایک ایک ہزار دینار میں فروخت کیا۔ جب سلطان نے یہ واقعہ سنا تو بہت غمناک ہوا اس نے حنابلہ کے قاضی کو سولی پر لٹکانے کا فرمان جاری کیا کچھ لوگوں نے اس کی شفاعت کی تو اسے الٹا کر کے اندھے گدھے پر بیٹھا دیا اور اسے بغداد کے بازاروں میں پھرایا گیا۔

اس کے بعد حنابلہ میں سے کسی شخص کو قاضی مقرر نہ کیا گیا۔

آپ کے دو فرزند تھے: (۱) شمس الدین حسین، آپ لاولد تھے اور والد کے ہمراہ شہید ہوئے۔ (۲) سید شرف الدین علی آپ کی اپنے والد کے ہمراہ شہید ہوئے، مگر آپ کی اولاد آپ کے فرزند رضی الدین محمد سے چلی جو والد کے قتل کے وقت طفلگی میں تھے۔[1]

(۶۳) عبداللہ الشہید بن حسن افطس

بقول نسابہ کبیر ابوالحسن عمری عبداللہ بن حسن افطس بن علی بن امام زین العابدینؑ کی والدہ اور ان کی دو بہنوں، زینب اور ام عبداللہ کی والدہ آل نوفل بن عبد مناف میں سے تھیں۔ آپ حسین ابن علی عابد صاحب فخ کے ہمراہ تھے۔ حسین بن علی صاحب فخ کے بعد امر آپ کے سپرد تھا یعنی آپ حسین ابن علی کے وصی تھے۔ آپ کو جعفر بن یحییٰ بن خالد بن برمک نے ہارون رشید کی اجازت کے بغیر شہید کر دیا۔ اسی لئے ہارون رشید نے جعفر برمکی کو قتل کروایا۔ عبداللہ کا لقب شہید تھا اور آپ کی قبر سوق الطعام میں تھی۔[2]

بقول سید یحییٰ بن حسن مدنی نسابہ عقیقی عبید لی علوی۔

عبداللہ بن حسن افطس کی والدہ ام سعید بنت سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھیں۔[3]

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی کنیت ابو محمد تھی اور آپ کو ابن افطس کہا جاتا تھا۔ عبداللہ بن حسین بن زید بیان کرتے ہیں جس شخص نے عبداللہ بن حسن افطس کو معرکہ فخ میں دیکھا تھا اس نے مجھے بتایا کہ جنگ فخ کے دوران انہوں نے اپنے گلے میں دو تلواریں حمائل کر رکھی تھیں اور ان دو تلواروں کے ساتھ دشمن سے جنگ کر رہے تھے۔

یحییٰ سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن حمزہ سے سنا کہ فخ کے میدان میں عبداللہ بن حسن بن علی بن علی زین العابدین سے زیادہ خوبصورت آواز اور لحن کسی کا نہ تھا۔

شہادت عبداللہ بن حسن افطس:

نوفلی نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ ہارون رشید ہر وقت اولاد ابی طالب کی کھوج میں لگا رہتا تھا اور ان کے متعلق کچھ بھی معلوم ہوتا تو اس کے بارے میں استفسار کرتا ایک دن اس نے فضل بن یحییٰ

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۴۱۳، ۴۱۴

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۲۶

[3] المعقبین من ولد امام امیر المومنین از یحییٰ نسابہ ص ۹۹

سے پوچھا کیا تم نے خراسان میں اولادابی طالب میں سے کسی کا تذکرہ سنا ہے۔

فضل نے جواب دیا خدا کی قسم! میں نے اس حوالے سے کافی جستجو کی ہے لیکن ان میں سے میرے سامنے کسی کا کوئی تذکرہ نہ ہوا۔ میں نے صرف ایک بار ایک شخص سے سنا کہ وہ کسی جگہ کے متعلق بتا رہا تھا کہ یہاں پر عبداللہ بن حسن بن علی بن امام زین العابدینؑ قیام کرتے ہیں اور اس نے مزید کچھ نہ بتایا۔

ہارون رشید مدینہ گیا تو عبداللہ بن حسن افطس کو پکڑ کر ان کے سامنے لایا گیا تو ہارون نے عبداللہ سے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ تم زیدیوں کو جمع کر رہے ہو اور انہیں اپنے ساتھ حکومت کے خلاف خروج کی دعوت دے رہے ہو یہ سن کر عبداللہ نے کہا، اے امیر میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں میرا خون بہانے سے اجتناب کرو۔ خدا کی قسم! میرا اس گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی زیدیوں میں میرا کوئی ذکر ہے۔

میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے مدینہ میں پرورش پائی ہے۔ میں مدینہ کے صحراؤں میں پیدل چلتا ہوں اور شکرے (پرندہ) کا شکار کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرا اور کوئی شغل نہیں ہے۔ ہارون نے کہا تو نے سچ کہا لیکن میں تمہیں اپنے گھر میں ٹھہرا کر تمہارے اوپر ایک شخص کو معین کروں گا جو ہر وقت تمہارے ساتھ رہے گا اور تمہارے پاس جو شخص آتا جاتا ہے وہ اس سے مخفی نہ رہے گا۔

اگر تم حمام جاؤ یا تفریح کرنا چاہو تو اس میں تمہیں پوری آزادی ہے اس پر عبداللہ نے کہا اے امیر میں آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں میرے قتل کے درپے نہ ہوں۔ خدا کی قسم! اگر تم میرے ساتھ ایسا کرو گے تو میرے دل میں مختلف قسم کے وسوسے پیدا ہوں گے اور میری عقل جاتی رہے گی لیکن ہارون رشید نے عبداللہ کا عذر قبول نہ کیا اور ان کو قید کر دیا۔

ہارون رشید یونہی حیلے بہانے کرتا رہتا یہاں تک کہ عبداللہ کا ایک رقعہ ہارون رشید کے پاس پہنچا تو اسے اپنے مکروفریب اور ناپاک ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مل گیا۔ عبداللہ نے مہر شدہ ایک رقعہ ہارون کی طرف بھیجا جبکہ اس میں ہر قبیح کلام اور نازیبا الفاظ تحریر کیئے۔ جب ہارون رشید نے اس کو پڑھا تو پڑھ کر پھینک دیا اور کہا اس جوان کا سینہ گھٹن کا شکار ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ خود کو قتل ہونے کیلئے پیش کر رہا ہے لیکن اس کا یہ فعل مجھے اس کے قتل پر نہیں ابھارتا۔ اس کے بعد ہارون رشید نے جعفر بن یحییٰ برمکی کو بلا کر حکم دیا کہ عبداللہ کو اپنے پاس منتقل کرو اور اس پر قید کے دوران سختیاں کرو۔

اس سے اگلا دن نوروز کا دن تھا تو جعفر بن یحییٰ نے عبداللہ کو بلا کر ان کی گردن اڑا دی اور ان کا سر دھو کر ایک رومال میں لپیٹ دیا پھر ان کے سر کو دیگر تحائف کے ساتھ ہارون رشید کو بطور تحفہ پیش کیا تو ہارون نے

ان تحائف کو قبول کرلیا جب اس نے رومال ہٹا کر عبداللہ بن حسن افطس کا سر دیکھا تو اسے یہ فعل سخت برا محسوس ہوا اور اس نے جعفر بن یحییٰ سے کہا تجھ پروائے ہو تونے اسے کیوں قتل کیا۔ جعفر برمکی نے جواب دیا اس نے امیر (ہارون رشید) کو جو کچھ تحریر کیا تھا میں نے اس کے ردعمل میں اسے قتل کیا۔

ہارون نے کہا تجھ پروائے ہو تمہارا میری اجازت کے بغیر اسے قتل کرنا ان کے اس فعل سے زیادہ برا ہے۔ پھر ہارون رشید نے حکم دیا کہ عبداللہ کے غسل اور دفن کا انتظام کیا جائے۔ جب ہارون نے جعفر بن یحییٰ کو قتل کروانے کا ارادہ کیا تو مسرور سے کہا جب تم اسے قتل کرنے لگو تو اس سے کہنا چونکہ تم نے ہارون کے چچا کے بیٹے عبداللہ بن حسن افطس کو ہماری اجازت کے بغیر قتل کیا تھا لہٰذا اس کے بدلے میں تمہیں قتل کیا جارہا ہے۔ پھر مسرور نے جعفر بن یحییٰ برمکی کو قتل کرتے وقت یہی کلمات بیان کئے۔[1]

اولاد عبداللہ الشہید بن حسن افطس:

بقول عمری آپ کی پانچ اولادیں تھیں: (۱) محمد (۲) عباس (۳) زینب (۴) فاطمہ (۵) ام سعید، ان میں محمد کی والدہ حسینیہ اور زینب کی والدہ قریشہ تھیں باقی سب ام الولد سے تھے۔

اول عباس بن عبداللہ الشہید:

بقول شریف عمری آپ کے فرزند عبداللہ ابیض تھے اور عبداللہ ابیض بن عباس کے آگے تین فرزند تھے: (۱) علی (۲) حسین (۳) عباس

ان میں علی بن عبداللہ ابیض کے فرزند محمد جو آمل میں متولی القضاء تھے اور ان کے اولاد تھی جبکہ عبداللہ جو شاعر تھے اور ابوالقاسم ابنان حسین بن عبداللہ ابیض المذکور تھے۔[2]

جبکہ بقول ابی نصر بخاری عبداللہ بن حسن افطس کی اولاد میں ابوعبداللہ حسین ابیض الرازی بن عبداللہ بن عباس بن عبداللہ بن حسن افطس المذکور تھے جو کہ سن ۳۱۹ میں ''رے'' میں فوت ہوئے اور ان کا وہاں مزار ہے، یہ منقرض ہوئے۔[3]

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی افرج اصفہانی (عربی) تحقیق سید احمد صقر منشورات شریف رضی ص ۴۰۹ تا ۴۱۱

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۲۶

[3] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۷۹، ۸۰

(۶۴) حسین بن حسن افطس بن علی اصغر بن امام زین العابدینؑ

بقول نسابہ یحییٰ بن حسین مدنی عقیقی عبیدلی آپ کی والدہ جویریہ بنت خالد بن ابی بکر بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر ابن خطابؓ تھیں۔[۱]

بقول ابن عنبہ کہ کہا ابی نصر بخاری نے کہ آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔[۲]

بقول نسابہ کبیر ابوالحسن عمری کہ حسین بن حسن افطس ایام ابی السرایا میں مکہ میں ظاہر ہوئے اور کعبہ کا مال لے لیا۔ آپ کی والدہ خطابیہ تھیں (یعنی خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھیں)۔[۳]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ نے محمد دیباج بن امام جعفر صادق کی طرف سے مکہ میں خروج کیا اور لوگوں کو محمد ابن ابراہیم طباطبا ابن اسماعیل بن ابراہیم غمر بن حسن مثنیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے اور کعبہ سے مال اٹھالیا یعنی اپنے قبضے میں لے لیا۔[۴]

بقول ابی نصر بخاری کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ حسین، افطس تھے یعنی افطس کا اصل لقب حسین کا تھا نہ کہ ان کے والد حسن کا۔ لوگوں نے ان پر طعن کیا کیونکہ ان کی سیرت اچھی نہ تھی۔ جمال الدین بن عنبہ نے آپ کی اولاد (۱) حسن اور عبداللہ سے لکھی بقول ابی نصر بخاری آپ کی اولاد میں: (۱) محمد (۲) علی (۳) حسن (۴) فاطمہ تھے اور ان سب کی والدہ امینہ بنت حمزہ بن منذر بن زبیر بن عوام تھیں۔

احمد کی والدہ بھی زبیریہ تھیں۔ عبداللہ اور جعفر ام الولد سے تھے۔[۵]

بقول شریف عمری علوی نسابہ کبیر آپ کے تین فرزند تھے: (۱) جعفر (۲) عبداللہ (۳) حسن

اول جعفر بن حسین بن حسن افطس:

عبداللہ بن عبدالحمید بن جعفر الملک ملتانی بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن امام علیؑ کے اصحاب میں سے تھے اور ''بجہ'' پر قبضے کے بعد قتل ہو گئے۔

بقول عمری آپ کے تین پسران تھے۔

۱۔ المعقبین از یحییٰ نسابہ مدنی ص ۹۹
۲۔ عمدۃ الطالب ص ۳۱۵
۳۔ المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۸
۴۔ عمدۃ الطالب ص ۳۱۶
۵۔ سر سلسلۃ العلویہ ص ۷۹

دوم حسن بن حسین بن حسن افطس:

آپ کی والدہ زبیر یہ تھیں بقول امام فخر الدین رازی آپ کے پانچ فرزند تھے: (۱) ابوالحسن علی دینوری (۲) ابوالقاسم ابراہیم (۳) ابوعبداللہ حسن اصغر (۴) ابوالفضل محمد اکبر۔

ان میں ابوالحسن علی دینوری بن حسن بن حسین عالم فاضل شجاع اور فصیح تھے۔ بقول ابی الحسن عمری بہ تعلیق عن ابی عبداللہ ابن طباطبا کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت پچاس ہزار دینار چھوڑے۔ آپ کی پیدائش سن ۱۸۹ ہجری کی تھی اور آپ کی عمر ۸۵ سال تھی جس میں کہ اختلاف موجود ہے اور آپ کی وفات ۲۷۴ ہجری میں ہوئی۔

بقول عمری آپ نے امام محمد تقی علیہ السلام کے حکم سے دینور کی طرف ہجرت کی۔ آپ صاحب علم و فضل تھے۔ آپ کے بقول عمری دو فرزند: (۱) احمد (۲) محمد تھے۔[۱]

جبکہ امام فخر الدین رازی نے آپ کے دس فرزند تحریر کئے ہیں جن میں: (۱) محمد اصغر ابوجعفر بتفلیس (۲) ابو طاہر جعفر کے اعقاب قلیل تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے اعقاب میں لڑکیاں تھیں (۳) ابواسحاق طاہر اعقاب دینور تھے (۴) ابوالحسن عبداللہ صاحب اولاد تھے (۵) ابوالفضل عبداللہ صاحب اولاد تھے (۶) ابوالقاسم حمزہ شعرانی صاحب اولاد تھے (۷) ابوعبداللہ حسن الرازی آپ کی اولاد تھی (۸) ابوالطیب قاسم اولاد قلیل تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے آپ درج تھے جو درست معلوم ہوتا ہے (۹) ابوالعباس احمد اولاد قلیل تھی (۱۰) ابومحمد حسن اولاد کثیر تھی۔

ابوالحسن علی دینوری میں حسن بن حسین کی اولاد کے بارے میں امام فخر الدین رازی نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ ان کی اعقاب میں مجہول بھی ہیں۔[۲]

سوم محمد بن حسین بن حسن افطس:

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ کا نام امینہ بنت حمزہ بن منذر بن زبیر بن عوام تھا۔ آپ ایام ابی سرایا سری بن منصور شیبانی میں یمن میں شہید ہوئے۔[۳]

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۹، ۴۲۰

[۲] شجرۃ المبارکہ از امام فخر الدین رازی ص ۱۷۸

[۳] مقاتل الطالبین (عربی) از ابی الفرج اصفہانی ص ۴۲۳

(۶۵) محمد بن عبداللہ الشہید قتیل برامکہ بن حسن افطس

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی کنیت ابوجعفر تھی آپ کی والدہ زینب بنت موسیٰ بن عمر الاشرف بن امام زین العابدینؑ تھیں۔

ابراہیم بن ابی محمد بریدی سے منقول ہے کہ مامون رشید کے دور خلافت میں جب معتصم اس کا ولی عہد تھا تو ہم معتصم کے پاس موجود تھے۔ معتصم نے لوہے کا ایک راڈ لیا اور اسے بلند کرتے ہوئے اس کے آٹھ ٹکڑے کردیئے پھر اس نے لوہے کا یہ راڈ اپنے ہاتھ سے عباس بن علی بن ریطہ کی طرف اچھال دیا اس نے اپنے ہاتھ سے اس کے سات ٹکڑے کردیئے پھر اس نے یہ راڈ پھینک دیا جبکہ وہ لوگ اسے ہاتھ سے یوں ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں فضل وقدرومنزلت سمجھتے تھے۔

معتصم نے محمد بن عبداللہ بن حسن افطس سے کہا اے ابوجعفر! کیا آپ اس کے ٹکڑے نہیں کروگے آپ کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے؟

محمد بن عبداللہ بن حسن افطس نے کہا کیا تم مجھے یہ بات کہہ رہے ہو۔ یہ راڈ مجھے پکڑاؤ معتصم نے لوہے کا راڈ ان کی طرف پھینکا تو آپ نے فضا میں اچھالتے ہوئے مختلف جانب پلٹاتے ہوئے اس کے سولہ ٹکڑے کردیئے۔ یہ دیکھ کر معتصم کا رنگ زرد اور سرخ ہوگیا۔ معتصم محمد بن عبداللہ الشہید کے بارے میں مامون رشید سے بات چیت کیا کرتا تھا کہ انہیں بھی کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو مامون نے انہیں بصرہ کی ذمہ داری سونپ دی۔

جب محمد بن عبداللہ شہید نے اپنے ہاتھ سے راڈ پھینکا تو معتصم نے ان سے کہا اب آپ مجھے الوادع کہہ کر اپنے مشن پر روانہ ہوجائیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب محمد بن عبداللہ روانہ ہونے کے لئے باہر نکلے تو معتصم زہر آلود شربت لے کر ان کے پیچھے پیچھے نکلا اور پاس پہنچ کر کہا، میں یہ چاہتا ہوں آپ یہ شربت پی لیں مجھے آپ کی یاد آئی تو مجھے یہ اچھا لگا۔ میں نے چاہا کہ آپ نے یہ شربت نوش کریں اس لئے میں یہ جام لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ جب آپ نے شربت پیا تو اسی وقت شہید ہوگئے۔[1]

بقول ابن عنبہ آپ کی جمہور اولاد ابوالحسن علی بن حسین مدائنی بن زید بن ابوالحسن علی الملقب طلحہ بن امیر محمد الشہید المذکور سے جاری ہوئی۔

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۴۶۱: (عربی) تحقیق سید احمد صقر منشورات شریف رضی

(٦٦) بنوزبارہ

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ بنوافطس میں اس گھرانے کی مثال اور کوئی گھرانہ نہیں ہے جیسا کہ بنوزبارہ ہے اور بنوزبارہ کا نسب ابی جعفر احمد زبارہ بن محمد اکبر بن عبداللہ مفقود بن حسن مکفوف بن حسن افطس بن علی اصغر بن امام زین العابدینؑ تک جاتا ہے ابوجعفر احمد زبارہ کا لقب زبارہ اس لئے تھا کہ مدینے میں جب وہ غصے میں آتے تو ایسا معلوم پڑتا تھا کہ غضبناک شیر ہیں آپ مدینہ کے رہائشی تھے۔

آپ کو اہل طبرستان نے خط لکھا کہ اور زید بن حسن داعی الکبیر کی شکایت کی اور آپ کو طبرستان آنے کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ آپ زیدیہ امامت کے زیادہ لائق وسزاوار ہیں۔

سید احمد زبارہ اوران کے بھائی علی مدینے سے طبرستان کے لئے نکل پڑے اور طبرستان میں غدر کیا مگر داعی الکبیر کی حکومت کو استحقام حاصل ہوا تو طبرستان سے آبہ کی جانب چلے گئے اس کے بعد ایام داعی میں دوبارہ طبرستان گئے اور وہاں سے نیشاپور چلے گئے اور وہاں ہی آباد ہو گئے۔[1]

ابن فندق بیہقی اپنی کتاب لباب الانساب میں تحریر کرتے ہیں کہ طبرستان کے زیدی حضرات نے آپ کو خط تحریر کیا اور داعی الکبیر کی شکایت کی اور آپ کو زیدیہ امامت کی دعوت دی۔[2]

ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہے کہ ابوجعفر احمد زبارہ کو اپنے دور میں زیدیہ میں خاص مقام حاصل تھا اہل طبرستان نے آپ کو امامت کی دعوت دی کیونکہ ان کی نظر میں آپ سادات مدینہ میں سے اعلیٰ منزلت کے حامل تھے۔

اِس لئے جب اہل طبرستان داعی الکبیر کے رویہ سے پریشان ہوئے تو انہوں نے آپ کا دامن تھامنا چاہا آپ صاحب ہیبت وجلالت تھے۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کے چار فرزند تھے: (١) ابوالحسین محمد زاہد العالم (٢) ابوعلی محمد نقیب نیشاپور (٣) ابوحسن محمد اعرج ادیب الفاضل (٤) ابوعبداللہ حسین

اول ابوالحسین محمد زاہد عالم بن ابوجعفر احمد زبارہ:

آپ نے نیشاپور میں خلافت کا دعویٰ کیا اور لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ اطراف نیشاپور میں چار مہینے لگاتار منبروں سے آپ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا جب آپ کے خروج کا وقت نزدیک آیا تو آپ

---

[1] المعقبون من آل ابی طالب ج ٣ ص ١٣٤١ از سید مہدی رجائی، مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از قمر عباس اعرجی ص ٢٠٠

[2] لباب الانساب از بابن فندق بیہقی ج ٢ ص ٤٩٢

کے بھائی ''ابوعلی'' کوعلم ہوگیا تو اس نے آپ کو قید کرلیا اور خلیفہ حمویہ بن علی صاحب جیش نصر بن احمد سامانی کے پاس بھیج دیا جہاں بخارا میں آپ کو قید کرلیا اور کئی سال بعد رہا کیا گیا اور ۲۰۰ درہم آپ کو دیئے گئے آپ نیشاپور میں سنہ ۳۳۹ ہجری کوفوت ہوئے۔ کہتے ہیں دس ہزار افراد نے آپ کی بیعت کی ہوئی تھی جس وقت آپ خروج کرنا چاہ رہے تھے۔[1]

بقول بابن فندق بیہقی کہ بقول حاکم ابوعبداللہ در تاریخ نیشاپور، سید ابوالحسین محمد، عالم، ادیب، حافظ قرآن صاحب ورع، اور حافظ التواریخ تھے۔ اہل نیشاپور آپ کی خلافت کی اطاعت میں تھے اور کثیر لوگوں نے آپ کی بیعت کی ہوئی تھی جن میں امراء، طبقات الشرعیہ بھی شامل تھے۔

امیر نصر بن احمد سامانی کو اس بیعت کا علم ہوا تو آپ کو بخارا لے گیا آپ کی بیعت چار مہینے تک رہی اور آپ عاضد باللہ کے لقب سے موسوم ہوئے۔ آپ نے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بوشنجی، ابراہیم بن ابی طالب اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ الامام سے احادیث سنی اور پڑھیں۔

آپ نے علی بن قتیبہ سے روایت کی ہے اور علی بن قتیبہ نے فضل بن شاذان سے اور فضل بن شاذان نے امام علی رضاؑ سے روایت کی۔ آپ نے جمادی الثانی سنہ ۳۳۹ کو وفات پائی۔[2]

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابومحمد یحییٰ الفقیہ (۲) ابومنصور ظفر

دوم ابوعلی محمد بن ابی جعفر احمد زبارہ:

آپ نیشاپور میں نقیب رہے۔ بقول ابواسماعیل طباطبا کہ آپ کی ولادت ۲۶۰ ہجری کو ہوئی اور وفات ربیع الثانی ۳۶۰ ہجری کو ہوئی آپ احادیث کے راوی تھے۔[3]

بقول بیہقی آپ قریباً ۱۰۰ سال زندہ رہے آپ عالم اور محدث تھے۔ بقول حاکم ابوعبداللہ کہ آپ نیشاپور میں طالبین کے شیخ تھے آپ نے حسین بن فضل بجلی سے حدیث سنی اور پڑھی۔ اور آپ سے ابومحمد یحییٰ زبارہ اور ایک جماعت نے حدیث سنی۔ اور آپ نے علی بن قتیبہ کی محافل میں فضل بن شاذان سے مروی احادیث سنی۔

آپ کی وفات ۳۶۰ ہجری میں ہوئی اور آپ کا جنازہ آپ کے بھتیجے ابومحمد یحییٰ زبارہ الفقیہ نے

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مکتبہ انصاریان قم ص ۳۱۸

[2] لباب الانساب ج ۲ ص ۴۹۵

[3] منتقلہ الطالبیہ ص ۳۳۹

پڑھوایا۔اور آپ کو امیر عبداللہ بن طاہر کے مقبرہ کے پہلو میں مقبرہ علویہ نیشاپور میں دفن کیا گیا۔[1]

بقول سمعانی آپ نیشاپور میں شیخ الطالبیہ تھے آپ نے حسین بن فضل بجلی سے احادیث سنی اور آپ سے آپ کے بھتیجے ابو محمد یحییٰ الفقیہ نے سنیں۔آپ کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔[2]

بقول ذہبی آپ شیخ الاشراف تھے آپ نے حسین بن فضل بجلی سے سنا اور حاکم نے آپ سے سنا آپ کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔[3]

(٦٧) زید شہید بن امام زین العابدین علیہ السلام

بقول نسابہ کبیر عمری علوی آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کی والدہ ام الولد تھیں جن کا نام غزالہ تھا۔

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ ام الولد تھیں جنہیں مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی نے حضرت امام زین العابدین کو دیا اور آپ کے شکم سے زید، علی اصغر ، عمر الاشرف اور خدیجہ پیدا ہوئے۔

زیاد بن منذر بیان کرتا ہے کہ جناب مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی نے تیس ہزار درہم میں ایک کنیز خریدی اور کہا کہ میری نظر میں علی ابن حسینؑ سے زیادہ اس کنیز کا اور کوئی حقدار نہیں ہے پھر یہ کنیز امام زین العابدینؑ کی طرف بھیجیں اور یہی جناب زید بن علی کی والدہ قرار پائیں۔[4]

بقول امام فخر الدین رازی کہ زید الامام شہید کی والدہ جیدا نامی جاریہ تھیں جن کو مختا ابن ابی عبیدہ نے خریدا اور امام زین العابدینؑ کو دے دیا۔[5]

فضائل:

عاصم بن عبیداللہ عمری سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میرے سامنے زید بن علی کا تذکرہ ہوا تو میں (عاصم) نے ان کے متعلق یہ بتایا کہ میں عمر میں ان سے بڑا ہوں۔ میں نے اس وقت ان کو دیکھا کہ جب وہ مدینہ میں ایک نوجوان تھے اور ان کی کیفیت یہ تھی کہ جب ان کے سامنے اللہ کا تذکرہ کیا جاتا (تو اس ذات کی بزرگی اور خشوع وخضوع کے آگے) ان پر غشی طاری ہوجاتی لوگ ان کی یہ حالت دیکھ کر کہتے اب یہ دنیا

---

[1] لباب الانساب ج ۲ ص ۴۹۳ تا ۴۹۵

[2] الانساب از سمعانی ج ۳ ص ۱۲۸

[3] تاریخ الاسلام از ذہبی ص ۲۱۲

[4] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی اُردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر: ص ۱۵۳

[5] شجرہ المبارکہ از فخر الدین رازی ص ۷۳

میں لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

ہارون بن موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن ایوب الرافقی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عابد اور زاہد لوگوں میں سے کوئی بھی زید بن علی کے برابر نہیں۔ محمد بن فرات کہتا ہے کہ میں نے یہ دیکھا کہ زید بن علی کے چہرہ مبارک پر سجدوں کے واضح نشانات موجود ہیں۔

ابوجارود بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ میں مدینہ منورہ گیا اور وہاں پر میں نے جب بھی زید بن علی کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ قرآن کریم کے ساتھی ہیں یعنی ہمہ وقت قرآن کریم کی تلاوت اور تدبر میں مصروف رہتے ہیں۔ جابر نے ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسینؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آپ کے صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام زید ہوگا وہ اور اس کے ساتھ قیامت کے دن روشن پیشانی والے لوگوں کے ہمراہ تیزی سے جنت کی طرف بڑھتے جائیں گے اور یہ لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔"

عبدالمالک بن ابی سلیمان سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میرے خاندان واہلبیت میں سے ایک شخص کو شہید کرنے کے بعد سولی پر لٹکایا جائے گا جس آنکھ نے بھی اس شہید کی شرم گاہ کو دیکھا وہ کبھی جنت نہیں دیکھ سکے گا۔"

ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ بن مولا علیؑ سے منقول ہے کہ ایک دن جناب زید بن علی بن حسین چلتے ہوئے محمد حنفیہ کے پاس سے گزرے تو محمد حنفیہ کو آپ پر ترس آ گیا انہوں نے آپ کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا اے میرے بھتیجے! میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم وہ زید ہو جسے عراق میں سولی پر لٹکایا جائے گا اور کوئی تمہاری شرم گاہ کو نہیں دیکھے گا اور جو بھی دیکھے گا وہ جہنم کی نچلی وادی میں عذاب کا مزہ چکھے گا۔[1]

ولادت:

ایک مشہور قول کے مطابق آپ کی عمر مبارک ۴۲ سال تھی۔ آپ کے سن ولادت کے متعلق مختلف اقوال ہیں سن ۷۵ اور ۷۸ ہجری کا قول بھی ہے۔[2]

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۱۲۴ تا ۱۲۸: تحقیق سید احمد صقر

[2] تاریخ دمشق از ابن عساکر

اور ۸۰ یا ۸۷ ہجری کا قول بھی موجود ہے۔

تعلیم:

زید شہید نے اپنے والد امام زین العابدینؑ اپنے بھائی امام محمد باقرؑ اور بھتیجے امام جعفر صادقؑ سے روایات نقل کیں ہے[1]

اور جن بزرگان نے آپ سے روایات اخذ کیں ان میں ابان بن عثمان بن عفان اور عبداللہ ابی رافع قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح زید شہید نے عروہ بن زبیر بن عوام اور واصل بن عطا سے تلمذ اختیار کیا ہے۔[2]

بعض حضرات نے زیدیہ فرقہ کے مذہب اعتزال کی طرف میلان اور رجحان کو واصل بن عطا کے پاس زید شہید کا اختیار تلمذ بتایا ہے۔ زید شہید اور امام باقر علیہ السلام کے درمیان اختلاف کا سبب بھی زید شہید کی واصل بن عطا سے تلمذ اختیار کرنا ہے اور امام کے لئے قیام کی شرط لازمی قرار دینا ہے۔[3]

اِسی طرح زید بن علی نے اہل بصرہ اور فقہائے کوفہ جیسے عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ، ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے ساتھ مذاکرات بھی کئے تھے۔[4]

شاگردان:

(۱) عیسیٰ، آپ کے فرزند (۲) حسین ذی عبرۃ آپ کے فرزند (۳) محمد آپ کے فرزند (۴) سلیمان بن مہران (۵) سعید بن خثیم (۶) ابو خالد کابلی (۷) سلمہ بن کھیل (۸) ابن ابی زناد (۸) مطالب بن زیاد (۱۰) فضیل ن مرزوق (۱۱) صور بن معتم (۱۲) زبید نامی۔[5]

راویان از زید:

(۱) محمد بن مسلم زہری (۲) شعبہ بن حجاج (۳) عبدالرحمان بن ابی الزناد (۴) عبدالرحمان بن حارث بن عیاش (۵) بسام صیرفی

اہل سنت منابع میں ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن حنبل جیسے افراد نے ان سے احادیث نقل

---

[1] الکامل فی تاریخ از ابن اثیر ج ۵ ص ۲۴۲ دار صار بیروت

[2] معجم رجال الحدیث و تفصیل طبقات الرواہ ج ۸ ص ۳۵۸ از آیت اللہ ابوالقاسم خوئی

[3] معجم رجال الحدیث و تفصیل طبقات الروۃ ج ۸ ص ۳۵۷، زید بن علی و شروعیہ الثورۃ عنہ اہل بیت از نوری ص ۱۷، ۱۸

[4] الحیاۃ السیاسیہ والفکریہ للزیدیہ فی المشرق الاسلامی ص ۴۴

[5] حیاۃ السیاسیہ والفکریہ للزیدیہ فی المشرق الاسلامی ص ۳۹ تا ۴۱

کی ہے۔

آثار:

کتاب المجموع فی الفقہ ابو خالد واسطی کی زید شہید سے روایت کے مطابق زید بن علی سے منسوب ہے۔

یہ کتاب زید سے منسوب کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے اور اس کے اوپر شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔ زید کی طرف منسوب دوسری کتب اس طرح ہیں۔تفسیر غریب القرآن مجید، تثبیت الامامہ، مناسک الحج، قرأت زید بن علی رسالہ فی الجدل مع المرجۃ، رسالہ فی حقوق اللہ، کتاب فی الرد علی القدریہ من القران۔

قیام زید بن علی:

بعض اسباب جیسے عوام پر بنی امیہ کے مظالم، اہل کوفہ کی طرف سے دعوت، زید اور عبداللہ محض کے درمیان صدقات مدینہ میں صدقات علی کے اوقاف کو لے کر اختلاف جن کا خاتمہ خالد بن عبدالملک کی حکمیت پر ہوا۔

محمد ابن جریر طبری نے تاریخ طبری میں بیان کیا ہے کہ زید بن علی بن حسین اور محمد بن عمر بن امیر المومنین علیؑ اور داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس، یہ حضرات خالد بن عبداللہ کے پاس آئے جو اس وقت والئ عراق تھا۔ خالد نے ان کو بہت سا روپیہ ہدیہ کیا اور یہ لوگ مدینہ واپس آ گئے جب یوسف بن عمر اسی خالد بن عبداللہ کے بعد عراق کا والی قرار پایا تو اس نے ہشام بن عبدالملک اموی کو ان اصحاب کے نام اور وہ رقم لکھ دی جو خالد نے انہیں دی تھی نیز اپنے خط میں اسکا بھی تذکرہ کیا کہ خالد نے زید بن علی سے مدینہ میں ایک زمین دس ہزار دینار میں خریدی تھی مگر پھر انہیں واپس دے دی، ہشام نے اپنے عامل مدینہ کو حکم بھیجا کہ ان افراد کو میرے پاس بھیج دو۔ جب یہ ہشام کے پاس آئے تو ہشام نے ان سے دریافت کیا انہوں نے روپیہ کا اقرار تو کیا جو بطور صلہ خالد نے انہیں دیا تھا مگر باقی باتوں کا انکار کر دیا۔

ہشام نے زید بن علی سے زمین کے متعلق دریافت کیا تو زید نے انکار کیا۔[1]

جبکہ ابی الفرج اصفہانی کے بقول خالد بن عبداللہ قسری نے (۱) زید بن علی (۲) محمد بن عمر بن امام علیؑ (۳) داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس (۴) سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمان ابن عوف (۵) ایوب بن سلمہ بن عبداللہ بن عباس بن ولید بن مغیرہ مخزومی۔ ان حضرات پر دعویٰ کیا کہ انہوں نے کچھ مال وصول کیا ہے۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ حصہ اوّل ص ۲۱۲ اردو ترجمہ

اور گورنر عراق یوسف بن عمر نے ان درج بالا شخصیات کے خلاف ایک خط ہشام کی طرف تحریر کیا جس میں لکھا زید بن علی اور محمد بن عمر بن علیؑ ان دنوں رصافہ بغداد کے ایک محلے میں مقیم ہیں اور زید بن علی کا عبداللہ بن حسن مثنٰی بن امام حسنؑ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقات کے متعلق نزاع چل رہا ہے۔

ہشام نے ان باتوں کے متعلق جو یوسف نے تحریر کی تھیں ان مذکور اشخاص سے دریافت کیا تو ان شخصیات نے اس سے انکار کیا۔تو ہشام نے خط کے ذریعے کہا میں تم لوگوں کو یوسف کے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ وہ تمہارے امور کے متعلق کوئی متفقہ رائے قائم کرے۔

جناب زید نے کہا! میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں ہمیں یوسف کے پاس نہ بھیج وہ ہم پر ظلم کرے گا۔

یہ سن کر ہشام نے یوسف بن عمر کو خط تحریر کیا کہ زید اور باقی حضرات اور ان کے درمیان باہمی اتفاق کا خیال رکھنا ان کے خلاف جو دعویٰ دائر کیا گیا ہے اگر اس کا اقرار کرلیں تو انہیں میرے پاس بھیج دینا۔ اور اگر انکار کریں تو ان سے دلیل و حجت طلب کرنا اور اگر وہ دلیل و حجت قائم نہ کرسکیں تو ان سے نماز عصر کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم طلب کرنا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس ذات نے انہیں امانت سونپ رکھی ہے کہ انہوں نے کوئی چیز وصول کی ہو اس کے بعد انہیں چھوڑ دینا۔

دوسری طرف ان حضرات نے یوسف بن عمر کے مکر و حیلہ کے ڈر کا خدشہ کیا تو ہشام نے کہا وہ ایسا ہرگز نہ کرے گا میں تمہارے ہمراہ ایک محافظ کو روانہ کروں گا جو اس خط کو لے کر وہاں جائے گا۔ اور اس وقت تک وہاں رہے گا جب تک اس معاملے کا فیصلہ نہیں ہوجاتا۔

اس کے بعد ہشام نے ان حضرات کو یوسف بن عمر کے پاس بھیج دیا ان دنوں وہ حیرہ کے مقام پر قیام پذیر تھا لیکن یہ لوگ ایوب بن سلمہ کو اپنے ہمراہ نہ لے کر گئے کیونکہ ان سے ہشام کا ماموں کا رشتہ تھا یہ لوگ یوسف کے پاس گئے تو جب اس نے ان سے مال کے متعلق پوچھا تو انہوں نے انکار کیا۔

یہ سن کر یوسف نے خالد بن عبداللہ قسری کو طلب کیا اور کہا کہ تم نے یہ دعویٰ کیا کہ زید بن علی اور محمد بن عمر بن امام علیؑ نے صدقات کے مال کو وصول کیا ہے اس شخص نے کہا مجھے اس بارے میں کچھ آگاہی نہیں کہ دونوں نے کم یا زیادہ کوئی مال وصول کیا ہو[1]

تاریخ طبری میں ایک دوسری روایت منقول ہے کہ ہشام نے زید بن علی کو شام بلوایا وجہ یہ تھی کہ خالد بن عبداللہ سے یوسف بن عمر نے سختی کے ذریعے کہلوایا کہ اس نے ایک بڑی رقم مذکورہ بالا حضرات کے پاس

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی ص ۱۲۸ تا ۱۳۰؛ تحقیق سید احمد صقر۔ منشورات شریف رضی

بطور امانت رکھی تھی لیکن ان حضرات نے ایسی کسی رقم سے انکار کیا۔

زید بن امام زین العابدین اور عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی مقدمے بازی:

تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ زید بن امام زین العابدینؑ اور عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے درمیان حضرت علیؑ کے اوقاف کے لئے مقدمہ ہوا اور یہ مقدمہ والئ مدینہ کے سامنے ہوا۔ اور بعد میں دونوں حضرات میں مصالحت ہوگئی کیونکہ والی مدینہ اس مقدمے کے ذریعے ان کی بے عزتی اور جگ ہنسائی کرتا تھا۔

اور اس وقت مدینہ کا والی خالد بن عبدالملک تھا اس نے اس مقدمے کے دعویٰ کے ذریعے کسی حد تک سادات کی جگ ہنسائی کرتا اور عبداللہ اور زید کو لوگوں کے سامنے اکٹھا کر کے مقدمہ شروع کرتا تو ایک دن ایسے ہی زید نے کہا کہ تو نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو ایسی بات کیلئے اپنے سامنے بلایا ہے۔

جس سے کبھی کسی حاکم نے انہیں اپنے پاس نہیں بلایا۔ خالد نے بھرے دربار میں کہا کوئی ایسا شخص نہیں جو اس بے وقوف کو جواب دے پھر محفل میں ایک انصاری اٹھا اور اس نے زید کو برا بھلا کہا (یوں خالد بن عبدالملک نے زید شہید کی رسوائی کا سامان کیا) اس کے بعد زید حاکم مدینہ کے رویے کی شکایت کیلئے شام گئے۔

محمد بن عبدالعزیز الزہری بیان کرتے ہیں کہ جب زید ہشام بن عبدالملک کے پاس آئے تو انہیں ملاقات کی اجازت ملی۔[1]

جبکہ کچھ دیگر مصادر کے مطابق جب زید والئ مدینہ کی شکایت لے کر آئے پہلے تو انہیں ملنے نہ دیا گیا اور بعد میں ہشام نے ان سے برا سلوک کیا۔

ہشام کے دربار میں:

بقول محمد ابن جریر طبری خود زید شہید سے روایت ہے کہ میں نے ہشام کے روبرو کسی معاملہ پر قسم کھائی ہشام نے کہا میں تمہیں سچا نہیں سمجھتا۔ ہشام نے مجھ سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت کے متمنی ہو۔ تم ایک لونڈی کے بطن سے ہو کر ایسی توقع کیونکر کر سکتے ہو میں نے کہا نبی مبعوث سے زیادہ اللہ کے نزدیک کسی کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک برگزیدہ نبی تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بہترین نبی ہیں ان کے پوتے ہیں حالانکہ اسماعیل ایک لونڈی کے بطن سے تھے اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے بطن سے تھے مگر اللہ نے اسماعیل کو ان کے بھائی پر ترجیح دی۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ حصہ اول ص ۲۱۷ اردو ترجمہ

اس کے بعد ہشام نے انہیں نکل جانے کا حکم دیا۔ زید نے کہا میں جاتا ہوں مگر یاد رکھو! اب تم صرف ایسی ہی صورت میں مجھے دیکھو گے جو تمہیں ناگوار ہوگی [1]

مقتل زید بن علی بن حسینؑ:

بقول ابی مخنف کہ یہاں سے زید سیدھے کوفہ آئے اور شیعیان کوفہ ان کے پاس آنے جانے لگے۔

بقول ابی الفرج اصفہانی جناب زید نے کئی دنوں تک کوفہ میں ہی قیام کیا جب کہ یوسف انہیں مسلسل اس بات پر اُبھارتا رہا کہ آپ کوفہ سے چلے جائیں لیکن آپ نے کوفہ میں رہنے کا یہ سبب بیان کیا کہ مجھے یہاں کچھ کام ہیں اور میں نے کچھ چیزیں بیچنی ہیں۔ جب یوسف کا اصرار بڑھا تو آپ وہاں سے نکل پڑے اور قادسیہ آ گئے۔

اس کے بعد شیعہ جنابِ زید سے ملاقات کے لئے آتے رہے اور انہوں نے آپؑ سے کہا کہ آپؑ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں جبکہ آپؑ کے ساتھ کوفہ، بصرہ اور خراسان کے لوگوں میں سے ایک لاکھ تلواریں ہیں جو آپؑ کے ہمراہ بنواُمیہ پر وار کریں گے جب کہ ہمارے مقابلے میں شامیوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن آپؑ نے اس وقت خروج سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ مسلسل آپؑ کو خروج پر آمادہ کرتے رہے یہاں تک کہ جب انہوں نے آپ کو مضبوط عہد و پیمان دیئے تو آپ اس پر رضامند ہو گئے۔

چنانچہ اِن لوگوں کے وعدوں کے بعد خروج پر آمادہ دیکھ کر محمد بن عمر بن علی ابن ابی طالبؑ نے آپؑ سے کہا: ابو الحسین! میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ اپنے خاندان والوں کے پاس (مدینہ منورہ) چلے جائیں اور یہ لوگ جن باتوں کی طرف دعوت دے رہے ہیں، آپؑ ان کی کسی بات کو نہ مانیں کیونکہ یہ لوگ آپؑ سے وفا نہیں کریں گے۔ کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں، جنہوں نے آپؑ کے دادا جان امام حسین علیہ السلام ابن علیؑ کے ساتھ بھی اسی طرح کے عہد و پیمان کیے تھے؟

آپؑ نے جواب دیا: جی ہاں! یہ وہی لوگ ہیں لیکن آپؑ نے اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا ہے۔

آپؑ کی خدمت میں شیعہ اور غیر شیعہ حضرات آتے رہے اور آپؑ کی بیعت کرتے رہے یہاں تک کہ مدائن، بصرہ، واسط، موصل، خراسان، رَے اور جرجان کے لوگوں کے علاوہ صرف کوفہ کے پندرہ ہزار لوگوں

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۱۷،۲۱۸

نے آپؑ کی (جنگ کے لئے) بیعت کی۔

آپ کئی مہینوں تک کوفہ میں قیام پذیر رہے جب کہ آپ نے اپنے مبلغین مختلف علاقوں اور شہروں کی طرف روانہ کیے تا کہ وہ لوگوں کو ان کی بیعت کی دعوت دیں۔ جب جناب زید کے خروج کرنے کا وقت قریب آیا تو آپؑ نے اپنے ساتھیوں کی اپنے ساتھ وفا اور استعداد دیکھنے کے لئے انہیں تیاری کا حکم دیا تو یہ خبر عام ہو گئی۔ اس کے بعد سلیمان بن سراقہ بارقلی نے یوسف بن عمر (عراق کے گورنر) کو جناب زید کے خروج کی خبر سے آگاہ کیا تو اس نے رات کو اپنے سپاہی جناب زید کو پکڑنے کے لئے روانہ کیے لیکن جن دو اشخاص کے متعلق یہ خبر تھی کہ حضرت زید ان کے پاس مقیم ہیں، جب سپاہی ان کے پاس گئے تو وہاں جناب زید کو موجود نہ پایا اور سپاہی ان دونوں کو گرفتار کر کے یوسف کے پاس لے آئے۔ جب ان دونوں نے زبان کھولی تو جنابِ زید اور ان کے ساتھیوں کی تمام منصوبہ بندی اور خروج سے یوسف کو آگاہ کر دیا۔ پھر یوسف نے ان دونوں کی گردنیں اُڑا دینے کا حکم جاری کیا۔

جب جناب زید تک یہ خبر پہنچی تو آپ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں آپؑ پر راستے بند نہ کر دیئے جائیں لہٰذا آپ نے اپنے اور دیگر علاقوں کے لوگوں کے درمیان خروج کے لئے طے پانے والے وقت سے پہلے خروج کرنے میں جلدی کر دی اور یوں آپؑ کا خروج کمزور پڑ گیا۔ آپؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ خروج کے لئے بدھ کی رات یکم صفر المظفر ۱۲۲ ہجری کی تاریخ اور دن کا وعدہ کیا تھا لیکن آپؑ نے اس تاریخ سے پہلے ہی خروج کر دیا۔

جب یوسف بن عمر کو آپؑ کے خروج کا پتا چلا تو اس نے حکم بن صلت کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ کوفہ کے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد اعظم میں اکٹھا کرے۔ پھر اس نے اہلِ معرفت، پولیس اور جنگ کرنے والے فوجی دستوں کے لئے بھی یہی حکم نامہ جاری کیا تو ان تمام گروہوں کو جامع مسجد میں حاضر کر دیا گیا۔ کوفہ کی گلی کوچوں میں منادی نے یہ صدا لگائی کہ عرب و عجم کا جو بھی شخص ہمیں جامع مسجد کوفہ کے صحن میں نہیں ملے گا، اس سے حکومت بری الذمہ ہے۔ لہٰذا تمام لوگ جامع مسجد میں حاضر ہوں۔ پھر حضرت زید کے خروج کرنے سے پہلے منگل کے دن تمام لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔

یوسف کے سپاہیوں نے معاویہ بن اسحاق بن زید بن حارثہ انصاری کے گھر میں جنابِ زیدؒ کو تلاش کیا لیکن وہ رات کے وقت خروج کر چکے تھے۔ یہ بدھ کی رات اور ۲۲ ذی الحجہ تھی اور سخت سرد رات تھی۔

آپؑ نے معاویہ بن اسحاق کے گھر سے خروج کیا اور آپؑ کے ساتھیوں نے آگ روشن کی اور رسول

خدا کا نعرہ بلند کیا: ''یا منصور اُمت''...... انہوں نے ساری رات اسی کیفیت میں گزاری۔ صبح کے وقت جنابِ زید نے قاسم بن عمر تبعی اور ان کے ساتھ ایک شخص کو بھیجا کہ وہ کوفہ کے گلی کوچوں میں اس نعرے کو بلند کریں۔

سعید بن خیثم کی روایت کے مطابق آپؑ نے قاسم بن کثیر بن یحییٰ بن صالح بن یحییٰ بن عزیز بن عمرو بن مالک بن خزیمہ تبعی اور ان کے ساتھ ایک شخص جس کا نام صدام تھا، انہیں اس مقصد کی خاطر روانہ کیا جبکہ سعید کہتا ہے کہ جنابِ زید نے مجھے اور ایک بلند آواز والے شخص کو بھی اس مقصد کی خاطر بھیجا تھا۔

ابو الجارود زیاد بن منذر ہمدانی نے دائیں طرف سے پرچم بلند کرتے ہوئے جنابِ زید کی تحریک کا مخصوص نعرہ بلند کیا۔ جب یہ لوگ عبدالقیس کے بیابانوں میں تھے تو ان کا جعفر بن عباس کندی سے آمنا سامنا ہو گیا۔ جعفر بن عباس نے آپ اور آپ کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا جس سے جنابِ قاسم کا ہمراہی شخص شہید ہو گیا جب کہ جنابِ قاسم کو زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا اور وہ آپ کو گرفتار کرنے کے بعد حکم بن صلت کے پاس لے آئے تو اس نے آپ سے کلام کیا لیکن آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے حکم دیا کہ قصر کے دروازے کے سامنے اس کا سر تن سے جدا کر دو۔ جنابِ قاسم حضرت زید کی تحریک میں سب سے پہلے شہید ہونے والوں میں سے ہیں۔

سعید بن خیثم سے منقول ہے کہ جنابِ قاسم کی شہادت پر آپ کی بیٹی نے یہ مرثیہ کہا:

''اے آنکھ! تُو قاسم ابن کثیر کی شہادت پر بہت زیادہ آنسو بہا، اُن کو ایسی قوم کی تلواروں نے قتل کیا ہے جو شرک، برائی اور کینہ و شرارت میں انتہائی بدتر لوگ ہیں۔ میں آپ پر یوں گریہ کروں گی کہ جیسے نرم و ملائم شاخ پر بیٹھ کر کبوتر نغمہ پڑھتا اور گنگناتا ہے۔''

ابو مخنف بیان کرتا ہے: یوسف بن عمر جو اِن دنوں حیرہ کے مقام پر تھا، اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا: تم میں سے کون ان لوگوں کے قریب کوفہ جا کر ہماری پاس ان کی خبریں لے کر آئے گا؟

عبداللہ بن عباس منتوف ہمدانی نے کہا: میں ان کے پاس جا کر تمہارے لئے ان کی خبریں لاتا ہوں۔ پھر وہ پچاس گھڑسواروں کے ہمراہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور بنو سالم کی غیر آباد زمینوں تک پہنچا تو اُن کے حالات اور خبریں دریافت کرنے کے بعد یوسف کے پاس واپس لوٹ آیا اور اسے ان کے حالات سے آگاہ کیا۔ اگلے روز یوسف وہاں سے روانہ ہو کر حیرہ کے قریب ایک ٹیلہ کی طرف نکلا اور اس ٹیلے پر پڑاؤ ڈالا جب کہ اس وقت اس کے ہمراہ قریش کے افراد اور کچھ سردار تھے۔ اس وقت اس کا پولیس انچیف عباس بن سعید المزنی تھا۔

یوسف نے ریان بن سلمہ البلوی کو دو ہزار سواروں اور تین سو قیقانی پیادہ افراد کے ہمراہ ان کے مقابلے پر روانہ کیا۔ اس دن جناب زید بن علیؑ سے وفا کرنے والے افراد میں سے کُل دوسو اٹھارہ افراد آپؑ کے ہمراہ تھے۔ لوگوں کی یہ قلیل تعداد دیکھ کر جنابِ زید نے کہا: سبحان اللہ! سب لوگ کہاں چلے گئے ہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ لوگوں کو مسجد میں حضور کر لیا گیا ہے۔

یہ سن کر آپ نے کہا: نہیں! خدا کی قسم، جس نے ہماری بیعت کی ہے اس کے لئے یہ عذر ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔

جنابِ نصر بن خزیمہ حضرت زید کی طرف سے آگے بڑھ رہے تھے کہ ان کا مسجد بنی عدی کی طرف جانے والے راستے پر زبیر بن ابوحکیمہ کے گھر کے سامنے عمر بن عبدالرحمٰن سے آمنا سامنا ہو گیا جبکہ عمر بن عبدالرحمٰن، حکم بن صلت کے سپاہیوں کا انچارج تھا اور یہ جھینہ کے گھڑسواروں کے ہمراہ تھا، اسے دیکھ کر جنابِ نصر بن خزیمہ نے نعرہ بلند کیا: ''یا منصورِ اُمت''، لیکن عمر بن عبدالرحمٰن نے آگے سے کوئی جواب نہ دیا تو جنابِ نصر نے اس پر اور اس کے ساتھویں پر حملہ کر کے عمر بن عبدالرحمٰن کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھی شکست خوردہ ہو کر فرار اختیار کر گئے۔

جنابِ زید پیش قدمی کرتے ہوئے ''صیادین'' کی غیر آباد زمینوں تک پہنچ گئے جبکہ وہاں ان کا سامنا پانچ سو شامی افراد سے ہوا تو جنابِ زید اور ان کے ساتھی ان پر حملہ آور ہوئے اور انہیں شکست سے دو چار کیا۔ پھر آپ آگے بڑھ کر مقامِ کناسہ تک پہنچے تو شامیوں کی ایک اور جماعت آپؑ پر حملہ آور ہوئی لیکن آپ نے ان کو بھی شکست دی۔ آپؑ لوگوں کو تہہ تیغ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ قبرستان کے سامنے سے نکلے۔ اس وقت یوسف بن عمر ٹیلے پر موجود تھا اور وہ جنابِ زید اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے ہیں اگر اس دِن زید شہید یوسف بن عمر کو قتل کرنا چاہتے تو آپ اسے موت کے گھاٹ اُتار سکتے تھے[1]۔

پھر جنابِ زید مصلی خالد بن عبداللہ کی دائیں طرف چلتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ آپ کے ساتھیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ کیوں نہ ہم قبیلہ کندہ کی غیر آباد زمینوں کی طرف نکل جائیں؟ ابھی کسی شخص نے مزید کوئی گفتگو نہ کی تھی کہ اچانک شامی فوج کے سپاہی ان کے سامنے سے نمودار ہوئے۔ یہ انہیں دیکھ کر تنگ گلیوں میں گھس گئے اور ان گلیوں سے گزرنے لگے جبکہ اِن کے ساتھیوں میں سے ایک شخص پیچھے رہ

---

[1] تاریخ طبری: ج ۸، ص ۲۷۴

گیا جومسجد میں داخل ہو گیا۔ اس نے وہاں پر دو رکعت نماز پڑھی اور پھر شامیوں کے مقابلے پر نکل پڑا۔ اس نے اپنی تلوار سے ان پر وار کیے تو انہوں نے بھی جواباً تلوار سے اس پر ضربیں لگائیں۔

اتنے میں ایک گھڑسوار جو لوہے سے لدا ہوا تھا، اس نے کہا: اس شخص کے چہرے سے خود ہٹا کر اس کے سر کو ستون سے مارو، تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور جنابِ زید کا یہ ساتھی شہید ہو گیا۔ اِسے یوں شہید ہوتا ہوا دیکھ کر جنابِ زید کے ساتھی شامیوں کے اس گروہ پر حملہ آور ہو کر اسے ان سے چھڑایا جبکہ شامیوں نے ان میں سے ایک کا راستہ روک لیا اور اسے پکڑ کر عبداللہ بن عوف بن احمر کے پاس لے جا کر قید کر دیا۔ پھر اسے یوسف بن عمر کے پاس لے گئے تو اس نے اسے قتل کروا دیا۔

جناب زید بن علی اپنے بچے کُچے ساتھیوں کو لے کر مسجد کوفہ کو جانب بڑھے تو ان کے مقابلے پر عبیداللہ بن عباس کندی شامی فوج کے ہمراہ نکلا اور ان کا بابِ عمر بن سعد پر آمنا سامنا ہوا مگر عبیداللہ بن عباس کندی اور اس کے ساتھی پسپا ہوئے۔ یہ لوگ عمر بن حریث کے گھر کی طرف فرار ہوئے تو جنابِ زید علیہ السلام نے ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ آپ باب الفیل تک پہنچ گئے۔ جنابِ زید علیہ السلام کے ساتھیوں نے مسجد کے دروازے کے اُوپر سے اپنے پرچم مسجد میں داخل کئے اور کہا: اے مسجد والو! باہر نکلو اور جنابِ نصر بن خزیمہ نے مسجد میں موجود لوگوں سے بلند آواز میں کہا: اے کوفیو! ذلت سے نکل کر عزت کی طرف آ جاؤ اور اس طرف آ جاؤ جہاں تمہارے لئے دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

شامیوں نے مسجد کی چھت سے آپ پر پتھر برسائے اور اس دن کوفہ کے گردونواح میں سخت لڑائی ہوئی جبکہ دوسری روایت کے مطابق اس دن بنوسالم کی غیر آباد زمینوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔

یوسف بن عمر نے ریان بن سلمہ کو دارالرزق کی طرف روانہ کیا تو اس نے جنابِ زید علیہ السلام سے سخت جنگ کی اور شام کے بہت سے لوگ اس معرکہ میں زخمی ہوئے جبکہ حضرت زید علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے پر حملہ آور ہوتے ہوئے کوفہ کی مسجد اعظم تک پہنچ گئے۔ بدھ کے روز شامی واپس لوٹ گئے اور وہ انتہائی بدگمان ہوئے۔

جمعرات کی صبح کو یوسف بن عمر نے ریان بن سلمہ کو بلایا اور اس سے بے قراری و بے چینی میں سرزنش کرتے ہوئے کہا: اے گھڑسواروں کے سردار! تجھ پر حیف اور افسوس ہے۔ پھر اس نے عباس بن سعد مزنی کو بلایا جو اس کی پولیس کا چیف تھا، اسے شامیوں کی طرف روانہ کیا اور یہ شامیوں کو لے کر جناب زید کی طرف نکلا جو اس وقت دارالرزق میں تھے جبکہ ان لوگوں کو دیکھ کر حضرت زید علیہ السلام بھی اپنے ساتھیوں کے

ساتھ ان کے مقابلے پر نکلے۔ حضرت زید علیہ السلام کے ہراوّل دستے کے سردار جناب نصر بن خزیمہ اور معاویہ بن اسحاق تھے۔

جب عباس بن سعد نے ان لوگوں کو دیکھا تو بلند آواز میں پکار اُٹھا: اے شامیو! اپنی سواریوں سے اُتر کر زمین پر آجاؤ۔ پھر کافی لوگ سواریوں سے اُتر آئے اور اس معرکہ میں طرفین کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ شامیوں میں بنوعبس کا ایک شخص جس کا نام نائل بن فروہ تھا، اس نے یوسف سے کہا: خدا کی قسم! اگر آج میری نظر نصر بن خزیمہ پر پڑی تو میں اسے ضرور قتل کر دوں گا یا وہ مجھے کر دے گا۔

یہ سن کر یوسف نے کہا: لو تلوار۔ اس نے تلوار لے لی اور پھر وہ جہاں سے بھی گزرا ہر چیز کو کاٹتے ہوئے آگے چلا گیا۔ جب عباس بن سعد اور جناب زید علیہ السلام کے ساتھیوں کا آمنا سامنا ہوا اور نائل (ملعون) کی جنابِ نصر بن خزیمہ پر نگاہ پڑی تو اس نے ان پر وار کیا اور نصر بن خزیمہ کی ران کٹ گئی۔ پھر جناب نصر نے اسے تلوار کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ یہ وہیں پر فی النار ہو گیا۔ پھر جنابِ نصر بن خزیمہ نے بھی جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اس کے بعد جنابِ زید علیہ السلام نے عباس بن سعد اور اس کے شامی ساتھیوں کو پسپا کیا اور وہ انتہائی بُری حالت میں پسپا ہوئے۔ جب رات کی تاریکی چھا گئی تو یوسف نے پھر اپنا لشکر تیار کر کے انہیں جناب زید علیہ السلام کی طرف روانہ کیا یہ لشکر ان کی طرف بڑھا یہاں تک کہ اِن کا جناب زید سے آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے ان پر حملہ کر کے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ پھر ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے پیچھے آئے اور انہیں مقام سنجہ کی طرف نکال دیا اور پھر ان پر مزید حملہ کر کے انہیں مقامِ بنوسلیم سے نکالتے ہوئے مستاہ تک پسپا کیا۔ پھر بارق اور روَاس کے درمیان دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور آپس میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جبکہ جنابِ زید علیہ السلام کے لشکر کے علم بردار قبیلہ بنوسعد بن بکر کے عبدالصمد تھے۔

سعید بن خثیم بیان کرتے ہیں: ہم حضرت زید علیہ السلام کے ہمراہ کل پانچ سو افراد تھے اور شامی بارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔ جبکہ حضرت زید علیہ السلام کی بارہ ہزار سے زائد افراد نے بیعت کی تھی۔ لیکن انہوں نے دھوکہ دیا۔ شامیوں کے لشکر سے ایک شخص جو انتہائی دیدہ زیب گھوڑے پر سوار تھا، وہ مسلسل رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو گالیاں دے رہا تھا۔ یہ سن کر حضرت زیدؑ گریہ کرنے لگے یہاں تک کہ آپؑ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی اور آپؑ فرما رہے تھے۔

''کیا تم میں سے کسی شخص کو رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی بیٹی حصرت فاطمہ علیہا السلام کی اس توہین پر

غصہ نہیں آ رہا؟ کیا کسی کو بھی رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی خاطر غصہ نہیں آ رہا ہے؟''

اس کے بعد وہ شامی گالیاں بکتا ہوا گھوڑے سے خچر پر سوار ہو گیا۔

سعید بن خثیم کہتے ہیں: حاضرین میں دو طرح کے لوگ تھے: ایک وہ گروہ جو صرف جنگ کا نظارہ کر رہا تھا اور دوسرا وہ گروہ جو میدانِ جنگ میں دو بدو جنگ کر رہا تھا۔ میں نے اس شامی کو توہین کرتے ہوئے دیکھ کر ایک غلام کے پاس گیا اور اس سے ایک چھوٹی سی تلوار لی جو اس کے پاس موجود تھی پھر میں نے خود کو لڑائی دیکھنے والوں کے پیچھے چھپا لیا یہاں تک کہ میں چھپتا چھپتا اس شامی کے پیچھے پہنچ گیا اور میں نے اس کی گردن پر اس چھوٹی سی تلوار سے یوں ضرب لگائی کہ اس کا سر کٹ کر اس کے خچر کے سامنے جا گرا۔ پھر میں نے اس کی لاش کو زین سے نیچے پھینک دیا۔ یہ منظر دیکھ کر اس شامی کے ساتھیوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ مجھے کچل کر رکھ دیتے لیکن حضرت زید کے ساتھیوں نے اللہ اکبر کہہ کر ان شامیوں پر حملہ کرتے ہوئے مجھے ان کے شر سے بچا لیا۔ پھر میں سوار ہو کر جنابِ زید کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے میری پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا:

''خدا کی قسم! تم نے ہمارے خون کا انتقام لیا ہے اور خدا کی قسم! تم نے دنیا و آخرت کا شرف اور اس کے خزانوں کو پا لیا ہے۔''

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: تم یہ خچر لے جاؤ، مَیں نے تمہیں تحفے میں دیا۔

سعید بن خثیم بیان کرتے ہے جنابِ زید بن علی کے گھڑ سواروں کے سامنے شامیوں کے گھڑ سوار استقامت اور ثابت قدمی نہیں دکھا رہے تھے تو عباس بن سعد نے یوسف بن عمر کے پاس قاصد روانہ کیا کہ اسے زید کی طرف سے اُٹھائے جانے والے نقصان اور ہماری فوج کی پسپائی کی رُوداد سنائے اور اسے کہے کہ میری طرف تیر انداز روانہ کرے۔[1]

یہ سن کر یوسف بن عمر نے سلیمان بن کیسان کو قیقانیہ کے ہمراہ عباس بن سعد کی طرف روانہ کیا۔ قیقانیہ بڑھئی تھے اور یہ لوگ بہترین تیر انداز تھے۔ ان لوگوں نے جنابِ زید کے ساتھیوں پر تیر برسائے۔ جنابِ معاویہ بن اسحاق انصاری نے اس دن انتہائی دیدہ دلیری سے جنگ کی اور جنابِ زید کے سامنے منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت زید اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدان میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ جب رات کا ایک پہر گزرا اور ہر طرف تاریکی چھا گئی تو جنابِ زید کو ان کی پیشانی کے بائیں طرف تیر لگا جو ان کے دماغ تک پیوست ہو گیا تو آپ اور آپ کے اصحاب واپس پلٹے۔ شامیوں

---

[1] تاریخ کامل ابن کثیر: جلد ۵، ص ۹۷

نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ رات کی وجہ سے واپس پلٹ گئے ہیں۔

ابومخنف سے مذکور ہے کہ مجھے سلمہ بن ثابت نے خبر دی جو جنابِ زید کے ساتھیوں میں سے تھے، وہ کہتے ہیں: میں اور معاویہ بن اسحاق سب سے آخر میں آپؑ سے واپس ہوئے تھے۔

سلمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی حضرت زیدؒ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے گئے تو ہم نے انہیں دیکھا کہ وہ شارع البریدارحب و شاکر کے گھروں کے درمیان واقع حزان بن ابی کریمہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ پھر میں نے ان کے پاس اس گھر میں گیا اور عرض کیا:

''ابوالحسین! اللہ تعالیٰ مجھے آپؑ پر قربان فرمائے۔''

جنابِ زید کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ وہاں سے نکل کر باہر چلے گئے اور ایک طبیب لے کر آئے جو بنوئُواس کا غلام تھا اور اس کا نام سفیان تھا۔ اس نے جناب زید کی حالت دیکھ کر کہا اگر میں نے یہ تیر باہر نکالا تو آپ کی موت واقع ہو جائے گی جنابِ زید نے کہا: میں اِس وقت جس اذیت سے دوچار ہوں اس سے موت میرے لئے زیادہ آسان ہے۔

پھر اس طبیب نے لوہے کے دوزنبور لیے اور ان سے تیر کو باہر کھینچا تو جیسے ہی تیر باہر نکلا آپؑ کی موت واقع ہوگئی۔

آپؑ کی شہادت کے بعد لوگ کہنے لگے کہ ہم انہیں کہاں دفن کریں اور انہیں کس جگہ زمین میں چھپائیں؟

بعض لوگوں نے کہا کہ ہم انہیں دو کپڑوں میں لپیٹ کر پانی میں بہا دیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ نہیں! بلکہ ہم ان کا سرتن سے جدا کر کے انہیں مقتولین کے درمیان ڈال دیتے ہیں۔

یحییٰ بن زید علیہ السلام نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! ایسے مت کرنا، جس سے درندے میرے بابا جان کے گوشت کو کھا جائیں۔

بعض لوگوں نے کہا: ہم انہیں عباسیہ لے جا کر دفنا دیتے ہیں تو انہوں نے یہ رائے قبول کر لی۔

راوی کہتا ہے: پھر ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور ان کے لئے دو گڑھے کھودے۔ اس وقت ان گڑھوں میں بہت زیادہ پانی تھا یہاں تک کہ جب ہم نے قبر تیار کر لی تو انہیں اس لحد میں دفنا دیا۔ پھر ہم نے قبر پر پانی بہایا۔ اس وقت ہمارے ساتھ ایک سندھی غلام بھی تھا۔

سعید بن خثیم کی روایت کے مطابق یہ ایک حبشی غلام تھا جو عبدالحمید الرؤاسی کا غلام تھا اور معمر بن خثیم

نے جنابِ زید رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اسے خریدا تھا۔

یحییٰ بن صالح کہتا ہے: یہ جنابِ زید رحمۃ اللہ علیہ کا سندھی غلام تھا اور یہ اُس وقت ان لوگوں کے درمیان موجود تھا۔

ابومخنف نے حمس سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک نبطی غلام تھا اور جنابِ زید کی کھیتی کو پانی لگا تا تھا۔ جب سورج ڈوب رہا تھا تو اس نے جناب زید کے ساتھیوں کو انہیں دفناتے ہوئے دیکھا اور اگلے دن صبح کے وقت حکم بن صلت کے پاس جا کر اسے جنابِ زید کی قبر کی نشان دہی کر دی تو یوسف بن عمر نے عباس بن سعد المز نی[1] کو اِن کی قبر کی طرف روانہ کیا۔

ابومخنف کہتا ہے: یوسف بن عمر نے حجاج بن قاسم کو اس مقصد کی خاطر روانہ کیا اور ان لوگوں نے جنابِ زید کو قبر سے نکال کر ایک اُونٹ پر ڈالا۔

ہشام کہتا ہے: مجھے نصر بن قابوس نے یہ خبر دی ہے کہ خدا کی قسم! جب حضرت زید کو قبر سے نکال کر ایک اُونٹ پر ڈال کر لے جا رہے تھے تو اس وقت میں انہیں دیکھ رہا تھا۔ آپؑ کی لاش کو اُونٹ پر رسی سے کَس کر باندھ دیا گیا اور اس وقت آپؑ پر پیلی قمیص تھی۔ آپ کو کوفہ میں کناسہ کے مقام پر سولی پر لٹکانے کا حکم دیا گیا۔ آپؑ کے ہمراہ معاویہ بن اسحاق، زیاد الہندی اور نصر بن خزیمہ عبسی کو بھی سولی پر چڑھایا گیا۔

عبید بن کلثوم سے منقول ہے کہ وہ زہرہ بن سلیم کے ہمراہ جنابِ زید کا سرِ مبارک لے کر حاکم کے پاس جا رہا تھا جب کہ سر مبارک مضیعہ ابن اُم الحکم کے پاس تھا تو اس پر فالج کے مرض کا حملہ ہوا تو وہ واپس پلٹ آیا اور ہشام نے اس کے لئے انعام بھیجا تھا۔

ولید بن محمد الموقری سے منقول ہے کہ میں (بغداد کے) محلہ رُصافہ میں زہری کے پاس موجود تھا کہ ہم نے مسخروں کی آوازیں سنیں تو زہری نے مجھ سے کہا: ولید! دیکھو باہر کیا ہو رہا ہے؟ میں نے اس کے گھر کے روشن دان سے باہر جھانک کر دیکھا اور کہا: یہ زید بن علی کا سر ہے۔ یہ سن کر زہری سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہا: ان لوگوں نے اس گھر کے افراد (اولادِ زہراؑ) کو قتل کرنے میں بہت جلدی کی ہے۔ میں نے کہا: کیا ان لوگوں (اولادِ زہراؑ) کو بھی حکومت ملے گی؟ زہری نے کہا: مجھے علی علیہ السلام بن الحسینؑ نے خبر دی اور انہوں نے اپنے بابا حسین علیہ السلام سے سنا اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے (اپنی والدہ) حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے روایت نقل کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے فرمایا:

---

[1] ''الاصول'' میں اس کا نام ''ابن سعد المری'' مذکور ہے۔

''حضرت مہدی علیہ السلام آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے۔''

موسیٰ بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ جنابِ زید کو ولید بن یزید کے دورِ حکومت میں سولی پر چڑھایا گیا۔ جب حضرت زید بن علی کے بیٹے جناب یحییٰ بن زید نے خروج کیا تو ولید بن یزید نے یوسف بن عمر کو خط تحریر کیا:

''اما بعد! جیسے ہی میرا خط تمہیں ملے تو تم ان لوگوں کے خلاف اہل عراق کو بھڑکاؤ اور زید بن علی کی لاش کو جلا دو اور دردناک عذاب سے دوچار کرو۔ والسلام''

جب یوسف بن عمر کو ولید کا خط ملا تو اس نے خراش بن حوشب کو اس کام کا حکم دیا اور خراش بن حوشب ملعون نے جناب زید کی لاش کو درخت کے تنے سے اتار کر آگ میں جلا دیا پھر آپ کے جسد اطہر کی راکھ کو ایک کشتی میں رکھ کر دریائے فرات میں بہا دیا گیا۔

سماعہ بن موسیٰ الطحان سے منقول ہے کہ میں نے جناب زید بن علی کو (کوفہ میں) کناسہ کے مقام پر سولی پر چڑھے ہوئے دیکھا لیکن کسی نے بھی (آپ کو برہنہ حالت میں ہونے کے باوجود) آپ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا کیونکہ آپ کے پیٹ کے آگے اور پیچھے سے بدن کی جلد کھینچ کر لمبی ہوگئی تھی یہاں تک کہ آپ کی شرم گاہ چھپ گئی۔

جریر بن حازم سے منقول ہے کہ میں نے رسولِ خدا کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کے اُس تنے سے ٹیک لگائی ہوئی ہے جس پر جنابِ زید بن علی کو سولی دی گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے فرما رہے ہیں:

''کیا تم لوگ میری اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہو؟''

یحییٰ بن حسن بن جعفر سے منقول ہے کہ جناب زید بن علی جمعۃ المبارک کے دن ماہِ صفر المظفر ۱۲۱ ہجری میں شہید ہوئے۔

اولاد جناب زید شہید بن امام زین العابدین علیہ السلام:

آپ کی اولاد میں کوئی دختر نہیں تھی۔ آپکے چار فرزند تھے: (۱) یحییٰ مقتول جوزجان آپ کی والدہ ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ بن امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام جبکہ جناب زید شہید کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی (۲) ابوعبداللہ حسین ذی العبرۃ (۳) ابویحییٰ عیسیٰ موتم الاشبال (۴) ابوعبداللہ محمد ان تین پسران سے آپ کی اولاد جاری ہوئی۔

(٦٨) یحییٰ بن زید شہید بن امام زین العابدین علیہ السلام

آپ کی والدہ ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ بن علی المرتضیٰ تھیں۔ اور آپ کی نانی ریطہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب تھیں۔

جناب یحییٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا سبب:

جب حضرت زید بن علی شہید ہو گئے اور آپ کے بیٹے جنابِ یحییٰ بن زید نے آپ کو دفن کر دیا تو تدفین کے بعد یحییٰ بن زید واپس چلے گئے اور جبانۃ السبیع میں قیام کیا۔ اس وقت لوگ آپ سے جدا ہو چکے تھے اور صرف دس افراد آپ کے ہمراہ باقی رہ گئے۔

سلمہ بن ثابت کہتے ہیں: اس وقت میں نے جنابِ یحییٰ بن زید سے پوچھا: اب آپ کا کہاں کا ارادہ ہے۔ انہوں نے کہا میں نہرین جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس وقت آپ کے ہمراہ ابو الصبار العبدی تھے۔

سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا: اگر آپ نہرین کا قصد رکھتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں ہی جنگ کریں تا کہ ہم بھی آپ کے ہمراہ جامِ شہادت نوش کریں۔

جناب یحییٰ بن زید نے کہا: میں کربلا کی نہروں کی طرف جانا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا: پھر آپ صبح ہونے سے پہلے یہاں سے بحفاظت نکل جائیں اور ہم بھی ان کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب ہم کوفہ سے نکل چکے تو اذانِ فجر سنی اور ہم جلدی سے وہاں سے آگے نکل گئے۔ جب بھی ہمارا کسی گروہ سے سامنا ہوتا تو میں ان سے کھانا مانگتا اور وہ مجھے کھانے کے لئے روٹیاں پیش کرتے تو میں یہ روٹیاں جنابِ یحییٰ اور آپ کے ساتھیوں کو کھلا دیتا، یہاں تک کہ ہم لوگ نینوا پہنچ گئے۔ نینوا پہنچ کر میں نے 'سابق' کو آواز دے کر بلایا تو وہ اپنے گھر سے باہر نکلا اور جنابِ یحییٰ بن زید کو اپنے گھر لے گیا۔ پھر 'سابق' وہاں سے 'فیوم' کی طرف چلا گیا اور وہاں قیام پذیر ہوا جب کہ جنابِ یحییٰ بن زید ان کے گھر پر ہی مقیم رہے۔

سلمہ کہتے ہیں: اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا اور انہیں تنہا چھوڑ دیا جب کہ یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ پھر یحییٰ بن زید مدائن کی طرف چلے گئے۔ جو خراسان کے راستے پر واقع تھا۔ جب یوسف بن عمر (عراق کے گورنر) کو یہ خبر ملی کہ یحییٰ بن زید وہاں موجود ہیں تو اس نے حریث بن ابی الجہم الکلبی کو آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ جب یہ مدائن پہنچا تو آپ وہاں سے نکل چکے تھے۔

پھر آپ وہاں سے روانہ ہو کر رَے میں پہنچے۔ آپ نے مدائن میں وہاں کے نمبردار کے گھر قیام کیا

یہاں تک کہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ پھر آپ رَے سے نکل کر سرخس میں آئے اور وہاں زید بن عمر والتیمی کے پاس قیام کیا۔ آپ نے وہاں پر بنو اسید بن عمرو کے ایک شخص حکم بن یزید کو بلایا اور اس کے پاس چھے ماہ قیام کیا۔ اس زمانے میں اس علاقے میں عمر بن ہبیرہ کی طرف سے ایک شخص ''ابن خطلہ'' جنگ میں مشغول تھا، وہاں کے کچھ لوگ جناب یحییٰ بن زید کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا: آپ ہمارے ساتھ بنو اُمیہ کے خلاف جنگ کے لئے خروج کریں۔

جب آپ نے دیکھا کہ یہ لوگ خروج کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں تو یزید بن عمرو نے جنابِ یحییٰ کو ان کی ہمراہ جنگ کرنے سے منع کیا اور کہا: آپ ان لوگوں کے ہمراہ کیسے جنگ کر سکتے ہیں اور ان لوگوں کے ذریعے اپنے دشمن پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتے ہیں جو حضرت علی علیہ السلام اور ان کے خاندان سے براءت و بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ (یزید بن عمر کی باتیں سن کر) آپ ان لوگوں سے مطمئن نہ ہوئے لیکن آپ نے ان سے اچھے انداز میں گفتگو کی۔

پھر جنابِ یحییٰ بن زید وہاں سے روانہ ہو کر بلخ کے مقام پر آئے اور وہاں حریش بن عبدالرحمٰن شیبانی[1] کے پاس قیام کیا اور آپ ہشام بن عبدالملک کی ہلاکت تک وہیں قیام پذیر رہے جب کہ ہشام بن عبدالملک کے بعد ولید بن یزید اس کا جانشین بنا جب یوسف بن عمر (عراق کے گورنر) کو جب یہ معلوم ہوا کہ یحییٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ حریش کے گھر میں مقیم ہیں تو اس نے خراسان کے گورنر نصر بن سیار کو خط میں تحریر کیا کہ ''حریش کے پاس اپنے سپاہی بھیجو تاکہ وہ یحییٰ کو سختی سے گرفتار کر کے لے آئیں۔''

پھر نصر بن سیار (خراسان کے گورنر) نے بلخ کے گورنر عقیل بن معقل لیثی کے پاس قاصد کو پیغام دے کر بھیجا کہ حریش کو گرفتار کر کے اپنے پاس لے آؤ اور اسے اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک تم اس کی روح کو جسم سے نہ نکال لو، جب تک وہ یحییٰ بن زید کو تمہارے پاس لے کر نہ آ جائے۔

پھر عقیل بن معقل نے حریش کو اپنے پاس بلایا اور اسے ساٹھ کوڑے لگوائے اور کہا: خدا کی قسم! میں تمہاری جان نکال دوں گا یا یحییٰ بن زید کو میرے پاس حاضر کرو۔

یہ سن کر حریش نے کہا: خدا کی قسم! اگر وہ میرے پیروں تلے ہوتے تو بھی میں ہرگز ان سے اپنا پاؤں نہ اُٹھاتا، پس تم میرے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔

اتنے میں حریش کا بیٹا قریش فوراً کود کر سامنے آ گیا اور اس نے عقیل بن معقل (بلخ کے گورنر) سے کہا:

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۵، ص ۱۰۷ پر ان کا نام حریش بن عمر بن داؤد مذکور ہے۔

تم میرے باپ کو قتل نہ کرو، میں یحییٰ بن زید کو تمہارے پاس لاتا ہوں۔ پھر اس نے سپاہیوں کی ایک جماعت کو قریش کے ہمراہ جنابِ یحییٰ کو گرفتار کرنے کے لئے روانہ کیا اور حریش کے بیٹے نے ان کی اُس جگہ کی طرف رہنمائی کی جہاں پر جنابِ یحییٰ موجود تھے۔ اس وقت آپ گھر کے ایک اندرونی کمرے میں موجود تھے۔

عقیل بن معقل کے سپاہیوں نے جنابِ یحییٰ بن زید اور ان کے ہمراہ یزید بن عمرو اور کوفہ سے عبدالقیس کے غلام فضل کو گرفتار کرلیا پھر عقیل بن معقل نے انہیں نصر بن سیار کے پاس بھیج دیا تو نصر بن سیار نے انہیں لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دیا اور ان کے متعلق تمام حالات یوسف بن عمر کی طرف لکھ بھیجے۔

ریاشی سے مروی ہے کہ بنولیث کے ایک شاعر نے اپنے اشعار میں اس صورتِ حال کا تذکرہ کیا ہے جو یحییٰ بن زید کے ساتھ ہوا:

''ہم یحییٰ کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھے ہوئے ہیں، وہ خدا کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ جنابِ یحییٰ کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا (عقیل بن معقل لیثی) بنولیث کے اس شخص نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے، اس کے اِس فیصلے پر اور اس کی فانی سلطنت پر لعنت اور افسوس ہے۔ بالآخر تم نے بنولیث کی اصلیت کو لوگوں پر ظاہر کر دیا اور تمہاری یہ حرکت مختلف قبیلوں میں مذاق اور تمسخر بن کر رہ گئی ہے۔ کتے بھونکتے ہیں اور خدا اس امر کو مقدس قرار نہیں دے سکتا اور یہ ایسا شکار کر کے لائے ہیں جس کا کھانا کھانے والے کے لئے جائز اور حلال نہیں ہے۔''

یحییٰ بن حسن سے منقول ہے کہ یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے اشعار ہیں۔

علی بن محمد نوفلی نے اپنی والدہ سے اور انہوں نے اپنے چچا عیسیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: جب جنابِ یحییٰ بن زید کو قید سے رہا کیا گیا اور آپ کی زنجیریں کھول دی گئیں تو آپ کے صاحب ثروت اور خوش حال شیعوں کی ایک جماعت اُس لوہار کے پاس گئی جس نے آپ کے پاؤں کی بیڑیاں اُتاری تھیں اور انہوں نے اس سے کہا کہ وہ یہ زنجیریں انہیں بیچ دے اور وہ باہمی مقابلہ کی وجہ سے ان زنجیروں کی قیمت بڑھانے لگے یہاں تک کہ ان کی قیمت بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ لوہار کو یہ ڈر لاحق ہوا کہ کہیں اس کے متعلق یہ خبر پھیل نہ جائے اور اس سے یہ مال چھین نہ لیا جائے لہٰذا اس نے ان شیعوں سے کہا کہ تم لوگ اس قیمت کو آپس میں (اتفاق سے) جمع کرو تو وہ اس پر راضی ہو گئے اور انہوں نے مال جمع کر کے اسے دے دیا۔ لوہار نے ان زنجیروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو بانٹ دیئے اور انہوں نے لوہے کی زنجیروں کے ان ٹکڑوں کو انگوٹھیوں

کے نگینوں کے طور پر استعمال کیا اور اسے اپنے لئے متبرک قرار دے کر اس سے برکتیں حاصل کرنے لگے۔

اب ہم دوبارہ جنابِ یحییٰ بن زید کی شہادت کے اسباب کے متعلق گفتگو کی طرف لوٹتے ہیں۔

یوسف بن عمر نے ولید (اُموی خلیفہ) کو خط لکھ کر یحییٰ بن زید کی گرفتاری سے آگاہ کیا تو اس نے خط کے جواب میں یہ تحریراً حکم دیا کہ یحییٰ بن زید کو امان دی جائے اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے۔ پھر یوسف بن عمر نے نصر بن سیار (خراسان کے گورنر) کو انہیں رہا کرنے کے بارے میں تحریر کیا تو نصر بن سیار نے جنابِ یحییٰ بن زید کو بلایا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کا حکم دیا اور فتنہ و فساد سے ڈرایا۔

یہ سن کر جنابِ یحییٰ بن زید نے نصر بن سیار سے کہا: کیا اُمت محمدیہ میں اس سے بڑا بھی کوئی فتنہ رونما ہوگا جو فتنہ تم لوگوں نے خون بہا کر برپا کر رکھا ہے اور جس امر (حکومت و خلافت) کے تم اہل اور حق دار نہ تھے، اس پر قابض ہو گئے؟

نصر بن سیار نے آپ کی ان باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور اس نے حکم دیا کہ انہیں دو ہزار درہم اور جوتوں کا ایک جوڑا عنایت کیا جائے تو آپ کو جوتے اور درہم پیش کئے گئے تاکہ آپ ولید کے پاس جا سکیں۔

جنابِ یحییٰ بن زید وہاں سے نکل کر ''سرخس'' آئے جب کہ وہاں کا گورنر عبداللہ بن قیس بن عباد البکری تھا۔ نصر بن سیار نے اسے یہ تحریر کیا کہ جیسے ہی یحییٰ بن زید سرخس میں پہنچے تو اُسے وہاں سے نکال دینا، اور اس نے طوس کے گورنر حسن بن زید تمیمی کو بھی تحریر کیا کہ اگر تمہارے علاقے سے یحییٰ بن زید گزرے تو اسے ایک لمحے کے لئے بھی وہاں پر ٹھہرنے نہ دینا یہاں تک کہ انہیں ابرشہر (نیشاپور) میں عامر بن زرارہ کے حوالے کر دینا۔[1]

سرحان بن نوح العنبری کو ان کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جب یحییٰ بن زید نے سرحان بن نوح کے سامنے نصر بن سیار کا تذکرہ کیا تو اس نے نصر کی عیب جوئی کی گویا اس نے یہ عیب جوئی اس لئے کی کہ اس نے جنابِ یحییٰ بن زید کو بہت کم مال عطا کیا ہے اور جب آپ نے یوسف بن عمر کا تذکرہ کیا تو اس نے اس سے بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا۔ پھر آپ نے کہا: مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں مجھے دھوکے سے قتل نہ کر دیا جائے۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔

اس شخص نے کہا: آپ کا جو جی چاہتا ہے وہ بیان کریں کیونکہ میری طرف سے آپ پر کوئی جاسوس اور

---

[1] تاریخ طبری: ج۸،ص۳۰۰

سراغ رساں متعین نہیں ہے۔ پھر آپ نے کہا: حیرت ہے کہ مجھے سفر میں اتنا زمانہ گزر گیا، خدا کی قسم! اگر میں چاہتا کہ اس (حسین بن زید تمیمی، طوس کے گورنر) کے پاس چلا جاؤں تو جا سکتا تھا اور اس سے اس بات پر مشاورت کرتا جس پر وہ موافقت کرتا تو میں ایسا کر لیتا۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا: آپ کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ صرف مال ہتھیانے کے لئے اس راستے پر رسم ہے۔

اس کے بعد جنابِ یحییٰ بن زید ابرشہر میں عمرو بن زرارہ کے پاس آئے تو اس نے آپ کو ایک ہزار درہم اخراجات کے لئے دیئے۔ پھر اس نے آپ کو بہق کی طرف بھیج دیا۔ جب آپ بہق میں پہنچے جو خراسان کی آخری سرحد تھی، اس وقت آپ کے ہمراہ ستر مرد تھے۔

عمرو بن زرارہ نے کچھ سواریاں خریدیں اور ان پر اپنے ساتھیوں کو سوار کیا۔ پھر عمرو نے نصر بن سیار کو اس بارے میں آگاہ کیا تو نصر نے سرخس کے گورنر عبداللہ بن قیس بن عباد البکری اور طوس کے گورنر حسن بن زید کو خط میں یہ لکھا کہ تم دونوں ابرشہر کے گورنر عمرو بن زرارہ کے پاس جاؤ کیوں کہ وہ ان لوگوں پر لشکر کا امیر ہے۔

پھر یہ لوگ عمرو بن زرارہ کے پاس آئے جو ابرشہر میں قیام پذیر تھا اور اس کے لشکر میں دس ہزار افراد اکٹھے ہو چکے تھے جبکہ جنابِ یحییٰ بن زید صرف ستر افراد کے ہمراہ جنگ کے لئے نکلے اور آپ نے ان کو شکست سے دوچار کیا جب کہ عمرو بن زرارہ قتل ہو گیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کے لئے عمرو بن زرارہ کے لشکر کا سامان مباح قرار دیا تو انہوں نے کافی جانور بطورِ مالِ غنیمت لے لئے۔

پھر آپ وہاں سے ہرات آئے۔ اس وقت ہرات کا گورنر مغلس بن زیاد تھا۔ اس نے آپ کو کچھ نہ کہا اور آپ بھی پر امن وہاں سے نکل کر جوزجان کی سرزمین میں داخل ہو گئے۔ نصر بن سیار نے سلم بن احوز[1] کو آٹھ ہزار گھڑسواروں کے ہمراہ جنابِ یحییٰ بن زید کے مقابلے پر روانہ کیا۔ ان میں شامی اور دیگر علاقوں کے لوگ شامل تھے۔ جب کہ جوزجان کے ایک گاؤں ''ارغویٰ'' میں دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے۔ ان دنوں حماد بن عمرو سعیدی جوزجان کا گورنر تھا اس معرکے میں جنابِ یحییٰ بن زید کے ساتھ ابوالعجارم اور خشخاش ازدی بھی شامل ہوئے۔ اس معرکے کے بعد نصر بن سیار نے خشخاش کو پکڑ کر ان کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر قتل کر دیا۔

---

[1] تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر میں اس کا نام ''مسلم بن احوز'' مذکور ہے۔

سلم (ملعون) نے اپنے لشکر کو جنگ کے لئے تیار کیا اور سورہ بن محمد الشدی کو میمنہ کا اور حماد بن عمرو سعیدی کو میسرہ کا سردار متعین کیا۔ جناب یحییٰ بن زید نے اپنے ساتھیوں کو اسی طرح جنگ کے لئے صف آراستہ کیا جیسے عمرو بن زرارہ کے ساتھ جنگ کے وقت کیا تھا۔

فریقین میں تین دن اور رات تک سخت جنگ ہوئی حتیٰ کہ جناب یحییٰ بن زید کے تمام ساتھی شہید ہو گئے اور جناب یحییٰ کی پیشانی پر ایک تیر لگا۔ آپ کو یہ تیر حمزہ کے غلاموں میں سے ایک غلام نے مارا تھا جس کا نام عیسیٰ تھا۔ سورہ بن محمد نے آپ کو مقتول پایا تو اس نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

حمزہ کے غلام عیسیٰ نے آپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کی قمیص اور دیگر سامان لیا۔ اس معرکے کے بعد عیسیٰ اور سورہ بن محمد کندی زندہ رہے یہاں تک کہ ابومسلم خراسانی نے ان دونوں کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انہیں قتل کر دیا اور پھر دونوں کو سولی پر چڑھا دیا۔ جنابِ یحییٰ بن زید کو شہادت کے بعد جوزجان شہر کے دروازے پر سولی پر چڑھا دیا گیا۔

جعفر الاحمر سے منقول ہے کہ میں نے جناب یحییٰ بن بن زید کو جوزجان کے دروازے پر سولی پر چڑھے ہوئے دیکھا۔

عمر بن عبدالغفار نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ جناب یحییٰ بن زید کو شہید کرنے کے بعد آپ کا سر مبارک نصر بن سیار (خراسان کے گورنر) کو بھیج دیا گیا اور اس نے آپ کا سرِ مبارک ولید بن یزید (اُموی خلیفہ) کے پاس (شام) بھیج دیا۔

جنابِ یحییٰ بن زید کو ایک عرصہ تک سولی پر چڑھائے رکھا یہاں تک کہ بنوعباس آئے اور انہوں نے آپ کو سولی سے اُتار کر غسل و کفن اور حنوط کے بعد دفنایا۔ یہ کام خالد بن ابراہیم ابو داؤد البکری، حازم بن خزیمہ اور عیسیٰ بن ماھان نے کیا۔

جب ابومسلم خراسانی نے جنابِ یحییٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے قاتلوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ رجسٹر کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے قاتلوں سے انتقام لیں پھر انہوں نے اپنے سامنے وہ رجسٹر رکھا جس میں جناب یحییٰ بن زید کے تمام قاتلوں کے نام درج تھے اور جب بھی کسی ایسے شخص کا نام آتا جس نے جنابِ یحییٰ بن زید کے قتل میں مدد کی ہوتی تو ابومسلم اسے قتل کروا دیتے یہاں تک کہ آپ کے لئے جس قدر ممکن ہو سکا اور جو بھی ان کے قتل میں معاون کے طور پر ملا اسے قتل کروا دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔[1]

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ از علامہ حسن رضا باقر ص ۱۷۷۔ ۱۸۳

یحییٰ بن زید شہید کی اولاد جاری نہ ہوئی۔

آپ کی شہادت کے بعد بنواُمیہ کا اقتدار زوال پذیر ہونا شروع ہو گیا۔ آہستہ آہستہ بنوعباس کے داعی خراسان میں زور پکڑتے گئے اور جب اولاد امام حسنؑ نے ان کا ساتھ دیا تو لوگ جوق در جوق ابومسلم خراسانی کی لشکر میں داخل ہونے لگے۔ خراسان کے لوگ یحییٰ بن زید کی شہادت سے بہت غصے میں تھے جس کا فائدہ بنو عباس نے اُٹھایا اور سادات کی مظلومیت کا بیان کر کے اپنی حکومت کی راہ ہموار کی اور بالآخر بنواُمیہ کا اقتدار ختم ہوا۔ اور بنوعباس نے سادات کو دھوکہ دے کر حکومت اپنے نام کر لی۔

(۶۹) حسین ذی العبرۃ بن زید شہید علیہ السلام

بقول عمری حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی کینت ابوعبداللہ تھی آپ نے محمد نفس ذکیہ اور انکے بھائی ابراہیم کی جنگ دیکھی اور ابراہیم بن عبداللہ محض کے بعد خوف میں مبتلا ہوئے۔ آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور آپ کا لقب ذی الدمعہ تھا۔ آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کا نام حسین ذی الدمعہ یا عبرۃ تھا اور کنیت ابوعبداللہ تھی آپ اپنی عمر کے آخری حصے میں بینائی سے محروم ہو گئے جب جناب زید کی شہادت ہوئی تو آپ سن صغیر میں تھے آپ کی پرورش امام جعفر صادق علیہ السلام نے کی اور آپ کی وفات سن ۱۳۵ ہجری میں ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سن ۱۴۰ ہجری میں وفات ہوئی۔[2]

لیکن اگر آپ کی وفات سن ۱۴۰ میں یا ۱۳۵ میں ہوئی ہے تو آپ کا محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم بن عبداللہ محض کی جنگ میں حاضر ہونا درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ جنگ سن ۱۴۵ ہجری کو ہوئی تھیں یا ان کی وفات کی تاریخ درست نہیں۔ بقول ابی نصر بخاری آپ کی وفات ۱۳۵ یا ۱۴۰ کو ہوئی اور یہ درست ہے آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔[3]

جب جناب زید شہید کی شہادت ہوئی اس وقت آپ سات سال کے تھے امام جعفر صادق علیہ السلام آپ کو اپنے گھر لے آئے آپ کی پرورش اور تربیت کی اور بہت سا علم سکھایا۔

آپ کی شادی محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ کی دختر سے ہوئی۔ نماز شب میں خوف

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص: ۳۵۷

[2] عمدہ الطالب ص ۲۴۱، ۲۴۲

[3] سر سلسلہ العلویہ ص ۶۱، ۶۲

خدا سے رونے اور گریہ کرنے کی وجہ سے آپ کو ذی عبرۃ یا ذی دمعہ کہا گیا۔

ذی الدمعہ کا مطلب آنسو والا کے ہیں ابن عمیر امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں اور یونس بن عبدالرحمان ان سے روایت کرتے ہیں اور تاج الدین زہرہ حلبی جناب زید شہید کے اہل خانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان عظیم افراد میں حسین ذی عبرۃ وہ سید تھے اور جلیل القدر تھے جو اپنے خاندان کے رئیس اور اپنی قوم کے کریم اور شریف تھے اور بنی ہاشم کے مخصوص افراد میں سے تھے علم، زُہد، فضل، زبان، بیان اور علم الانساب کے لحاظ سے وہ لوگوں کے حالات کا احاطہ رکھتے تھے۔

ابی الفرج اصفہانی نے نقل کیا ہے کہ حسین ذی الدمعہ خود محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کی جو جنگ منصور دوانقی سے ہوئی اس میں حاضر تھے اس کے بعد منصور کے خوف سے چھپ گئے۔ آپ کے بیٹے یحییٰ بن حسین ذی دمعہ سے روایت ہے کہ میری والدہ نے میرے باپ سے کہا کیا ہو گیا ہے کہ آپ اس قدر گریہ کرتے ہیں تو میرے والد نے کہا: ان دو تیروں اور جہنم کی آگ نے میرے لئے کوئی سرور اور خوشی باقی رکھی ہے کہ جو مجھے رونے سے روکے رکھے ان دو تیروں سے ان کی مراد ایک تیر جو زید شہید کو لگا اور دوسرا تیر جو اِن کے بھائی یحییٰ بن زید کو لگا[1]

بقول عمری آپ کی وفات ٦٧ سال کی عمر میں ہوئی۔

اولاد حسین ذی الدمعہ بن زید شہید بن امام زین العابدین:

بقول عمری آپ کی نو بیٹیاں تھیں:

(١)میمونہ (٢)ام الحسن (٣)کلثوم (٤)فاطمہ (٥)سکینہ

(٦)علیہ (٧)خدیجہ (٨)زینب (٩)عاتکہ

اور آپ کے اٹھارہ بیٹے تھے:

(١)یحییٰ (٢)علی اکبر (٣)علی (٤)حسین (٥)زید

(٦)ابراہیم (٧)محمد (٨)عقبہ (٩)یحییٰ اصغر (١٠)احمد

(١١)اسحاق (١٢)قاسم (١٣)حسن (١٤)محمد اصغر (١٥)عبداللہ

(١٦)جعفر اکبر (١٧)عمر (١٨)جعفر

---

[1] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از قمر عباس اعرجی ص: ٢٠٦، ٢٠٧

ان حضرات میں جعفر اور جعفر اصغر، عمر، محمد اصغر، احمد، یحییٰ اصغر، زید، ابراہیم اور عقبہ ان نو فرزندوں کی اعقاب کا تذکرہ نہیں یعنی لاولد تھے۔ باقی حضرات میں اول عبداللہ بن حسین ذی الدمعہ ایک محدث تھے ان کے چار فرزند اور ایک بیٹی تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ فرزندان میں جعفر، محمد، زید یہ تینوں بھائی ابی سرایا سری بن منصور شیبانی کے ہمراہ تھے۔ اور بنو عباس کے لشکر کے ساتھ جنگ میں شہید ہو گئے اور چوتھے فرزند احمد تھے۔

دوئم حسن بن حسین ذی الدمعہ:

آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور آپ احادیث کے راوی تھے آپ کا قتل مامون عباسی کے دور میں ابی سرایا کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے ہوا آپ درج تھے اور بقول بعض کے آپ منقرض ہوئے۔[1]

بقول قاضی ابی الفرج نہروانی آپ کی والدہ کلثوم بنت محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔[2]

سوئم قاسم بن حسین ذی دمعہ:

آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور یہ بھی ذکر ہے کہ آپ کی اولاد مغرب میں تھی۔ آپ کے چھے فرزند تھے: (۱) صاحب قیروان (۲) زید (درج) (۳) حسین بعض نے انہیں حسن بھی کہا (۴) جعفر (درج طبرستان)، (۵) احمد (۶) ابوجعفر محمد لقب نونوا کی ایک دختر میمونہ تھیں جن کی شادی احمد بن عیسیٰ بن جعفر الملک ملتانی بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی۔ قاسم بن حسین ذی الدمعہ کی اولاد باقی نہ رہی۔

چہارم اسحاق بن حسین ذی الدمعہ:

آپ کی والدہ ام الولد تھیں آپ کا ایک فرزند حسن تھا جو ابی سرایا سری بن منصور شیبانی کی ہمراہی میں شہید ہوئے بقول عمری آپ کی اولاد تھی۔

پنجم علی اکبر بن حسین ذی دمعہ:

آپ نے محمد دیباج بن امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ خروج کیا آپ کی دو صاحبزادیاں فاطمہ اور خدیجہ تھیں۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص: ۳۵۷

[2] المغانم المطالبہ فی معالم طابہ از فیروز آبادی ص ۲۹۴

ششم محمد بن حسین ذی دمعہ:

آپ کی اولاد میں (۱) محمد (۲) حسین (۳) علی (۴) خدیجہ تھے ان میں علی بن محمد بن حسین ذی دمعہ کا ایک فرزند زید تھا جو اصحاب حدیث میں سے تھا۔[۱]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسین ذی دمعہ کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی (۱) حسین قعدد (۲) علی (۳) یحییٰ ۔[۲]

(۷۰) زید بن قاسم بن حسین بن حسین ذی الدمعہ

بقول نسابہ کبیر عمری علوی زید اطروش بن قاسم بن حسین بن حسین آپ کی کنیت ابوالحسین تھی اور آپ قصر ابن ہبیرة کے رہائشی تھے۔ آپ کا قتل مکہ کے راستے میں ایام مکتفی باللہ عباسی میں ہوا آپ کو الکبسی کہا جاتا تھا آپ کی والدہ ام الولد تھیں نسابہ ابی منذر کی تحریر کے مطابق آپ کو اقطع بھی کہا گیا آپ کی تین اولادیں تھیں (۱) فاطمہ (۲) زید اقثم حمص میں فوت ہوئے (۳) حسن ۔[۳]

بقول ابی الفرج اصفہانی زید بن (قاسم) بن حسین بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو ایک قرامطی نے مکتفی باللہ کے زمانے میں مکے کے راستے میں قتل کیا۔ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ مجھے حکم بن یحییٰ نے بتایا کہ زید کے والد قاسم بن حسین بن حسین ذی الدمعہ خاندان بنو ہاشم کے سردار اور بزرگ تھے اور مختلف علاقوں سے اموال (خمس) آپ کے پاس آتا تھا۔ پھر حکم بن یحییٰ نے مجھے بتایا کہ ایک دن (مؤلف ابی الفرج اصفہانی کے دادا) ابوالحسن محمد بن احمد اصفہانی کے پاس موجود تھے جبکہ اس وقت اولاد ابی طالب میں سے ایک جماعت ان کے پاس موجود تھی ان میں (قاسم) بن حسین بن حسین ذی دمعہ، محمد بن علی بن حمزہ علوی عباسی (اولاد عباس علمدار) اور ابوہاشم داؤد بن قاسم جعفری طیاری شامل تھے۔

آپ کے دادا (محمد بن احمد اصفہانی) نے کہا اے ابوعبداللہ آپ اور ابو ہاشم جعفری تمام لوگوں سے زیادہ نسب کے اعتبار سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی اولاد کے قریب ہیں۔ اور آپ دونوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۵۷، ۳۵۸

[۲] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از سید جمال الدین ابن عنبہ ص ۲۴۲

[۳] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۳۵۹

کی آل اور اولاد کے سردار اور بزرگ ہیں۔ پھر انہوں نے ان دونوں کو درازی عمر کی دعا دی۔ یہ سن کر محمد بن علی بن حمزہ علوی عباسی کو ان دونوں سے حسد ہوا اور کہا: اے ابوالحسن اس دور میں انہیں رسول خدا ﷺ کا نسب اور قرب کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ اگر یہ اس نسب اور قرب کی وجہ سے اس زمانے والوں سے مٹھی بھر سبزی مانگیں تو ان دونوں کو اس سے کم عطا کیا جائے گا۔

اس پر (قاسم) بن حسین قعدد بن حسین ذی دمعہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا تم میرے بارے میں یہ کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم میں ایسی بات کو پسند نہیں کرتا کہ مجھے رسول خدا ﷺ سے ایک پُشت بھی دور کیا جائے اور یہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب میرے لئے ہے۔ حکم بن یحییٰ کہتا ہے کہ (قاسم) بن حسین بن حسین ذی الدمعہ کے ایک بیٹے کا نام زید تھا جسے مکے کے راستے میں قتل کر دیا گیا وہ بنو ہاشم کے بہادر جوانوں میں سے ظریف اور خوبصورت جوان تھا وہ متوکل کی اولاد کے ہمراہ رہتا تھا۔

جب یہ متوکل کی اولاد کے پاس آلات، قالین، بچھونے، برتن وغیرہ دیکھتا تو اپنے والد سے آ کر کہتا میں اپنے چچا زاد بھائیوں کی دعوت کرنا چاہتا ہوں اور ان کی طرح اسباب زندگی خرید کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا مجھے رقم دیں تا کہ میں یہ سب خرید سکوں۔ پھر ان کے والد انہیں رقم دیتے اور وہ دل کھول کر خرچ کرتے اگر والد کچھ نہ دیتے تو ان کو حاکم خلاف خروج کرنے کی دھمکی دیتے آپ کو مکہ کے راستے میں ایک قرامطی نے شہید کر دیا۔ آپ بنی ہاشم کے بہادر اور خوبصورت جوانوں میں سے ایک تھے۔[1]

(۱۷) ابوالحسین یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذی الدمعہ

بقول نسابہ کبیر عمری آپ کی کنیت ابوالحسین تھی آپ کی والدہ جعفر یہ یعنی اولاد جعفر طیار سے تھیں۔ آپ کو صاحب شاہی قریہ کہا جاتا ہے۔ اور شاہی قریہ سوادالکوفہ میں ہے۔ آپ کا قتل بھی وہاں ایام مستعین باللہ میں ہوا آپ فارس، بہادر اور خوبصورت جوان تھے آپ کے مادری بھائی ابوالقاسم علی بن محمد الصوفی بن یحییٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب تھے۔[2]

بقول ابن عنبہ آپکی والدہ ام الحسن بنت حسین بن عبداللہ بن اسماعیل بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار تھیں۔[3]

---

[1] مقاتل الطالبین (عربی) از ابی الفرج اصفہانی ص: ۵۴۶۔۵۴۸

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص: ۳۶۹

[3] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۵۲

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ نے متوکل نے زمانے میں خراسان کی طرف سفر کیا لیکن عبداللہ بن طاہر نے آپ کو وہاں سے واپس بھیج دیا اور پھر متوکل نے انہیں عمر بن فرج رخجی کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ اس نے آپ سے توہین آمیز گفتگو کی تو جواب میں یحییٰ بن عمر نے بھی اسے بُرا بھلا کہا۔ اس پر عمر بن فرج رخجی نے متوکل سے ان کی شکایت کی تو اس نے انہیں اذیت دینے کا حکم دیا۔ عمر بن فرج رخجی نے آپ کو دُروں سے پیٹنے کے بعد فتح بن خاقان کے گھر میں قید کر دیا۔ ایک مدت تک آپ کو وہاں قید رکھا گیا اس کے بعد آپ کو آزاد کیا گیا تو آپ بغداد چلے گئے۔[1]

بقول ابن عنبہ آپ آئمہ زیدیہ میں سے تھے اور لوگوں کو خوشنودی آلِ محمد کی دعوت دیتے تھے۔[2]

پھر کچھ عرصہ بغداد میں رہنے کے بعد کوفہ چلے گئے اور وہاں پر لوگوں کو ''خوشنودی آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے شعار کی طرف بلایا جب کہ آپ نے اپنی شہادت تک کوفہ میں عدل و انصاف اور حسن سیرت و کردار کا مظاہرہ کیا۔ آپ ایک شہوار، بہادر مرد، مضبوط بدن اور قوی دل کے مالک تھے اور جوانی کی تمام مستیوں اور گناہوں سے دُور رہتے تھے۔

ابوعبداللہ بن ابی الحصین سے مروی ہے کہ جب یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ نے خروج کا ارادہ کیا تو آپ سب سے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے گئے اور وہاں پر موجود زائرین حسین علیہ السلام کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا تو دیہاتی عربوں کا ایک گروہ آپ کے ساتھ منسلک ہو گیا۔ پھر آپ کربلا سے روانہ ہو کر ''شاہی'' آئے اور وہاں پر رات تک قیام پذیر رہے۔ پھر رات کے وقت کوفہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے ساتھی بلند آواز میں یہ صدا دے رہے تھے: اے لوگو! اللہ کی طرف بلانے والے (یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ) کی دعوت پر لبیک کہو، تو ایک بہت بڑی جمعیت اور جمِ غفیر آپ کے گرد جمع ہو گیا۔

اگلے دن صبح کے وقت آپ بیت المال کی طرف گئے اور اس میں موجود تمام اموال و اسباب کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر صرافوں کے پاس گئے کیونکہ ان کے پاس بھی خلیفہ کا مال موجود تھا تو آپ نے ان سے بھی وہ مال لے لیا۔ پھر آپ بنوحمان کی طرف گئے اور وہ لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ پھر آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور ابوجعفر محمد بن عبیداللہ الحسنی جو ادرع کے نام سے معروف تھے، ان سے سرگوشی میں بات کرنے لگے جب کہ ان سے خلیفہ کی بابت گفتگو کی کہ اس دوران عبداللہ ابن محمود ان کی طرف بڑھا اور اس کے ہمراہ

---

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ علام حسن رضا باقر ص:۵۵۸

[2] عمدۃ الطالب ص ۳۵۲

وظیفہ خوار سپاہی بھی تھے جبکہ یہ سپاہی اس کے ساتھ کوفہ کے محلوں میں مرحلہ وار تعینات تھے۔

اسے یوں آتا دیکھ کر ایک اعرابی نے بلند آواز میں کہا: اے مرد (یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ) تم سے دھوکہ ہو گیا ہے اور یہ گھڑسوار تمہارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ یہ سن کر یحییٰ بن عمر تیزی سے اُٹھے اور گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر گھومتے ہوئے چکر لگایا اور پھر عبداللہ بن محمود پر حملہ کرتے ہوئے اپنی تلوار سے اس کے چہرے پر وار کیا تو وہ شکست خوردہ ہو کر واپس بھاگا اور اس کے ساتھی بھی اس کے پیچھے پسپائی اختیار کرتے ہوئی بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد آپ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس لوٹ آئے اور ان کے ہمراہ ایک گھنٹہ گزارنے کے بعد اپنے لشکر کے ہمراہ ''وازار'' کی طرف نکل پڑے۔ پھر ''وازار'' سے ''حنبلا'' کی طرف روانہ ہو گئے۔

بالآخر یحییٰ بن عمر کے خروج کی خبر پھیل گئی اور جب یہ خبر بغداد پہنچی تو محمد بن عبداللہ بن طاہر نے اپنے چچازاد حسین بن اسماعیل کو یحییٰ سے جنگ کے لئے آمادہ کیا اور اس کے ساتھ کئی سرداروں کو بھی لشکر میں شامل کیا۔ ان میں خالد بن عمران، ابوالسنا الغنوی، وجہ الفلس، عبداللہ بن نصر بن حمزہ اور سعد الضبابی شامل تھے۔ یہ سب مجبور ہو کر یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ بغداد کے لوگوں کے نیک جذبات اور خواہشات یحییٰ کے ساتھ تھے۔ اس سے پہلے اولاد ابوطالب میں سے جن افراد نے خروج کیا تھا، ان کے لئے بغداد کے لوگوں نے کبھی اس طرح کی رغبت اور میلان نہیں دیکھا یا تھا۔

حسین بن اسماعیل کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر شہر میں داخل ہو گیا اور کئی دنوں تک کوفہ میں ہی ٹھہرا رہا۔ پھر یحییٰ بن عمر کو تلاش کرنے کے لئے ان کی طرف نکل پڑا یہاں تک کہ جب انہیں تلاش کر لیا تو کئی دنوں تک ان کے سامنے پڑاؤ ڈالے رکھا۔ پھر وہ کوفہ سے ''قسین'' کے ارادے سے نکل پڑا اور راستے میں ایک گاؤں جس کا نام ''بحریہ'' تھا، وہاں پر پڑاؤ ڈالا۔ اس علاقے میں احمد بن علی الاسکافی (عباسی خلیفہ کی جانب سے) خراج جمع کرنے پر مامور تھا اور احمد بن الفرج الفزاری کو جنگی اُمور کا نگران مقرر کر رکھا تھا جب کہ ان حالات میں احمد بن علی خراج کا مال لے کر وہاں سے فرار ہو گیا۔ لیکن ابن الفرج وہیں ثابت قدم رہا اور اس کی یحییٰ بن عمر کے ساتھ ابھی تھوڑی دیر ہی لڑائی ہوئی تھی کہ یہ پسپا ہو گیا۔

یحییٰ بن عمر کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے جبکہ راستے میں وجہ الفلس نے ان کا راستہ روکا تو دونوں لشکروں میں سخت لڑائی کے بعد یحییٰ بن عمر نے وجہ الفلس کو شکست سے دوچار کیا لیکن آپ نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔

وجہ الفلس پسپا ہو کر سیدھا ''شاہی'' میں جا کر رُکا۔ پھر اچانک حسین بن اسماعیل بھی وہاں پہنچ گیا اور

اس نے بھی وہاں قیام کیا۔ پھر دونوں نے وہاں آرام کیا اور ٹھنڈے شیریں پانی سے خود کو سیراب کیا۔ انہوں نے اپنے لشکر والوں اور گھوڑوں کو بھی غذا سے طاقت فراہم کی۔

یحییٰ بن عمر کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جو ھیضم بن العلاء العجلی کے نام سے معروف تھا وہ اپنے خاندان اور قبیلے کے کئی افراد کے ہمراہ یحییٰ کے پاس آیا جبکہ اس وقت ان کے گھوڑے اور مرد تھکاوٹ کا شکار تھے لیکن یہ اسی کیفیت میں یحییٰ علیہ السلام کے لشکر سے آملے۔ جب دونوں لشکر کی مڈبھیڑ ہوئی تو یحییٰ کے لشکر سے سب سے پہلے یہ ھیضم پسپا ہوا ایک گروہ نے بیان کیا ہے کہ حسین بن اسماعیل اور ھیضم کے درمیان باہمی خط و کتابت ہوتی رہتی تھی اور یہ دونوں یحییٰ کے خلاف آپس میں ایک رائے پر متفق ہوئے تھے۔ اور دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ ھیضم کو تھکاوٹ اور مشقت کی وجہ سے پسپائی اور شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

علی بن سلیمان کوفی نے اپنے باپ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ میرے باپ نے بتایا: ایک دن میں اور ھیضم اکٹھے تھے کہ ہم نے آپس میں یحییٰ علیہ السلام بن عمر کا تذکرہ چھیڑ دیا تو ھیضم نے اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کی قسم کھا کر کہا کہ یحییٰ علیہ السلام کی شکست میں میرا کوئی کردار نہ تھا بلکہ یحییٰ علیہ السلام کو جنگی اُمور میں زیادہ تجربہ اور پختگی حاصل نہ تھی، وہ تنہا دشمن کے لشکر پر حملہ آور ہوتے اور پھر واپس پلٹ آتے تھے جبکہ میں نے انہیں ایسا کرنے سے روکا تھا لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ ایک دفعہ انہوں نے حسب سابق دشمن پر حملہ کیا تو اس دوران ان پر میری نظر پڑی اور میں نے دیکھا کہ وہ دشمن کے لشکر کے درمیان گرے ہوئے ہیں اور جب میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ قتل ہو چکے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس پلٹ آیا۔

اب ہم دوبارہ ابن عمار کی روایت کی طرف اپنی گفتگو کا رخ موڑتے ہیں:

جب یحییٰ علیہ السلام بن عمر نے یہ دیکھا کہ ھیضم کو شکست ہوگئی ہے تو اس کے بعد آپ دیدہ دلیری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ آپ کی شہادت کے بعد سعد الضبابی آپ کا سر لے کر حسین بن اسماعیل کے پاس آیا آپ کے چہرے پر ضربوں کے نشانات کی وجہ سے آپ کی پہچان نہیں ہو رہی تھی۔

کوفہ کے لوگوں کو ابھی تک یحییٰ علیہ السلام بن عمر کے قتل ہونے کا علم نہیں تھا لہٰذا حسین بن اسماعیل نے ابو جعفر الحسنی جس کا تھوڑی دیر پہلے تذکرہ ہوا ہے، اسے کوفیوں کی طرف بھیجا تاکہ یہ انہیں یحییٰ بن عمر کے قتل ہوجانے سے آگاہ کرے۔ جب اس نے کوفیوں سے یہ بات کی تو انہوں نے اسے گالیوں سے نوازا اور ہر برائی سے منسوب کیا۔ پھر وہ اسے قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے اور اس کے ایک غلام کو قتل کر دیا۔ پھر حسین

بن اسماعیل نے یحییٰ بن عمر کے مادری بھائی علی بن محمد الصوفی کو ان کی طرف بھیجا جو عمر بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھا۔ یہ ایک شفیق و مہربان اور معروف شخص تھا۔ اس نے لوگوں کو اپنے بھائی کی شہادت سے آگاہ کیا تو لوگوں نے رونا پیٹنا اور واویلا کرنا شروع کر دیا۔ پھر وہ سب وہاں سے واپس چلے گئے۔

حسین بن اسماعیل بھی یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کے سر کے ہمراہ بغداد کی طرف چل پڑا۔ جب یہ بغداد میں داخل ہوا تو بغداد کے لوگ اس کے اس عمل کو ناپسند کرتے ہوئے بلند آواز میں کہہ رہے تھے کہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ قتل نہیں ہوئے ہیں۔ وہ یہ نعرہ اس لئے لگا رہے تھے کیونکہ بغداد کے لوگوں کی یحییٰ بن عمر کے ساتھ دلی وابستگی تھی۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف یہی شور و غوغا بلند ہو رہا تھا اور بچے چیختے ہوئے کہہ رہے تھے کہ وہ نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ ہی فرار ہوئے ہیں بلکہ وہ نیکی و بھلائی میں داخل ہوئے ہیں۔

جب یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کا سر بغداد میں آیا تو وہاں کے لوگ محمد بن عبداللہ بن طاہر کے پاس آ کر اسے فتح کی مبارک باد دینے لگے۔ ان افراد میں ابو ہاشم داؤد بن قاسم الجعفری بھی تھے۔ یہ فصیح و بلیغ اور فی البدیہہ کلام کرنے والے شخص تھے۔ ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہوتی تھی کہ ان کے آگے سردار اور حاکم کے خاص آدمی ہیں۔

احمد بن عبیداللہ بن عمار اور حکیم بن یحییٰ الخزاعی سے یہ مروی ہے کہ ابو ہاشم نے محمد بن عبداللہ بن طاہر کے پاس جا کر کہا: اے سردار! میں تمہیں اس شخص کے قتل پر مبارک باد پیش کرنے آیا ہوں کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے تو وہ اس کے قتل پر تعزیت پیش کرتے۔ یہ سن کر محمد بن عبداللہ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔

اس وقت محمد بن عبداللہ نے اپنی بہن اور اپنی بیویوں کو خراسان کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا: یہ اس گھرانے کے شہدا کے سر ہیں کہ جس قوم کے گھر میں بھی ان کے سر داخل ہوئے اس قوم سے نعمت چھن گئی اور ان کی حکومت زائل و ختم ہوگئی۔ یہ سن کر ان عورتوں نے کوچ کی تیاری کر لی۔

ابن عمار کی روایت میں منقول ہے کہ جب یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے قیدی بنائے گئے افراد کو بغداد میں داخل کیا گیا تو ان کا انتہائی برا حال تھا اور ان پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ ان کو اس حالت میں آگے کو ہانکا جا رہا تھا کہ ان کے پیروں میں کچھ نہ تھا۔ ان میں سے جو پیچھے رہ جاتا اس کی گردن اُڑا دی جاتی۔ پھر مستعین کا خط آیا کہ ان قیدیوں کو رہا کر دو تو ایک شخص کے سوا باقی سب کو رہا کر دیا گیا۔ اسحاق بن جناح جو یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کے سپاہیوں کا نگران و سردار (پولیس انچیف) تھا اسے رہا نہ کیا گیا۔

محمد بن حسین الاشنانی بیان کرتا ہے: اسحاق بن جناح کو اس کی موت تک قید خانے میں ہی رکھا گیا۔

جب اس کی وفات ہوگئی تو محمد بن عبداللہ بن طاہر نے اس کے بارے میں یہ تحریری حکم نامہ جاری کیا کہ اس نجس و پلید اسحاق بن جناح کو یہودیوں کے قبرستان میں دفنایا جائے، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفنایا جائے۔ اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے اور اسے غسل وکفن نہ دیا جائے۔ پھر اسے اس کے کپڑوں میں ہی اس کی نعش پر چادر ڈال کر قید خانے سے باہر نکال کر خرابے میں لایا گیا اور وہاں اسے زمین پر رکھ کر اس کے اوپر دیوار کو گرادیا گیا۔

یحییٰ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کوفہ کے کئی نمایاں افراد اور بافضیلت و باکمال لوگوں نے بھی خروج کیا۔ میں نے اپنے کوفہ کے ایک مشائخ (محمد بن حسین) سے سنا کہ ابومحمد عبداللہ بن زیدان البجلی نے معلم کی حیثیت سے یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ خروج کیا اور یہ ان کے شہسوار بہادر ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ اور میں نے ان سے ملاقات کر کے ان سے واقعات و روایات کو تحریر کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بہت محتاط اور لوگوں سے بچ کر اور کافی چوکنا ہو کر رہتے تھے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان سے جو کچھ مذکور ہوا ہے، وہ سب سچ ہے۔

مؤلف کہتے ہیں: عباسی خلافت میں حضرت ابو طالب علیہ السلام کی اولاد میں سے جو افراد قتل ہوئے ان میں سے کسی کی شہادت پر اس قدر مرثیے نہیں کہے گئے جتنے ان کی شہادت پر کہے گئے اور نہ ہی ان سے زیادہ کسی کی شان میں اشعار بیان کئے گئے ہیں۔

محمد بن حسین بن سمیدع سے مروی ہے کہ مجھے میرے چچا نے بتایا کہ میں نے یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بن عمر سے زیادہ کوئی متقی و پرہیز گار شخص نہیں دیکھا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا اے فرزند رسولؐ شاید آپ نے غربت اور تنگدستی کی وجہ سے حکومت پر خروج کیا ہے۔ میرے پاس ایک ہزار دینار ہیں، یہ آپ لے لیجئے اس کے سوا میری ملکیت میں کچھ نہیں یہ آپ کے لئے ہیں اور میں اپنے بھائیوں سے آپ کے لئے مزید ایک ہزار دینار بھی لے آؤں گا۔

یہ سن کر یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بن عمر نے اپنا سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا: اگر میں جھوٹ بولوں تو فلانہ بنت (یعنی ان کی زوجہ) کو تین طلاق ہوں۔ میں نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے غضب کی خاطر خروج کیا ہے کہ اگر میں ان حالات میں اس ظالم حکومت کے خلاف قیام نہیں کروں گا تو وہ مجھ پر غضب ناک ہوگا۔ اس پر میں نے ان سے عرض کیا: آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے۔ پھر میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے ہمراہ خروج کیا۔[1]

---

[1] مقاتل الطالبین اُردو ترجمہ از علامہ حسن رضا باقر ص: ۵۵۸۔۵۶۴

ابوالحسن یحییٰ بن عمر کی شہادت ۲۵۰ ہجری کو ہوئی۔ بقول ابی نصر بخاری یہ غلط ہے کہ ان کی اولاد تھی کچھ لوگ غلطی سے ان کی طرف منسوب ہیں بقول ابن عنبہ آپ کی اعقاب نہ تھی۔

(۷۲) حسین نسابہ نقیب اوّل بن احمد محدث بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذی دمعہ

نسابہ کبیر ابوالحسن عمری علوی نے آپ کی کنیت ابوعبداللہ تحریر کی ہے اور لکھتے ہیں آپ کی والدہ غنی نامی ام الولد تھیں آپ نقابہ الکوفہ تھے اور نسب جمع کرنے والے تھے آپ نے تعلیقہ ابن دینار نسابہ کوفی فاصل المشجر اور ظفر ابن دینار کے جرائد اخذ کئے ہے[۱]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ آپ اول نقیب ولی سائر الطالبین تھے۔ آپ علم الانساب کے عالم تھے اور سن ۲۵۱ ہجری میں حجاز سے عراق داخل ہوئے۔[۲]

اور ایک قول کے مطابق آپ اول تھے جنہوں نے مشجر صورت میں نسب تحریر کیا۔ (یعنی آل ابی طالب پر مشجر طریق میں اول کتاب تحریر کی) اور اس کتاب کا نام ''الغصون فی آل یاسین تھا اور آپ موسس نقابہ طالبین تھے یعنی اولاد ابی طالب کی نقابت کی بنیاد رکھنے والے تھے۔

لیکن آج آپ کی تحریر کردہ کتاب آج موجود نہیں جبکہ سید ابی الحسین یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ کی کتاب مبسوط آج انساب کی اول کتاب سمجھی جاتی ہے جو آل ابی طالب میں سے ہی کسی نے آل ابی طالب پر تحریر کی ہے۔

نسابہ آپ سے پہلے بھی اولاد ابی طالب میں موجود تھے مگر آج یحییٰ نسابہ کی کتاب باقی ہے اور باقی حضرات کی کتب دستیاب نہیں۔ اس لئے نسابین نے آپ کو آل ابی طالب پر اول کتاب تحریر کرنے والا کہا ہے۔

سید حسین نسابہ نقیب بن احمد محدث کے بارے میں کتاب شرف الاسباط میں تحریر ہے یعنی قاسمی سے روایت ہے کہ مستعین باللہ نے طالبین کے افراد طلب کئے اور کسی ایک کو بڑا بنانے کا کہا تو سب حسین نسابہ پر متفق ہوئے یوں طالبین کی مشاورت سے آپ کو طالبین کے نقیب اول کا عہدہ ملا۔[۳]

---

[۱] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۷۰

[۲] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۵۳

[۳] کتاب شرف الاسباط ص ۸

اور اس نقابت سے سادات کو بہت فائدہ ہوا مستعین باللہ کے زمانے میں سادات میں سے مختلف افراد نے خروج کیا اور اسکی وجہ سے عباسی حکومت بہت پریشان ہوئی کیونکہ اصل میں عباسی سادات کے حق غصب کر کے ہی اقتدار میں آئے تھے اس وجہ سے طالبین سے خوفزدہ رہتے تھے۔

اس اقدام سے مستعین کا مقصد طالبین کو خوش کرنا تھا اور اس اجراِ سے طالبین کو بہت فائدہ ہوا۔

سید حسین نسابہ بن احمد محدث کی اولاد بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابوالحسین زید المعروف بعم عمر آپ کی والدہ دختر حسن اللحق بن موسیٰ بن جعفر خواری بن امام موسیٰ کاظمؑ تھیں بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد کوفہ میں رہی اور ذکر طویل کے بعد منقرض (ختم) ہوگئی اور دوسرے فرزند ابوالحسین یحییٰ ہے[۱]

اس کے علاوہ حسین نسابہ بن احمد محدث کی تین صاحبزادیاں: (۱) خدیجہ (۲) ام احمد (۳) ام حمزہ بھی تھیں۔

(۷۳) ابوعلی عمر الرئیس بن یحییٰ بن حسین نسابہ بن احمد محدث

آپ کی والدہ کوفہ کی رہنے والی تھیں آپ امیر حاج اور رئیس تھے۔ آپ نے سن ۳۳۹ میں حجر اسود کعبہ میں واپس لایا جو قرامطہ اکھاڑ کر لے گئے تھے آپ نے حجر الاسود کو واپس لایا بقول ابن عنبہ آپ کی ۳۷ اولادیں تھیں جس میں سے ۲۱ لڑکے تھے جبکہ آپ کی اولاد آٹھ فرزندوں سے باقی رہی جن میں سے بعض منقرض ہوگئے جبکہ آپ کی اولاد باقی تین پسران سے رہی (۱) ابوالحسن محمد الشریف (۲) ابو طالب محمد (۳) ابوالغنائم محمد ہے[۲]

بقول عباس قُمی المحدث آپ وہی سید ہیں جنہوں نے اپنے ذاتی مال سے اپنے جد مولا امیر المومنین علی ابن ابی طالب کا گنبد تعمیر کیا آپ کی وفات ۳۴۰ ہجری کو ہوئی۔

بقول شریف مروزی آپ کے ۲۴ بیٹے تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ ۳۰ بیٹے تھے اور ۳۷ بیٹیاں تھیں اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کے ۲۱ لڑکے تھے جن کے نام محمد اور کنیت مختلف تھیں۔[۳]

---

[۱] عمدۃ الطالب ص ۲۵۳

[۲] عمدۃ الطالب ص ۲۵۴

[۳] الفخری فی انساب الطالبین ص ۴۱

بقول امام فخر الدین رازی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کی اولاد آٹھ پسران سے جاری ہوئی ہے[1]

(۷۴) ابوالحسن محمد بن ابوعلی عمر رئیس بن یحییٰ ابن حسین نسابہ

بقول صاحب ابن عنبہ آپ مرد وجیہ متمول اور علویوں میں سے کسی کے پاس اتنا مال و املاک وغیرہ نہ تھیں جتنا آپ کے پاس تھا۔ آپ ایک سال میں ۷۸ ہزار جریب زمین پر زراعت کرتے تھے۔ عمدۃ الطالب میں ابن صابی سے منقول ہے کہ آپ کی املاک اس قدر کثیر تھیں کہ ان زمینوں کی پیاس فرات بجھانے سے قاصر تھی یعنی ان کو سیراب کرنے سے قاصر تھیں اور جب عضد الدولہ نے اپنے وزیر مطہر بن علی کو عمران بن شاہین سے بطیحہ میں جنگ کرنے کے لئے بھیجا اور اس جنگ میں مطہر بن علی زخمی ہوا اور بعد میں مر گیا۔ اس جنگ میں شریف ابوالحسن محمد بن عمر بھی اس کے ساتھ تھے۔ تو ان دونوں میں کسی بات پر اختلاف ہوا مطہر بن علی نے ابوالحسن محمد سے کلام سنا جس میں عضد الدولہ کے لئے شکایت تھی اور بعد میں یہ خبر عضد الدولہ کو پہنچی تو اس نے آپ کو گرفتار کیا اور آپ کو املاک سے بے دخل کیا اور آپ کو فارس منتقل کر دیا۔

عمدۃ الطالب میں آپ سے مطلق ایک عجیب وغریب حکایت ہے کہ ایک دفعہ ابوالحسن محمد بن عمر دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مطہر بن علی وزیر عضد الدولہ بن بویہ بھی دیوان میں موجود تھا اس وقت ایک خط موصول ہوا کہ قرامطہ کا قاصد کوفہ پہنچ رہا ہے اور اس مناسبت سے اسباب مہیا کرنے کے لئے کوفہ میں کوئی خط لکھا جائے۔ مطہر بن علی وزیر نے وہ خط سید ابوالحسن محمد کو دکھایا اور اشارہ کیا کہ کسی شخص کو اس خدمت کے عنوان سے اس قاصد کے لئے روانہ کیا جائے۔ پس وزیر بعض اہم امورِ دیوان میں مشغول ہو گیا اور ایک گھنٹہ تک اسی حالت میں رہا جب فارغ ہوا تو شریف ابوالحسن محمد کو فارغ البال اور آسودہ خیال اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا پایا تو از روئے تعجب کہا اے شریف یہ کام ان امور میں سے نہیں جن میں سستی برتی جائے۔

تو شریف ابوالحسن محمد نے کہا میں نے کوفہ میں ایک قاصد بھیجا تھا وہ جواب لے کر آیا ہے کہ وہ اسباب کی تیاری میں مشغول ہیں۔ وزیر کو اس بات سے تعجب ہوا تو اس نے اس کام کی کیفیت کے متعلق سوال کیا تو شریف ابوالحسن محمد نے اسے جواب دیا میرے پاس بغداد میں کچھ کوفی پرندے ہیں اور کوفے میں کچھ بغدادی پرندے ہیں جب آپ نے اپنی رائے کے مطابق مجھے اشارہ کیا تھا تو میں حکم دیا تھا کہ پرندے کے توسط سے کوفہ میں خط لکھا جائے اور ابھی دوبارہ خبر ملی ہے کہ خط کوفہ پہنچ گیا ہے اور وہاں اطاعت امر میں مشغول ہیں۔

---

[1] شجرۃ المبارکہ ص ۱۸۰

بقول جمال الدین ابن عنبہ اپ کی اولاد سے بنوخزعل سبزوار اورخراسان میں تھی جو ابومحمد حسن بن عدنان بن حسن بن محمد بن محمد بن عمر بن ابوالحسن محمد ابوالمذکور کی اولاد تھی [1]

(۷۵) سید محمد حسینی المعروف گیسودراز

آپ کا نسب اس طرح ہے سید محمد گیسو دراز بن یوسف ثانی بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داوَد بن زید الجندی بن حسین الفدا ان بن ابی محمد منصور محمد اکبر بن بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذی العبرۃ بن زید شہید بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی علیہ السلام [2]

آپ کا نام محمد لقب صدر الدین الولی الاکبر، خواجہ بندہ نواز، گیسو دراز اور کنیت ابوالفتح، گیسو دراز کا لقب آپ کو خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی بارگاہ سے حاصل ہوا۔

آپ کی ولادت ۴ رجب ۷۲۱ ہجری بمطابق ۷ ستمبر ۱۳۲۱ عیسوی کو دہلی میں ہوئی۔ آپ کے جداعلیٰ ابوالحسن جندی علاوَ الدین مسعود شاہ کے عہد حکومت میں دہلی چلے آئے تھے اور یہیں پر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ تاریخ حبیبی میں ہے کہ حضرت کے اجداد خراسان سے ہندوستان وارد ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

محمد تغلق کے حکم پر علماء عمائدین اور مشائخین نے دہلی سے دولت آباد کا رخ کیا تو خواجہ بندہ نواز بھی اپنے والد سید یوسف حسینی راجو قتال کے ہمراہ دولت آباد پہنچے آپ کی ابتدائی تعلیم خلد آباد میں ہوئی۔ عبدالمجید صدیقی کے بقول شیخ بابو نامی ایک بزرگ نے حضرت کو اپنے مکتب میں پڑھایا اور حدیث اور فقہ کی ابتدائی تعلیم دی۔ اس کے بعد اپنے والد سے بھی علوم ظاہری اور باطنی کا فیض حاصل کیا۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ فرمایا۔ اپنے بھائی سید حسین چندن کے ہمراہ ۷۳۶ ہجری کو آپ نے حضرت چراغ دہلوی چشتی سے شرف بیعت حاصل کی۔ پھر ریاضت اور مجاہدہ شروع کیا گھر کی سکونت ترک کر کے خطیرہ شیرخان میں قیام کیا۔ بروز چہارشنبہ ۷۸۷ ہجری کو مرشد چراغ دہلوی نے آپ کو خرقہ خلافت عنایت فرمایا۔

اپنے مرشد کی وفات کے بعد برابر لوگوں کی ہدایت کرتے رہے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ نے بی بی رضا خاتون سے شادی کی جس سے دو صاحبزادے (۱) سید محمد اکبر حسینی اور (۲) سید یوسف المعروف سید محمد

---

[1] عمدۃ الطالب ص ۲۵۶، ۲۵۷

[2] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب، از سید قمر عباس اعرجی ہمدانی ص ۲۲۰

اصغر حسینی تولد ہوئے۔

تیمور لنگ نے دہلی پر حملہ کیا تو آپ نے اپنے خاندان کے ۸۰ افراد کے ہمراہ سے رخت سفر باندھا۔ سیر محمدی کے مصنف محمد علی سامانی بھی حضرت کے ہمراہ تھے مختلف علاقوں میں قیام کے بعد تقریباً ۸۰۴ ہجری کو گلبرکہ تشریف لائے۔ اس زمانے میں بہمنی سلطنت کے آٹھواں حکمران فیروز شاہ بہمنی سربراہ سلطنت تھا جب اس کو سید خواجہ بندہ نواز کا علم ہوا تو آپ سے ملاقات کا متمنی ہوا اور آپ کو گلبرکہ میں قیام کرنے کی استدعا کی۔

محمد علی سامانی نے ''مخدوم دین و دنیا'' سے گیسودراز کی تاریخ اخذ کی ہے چشتی سلسلہ کے بزرگوں میں آپ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ کثیر التصانیف تھے اس وجہ سے آپ کو سلطان القلم بھی کہا گیا۔ گلبرکہ شریف میں ہر سال ۱۵ ذی قعدہ کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے آپ کی اولاد کثیر تعداد میں موجود ہے۔[1]

(۷۶) سادات عالیہ زیدیہ جہانگرد گردیزیہ

ابوالغنائم زید بن ابوالفتح جلال الدین علی بن اسامہ بن عدنان بن نجم الدین اسامہ بن ابی عبداللہ احمد بن نقیب ابوالحسن علی بن ابو طالب محمد بن عمر الرئیس الشریف بن ابوالحسین یحییٰ بن حسین نسابہ نقیب بن احمد محدث بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذی دمعہ بن زید شہید بن امام زین العابدینؑ۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ عراق میں اختلافات کے باعث آپ ہندوستان آ گئے۔ اور آپ کے بھائی ضیاء الدین ابوالقاسم علی بقول ابن عنبہ وہ بھی ہندوستان آئے جو یہاں طالبین کے سربراہ ہوئے آپ یہیں فوت ہوئے اور اس کا معلوم نہیں کہ آپ کی اولاد ہند میں تھی یا نہیں۔[2]

ابوالغنائم زید اور ضیاء الدین ابوالقاسم علی دونوں کی اولاد ہندوستان میں موجود ہے ابوالغنائم زید کی اولاد سادات زیدیہ جہانگرد گردیزیہ ہے اور ضیاء الدین ابوالقاسم علی کی اولاد سادات زیدیہ رسولدار ہے۔

اول سادات عالیہ زیدیہ جہانگرد گردیزیہ نقیب حلہ و ہند سید ابوالغنائم زید علاؤ الدین شاعر تھے اور سلاطین غلامان کے عہد میں اپنے بڑے بیٹے سید ابو طالب غازی الدین موسیٰ جنگ آور کے ہمراہ وارد ہند ہوئے۔

سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ان کو کیتھل میں جاگیر دی۔ سید غازی الدین موسیٰ جنگ آور نے سلطان علاؤ الدین بن خلجی کے عہد میں ملک کافور کے ہمرکاب ہوکر ''دوارسمندرم'' کرناٹک فتح کیا اور غازی

---

[1] از قلم ڈاکٹر محمد عبدالحمید گلبرکہ شریف

[2] عمدۃ الطالب، از سید جمال الدین ابن عنبہ ص ۲۵۵

الہند کا لقب پایا اور وہیں ایک مقامی معرکہ میں شہید ہو گئے۔

سلطان غیاث الدین تغلق نے ان کے فرزند اکبر سید جلال الدین حسن غازی کو معبر (مدری، تامل ناڈو) کا حاکم اور فرزند اصغر سید جمال الدین حسین کو خطیب الخطباء دہلی مقرر کیا۔ اس کے بعد تغلق فرمارو ا سلطان محمد تغلق بزرگان و سادات و اولیاء کرام کو اذیتیں دینے میں مصروف تھا اس نے کسی بہانہ سے سید جمال الدین حسین کو قتل کروادیا۔ جب یہ خبر آپ کے بھائی سید جلال الدین حسن غازی کو پہنچی تو آپ نے تغلق سلطنت کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے معبر میں اپنی خودمختار حکومت بنالی۔ ابوالفقراء والمساکین سلطان جلال الدین والدنیا کا لقب اختیار کر کے اپنا سکہ رائج کیا۔ آپ نے چند برس بڑی شاندار حکومت چلائی اور معبر کو دہلی کی طرز پر تعمیر کیا یہ جنوبی ہند میں اول خودمختار مسلم ریاست تھی بعد میں جلال الدین حسن غازی کو ان کے ایک امیر نے شہید کر دیا۔ آپ کا مزار جامع مسجد گور پالیم مدری تامل ناڈو میں ہے جہاں آپ کے فرزندان سید علاؤ الدین یوسف حاجی اور امیر معبر سید شمس الدین موسیٰ غازی کی درگاہ ہے۔ آپ کی خودمختاری کے اعلان کی خبر پا کر سلطان محمد تغلق نے آپ کے فرزند اکبر حاکم ہانسی وسرسی سید نجم الدین ابراہیم کشور کشاء کو شہید کر دیا اور ان کے اہل خانہ کو قید میں ڈال دیا۔

قید سے ایک محب اہل بیت نے سید نجم الدین ابراہیم کشور کشاء کی اہلیہ اور دو کم سن فرزندان ابوالفتح محی الدین محمد کاظم کفرشکن اور سید غازی الدین محمد طاہر کو ایران جانے والے ایک قافلے میں شامل کر دیا۔ اور اس خاندان نے ہمدان میں سکونت اختیار کر لی۔

سید محمد کاظم امیر تیمور کے عہد میں ہمدان میں قاضی مقرر ہوئے اور بعد میں امیر کبیر سید علی ہمدانی اعرجی حسینی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر ان کے ہمراہ وارد کشمیر ہوئے۔ آپ شاہ ہمدان کے کتب خانہ کے منتظم تھے لتاپور کشمیر کے مشہور سورج دیوتا کے مندر کو توڑ کر کفرشکن کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ کا مزار لتاپور ضلع پلوامہ میں ہے آپ سے متعلق یہ معلومات ملتی ہیں کہ آپ نے نسب پر ایک کتاب بھی تحریر کی سید محمد کاظم کے برادرِ اصغر لاہور کے حاکم مقرر ہوئے اور بعد میں حاکم گردیز بھی رہے۔

سید محمد کاظم کفرشکن کے پوتے سید ابوالفتوح شہاب الدین میر غازی مرزا حیدر دوغلت کے ظلم وستم کے خلاف سادات بہقیہ کے ہمرکاب لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور برنگہ مسجد میں مدفون ہوئے ان کے فرزند سید ابوالفتح وجیہ الدین حمزہ صف شکن سادات کے ایک وفد کے ساتھ ہمایوں کے پاس شکایت لے کر گئے جس نے آپ کو میر سمندر کا عہدہ دیا اور اپنے ساتھ ایران لے گیا۔ ایران سے واپسی پر جب ''کوہ عقابین'' پر مرزا

کامران نے شب خون مارا تو اس معرکہ میں آپ شہید ہو گئے۔ عہد جلال الدین اکبر میں ان کے جلیل القدر پوتے میر سید عماد الدین موسیٰ جہانگرد گردیز سے وارد ملتان ہوئے اور بعدازاں سادات زیدیہ رسولدار ترکیا واس کے پاس گڑ گاؤں میں سکونت اختیار کی اور باقاعدہ سادات زیدیہ جہانگرد کے مورث اعلیٰ قرار پائے۔

آپ کی چوتھی پشت سے سید صباح الدین علی خسر وقسور قتال عہد اورنگ زیب عالمگیر میں قاضی القضاء اورنگ آباد مقرر ہوئے۔ اور ان کے پوتے سید غازی الدین علی راجو چابک سوار قلعہ دار چیتا پور تھے جو امیر الامراء سید حسین علی خان کے ہمراہ شہید ہوئے ان کے پڑپوتے سید نجف الدین نادعلی جہانگرد نے ہوشیار پور میں نجف پور گردیز نامی بستی آباد کی بنیاد رکھی۔ ان کے فرزند آغا سید علی عسکر عباس سیاہ پوش داعی آل عباء نقیب زیدیہ گردیزیہ جہانگرد تھے جنہوں نے نسب اور تاریخ پر ایک کتاب ''کتاب الزمرد فی سادات جہانگرد'' تحریر کی ان کے فرزند سید علی یزدان موسیٰ شیر سلطان باز کشا تھے اور ان کے فرزند سید علی وجدان حیدر جاگیردار تھے پھر ان کے فرزند سید علی مردان احمد آفتاب سوار تھے جنکے فرزند اصغر سید محمد فضل حسین غباشیر سلطان جفار ۱۹۴۴ء کو نجف پور گردیز سے ملتان آئے اور تقسیم پاکستان کے بعد جب ان کے برادر اکبر حکیم سید محمد اشرف سیالکوٹ کے موضع ساہکے میں رہائش پذیر ہوئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ مقیم ہوئے۔

آپ کے فرزند سید عبدالرؤف عباس کوہ وقار تھے اور ان کے فرزند سید آغا عبدالرافع کاظم گردیزی زیدی ہیں جو سادات زیدیہ جہانگرد کے نقیب کی حیثیت رکھتے ہیں اور علم الانساب کے ماہر ہیں یہ لوگ آج کل ملتان میں رہائش پذیر ہیں۔[1]

(۷۷) سادات رسول دار واسطیہ زیدیہ گردیزیہ

سید ضیاء الدین ابو القاسم علی بن ابو الفتح جلال الدین علی بن اسامہ بن عدنان بن نجم الدین اسامہ بن ابی عبداللہ احمد بن نقیب ابو الحسن علی بن ابو طالب محمد بن عمر الرئیس الشریف بن یحییٰ ابو الحسین بن حسین نسابہ نقیب بن احمد محدث بن عمر بن یحییٰ ابن حسین ذی العبرۃ بن زید شہید بن امام زین العابدینؑ آپ کے بارے میں سید جمال الدین ابن عنبہ نے عمدہ الطالب میں تحریر کیا ہے۔ کہ آپ اور آپ کے بھائی الغنائم زید وارد ہند ہوئے۔ اور ''ولی ھناک زعامہ الطالبین''۔[2]

---

[1] تحقیق آغا سید عبدالرافع کاظم گردیزی زیدی

[2] عمدہ الطالب ص ۲۵۵

ابوالغنائم زید کی اولاد سادات زیدیہ گردیزیہ کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ ابوالغنائم علاؤالدین زید حلہ سے اوران کے بھائی ضیاء الدین ابوالقاسم علی واسط سے یکے بعد دیگرے وارد ہند ہوئے۔ ابو القاسم علی ضیاء الدین واسطی ایک ہزارعرب شہواروں کی قیادت کرتے ہوئے وار دہند ہوئے اور سلاطین خلجیہ کے عہد میں کئی معرکے سرانجام دیئے۔آپ کے پوتے سید ابوالحسن علاؤالدین علی سلطان محمد تغلق کے عہد میں عہدہ رسولدار پر فائز رہے۔ اور ان کے فرزند سید ابوبکر معزالدین ابراہیم سلطان فیروز تغلق کے عہد میں عہدہ ''رسولدار'' پر فائز رہے۔اسی وجہ سے یہ خانوادہ سادات زیدیہ واسطیہ رسولدار کے نام سے معروف ہوا۔

سید معزالدین ابراہیم رسولدار کے پوتے سید ابو الفتح معزالدین محمد واسطی کا عقد درگاہ شاہ یوسف گردیز ملتان کے آٹھویں سجادہ نشین مخدوم سید شاہ یوسف ثانی جعفری گردیزی کی دختر سے ہوا تو مخدوم سید شاہ یوسف ثانی نے اپنے نواسے مخدوم الملک سید محمد یوسف ثالث زیدی واسطی کو اپنی تمام املاک و جاگیر کا وارث اور درگاہ شاہ یوسف گردیزی کا سجادہ نشین مقرر فرمایا۔ اور تذکرہ مخدوم الملک بجاطور پر سادات زیدیہ گردیزیہ ملتان کے جداعلیٰ قرار پائے ان کی نسل سے بڑے بڑے جلیل القدر اولیاء اور منصبدار بزرگان گزرے جن میں مخدوم سید صدرالدین بابا راجن گردیزی۔ مخدوم سید عبدالجلیل کوہ وقار مخدوم سید محمد یوسف سابع مصنف تذکرہ ملتان سید مراد گردیزی چیف جج ریاست بہاولپور اور ان کے فرزند خان بہادر سید حسین بخش گردیزی جیسی ہستیاں گزریں۔

جبکہ سید علاؤ الدین علی رسولدار کے دوسرے فرزند اور سید معزالدین ابراہیم کے بھائی سید تاج الدین راجے کی چھٹی پشت میں سید محمد غوث المعروف قائم علی خان ترکیا واس پرگنہ گڑ گاؤں کے نواب اور جاگیردار تھے اور آپ سادات زیدیہ واسطیہ ترکیا واس کے جد بزرگ ہوئے جن کی اولاد میں بہت منصب دار گزرے تقسیم پاک ہند کے بعد ان کا خانوادہ نواب شاہ اور پاکستان کی دیگر علاقوں میں مقیم ہیں۔[1]

(۷۸) عیسیٰ موتم الاشبال بن زید شہید بن امام زین العابدین علیہ السلام

آپ کا نام عیسیٰ لقب موتم اشبال اور کنیت ابویحییٰ تھی بقول ابوالحسن عمری آپ کی والدہ صون نامی خاتون تھیں اور آپ کی وفات ۷۴ سال کی عمر میں ہوئی آپ محمد نفس ذکیہ کے اصحاب میں سے تھے اور مہدی عباسی کے زمانے میں پوشیدہ رہے حتیٰ کہ مامون رشید کے عہد میں فوت ہوئے آپ نے آل حی میں حسن بن

[1] تحقیق نسابہ سید عبدالرافع گردیزی زیدی

صالح بن حی کے پاس کوفہ میں قیام کیا۔[1]

آپ احادیث کے راوی تھے آپ نے امام جعفر صادقؑ ،عبداللہ بن امام باقر علیہ السلام اور عبداللہ بن عمر بن محمد بن عمر بن محمد بن عمر اطرف بن امام علی علیہ السلام سے روایت کی۔

بقول عمری کہ کہا شیخ ابوالحسن محمد بن محمد نسابہ المعروف شیخ شرف عبید لی نے کہ جس وقت زید بن امام زین العابدینؑ قتل ہوئے اس وقت حسین ذی العبرۃ ۴ سال کے تھے،عیسیٰ موتم اشبال ایک سال کے تھے اور محمد چالیس دین کے تھے۔[2]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی دوادی کہ عیسیٰ بن زید ابراہیم قتیل باخمریٰ بن عبداللہ محض کے وصی تھے اور صاحب علم تھے۔جب ابراہیم کا قتل ہوا تو آپ روپوش ہو گئے اور اپنی وفات تک روپوش رہے۔آپ کو موتم اشبال اس لئے کہتے ہیں کہ ایک شیر جس کے بچے بھی تھے نے لوگون کا راستہ روک رکھا تھا۔عیسیٰ نے اس شیر کو ہلاک کر دیا اس وقت سے آپ موتم اشبال یعنی شیر کے بچوں کو یتیم کرنے والا مشہور ہو گئے۔آپ نے پہلے محمد نفس ذکیہ اور پھر ان کے بھائی ابراہیم کے ہمراہ خروج کیا آپ ابراہیم کے جانشین تھے۔[3]

بقول ابی الفرج اصفہانی عیسیٰ بن زید آل ابی طالب علیہ السلام کے ان افراد میں سے تھے جو روپوش ہو گئے تھے۔اور روپوشی کی حالت میں ہی وفات پائی۔عیسیٰ بن زید کی کنیت ابویحییٰ ہے۔آپ کی والدہ اُمِ دلد تھیں آپ کی ولادت اس وقت ہوئی جب آپ کے والد زید بن علی ہشام بن عبدالملک کی طرف عازمِ سفر تھے اور آپ کی والدہ بھی راستے میں ان کے ساتھ جا رہی تھیں کہ انہوں نے عیسائیوں کی ایک خانقاہ میں آرام کرنے کی خاطر قیام کیا اور یہ رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی رات تھی۔اس مقام پر آپ کی والدہ دردزہ میں مبتلا ہوئیں اور اسی رات آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد نے حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم سلام اللہ علیہا کے اسمِ مبارک پر آپ کا نام عیسیٰ رکھا۔یہ روایت احمد بن عیسیٰ بن زید نے بیان کی ہے۔

عیسیٰ نے محمد بن عبداللہ بن حسن اور ان کے بھائی ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ دونوں جنگوں میں شرکت کی۔ آپ کے روپوش ہونے کے سبب میں اختلاف ہے۔ایک قول کے مطابق ابراہیم بن عبداللہ نے ایک نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں پڑھائیں تو آپ نے ان کے اس عمل کو ناپسند کیا۔اور ان سے الگ ہو کر روپوش ہو گئے

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص: ۳۸۷،۳۸۸

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص: ۳۸۹

[3] عمدہ الطالب ص: ۲۶۳

دوسرے قول کے مطابق آپ نے ابراہیم کی شہادت تک ان کے ہمراہ استقامت و ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور ان کی شہادت کے بعد آپ روپوش ہو گئے۔

ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن ابی الکرام سے مروی ہے کہ ابراہیم نے بصرہ میں نمازِ جنازہ کے دوران چار تکبیریں پڑھیں تو عیسیٰ بن زید نے ان سے کہا: آپ نے نمازِ جنازہ سے ایک تکبیر کیوں کم کر دی ہے جبکہ آپ کو اپنے اہلِ بیت کی نمازِ جنازہ میں (پانچ) تکبیروں کے متعلق خوب علم ہے کہ وہ پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

تو ابراہیم نے انہیں جواب دیا: یہ لوگ چار تکبیروں پر متفق ہیں جبکہ ہم ان کے اجتماع کے محتاج ہیں لہٰذا میں نے جو ایک تکبیر چھوڑی ہے اس میں ان شاء اللہ کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہ سن کر عیسیٰ ان کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔

جب ابوجعفر (منصور) کو یہ خبر پہنچی تو اس نے عیسیٰ کو یہ پیغام بھجوایا کہ اگر تم زیدیوں کو ابراہیم سے الگ کر دو تو تم جو کہو گے، وہ تمہیں عطا کروں گا لیکن ابھی دونوں میں کسی بات پر اتفاق نہیں ہوا تھا کہ ابراہیم قتل ہو گئے اور عیسیٰ روپوش ہو گئے۔

پھر ابوجعفر (منصور) سے کہا گیا: کیا تم عیسیٰ کو تلاش نہیں کرو گے؟

تو اس نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں محمد اور ابراہیم کے بعد کبھی ان کے کسی مرد کو تلاش نہیں کروں گا۔ کیوں کہ میں ان کے بعد ان کے ذکر اور یاد کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔

عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی سے منقول ہے کہ عیسیٰ بن زید ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے لشکر کے میمنہ پر سردار مقرر تھے اور اسی طرح وہ محمد بن عبداللہ بن حسن کے لشکر کے بھی میمنہ (دایاں حصہ) پر سردار مقرر تھے۔

محمد نوفلی سے منقول ہے کہ زید بن علی کے دو بیٹے عیسیٰ اور حسین، عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے بیٹوں محمد اور ابراہیم کے ہمراہ جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ یہ دونوں (عیسیٰ اور حسین) یہ دونوں جنگ میں سب سے بہادر اور تمام لوگوں سے زیادہ بابصیرت تھے جب منصور کو یہ خبر ملی کہ زید کے یہ دونوں بیٹے محمد اور ابراہیم کے ہمراہ جنگوں میں شریک ہیں تو ابوجعفر (منصور) نے کہا: میرے اور زید کے بیٹوں کے درمیان کوئی رقابت اور دشمنی نہیں ہے تو وہ دونوں ہم سے کس چیز کا انتقام لے رہے ہیں؟ کیا ہم نے ان کے والد (زید شہید) کے قاتلوں کو قتل نہیں کیا، کیا ہم نے ان دونوں کی طرف سے ان کے والد کے خون کا بدلہ نہیں لیا اور کیا ہم نے ان کے دشمنوں سے انتقام لے کر ان دونوں کے دلوں کو ٹھنڈک نہیں پہنچائی؟

عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی سے منقول ہے کہ جب عیسیٰ بن زید نے محمد بن عبداللہ بن حسن

کے ہمراہ خروج کیا تو وہ محمد کو یہ کہا کرتے تھے: اولاد ابوطالب میں سے جو شخص آپ کی مخالفت کرے یا آپ کی بیعت سے روگردانی کرے آپ مجھے اس سے آگاہ کریں اور اجازت دیں تا کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں۔

علی بن مسلم سے منقول ہے کہ جب ہمیں (ابراہیم کے ہمراہ) پسپائی ہوئی تو ہم عیسیٰ بن زید کے پاس گئے جب کہ وہ کھڑے تھے۔ ہم نے انہیں ساری روداد سنائی تو انہوں نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد کہا: اس کے بعد تم لوگوں کو کس کا انتظار ہے؟ پھر وہ وہاں سے اپنے قصرِ خراب کی جانب چل پڑے اور ہم بھی ان کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ پھر ہم نے یہ منصوبہ بنایا کہ رات کے وقت عیسیٰ بن موسیٰ پر چپکے سے حملہ کر دیا جائے اور جب آدھی رات ہوئی تو عیسیٰ ہمارے درمیان موجود نہیں تھے اور یوں انہوں نے ہمارے منصوبے کو خراب کر دیا۔

عیسیٰ بن زید اپنے خاندان کے باقی افراد سے دینی معاملات، علم، تقویٰ و پرہیز گاری، زہد اور ذات کے اعتبار سے بلند و برتر تھے۔ آپ امر خلافت اور اپنے مذہب کے متعلق ان سے زیادہ بابصیرت تھے اور آپ کے پاس کافی علم تھا۔ آپ نے کمسنی سے بڑھاپے تک احادیث و روایات کے علم کی جستجو کی اور اس کا پرچار کیا۔ آپ نے اپنے والد (جنابِ زید علیہ السلام)، حضرت جعفر بن محمد (امام جعفر صادق علیہ السلام)، ان کے بھائی عبداللہ بن محمد، سفیان بن سعید ثوری، حسن بن صالح بن حی، شعبہ بن حجاج، یزید بن ابی زیاد، حسن بن عمارہ، مالک بن انس، عبداللہ بن عمر العمری اور ان کے مانند دیگر کافی حضرات سے روایات نقل کی ہیں۔

جب محمد بن عبداللہ بن حسن نے خروج کیا اور انہوں نے عیسیٰ بن موسیٰ کی جانب پیش قدمی شروع کی تو زیدیوں کے سرکردہ افراد آپ کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے ان کی شخصیت پر اتفاق کیا۔ جب بھی کوئی اہلِ علم شخصیت محمد کے پاس حاضر ہوتی تو آپ ان سے یہ عہد لیتے کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو یہ امر میرے بھائی ابراہیم کو ملے گا اور اگر انہیں کچھ ہو گیا تو پھر یہ امر عیسیٰ بن زید کے سپرد کیا جائے گا۔

یحییٰ بن حسن سے منقول ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عمر نے محمد کی وصیت کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ محمد نے اپنی وصیت میں یہ بیان کیا کہ میری شہادت کے بعد میرے بھائی ابراہیم اور ان کے بعد عیسیٰ بن زید ان امور کی باگ دوڑ سنبھالے گا جب محمد اور ابراہیم شہید ہوئے تو عیسیٰ بن زید کوفہ میں حسن بن صالح بن حی کے بھائی علی بن صالح بن حی کے گھر میں چھپ گئے اور اس کے بیٹی سے شادی کر لی۔ اس عورت کے بطن سے ان کی ایک بیٹی پیدا ہوئی اور ان کی یہ بیٹی ان کی زندگی میں ہی فوت ہو گئی۔ اس حوالے سے ان شاء اللہ بعد میں روایات بیان کی جائیں گی۔

یحییٰ بن حسین بن زید سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے اپنے والد سے کہا: بابا جان! میں اپنے چچا

عیسیٰ بن زید کو دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ جیسے شخص کے لئے یہ بہت بُری بات ہے کہ میں نے اپنے خاندان کے ان جیسے بزرگ افراد سے ملاقات کا شرف حاصل نہ کیا ہو تو میرے والد نے ایک مدت تک مجھے ان سے ملنے سے روکے رکھا اور پھر کہا: تمہارا ان سے ملاقات کرنا، اِن کے لئے مشکل ہے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ تم سے ملاقات کرنے کو ناپسند کریں اور اپنے ٹھکانے کو تبدیل کرلیں اور یوں تم انہیں تکلیف میں مبتلا کردو۔

یحییٰ بن حسین بن زید کہتا ہے: میں کافی عرصے تک اپنے والد سے یہ درخواست کرتا رہا کہ آپ مجھ پر لطف فرمائیں اور ان سے ملاقات کروائیں بالآخر ایک دن وہ اس بات پر رضامند ہو گئے۔ انہوں نے مجھے (مدینہ منورہ سے) کوفہ کے لئے سامانِ سفر تیار کرنے کو کہا اور سفر کی تیاری کے بعد مجھ سے کہا: جب تم کوفہ پہنچ جاؤ تو وہاں بنوحی کے گھروں کے متعلق دریافت کرنا۔ جب تمہاری بنوحی کے گھروں کی طرف رہنمائی کردی جائے تو تم فلاں گلی سے بنوحی کے گھروں کی طرف جانا۔ پھر تم اس گلی کے درمیان میں ایک گھر دیکھو گے جس کا دروازہ فلاں طرح کا ہوگا اور جب تم اس کو بخوبی پہچان لو تو گلی کے شروع میں ہی اس گھر سے دور بیٹھ جانا۔

پھر تم دیکھو گے کہ مغرب کے وقت ایک شخص تمہاری طرف چلتا ہوا آئے گا جو ادھیڑ عمر کا ہوگا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا ہوگا اور اس کی پیشانی پر سجدوں کے نشان ہوں گے۔ اس نے اُونی جبہ زیب تن کر رکھا ہو گا اور وہ اُونٹ پر سوار ہو کر پانی کی طلب میں جا رہا ہوگا۔ جب بھی اُونٹ قدم اُٹھاتا یا رکھتا ہوگا یہ شخص ذکرِ خدا کرتا ہوگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔

پس! جب وہ تمہارے قریب آ جائیں تو تم کھڑے ہو کر انہیں سلام کرنا اور انہیں گلے ملنا۔ جب تم انہیں گلے ملو گے تو یہ تم سے یوں خوفزدہ ہو جائیں گے جیسے کوئی انسان جنگلی درندے سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ پھر تم انہیں اپنا تعارف کروانا اور انہیں اپنا نام ونسب بتانا۔ پھر وہ تم سے سکون و اطمینان محسوس کریں گے اور تم سے کافی دیر تک گفتگو کریں گے۔ وہ تم سے ہم سب کے متعلق دریافت کریں گے اور تمہیں اپنے متعلق سب کچھ بتائیں گے۔ پھر وہ تم سے اس بات کی درخواست کریں گے کہ دوبارہ ان کے پاس نہ آنا اور تمہیں اس حوالے سے جو بھی حکم دیں تم اس پر عمل کرنا (کہ دوبارہ ان کی ملاقات کے لئے مت جانا)۔ اگر تم دوبارہ ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تم سے چھپ جائیں گے اور تم سے وحشت محسوس کریں گے اور وہ اپنا ٹھکانا تبدیل کر دیں گے۔ جب کہ یہ کام ان کے لئے مشقت کا باعث ہوگا۔

یحییٰ بن حسین بن زید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کی باتیں سن کر کہا: جیسے آپ نے مجھے حکم دیا ہے میں ویسے ہی کروں گا۔ پھر انہوں نے مجھے کوفہ کے لئے تیار کر کے الوداع کیا اور میں گھر (مدینہ منورہ) سے

نکل پڑا۔ جب میں کوفہ پہنچا تو عصر کے بعد بنو حی کی گلی کی طرف روانہ ہوا اور جب میں نے اس گھر کے دروازے کو پہچان لیا کہ جس دروازے کی خصوصیات میرے والد نے مجھے بتائی تھیں تو میں اس گلی کے باہر شروع میں بیٹھ گیا (اور عیسیٰ بن زید کا انتظار کرنے لگا)۔

جب سورج غروب ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ اُونٹ کو ہانک کر میری طرف آرہے ہیں اور ان کی شخصیت ویسی ہی تھی جیسا کہ میرے والد نے میرے سامنے ان کی تصویر کشی کی تھی۔ وہ ہر اُٹھتے اور رکھتے ہوئے قدم کے ساتھ ذکرِ خدا کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو نظر آ رہے تھے اور کبھی کبھار یہ آنسو بہنے لگتے۔ پھر میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور انہیں اپنے گلے سے لگا لیا۔ وہ یہ منظر دیکھ کر مجھ سے یوں خوفزدہ ہوئے جیسے کوئی انسان وحشی درندے کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتا ہے۔

تو میں نے عرض کیا: چچا جان! میں آپ کا بھتیجا یحییٰ بن حسین بن زید ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور گریہ کرنے لگے یہاں تک کہ میں نے کہا کہ اب ان کے اندر جان آئی ہے۔ پھر انہوں نے اپنے اُونٹ کو بٹھا دیا اور وہ میرے ساتھ آکر بیٹھ گئے اور انہوں نے مجھ سے اپنے خاندان کے ایک ایک مرد، ایک ایک عورت اور ایک ایک بچے کا نام لے کر حال دریافت کیا۔ جب میں نے انہیں سب کے حالات سے تفصیلی طور پر آگاہ کیا تو وہ رونے لگے۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا: بیٹا جان! میں اس اُونٹ پر پینے کا پانی لاد کر لاتا ہوں اور اس ذریعہ سے جو کماتا ہوں ان میں سے کچھ رقم اُونٹ کے مالک کو کرایہ دیتا ہوں اور باقی رقم سے اپنی غذا اور خوراک وغیرہ کا انتظام کرتا ہوں۔ اگر کوئی مجھے پانی لانے میں رکاوٹ ڈالے تو میں کوفہ کے باہر خالی زمین کی طرف نکل جاتا ہوں اور وہاں لوگوں کی بچی کھچی ترکاریوں اور سبزیوں کو اُٹھا کر اپنی غذا کا انتظام کرتا ہوں۔

میں نے اس شخص (علی بن صالح بن ح) کی بیٹی سے شادی کی ہے جبکہ وہ اس وقت تک یہ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اور اس بیوی سے میری ایک بیٹی ہوئی اور اب بالغ ہو گئی تھی لیکن میری یہ بیٹی بھی میرے متعلق نہیں جانتی تھی (کہ میرا تعلق سادات کے گھرانے سے ہے) اور اسے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں۔

پھر ایک دن اس کی ماں نے مجھ سے کہا: آپ اپنی بیٹی کی شادی فلاح سقاء (ہمارے پڑوسیوں میں سے ایک شخص جو ماشکی تھا اور پانی پلاتا تھا) کے بیٹے سے کر دیں کیونکہ وہ ہم سے زیادہ خوش حال ہے اور پھر اس نے بیٹی کی نسبت (منگنی) اس سے کر دی۔ اس نے مجھ سے اس بات پر اصرار کیا جبکہ میں اسے یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ یہ جائز نہیں ہے اور یہ لڑکا ہماری بیٹی کا کفو نہیں ہے کیونکہ اگر میں اسے یہ سب کچھ بتا دیتا تو میری خبر ہر

طرف پھیل جاتی۔ لیکن میری بیوی ہمیشہ مجھ سے اصرار کرتی رہی کہ ہم اپنی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے کر دیں۔

میں نے اپنی بیٹی کا امر خدا کے سپرد کر دیا کہ وہی اس امر میں میرے لئے کافی ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اس کی موت واقع ہوگئی لیکن مجھے دنیا میں سب سے زیادہ غمگین اس بات نے کیا کہ اس کی موت واقع ہوگئی لیکن اسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے (سیدزادی) ہے۔

راوی کہتا ہے: پھر انہوں نے مجھ سے قسم لی ہے کہ اب میں واپس چلا جاؤں اور دوبارہ لوٹ کر ان کے پاس نہیں آؤں گا اور انہوں نے مجھے الوداع کہہ دیا۔

اس کے بعد میں جب بھی اس مقام پر گیا، جہاں میں ان کا انتظار کرتا رہا کہ ہاں ان کو دوبارہ دیکھ سکوں لیکن پھر میں نے انہیں کبھی اس مقام پر نہیں دیکھا اور یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ عتبہ بن منہال سے منقول ہے کہ جعفر احمر اور صباح زعفرانی ان لوگوں میں سے تھے جنہیں عیسیٰ بن زید کو تلاش کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جب مہدی عباسی نے یعقوب بن داؤد سے عیسیٰ بن زید کے لئے جو مال خرچ اور صلہ رحمی کا اظہار کیا گیا اس کے ذریعے مختلف شہروں میں یہ خبر عام کرا دی اور عیسیٰؑ بن زید کو یہ پیغام دیا گیا کہ انہیں امان دی جائے گی اور وہ سلامتی کے ساتھ رہیں گے تو عیسیٰ نے جعفر احمر اور صباح زعفرانی سے کہا: میری خاطر جو مال خرچ کیا گیا ہے سو کیا گیا، خدا کی قسم! جب میں کوفہ آیا تو میرا یہاں سے خروج کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ میری خاطر لوگوں میں سے جو مال خرچ کیا جا رہا ہے، اس سے مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں ایک رات خوف کی حالت میں بسر کرلوں۔

سعید بن عمر بن جنادہ بجلی سے منقول ہے کہ عیسیٰ بن زید اور حسن بن صالح حج میں مشغول تھے کہ انہوں نے ایک منادی کو یہ صدا لگاتے ہوئے سنا کہ ہر موجود شخص غائب تک یہ خبر پہنچا دے کہ عیسیٰ بن زید منظر عام پر رہیں یا روپوش رہیں وہ ہر حال میں امان میں ہیں۔

جب یہ خبر سن کر عیسیٰ بن زید نے حسن بن صالح کی طرف دیکھا تو اس خبر سے حسن بن صالح کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ عیسیٰ بن زید نے اس سے کہا: ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ تم اس خبر کو سن کر خوش ہوئے ہو؟ تو حسن بن صالح نے جواب دیا: جی ہاں۔ اس پر عیسیٰ بن زید نے اس سے کہا: خدا کی قسم! مجھے ان لوگوں سے ایک گھڑی کا ڈر اور خوف ان کی فلاں فلاں شے سے زیادہ عزیز ہے۔

یعقوب بن داؤد سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں خراسان کے راستے پر مہدی (خلیفہ عباسی) کے ساتھ ایک سرائے میں آرام کرنے کے لئے گنبد تلے داخل ہوا تو اس سرائے کی دیوار پر کچھ تحریر کیا ہوا دیکھا۔

مہدی (عباسی) اس تحریر کے قریب ہوا اور میں بھی اس کے ہمراہ اس تحریر کے قریب گیا تو وہاں پر درج ذیل اشعار مکتوب تھے:

''خدا کی قسم! اس نے ڈر اور خوف کی وجہ سے نیند کا مزہ نہیں چکھا جبکہ تمام بندگانِ خدا کی آنکھیں سو رہی ہوتی ہیں۔ ظالم اور جفا کار لوگوں نے مجھے ڈرا دھمکا کر میرے وطن سے مار بھگایا جبکہ میرا اس کے علاوہ کوئی قصور اور گناہ نہیں تھا کہ میں انہیں آخرت (قیامت) کی یاد دلاتا تھا۔

میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پر ایمان لایا ہوں جبکہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ میرے زادِ راہ کو انتہائی بُرا تصور کرتے ہیں۔ میں وہی بات کہتا ہوں جو ایک خوفزدہ شخص نے کہی تھی کہ میرا دل دھتکارا ہوا ہے اور میں کافی عرصے سے بے خوابی کا شکار ہوں۔ جس شخص کے چرمی موزے اور قدموں کا نچلا حصہ پھٹ چکا ہو وہ پاؤں کے گھسنے کی شکایت کرتا ہے اور مرو کے مضافات میں مصیبت زدہ ہو کر ماتمی لباس زیب تن کرتا ہے۔

خوف نے ایسے ڈرایا دھمکایا اور اپنے علاقے سے نکال کر دربدر پھرایا تو اس نے ان حالات میں یوں تحمل کا مظاہرہ کیا جیسے مصائب و مشکلات برداشت کرنے والے کو ان سختیوں کے تحمل پر مجبور کیا گیا ہو۔ ایسے (مضطرب اور پریشان) شخص کو موت میں راحت و چین ملتا ہے اور بندگانِ خدا کی گردنوں میں موت کا امر یقینی ہے۔''

مہدی (عباسی) نے ہر بیت الشعر کے نیچے یہ سطر تحریر کر دی:

''خدا اور میری طرف سے تمہیں امان حاصل ہے لہٰذا جب تمہارا جی چاہے تم منظر عام پر آ سکتے ہو۔''

یعقوب بن داؤد کہتا ہے کہ اس کے بعد جب میں مہدی (عباسی) کی طرف متوجہ ہوا تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔ اس پر میں نے اس سے پوچھا: اے امیر (مہدی عباسی) آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ اشعار کس نے بیان کئے ہیں؟

تو اس نے کہا: کیا تم میرے سامنے جاہل بننے کی کوشش کر رہے ہو؟ یہ اشعار عیسیٰ بن زید کے علاوہ کون بیان کر سکتا ہے۔

ابو الفرج اصفہانی کہتے ہیں کہ علی بن سلیمان اخفش نے مجھے منذر کے حوالے سے عیسیٰ بن زید کے یہ

اشعار سنائے تھے۔ اس نے کہا:

ترجمہ اشعار: ''فضل اور یحییٰ نے مجھے میرے وطن سے باہر نکال دیا جبکہ میں نے انہیں آخرت کو یاد دلانے کے علاوہ کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لایا اس کے باوجود انہوں نے مجھے امان نہیں دی اور ان دونوں نے ڈر کی وجہ سے مجھے مختلف شہروں میں دَر بدر پھرایا۔''

پہلے والے اشعار درست ہیں کیونکہ عیسیٰ نے آلِ برمک کے بادشاہ کا زمانہ نہیں دیکھا تھا اور وہ اس سے پہلے ہی دنیا سے کوچ کر چکے تھے۔

مختار بن عمر سے منقول ہے کہ میں نے دیکھا کہ خصیب الوالبشی نے عیسیٰ بن زید کے ہاتھ کا بوسہ لیا تو عیسیٰ نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس پر خصیب نے ان سے کہا: میں نے عبداللہ بن حسن کے ہاتھ پر بوسہ دیا تھا اُنہوں نے میرے اس فعل کو ناپسند نہیں کیا تھا۔

ابو الفرج (مؤلف کتاب) بیان کرتے ہیں: یہ خصیب، زید بن علی کے اصحاب میں سے تھا اور اس نے زید کے ہمراہ جنگ میں شرکت کی جب کہ ان کے بعد محمد اور ابراہیم کے ساتھ بھی دونوں جنگوں میں شریک رہا۔ اس نے ان تینوں سے روایات نقل کی ہیں جبکہ اس نے زید بن علی سے کئی حکایات نقل کی ہیں لیکن میں نے اس کی زید بن علیؑ سے مروی احادیث و روایات میں کوئی مستند حدیث نہیں سنی۔

خصیب الوالبشی سے منقول ہے کہ میں نے جب بھی زید رحمۃ اللہ علیہ بن علیؑ کے چہرے کی زیارت کی تو ان کے چہرے پر نُور کی لکیروں کو جاری ہوتے ہوئے دیکھا۔

محمد بن عمر اور قمی رازی سے مروی ہے کہ میں نے حسین بن علی صاحب فخ کے والد علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی ابن ابی طالبؑ سے سنا کہ وہ بیان کر رہے تھے:

''تم نے ہم سب کو دیکھ رکھا ہے اور ہم تعداد میں بھی کافی زیادہ ہیں لیکن ہم میں کوئی بھی عیسیٰؑ بن زیدؑ سے بہتر نہیں ہے۔ محمد بن عمرو سے منقول ہے کہ عیسیٰ بن زید نے عبداللہ بن جعفر سے تعلیم حاصل کی تھی۔''

ابو الفرج اصفہانی بیان کرتے ہیں: یہ ''عبداللہ بن جعفر'' علی بن عبداللہ بن جعفر مدنی محدث کے والد ہیں۔ یہ قاریانِ قرآن اور بڑے محدثین میں سے تھے۔ انہوں نے محمد بن عبداللہ کے ہمراہ خروج کیا تھا اور ان کی شہادت تک ان کے ساتھ رہے۔ ان کی شہادت کے بعد منصور ان کی تلاش میں تھا اور یہ اس سے

چھپ گئے۔ہم نے اس کتاب میں ابراہیم کی مقتل کے ذیل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

سعید بن عمر بن جنادہ بجلی سے منقول ہے کہ حسن بن صالح اور عیسیٰ بن زید منیٰ کے میدان میں موجود تھے کہ دونوں میں سیرت کے ایک مسئلے پر اختلاف ہو گیا۔ جب یہ دونوں اس مسئلہ کے بارے آپس میں مناظرہ کر رہے تھے تو ان سے ایک شخص نے کہا کہ سفیان ثوری آ گیا ہے تو حسن بن صالح نے کہا: گویا بیماری کی شفاء آ گئی ہے۔

پھر عیسیٰ بن زید نے کہا: اس اختلافی مسئلے کے متعلق میں سفیان ثوری سے دریافت کروں گا۔ پھر انہوں نے سفیان ثوری کے متعلق پوچھا کہ وہ کس جگہ پر ہے تو اس شخص نے انہیں بتایا۔ پھر یہ کھڑے ہوئے اور اس کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ان کا جناب بن نسطاس کی پاس سے گزر ہوا تو اسے سلام کیا۔ پھر یہ وہاں سے سفیان کی طرف روانہ ہوئے اور اس کے پاس پہنچ کر عیسیٰ بن زید نے سفیان ثوری سے اس مسئلے کا متعلق سوال کیا۔ سفیان ثوری نے اپنی جان کے خوف کی وجہ سے اس مسئلے کا جواب دینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ حاکم وقت سے ڈرتا تھا۔ اس پر حسن بن صالح نے اس سے کہا: یہ عیسیٰ بن زید ہیں۔

یہ سن کر سفیان ثوری محتاط اور چوکنا ہو گیا اور جلدی سے اُٹھنے کی کیفیت میں بیٹھ گیا۔ جب اس نے عیسیٰ بن زید کو خوب چھان بین کرنے والی نظروں سے دیکھا تو عیسیٰ اس کی طرف بڑھے اور کہا: ہاں! میں عیسیٰ بن زید ہوں۔

سفیان ثوری نے کہا: ٹھیک ہے، آپ اسے لائیں۔

پھر عیسیٰ بن زید وہاں سے اُٹھ کر جناب بن نسطاس کے پاس گئے اور انہیں لے کر سفیان ثوری کے پاس آئے تو جناب بن نسطاس نے سفیان ثوری سے کہا: ابوعبداللہ (سفیان ثوری کی کنیت) ہاں! یہ عیسیٰ بن زید یہی ہیں یہ سن کر سفیان ثوری نے بہت گریہ کیا اور اپنی جگہ کھڑے ہو کر عیسیٰ کو وہاں بٹھایا اور خود عیسیٰ بن زید کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے بعد انہیں ان کے سوال کا جواب دیا اور پھر انہیں الوداع کیا تو وہ واپس چلے گئے۔

جعفر الاحمر سے منقول ہے کہ میں عیسیٰ بن زید صالح بن حی کے دو بیٹے، حسن اور علی، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق اور جناب بن نسطاس زیدیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ کوفہ کے ایک گھر میں جمع ہوا کرتے تھے تو ایک شخص نے مہدی (عباسی) کو ہمارے متعلق اطلاع کر دی اور اُسے اس گھر کے حوالے سے بھی بتا دیا گیا۔ پھر مہدی (عباسی) نے اپنے کوفہ کے گورنر کو یہ لکھ بھیجا کہ وہ ہم پر اپنے جاسوس مقرر کرے۔ اور جب اسے یہ خبر ملے کہ یہ لوگ وہاں پر جمع ہوئے ہیں تو ان پر دھاوا بول کر انہیں گرفتار کرنے کے بعد میرے پاس بھیج

دے۔ ایک رات ہم سب لوگ اس گھر میں جمع ہوئے تو اُسے ہمارے اجتماع کی خبر مل گئی اور اس نے ہم پر دھاوا بول دیا لیکن اجتماع کے تمام افراد اس حوالے سے چوکنا تھے اور گھر کے بالائی حصے پر موجود تھے اس لئے وہ سب منتشر ہو گئے اور میرے علاوہ سب ان کے چنگل سے بچ نکلے۔ کوفہ کے گورنر نے مجھے گرفتار کر کے مہدی (عباسی) کے پاس بھیج دیا۔ جب میں مہدی (عباسی) کے پاس پہنچا اور نے مجھے دیکھا تو مجھے زنازادہ ہونے کی گالی دی اور مجھ سے کہا: اے بدکردار ماں کے بچے! تم عیسیٰ بن زید کے ہمراہ اکٹھے ہو کر اسے میرے خلاف خروج پر اُکساتے ہو اور لوگوں کو اس کی بیعت کی طرف بلاتے ہو؟

تو میں نے اسے جواب دیا: اے شخص! کیا تجھے خدا سے شرم نہیں آتی اور تجھے خدا کا کوئی خوف نہیں ہے؟ تو پاک دامن عورتوں کو گالی دیتا ہے اور پاک دامن عورتوں پر فاحشہ و بدکاری کی تہمت لگاتا ہے۔ تم اس لئے یہ حرکت کر رہے ہو کیونکہ تمہارے ہاتھ میں حکومت وسلطنت کی باگ ڈور ہے۔ اگر تم نے کسی بے وقوف شخص سے بھی یہ گالی سنی ہوتی جو تم نے خود دی ہے تو تم اس پر بھی حد جاری کرتے۔

جعفر احمر کہتا ہے: یہ سن کر اس نے دوبارہ مجھے گالی دی اور تیزی سے میری طرف بڑھا پھر مجھے اپنے نیچے گرا کر اپنے ہاتھوں سے مارنے لگا، مجھے اپنے پاؤں سے ٹھوکریں مار کر روندنے لگا اور مجھے گالی گلوچ دینے لگا۔ اس پر میں نے اسے کہا: یقیناً! تم بہت بڑے بہادر ہو کہ جو مجھ جیسے بوڑھے پر شیر بن رہے ہو اور مار پیٹ کر رہے ہو جبکہ یہ بوڑھا تو اپنی ذات کا دفاع بھی نہیں کر سکتا اور غلبہ بھی نہیں پا سکتا۔ پھر اس نے مجھے قید کرنے اور مجھ پر سختی کرنے کا حکم دیا اور میں نے کئی برسوں تک قید بامشقت گزاری۔ جب اسے عیسیٰ بن زید کی وفات کی خبر پہنچی تو اس نے مجھے بلایا اور مجھ سے پوچھا: تمہارا کس مذہب کے لوگوں سے تعلق ہے؟ میں نے جواب دیا: مسلمانوں سے میرا تعلق ہے۔ اس نے کہا: کیا تم عرب کے رہنے والے ہو؟ میں نے جواب دیا: نہیں، تو اس نے پوچھا: تمہارا کن لوگوں سے تعلق ہے؟ میں نے کہا: میرے والد کوفہ کے ایک شخص کے غلام تھے اور اس نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔

پھر اس نے مجھ سے کہا: عیسیٰ بن زید مر چکا ہے۔ تو میں نے کہا: یہ بہت بڑی مصیبت کی خبر ہے۔ خدا ان پر رحمت نازل فرمائے۔ وہ ایک عبادت گزار اور متقی و پرہیز گار شخص تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں وہ ہر وقت کوشاں رہتے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے۔

اس نے کہا: تمہیں عیسیٰ کی وفات کا پتا نہیں تھا؟

میں نے جواب دیا: ہاں! مجھے ان کی وفات کا علم نہیں تھا۔

اس پر میں نے جواب دیا: مجھے ہرگز یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں تمہیں اس بات پر مبارک باد دوں کیوں کہ اگر آج رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے اور انہیں یہ پتا چلتا تو آپ میرے اس فعل کو بُرا سمجھتے۔ پھر وہ کافی دیر سوچنے کے بعد بولا: میں تمہارے جسم میں مزید سزا برداشت کرنے کی سکت نہیں دیکھ رہا ہوں اور مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر میں تم کو مزید کسی تعذیب کا نشانہ بناؤں تو تم مرجاؤ گے، لہٰذا اب یہاں سے واپس چلے جاؤ اور خدا تیری حفاظت نہ کرے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے دوبارہ یہ خبر ملی کہ تم نے پھر پہلے جیسا کام کیا ہے تو میں تمہاری گردن اُڑا دوں گا۔

جعفر احمر کہتا ہے کہ جب میں واپس کوفہ پہنچا تو مہدی (عباسی) نے ربیع سے کہا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے چہرے پر بہت کم خوف کے آثار تھے اور اس کا دل انتہائی سخت اور مضبوط تھا۔ خدا کی قسم! فہم و فراست کے مالک اہلِ بصیرت افراد اسی طرح ہوتے ہیں۔

علی بن جعفر احمر نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں: ایک دن میں اسرائیل بن یونس، صالح بن حی کے دو بیٹے حسن اور علی اور ہمارے دیگر کئی ساتھی عیسیٰ بن زید کے ہمراہ موجود تھے کہ حسن بن صالح بن حی نے عیسیٰ بن زید سے کہا: آپ کس وقت خروج کر کے ظلم و بربریت کے اس تاریک رات کو ہم سے دور کریں گے جب کہ اس وقت آپ کا دیوان دس ہزار افراد پر مشتمل ہے؟

عیسیٰ نے حسن بن صالح نے کہا: افسوس ہے! افسوس ہے! کیا تم میرے سامنے افراد کی کثرت بیان کر رہے ہو حالانکہ میں ان افراد کو خوب جانتا اور پہچانتا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر مجھے ایسے (دس ہزار) افراد میں تین سو ایسے افراد مل جائیں جن کے متعلق مجھے یہ معلوم ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر میرے ساتھ ہیں اور اپنی جانیں خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و اطاعت کی خاطر اس کے دشمن سے لڑنا چاہتے ہیں تو میں صبح نمودار ہوئے سے پہلے خروج کر دیتا اور خدا کی بارگاہ میں دشمنانِ خدا کے خلاف مقدمہ پیش کر دیتا، نیز یہ کہ مسلمانوں کے تمام اُمور کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور طریقے کے مطابق چلاتا لیکن ان میں مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنی بیعت کو وفا کرے گا اور دشمن سے دوبدو مقابلے کے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کرے گا۔

یہ سن کر حسن بن صالح نے اس قدر گریہ کیا کہ وہ روتے روتے زمین پر گر پڑے اور ان پر غشی طاری ہوگئی۔

جعفر احمر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں عیسیٰ بن زید کے پاس گیا تو وہ روٹی اور ککڑی کھا رہے تھے۔

انہوں نے مجھے بھی دو روٹیاں اور دو ککڑیاں عطا کیں اور کہا: یہ لو! تم بھی کھاؤ۔ تو میں نے ڈیڑھ ککڑی کے ساتھ ڈیڑھ روٹی کھائی اور میرا پیٹ بھر گیا تو میں نے باقی آدھی روٹی اور آدھی ککڑی بچالی۔ پھر میں کچھ دنوں کے بعد دوبارہ ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے وہی آدھی روٹی اور نکال کر دی جو پرانی ہو چکی تھی اور مجھ سے کہا: یہ کھاؤ۔ میں نے کہا: آپ نے اسے میرے لئے کہاں چھپا رکھا تھا؟ انہوں نے کہا: چوں کہ میں نے تمہیں دے دی تھیں اس لئے یہ تمہاری ہی تھیں، لہٰذا اب اگر تم چاہو تو اسے کھالو یا چاہو تو صدقہ کر دو۔

ابونعیم بیان کرتا ہے: عیسیٰ بن زید کے ایک ہمراہی نے مجھے بتایا کہ جب عیسیٰ باخمریٰ کی لڑائی سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں ان کے سامنے ایک شیرنی اپنے بچوں کے ہمراہ آ گئی اور اس نے راستے پر موجود لوگوں پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر عیسیٰ بن زید اپنی سواری سے نیچے اُترے اور ڈھال پہن کر اس شیرنی کی جانب بڑھ کر اسے مار دیا۔ یہ دیکھ کر ان کے غلام نے ان سے کہا: اے میرے سید و سردار! آپ نے اس شیرنی کے بچوں کو یتیم کر دیا ہے۔

یہ سن کر آپ ہنس پڑے اور کہا: میں شیر کے بچوں کو یتیم کرنے والا شخص ہوں۔ اس کے بعد آپ کے ساتھی جب بھی آپ کا تذکرہ کرتے تو آپ کو اس کنیت (موتم الاشبال یعنی شیر کے بچوں کو یتیم کرنے والا) سے یاد کرتے اور کہتے: موتم الاشبال نے ایسا کیا اور موتم الاشبال نے ایسا کام کیا اور یوں آپ کا امر مخفی رہتا۔

یموت بن مزرع نے اہلِ بیت کی خوبیاں شمار کرتے ہوئے اپنے قصیدہ میں آپ کی اس کنیت کا تذکرہ کیا ہے۔

محمد بن سلیمان نوفلی نے اپنے والد اور چچا سے روایت نقل کی ہے کہ جب ابراہیم کی شہادت کے بعد عیسیٰ بن زید باخمریٰ کی لڑائی سے واپس (کوفہ) آئے تو صالح بن حی کے گھر میں چھپ گئے۔ منصور نے عیسیٰ بن زید کو تلاش کیا لیکن وہ ان کی تلاش میں زیادہ سنجیدہ نہیں تھا جبکہ مہدی (عباسی) ان کی تلاش میں سنجیدہ تھا اور وہ ان کو تلاش کرتا رہا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر اس نے عیسیٰ بن زید کو امان دینے کی منادی کی، تا کہ جب یہ خبر ان تک پہنچے تو وہ خود منظر عام پر آ جائیں لیکن جب عیسیٰ بن زید کو یہ خبر ملی کہ مجھے امان دے دی گئی ہے تو آپ اس کے باوجود منظر عام پر نہ آئے۔

مہدی (عباسی) کو یہ خبر پہنچی کہ تین افراد عیسیٰ بن زید کی بیعت کی طرف عوام کو بلا رہے ہیں۔ وہ تین افراد ابن علاق الصیرفی، ان کا غلام حاضر اور صباح زعفرانی تھے۔ مہدی (عباسی) حاضر کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے حاضر کو قید خانے میں ڈال دیا۔ اس نے ان کے ساتھ نرمی سختی ہر طرح کا برتاؤ کیا تا کہ یہ

اسے عیسیٰ بن زید کے ٹھکانے کے بارے میں بتادے لیکن حاضر نے ہرگز اس حوالے سے لب کشائی نہ کی تو مہدی (عباسی) نے حاضر کو قتل کروادیا۔

عیسیٰ بن زید کی ساری زندگی کے دوران مہدی (عباسی) نے صباح زعفرانی اور ابن علاق صیرفی کو تلاش کیا لیکن وہ ان دونوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جب عیسیٰ بن زید کی وفات ہوگئی تو صباح زعفرانی نے حسن بن صالح سے کہا: کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ ہم کسی سبب کے بغیر ہی اس اذیت و تکلیف میں مبتلا ہیں۔ اب عیسیٰ بن زید دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور ان کا معاملہ بھی ختم ہو چکا ہے جب کہ مہدی (عباسی) عیسیٰ بن زید کے خروج کے ڈر کی وجہ سے انہیں تلاش کر رہا تھا۔ جب اسے یہ پتا چلے گا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں تو اُسے سکون مل جائے اور وہ ہمیں گرفتار کرنے سے باز رہے گا لہٰذا مجھے اجازت دیں کہ میں اس شخص (مہدی عباسی) کے پاس جاتا ہوں اور اسے عیسیٰ کی وفات کی خبر سناتا ہوں تاکہ وہ ہمیں تلاش نہ کرے اور ہمیں اس کے ڈر سے نجات مل جائے۔

یہ سن کر حسن بن صالح نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! تم دشمنِ خدا کو ولی اللہ ابن نبی اللہ کی موت کی خوشخبری نہ سناؤ اور ہم اس خبر سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک نہ پہنچائیں۔ خدا کی قسم! مہدی (عباسی) کا عیسیٰ بن زید کے خوف کی وجہ سے ایک رات کے لئے سو نہ سکنا میرے نزدیک ایک سال کے جہاد اور عبادت کرنے سے زیادہ محبوب اور عزیز ہے۔

اس کے دو ماہ بعد حسن بن صالح کی بھی وفات ہوگی تو صباح زعفرانی کہتا ہے کہ پھر میں احمد بن عیسیٰ اور ان کے بھائی زید کو لے کر بغداد آ گیا اور انہیں ایسی جگہ پر ٹھہرایا جہاں پر مجھے اطمینان تھا۔ پھر میں ایک بوسیدہ لباس پہن کر مہدی کے گھر کی طرف آیا اور میں نے وہاں ربیع کے بارے میں پوچھا کہ مجھے اس کے پاس پہنچا دیا جائے تاکہ میں اسے بتا سکوں کہ میرے پاس ایک نصیحت بھری بات اور خوشخبری ہے، جسے سن کر خلیفہ خوش ہو جائے گا۔ وہاں پر موجود لوگ ربیع کے پاس گئے اور اسے میرے متعلق بتایا تو پھر اس سے میرے آنے کی اجازت لے کر میرے پاس آئے۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے پوچھا: تمہارے پاس کیا نصیحت بھری بات ہے؟

میں نے کہا: میں یہ بات صرف خلیفہ سے ذکر کروں گا۔

اس پر ربیع نے کہا: تم اس وقت تک خلیفہ سے اس کا ذکر نہیں کر سکتے جب تک مجھے اس کے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔

اس پر میں نے کہا: میں یہ بات تو صرف خلیفہ سے ہی ذکر کروں گا۔لیکن اُسے یہ خبر دے دیں کہ میں صباح زعفرانی ہوں جو لوگوں کو عیسیٰ بن زید کی بیعت کی طرف بلاتا تھا۔ یہ سن کر وہ مجھے اپنے قریب کر کے کہنے لگا: اے شخص! یہ معاملہ اس حالت سے خالی نہیں ہے کہ ہم یا تو سچے ہوں گے یا جھوٹے ہوں گے لہٰذا تم خواہ سچے ہو یا جھوٹے ہو وہ تمہیں قتل کر دے گا۔ اگر تم سچے ہوئے تو پھر بھی تم جانتے ہو کہ اس کی نزدیک تمہاری شخصیت ناپسندیدہ ہے اور وہ تمہیں تلاش کر رہا ہے۔ اس نے تمہاری تلاش اور جستجو میں انتہائی کوشش کی ہے اور وہ تمہیں پکڑنے کا انتہائی خواہش مند ہے۔ پس جب اس کی تم پر نظر پڑے گی تو وہ فوراً ہی تمہیں قتل کر دے گا۔

اگر تم جھوٹے ہوئے تو پھر تم صرف اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر اس کے پاس آئے ہو اور تمہارا یہ فعل اسے غضب ناک کر دے گا اور وہ تمہیں قتل کر دے گا۔ میں تمہاری ہر ضرورت کو پورا کرنے کی ضمانت دیتا ہوں، خواہ وہ جو بھی تمہاری ضرورت و احتیاج ہو، لہٰذا مجھے اس کے متعلق بتاؤ۔

تو میں نے کہا: میں صباح زعفرانی ہوں۔ اس ذاتِ کبریاء کی قسم، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، مجھے اس سے کوئی حاجت طلب نہیں کرنی ہے۔ اگر وہ مجھے وہ سب کچھ عطا کر دے جو اس کی ملکیت میں ہے تو بھی میں اسے ہرگز نہیں لینا چاہوں گا اور نہ ہی اسے قبول کروں گا۔ میں نے تمہیں سچ کہا ہے کہ اگر مجھے اس سے اپنی کوئی حاجت اور ضرورت کا مطالبہ کرنا ہوتا تو میں تمہارے علاوہ کسی اور شخص کے ذریعے اس تک رسائی حاصل کرتا۔

یہ سن کر ربیع نے کہا: اے اللہ! تُو گواہ رہنا کہ میں اس (صباح زعفرانی) کے خون سے بری الذمہ ہوں۔ پھر اس نے مجھے اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے سپرد کیا اور خود وہاں سے کھڑا ہو کر اندر داخل ہوا جبکہ ابھی میرا یہ گمان نہیں تھا کہ یہ خلیفہ کے پاس پہنچا ہوگا کہ اتنے میں یہ آواز لگائی گئی: صباح زعفرانی کو اندر لاؤ۔تو مجھے خلیفہ کے پاس لے جایا گیا۔اس نے مجھ سے پوچھا: تم صباح زعفرانی ہو؟

میں نے جواب دیا: جی ہاں۔

اس نے کہا: اللہ تیری عمر دراز نہ کرے اور وہ تجھے اپنا قرب نصیب نہ کرے۔ اے دشمنِ خدا! تم میری سلطنت کے خلاف جدو جہد کرتے ہو اور میرے دشمنوں کی بیعت کی لوگوں کو دعوت دیتے ہو؟

میں نے کہا: خدا کی قسم! میں وہی شخص ہوں جیسا کہ تم نے ذکر کیا ہے۔

یہ سن کر اس نے کہا: اس کا مطلب ہے کہ تم ہی وہ خائن ہو، جس کے متعلق لوگ بتایا کرتے تھے۔ کہا مجھے تمہارے متعلق جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے باوجود تم میرے پاس امن وسکون کے ساتھ آ گئے ہو؟

میں نے کہا: میں تمہارے پاس تمہیں ایک خوشخبری دینے اور ایک بات کی تعزیت پیش کرنے آیا ہوں۔
اس نے کہا: کس چیز کی خوشخبری؟ اور کس بات کی تعزیت؟
میں نے کہا: البتہ! وہ خوشخبری یہ ہے کہ عیسیٰ بن زید کی وفات ہو چکی ہے اور تعزیت اس بات پر کر رہا ہوں کہ وہ شخص دنیا سے رخصت ہو گیا جو تمہارا چچا زاد تھا، تیرا گوشت اور خون تھا۔
یہ سن کر اس نے اپنا چہرہ محراب عبادت (قبلہ) کی طرف پھیر لیا اور سجدۂ شکر ادا کیا اور اللہ کی حمد بجا لایا۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: اس کی وفات کب ہوئی ہے؟
میں نے کہا: دو ماہ پہلے ان کی وفات ہوئی ہے۔
اس نے کہا: اگر وہ دو مہینے پہلے فوت ہو گیا تھا تو تم نے اس کی موت کی خبر مجھے آج کیوں دی ہے؟
میں نے جواب دیا: مجھے حسن بن صالح نے روکا تھا۔ پھر میں نے اس حسن بن صالح کی بعض گفتگو ذکر کی تو اس نے کہا کہ اب وہ کیا کر رہا ہے؟
میں نے جواب دیا: اس (حسن بن صالح) کی بھی وفات ہوگئی ہے، اگر وہ فوت نہ ہوتا تو تمہیں کبھی عیسیٰ کی وفات کی خبر نہ ملتی۔
اس پر اس نے دوسرا سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا: تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اس سے بے نیاز کر دیا اور وہ (حسن بن صالح) تمام لوگوں سے زیادہ میرے خلاف تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو عیسیٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور شخص کو میرے خلاف خروج پر آمادہ کر لیتا۔ اب تمہارا جو جی چاہتا ہے مجھ سے مانگو، خدا کی قسم! میں تجھے مالدار کر دوں گا اور تم جس چیز کے متعلق بھی سوال کرو گے وہ رد نہیں کروں گا۔
میں نے کہا: خدا کی قسم! مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں، میں تم سے صرف ایک چیز کا سوال کرتا ہوں۔
اس نے کہا: وہ کیا ہے؟
میں نے جواب دیا: عیسیٰ بن زید کے بچوں کے متعلق تم سے سوال کرتا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر میرے پاس اس قدر وسائل ہوتے کہ میں ان کی کفالت کر سکتا تو میں ہرگز تم سے ان بچوں کی حوالے سے سوال نہ کرتا اور نہ ہی تمہارے پاس آتا، لیکن ان کے بچے بھوک اور فقر و فاقہ کی وجہ سے مر رہے ہیں اور وہ ضائع ہو رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی ایسا وسیلہ نہیں ہے جس سے کوئی ذریعہ معاش بنا سکیں جبکہ ان کے والد پانی لاتے اور اُسے بیچ کر ان کی کفالت کرتے تھے لیکن اس وقت میرے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ان کی کفالت کرے جبکہ میں ان کی کفالت کرنے سے عاجز ہوں اور وہ میرے پاس انتہائی تنگی اور مصیبت کی حالت میں

ہیں۔تم ان بچوں کی حفاظت اور کفالت کرنے اور ان کے اخراجات برداشت کرنے کے تمام لوگوں سے زیادہ حق دار ہو کیونکہ وہ تمہارا گوشت اور خون ہیں اور وہ بچے تمہارے خاندان کے یتیم اور تمہارے خاندان کے افراد ہیں۔

یہ سن کر مہدی (عباسی) رونے لگا اور اس کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔ پھر کہا: خدا کی قسم! وہ میرے پاس میری اولاد کی طرف ہوں گے اور ان پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دوں گا۔ اے شخص! اللہ تعالیٰ تمہیں میری اور ان کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ یقیناً! تم نے ان کے والد کا حق اور ان بچوں کے حقوق کو ادا کر دیا ہے اور مجھے سے بوجھ ہلکا کر دیا ہے اور مجھے بہت بڑی خوشی عنایت کی ہے۔

اس پر میں نے کہا: اب ان بچوں کے لئے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمہاری امان ہے اور یہ تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کے سپرد ہیں۔ اگر کوئی ان کے خاندان یا ان کے والد کا ساتھی سوال کرے تو یہ تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کے ذمہ ہوں گے نیز تم ان کے خاندان اور ان کے والد کے اصحاب میں سے کسی کا تعاقب اور تلاش نہ کرو؟

اس نے کہا: تمہارے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور میری طرف سے امان ہے۔ اور اب یہ میرے اور میرے آباؤ اجداد کے ذمہ ہوں گے تم کوئی اور شرط رکھنا چاہتے ہو تو وہ بھی رکھ دو۔

پھر میں نے اس پر یہ شرط عائد کی کہ مجھے بچوں کے حوالے سے اس قدر اطمینان حاصل ہو جائے کہ کوئی بھی بات اِن کے متعلق میرے دل میں نہ رہے۔

پھر اس نے مجھ سے کہا: اے میرے پیارے! ان بچوں کا کیا قصور ہے جبکہ ابھی تو یہ چھوٹے بچے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر ان بچوں کی جگہ پر ان کے والد ہوتے جو میرے پاس خود آ جاتے یا میں انہیں تلاش کر کے پکڑنے میں کامیاب ہو جاتا تب بھی میں ان کے ساتھ ان کی مرضی کی مطابق سلوک کرتا، لہٰذا اب میں ان کے بچوں کے ساتھ کیسے بُرا سلوک کر سکتا ہوں۔

اے شخص! خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم جاؤ اور ان بچوں کو میرے پاس لے آؤ اور میں تم سے اپنے حق کے توسط سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم میری طرف سے اس کام کا صلہ قبول کرنا تاکہ تم اس کے ذریعے اپنے معاش کو بہتر بنانے میں مدد لے سکو۔

میں نے جواب دیا: میں تم سے اس کام کا کوئی صلہ نہیں چاہتا کیونکہ میں بھی تمام مسلمانوں کے افراد میں سے ایک فرد ہوں، جو کچھ ان کے لئے ہے وہی کچھ میرے لئے ہے۔

پھر میں ان کے پاس سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بچوں کو لے کر واپس آیا اور انہیں مہدی عباسی کے سپرد کیا۔ اس مہدی (عباسی) نے ان بچوں کیلئے لباس، گھر اور ایک کنیز کا انتظام کرنے کا حکم دیا جو اِن کی دیکھ بھال کرے نیز کچھ غلاموں کو ان کی خدمت پر مامور کیا اور ان بچوں کیلئے اپنے قصر میں ہی ایک الگ کمرہ مختص کر دیا۔

میں اس کے بعد بھی ان بچوں کی دیکھ بھال اور خبر گیری کرتا رہتا تھا۔ یہ بچے محمد امین کے قتل ہونے تک دارالخلافہ (بغداد) میں ہی مقیم رہے۔ محمد امین کے قتل ہونے کے بعد دارالخلافہ کے حالات ابتر ہو گئے اور وہاں سے یہ لوگ نکل گئے۔ جب کہ احمد بن عیسیٰ بھی وہاں سے نکل کر روپوش ہو گئے اور ان کا بھائی اس سے پہلے ہی بیمار ہو کر فوت ہو گیا تھا۔

حسن بن صالح بن حی کے ساتھیوں میں سے فضل بن حماد کوفی سے منقول ہے کہ عیسیٰ بن زید حسن بن صالح کے گھر میں چھپے ہوئے تھے اور وہ اسی روپوشی کی حالت میں مہدی (عباسی) کے دورِ خلافت میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کی وفات پر حسن بن صالح نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کسی شخص کو بھی ان کی وفات کا پتا نہ چلے، ورنہ یہ خبر حاکم تک پہنچ جائے گی اور وہ اس بات پر مسرت کا اظہار کرے گا بلکہ تم لوگ عیسیٰ بن زید کی بیعت کی طرف لوگوں کو بلاؤ تا کہ حاکم ان سے ڈر کی وجہ سے اسی حسرت میں مر جائے اور تم لوگ حاکم کو ان کی وفات کی خبر سے ہرگز خوش نہ کرو ورنہ اس کی پریشانی اطمینان میں تبدیل ہو جائے گی۔

حسن بن صالح کی وفات تک عیسیٰ بن زید کی موت مخفی رہی اور حسن بن صالح کی وفات کے بعد ایک شخص جس کا نام ابن علاق الصیرفی تھا، وہ مہدی کے پاس گیا جبکہ ابن علاق الصیرفی کا نام مہدی (عباسی) کو معلوم تھا اور اسے یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ یہ عیسیٰ بن زید کے خاص ساتھیوں میں سے ہے۔ جب ابن علاق الصیرفی اس کے پاس دروازے پر پہنچا اور دربان سے اس نے ملاقات کی اجازت طلب کی تو مہدی (عباسی) نے اسے اندر بھیجنے کا حکم دیا اور یہ اندر داخل ہوئے اور مہدی (عباس) کو سلام کرنے کے بعد کہا: اے امیر! (مہدی عباسی) آپ کی چچا زاد بھائی عیسیٰ بن زید کی وفات پر خدا آپ کی اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

یہ سن کر مہدی (عباسی) نے کہا: وائے ہو تجھ پر، تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟

اس نے کہا: خدا کی قسم! میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔

مہدی (عباسی) نے پوچھا: کب فوت ہوئے ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ وہ اتنا عرصہ پہلے وفات پا گئے ہیں۔

مہدی نے کہا: تم نے اس سے پہلے مجھے اس خبر کے متعلق کیوں نہیں بتایا؟

اس نے جواب دیا: مجھے حسن بن صالح نے روک رکھا تھا۔

پھر مہدی نے اس خبر کی سچائی کے متعلق جاننے کی کوشش کی اور اس سے کہا: اگر تم سچے ہوئے تو تم کو اس کا بہترین صلہ عطا کروں گا اور تمہاری آئندہ نسلوں کو خوش حاصل کر دوں گا۔

یہ سن کر ابن علاق الصیر فی نے کہا: میں نے اس صلہ کی خاطر یہ خبر نہیں بتائی بلکہ میں نے تو اس مقصد کی خاطر یہ خبر بتائی ہے کہ تم عیسیٰ بن زید کے متعلق شک میں نہ رہو اور اس وجہ سے لوگ تم سے امن اور چین محسوس نہ کریں لہٰذا میں نے یہ پسند کیا کہ تمہیں اس خبر سے آگاہ کر دوں تا کہ تم بھی راحت میں رہو اور دوسرے بھی تم سے راحت میں ہوں۔

مہدی (عباسی) نے کہا: تم میرے پاس وہ خوشخبریاں لے کر آئے ہو کہ عیسیٰ بن زید اور حسن بن صالح کی موت سے دونوں کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ دونوں میں سے کس پر زیادہ خوش ہوں لہٰذا تم مجھ سے جو جی چاہتا ہے اپنی حاجت طلب کرو۔

اس پر ابن علاق الصیر فی نے کہا: آپ عیسیٰ کے بچوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کریں۔ خدا کی قسم! ان کے پاس کوئی مال و اسباب نہیں ہے۔ حسن بن عیسیٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے اور حسین بن عیسیٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بن صالح کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ پھر عیسیٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے دو بیٹے احمد اور زید، مہدی (عباسی) کے پاس آئے تو اس نے دونوں کو دیکھا اور انہیں مال عطا کیا اور پھر یہ دونوں اس کی اجازت سے مدینہ چلے گئے۔

زید بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات مدینہ میں ہوئی جبکہ احمد بن عیسیٰ اس کے بعد ہارون الرشید کی خلافت تک زندہ رہے اور اس کی خلافت کے شروع کے ایام میں ظاہر ہوئے اور جب ہارون کو یہ خبر ملی کہ وہ منظم ہو رہے ہیں اور زیدی فرقے کے افراد ان کے گرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے انہیں گرفتار کرنے کے لئے سپاہی بھیجے اور ان کو گرفتار کرنے کے بعد ایک مدت تک قید خانے میں رکھا۔ پھر ان کو قید خانے سے چھٹکارا ملا۔

محمد بن ابی العتامیہ نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ جب میں نے (عباسی خلفاء کی شان میں) اشعار کہنا چھوڑ دیے اور مہدی (عباسی) نے مجھے جرائم کے قید خانے میں قید کرنے کا حکم دیا تو مجھے اس کے سامنے پکڑ کر قید خانے کی طرف لے جایا گیا۔ جب میں قید خانے میں داخل ہوا تو میں دہشت زدہ ہو گیا اور میرا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ میں نے قید خانے میں ایسا منظر دیکھا کہ مجھ پر گھبراہٹ اور خوف طاری ہو گیا۔ میں نے آنکھیں پھیر کر ہر طرف دیکھا تا کہ کوئی ایسی جگہ دیکھوں جہاں پناہ لے سکوں یا کوئی ایسا مرد نظر آئے جس کی صحبت سے مانوس ہو سکوں۔ اتنے میں مجھے ایک بزرگ نظر آئے جن کی شخصیت سے حسن ٹپک رہا تھا۔

ان کا لباس صاف ستھرا تھا اور ان کے چہرے سے نیکی کی علامات واضح نظر آ رہی تھیں۔ میں ان کی جانب بڑھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا جبکہ میں نے انہیں سلام تک نہ کیا اور نہ ہی ان سے ان کے متعلق کوئی سوال کیا کیونکہ اس وقت میں پریشان اور حیرت زدہ تھا۔ میں کافی دیر تک خاموش سر جھکائے اپنی حالت کے بارے میں سوچ بچار کرتا رہا کہ اس شخص نے درج ذیل اشعار پڑھے:

ترجمہ اشعار: ”میں پریشانیوں اور مصیبتوں کا اس قدر عادی ہو گیا ہوں کہ اب ان سے مانوس ہو گیا ہوں۔ مصائب کا بہتر انداز میں سامنا کرنے کی عادت نے مجھے صابر بنا دیا ہے۔ لوگوں سے میری مایوسی و نا اُمیدی نے مجھے یوں بااعتماد بنا دیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات جو بھی کرتی ہے بہتر ہی کرتی ہے جبکہ مجھے اس کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا ہے۔“

ابو العتامیہ کہتا ہے: میں نے ان دو اشعار کو بہترین پایا اور ان کو سن کر اپنے ہوش وحواس کو واپس لایا اور وہاں پر موجود افراد کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے اس شخص سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں عزت عطا فرمائے، برائے مہربانی ان دو اشعار کو دوبار پڑھو۔

یہ سن کر اس شخص نے مجھ سے کہا: تجھ پر افسوس ہے، اے اسماعیل! تم نے مجھے میری کنیت سے نہیں بلایا۔ تم کس قدر بُرے اخلاق کے مالک، کم عقل اور مروّت سے عاری ہو۔ کیوں کہ جب تم میرے پاس آئے تو مجھے سلام تک نہ کیا جیسا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ملتے وقت سلام کرتا ہے اور نہ ہی تم نے مجھے اپنا کوئی دُکھ درد سنایا جس کی وجہ سے تمہیں اس تکلیف و اذیت میں مبتلا کیا گیا ہے، اور نہ ہی تم نے میری کوئی احوال پرُسی کی جیسا کہ باہر سے آنے والا شخص پہلے سے مقیم شخص سے حالات دریافت کرتا ہے لیکن جیسے ہی تم نے مجھ سے دو اشعار سنے تو تمہاری زبان کھل گئی۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تم میں کوئی بھلائی اور ادب نہیں رکھا اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی کام کاج نہیں ہے؟ تم نے اپنی پُرانی گستاخی کا ذکر نہیں کیا تا کہ اس کی تلافی ہو سکتی اور نہ ہی تم نے گذشتہ غلطی پر معذرت طلب کی لہٰذا تم نے ہمارے حق میں کوتاہی کی لیکن جیسے ہی تم نے اشعار سنے تو مجھ سے دوبارہ اشعار سنانے کی فرمائش کر ڈالی۔ جیسے ہمارے درمیان کوئی پرانی محبت، بہترین شناسائی اور گہرا تعلق ہو۔

یہ سن کر میں نے اس شخص سے کہا: برائے مہربانی مجھے معاف کر دو کیونکہ اس وقت میں نے خوف زدہ اور گھبراہٹ کا شکار ہونے کی وجہ سے ایسا سلوک کیا۔

اس شخص نے مجھ سے کہا: تمہیں کس جرم میں قید خانے میں ڈالا گیا ہے، یقیناً تم نے ان کی شان میں

اشعار کہنا ترک کر دیا ہے، جن کی وجہ سے ان کے دل میں تمہاری قدر و منزلت اور تمہیں ان تک رسائی حاصل تھی۔ اب انہوں نے تمہیں اس لئے قید کر دیا ہے تا کہ تم ان کی شان میں پھر سے اشعار بیان کرنا شروع کر دو اور اب ضروری ہے کہ تم ان کی شان میں اشعار کہو گے تو تمہیں آزاد کیا جائے گا۔

مجھے بھی ابھی اسی ساعت میں بلایا جائے گا اور فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسیٰ بن زید کو دربار میں حاضر کرنے کا مجھ سے مطالبہ کیا جائے گا کہ میں انہیں ان کے پاس لاؤں۔ اگر میں نے انہیں ان کے ٹھکانے کے متعلق بتا دیا تو یہ عیسیٰ بن زید کو قتل کر دیں گے اور پھر میں اس صورت میں خدا سے ملاقات کروں گا کہ میرے سر پر ان کا خون ہو اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قتل کے متعلق میرے خلاف خدا کی بارگار میں شکایت کریں۔ اگر میں نے عیسیٰ بن زید کے ٹھکانے کے متعلق نہ بتایا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ میں تم سے زیادہ پریشان اور ورطۂ حیرت میں مبتلا ہوں اور تم میرا صبر و تحمل بھی دیکھ رہے ہو۔

یہ سن کر میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ پھر میں کافی دیر تک ان سے شرمسار ہونے کی وجہ سے سر جھکا کر بیٹھا رہا۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تم کو سرزنش کرنے کے بعد ان اشعار کے تکرار سے انکار نہیں کرتا۔ تم یہ دونوں اشعار سنو اور حفظ کرلو۔ پھر انہوں نے میرے سامنے یہ اشعار کئی دفعہ دُہرائے اور میں نے انہیں زبانی یاد کرلیا۔

پھر مہدی (عباسی) نے اُسے اور مجھے بلا بھیجا۔ جب ہم اس کے پاس جانے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا: اللہ تعالیٰ آپ کی عزت میں اضافہ فرمائے، آپ کون ہیں؟

انہوں نے جواب دیا: میں عیسیٰ بن زید کا ساتھی 'حاضر' ہوں۔

پھر ہمیں مہدی (عباسی) کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب وہ مہدی (عباسی) کے سامنے کھڑے ہوئے تو مہدی (عباسی) نے ان سے پوچھا: عیسیٰ بن زید کہاں ہے؟

حاضر نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں ہے کہ عیسیٰ کہاں ہیں۔ تم نے اسے تلاش کیا اور پکڑنے کی جستجو کی اور انہیں روپوش ہونے پر مجبور کیا۔ تمہاری وجہ سے وہ مختلف شہروں میں در بدر پھر رہے ہیں جبکہ تم نے مجھے پکڑ کر قید کر لیا تو پھر میں تمہیں کیسے بتا سکتا ہوں کہ وہ بھاگ کر کہاں گئے ہیں جب کہ میں قید میں ہوں؟

اس پر مہدی (عباسی) نے حاضر سے پوچھا: وہ کہاں روپوش ہیں، تمہاری ان سے آخری ملاقات کب ہوئی؟ اور تم نے کس کے پاس ان سے ملاقات کی؟

حاضر نے جواب دیا: وہ جب سے روپوش ہوئے ہیں میری ان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی اور مجھے

ان کے متعلق کچھ خبر نہیں ہے۔

یہ سن کر مہدی (عباسی) نے کہا: خدا کی قسم! تمہیں مجھے عیسیٰ بن زید کے ٹھکانے کا بتانا ہی پڑے گا، ورنہ میں اسی وقت تمہاری گردن اُڑا دوں گا۔

حاضر نے کہا: جو تمہارا جی چاہتا ہے وہ کرو، کیا میں تمہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹے کے ٹھکانے کے متعلق بتاؤں تا کہ تم انہیں قتل کر دو اور جب میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوں تو وہ مجھ سے ان کے خون کا قصاص طلب کریں۔ خدا کی قسم! اگر وہ میرے لباس اور میری جلد کے درمیان ہوتے تو بھی میں ان سے کپڑا نہ اُٹھاتا۔

یہ سن کر مہدی (عباسی) نے کہا: اس کی گردن اُڑا دو۔ پھر انہوں نے قتل ہونے کے لئے اپنی گردن آگے کر دی اور ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

پھر مہدی (عباسی) نے مجھے بلا کر کہا: کیا تم شعر بیان کرو گے یا میں تمہیں بھی اس کے ساتھ ملحق کر دوں۔

میں نے کہا: میں اشعار بیان کروں گا۔ پھر اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے رہا کر دو۔

محمد بن قاسم بن مہرویہ کہتا ہے: ابوالعتاہیہ نے حاضر سے جو دو اشعار سنے تھے وہ اس نے اسی وقت ہمیں سنائے تھے۔

ابوالفرج اصفہانی بیان کرتے ہیں: ابن مہرویہ کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی اس روایت کو ان اسناد علاوہ دیگر سند سے بیان کیا ہے اور ان دیگر راویوں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ حاضر، عیسیٰ بن زید کے بیٹے احمد کی بیعت کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے اور ان کا ابوالعتاہیہ کے ساتھ یہ درج بالا قصہ ہارون الرشید کے دورِ خلافت میں پیش آیا تھا۔ ہارون الرشید نے ان سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ احمد بن عیسیٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ کو میرے سامنے پیش کرے یا اس کے ٹھکانے کے بارے میں آگاہ کرے لیکن حاضر کے انکار پر ہارون الرشید نے انہیں قتل کر دیا تھا۔

ابوالفرج اصفہانی کہتے ہیں: میرے نزدیک پہلا قول درست ہے (کہ یہ واقعہ مہدی عباسی کے دور میں عیسیٰ بن زید کے متعلق پیش آیا اور انہیں مہدی عباسی نے قتل کروایا تھا)۔[1]

اولادِ عیسیٰ موتم اشبال بن زید شہید:

بقول نسابہ کبیر ابوالحسن عمری کہ آپ کے اعقاب میں چار صاحبزادیاں تھیں: (۱) رقیہ الکبریٰ (۲) رقیہ (۳) زینب (۴) فاطمہ، جس میں رقیہ کی شادی جعفر دیباجہ بن حسن بن علی بن عمر اشرف بن امام زین العابدین

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر ص: ۳۶۳۔۳۸۸

سے ہوئی۔ اور محمد پیدا ہوئے۔ دوسری دختر فاطمہ وہی معظّمہ ہیں جو آپ کی کوفہ میں روپوشی کے دوران پیدا ہوئیں اور اپنے والد کی حیات میں ہی فوت ہوگئیں ان کی والدہ کوفہ کی عام خاتون تھیں۔

آپ کے صاحبزادوں میں: (۱) جعفر (۲) حسن (۳) احمد (۴) زید (۵) محمد (۶) حسین (۷) عمر (۸) یحییٰ۔

اول: جعفر بن عیسیٰ کا ایک فرزند عیسیٰ ہوا۔ دوم: حسن بن عیسیٰ کی ایک دختر تھیں جن کا نام ''علیہ'' تھا۔ سوم: عمر چہارم یحییٰ دونوں درج تھے۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی اولاد چار پسران سے باقی رہی: (۱) احمد المختفی (۲) زید (۳) محمد (۴) حسین غضارہ۔[2]

(۷۹) احمد المختفی بن عیسیٰ موتم اشبال بن زید شہید

بقول ابی نصر بخاری آپ کی والدہ عاتکہ بنت فضل بن عبدالرحمان بن عباس بن حارث ہاشمیہ تھیں۔[3]

بقول ابوالحسن عمری نسابہ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی آپ بصرہ میں روپوش رہے اور آپ کی قبرہ بصرہ میں خط بنی کلب عمر میں ہے۔ آپ کی وفات ایام متوکل میں سنہ ۲۴۷ میں ۹۰ برس کی عمر میں ہوئی۔[4]

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ آل ابی طالب کے ان افراد میں سے ہیں جنہوں نے روپوش ہوکر زندگی بسر کی۔ آپ نے احادیث اور روایات کو نقل کیا جبکہ آپ سے عمرو بن خالد اور عمرو سے حسین بن حلوان نے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں۔ اور ان سے محمد بن منصور اور ان کے دیگر ہم عصریوں نے روایات نقل کی ہیں۔

جعفر بن محمد بن اسماعیل سے مروی ہے کہ میں نے ہارون رشید سے احمد بن عیسیٰ اور قاسم بن عمر اشرف بن علی اصغر بن امام زین العابدین کے متعلق چغل خوری کی تو ہارون رشید نے حکم دیا ان دونوں کو حجاز سے میرے پاس بغداد لے آؤ۔ جب یہ دونوں ہارون کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ دونوں فضل بن ربیع کی نگرانی میں قید رہے۔ زیدیوں کے ایک گروہ نے چال چلتے ہوئے ان کے پاس شہد اور میدے کے حلوے کے دو پیالے بھیجے جبکہ ان میں سے ایک حلوے کے پیالے میں بھنگ ملی ہوئی تھی ان

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص۳۸۹
[2] عمدۃ الطالب ص۲۶۶
[3] سر سلسلۃ العلویہ ص۶۵
[4] المجدی فی انساب الطالبین ص۳۸۹

دونوں نے یہ نشے والا حلوہ قید خانے کے نگرانوں اور محافظوں کو کھلایا اور جب محسوس ہوا کہ محافظوں پر نشہ طاری ہوگیا تو یہ دونوں حضرات قید خانے سے فرار کر گئے۔

جبکہ ایک دوسرے روایت کے مطابق احمد بن عیسیٰ ایک دن قید کے دوران اپنی بیرک سے باہر آئے اور پانی پیا اور پانی پی کر جان بوجھ کر پیالہ نیچے پھینک دیا تا کہ معلوم ہو سکے کہ کوئی جاگ تو نہیں رہا جب کوئی بھی حرکت میں نہ آیا تو احمد بن عیسیٰ قاسم کے پاس آئے اور انہیں تمام ماجرا سنایا لیکن قاسم نے کہا میں یہاں خیریت سے ہوں احمد نے کہا اگر میں یہاں سے نکل گیا تو آپ کو پیچھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس کے بعد احمد باہر نکلے اور مٹی کے پیالے میں پانی پی کر اسے نیچے پھینک دیا مگر سپاہیوں میں سے کسی نے بھی کوئی حرکت نہ کی تو آپ قید خانے سے باہر نکل آئے اور قاسم بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئے اور مختلف سمتوں کی طرف سے جانے والے راستے پر چل پڑے دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے جبکہ ایک مخصوص جگہ پر دونوں نے ایک دوسرے سے ملنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔

اسی اثناء میں احمد بن عیسیٰ کا فضل بن ربیع کے غلام سے سامنا ہوگیا تو یہ غلام آپ کے قریب ہوا تا کہ آپ کو اپنا تعارف کروائے لیکن آپ راستے سے ایک طرف ہوگئے اور اس سے کہا اے فلاں! میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور وہ ڈر کر ہٹ گیا۔ اور یہ سمجھا کہ قید سے آزاد ہوگئے ہیں پھر غلام وہاں سے سیدھا اس گھر آیا جہاں آپ کو قید کیا ہوا تھا۔ دیکھا تو تمام محافظ سو رہے ہیں ان کو جگا کر احمد مختفی کے بارے میں پوچھا تو سب چونک گئے کوئی گڑبڑ ہے تو سب ان کی تلاش کیلئے نکل پڑے مگر آپ کو تلاش نہ کر سکے۔ احمد بن عیسیٰ وہاں سے نکل کر سیدھا محمد بن ابراہیم امام کے گھر تشریف لائے اور ان کے غلام سے کہا اندر جا کر کہو احمد بن عیسیٰ تشریف لائے ہیں غلام نے اندر جا کر خبر دی تو محمد بن ابراہیم الامام نے کہا وائے ہو تم پر ان کو کسی نے دیکھا تو نہیں۔

غلام نے جواب دیا نہیں، اس کے بعد آپ نے ابراہیم کو تمام ماجرہ سے آگاہ کیا اور کہا میرا آپ سے متعلق یہ خیال ہے کہ آپ کے گھر میں میرا خون محفوظ رہے گا۔ اس لئے آپ میرے متعلق خدا سے ڈریں پھر محمد بن ابراہیم نے آپ کو اپنے گھر میں داخل کر کے مخفی کر دیا۔ آپ ایک مدت تک بغداد میں ہی روپوش رہے۔

جبکہ ہارون رشید کو آپ کے فرار کی خبر ملی تو وہ آپ کو تلاش کرنے لگا اور ہر جگہ سپاہیوں کے ذریعہ ناکہ بندی کروادی اور یہ حکم دیا جس گھر کے مالک پر یہ الزام ہوا کہ وہ شیعیت کی طرف مائل ہے تو ہر اس شخص کے گھر کی تلاشی لی جائے گی اور وہاں احمد کو تلاش کیا جائے گا۔ آپ کافی عرصے تک ان سخت حالات میں بغداد میں روپوش رہے یہاں تک کہ جب ان کے لئے بغداد سے نکلنا مشکل ہوگیا تو آپ بغداد سے بصرہ چلے

گئے اور وہاں اقامت پذیر ہوئے۔

نوفلی کی بیان کردہ حکایت کے مطابق ہارون رشید نے اپنے درباریوں میں سے ایک شخص جو ابن کردیہ کے نام سے معروف تھا اور اس کا اصل نام یحییٰ بن خالد تھا۔ ہارون رشید نے اس سے کہا میں نے کوفہ کی زمین اور جائیداد کا تمہیں نگران مقرر کیا ہے لہٰذا وہاں جاؤ اور وہاں اس زمین پر کام کرو اور لوگوں پر یہ ہی ظاہر کرنا کہ تم شیعہ ہو اور وہاں پر جا کر شیعوں میں مال تقسیم کرنا یہاں تک کہ تمہاری سخاوت دیکھ کر تمہیں احمد بن عیسیٰ کے متعلق خبر کردیں۔

اس کے بعد ابن کردیہ کوفہ چلا گیا اور ہارون رشید کے حکم کی تابعداری کی اور وہاں شیعوں پر مال و اسباب کی بارش کردی۔ ایک دن کوفہ کے لوگوں نے خود ہی اس کے سامنے اپنے ایک فرد ابوغسان خزاعی کا تذکرہ کیا اور اس کی تعریف وتوصیف میں بہت مبالغہ کیا لیکن ابن کردیہ نے توجہ نہ دی۔

لیکن جب دوسری مرتبہ ابوغسان خزاعی کا تذکرہ کیا گیا تو اس نے پوچھا اس مرد نے کیا کام سرانجام دیا ہے میں اس کی زیارت کا مشتاق ہوں۔

کوفہ کے لوگوں نے کہا وہ احمد بن عیسیٰ کے ہمراہ بصرہ میں رہتا ہے۔ پھر ابن کردیہ نے تمام صورت حال ہارون رشید کو لکھ کر بھیج دی تو ہارون نے اسے بغداد آنے کا حکم دیا پھر اسے کوفہ کی طرح بصرہ کی جائیداد کا نگران مقرر کیا تاکہ احمد بن عیسیٰ کی تلاش کی جائے تو ابن کردیہ بصرہ روانہ ہوا احمد بن عیسیٰ کے ہمراہ یحییٰ بن عبداللہ محض کے اصحاب میں سے ایک شخص جس کا نام ''حاضر'' تھا موجود تھا اور یہ حاضر ہی احمد بن عیسیٰ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کو بصرہ میں دارِ عاقب میں ٹھہرایا اور یہ کسی کو بھی اس حقیقت سے آگاہ نہیں کرتا تھا بلکہ یہ کہتا تھا کہ میں اپنے اوپر قرضوں کے بوجھ کی وجہ سے اس جانب نکل آیا ہوں۔ یزید بن عینیہ کہتا ہے کہ جب حاضر لوگوں کے پاس جاتا تو کہتا میرے اوپر قرض ہے اور ان کے آگے دست سوال بلند کرتا تو لوگ اس کو جواب میں کہتے اگرچہ حاکم نے تجھے تلاش کرنے کی کوشش کی اور کامیاب نہ ہوسکا تو پھر وہ قرض خواہ جس کا تم پر قرض ہے وہ تمہیں کیسے ڈھونڈ سکتے ہیں۔

ابن کردیہ بصرہ آیا تو یہاں بھی ویسے ہی مال تقسیم کیا جیسے کوفہ میں کرتا رہا۔ اور شیعوں میں برابر مال بانٹتا رہا تو لوگوں نے اسے حاضر اور احمد بن عیسیٰ کے متعلق بتایا تو اس نے توجہ نہ دی اور جب دوبارہ تذکرہ کیا گیا تو پھر بھی توجہ نہ کی البتہ جب ان حضرات کا تیسری مرتبہ تذکرہ کیا گیا تو اس نے کہا میں ان سے ملنے کا خواہشمند ہوں اس نے حاضر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو لوگوں نے کہا حاضر سے ملاقات مشکل ہے، اس

نے کہا یہ مال حاضر کو دینا اور کہنا اس سے اپنے لئے آسانیاں پیدا کرے۔

بصرہ کے شیعوں نے وہ مال لے کر حاضر کی خدمت میں پیش کیا تو حاضر نے وہ مال قبول کرلیا اس کے بعد اکثر ابن کردیہ حاضر کے پاس مال بھیجتا رہتا پھر لوگ اس سے مانوس ہو گئے تو اس نے حاضر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

انہوں نے کہا ہم اس کے متعلق ان سے سوال کریں گے۔ پھر یہ لوگ حاضر کے پاس آئے اور ملاقات کا کہا تو حاضر نے جواب دیا نہیں خدا کی قسم نہیں میں اس کو ملاقات کی اجازت نہیں دیتا یہ شخص فریبی اور دھوکے باز ہے۔ ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم! وہ شخص فریبی اور دھوکے باز نہیں ہے اس کے بعد مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ ایک دن حاضر نے ملاقات کی حامی بھر لی جب رات کی تاریکی چھا گئی تو حاضر نے احمد بن عیسیٰ سے کہا آپ یہاں سے کسی اور جگہ تشریف لے جائیں اس لئے کہ میں کسی آزمائش میں مبتلا ہو بھی جاؤں تو آپ سلامت رہیں احمد بن عیسیٰ وہاں سے نکل گئے۔

دوسری طرف ابن کردیہ نے بصرہ کے گورنر محمد بن حارث ہلالی کو کہا کہ وہ میرے ساتھ کچھ سپاہی بھیجے تاکہ جیسے ہی حاضر کے گھر میں داخل ہوں تو سپاہی اس کے گھر میں دھاوا بول دیں، جب ایسا ہی ہوا تو۔

سپاہی حاضر کو گرفتار کر کے، محمد بن حارث ہلالی کے پاس لے آئے۔

اور اس نے حاضر کو ہارون کے پاس بھیج دیا اور اس نے اسے قتل کر دیا۔

ایک دوسری روایت جو یونس بن مرزوق سے مروی ہے یہ ہے کہ ایک شخص نے اصفہان میں ڈاک کے انچارج کو یہ شکایت کی کہ احمد بن عیسیٰ اور حاضر دونوں بصرہ میں مقیم ہیں اور اہواز کے علاقوں میں نقل مکانی کرتے رہتے ہیں تو ہارون رشید نے ایک خط میں تحریر کیا کہ دونوں کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیا جائے نیز ہارون رشید نے ابی الساج جو بحرین کا گورنر تھا خالد بن ازہر جو اہواز کا گورنر تھا اور خالد طرشت جو سندھ کے راستے پر ڈاک کا نگران تھا ان سب کو یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ وہ اصفہان کے ڈاک کے انچارج کا حکم سنیں اور اس کی اطاعت بجالائیں ہارون نے اصفہان کے ڈاک انچارج کو تین ہزار درہم دے کر ان علاقوں کی ناکہ بندی کرنے اور وہاں احمد بن عیسیٰ کو تلاش کرنے کا حکم دیا یہ شخص اہواز پہنچا اور یہ ظاہر کیا کہ یہاں زندیق لوگوں کو تلاش کر رہا ہے۔ اس کو ایک بربری مرد، احمد بن عیسیٰ کے متعلق خبریں لا کر دیا کرتا تھا جبکہ احمد بن عیسیٰ اس بربری سے مانوس ہونے کی وجہ سے اس سے خاص لطف و محبت کیا کرتے تھے۔

جب ہارون رشید کا ایلچی جو اصفہان میں ڈاک کا انچارج تھا اس کا نام عیسیٰ روادزری تھا وہ اس بربری

کے پاس پہنچا تو اس بربری نے احمد بن عیسیٰ کے پاس حسب سابق مسافر ہوکر عیسیٰ رواد زری کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے بتایا کہ وہ آپ کا شیعہ ہے اور آپ سے ملاقات کا خواہشمند ہے تو احمد بن عیسیٰ نے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی۔ جب عیسیٰ روادزری ان کے پاس آیا تو احمد بن عیسیٰ اپنی قیام گاہ پر تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس ادریس بن عبداللہ کا فرزند اور ابراہیم بن عبداللہ کاتب بیٹھے ہوئے تھے اس نے احمد بن عیسیٰ اور ابن ادریس کو سلام کیا اور پھر دونوں کے ہاتھوں کا بوسہ لیا پھران کے پاس بیٹھ گیا اور ان سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا اس کے بعد عیسیٰ دونوں کے پاس تحائف اور لباس بھیجتا رہا۔ اور ان کی خدمت کیلئے دو خدمتگار لڑکے بھی خرید کر انہیں دیئے۔ پھر احمد بن عیسیٰ اور ابن ادریس اس عیسیٰ رواد زری سے مطمئن ہوگئے اور اس کے ہمراہ کھانا کھا لیا کرتے۔

اس اعتماد کو دیکھ کر عیسیٰ نے کہا یہ جگہ تنگ ہے اور اس شہر میں کوئی بھلائی اور بہتری نہیں آپ لوگ میرے ساتھ مصر اور افریقہ چلیں وہاں کے لوگ میرے اطاعت گزار ہیں۔ انہوں نے پوچھا تم ہمیں وہاں کیسے لے جاؤ گے اس نے کہا آپ کو پانی کے رستے کشتی میں بٹھا کر واسط لے جاؤں گا اور پھر کوفہ کے راستے دریائے فرات سے شام پہنچیں گے۔ انہوں نے حامی بھر لی تو اس نے انہیں کشتی میں بٹھایا ان کے ہمراہ ابی الساج (بحرین کے گورنر) کے آدمی بھی روانہ کئے جو اِن کی حفاظت ونگرانی کریں گے پھر یہ لوگ اہواز چلے گئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد عیسیٰ نے ان سے کہا آپ لوگ واسط کی طرف بڑھتے رہیں۔ میں راستے میں سفر کے لئے کرایہ اور دیگر ضروریات کا سامان مہیا کرنے کے بعد آپ سے ملحق ہوتا ہوں پھر عیسیٰ اور بربری ان سے الگ ہوکر دوسرے راستے پر نکل گئے جبکہ اس نے ان کی نگرانی پر مامور افراد کو نصیحت کی کہ انہیں کسی چیز کے متعلق آگاہ مت کرنا اور انہیں ہرگز شک نہ ہو کہ تم خلیفہ کے آدمی ہو۔ پھر وہ روانہ ہوگئے جب یہ لوگ کچھ مسافت طے کر چکے تو تنگدست بحری ڈاکوؤں نے انہیں گھیر لیا اور کہا آگے مت بڑھنا۔ یہ سن کر نگرانی پر مامور افراد نے بلند آواز میں کہا ہم ابی الساج کے آدمی ہیں اور ایک اہم ترین کام سے آئے ہیں۔ یہ سن کر ڈاکو ان کے راستے سے ہٹ گئے جبکہ یہ سن کر احمد بن عیسیٰ چوکنا ہوگئے۔ جب تھوڑا آگے بڑھے تو احمد بن عیسیٰ نے کہا ساحل کی طرف بڑھو تاکہ ہم نماز پڑھ لیں پھر ملاحوں نے کشتی کنارے پر لگادی تو یہ اتر کر کھجور کے درختوں میں پھیل گئے اور ان کی اوٹ میں چھپ گئے اور نگران افراد کی نظروں سے چھپ چھپا کر دور نکل گئے جبکہ ان کی نگرانی پر مامور افراد کشتی کے اوپر بیٹھے رہے۔ جب نگران افراد نے کافی دیر انتظار کیا اور یہ واپس نہ آئے تو انہیں کشتی سے نکل کر تلاش کرنے لگے، لیکن کہیں نہ پا سکے اور واپس واسط آگئے جبکہ وہاں ڈاک کا

انچارج عیسیٰ رواد زری انکا منتظر تھا اور اس کے ہمراہ ہارون رشید کے بھیجے ہوئے تیس افراد موجود تھے جو احمد بن عیسیٰ کو وصول کرنے آئے تھے ان نگرانوں نے تمام ماجرا سنایا تو عیسیٰ رواد زری نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا تم نے ضرور رشوت لے کر انہیں چھوڑ دیا ہے پھر ان نگرانوں کو ہارون کے پاس بھیج دیا گیا جہاں ان کو کوڑے مارے گئے اور پھر قید کر دیا گیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے ہارون رشید مدت تک ابی لساج پر غضب ناک رہا حتیٰ کہ اس کے قتل کا ارادہ کرلیا لیکن اس کے بھائی نے ہارون رشید کی منت سماجت کی تو اسے معاف کر دیا گیا۔

احمد بن عیسیٰ اور انکے ساتھی وہاں سے فرار ہوکر واپس بصرہ آ گئے اور یہاں ہی مقیم رہے حتیٰ کہ بصرہ میں سن ۲۴۷ کو فوت ہوئے۔ علی بن احمد بن عیسیٰ موتم اشبال نے بیان کیا کہ ان کے والد ۲۳ رمضان کی شب ۲۴۷ ہجری کو فوت ہوئے۔

محمد بن منصور سے مروی ہے کہ میں نے احمد بن عیسیٰ سے ان کی عمر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا میں دو محرم ۱۵۷ ہجری کو پیدا ہوا[1]

اولاد احمد مختفی بن عیسیٰ موتم اشبال بن زید شہید:

جناب احمد مختفی بن عیسیٰ موتم اشبال کی شادی خدیجہ بنت علی بن عمر اشرف بن امام زین العابدین سے ہوئی۔ بقول ابوالحسن عمری آپ کے پانچ صاحبزادے تھے: (۱) ابوالقاسم محمد اکبر (۲) احمد (۳) حسین (۴) علی، جنہوں نے اپنے والد کی اخبار کو روایت کیا (۵) ابوجعفر محمد بقول ابن خداع نسابہ کہ آپ کی وفات بغداد میں قید کے دوران ہوئی اور آپ کی والدہ خدیجہ بنت علی بن عمر اشرف بن امام زین العابدین۔[2]

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) محمد المکفل (۲) علی۔[3]

(۸۰) علی بن زید بن حسین غضارۃ بن عیسیٰ موتم اشبال

آپ نے مہتدی عباسی کے زمانے میں خروج کیا آپ کی والدہ دختر قاسم بن عقیل بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب تھیں۔ آپ نے کوفہ میں خروج کیا اور وہاں عوام اور عرب کے دیہاتی بدوؤں نے آپ کی بیعت کر لی۔ زیدی مذہب کے پیروکاروں اہل علم وفضل اور زعماء کی آپ کی طرف کوئی دل چسپی نہیں

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی تحقیق سید احمد صقر، ص ۴۹۲ تا ۴۹۸
[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۹۰
[3] عمدۃ الطالب ص ۲۶۷

تھی۔ان میں سے چندافراد نے ان کے طور طریقے کو دیکھا تو انکو ملامت کیا۔
متھدی نے شاہ بن مکیال کی سپہ سالاری میں ایک بہت بڑالشکر علی بن زید کی طرف روانہ کیا جبکہ یہ نجم النا جم کے بصرہ میں خروج سے پہلے کی بات ہے۔
علی بن سلمان کوفی سے منقول ہے کہ مجھے میرے والد نے بتایا کہ ہم علی بن زید کے ہمراہ تقریباً دوسو گھڑسوار کوفہ کی نواحی بستیوں میں پڑاوٴ ڈالے ہوئے تھے کہ ہمیں یہ خبر ملی کہ شاہ بن مکیال آ پہنچا ہے تو علی بن زید نے ہم سے کہا یہ سب میرے خون کے پیاسے ہیں تم سب لوگ چلے جاوٴ میں تم سے اپنی بیعت کو اٹھاتا ہوں، یہ سن کر ہم نے کہا خدا کی قسم! ہم آپ کو تنہاء نہیں چھوڑیں گے۔
پھر ہم ان کے ہمراہ جنگ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم نے شاہ بن مکیال کو اس کے بہت بڑے لشکر کے پاس پا لیا اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر ہم پر رعب طاری ہوگیا جب علی بن زید نے ہمیں گھبرائے ہوئے دیکھا تو ہم نے کہا کہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو اور دیکھو کہ میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔
پھر ہم نے استقامت دکھائی تو انہوں نے اپنی تلوار میان میں سے باہر نکالی اور اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر شاہ بن مکیال کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ان پر دائیں اور بائیں سے حملہ کرتے ہوئے لشکر کے پیچھے تک پہنچ گئے اور ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر ہماری طرف متوجہ ہوئے پھر وہ شاہ کے لشکر پر پیچھے سے حملہ کرتے ہوئے اپنی جگہ واپس آئے اور ہم کو مخاطب کر کے کہا، کیا تم ان جیسے افراد سے گھبرا رہے ہو۔
اس کے بعد دوبارہ حملہ کیا اور ہمارے پاس لوٹ کر آئے جب تیسری بار انہوں نے حملہ کیا تو ہم نے بھی ان کے ہمراہ حملہ کیا اور ہم نے شاہ بن مکیال کے لشکر کو بری طرح شکست دی۔
مگر کوفے کے لوگوں نے یحییٰ بن عمر کے زمانے میں کوفیوں کے قتل اور اسیری کی وجہ سے ان کا ساتھ نہ دیا۔آپ کی اولاد کا تذکرہ موجود نہیں اور نسابین نے اس بارے سے کوئی ذکر تحریر نہیں کیا۔

(۸۱) سادات بارہہ (زیدی سادات)

برصغیر پاک و ہند میں موجود سادات زیدیہ کی کثیر تعداد کا نسب۔
محمد بن عیسیٰ موتم اشبال بن زید شہید سے ملتا ہے۔آپ کی والدہ عبدہ بن عمر بن امام سجادؑ تھیں۔
بقول شریف عمری کہ محمد بن عیسیٰ موتم اشبال کے تین پسران تھے: (۱) ابراہیم (۲) علی (۳) جعفر

اور ابی نصر بخاری نے تحریر کیا ہے کہ محمد بن عیسیٰ موتم اشبال کی اولاد میں علی بن محمد بن عیسیٰ موتم اشبال کی والدہ مخزومیہ تھیں اور آپ کو مرۃ بن غطفان نے معتصم عباسی کے عہد میں قتل کیا۔[1]

جبکہ بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ مدنی عقیقی آپ کو مرہ بن عطفان نے معتصم عباسی کے زمانے میں فدک میں قتل کیا اور آپ کی والدہ عامر بن لوی کی اولاد سے تھیں۔[2]

بقول امام فخر الدین رازی کہ محمد بن عیسیٰ موتم اشبال کی اولاد صرف ایک فرزند سے باقی رہی جن کا نام علی اور لقب عراقی تھا انہوں نے معتصم کے عہد میں خروج کیا اور قتل ہو گئے۔

ان علی عراقی بن محمد بن عیسیٰ موتم اشبال کی اولاد صرف ایک فرزند حسین عراقی سے جاری ہوئی اور اس حسین عراقی کی نسل ایک فرزند علی عراقی سے جاری ہوئی۔

اور اس علی عراقی بن حسین عراقی بن علی عراقی بن محمد بن عیسیٰ موتم اشبال کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابو محمد حسن (۲) ابو محمد جعفر (۳) ابو عبداللہ حسین

اور نسابین میں علی العراقی کی اولاد کے بارے میں اختلاف ہے۔

سید ابوالغنائم کے قول کے مطابق اور بقول سید ابو اسماعیل طباطبائی کہ علی عراقی اصل میں علی بن حسین بن محمد بن حسین بن عیسیٰ موتم اشبال تھے۔ جبکہ ایک اور جگہ علی العراقی: علی بن حسین بن عیسیٰ موتم اشبال کہے گئے۔ واللہ اعلم[3]

کتاب المجدی میں ابوالحسن عمری نے اپنے ایک دوست کا ذکر اعقاب محمد بن عیسیٰ موتم اشبال میں کیا ہے کہ شریف ابوالعز علی (بابن عراقی) بن محمد بن عبدالعظیم بن احمد بن علی بن حسین بن علی بن محمد بن عیسیٰ موتم اشبال میرے دوست بصرہ میں مقیم تھے۔

اور اس صفحہ پر ایک دوسرا نسب لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابوالبھیجا محمد بن قاسم بن محمد بن احمد بن علی بن حسین بن علی بن محمد بن عیسیٰ موتم اشبال جو کہ معروف بابن دیک خزار ہیں ان کی اولاد بغداد اور کوفہ میں ''بیت عراقی'' کہلاتی ہے۔[4]

---

[1] سر سلسلۃ علویہ ص ۶۶
[2] المعقبین از یحییٰ بن حسن علوی عقیقی ص ۹۶،۹۷
[3] شجرۃ المبارکہ از امام فخر الدین رازی ص ۱۴۳، ۱۴۴
[4] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۹۳

بقول عمدۃ النسابین سید جمال الدین ابن عنبہ کہ محمد بن عیسیٰ موتم اشبال کی اعقاب کثیر تعداد میں منتشر ہوگئی ان کی جمہور اولاد علی عراقی بن حسین بن علی بن محمد بن عیسیٰ موتم اشبال سے ہے۔ آپ عراق میں داخل ہوئے اور قیام کیا اس لئے اہل حجاز نے آپ کو عراقی کہا بقول ابن عنبہ آپ کے اولاد پانچ پسران سے جاری ہوئی جن میں کچھ کی زیادہ اور کچھ کی کم اولاد تھی [1]

اس کے بعد ابن عنبہ نے احمد الاعلیٰ بن علی عراقی کی اولاد کا ذکر کیا۔

سادات بارہہ کے قدیم شجرات اور مخطوطہ نسب تحریر سید فتح علی زیدی میں علی العراقی بن حسین بن علی بن محمد بن عیسیٰ موتم اشبال تحریر ہے اور ابن عنبہ نے بھی علی عراقی کا نسب یہی تحریر کیا۔

امام فخر الدین رازی نے آپ نے کے تین پسران کو صاحب اولاد کہا۔ جن میں ایک ابو محمد حسن ہیں اور یہی سادات زیدیہ بارہہ کے جد امجد ہیں۔

آپ کی اولاد سے جد امجد سادات زیدیہ سید ابوالفرح واسطی بن داؤد بن حسین بن یحییٰ بن زید ثالث بن عمر بن زید حربی بن علی بن ابومحمد حسن بن علی العراقی المذکور وارد ہند ہوئے۔

سید ابوالفرح واسطی ۳۸۹ ہجری بمطابق ۹۹۹ عیسوی کو غزنی تشریف لائے اور ۳۹۱ ہجری کو مطابق ۱۰۰۱ عیسوی کو محمود غزنوی کے ہمراہ وارد ہند ہوئے اور مختلف فتوحات میں شرکت کی۔

۱۰۲۴ عیسوی کو سومنات پر حملہ کر کے مسلمانوں کو مکمل فتح یابی حاصل ہوئی۔ سلطان محمود غزنوی کی فرمائش پر آپ نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو مفتوحہ علاقوں کی نگرانی کیلئے ہندوستان چھوڑا ان میں: (۱) سید داؤد (۲) سید نجم الدین حسن (۳) سید ابوالفضائل (۴) سید ابوالفراس [2]

اب بارہہ ایک علاقے کا نام ہوگیا ہے جو ضلع مظفرنگر کے چند گاؤں پر مشتمل ہے جن میں ککرولی، جانسٹھ، سندھاولی، سمبھلیڑہ، قوال، بہڑہ بہاری، مران پور، زیادہ مشہور ہیں۔

(۸۲) محمد بن محمد بن زید شہید بن امام زین العابدینؑ

بقول ابن عنبہ آپ ابی السرایا بن منصور شیبانی کے ساتھ خروج میں شامل تھے ابی السرایا نے محمد بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل دیباج بن ابراہیم غمر بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ کی جانب سے بیعت لی جب ایک رات محمد بن ابراہیم طباطبا خفیہ طور پر فوت ہوگئے تو ابی سرایا نے محمد بن محمد بن زید شہید کو محمد بن ابراہیم طباطبا کا قائم

---

[1] عمدۃ الطالب ص ۲۷۱

[2] فارس نوشتہ رسالہ گلزار زیدی از سید فتح علی زیدی متوفی ۱۱۵۲ ہجری

مقام بنایا اور آپ کا لقب ''موید'' رکھا آپ آئمہ زیدیہ میں سے تھے۔حسن بن سہل نے جب ہرثمہ بن اعین کو جنگ کیلئے بھیجا تو محمد بن محمد بن زید شہید کو گرفتار کرلیا گیا۔اور مامون کی طرف بھیج دیا گیا تو مامون نے ان کی کم عمری دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور کہا تم نے کیسا پایا جو اللہ نے تمہارے چچا زاد کے ساتھ کیا۔آپ کو مرو میں ہی ۲۰ سال کی عمر میں مامون عباسی نے زہر دیکر شہید کر دیا۔[1]

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ فاطمہ بنت علی بن جعفر بن اسحاق بن علی بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار تھیں۔

جب محمد بن ابراہیم طباطبا حسنی کا انتقال ہوا تو ابوسرایا نے آپ کو ان کا قائم مقام بنا دیا۔جب حسن بن سہل نے ہرثمہ بن اعین کو کوفے کی طرف بھیجا تو ابوالسرایا نے ایک زور دار خطبے نے ذریعے کوفہ کے لوگوں کو جنگ کے لئے ولولہ دلوایا۔ابوالسرایا نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا اور سب نے ابوسرایا کے ساتھ مل کر خندق کھودی۔جب رات ہوئی تو یہ لوگ خندق سے باہر نکل آئے اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے خچروں کو تیار کیا۔اور گھوڑوں پر زینیں کسی پھر یہ لوگ محمد بن محمد بن زید علوی،عربوں میں سے کچھ افراد اور کوفہ کے باشندے کوفہ سے روانہ ہوئے۔

آپ نے تین دن تک قادسیہ میں قیام کیا اور قادسیہ سے خفان روانہ ہوگئے وہاں سے دریائے فرات سے نیچے ہوتے ہوئے خشکی کے راستے پر پہنچ گئے کوفہ خالی ہونے کی صورت میں اشعث بن عبدالرحمان اشعثی گدی نشین ہوا۔اور لوگوں کو ہرثمہ میں اعین کی طرف بلانے لگا۔کوفہ کے سردار اور رؤساء کوفہ کے باہر ہرثمہ بن اعین کے پاس گئے اور کوفہ کے لوگوں کے لئے امان طلب کی۔

ہرثمہ بن اعین نے غسان بن فرج کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور خود کئی دن تک شہر کے باہر ٹھہرا رہا۔ابو سرایا بصرہ کی طرف چل پڑے۔راستے میں ایک اعرابی نے بتایا کہ وہاں پر عباسی حاکم کو دوبارہ غلبہ حاصل ہوگیا ہے یہ سن کر واسط چل پڑے وہاں کے حالات بھی کچھ ایسے ہی تھے تو یہ لوگ اہواز کی جانب چل پڑے پھر سوس کے مقام پر جنگ ہوئی۔ابوسرایا سوس سے نکل کر خراسان کے راستے پر سفر کرنے لگے تو راستے میں ایک گاؤں برقانا میں پڑاؤ ڈالا۔حماد الکندغوش جسے اس علاقے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جب اس کو یہ اطلاع ملی تو یہ گھڑسواروں کے ہمراہ روانہ ہوا اور خود ان سے جا ملا۔حماد الکندغوش نے اس شرط پر ان کو امان دی کہ وہ ان لوگوں کو حسن بن سہل کے پاس بھیج دے گا۔

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۷۵،۲۷۶

پھر اس نے مخبر کو دس ہزار درہم دیئے جس نے اسکی خبر اس تک پہنچائی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو حسن بن سہل کے پاس بھیج دیا گیا۔ محمد بن محمد بن زید نے امان طلب کرنے کیلئے حسن بن سہل کو خط تحریر کیا تو حسن بن سہل نے جواب میں کہا میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ حسن بن سہل نے ابوسرایا کو قتل کر دیا۔ اور محمد بن محمد بن زید کو مامون کے پاس خراسان روانہ کر دیا۔

جب آپ کو مامون کے سامنے لایا گیا تو اس نے فضل بن سہل سے بلند آواز میں کہا اس کے سر سے کپڑا ہٹاؤ تو آپ کے سر کو عریاں کیا گیا۔ مامون کو آپ کی کم عمری پر تعجب ہوا پھر اس نے حکم دیا کہ انہیں ایک گھر میں ٹھہرایا جائے اور ان کے لئے بستر اور خادم کا بھی اہتمام کیا جائے کہا جاتا ہے چالیس دن وہاں مقیم رہنے کے بعد آپ کو زہر آلود شربت پلایا گیا جس سے آپ کا جگر اور انتڑیاں کٹ کٹ کر باہر آنے لگیں اور آپ شہید ہو گئے۔ امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ محمد بن محمد بن زید شہید کو مرو کے مقام پر زہر دیا گیا جس سے آپ کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آپ شہید ہو گئے۔ آپ اولاد نہیں جاری ہوئی۔

(۸۳) حسین اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسینؑ

حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ کو حسین اصغر اس لئے کہتے ہیں کہ کیونکہ امام زین العابدینؑ کے دو پسران کے نام حسین تھے ایک حسین اکبر تھے اور دوسرے حسین اصغر تھے۔ بقول ابی نصر بخاری حسین اکبر اپنے والد کی زندگی میں ہی لاولد فوت ہو گئے۔[۱]

عبدالملک عاصمی مکی تحریر کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ حسین کی اولاد حجاز، عراق، شام، مغرب اور عجم کے ممالک میں کثیر تعداد میں ہے۔ مدینہ کے امراء، عراق کے سردار اور رے کے بادشاہ ان میں سے ہیں۔[۲]

حسین الاصغر کی والدہ ماجدہ:

بقول سید ابی الحسین یحییٰ بن حسن مدنی عبیدلی علوی کہ آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔[۳]

ابی نصر بخاری نے اپنی کتاب سر سلسلہ علویہ میں جہاں امام زین العابدین کی اولاد کا تذکرہ کیا ہے وہاں کہتے ہیں کہ حسین اصغر کی والدہ ام الولد رومیہ تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ام عبداللہ (بنت امام حسن)

۱۔ سر سلسلۃ العلویہ ص ۶۹۔ ۳۲

۲۔ سبط النجوم العوالی فی انباء الاوائل التوالی، از عبدالملک عاصمی مکی نشر بیروت ج ۲ ص ۳۴۶

۳۔ المعقبین از یحییٰ بن حسن علوی ص ۸۳

تھیں لیکن اول قول درست ہے کہ وہ رومیہ کنیز تھیں اور انہیں عنان کہا جاتا تھا۔[1]

اور دوسری جگہ جہاں خود حسین الاصغر کی اولاد کا ذکر کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ آپ کی والدہ ام الولد تھیں جن کو سعادہ کہا جاتا تھا اور یہ قول درست نہیں ہے کہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ ام عبداللہ بنت امام حسنؑ تھیں اور امام باقرؑ اور عبداللہ باہر آپ کی والدہ کی طرف سے بھی بھائی تھے۔[2]

نسابہ کبیر ابوالحسن عمری تحریر کرتے ہیں کہ حسین بن علی بن حسین بن امام علیؑ عفیف محدث عالم اور فاضل تھے اور آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔[3]

دوسری جگہ جہاں اولاد امام حسنؑ کا ذکر ہوا۔ ابوالحسن عمری وہاں تحریر کرتے ہیں کہ ام عبداللہ بنت امام حسنؑ کی شادی امام زین العابدینؑ سے ہوئی اور آپ کے چار فرزند: (۱) حسن (۲) حسین (۳) امام باقرؑ (۴) عبداللہ باہر تولد ہوئے اور بقول عمری یہ روایت درست ہے۔[4]

اب یہاں ابوالحسن عمری کی مراد حسینؑ سے کون سے حسین ہیں حسین اکبر یا حسین اصغر اس کے بارے میں واضح نہیں کہا جا سکتا۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسین اصغر کی والدہ ام الولد تھیں جس کا نام ساعدہ تھا۔[5]

شیخ علی نمازی المنتخب کے بقول حسین اصغر اور امام باقرؑ کے والد اور والدہ دونوں کی طرف سے بھائی تھے۔[6]

شہاب الدین مرعشی نجفی علم النسب میں اپنے والد کے استاد علامہ نسابہ سید حسون براقی کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ یوں کہا جاتا ہے کہ حسین اصغر کی والدہ رومی کنیز ہیں لیکن یہ درست نہیں ہے ان کی والدہ ان کے بھائی عبداللہ باہر کی بھی والدہ ہیں اور وہ فاطمہ بنت امام حسنؑ ہیں۔[7]

---

[1] سر سلسلۃ العلویہ از بخاری ص ۳۲

[2] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۶۹

[3] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۹۶

[4] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۰۲

[5] عمدۃ الطالب ص ۲۸۷

[6] مستدرکات علم رجال حدیث از شیخ علی نمازی شاہرودی ج ۳ ص ۱۶۱ نشر تہران

[7] شرح احقاق الحق از قاضی نور اللہ شوستری تعلیق سید شہاب الدین المرعشی نجفی ج ۱ حیات قاضی نور اللہ شہید ص ۱۰۷ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی

امام زین العابدینؑ سے مشابہت:

امام زین العابدینؑ کو ان کی خالص عبادت کی وجہ سے ہی زین العابدینؑ اور سید الساجدین کہا جاتا ہے امام کی اس خوبی کی عکس کو لوگوں نے ان کے فرزند حسین اصغر میں بھی پایا۔

حاکم روایت کرتے ہیں کہ خبر دی ہمیں ابومحمد حسن بن ابی محمد بن یحییٰ عقیلی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی مجھے میرے والد نے میرے دادا سے اور انہوں نے کہا مجھے موسیٰ بن عبداللہ بن حسن نے بتایا وہ کہتے ہیں مجھے میرے والد کے علاوہ گھر کے کئی لوگوں نے بتایا انہوں نے کہا: ''حسین بن علی بن حسینؑ السبط اپنے والد علی بن حسینؑ سے عبادت گزاری میں سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔''[1]

سخاوی روایت نقل کرتے ہیں کہ حسین اصغر اپنے باپ کی اولادوں میں سے اپنے باپ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ بندگی اور اللہ والے ہونے میں وہ دونوں یکتا تھے۔[2]

دعا مانگنا بھی امام زین العابدینؑ کی پاکیزہ زندگی کا اہم پہلو ہے۔ اسی لئے آپ کی کتاب صحیفہ کاملہ کو زبور آل محمدؐ کہا جاتا ہے حسین اصغرؑ اس سلسلے میں بھی اپنے والد سے مشابہت رکھتے تھے۔ بقول شیخ مفید کہ احمد بن عیسیٰ نے بیان کیا کہ میرے والد نے بتایا جب میں حسین بن علی بن حسینؑ کو دعا مانگتے دیکھتا تو کہتا کہ وہ دعا سے ہاتھ نہ ہٹائیں گے جب تک تمام مخلوقات کیلئے ان کی دعا قبول نہ ہوجائے۔[3]

تقویٰ کی خوبی میں بھی حسین اصغر امام زین العابدینؑ سے مشابہت رکھتے تھے۔ حرب بن طحان روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حسن بن صالح کے ساتھی سعید نے کہا میں نے حسن بن صالح سے زیادہ خوفِ خدا رکھنے والا نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ مدینے گیا تو میں نے حسین بن علی بن حسینؑ سے زیادہ خوفِ خدا رکھنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔ ان کا شدت خوف ایسا تھا کہ جیسے انہیں آگ میں ڈال کر نکالا گیا ہو۔[4]

اللہ کی راہ میں غرباء اور فقراء کی مدد کرنا امام زین العابدینؑ کی ایک باکمال صفت تھی اور یہ صفت بھی حسین اصغرؑ میں بدرجہ اتم موجود تھی بقول علی بن زید بیہقی حسین اصغر ہر روز دینار صدقہ کرتے تھے۔[5]

---

[1] المستدرک علی الصحیحین از ابی عبداللہ حاکم نیشاپوری ج ۱ ص ۱۹۶، نشر دارالمعرفہ، بیروت، لبنان

[2] تحفہ اللطیفہ فی تاریخ مدینہ شریفہ از ابی الخیر محمد شمس الدین بن عبدالرحمان سخاوی قاہری ج ۱ ص ۱۹۶

[3] الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۷۴

[4] الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۷۴

[5] لباب الانساب الالقاب والاعقاب از علی بن زید بیہقی المتوفی ۵۶۵ھ، تحقیق محمد صادق ج ۱ ص ۲۶

علامہ باقر قرشی لکھتے ہیں کہ حسین اصغر کو ان کے والد امام زین العابدینؑ نے اپنی طرح نفسانی کمالات سکھائے اور ان کا (حسین اصغر کا) اپنے والد کی مانند اللہ کی طرف زیادہ توجہ دینا اور دنیا سے زہد اور دین پر اصرار تھا۔ حسین اصغر بردبار اور صاحبِ وقار تھے ان سے متاقین اور صالحین کی ہیبت ظاہر ہوتی تھی اور ان کے چہرے سے نور ساطع تھا۔[1]

امام باقرؑ نے اپنے بھائی حسین اصغر کی تعریف کی ابوجارود بن منذر نے بیان کیا ہے حضرت ابوجعفر باقرؑ نے اپنے بھائی حسین اصغر کو حلیم قرار دیا اور انہیں قرآن کی اس آیت کا مصداق گردانا:

يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝[2]

ترجمہ: ''جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جاہل لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں تو یہ سلام کہتے ہیں۔''[3]

محدث:

آپ محدث تھے اور ان کی روایت کردہ احادیث کو سنی اور شیعہ معروف علمائے احادیث نے اپنی کتب میں لکھی ہیں۔ علمائے رجال نے ان کا تذکرہ اپنی کتب میں کیا ہے۔ ان کی تعریف کی ہے اور ان کو ثقہ کہا ہے۔ لوگوں کی ایک جماعت نے ان سے سنا اور احادیث نقل کیں۔ اس جماعت میں ان کے فرزند اور نامور شیعہ اور سنی محدثین شامل ہیں۔

بقول ابن حجر عسقلانی حسین اصغرؑ نے اپنے والد اور بھائی امام محمد باقرؑ اور وہب بن کیسان سے روایات کی ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں موسیٰ بن عقبہ، ابن ابی الموال، ابن مبارک اور ان کے بیٹے ابراہیم، محمد، عبیداللہ اعرج وغیرہ شامل ہیں۔[4]

شیخ مفید لکھتے ہیں کہ حسین بن علی بن حسینؑ فاضل اور متقی تھے انہوں نے اپنے والد علی بن حسین، اپنی پھوپھی فاطمہ بنت حسینؑ اور بھائی ابوجعفرؑ سے کثیر تعداد میں احادیث روایت کیں۔[5]

---

[1] حیات امام محمد باقرؑ از باقر شریف قرشی ج ۱ ص ۸۵، ۸۷

[2] سورۃ الفرقان آیت ۶۳

[3] مسائل الناصریات، از علم الھدیٰ سید مرتضیٰ المتوفی ۳۵۵ ہجری، تحقیق مرکز البحوث والدرسات العلمیہ ص ۶۴، نشر رابطہ الثقافہ العلاقات الاسلامیہ، تہران، ایران

[4] تہذیب التہذیب از امام حافظ شیخ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ہجری ج ۲ ص ۲۹۹ طباعت والنشر، بیروت، ۱۹۸۴ء

[5] الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۱۷۴

علامہ مزی تحریر کرتے ہیں کہ حسین بن علی بن حسینؑ بن علی بن ابی طالب قریشی ہاشمی مدنی کو حسین اصغر کہا جاتا ہے ان کی والدہ کنیز تھیں انہوں نے اپنے والد علی بن حسینؑ، بھائی ابی جعفر محمد باقرؑ اور وہب بن کیسان سے روایت کی۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے ابراہیم بن حسین اصغر، عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر، محمد بن حسین اصغر، خارجہ بن عبداللہ بن سلیمان بن زید بن ثابت، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمان بن ابی الموال، عنبسہ بن بجاد العابد اور موسیٰ بن عقبہ شامل ہیں۔

نسائی نے حسین اصغر کو ثقہ قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اپنی کتاب ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔[1]

ابن حبان تحریر کرتے ہیں کہ حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ بن عبدالمطلب اہل مدینہ میں سے تھے اور عمر اور محمد کے بھائی تھے۔ انہوں نے وہب بن کیسان سے روایت کی اور ان سے عبداللہ بن مبارک نے روایت کی۔[2]

محمد بن علی بن عبدالرحمان کے مطابق حسین بن علی بن حسینؑ نے اپنے بھائی زید بن علیؑ اور صحابی ابو طفیلؓ سے روایت کی۔ ابو طفیلؓ سے جو حدیث حسین اصغرؒ نے بیان کی اسے ان سے علی بن صالح مکی نے بیان کیا ہے۔ اپنے بھائی زید بن علیؑ سے حسین اصغر نے جو روایت بیان کی ہے اسے ان سے ان کے فرزند عبداللہ بن حسین اصغر نے بیان کیا ہے۔[3]

عبداللہ بن امام ہادی نے حسن بن حسین اصغر اور یحییٰ بن سلام کو حسین اصغر سے روایت کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔[4]

المرشد باللہ یحییٰ بن حسین نے اپنی امالی میں حسین اصغر کی پانچ احادیث بیان کی ہیں جن میں سے ان کے دو بیٹوں محمد بن حسین اصغر اور عبیداللہ بن حسین اصغر نے ان سے بیان کیں اور باقی تین کلیب بن عبدالملک، لوط بن اسحاق نوفلی اور صالح بن ابی الاسود نے ان سے روایت کیں۔[5]

---

[1] تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، حافظ المتقین جمال الدین ابی الحجاج یوسف مزی متوفی ۶۵۶ ہجری ج ۲ ص ۳۹۵، ۳۹۶، نشر موسسہ الرسالہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۲ء

[2] الثقات، از امام حافظ ابی حاتم محمد بن حبان بن احمد تمیمی، تحقیق سید شرف الدین احمد ص ۲۰۵، ۲۰۶، مجلس دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن

[3] تسمیہ من روی عن امام زید بن علی علیہ السلام من التابعین از امام ابی عبداللہ محمد بن علی بن عبدالرحمان علوی متوفی ۴۴۵ ہجری نشر موسسہ امام زید بن علی علیہ السلام، امان، اُردن

[4] جدوال الصغریٰ مختصر الطبقات الکبریٰ، علامہ عبداللہ بن امام ہادی حسن بن یحییٰ ج ۱ ص ۱۷۷ تا ۳۲۳، موسسہ زید بن علیؑ الثقافیہ امان، اُردن

[5] الامالی الاثنینیہ از امام مرشد باللہ یحییٰ بن حسین بن اسماعیل جرجانی شجری ص ۵۶۷، ۵۶۸، ۶۱۷، ۵۵۰، ۵۶۵، موسسہ امام زید بن علی الثقافیہ، امان، اُردن

نسائی، ترمذی، حاکم، احمد، ابن حبان، دارقطنی، اور بیہقی نے اوقات نماز کے بارے میں اس حدیث کو روایت کیا جسے عبداللہ بن مبارک نے حسین اصغرؒ سے اور انہوں نے وہب بن کیسان سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہؓ سے بیان کیا۔ امام احمد نے حسین اصغرؒ اور اوقات نماز کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث کی توثیق کی۔ عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا کہ آپ اسے کیسا دیکھتے ہیں اور حسین اصغرؒ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ میرے والد نے کہا حسین اصغر جو ہیں وہ امام محمد باقرؑ کے بھائی ہیں اور ان کی حدیث جو انہوں نے اوقات کے بارے میں بیان کی کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ان کی صفات وغیرہ پر متفق ہیں۔[1]

الالبانی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی شیخین کے معتبر لوگوں میں سے ہیں۔ سوائے حسین بن علیؑ بن حسین کے جو ابی جعفر محمد الباقرؑ کے بھائی ہیں اور ثقہ ہیں۔ ان کی احادیث کو ابن حبان نے صحیح میں بیان کیا۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح غریب کہا ہے اور حاکم نے اسے صحیح مشہور قرار دیا اور بیہقی نے بھی ان سے موافقت کی۔[2]

تابعی:

شیخ طوسی نے حسین اصغر کو تابعی قرار دیا۔[3]

محمد ابن سعد نے بھی حسین اصغر کا شمار اہل مدینہ کے تیسرے طبقہ کے تابعین میں کیا۔[4]

لیکن ابن حبان نے ان کا تذکرہ اتباع تابعین میں کیا۔[5]

حاکم لکھتے ہیں کہ حسین اصغر تابعی نہیں تھے وہ کہتے ہیں کہ علی بن حسین زین العابدینؑ کی اولاد میں سے چھ نے احادیث بیان کی ہیں: (۱) محمد (باقرؑ)، (۲) عبداللہ (۳) عمر (۴) حسین اصغر اور (۵) فاطمہ، ان میں سے سوائے امام محمد باقرؑ کے کوئی بھی تابعی نہیں تھا۔[6]

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری، از حافظ زین الدین ابی الفرج بن رجب حنبلی ج ۴ ص ۴

[2] ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل، از ناصر الدین البانی ج ۱ ص ۲۷۱، نشر بیروت

[3] رجال الطوسی ص ۱۳۰

[4] طبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۳۲۷

[5] مشاہیر علماء الامصار اعلام فقہاء الاقطار، از محمد بن حبان تمیمی متوفی ۳۵۴ ہجری، ص ۲۰۵

[6] معرفۃ علوم احادیث از امام حاکم بن عبداللہ نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ہجری، ص ۴۷ نشر بیروت

تاہم محمد بن علی بن عبدالرحمان علوی کہتے ہیں کہ حسین اصغر تابعی تھے کیونکہ انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے سنا اور ان سے روایت کی ہے[1]

آئمہ طاہرینؑ سے رابطہ:

دین کی ترویج کیلئے آپ نے آئمہ علیہ السلام کی کوششوں کو آگے بڑھایا۔ بقول شیخ طوسی کہ حسین اصغر امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ اصحاب امام زین العابدینؑ کے ذکر میں وہ لکھتے ہیں کہ حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ آپ علیہ السلام کے فرزند تھے۔ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔ اصحاب امام محمد باقرؑ کے عنوان میں شیخ لکھتے ہیں کہ حسین بن علی بن حسینؑ تابعی تھے اور آپ کے بھائی تھے۔ اصحاب امام جعفر صادق کے تذکرہ میں شیخ طوسی تحریر کرتے ہیں کہ

> ''حسین بن علی بن حسین ابی عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے چچا تابعی اور مدنی تھے ۱۵۷ ہجری میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور عمر مبارک ۷۴ سال تھی۔''[2]

بقول ابوالعباس احمد نجاشی اسدی کوفی کہ امام زین العابدینؑ کی تعلیمات کو ان کے فرزند امام محمد باقرؑ اور ان کے بھائیوں نے پھیلایا اور امام زین العابدینؑ کے شاگردوں نے پھیلایا۔ حسین اصغرؑ نے اکثر احادیث اپنے والد سے بیان کیں۔ امام زین العابدینؑ کی مؤلفات میں وہ نسخہ بھی شامل ہے جسے حسین اصغرؑ کے پوتے عبداللہ بن ابراہیم بن حسین اصغرؑ نے اپنے آباء سے روایت کیا۔[3]

اس کے علاوہ کتاب مناسک حج جس میں اعمال حج کے بارے میں امام زین العابدینؑ کی احادیث ہیں جنہیں امام علیہ السلام کے بیٹوں نے ان سے بیان کیا۔ اس کی نسبت زید شہید کی طرف بھی دی جاتی ہے۔

زیدیہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے علامہ سید ہبۃ الدین شہرستانی کتاب مناسک حج کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ یہ مناسک امام علی بن حسینؑ، ہمارے مولا زید بن علی ان کے بھائی محمد باقرؑ اور ان کے دوسرے بھائیوں

---

[1] تسمیہ من روی عن امام زید ص ۲۱

[2] رجال طوسی، از ابی جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۴۶۰ ہجری تحقیق جواد اصفہانی ص ۱۳۰، ۱۸۲، ۱۱۲، موسسہ نشر اسلامی التابعہ الجماعۃ المدرسین قم مشرفہ، ایران

[3] رجال نجاشی از ابوالعباس احمد بن علی بن احمد بن عباس نجاشی کوفی اسدی متوفی ۴۵۰ ہجری تحقیق سید موسیٰ شبیری زنجانی ص ۲۲۴، نشر موسسہ نشر اسلامی، قم، ایران

کے ہیں۔ احمد بن عیسیٰ نے اپنی مشہور امالی میں اپنی اسناد کے ساتھ عباد بن یعقوب سے انہوں نے محمد بن سالم سے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں نے اس کتاب کو حسین اصغر بن علیؑ کے سامنے پیش کیا انہوں نے فرمایا علی بن حسینؑ زین العابدینؑ نے اعمال حج جیسا کہ اس کتاب میں شروع سے یہاں تک مروی ہیں انجام دیئے۔ احمد بن عیسیٰ کہتے ہیں یہاں تک سے مراد آخر کتاب ہے۔

کتاب مناسک حج کی امام علی بن حسین سجادؑ سے نسبت اس لئے بھی ثابت ہے کہ ابوجعفر محمد طوسی اور ابوعباس احمد نجاشی نے اپنی اپنی فہرست میں لکھا ہے کہ ثقہ جلیل، یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر علوی جو حسین اصغر کی ذریت سے ہیں نے اپنے جد امام سجاد علی بن حسین علیہ السلام کی کتاب مناسک حج روایت کی۔

اور ان دو بزرگوں نے مشہور زیدیہ عالم احمد بن عقدہ کی وساطت سے انہیں بیان کیا۔ یہ حسین اصغر اور احمد بن عیسیٰ بن زید شہید کی گواہی کے علاوہ ہے یہ دونوں بزرگ حسین اصغر اور احمد مختفی بن عیسیٰ بن زید شہید عترت و نبوت کے بزرگوں میں سے ہیں ان دونوں نے گواہی دی ہے کہ شروع سے آخر تک یہ مناسک امام علی بن حسینؑ کے ہیں اور یہ وہ مناسک ہیں جن کے مطابق امام سجادؑ اور ان کی اولاد نے ان کے سامنے حج ادا کئے۔

زید شہید کی طرف ان مناسک کی نسبت اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اس کے مشہور ترین اور اول ترین راویوں میں سے ہیں۔[1]

امام زین العابدینؑ کی اپنی اولاد کے بارے میں وصیت:

امام زین العابدین کی شہادت کے بعد انکی وصیت کے مطابق حسین اصغر کی سرپرستی ان کے بڑے بھائی امام محمد باقرؑ نے کی۔ کفایت الاثر میں روایت ہے کہ بیان کیا ہم سے ابوعبداللہ احمد بن محمد بن عبیداللہ بن حسن عیاشی نے انہوں نے کہا بیان کیا مجھ سے علی بن عبداللہ بن مالک واسطی نے انہوں نے کہا بیان کیا مجھ سے ابونسر محمد بن یزید نے انہوں نے کہا بیان کیا مجھ سے ہارون بن یحییٰ خاطبی نے انہوں نے کہا بیان کیا مجھ سے عثمان بن عثمان بن خالد نے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے کہا۔

حضرت علی بن حسینؑ بیمار ہوئے جس بیماری (زہرخوانی) کی وجہ سے آپ کی شہادت ہوئی تو آپ نے اپنی اولاد، محمد باقرؑ، حسن (علی)، عبداللہ باہر، عمر اشرف، زید شہید اور حسین اصغر کو جمع کیا اور ان میں سے امام

[1] مناسک حج مقدمہ علامہ سید ھبت الدین شہرستانی ص ۴،۵، انجمن تبلیغات اسلامی

محمد باقرؑ کو اپنا وصی قرار دیا۔ اور تمام بیٹوں کے معاملات آپ کے سپرد کئے۔

اور اس طرح وصیت فرمائی بیٹا علم عقل کا رہنما ہے اور عقل علم کی ترجمان ہے اور یہ جان لو کہ علم بہترین محافظ ہے اور زبان بہت زیادہ غلط گو بکواس کرنے والی چیز ہے۔ بیٹا دنیا کی پوری کی پوری اچھائی دو باتوں میں آگئی ہے۔

یہ سمجھو کہ معیشت اور معاشرت کی نیکی اور اصلاح ایک پیمانہ بھر ہے جس کا دو تہائی سمجھ بوجھ اور دانائی اور ہوشیاری ہے اور ایک تہائی حصہ بے التفاتی اور تغافل ہے اور انسان اس چیز سے غفلت برتتا ہے جس سے واقفیت رکھتا ہے۔ بیٹا یہ جان لو کہ زندگی گزارنے والے لحات تمہاری زندگی کو کم کر رہے ہیں اور تمہیں کوئی نعمت اس وقت تک نہیں ملتی جب تک دوسری چلی نہ جائے۔ لہٰذا بڑی بڑی امیدوں اور آرزوں سے بچتے رہو کتنے ایسے آرزو رکھنے والے لوگ ہیں جن کی آرزو پوری نہیں ہوتی کتنے ایسے مال جمع کرنے والے لوگ ہیں کہ انہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا اور کتنے ایسے لوگ ہیں جو دل میں رنج لئے ہوئے دولت کو یونہی چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں شاید انہوں نے وہ مال ناجائز طور پر جمع کیا ہوتا ہے یا کسی کا حق مار لیا ہو اور وہ مال حرام کی کمائی ہو۔ پھر اسے وراثت میں چھوڑا ہو۔ ایسے آدمی اس کو بوجھ اٹھائیں گے اور خدا کی طرف یہ بار لے کر جائیں گے۔ یقیناً یہ کھلا ہوا گھاٹا ہوگا۔[1]

اپنے بھائی امام محمد باقرؑ سے روایت:

حسین اصغرؑ نے امام محمد باقرؑ کی سرپرستی میں ۲۰ سال گزارے ان کے دروس میں شرکت کی ان سے احادیث سنیں اور روایت کیں۔ ان میں وہ حدیث بھی شامل ہے جسے حسین اصغرؑ نے اپنے بھائی امام محمد باقرؑ سے انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے بیان کیا۔ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دعا کے بارے میں ہے۔ حسین اصغرؑ نے اس حدیث کو موسیٰ بن عقبہ سے بیان کیا۔ حاکم کہتے ہیں یہ حدیث صحیح اسناد سے ہے لیکن (شیخین نے) اسے نہیں لیا۔[2]

حسین اصغرؑ نے اپنے بھائی سے وہ حدیث بھی بیان کی جو حضرت علی علیہ السلام کی ایک راہب کے ساتھ گفتگو کے بارے میں ہے اور جس میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنا اوصیاء کا سردار ہونا بیان کیا ہے حسین اصغرؑ سے

---

[1] کفایۃ الاثر فی نص علی الائمہ اثنی عشر، از ابی القاسم علی بن محمد بن علی خزاز قمی رازی، متوفی ۴۰۰ ہجری، تحقیق سید عبد اللطیف حسینی خوئی ص ۳۳۹، ۳۴۰، انتشارات بیدار، قم، ۱۴۰۱ ہجری

[2] المستدرک علی الصحیحین ج ۱ ص ۵۲۷

اس حدیث کو ان کے فرزند علی بن حسین اصغر نے بیان کیا۔ شیخ طوسی نے اپنی امالی میں اس حدیث کو شامل کیا ہے۔[1]

حسین اصغرؑ نے اپنے والد امام زین العابدینؑ سے وہ حدیث بھی بیان کی جو ان کے بھائی امام محمد باقرؑ کی امامت کی تصدیق کرتی کے حسین اصغرؑ سے اس حدیث کو محمد بن عبیداللہ فزاری نے بیان کیا۔ خزاز قمی نے کفایت الاثر میں اس حدیث کو اپنی اسناد سے بیان کیا ہے۔[2]

شیخ مفید امام محمد باقرؑ کے حالات میں تحریر کرتے ہیں کہ آپؑ کے بھائیوں میں ہر ایک صاحب فضیلت تھا اگرچہ وہ آپ علیہ السلام کے امام ہونے۔ اللہ کے ہاں مرتبہ و لایت پر فائز ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے فضل و کمال کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔[3]

امام جعفر صادقؑ سے روایت:

حسین اصغرؑ کی اپنے بھتیجے امام جعفر صادقؑ سے بہت قربت تھی وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ بچپن میں اکٹھے کھیلتے رہے۔ اس کا ذکر انہوں نے خود اس حدیث میں کیا ہے جسے محمد بن سعد نے عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب اور اسماعیل بن عبداللہ بن ابی اویس سے اور ان دونوں نے عبدالرحمان بن ابی موال سے انہوں نے حسین بن علی سے بیان کیا۔[4]

اور الدولابی الرازی نے ابن منصور سے انہوں نے سعید غلام بنی ہاشم سے اور انہوں نے عبدالرحمان بن ابی الموال سے اور انہوں نے حسین اصغر بن علی سے بیان کیا۔[5]

یہ حدیث بچپن میں نماز کے بارے میں تھی۔

حسین اصغرؑ نے کتاب ارض کے اپنے آبا سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی منتقل ہونے کی خبر دی۔[6]

مدینہ کے گورنر ریاح نے محمد نفس ذکیہ کی تلاش میں ناکامی پر برہم ہوکر بنی حسین کو دربار میں طلب کیا تو حسین اصغر بھی بنی حسین کے بزرگ کی حیثیت سے امام جعفر صادق علیہ السلام اور کچھ دوسرے افراد کی ساتھ

---

[1] الامالی شیخ طوسی متوفی ۴۵۰ ہجری تحقیق قسم دراسات اسلامیہ مجلس ۷، حدیث ۴۲/۴۰/۳۴، ص ۱۹۹، ۲۰۰، دارالثقافہ، قم، ایران

[2] کفایت الاثر از خزاز قمی ص ۲۳۸، ۲۳۹

[3] الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۶۸

[4] طبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۲۱۹

[5] الکنی والاسماء الدولابی، ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم انصاری الدولابی متوفی ۳۱۰ ہجری، تحقیق زکریا عمیرات ج ۳ ص ۱۵۵

[6] بصائر الدرجات الکبریٰ، ابوجعفر محمد بن حسن بن فروخ الصفار اصحاب امام حسن عسکری متوفی ۲۹۰ ہجری، ص ۱۸۵ موسسہ الاعلمی، تہران

وہاں گئے۔[1]

بقول شیخ مفید کہ حسین اصغرؑ کی بیٹی فاطمہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زوجہ تھیں اور ان کے بیٹوں اسماعیل اور عبداللہ افطح کی والدہ تھیں۔[2]

لیکن ابن عنبہ اور دوسرے نسابین نے اسماعیل بن امام جعفر صادق کی والدہ فاطمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن بن امام علیہ السلام لکھی ہیں۔

بقول محسن امین حسین اصغرؑ نے امام جعفر صادقؑ سے احادیث بھی بیان کیں۔[3]

حسین اصغرؑ کی زندگی میں حکومتی رویہ:

بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں نے اپنے اپنے ادوار میں حضرت علی علیہ السلام کی اولاد اور ان کے پیروکاروں پر کڑی نظر رکھی اور ہر طرح کا ظلم اور جبر ان پر روا رکھا۔

حسین اصغرؑ کی زندگی کے دوران بنو امیہ کے دس اور بنو عباس کے دو حکمران گزرے جب حسین اصغرؑ پیدا ہوئے تو عبدالملک بن مروان بن حکم کا دور حکومت تھا اس نے بارہ سال چار ماہ پانچ دن حکومت کی۔ مسعودی کے مطابق عبدالملک کے بعد آنے والے بنو امیہ کے نو اور بنو عباس کے دو حکمران اور ان کی مدت حکومت مندرجہ ذیل ہے:

ولید بن عبدالملک	....	نو سال نو ماہ بیس دن
سلیمان بن عبدالملک	....	دو سال سات ماہ بیس دن
عمر بن عبدالعزیز بن مروان	....	دو سال پانچ ماہ تیرہ دن
یزید بن عبدالملک	....	چار سال ایک دن
ہشام بن عبدالملک	....	انیس سال آٹھ ماہ سات دن
ولید بن یزید بن عبدالملک	....	ایک سال دو ماہ بیس دن
یزید بن ولید بن عبدالملک	....	دو ماہ سات دن
ابراہیم بن ولید بن عبدالملک	....	دو ماہ گیارہ دن

[1] تاریخ ابن خلدون از عبدالرحمان بن محمد بن خلدون حضرمی مغربی متوفی ۸۰۸ ہجری، ج ۳ ص ۱۹۰ موسسہ الاعلمی والمطبوعات، بیروت
[2] الارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۲۰۹
[3] اعیان الشیعہ از سید محسن الامین، ج ۶ ص ۱۱۱ دار التعارف، بیروت

مروان بن محمد .... پانچ سال دو ماہ

بنوعباس کے حکمران:

ابوالعباس عبداللہ بن محمد .... چار سال آٹھ ماہ دو دن

ابوجعفر منصور بن محمد .... اکیس سال گیارہ ماہ آٹھ دن [1]

حسین اصغرؑ کی وفات کے ایک سال بعد منصور ۱۵۸ ہجری میں فوت ہوا۔ عمر بن عبدالعزیز کے سوا اوپر ذکر کئے گئے تمام حکمرانوں نے حضرت علی علیہ السلام کی اولاد اور ان کے پیروکاروں کا جینا حرام کئے رکھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اولاد علی کے ساتھ ہونے والے ظلم کا اعتراف کیا اور اس کی تلافی بھی کی۔ اس سلسلے میں جمعہ کے خطبے میں حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہنے کی رسم کو بھی ختم کیا۔[2]

لیکن عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اموی حکمرانوں نے اس قبیح رسم کو دوبارہ شروع کر دیا۔

حکمرانوں کی طرف سے مسلط کی گئی ایسی گھٹن اور خوف کی فضا میں حسین اصغرؑ نے زندگی گزاردی ہشام بن عبدالملک نے اپنے دور حکومت میں اپنے ماموں ابراہیم بن ہشام کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ ابراہیم اپنے بھانجے کی طرح حضرت علی علیہ السلام سے بہت عداوت رکھتا تھا۔ اور اولاد علیؑ کو اذیت دے کر خوش ہوتا تھا۔ الارشاد میں حسین اصغرؑ کی روایت کے مطابق ابراہیم بن ہشام انہیں جمعہ کے روز مسجد میں منبر کے پاس بٹھاتا اور اپنے خطبے میں حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہتا اور گالیاں دیتا یہ حالات حسین اصغر کیلئے بہت تکلیف کا باعث ہوتے۔ جس کا انہوں نے اظہار بھی کیا۔ ایک جمعہ کے روز ابراہیم بن ہشام کے ایسے ہی ایک خطبہ کے دوران رونما ہونے والے واقعہ کے متعلق حسین اصغرؑ کہتے ہیں ایک دن میں حاضر ہوا تو وہ جگہ لوگوں سے پُر تھی پس میں منبر سے چمٹا رہا اور مجھے اونگھ آ گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک قبر کھلی اور اس سے ایک شخص نکلا جس پر سفید کپڑے ہیں۔ اور اس نے مجھے کہا اے ابا عبداللہ کیا تجھے دکھ نہیں پہنچتا اس سے جو یہ کہتا ہے۔ میں نے کہا اللہ کی قسم! اسی طرح سے ہے (یعنی دکھ پہنچتا ہے) تو اس نے کہا آنکھیں کھول کر دیکھو اللہ اس سے کیا سلوک کرے گا پس حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کیا ہی تھا کہ اسے منبر سے اتار کر نیچے پھینک دیا گیا اور ابراہیم بن ہشام مر گیا۔[3]

حضرت علی علیہ السلام کی اولاد کے اوپر حکومتی جبر کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حکمران ڈرتے تھے کہ اولادِ علی

---

[1] مسند حسین اصغرؓ از سید قمر عباس ترمذی ص ۳۲

[2] تاریخ یعقوبی از احمد بن ابی یعقوب المتوفی ۲۸۴ ہجری ج ۲ ص ۳۰۸، دار صادر، بیروت، لبنان

[3] الارشاد ج ۲ ص ۱۷۴

خلافت کے حق کا مطالبہ نہ کر دے ہر طرح کی حکومتی سختی اور اذیت کے باوجود حسین اصغرؑ کی زندگی میں اولاد علی میں سے سب سے پہلا خروج جناب زید شہید نے کوفہ میں ۱۲۱ ہجری میں کیا۔ زید شہید کو کناسہ میں سولی پر چڑھا دینے کی خبر ان کے خاندان والوں کو زید شہید کے والد امام زین العابدینؑ کی زبانی زید شہید کی پیدائش پر ہی مل گئی تھی حسین اصغر نے بھی اپنے والد سے وہ حدیث بیان کی جس میں زید کے شہید ہونے کی پیشگی خبر دی گئی تھی۔

زید کی شہادت اور ان کو سولی دیئے جانے اور لاش جلانے پر حسین اصغرؑ نے ہشام اور یوسف بن عمر کے خلاف بدعا کی جو کہ قبول ہوئی۔

حسین اصغر نے فرمایا ''اے اللہ! ہشام زید کو سولی پر چڑھانے پر راضی ہوا تو اس کی حکومت کو اس سے چھین لے اور یوسف بن عمر نے زید کو جلایا تو اس پر ایسے شخص کو مسلط کر جو اس پر کوئی رحم نہ کرے۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو ہشام کو اس کی زندگی میں جلا دے، یا پھر اسے موت کے بعد جلا دے[1]

بقول مسعودی ہیثم بن عدی طائی نے عمرو بن ہانی سے بیان کیا وہ کہتا ہے کہ ابوالعباس سفاح کے زمانہ میں عبداللہ بن علی کی ساتھ میں بنوامیہ کی قبریں اکھاڑنے کے لئے نکلا۔ ہم ہشام کی قبر پر پہنچے تو ہم نے اسے قبر سے نکالا یہ صحیح سالم تھا صرف اس کی ناک کی ہڈی موجود نہ تھی۔

عبداللہ بن علی نے اسے سو کوڑے مارے اور پھر جلا دیا۔ مسعودی کہتے ہیں کہ ہشام کو بھی اسی طرح مثلہ کیا گیا جیسا کہ اس نے حضرت زید بن علیؑ کے ساتھ اپنے سلف کی طرح سلوک کیا تھا۔[2]

عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر کہتے ہیں میں نے ہشام کو جلا ہوا دیکھا اور یوسف کو دمشق میں ٹکڑے ٹکڑے ایسا کہ دمشق میں ہر دروازے پر اس کے جسم کا ایک عضو تھا۔[3]

موسوعہ رجال زیدیہ میں ہے کہ حسین اصغر اپنے بھائی زید بن علیؑ کے انقلاب کی تائید کرنے والوں کے مددگار تھے۔[4]

حضرت زید شہید کی شہادت کے ۲۴ سال بعد محمد بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ نے مدینہ

---

[1] الامالی الاثنینیہ ص ۴۱۸، ۴۱۷

[2] مروج الذہب ومعاون الجوہر ج ۳ ص ۱۷۲

[3] الامالی الاثنینیہ ص ۵۶۸

[4] موسوعہ رجال زیدیہ ص ۷۶

میں ۱۴۵ ہجری میں خروج کیا۔

اور ان کے خروج سے پہلے عباسی خلیفہ منصور نے محمد نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی تلاش میں مدینہ اور دوسرے شہروں میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا کوئی چشمہ اور مقام ایسا نہ تھا جہاں منصور کے جاسوس تعینات نہ ہوں جس دن محمد نفس ذکیہ نے خروج کیا اس دن بھی ان کی تلاش کے سلسلہ میں مدینہ میں منصور کے گورنر ریاح نے اہل شہر کے سرکردہ لوگوں کو بلایا اور ڈرایا دھمکایا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کے چچا حسین اصغر علیہ السلام کو بھی گورنر نے دربار میں بلا کر قتل کی دھمکی دی۔[1]

جب محمد نفس ذکیہ نے خروج کیا تو مدینہ کے اکثر لوگوں نے ان کی بیعت کر لی تاہم امام جعفر صادق علیہ السلام اور کچھ دوسرے لوگوں نے ان کی بیعت نہ کی جن میں عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بھی شامل تھے۔

محمد نفس ذکیہ کے ساتھی جب ان سے بیعت لینے آئے تو عبیداللہ اعرج نے انکار کر دیا محمد نفس ذکیہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے قسم کھائی کہ جب بھی وہ عبیداللہ کو دیکھیں گے قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد محمد نفس ذکیہ کے ساتھیوں نے عبیداللہ کو پکڑ کر محمد نفس ذکیہ کے آگے پیش کر دیا۔ تو محمد نفس ذکیہ نے اپنی آنکھوں پر اپنا بازو رکھ لیا یعنی عبیداللہ اعرج کو قتل نہ کرنا چاہا اگر وہ عبیداللہ کو دیکھ لیتے تو قسم کے مطابق انہیں قتل کرنا پڑتا۔[2]

وفات:

شیخ طوسی لکھتے ہیں کہ حسین اصغر کی وفات ۱۵۷ ہجری ۴۷ سال کی عمر میں ہوئی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔[3]

کتاب حیات امام محمد باقر علیہ السلام میں ہے کہ حسین اصغر کو جنت البقیع میں ان کے والد امام زین العابدینؑ اور بھائی امام محمد باقر علیہ السلام کی قبروں کے قریب دفن کیا گیا۔[4]

بقول ابطحی کہ حسین اصغرؑ کی پیدائش کے سن کے بارے میں کوئی روایت نہیں لیکن ان کی وفات کے بارے میں مؤرخین متفق ہیں کہ ۱۵۷ ہجری میں ہوئی اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کے نو سال دیکھے کیونکہ مورخین نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا سن وفات ۱۴۸ ہجری تحریر کیا

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۱۹۰

[2] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری، ص ۷۰

[3] رجال طوسی ص ۱۸۲

[4] حیات امام محمد باقرؑ ج ۱ ص ۸۷

ہے۔ شیخ طوسی کا قول ہے کہ حسین اصغر نے ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے مطابق آپ کا سن ولادت ۸۳ ہجری بنتا ہے۔ اس بات کو نماز کے حکم سے متعلق وہ حدیث بھی تقویت دیتی ہے جسے حسین اصغرؑ نے بیان کیا اور جس میں ان کا اپنے بھتیجے کے ساتھ اکٹھے کھیلنے کا ذکر ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس وقت عمر سات سال تھی۔

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حسین اصغر کی عمر اپنے بھتیجے امام جعفر صادقؑ کی عمر کے قریب تھی مورخین کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام کا سن پیدائش ۸۳ ہجری ہے۔

ابی نصر بخاری اور ابن عنبہ نے حسین اصغر کی عمر ۵۷ سال لکھی ہے جبکہ ان کی وفات کا سن ۱۵۷ تحریر کیا ہے ابی نصر اور ابن عنبہ کی اس غلطی کی نشاندہی بہت سے مورخین نے کی ہے کیونکہ امام زین العابدینؑ کی شہادت مختلف روایات کے مطابق ۹۴ یا ۹۳ ہجری میں ہوئی اس لئے حسین اصغر کی عمر ۵۷ برس ہونا ناممکن ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شاید ابی نصر بخاری اور ابن عنبہ نے حسین اصغر کی عمر ۷۵ لکھی ہو اور غلطی سے پانچ اور سات کے ہندسے آگے پیچھے ہوجانے کی وجہ سے ۵۷ سال لکھی گئی ہو۔ بہرحال شیخ طوسی کے قول کو کہ حسین اصغر کی عمر ۷۴ سال تھی کو ہی درست مانا گیا[1]

مشائخ وشاگردان:

جن حضرات سے حسین اصغر نے روایت کی ان میں: (۱) امام زین العابدینؑ (۲) امام محمد باقرؑ (۳) امام جعفر صادقؑ (۴) فاطمہ بنت الحسینؑ بن امام علیؑ (۵) زید بن امام زین العابدینؑ (۶) صحابی رسول ابوطفیل عامر بن واثلہؓ (۷) وہب بن کیسان۔

جنہوں نے حسین اصغرؑ سے روایت کی:

(۱) علی بن حسین اصغر (۲) عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر (۳) محمد بن حسین اصغر (۴) حسن بن حسین اصغر (۵) ابراہیم بن حسین اصغر (۶) سلیمان بن حسین اصغر (۷) عبداللہ بن مبارک (۸) عبدالرحمان بن ابی الموال (۹) موسیٰ بن عقبہ (۱۰) محمد بن عمر واقدی (۱۱) خارجہ بن عبداللہ (۱۲) عنبہ بن بجاد العابد (۱۳) محمد بن عبیداللہ فزاری (۱۴) علی بن صالح المکی (۱۵) یحییٰ بن سلام (۱۶) کلیب بن عبدالما لک (۱۷) لُوط بن اسحاق نوفلی (۱۸) صالح بن ابی الاسود۔

[1] مسند حسین اصغر از سید قمر عباس ترمذی ص ۴۱، ۴۲، مرکزی مصدر حیات حسین الاصغر از مسند حسین الاصغر از سید قمر عباس ترمذی

اولاد حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام:

بقول ابی نصر بخاری کہ حسین اصغر کے چھ فرزند تھے: (۱) عبداللہ (۲) عبیداللہ (۳) علی، ان کی والدہ خالدہ بنت حمزہ بن معصب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بن عوام تھیں۔ (۴) محمد (۵) حسن کی والدہ ایک کنیز تھیں (۶) سلیمان بن حسین اصغر کی والدہ ایک رومیہ کنیز تھیں، کہا جاتا ہے کہ وہ نصرانی تھیں انہیں آزاد کیا اور ان کے دین پر ان سے شادی کر لی اور اسی دین پر وہ وفات پا گئیں۔[1]

بقول سید یحییٰ بن حسن مدنی عبیدلی علوی عقیقی کہ حسین اصغر کی اولاد پانچ پسران سے جاری ہوئی: (۱) عبیداللہ (۲) عبداللہ (۳) علی کی والدہ ام خالد بن حمزہ بن معصب بن زبیر بن عوام تھیں۔ (۴) حسن بن حسین اصغر کی والدہ ام الولد تھیں (۵) سلیمان بن حسین اصغر کی والدہ عبدۃ بنت داؤد بن ابی امامہ بن سہل بن حنیف انصاری تھیں۔[2]

بقول نسابہ کبیر عمری علوی کہ حسین بن علی بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی ۱۶ اولادیں تھیں۔ ان میں سات دختران تھیں جن میں (۱) امیمہ (۲) امینہ (۳) آمنہ (۴) آمنہ الکبریٰ (۵) زینب (۶) زینب وسطیٰ (۷) زینب صغریٰ۔

ان میں سے امیمہ کی شادی ایک محمدی علوی (اولاد محمد حنفیہ بن امام علیؑ) سے ہوئی امینہ کی شادی عبداللہ بن جعفر بن محمد حنفیہ بن امام علیؑ سے ہوئی اور ان کے بیٹے جعفر ثانی پیدا ہوئے۔ آمنہ کی شادی اولاد جعفر طیارؑ میں کسی سے ہوئی اور زینب وسطیٰ کی شادی علی بن عبداللہ بن جعفر بن محمد حنفیہ سے ہوئی اور ان کے صفیہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ اور حسین اصغر کے بیٹے: (۱) عبیداللہ (۲) عبداللہ (۳) زید (۴) ابراہیم (۵) عیسیٰ (۶) سلیمان (۷) محمد (۸) حسن (۹) علی ہوئے۔

بقول عمری ہمارے استاد شیخ شرف عبیدلی کے بقول حسین اصغر کی اولاد صرف پانچ پسران سے جاری ہوئی: (۱) عبیداللہ (۲) عبداللہ (۳) علی (۴) حسن (۵) سلیمان۔[3]

---

[1] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۶۹

[2] کتاب المعقبین من ولد الامام امیر المومنین از ابی الحسین یحییٰ بن حسن بن جعفر بن عبیداللہ بن حسین اصغر بن امام زین العابدین، تحقیق محمد الکاظم نشر کتابخانہ بزرگ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی، ص ۹۷

[3] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۳۹۶

اسی طرح سید جمال الدین ابن عنبہ نے بھی کہا کہ حسین اصغر کی اولاد صرف پانچ پسران سے باقی رہی: (۱) عبیداللہ اعرج (۲) عبداللہ عقیقی (۳) علی (۴) ابومحمد حسن (۵) سلیمان ۔[1]

(۸۴) محمد بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ

شیخ طوسی نے محمد بن حسین اصغر کا ذکر امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں کیا ہے۔ شیخ طوسی تحریر کرتے ہیں کہ محمد بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ ان کے پاس احادیث بیان کرنے کی سند تھی وہ مدنی تھے اور پھر کوفہ آگئے وہ ۱۸۱ ہجری میں ۶۷ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔[2]

محمد بن حسین اصغر امامیہ محدثین میں سے ہیں، ان کا شمار ثقات میں ہوتا ہے۔[3]

بقول ابی نصر بخاری ان کی والدہ کنیز تھیں۔ مختلف علمائے رجال نے ان کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے مختلف مکاتب فکر کی احادیث کی کتابوں میں ان کی بیان کردہ احادیث شامل ہیں۔ مشہور سنی محدث دارقطنی نے ان کی روایت کردہ تین احادیث اپنی کتاب سنن میں شامل کیں۔

محمد بن حسین اصغر نے اپنے والد اور دوسرے لوگوں سے احادیث بیان کیں۔[4]

جبکہ ان سے احادیث بیان کرنے والوں میں

عبید بن یحییٰ ثوری۔[5]

محمد بن منذر۔[6]

محمد بن محمد عقبہ۔[7]

اور ابراہیم بن محمد بن میمون شامل ہیں۔[8]

علامہ مذی نے محمد بن حسین اصغر کو ان لوگوں میں بھی شامل کیا ہے جنہوں نے معاویہ بن عبداللہ بن

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از ابن عنبہ ص ۲۸۷

[2] رجال طوسی ص ۲۷۶

[3] الفائق فی رواۃ واصحاب الامام صادقؑ، از عبدالحسین شبستری ج ۳ ص ۵۶، موسسہ النشر الاسلامی التابعہ لجماعۃ المدرسین، قم مشرفہ

[4] تہذیب الکمال، ج ۲ ص ۳۹۶

[5] معجم رجال الحدیث ج ۱۷ ص ۱۹

[6] معجم رجال الحدیث ج ۱۸ ص ۲۸۹،۲۸۸

[7] تہذیب الکمال ج ۲۸ ص ۱۹۷

[8] الجد اول صغریٰ ص ۴۱۴

جعفر طیار سے روایت کی۔[1]

شیخ کلینی نے کافی میں محمد بن حسین اصغر کی بیان کردہ تین احادیث شامل کیں مگر الروضہ کی حدیث ۲۷۷ میں محمد بن حسین بن علی بن حسین کی جگہ محمد بن حسین عن حسین بن علی تحریر کر دیا۔

سید خوئی کہتے ہیں کہ اس میں ظاہراً کلمہ ابن کلمہ عن سے بدل گیا۔ جبکہ صحیح وہی ہے جو ان کے سابقہ طریقہ کار سے ظاہر ہے۔ کامل الزیارات میں محمد بن حسین اصغر کی اپنے والد، دادا اور علی بن ابی طالبؑ سے روایت کردہ وہ حدیث شامل ہے جس میں جبرائیل کا نازل ہونا اور امام حسینؑ کے قتل کی خبر دینا بیان ہوا ہے۔[2]

ابن عقدہ نے اپنی کتاب فضائل امیر المومنین کی فصل ۲۱ اور صفحہ ۵۷ پر وہ حدیث روائیت کی جسے محمد بن حسین اصغر نے بیان کیا عون بن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ابی رافع سے جب کہ محمد بن حسین اصغر سے یہ حدیث سعید بن عثمان اور محمد بن عقبہ نے بیان کی۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی دعا سے حضرت علی علیہ السلام کے لئے سورج کے پلٹنے کے بارے میں ہے۔

محمد بن حسین اصغر کا ایک بیٹا احمد تھا اور ایک بیٹی ام اسماعیل ہوئیں۔ ان دونوں کی والدہ ام کلثوم بنت اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر طیار تھیں۔[3]

ابن دینار نسابہ کوفی کے بقول ام اسماعیل کی شادی اسماعیل بن عمر بن محمد بن عمر اطرف بن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی اور ان سے محمد اور زینب پیدا ہوئے۔ محمد بن حسین اصغر منقرض ہوئے۔[4]

نسابین کے بقول محمد بن حسین اصغر کی نسل منقطع ہوئی اس لئے ان سے منسوب کوئی خاندان بھی سیادت کا جھوٹا دعویدار ہے۔

(۸۵) ابراہیم بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ

شیخ طوسی نے ابراہیم بن حسین اصغر کو امام جعفر صادق کے اصحاب میں شامل کیا ہے ان کی کنیت ابو علی تھی وہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور پھر کوفہ چلے گئے۔[5]

---

[1] تہذیب الکمال ج۲۶ ص ۱۲۳
[2] معجم رجال الحدیث ج۱۷ ص۱۹
[3] نسب قریش از ابوعبداللہ معصب زبیری ص۲۶
[4] المجدی فی انساب الطالبین ص۳۹۷
[5] رجال الطوسی ص۱۵۶

انہیں ابوالفوارس بھی کہتے ہیں ابوعبدہ نسابہ کے بقول ان کی والدہ کنیز تھیں جبکہ باقی نسابین کے نزدیک ان کی والدہ زبیریہ تھیں ان کی کنیت ابوالفوارس تھی آپ احادیث کے راوی تھے بقول عمری آپ کی دو دختران تھیں: (۱) زینب جن کی شادی اولاد جعفر طیار میں ہوئی۔ (۲) فاطمہ اور ایک فرزند عبداللہ بن ابراہیم کی اولاد مغرب (مراکش) میں تھی جن کی اولاد منقرض ہوگئی۔[۱]

ابراہیم بن حسین اصغر نے اپنے والد سے احادیث بیان کیں اس بات کا ذکر مختلف علمائے رجال نے اپنی کتابوں میں حسین الاصغرؑ کے تذکرہ میں کیا۔ ابراہیم سے ان کے فرزند عبداللہ اور بھتیجے، یحییٰ بن سلیمان بن حسین اصغرؑ نے احادیث بیان کیں۔[۲]

حسین اصغرؑ کی مدینہ کے گورنر ابراہیم بن ہشام کے حضرت علیؑ کو برا بھلا کہتے وقت مرنے کا واقعہ بیان کرنے والی روایت کو ابراہیم بن حسین اصغرؑ نے ہی اپنے والد سے بیان کیا ان سے اس روایت کو ان کے بھتیجے یحییٰ نے بیان کیا۔

بقول ابوعبداللہ مصعب زبیری کہ ابراہیم بن حسین اصغرؑ کے دوفرزند: (۱) عبداللہ (۲) حسین اور دختران: (۱) فاطمہ (۲) زینب تھیں۔ اوران سب کی والدہ بریکہ بنت عبیداللہ بن محمد بن منذر بن زبیر بن عوام تھیں۔[۳]

شیخ نجاشی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابراہیم بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ کے پاس ایک نسخہ تھا جسے انہوں نے اپنے آباء سے روایت کیا۔ یہ احادیث اس سلسلہ سے بیان کی گئیں کہ خبر دی ہمیں ابو عبداللہ حسین بن جعفر بن محمد مخزومی خزاز المعروف بابن خمری نے انہوں نے کہا ہم سے محمد بن ہارون کندی نے انہوں نے کہا ہم سے حسین بن محمد بن فرزدق قطعی نے انہوں نے کہا بیان کیا ہم سے جعفر بن عبداللہ محمدی نے انہوں نے کہا بیان کیا ہم سے علی بن سالم ثوبانی نے انہوں نے عبداللہ بن ابراہیم بن حسین اصغر سے۔[۴]

علامہ مزی عثمان بن سعید کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ عثمان بن سعید نے عبداللہ بن ابراہیم بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے روایت کی۔[۵]

نسابین اس بات پر متفق ہیں کہ ابراہیم بن حسین اصغر منقرض ہوگئے (یعنی ان سے اولاد کا سلسلہ

---

۱ المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۳۹۷
۲ مستدرکات علم رجال حدیث ج ۱ ص ۱۳۹
۳ نسب قریش، ج ۱ ص ۲۶
۴ رجال نجاشی ص ۲۲۴
۵ تہذیب الکمال ج ۱۹ ص ۳۷۹

جاری نہ رہا)۔

(۸۶) سلیمان بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی والدہ عبدۃ بنت داؤد بن امامہ بن سہل بن حنیف تھیں [۱]

اور بقول ابی نصر بخاری انکی والدہ رومیہ کنیز تھیں وہ نصرانی تھیں انہیں آزاد کیا گیا اور ان کے دین پر ان سے شادی کی۔ اور اپنے دین پر ہی فوت ہوئیں۔ [۲]

سلیمان بن حسین اصغر نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے وہ حدیث بیان کی جو مومن اور فاسق کے بارے میں نازل ہونے والی ایک قرآنی آیت کی تفسیر بیان کرتی ہے۔

اس حدیث کے مطابق مومن سے مراد حضرت علی علیہ السلام اور فاسق سے مراد ولید ہے۔ حسکانی نے اس حدیث کو اپنی کتاب شواہد التنزیل میں شامل کیا ہے سلیمان کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ وہ سلیمان بن حسین بن علی بن حسین ہیں۔

بقول نسابہ کبیر ابوالحسن عمری سلیمان بن حسین اصغر کی والدہ انصاریہ تھیں (یعنی عبدۃ بنت داؤد بن ابی امامہ بن سہل بن حنیف انصاری)۔

اور آپ کی چار اولادیں تھیں: (۱) زینب (۲) ام کلثوم، جن کی شادی حسین بن جعفر بن محمد بن عمر الاطرف بن امام علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی اور آپ کے ہاں جعفر، عقیل، علیہ ہوئے۔ سلیمان بن حسین اصغر کے دو عدد پسران تھے: (۱) یحییٰ (۲) سلیمان۔ یحییٰ بن سلیمان کا ایک فرزند محمد تھا۔ اور ایک بیٹی رقیہ الصالحہ تھیں جس کی شادی ابومحمد حسن بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغرؑ سے ہوئی۔ اور یہ رقیہ الصالحہ ابوالحسین یحییٰ نسابہ کی والدہ محترمہ تھیں۔

دوسرے فرزند سلیمان بن سلمان تھے بقول عمری آپ کی ولادت آپ کے والد محترم کی وفات کے بعد ہوئی۔ [۳]

سلیمان بن سلیمان بن حسین اصغر بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) حسن (۲) حسین

---

[۱] عمدۃ الطالب ص ۲۸۷

[۲] سر سلسلۃ العلویہ ص ۶۹

[۳] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۶

بقول عمری حسین بن سلیمان کی اولاد خراسان وطبرستان کی طرف گئی اور حسن بن سلیمان کی اولاد مغرب (مراکش) کی جانب گئی بقول شرف عبیدلی کہ حسن بن سلیمان بن سلیمان کی اولاد خراسان وطبرستان گئی اور مغرب بھی انہیں کی اولاد گئی۔

بقول عمری سلیمان بن سلیمان کی اعقاب کا نسب قطع ہوگیا۔ ان میں سے کچھ لوگ مصر میں بنی فواطم کہلاتے ہیں۔ بقول ابن عنبہ حسن بن سلیمان بن سلیمان کی اولاد سے طاہر الفاطمی تھے جس کا نام حیدرۃ تھا اور یہ حیدرۃ بن ناصر بن حمزہ بن حسن المذکور تھے۔ آپ کی وفات مصر میں ہوئی اور عزیز اسماعیلی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔[1]

(۸۷) حسن بن حسین اصغر بن امام زین العابدین

بقول ابی نصر بخاری ابومحمد حسن بن حسن اصغر مکہ میں نزیل (رہائش پذیر ہوئے) جبکہ بقول عمری آپ مدینہ کے رہائشی تھے اور محدث تھے آپ کی وفات سرزمین روم پر ہوئی۔ آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔[2]

لیکن بقول ابن عنبہ آپ کی والدہ آپ کے بھائی سلیمان بن حسن اصغر کی والدہ بھی تھیں یعنی آپ کی والدہ عبدۃ بنت داؤد بن امامہ بن سہل بن حنیف انصاری تھیں۔[3]

آپ کی زوجہ خلیدہ بنت عنسبہ بن سعید بن عاص اموی تھیں۔

بقول ابی نصر بخاری حسن بن حسین اصغر کی اولاد میں محمد اور عبداللہ کی والدہ خلیدہ بنت عتبہ بن سعید بن عاص تھیں۔

اور محمد بن حسن کو سلیق کہتے ہیں جو قرآن کی سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۱۹ (سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ) سے ماخوذ ہے۔

بقول ابی نصر بخاری کہ کہا ابن خرداذبہ نے اپنی تاریخ میں سنہ ۱۹۹ ہجری میں محمد سلیق بن حسن بن حسین اصغر۔ محمد بن محمد بن زید شہید کی طرف سے واسط پر غالب آگئے اس وجہ سے حسن بن سہل نے عبداللہ بن حسن حرشی کو سلیق کے ساتھ جنگ کیلئے بھیجا جہاں ان کے اصحاب قتل ہوئے۔[4]

---

[1] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب ص ۲۴۶، ۲۴۷
[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۲
[3] عمدۃ الطالب ص ۲۸۷، ۲۸۸
[4] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۷۴، ۷۵

بقول عمری آپ کی چار اولادیں تھیں (۱) فاطمہ بنت امویہ جن کی شادی اپنے چچا زاد احمد بن محمد اصغر سے ہوئی (۲) عبداللہ مغرب گئے، (۳) حسین حج کے ایام میں مکہ کو فتح کیا، ان کے بارے میں رائے ہے کہ منقرض ہو گئے (۴) محمد جن کا لقب سلیق تھا اور انہوں نے محمد دیباج بن امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مل کر مکہ سے خروج کیا، آپ احادیث کے راوی تھے۔ آپ کی والدہ بنی اُمیہ سے تھیں۔[1]

بقول فخر الدین رازی کہ حسن مرعشیہ اور سلیقیہ کے جد امجد ہیں اور دکہ کے نام سے معروف ہیں۔ بقول رازی آپ کی اولاد صرف ایک ہی فرزند سے جاری ہوئی اور وہ محمد تھے اور محمد بن حسن کا ایک فرزند عبداللہ تھا۔ اور اس عبداللہ بن محمد بن حسن بن حسین اصغر کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) محمد سلیق (۲) علی المرعش۔[2]

حسن بن حسین اصغر نے اپنے والد سے احادیث بیان کیں جبکہ ان سے ان کے فرزند محمد نے روایت کی۔[3]

عبداللہ بن محمد بن حسن بن حسین اصغر فضل اور پاکیزگی میں اپنے جد امام زین العابدینؑ سے مشابہت رکھتے تھے۔ آپ کے دو فرزند تھے: (۱) محمد جس کو بعض نے سلیق لکھا ہے اور (۲) علی المرعش۔

(۸۸) بیت المرعش

علی المرعش بن عبداللہ بن محمد بن حسن بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ ان کی اولاد کو سادات مرعشی حسینی کہا جاتا ہے اور یہ حضرات ایران میں کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ جن میں فقہاء عظام، دینی مرجع کی ایک کثیر تعداد شامل ہے۔ علی المرعش کے والد محترم کا نام بعض جگہ عبداللہ تحریر ہے جبکہ بعض جگہ انہیں کا نام عبیداللہ تحریر ہے۔

بقول قاضی نور اللہ شوستری مرعش اونچی پرواز والے کبوتر کو کہتے ہیں، علی بن عبیداللہ کو مرعش اس لئے کہتے ہیں کیونکہ علی اونچی شان اور مرتبے کے حامل تھے۔[4]

ابو نصر بخاری کے بقول بغداد اور فارس کے جو بھی مرعشی ہیں وہ سب علی المرعش بن عبداللہ بن محمد بن

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۲
[2] شجرۃ المبارکہ ص ۱۶۸
[3] جد اول صغریٰ ص ۲۹۹
[4] احسن المقال ترجمہ منتہی الآمال ج ۲ ص ۱۲۷

حسن بن حسین اصغر کی اولاد ہیں۔[1]

ابوالحسن عمری نے اپنی کتاب المجدی فی انساب الطالبین میں علی المرعش کے دو پسران تحریر کئے ہیں:

(۱)حمزہ (۲)حسین۔

اور صاحب اصیلی صفی الدین محمد بابن طقطقی نے بھی دوفرزند: (۱) حمزہ (۲) حسن تحریر کئے ہیں۔[2]

اور سرتاج النسابین سید جمال الدین ابن عنبہ نے ان کے تین پسران تحریر کئے ہیں: (۱) ابوالقاسم حمزہ (۲) ابوعلی حسن (۳) ابوعبداللہ حسین مامطہری۔

دور جدید کے نسابہ مہدی رجائی نے چہارم فرزند اباالحسن ابراہیم سے اعقاب بھی تحریر کئے ہیں۔

سید علی المرعش کی اولاد ایران کے مختلف علاقوں میں شروع سے ہی اثر ونفوذ والی رہی ہے۔ ان میں اجلا، محدثین، نسابین، فقہاء، مراجعین اور حکمران پیدا ہوتے آئے ہیں۔ علی المرعش کی اولاد شمالی ایران میں حکومت بنانے میں بھی کامیاب ہوئی۔

ایک قول کے مطابق سید علی مرعشی (سید علی مرعش) شام اور ترکی کی سرحدوں کے قریب واقع شہر مرعش میں رہتے تھے یہ شہر ترکی میں واقع ہے۔ انہوں نے تیسری صدی ہجری میں ایران کی طرف ہجرت کی اور بظاہر مازندران میں شادی کی ایران کے مراعشیوں کا مرکز طبرستان تھا۔

ایران کے شمالی خطے میں عوام کا تشیع کی طرف رجحان اسی خاندان کا مرہون منت ہے۔

یہ ایک اعلیٰ اور ارفع خاندان ہے دورِ حاضر میں بھی ایران میں اس خاندان کی بہت سی علمی خدمات ہیں جن میں آیت اللہ سید شہاب الدین نجفی مرعشی کی دینی خدمات قابل ذکر ہیں۔

(۸۹) حسن بن حمزہ بن علی مرعشی طبری

بقول شریف عمری کہ ابومحمد حسن الفقیہ المحدث صاحب کتاب مبسوط ابن حمزہ بن علی مرعشی بن عبداللہ بن محمد ن حسن بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام۔[3]

آپ کثیر خوبیوں کے مالک تھے نجاشی کہتے ہیں کہ وہ فقہاء میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے ان کی کنیت ابومحمد تھی انہیں طبری بھی کہتے تھے اور وہ مرعشی مشہور تھے وہ بغداد آ گئے جہاں ان سے مشائخ نے ۳۵۶ ہجری میں سنا۔

[1] سر سلسلۃ العلویہ ص ۷۵

[2] الاصیلی فی انساب الطالبین ص ۲۸۲

[3] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۳، ۴۱۴

انہوں نے ۳۵۸ ہجری میں وفات پائی حسن بن حمزہ نے کتابیں تحریر کیں جن میں کتاب المبسوط فی عمل یوم ولیلہ، کتاب الاشفیہ فی معانی الغیبہ ، کتاب المفتخر ، کتاب الغیبہ ، کتاب الجامع ، کتاب المرشد، کتاب الدر، کتاب ثبا شیر الشریعہ شامل ہیں۔ان سے شیخ ابوعبداللہ اور جملہ مشائخ نے خبر دی۔[1]

شیخ طوسی الفہرست میں لکھتے ہیں کہ حسن بن حمزہ علوی طبری جن کی کنیت ابومحمد ہے فاضل، ادیب عارف، فقیہ، زاہد، متقی اور کثیر اوصاف کے حامل تھے ان کی کتب اور تصانیف بھی کثیر ہیں جن میں کتاب المبسوط اور کتاب المفتخر وغیرہ ہیں۔

ان کی تمام کتابوں اور روایتوں کو اصحاب کی ایک جماعت نے بیان کیا۔جن میں ابوعبداللہ محمد بن محمد المعروف شیخ مفید، حسین بن عبیداللہ اور احمد بن عبدون شامل ہیں۔ان اصحاب نے ان سے ۳۵۶ ہجری میں سنا اور اجازہ حاصل کیا۔[2]

شیخ طوسی نے اپنی دوسری کتاب رجال میں حسن بن حمزہ علوی کا نسب اس طرح تحریر کیا، حسن بن محمد بن حمزہ بن علی بن عبداللہ بن محمد بن حسن بن حسین بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالبؑ۔شیخ مزید لکھتے ہیں کہ ان سے التلعکبر ی نے روایت کی اور ۳۲۸ ہجری میں ان سے سنا اور ان سے ان کی تمام کتب اور روایات بیان کرنے کا اجازہ لیا۔ایک جماعت نے ان سے خبر دی۔جن میں حسین بن عبداللہ، احمد بن عبدون، شیخ مفید شامل ہیں جنہوں نے ان سے ۳۵۴ ہجری میں سنا۔[3]

حسن بن حمزہ علوی طبری مرعشی شیخ صدوق کے بھی مشائخ میں سے تھے۔شیخ صدوق نے المعانی میں ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور شیخ مفید نے امالی میں ان کے نام کے ساتھ الشریف زاہد اور الشریف صالح لکھ کر ان کی توصیف کی۔

سید خوئی لکھتے ہیں کہ احادیث کی اسناد میں حسن بن حمزہ کا نام مختلف روایات میں مختلف عنوانات سے آیا ہے۔جیسے حسن حمزہ ابی محمد، حسن بن حمزہ علوی، حسن بن حمزہ علوی ابی محمد، حسن بن حمزہ علوی طبری ابی محمد، حسن بن حمزہ علوی حسینی طبری ابی محمد سید خوئی نے ان کتابون، احادیث اور اسناد کا ذکر بھی کیا ہے۔جن میں حسن بن حمزہ کا نام مختلف عنوانات سے استعمال ہوا ہے۔[4]

---

[1] رجال نجاشی ص ۶۴
[2] الفہرست الطوسی ص ۱۰۴
[3] رجال الطوسی ص ۴۲۲
[4] معجم رجال الحدیث ج ۵ ص ۳۰۳ تا ۳۰۵

(۹۰) قوام الدین صادق المعروف بہ میر بزرگ

مرعشی سادات کے مشہور خانوادے، مازندران، شوستر، اصفہان اور قزوین میں تھے۔

سادات مرعشی مازندران میں سے سلطان سید قوام الدین صادق حاکم مازندران بن سید کمال الدین صادق بن عبداللہ نقیب بن ابوعبداللہ محمد نقیب بن ابو ہاشم نسابہ بن ابوالحسن علی بن ابوعلی حسن بن علی المرعش المذکور تھے آپ سلاطین قوامیہ، مرعشیہ کے جد امجد ہیں آپ ایک مدت تک خراسان میں سلوک میں مشغول رہے اس کے بعد مازندران اپنے وطن میں لوٹ آئے۔ ۷۷۰ ہجری کو مازندران کا تخت سنبھالا اور ۷۸۱ ہجری میں وفات پائی۔ اور آمل شہر میں دفن ہوئے آپ کا مزار مرجع الخلائق ہے۔ سلاطین صفویہ کے زمانے میں آپ کا مزار پورے اہتمام سے بنایا گیا اور اس پر بڑا گنبد تعمیر کیا گیا۔

دولت المرعشیہ کے حکمران ۷۷ سے ۹۸۶ ہجری:

۱۔	سید قوام الدین صادق المعروف میر بزرگ	۷۷۰ سے ۷۸۰ ہجری
۲۔	سید کمال الدین بن سید قوام الدین	۷۸۱ سے ۷۹۵ ہجری
۳۔	سید علی بن سید کمال الدین مرعشی	۸۰۹ سے ۸۱۲ ہجری
۴۔	سید مرتضیٰ بن سید کمال الدین مرعشی	۸۱۲ سے ۸۱۳ ہجری
۵۔	السید علی بن میر کمال الدین مرعشی	۸۱۴ سے ۸۲۰ ہجری
۶۔	سید مرتضیٰ ابن سید علی مرعشی	۸۲۰ سے ۸۳۷ ہجری
۷۔	سید محمد مرعشی بن سید مرتضیٰ	۸۳۷ سے ۸۵۴ ہجری
۸۔	سید عبدالکریم مرعشی بن سید محمد مرعشی	۸۵۴ سے ۸۶۵ ہجری
۹۔	سید عبداللہ بن سید عبدالکریم مرعشی	۸۶۵ سے ۸۷۳ ہجری
۱۰۔	سید زین العابدین بن سید کمال الدین مرعشی	۸۷۳ سے ۸۸۰ ہجری
۱۱۔	سید عبدالکریم مرعشی بن سید عبداللہ مرعشی	۸۸۰ سے ۸۸۲ ہجری
۱۲۔	سید زین العابدین بن سید کمال الدین مرعشی	۸۸۲ سے ۸۹۲ ہجری
۱۳۔	سید شمس الدین مرعشی بن سید کمال الدین مرعشی	۸۹۲ سے ۹۰۵ ہجری
۱۴۔	سید عبدالکریم بن سید عبداللہ مرعشی	۹۰۵ سے ۹۰۸ ہجری

۱۵۔ سید کمال الدین بن سید شمس الدین مرعشی ۹۰۸ سے ۹۱۶ ہجری
۱۶۔ عبدالکریم مرعشی بن سید عبداللہ مرعشی ۹۱۶ سے ۹۳۲ ہجری
۱۷۔ سید امیر شاہی بن سید عبدالکریم مرعشی ۹۳۲ سے ۹۳۹ ہجری
۱۸۔ سید میر عبداللہ بن سید محمود مرعشی ۹۳۹ سے ۹۶۹ ہجری
۱۹۔ سید میر سلطان مرادمرعشی بن سید امیر شاہی مرعشی ۹۶۹ ہجری سے ۹۸۴ ہجری
۲۰۔ میرزا خان بن سلطان مرادمرعشی ۹۸۴ سے ۹۸۶ ہجری

سید سلطان قوام الدین صادق کی اولاد ایران میں بہت کثیر تعداد میں ہے۔

سید شہاب الدین نجفی مرعشی:

سید قوام الدین صادق کی اولاد سے ہی آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین نجفی مرعشی بن سید شمس الدین محمود بن علی شرف الدین بن محمد الفلکی بن محمد ابراہیم بن شمس الدین بن قوام الدین مجد المعالی بن نصیر الدین نسابہ بن جمال الدین بن علاؤ الدین نسابہ بن محمد خان بن ابی المجد بن محمد خان وزیر بن عبدالکریم خان ثانی بن عبداللہ خان بن عبدالکریم خان اول بن محمد خان بن مرتضیٰ خان بن علی خان بن کمال الدین صادق بن قوام الدین صادق میر بزرگ بن کمال الدین صادق بن عبداللہ ابی صادق بن ابی عبداللہ محمد بن ابی ہاشم نسابہ بن ابی حسن علی بن ابی محمد حسن بن علی المرعش بن عبداللہ بن محمد بن حسن بن حسین اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسینؑ بن امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہم السلام ہے[1]

آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین نجفی مرعشی مشہور فقیہ، محدث، محقق، ادیب، مؤرخ اور نسابہ تھے۔ انہیں اسلامی ثقافت کا عظیم ترین محافظ قرار دیا گیا۔ آپ ۲۰ صفر ۱۳۱۵ ہجری بمطابق ۲۱ جولائی ۱۸۹۷ء کو نجف الاشرف کے ایک مشہور علمی اور مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر انہوں نے حوزہ علمیہ نجف میں مختلف علوم کی تعلیم اس وقت کے معروف علماء سے حاصل کی اور جلد ہی مجتہد کا درجہ حاصل کرلیا۔ ۱۹۲۴ء میں وہ ایران آگئے اور مشہد اور تہران میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ ۱۹۲۵ء میں وار دِقم ہوئے۔

اور وہاں حوزہ علمیہ میں درس و تدریس سے منسلک ہوگئے کچھ عرصہ بعد انہیں مرجع کا درجہ حاصل

[1] شرح احقاق الحق ج ا ص ۱۳۱، ۱۳۲

ہو گیا اور ایران اور دوسرے مما لک میں بڑی تعداد میں لوگوں نے ان کی تقلید کر لی۔

آپ ٦٧ سال تک حوزہ علمیہ قم میں درس دیتے رہے اور اس طویل عرصہ میں انہوں نے ہزاروں اساتذہ کی تعلیم و تربیت کی۔قم میں حضرت فاطمہ معصومہؑ کے روضہ کے صحن میں آدھی صدی سے زیادہ عرصہ انہوں نے نماز پڑھوائی۔سید مرعشی نجفی کو شروع سے ہی نادر کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا وہ اپنے کپڑے اور گھر کی چیزیں فروخت کر کے کتابیں اور مسودے خرید لیتے تھے ایک وقت کا کھانا نہ کھاتے اور بچنے والی رقم سے نایاب کتب خرید لاتے۔

ان کا سب سے بڑا کارنامہ قم میں مرعشی نجفی لائبریری کا قیام ہے جس کا شمار دنیا کی بہترین لائبریریوں میں ہوتا ہے۔وہ ٢٩ اگست ١٩٩٠ء کو ٩٦ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔

سید شہاب الدین مرعشی نے مندرجہ ذیل کتابیں تحریر فرمائی:

١۔ ملحقات الاحقاق
٢۔ الحاشیہ علی العروۃ الوثقی
٣۔ منہاج المومنین فی الفقہ
٤۔ تقریرات القصاص
٥۔ طبقات النسابین
٦۔ حاشیہ علی کفایہ الاصول
٧۔ الحاشیہ علی الرسائل
٨۔ المشاہد والمزارات
٩۔ اعیان المرعشین
١٠۔ المعول فی امر المطول
١١۔ علماء السادات
١٢۔ مسارح الافکار او الحاشیہ علی تقریرات الشیخ مرتضیٰ انصاری
١٣۔ الفوائد الرجالیہ
١٤۔ کشف الارتیاب فی الانساب
١٥۔ المجدی فی حیات صاحب المجدی
١٦۔ رفع الفاشیہ عن وجہ الحاشیہ فی المنطق
١٧۔ الرد علی مدعی التحریف
١٨۔ تعلیقہ علی عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب
١٩۔ مشجرات آل رسول الاکرم
٢٠۔ رحلہ اصفہان،شیراز،سامراء و آذر بائجان [1]

(٩١) قاضی نور اللہ شوستری مرعشی

ضیاء الدین قاضی نور اللہ شوستری بن شریف الدین بن نور اللہ اوّل بن محمد شاہ بن مبارز الدین ماندہ بن جمال الدین حسن بن نجم الدین محمد بن تاج الدین حسین بن ابی مفاخر محمد بن ابی حسن علی بن ابی علی احمد بن

[1] مسند حسین اصغر از سید قمر عباس ترمذی ،ص ٦١

ابوطالب بن ابواسماعیل ابراہیم بن ابوالحسین یحییٰ بن حسین ابوعبداللہ بن ابوعلی محمد صوفی بن حمزہ بن علی بن ابوالقاسم حمزہ بن علی المرعش بن عبداللہ بن محمد بن حسن بن حسین اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسینؑ۔

قاضی نوراللہ شوستری خوزستان کے شہر شوستر میں ۹۵۶ ہجری کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد شریف الدین اکابر علماء میں سے تھے وہ شوستر میں فوت ہوئے ان کی قبران کی جد سید نجم الدین محمد مرعشی کے مقبرہ میں ہے۔

قاضی نوراللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور دوسرے فاضل علماء سے شوستر میں حاصل کی انہوں نے کتب اربعہ کے علاوہ فقہ اصول اور کلام کی کتابیں پڑھیں۔ ۹۷۹ ہجری میں آپ مشہد گئے اور وہاں علامہ محقق عبدالواحد تستری کے دروس میں شرکت کی قاضی نور اللہ ۹۹۳ ہجری میں مذہب جعفریہ کی اشاعت کے لئے ہندوستان تشریف لائے۔

وہ محدث، فقیہ، کلام اور مناظرہ کے ماہر، ادیب، شاعر اور زاہد تھے۔ ان کی جلالت اور شرافت کے باعث عظیم مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے قاضی نوراللہ کو قضاوت کے عہدہ کی پیشکش کی۔ قاضی نوراللہ نے یہ عہدہ قبول کرنے کے لئے یہ شرط عائد کی کہ وہ اپنے فیصلے کرنے میں کسی ایک فقہ کے پابند نہیں ہوں گے۔ البتہ ان کا ہر فیصلہ اہل سنت کے چاروں فقہوں میں سے کسی بھی ایک فقہ کے مطابق ہوگا۔ اکبر بادشاہ نے اس شرط کو منظور کرلیا اور انہیں چیف جسٹس مقرر کردیا۔ قاضی نور اللہ ہر فیصلہ فقہ جعفریہ کے مطابق کرتے تھے اور علم فقہ میں اپنی مہارت کے باعث اسے اہل سنت کے چار فقہوں میں سے کسی فقہ سے ثابت کرتے تھے۔

دربار میں ان کی عزت وعظمت کے نتیجہ میں مخالف فرقوں کے کچھ مولوی ان سے حسد کرنے لگے۔ مخالفین نے اکبر بادشاہ سے شکایت کی مگر کوئی بات ثابت نہ کرسکے۔ ایک مرتبہ قاضی نور اللہ نے حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھا تو مخالف اور حاسد مولویوں نے سخت اعتراض کیا کہ درود و سلام صرف نبیوں کے لئے مختص ہے۔ مخالفین نے بادشاہ سے یہ شکایت کی تو قاضی نوراللہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں وہ حدیث پیش کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''لحمک لحمی'' (تمہارا گوشت میرا گوشت ہے)۔

قاضی نوراللہ نے کہا اس حدیث کے پیش نظر حضرت علی کو علیہ السلام کہا جاسکتا ہے۔ بادشاہ کو آپ کی یہ دلیل پسند آئی۔ اور اس کے دل میں قاضی نوراللہ کی قدر مزید بڑھ گئی۔

اکبر بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت پر بیٹھا تو قاضی نوراللہ کے مخالفین پھر متحرک ہوگئے۔ جہانگیر ضعیف الرائے تھا۔ مخالف مولویوں نے ایک جاسوس بھیجا جو قاضی نوراللہ کا شاگرد بن کر رہنے لگا۔

کچھ عرصہ بعد وہ ان کی کتاب احقاق الحق چرا کر لے گیا۔ مخالفین نے یہ کتاب جہانگیر کو پیش کی جس کے نتیجے میں قاضی نور اللہ کو سزائے موت سنائی گئی۔ ایک خاردار چھڑی سے انہیں مارا گیا۔ یہاں تک کہ ان کا گوشت انکی ہڈیوں سے علیحدہ ہوگیا۔ پھر ایک تانبے کے برتن کو آگ سے بھر کر ان کے سر پر رکھ یا گیا۔ اس طرح قاضی نور اللہ شوستری شہید ہوگئے اور اپنے جد امام حسینؑ کے ساتھ جا ملے یہ سانحہ ۱۰۱۹ ہجری میں پیش آیا۔ آپ کا مزار اکبر آباد آگرہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔[1]

(۹۲) عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر بن امام زین العابدین

بقول ابی نصر بخاری آپ کی والدہ خلیدہ بنت حمزہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر تھیں اور یہ آپ کے بھائی عبیداللہ اعرج اور علی کی والدہ بھی تھیں۔[2]

بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ عقیقی مدنی عبداللہ، عبیداللہ اور علی ان تینوں کی والدہ ام خالد بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام تھیں۔[3]

بقول شیخ ابوالحسن عمری علوی کہ عبداللہ بن حسین اصغر اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوگئے اور آپ کی والدہ زبیدیہ تھیں۔[4]

معلوم پڑتا ہے کہ صاحب مجدی نے زبیریہ لکھا ہوگا اور بعد میں کاتب کی غلطی کی وجہ سے زبیدیہ بن گیا۔ شیخ طوسی نے آپ کو اصحاب امام جعفر صادقؑ میں شمار کیا۔[5]

اور عقیقی مشہور تھے۔[6]

اور عقیق مدینے کے قرب و جوار میں ایک بستی تھی۔

عبداللہ بن حسین اصغر اپنے والد محترم کی زندگی میں ہی ۴۱ سال کی عمر میں فوت ہو۔[7]

عبداللہ نے اپنے والد حسین اصغر سے احادیث بیان کیں جبکہ عبداللہ سے ان کے بیٹے جعفر نے

---

[1] شرح احقاق الحق، از قاضی نور اللہ شوستری شرح سید شہاب الدین مرعشی ص ۱۵۸، ۸۴، ۸۲، ۱۶۰

[2] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۶۹

[3] المعقبین از یحییٰ نسابہ ص ۹۷

[4] المجدی فی الانساب الطالبین از ابوالحسن عمری، ص ۴۰۹

[5] رجال طوسی ص ۲۲۹

[6] جمہرۃ انساب العرب از ابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی، ص ۵۴، نشر دار المعارف، مصر

[7] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۷۰

روایت کی ۔[1]

عبداللہ بن حسین اصغر نے اپنے والد کے علاوہ دوسروں سے بھی احادیث بیان کیں۔ جامع الرواہ میں ہے کہ شیخ طوسی کی تہذیب الاحکام میں کتاب الجنائز کی باب تلقین المختصرین کے آخر میں حدیث نمبر ۹۷۵ کو عبداللہ بن حسین اصغر نے بیان کیا۔ یہ حدیث عبداللہ نے بعض اصحاب اور انہوں نے ابوعبداللہ (امام جعفر صادقؑ) سے بیان کیں۔

جبکہ عبداللہ سے یہ حدیث سہل بن زیاد نے روایت کی ۔[2]

امالی خمیسیہ میں عبداللہ بن حسین اصغر کی روایت کردہ دو احادیث ہیں جنہیں عبداللہ نے اپنے والد سے بیان کیا جبکہ عبداللہ سے ان احادیث کو حصین بن مخارق نے بیان کیا۔ اسی سلسلہ سے روایت کی گئی حدیث تاویل الایات میں بھی ہے۔

اولاد عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر:

بقول عمری آپ کے آٹھ فرزند: (۱) جعفر (۲) قاسم (۳) عبداللہ (۴) علی (۵) عبیداللہ (۶) ابراہیم (۷) بکر (۸) علی۔

اور تین دختران تھیں: (۱) فاطمہ (۲) زینب (۳) ام سلمہ ۔[3]

ان میں بکر، قاسم، ام سلمہ، زینب کی والدہ نوبیہ کنیز تھیں۔

جعفر اور علی کی والدہ ام عمرو بن عمرو بن زبیر بن عمرو بن زبیر بن عوام تھیں ۔[4]

لیکن ابوعبداللہ مصعب الزبیری کے مطابق ام عمر بنت عمرو زبیریہ جعفر اور فاطمہ کی والدہ تھیں ۔[5]

بقول عمری ام سلمہ کی شادی اپنے چچا زاد علی بن عبیداللہ اعرج سے ہوئی ۔[6]

ام سلمہ اور ان کے خاوند کو امام رضا علیہ السلام نے نیک جوڑا (زوج صالح) قرار دیا۔

بقول عمری ان میں عبداللہ بن عبداللہ عقیقی آپ فصیح تھے۔ انہیں ان کے اچھے اخلاق کی وجہ سے ابا

---

[1] تسمیہ من روی عن الامام زید ص ۲۱
[2] جامع الرواۃ و وازاحہ الاشتبہات عن الطرق والاسناد، از محمد بن علی اردبیلی الغروی الحائری ج ا ص ۴۸۲ مکتبہ محمدی
[3] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۴۰۹
[4] جمہرۃ انساب العرب ص ۵۴
[5] نسب قریش ص ۲۵
[6] المجدی ص ۴۰۹

صفارہ کہتے تھے ان کے بیٹے حسین بن عبداللہ بن عبداللہ عقیقی آپ فاصل لوگوں میں سے ایک تھے اور انہیں ابن زبیریہ کہتے تھے۔ ان کی بیٹی آمنہ بنت ابی صفارہ حسین داعی الکبیر حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن امام حسن علیہ السلام کی والدہ تھیں۔[1]

پھر ان کے بعد جعفر بن عبداللہ عقیقی بن حسین اصغرؑ کثیر فضائل اور محاسن کے مالک تھے ان کو صحصح کہا جاتا تھا۔

جعفر بن عبداللہ عقیقی کی اولاد سے شریف سید نقیب فاضل ابوالحسن محمد بن حسن بن احمد بن علی بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صحصح بن عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام جن کے بارے میں کہا جاتا ہے امام زین العابدینؑ مشابہ تھے۔[2]

بقول ابن عنبہ کہ عبداللہ عقیقی کی اولاد صرف جعفر صحصح سے باقی رہی۔ اور جعفر صحصح بن عبداللہ عقیقی کی اولاد تین پسران سے باقی رہی: (۱) احمد منقدی (۲) اسماعیل منقدی (۳) محمد عقیقی

(۹۳) قاسم بن عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر

بقول خطیب بغدادی قاسم بن عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رہنے والوں میں سے تھے پھر سر من رائے (سامرا) آگئے اور اپنی وفات تک وہیں رہے۔ بغدادی کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی حسن بن ابوبکر نے (انہوں نے کہا) خبر دی ہمیں حسن بن محمد بن یحییٰ علوی عقیقی نے انہوں نے کہا خبر دی ہمیں میرے دادا یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجہ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر نے انہوں نے کہا میں نے ابومحمد اسماعیل بن محمد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے طالبین کو قاسم بن عبداللہ کی اطاعت کے علاوہ کسی ایک رئیس کی اتنی فرمانبرداری کرتے نہیں دیکھا۔

میرے دادا نے کہا قاسم بن عبداللہ اہل فضل اور اہل خیر میں سے تھے۔ عمر بن فرج نے معتصم باللہ کے دور میں انہیں مدینہ سے زبردستی عسکر (سامراء) بھگا دیا۔[3]

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔ متوکل عباسی کی طرف سے ناصبی گورنر عمر بن

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۰

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۱

[3] تاریخ بغداد او مدینہ السلام از امام حافظ ابی بکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ ہجری تحقیق عبدالقادر عطا، ج ۱۲، ص ۴۲۰، دارالکتب علمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء

فرج رخجی نے آپ کو گرفتار کر کے سامراء بھیج دیا۔ آپ کو سیاہ لباس پہننے کا حکم دیا گیا تو آپ نے وہ پہننے سے انکار کر دیا اور وہ مسلسل اس پر اصرار کرتے رہے بالآخر آپ نے سیاہ کے مشابہ کپڑا زیب تن کیا تو وہ (حاکم) آپ سے راضی ہوا۔

یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجہ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر سے منقول ہے کہ میں نے ابومحمد اسماعیل بن محمد سے سنا۔ وہ کہتے ہیں میں نے اولاد ابو طالب کے افراد میں سے حکمرانوں پر سخت تنقید کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا جیسے قاسم بن عبداللہ اِن پر سخت تنقید کرتے ہیں۔

حسن بن حسین سے منقول ہے کہ میں اور قاسم بن عبداللہ، ابوالفوارس عبداللہ بن ابراہیم بن حسین اصغرؑ کو غسل دینے کیلئے ان کے پاس گئے جبکہ ہم اس وقت ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ اتنے میں قاسم نے مجھ سے کہا کیوں نہ ہم عصر کی نماز بھی پڑھ لیں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ ہم آہستہ آہستہ غسل دیں گے تو نماز عصر کا وقت ختم ہوجائے گا پھر میں نے بھی ان کے ہمراہ نماز ادا کی جب ہم ابوالفوارس عبداللہ بن ابراہیم بن حسین اصغر کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو میں سورج کے ذریعے وقت کا تعین کرنے کے لئے باہر نکلا میں نے دیکھا کہ یہ نماز عصر کا اول وقت ہے اور میں نے عصر کی نماز دوبار پڑھی پھر مجھے نیند آ گئی تو میں سو گیا تو عالم خواب میں ایک شخص نے آ کر مجھ سے کہا۔ کیا تم نے قاسم کے ساتھ نماز عصر ادا کرنے کے باوجود یہ نماز دوبارہ پڑھی ہے؟ میں نے جواب دیا میں نے ان کے ساتھ وہ نماز اس نماز کے وقت پر نہیں پڑھی تھی، یہ سن کر اس نے مجھ سے کہا، قاسم کا دل تمہارے دل سے زیادہ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر ہے۔

زینب بنت عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر کے غلام زوب سے مروی ہے کہ میرے آقا قاسم بن عبداللہ عقیقی علیل ہوئے تو حاکم (متوکل عباسی) نے ان کے پاس ایک حکیم کو بھیجا کہ وہ ان کی خبر گیری اور حالت دریافت کرے حکیم نے کافی دیر تک ان کے ہاتھ کو پکڑے رکھا۔ پھر جب حکیم نے اپنا ہاتھ قاسم کے ہاتھ پر رکھا تو قاسم بن عبداللہ کا ہاتھ کسی سبب کے بغیر خشک ہوگیا اور ان کے اس ہاتھ میں درد بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس درد سے آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے قاسم بن عبداللہ کے اہل خانہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس حکیم کے ذریعے انہیں زہر دیا گیا۔[1]

آپ کی اولاد جاری نہیں ہوئی۔

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی (عربی) تحقیق سید احمد صقر ص ۴۹۱، ۴۹۲

(۹۴) حسن بن محمد عقیقی بن جعفر صحصح بن عبداللہ عقیقی

آپ حسن بن محمد بن جعفر بن عبداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالبؑ ہیں بقول ابی الفرج اصفہانی آپ حسن بن زید داعی کبیر کے خالہ زاد بھائی تھے حسن بن زید نے انہیں ساریہ میں اپنا جانشین نامزد کیا۔ ایک دفعہ حسن بن محمد عقیقی کو یہ خبر ملی کہ حسن بن زید داعی الکبیر اور خجستانی کے درمیان ہونے والی لڑائی میں حسن بن زید داعی الکبیر قتل ہوگیا ہے۔ تو حسن بن محمد عقیقی نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور لوگ اس پر آمادہ ہوگئے لیکن اس کے بعد حسن بن زید داعی الکبیر ہتھکڑی پہنے ہوئے واپس آگیا تو عقیقی کا معاملہ بگڑ گیا اور وہ جرجان جا کر خجستانی سے جا ملے۔ یہ دیکھ کر حسن بن زید داعی کبیر جرجان کی طرف گیا اور دونوں میں وہاں لڑائی ہوئی جن میں حسن بن محمد عقیقی کو شکست ہوئی لیکن وہ زندہ بچ کر جرجان جانے میں کامیاب ہوگئے پھر حسن بن زید داعی الکبیر نے اپنے بھائی محمد بن زید کو ان کے پاس بھیج کر انہیں امان نامہ دیا تو حسن بن محمد عقیقی اس امان نامے کے وعدے پر حسن بن زید داعی کبیر کے پاس آگئے پھر داعی کبیر نے حسن بن محمد عقیقی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کی گردن اڑادی۔[1]

بقول ابن عنبہ کہ حسن بن محمد عقیقی داعی الکبیر کے خالہ زاد تھے آپ داعی کبیر کی جانب سے ساریہ کے حاکم تھے اور داعی کی عدم موجودگی میں آپ نے سیاہ لباس پہنا اور سلاطین خراسان کے نام کا خطبہ پڑھوایا، جب داعی نے قوت پکڑی تو ان کی گردن اڑادی اور یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا۔[2]

آپ کی اولاد باقی نہیں رہی۔

(۹۵) علی بن حسین اصغر بن امام زین العابدین

بقول ابن نصر بخاری آپ کی والدہ خلیدہ بنت حمزہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر تھیں اور یہ بی بی آپ کے بھائی عبداللہ اور عبیداللہ کی بھی والدہ تھیں۔[3]

بقول سید ابی الحسین یحییٰ نسابہ مدنی، عبداللہ عبیداللہ اور علی کی والدہ ام خالد بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام تھیں۔[4]

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی (عربی) تحقیق سید احمد صقر ص ۵۵۹
[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۹۲
[3] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۶۹
[4] المعقبین از یحییٰ بن حسن مدنی ص ۹۷

بقول عمری علی بن حسین بن علی بن حسین السبط ابن زبیریہ تھے۔آپ مدنی تھے اور ان کی اولاد بڑی تعداد میں ہے۔[1]

شیخ طوسی نے حسین اصغر کے بیٹے علی کا ذکر امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ علی بن حسین بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب مدنی تھے۔[2]

بقول ابی نصر بخاری کہ علی بن حسین اصغر بنی ہاشم کے جوانمردوں میں سے تھے وہ صاحب لسان، بیان اور فضل تھے۔[3]

ابن داؤد نے ان کے نام کے ساتھ معظم لکھ کر ان کی توصیف کی ہے۔[4]

شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ علی بن حسین اصغر کی سخاوت کے بارے میں نقل ہوا ہے ک جب وہ کھانا کھانے لگتے اور کوئی سائل آواز دیتا تو اپنا کھانا اسے دے دیتے۔ دوبارہ ان کے لئے کھانا حاضر کیا جاتا اور کوئی سائل پھر آواز دیتا تو وہ پھر اپنا کھانا سائل کو دے دیتے یہاں تک کہ ان کی زوجہ کنیز کو کچھ دے کر دروازہ پر کھڑی کرتیں کہ اگر سائل پھر آئے تو اسے کچھ دے دے، تا کہ سائل آواز نہ دے اور علی کھانا کھالیں۔[5]

علی بن حسین اصغر نے اپنے والد سے احادیث بیان کیں۔ شیخ طوسی نے اپنی امالی میں وہ حدیث روایت کی جسے علی بن حسین اصغر نے اپنے والدہ سے اور انہوں نے امام محمد باقرؑ سے بیان کیا اور علی بن حسین اصغر سے اس حدیث کو حمید بن قیس نے بیان کیا یہ حدیث جنگ نہروان سے واپسی پر حضرت علی علیہ السلام کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہونے کی حیثیت سے ایک راہب کے ساتھ گفتگو کے بارے میں ہے۔[6]

اولاد علی بن حسین اصغر بن امام زین العابدین:

ابوعبداللہ مصعب زبیری لکھتے ہیں کہ علی بن حسین اصغر کے چار فرزند محمد، احمد، موسیٰ، عیسیٰ اور تین دختران: فاطمہ،کلثوم اور علیہ ہوئیں ان سب کی والدہ زینب بنت عون بن عبیداللہ بن عبیداللہ بن عبداللہ بن حارث بن نوفل تھیں۔[7]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۴
[2] رجال طوسی ص ۲۴۴
[3] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۷۰
[4] رجال ابن داؤد از تقی الدین حسن بن علی بن داؤد حلی متوفی ۷۰۷ ہجری تحقیق سید محمد صادق ،ص ۱۳۶، منشورات مطبوعہ حیدریہ، ۱۹۷۲ء
[5] احسن المقال ترجمہ منتھی الآمال، شیخ عباس قمی، مترجم سید صفدر حسین نجفی، ج ۲ ص ۱۲۵، لاہور
[6] الامالی از شیخ طوسی ص ۱۹۹
[7] نسب قریش، مصعب زبیری ج ۱ ص ۲۰

بقول ابوالحسن عمری آپ کے چار پسران تھے: (۱) عبداللہ (۲) احمد (۳) موسیٰ (۴) عیسیٰ۔ ان میں عبداللہ بن علی بن حسین اصغر کا ایک فرزند جعفر تھا۔ جس کی اولاد پر قوی طعن ہے جو بلخ میں تھی۔[۱]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ علی بن حسین اصغر بن زین العابدینؑ کی اولاد تین پسران سے باقی رہی: (۱) عیسیٰ الکوفی (۲) احمد حقینہ (۳) موسیٰ حمصہ۔[۲]

بقول نسابہ بابن فندق بیہقی کہ محمد بن علی بن حسین اصغر عالم اور زاہد تھے اور لوگوں سے کٹے رہتے تھے۔[۳]

(۹۶) بیت بنی حمصۃ

بقول امام فخر الدین رازی کہ موسیٰ بن علی بن حسین اصغر کا لقب حمیص تھا ان کو حمصہ کہا جاتا تھا۔[۴]

بقول عمری اس گھر کو بیت بنی حمصہ کہا جاتا ہے۔[۵]

بقول شیخ ابی نصر بخاری کہ موسیٰ بن علی بن حسین اصغر کا لقب حمصہ تھا اور بنی حمصہ انکی طرف منسوب ہیں۔[۶]

جمہور نسابین کے بقول موسیٰ حمصہ کی اولاد ایک فرزند حسن سے جاری ہوئی اور ان حسن کے ایک فرزند محمد حمصہ تھے اور ان کے فرزند حسن حمصہ ہوئے۔ اور ان حسن حمصہ بن محمد حمصہ بن حسن بن موسیٰ حمصہ کے اعقاب میں بقول ابن عنبہ ایک فرزند حسین الکلعکی تھے جن کی اولاد مکہ اور دمشق میں تھی۔[۷]

بقول عمری موسیٰ حمصہ بن علی بن حسین اصغر کی اولاد سے نقیب موصل ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن حسن بن محمد بن حسن بن موسیٰ حمصہ بن علی بن حسین اصغر تھے۔ اور آپ کا جب انتقال ہوا تو آپ کے بیٹے تھے اور اس گھر کو بیت بنی حمصہ کہا جاتا تھا۔[۸]

بقول امام فخر الدین رازی حسن بن محمد بن حسن بن موسیٰ بن علی بن حسین اصغر کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) علی الکلعکی جن کی اولاد مصر اور دمشق میں گئی۔ (۲) حسین جنان جن کی اولاد مصر میں فیوم

---

۱ المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۴

۲ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۸۹، ۲۹۰

۳ لباب الانساب والالقاب والاعقاب ج ۱ ص ۹۳

۴ شجرۃ المبارکہ از فخر الدین رازی ص ۱۶۳

۵ المجدی فی انساب الطالبین ۴۱۴

۶ سر سلسلۃ العلویہ ص ۳۷

۷ عمدۃ الطالب ص ۲۹۰

۸ المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۴

نامی علاقہ میں اور دمشق میں گئی اور (۳) محمد جن کی اولاد مدینہ میں رہی۔[1]
بنی حمصہ سے منسوب ایک خاندان برصغیر پاک و ہند میں موجود ہے۔
علامہ عبدالحی حسنی نے اپنی مشہور کتاب نزہتہ الخواطر میں تحریر کیا ہے کہ موسیٰ حمصہ کی اولاد سے سید شریف عفیف احمد (المعروف توختہ) بن علی بن حسین (حسن) بن محمد بن حسن بن موسیٰ بن علی بن حسین بن علی بن امام حسینؑ بن امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ۔ وہ ہندوستان آنے والے سادات میں تھے۔ وہ ترمذ شہر میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی اور اپنی والدہ کی وفات کے بعد لاہور آ گئے اور سکونت اختیار کی اور صاحب اولاد ہوئے۔ انکی نسل سے علماء کی ایسی جماعت سربلند ہوئی جس کا شمار نہیں کیا جاسکتا وہ ترمذی سادات کہلاتے ہیں۔[2]

(۹۷) سید احمد توختہ ترمذی حسینی

نزہتہ الخواطر میں سید احمد توختہ کا نسب اس طرح بیان ہے سید احمد بن علی بن حسین بن محمد بن حسن بن موسیٰ بن علی بن حسین اصغر بن امام زین العابدین جبکہ بعض ترمذی سادات کے مشجرات میں شاہ احمد بن علی بن حسین بن محمد مدنی بن حسن بن موسیٰ حمصہ بن علی بن حسین اصغر اور لقب توختہ سے مشہور ہے۔
جبکہ سید فاضل علی شاہ موسوی نے اپنی کتاب شجرہ طیبہ میں ان کا نسب اس طرح لکھا ہے: سید احمد توختہ بن حسین الکعکی بن حسن ثانی بن محمد حمصہ بن حسن بن موسیٰ حمصہ بن علی بن حسین اصغر۔[3]
سید احمد توختہ کو مرشد پنجاب بھی کہا گیا۔
تاریخ انوار سادات کے مطابق سید احمد توختہ ترمذ میں علمی اور روحانی ماحول میں پیدا ہوئے۔آپ کے ایک فرزند سید محمد اسماعیل اچانک وفات پا گئے جس کا آپ کو بہت صدمہ ہوا اور کچھ عرصہ بعد احمد توختہ نے خواب دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں آ کر تلقین کی کہ ہندوستان میں جا کر تبلیغ کریں۔ آپ کے ساتھ ۱۳ شاگرد اور معتقدین اور شاگرد جن میں شیخ عبدالواحد انصاری بلخی، شیخ عبداللہ سمرقندی، ابوسعید خراسانی، اور شیخ محمد سمرقندی شامل تھے۔
آپ کا قافلہ شیراز، مکران، ارمن بیلہ، سہون، برہمن آباد، ارڈر اور ملتان سے ہوتا ہوا لاہور وارد ہوا۔ آپ کے ہاتھ پر بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا لاہور میں اپنی وفات تک آپ تبلیغ کرتے رہے۔آج آپ

---

[1] الشجرۃ المبارکہ از فخر الدین رازی ص ۱۶۵
[2] نزہتہ الخواطر، از علامہ شریف عبدالحی بن فخر الدین حسنی المتوفی ۱۳۴۱ ہجری، ج ۱ ص ۹۳، طبع ثانیہ مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن
[3] شجرۃ طیبہ از فاضل موسوی صفوی ج ۲ ص ۸۵

کا مزار لاہور میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کی اولاد میں صوفیاء، نساب، علماء اور مبلغین کی کثیر تعداد گزری ہے۔ تاریخ انوار سادات کے مصنف سید ظفر باب ترمذی اور مسند حسین اصغر کے مؤلف سید قمر عباس ترمذی آپ کی ہی اولاد سے ہیں۔[1]

(۹۸) بنو سدرۃ اور بنی حقینہ

احمد حقینہ بن علی بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ کی اولاد بقول عمری ایک فرزند علی بن احمد حقینہ سے جاری ہوئی۔ اور علی بن احمد حقینہ بن علی بن حسین اصغر کی اولاد ایک فرزند حسن حقینہ سے جاری ہوئی۔

حسن حقینہ بن علی بن احمد حقینہ المذکور کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) عبیداللہ (۲) عبداللہ۔

اول عبیداللہ بن حسن حقینہ بن علی بن احمد حقینہ کی اولاد سے بقول عمری بنوسدرہ تھیں جو عبیداللہ سدرہ بن حسن بن عبیداللہ المذکور کی اولاد تھی اور ان عبیداللہ سدرہ کی اولاد سے محمد اندا بن علی بن عبیداللہ سدرہ المذکور تھے جو کہ موصل میں بنوسدرہ تھی۔

دوم عبداللہ بن حسن حقینہ بن علی بن احمد حقینہ کی اولاد سے ابوالحسین یحییٰ بن محمد فقیہہ بن عبداللہ المذکور تھے۔ آپ فاصل اور احادیث کے راوی تھے اور آپکے بھائیوں کی اولاد بھی تھی اور اس گھر کو حقینیون کہتے ہیں۔[2]

بقول جمال الدین ابن عنبہ علی بن احمد حقینہ بن علی بن حسین اصغر کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) حسن (۲) حسین (۳) محمد

جن میں حسن بن علی بن احمد حقینہ کی اولاد سے بنوسدرہ تھی جو عبیداللہ بن حسن بن عبیداللہ بن حسن بن علی بن احمد حقینہ کی اولاد تھی اور ان کی بقایا بغداد میں تھی۔[3]

بقول امام فخر الدین رازی کہ احمد حقینہ بن علی بن حسین اصغر کی اولاد صرف ایک فرزند علی الحقینی سے جاری ہوئی اور اس علی الحقینی کے دو پسران تھے: (۱) ابو حقینہ حسن، جن کو حسین بھی کہا گیا۔ (۲) محمد جن کی اولاد قلیل تھی پھر ان حسن بن علی حقینی بن احمد حقینہ کی اولاد چار پسران سے جاری ہوئی: (۱) عبداللہ لقب فتین (۲) علی (۳) حسن (۴) عبداللہ۔[4]

---

[1] مسند حسین اصغر از سید قمر عباس ترمذی ص ۲۶۳، ۲۶۴
[2] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۴۱۴، ۴۱۵
[3] عمدۃ الطالب انساب آل ابی طالب ص ۲۹۰
[4] شجرۃ المبارکہ از امام فخر الدین رازی ص ۱۶۳، ۱۶۴

(۹۹) بیت کرش اور بنومضیرہ

عیسیٰ کوفی بن علی بن حسین اصغر آپ کا لقب غضارۃ تھا۔

بقول ابی نصر بخاری آپ کی اولاد سے احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسین اصغر ''رے'' کے امیر تھے اور یہ حسن بن زید داعی الکبیر سے قبل کی بات ہے ان کی اولاد سے ابوالحسین احمد خرم آبادی رے بن محمد بن عیسیٰ بن احمد المذکور تھے۔

اور نقیب جرجان ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن عیسیٰ بن احمد المذکور بھی انہیں میں سے تھے۔[1]

بقول عمری محمد کرش بن جعفر بن عیسیٰ بن علی بن حسین اصغر کے گھر کو ''بیت کرش'' کہا جاتا ہے اور ان کی اولاد سے فاطمہ بنت محمد بن حسین بن محمد کرش المذکور تھیں جو ابی عبداللہ محمد بن احمد بن علی بن محمد صوفی عمری علوی لقب ملقطہ کی زوجہ تھیں۔[2]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ عیسیٰ کوفی بن علی بن حسین اصغر کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی:
(۱) جعفر الکوفی (۲) احمد عقیقی۔[3]

جعفر الکوفی بن عیسیٰ کوفی غضارہ بن علی بن حسین اصغر کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی:
(۱) ابوالقاسم محمد کرش (۲) ابو ہاشم محمد فیل (۳) ابوالحسن محمد مضیرہ ابو ہاشم محمد الفیل بن جعفر الکوفی کی اولاد ایک فرزند ابوالقاسم حمزہ سے جاری ہوئی جن کی اولاد دو پسران ابوطالب حسین اور (۲) ابومحمد قاسم بزاز سے جاری ہوئی۔ ابومحمد قاسم بزاز بن ابوالقاسم حمزہ کی اولاد سے ابی طالب محمد الفارسی بن حسن بن ابومحمد القاسم بزاز المذکور تھے آپ اول علوی تھے جو فارس سے نیشاپور منتقل ہوئے آپ سے منسوب لوگ علوی فارسی کہلائے۔

پھر ابوالقاسم محمد کرش بن جعفر الکوفی کے سید مہدی رجائی نے پانچ پسران: (۱) ابوالحسن علی کافور (۲) ابوالحسین زید (۳) حسن اعور دندانی (۴) حسین اکبر دندانی (۵) حمزہ۔[4]

اور ابوالحسن محمد مضیرہ بن جعفر الکوفی کی طرف منسوب لوگ بقول شریف مروزی بنومضیرہ کہلائے۔[5]

---

[1] سر سلسلۃ العلویہ ابی نصر بخاری ص ۴۷
[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۱۵
[3] عمدۃ الطالب ص ۲۹۰
[4] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از سید قمر اعرجی ص ۲۵۴
[5] الفخری فی انساب الطالبین ص ۲۰۶،۲۰۵

(۱۰۰) احمد بن عیسیٰ غضارہ کوفی بن علی بن حسین اصغر

احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسین اصغرؑ عالم احادیث کے راوی اور بہت بڑے فقیہ تھے وہ حسن بن زید داعی کبیر سے پہلے رے کے امیر تھے۔[1]

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ۲۵۰ ہجری میں عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کو ُرے' میں احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسین اصغر اور ادریس بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن ابن علی علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ آپ نے اہل رے کو نماز عید پڑھائی اور آل محمد علیہم السلام کی طرف دعوت دی پھر محمد بن علی بن طاہر نے جنگ کی تو احمد بن عیسیٰ غضارہ نے اسے شکست دے دی اور پھر قزوین چلے گئے۔[2]

رافعی کے بقول کہ حسن بن زید داعی الکبیر سے پہلے احمد بن عیسیٰ قزوین آئے اور وہاں کے والی بن گئے۔[3]

اور ابن جریر طبری نے ۲۵۱ ہجری میں محمد بن جعفر کی گرفتاری کے بعد احمد بن عیسیٰ اور ادریس بن موسیٰ کے دوبارہ رے آنے کا ذکر بھی کیا ہے۔[4]

تاریخ قم میں ابراہیم بن محمد خزری کی روایت کے مطابق احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسین اصغر کا لقب شیخ تھا۔ وہ علویوں کے گروہ کے رئیس تھے انہوں نے طویل عمر پائی۔ وہ قزوین سے رے چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کی احمد بن عیسیٰ ۱۲۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ رے میں ان کی اولاد خرم آبادی کے بیٹے مشہور ہیں۔[5]

رافعی کے بقول احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسین صغیر بن علی بن حسین بن امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا۔[6]

امام رضا کے علاوہ انہوں نے عباد بن صہیب وغیرہ سے بھی احادیث بیان کیں۔[7]

جبکہ احمد بن عیسیٰ سے روایت کرنے والوں میں احمد بن یوسف مؤدب۔[8]

۱۔ سر سلسلہ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۴۷

۲۔ تاریخ الامم والملوک، از ابی جعفر محمد بن جریر طبری، ج ۷ ص ۴۳۳ موسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان

۳۔ التدوین فی اخبار قزوین ج ۱ ص ۲۳۷

۴۔ تاریخ الامم والملوک ج ۷ ص ۴۶۰، ۴۶۱

۵۔ تاریخ قُم از حسن بن محمد قمی مترجم حسن بن علی بن حسن عبدالملک قمی ص ۲۳۰، ۲۳۱، انتشارات طوس، تہران، تحقیق سید جلال الدین تہرانی

۶۔ التدوین فی اخبار قزوین ج ۱ ص ۲۳۷

۷۔ فوائد تمام از ابو القاسم تمام بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن جنید ۴۱۴ تا ۳۳۰ ہجری ج ۲ ص ۱۹۰، مکتبہ المرشد و شرکہ، ریاض، سعودی عرب، نشر ۱۹۹۷ء

۸۔ التدوین فی اخبار قزوین ج ۱ ص ۲۳۷

اور ابوعبداللہ احمد بن محمد طبرستانی وغیرہ شامل ہیں۔[1]

آپ کی اولاد جاری ہوئی۔

(۱۰۱) احمد بن محمد علوی حسینی

بقول ابی نصر بخاری آپ ابوالحسین احمد خرم آبادی بن محمد بن عیسیٰ بن احمد بن عیسیٰ غضارہ بن علی بن حسین اصغر بن امام زین العابدین تھے۔[2]

اور بعض جگہ آپ کی کنیت ابوالحسن تحریر ہے۔ آپ شیخ صدوق کے مشائخ میں سے تھے۔ شیخ صدوق نے اپنی کتابوں العلل اور المعانی میں ان سے احادیث بیان کیں اور ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ'' لکھا آپ نے جن سے روایت کی ان میں محمد بن ابراہیم بن اسباط اور احمد بن محمد بن زیاد القطان شامل ہیں۔

سید ابوالقاسم خوئی لکھتے ہیں کہ شیخ صدوق نے معانی الاخبار کے باب ۲۷ معانی اسماء محمد وعلی و فاطمہ و حسن وحسین والآئمہ علیہم السلام کی حدیث ۱۷ میں ان کا نام احمد بن محمد بن یحییٰ بن احمد لکھا ہے۔ جبکہ یہ صحیح نام احمد بن محمد بن عیسیٰ بن احمد ہے۔[3]

(۱۰۲) نصر بن مہدی حسینی ونکی

نصر بن مہدی بن نصر بن مہدی بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عیسیٰ بن احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام۔

آپ سید حسینی ونکی فاضل عالم اور ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ آپ زیدی المسلک تھے انہیں ونکی، ونک نامی قصبہ کی نسبت سے کہتے ہیں جو رے کے قریب ہے۔ رے کے محلہ مصلحکان میں ان کی دوکان پر فاضل لوگ جمع ہوتے تھے۔

سمعانی لکھتے ہیں کہ نصر بن مہدی نے ابی فضل یحییٰ بن حسین علوی زیدی المعروف کیا الحافظ۔ ابی بکر اسماعیل بن علی خطیب نیشاپوری، ابی محمد عبدالواحد بن حسن صفار شروطی، ابی بکر طاہر بن حسین بن علی سمان، ابی داؤد سلیمان بن داؤد بن یونس غزنوی اور ابی سعد اسماعیل بن احمد صفار رازی وغیرہم سے کثیر تعداد میں احادیث سنیں۔[4]

---

[1] فوائد تمام ج ۲ ص ۱۹۰

[2] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری ص ۴۷

[3] معجم رجال الحدیث ج ۳ ص ۱۱۹

[4] الانساب از سمعانی ج ۵ ص ۶۱۶، ۶۱۷

ذہبی لکھتے ہیں کہ نصر بن مہدی بغداد بھی گئے اور وہاں انہوں نے ابو یوسف عبدالسلام قزوینی سے سنا، ابو سعد نے کہا میں نے ان کو رے میں دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ ۴۶۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔[1]

امالی شجریہ میں نصر بن مہدی کی بیان کردہ (۱۲) احادیث ہیں۔ ان احادیث کو انہوں نے یحییٰ بن حسین سے روایت کیا جبکہ ان سے ان احادیث کو ابی عباس احمد بن ابی حسن نے بیان کیا۔

(۱۰۳) عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین

آپ کی والدہ بقول ابی نصر بخاری خلیدہ بنت حمزہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر تھیں اور یہ بی بی آپ کے بھائیوں عبداللہ اور علی کی والدہ بھی تھیں۔[2]

جبکہ بقول ابی الحسین یحییٰ بن حسن مدنی عقیقی علوی عبیداللہ، عبداللہ اور علی کی والدہ ام خالد بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام تھیں۔[3]

آپ کی کنیت ابو علی تھی۔

بقول ابی نصر بخاری کہ عبیداللہ بن حسین اصغر خراسان ابی مسلم خراسانی مروزی کے پاس آئے تو اس نے آپ کو رزق کثیر دیا اور اہل خراسان نے آپ کو صاحبِ عزت شمار کیا۔ آپ کے ایک پاؤں میں نقص تھا جس کی وجہ سے آپ کو اعرج (لنگڑا) کہا جاتا تھا۔

سلیمان بن کثیر خزاعی (جو بنو عباس کی تحریک کا خراسان میں اہم مہرہ تھا) نے عبیداللہ اعرج کو کہا کہ ہم نے بُرا کہا جو غیر (عباسیوں) کی بیعت کی اب ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی نصرت کرنا چاہتے ہیں۔ عبیداللہ کو گمان ہوا کہ شاید ابو مسلم ہی فریب سے کام لے رہا ہے۔

جب ابو مسلم کو سلیمان بن کثیر خزاعی کی بات کا علم ہوا تو وہ عبیداللہ اعرج کے پاس آیا اور کہا کہ نیشاپور آپ کو تحمل نہیں کر سکتا اس کے بعد سلیمان بن کثیر خزاعی کو قتل کر دیا گیا۔

اور عبیداللہ بن حسین اصغر بھی ذی امران نامی موضع میں ۳۷ سال کی عمر میں اپنے والد کی زندگی میں وفات پا گئے۔[4]

---

[1] تاریخ اسلام، از ذہبی ج ۳۷ ص ۴۳۶

[2] سر سلسلۃ العلویہ ص ۶۹

[3] المعقبین از سید یحییٰ نسابہ ص ۹۷

[4] سر سلسلۃ العلویہ ص ۷۰

بقول نسابہ کبیر ابوالحسن عمری علوی کہ عبیداللہ بن حسین اصغر کی والدہ ام خالد بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام تھیں۔ آپ کو سفاح عباسی نے ایک زمین عطا کی جس کی سالانہ آمدن ۸۰۰۰۰ ہزار دینار تھی اور عبیداللہ ۴۶ سال کی عمر میں اپنے والد کی زندگی میں انتقال کر گئے۔ عبیداللہ اعرج نے محمد نفس ذکیہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ محمد نفس ذکیہ نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی عبیداللہ اعرج کو دیکھیں گے تو انہیں قتل کر دیں گے لیکن جب عبیداللہ کو ان کے سامنے لایا گیا تو آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور ان کو نہ دیکھنا چاہا (یعنی نہ قتل کرنا چاہا اگر دیکھ لیتے تو قسم پورا کرنے کے لئے ان کو قتل کرنا پڑتا)۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی کنیت ابوعلی تھی بقول ابی نصر بخاری کہ آپ کے ایک پاؤں میں نقص تھا (یعنی معذور تھے) اسی لئے آپ کو اعرج (لنگڑا) کہا گیا۔ عبیداللہ اعرج ابی العباس سفاح کے پاس گئے تو اس نے آپ کو مدائن میں قطعہ اراضی دیا جس کی سالانہ آمدن ۸۰۰۰۰ دینار تھی۔[2]

غایۃ الاختصار میں مذکور ہے کہ بنی عباس کی حکومت سے پہلے ابومسلم خراسانی نے آپ کو اپنی بیعت کی دعوت دی تھی لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا ابومسلم خراسانی نے بیعت کا اصرار کیا تو باہمی بدمزگی بڑھی عبیداللہ اعرج پیچھے کی جانب مڑے اور گر پڑے جس سے آپ کے پاؤں میں لنگ آ گئی اور جب بنی عباس کی حکومت آئی تو انہوں نے آپ کو بندنجین (بند الشیر) وغیرہ کی جائیداد دے دی۔ آخرکار آپ اسی جائیداد میں وفات پا گئے۔[3]

نسابہ سید فخار الدین معد موسوی کی کتاب المقباس فی فضائل بنی عباس کے قلمی مخطوطے میں تحریر ہے کہ عبیداللہ اعرج صاحب اقدار جلیلہ حسن الشمائل اور جم الفضائل تھے۔ آپ محدث تھے آپ اول ہاشمی علوی حسینی تھے۔ جن کا لقب اعرج تھا آپ صاحب جلالت و منزلت تھے۔ آپ امام زادوں میں اول تھے جو مسموم تھے (یعنی آپ کو ابومسلم خراسانی نے زہر دی) آپ کا نام عبیداللہ بن ابوالفضل عباس بن امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کے نام پر عبیداللہ رکھا گیا۔ آپ شجاعت، علم، کرامت، فصاحت اور بلاغت میں اپنے والد محترم کی شبیہ تھے اور آپ کا گھر علوی حسینی سادات کا عراق میں اول گھر تھا۔

حضرت عبیداللہ اعرج نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے حکم پر عراق میں اول حوزہ علمیہ علویہ

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۳۹۷

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۹۳

[3] بحاالانوار از باقر مجلسی مترجم اردو سید حسن امداد ص ۱۸۰، ۱۸۱

کی بنیاد رکھی اس طرح آپ اول شخص تھے جس نے حوزہ علویہ علمیہ کی عراق میں بنیاد رکھی۔

ایک روایت میں آپ کا مزار مدائن میں سلیمان فارسی کے روضہ کے قریب ہے جبکہ دیگر روایت میں آپ کا مزار سمنان میں ہے جو خراسان کے راستے پر واقع ہے اور یہ بھی معتبر روایت ہے کہ آپ کا لقب اعرج آپ کے دادا حضرت امام زین العابدینؑ کی زبان مبارک سے ہی ادا ہوا یعنی امام زین العابدین نے ہی آپ کا لقب اعرج رکھا یعنی سادات اعرجی کی تسمیہ خود امام پاک کی ہی زبان سے نکلا ہوا لفظ ہے جو ایک قسم کی شان اور منزلت ہے یعنی امام زین العابدینؑ نے فرمایا ''عبیداللہ تعرج'' یعنی بلندی اور تسمیہ آسمانوں کی طرح بلند و بالا۔ (عبیداللہ تعرج روحہ الی السماء اذا ما صلی) [1]

بقول ابی الفرج اصفہانی عبیداللہ بن حسین اصغر کی والدہ کا نام ام خالد بنت حسن بن مصعب بن زبیر بن عوام تھا۔ اور عبیداللہ اعرج کی نانی امینہ بنت خالد بن زبیر بن عوام تھیں اور آپ کی کنیت ابوعلی تھیں۔

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ محمد بن علی بن حمزہ سے مذکور ہے کہ ابومسلم خراسانی نے عبیداللہ بن حسین کو زہر دیا تھا۔

اور اسی زہر سے آپ کی وفات ہوئی لیکن یحییٰ بن حسن بن جعفر بن عبیداللہ اعرج نے یہ قول ذکر نہیں کیا بلکہ انہوں نے کہا عبیداللہ بن حسین اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے جبکہ یحییٰ بن حسن کو اپنے خاندان کے بارے میں خبروں کی بخوبی آگاہی حاصل تھی۔ اس لئے شاید محمد بن علی بن حمزہ کو یہ وہم لاحق ہوا کہ انہیں ابومسلم خراسانی نے زہر دیا تھا تو ان کی وفات ہوئی۔ [2]

بقول باابن فندق بیہقی نسابہ کہ عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر کا قتل مرو میں شاہجان نامی مقام پر ہوا اور آپ کو ابومسلم خراسانی نے زہر دی جس کی وجہ سے آپ کی موت واقع ہوئی۔ آپ کو مرو میں ہی دفنایا گیا اور آپ کی قبر کو چھپا دیا گیا آپ کا قتل مروان الحمار کے آخری ایام اور دولت عباسیہ کے ابتدائی ایام کے مابین ہوا۔ ظاہری طور پر کسی نے بھی عبیداللہ اعرج کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جس وقت آپ کا قتل ہوا آپ کی عمر ۵۵ سال تھی۔ [3]

بقول سید ضامن بن شدقم اعرجی حسینی نسابہ مدنی کہ سید عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر آپ جلیل القدر،

---

[1] آل الاعرجی از نقیب سادات اعرجی سید حلیم حسن اعرجی ص ۷۸، ۷۹

[2] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی (عربی) تحقیق سید احمد صقر ص ۱۵۹

[3] لباب الانساب، از باابن فندق بیہقی ج ا ص ۴۰۶ نشر مکتبہ نجفی مرعشی، قم، ایران

عظیم الشان، رفیع المنزلت، حسن الشمائل، جم الفضائل، عالم، عامل، کامل، جامع، حاوی، تقی، نقی، ذی مروت، شہامت، شجاع، اور مرکز جود وسخا تھے۔[1]

بقول نقیب سادات اعرجیہ سید حلیم حسن اعرجی کہ عبیداللہ ذی المنازل عالیہ تھے آپ کو سفاح نے مدائن میں قطعہ اراضی دی جس کی ایک سال کی آمدن ۸۰۰۰۰ دینار تھی جس کو عبیداللہ اعرج پہلے علویوں کے محتاج افراد میں تقسیم کرتے پھر بنی ہاشم کے پھر قریش کے اور پھر انصار کے محتاجوں میں تقسیم کرتے۔[2]

اس کے علاوہ ایک تاریخی واقعہ بھی ہے جس کے مطابق بنی ہاشم نے اپنے حواریوں کے ہمراہ کوفہ میں اجلاس رکھا جس میں بنی ہاشم کے اعیان بنی عباس اور بنی علی کے افراد موجود تھے۔ جس میں منصب خلافت بنی عباس یا بنی علی سے کسی ایک فرد کو نامزد کرنا تھا۔

ان میں ابوسلمہ خلال اور سلیمان بن کثیر خزاعی بھی تھے جنہوں نے عبیداللہ اعرج کو خلافت کیلئے موزوں کہا کہ ان کے علاوہ کون ہے جو رضا اہل بیت کی دعوت دے۔

مگر ایک دوسرے گروہ نے ابی العباس سفاح کو اس کا حقدار جانا اور اس کی دلیل یہ دی کہ وہ عبیداللہ اعرج سے عمر میں بڑے ہیں۔ عبیداللہ اعرج ایک صلح پسند شخص تھے اور اس سے قبل بھی جب ابی سلمہ خلال نے مدینے میں امام جعفر صادق اور عبداللہ محض کو خلافت کی دعوت کا خط تحریر کیا تو تیسرا نامعلوم خط عبیداللہ اعرج کو یا عمر الاشرف بن امام سجادؑ کو بھی تحریر کیا مگر آپ نے اس کے جواب میں بھی کوئی خط تحریر نہیں کیا اور امام جعفر صادق نے وہ خط جلا دیا مگر عبداللہ محض نے حامی بھر لی۔

بقول شیخ طوسی عبیداللہ بن حسین بن علی اصحاب امام جعفر صادقؑ میں سے تھے۔[3]

علمائے رجال نے عبیداللہ اعرج کا اپنے والد حسین اصغر سے احادیث بیان کرنے کا ذکر کیا ہے حسین اصغر سے مسلسل چالیس احادیث بھی عبیداللہ اعرج نے بیان کیں جبکہ عبیداللہ اعرج سے یہ احادیث ان کے فرزند جعفر الحجہ نے بیان کیں۔ امالی اثنینیہ میں حسین اصغر کی ہشام بن عبدالملک کے خلاف بدعا کی روایت ہے جسے عبیداللہ نے بیان کیا اور ان سے اس روایت کو صالح بن ابی اسود نے بیان کیا۔[4]

---

[1] تحفہ الازہار، از سید ضامن بن شدقم مدنی، ج ۲ ص ۱۵۷
[2] الاصول المنجبیہ فی تاریخ ونسب السادہ اعرجیہ، از حلیم حسن اعرجی، ص ۴۴۰
[3] رجال طوسی ص ۲۳۴
[4] امالی الاثنینیہ ص ۴۱۷

اولادعبیداللہ اعرج بن حسین اصغر:

بقول شیخ ابی نصر بخاری عبیداللہ بن حسین کی اولاد میں:

(۱) عبداللہ بن عبیداللہ کی والدہ دختر عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس علمدار بن امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ تھیں۔

(۲) محمد بن عبیداللہ اعرج کی والدہ ام الولد تھیں اور آپ اپنے والد کے وصی تھے۔آپ کی وفات ۳۲ سال کی عمر میں ہوئی۔

(۳) علی بن عبیداللہ آپ کی والدہ بھی ام الولد تھیں۔آپ صاحب فضل اور زہد تھے،آپ کی زوجہ ام سلمہ بنت عبداللہ بن حسین اصغر تھیں۔اس لئے اس جوڑے کو زوج الصالح کہا جاتا ہے۔

علی بن عبیداللہ اعرج صاحب مستجاب الدعوات تھے۔

ابی السرایا کے ایام میں محمد بن ابراہیم طباطبا نے آپ کو وصی ٹھہرایا لیکن ان کی وفات پر آپ نے تحریک کے صدر ہونے سے انکار کیا اور نہ اپنے فرزندوں کو خروج کی اجازت دی۔

(۴) یحییٰ بن عبیداللہ اعرج آپ کی والدہ تیمیہ تھیں۔

(۵) حمزہ بن عبیداللہ اعرج اپ کی والدہ ام الولد تھیں۔

(۶) جعفر بن عبیداللہ اعرج

بقول القاسم الرسی بن ابراہیم کہ آپ آئمہ آل محمد میں سے تھے آپ کرامت اور بلاغت میں زید بن علی سے مشابہ تھے اور وہ حضرت علیؑ سے مشابہ تھے۔ابوالبختری وہب بن وہب نے آپ کو مدینہ میں ۱۸ ماہ قید رکھا[1]

بقول عمری علوی نسابہ کبیر عبیداللہ اعرج کی ۱۶ اولادیں تھیں جس میں آٹھ دختران تھیں: (۱) فاطمہ (۲) خدیجہ (۳) سکینہ (۴) صفیہ (۵) کلثوم (۶) امینہ (۷) آمنہ (۸) زینب، جس کو ام خالد بھی کہا جاتا ہے[2]

بقول مؤرخ نسابہ سید علاء الموسوی المانی کہ

(۱) فاطمہ بنت عبیداللہ اعرج کی شادی اسماعیل حالب الحجارۃ بن حسن امیر بن زید ابلج بن امام

---

[1] معالم انساب الطالبین فی شرح سر الانساب العلویہ از ڈاکٹر عبدالجواد کلیدار ص ۲۳۰،نشر مکتبہ آیت اللہ نجفی مرعشی،قم،ایران

[2] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص ۳۹۷

حسن علیہ السلام سے ہوئی اور ان سے محمد اکشف پیدا ہوئے (جو کہ داعی الکبیر کے دادا تھے)۔

(۲) سکینہ بنت عبیداللہ اعرج کی شادی عبدالرحمان شجری بن ابومحمد القاسم بن حسن امیر بن زید بن امام حسنؑ سے ہوئی اور انکے بطن سے محمد الشریف پیدا ہوئے۔

(۳) زینب بنت عبیداللہ اعرج کی شادی اسماعیل بن محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ سے ہوئی اور محمد اکبر اور حسین بنفسج تولد ہوئے۔

(۴) خدیجہ بنت عبیداللہ اعرج کی شادی محمد دیباج بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقرؑ بن امام زین العابدین سے ہوئی اور ان کے بطن سے یحییٰ اور جعفر پیدا ہوئے۔

(۵) آمنہ بنت عبیداللہ الاعرج کی شادی جعفر بن ابراہیم بن جعفر خطیب بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ سے ہوئی اور عبداللہ پیدا ہوئے۔

(۶) صفیہ بنت عبیداللہ اعرج کی شادی اپنے چچا زاد جعفر بن عبداللہ بن جعفر بن محمد حنفیہ بن امیرالمومنین امام علیؑ سے ہوئی۔[1]

شیخ مفید نے اپنی کتاب الارشاد میں فاطمہ بنت حسین اصغر کو عبداللہ افطح بن امام جعفر صادقؑ کی والدہ تحریر کیا ہے جبکہ عبداللہ افطح اور اسماعیل ابنان امام جعفر صادقؑ کی والدہ انساب کے کچھ مصادر میں فاطمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن علیہ السلام تحریر ہیں۔

اب ہم عمری کی روایت کی جانب واپس آتے ہیں کہ بقول عمری عبیداللہ اعرج نے آٹھ پسران تھے:(۱)احمد (۲) عبداللہ (۳) ابراہیم (۳) یہ تینوں درج (لاولد) تھے (۴) عیسیٰ (۵) محمد (۶) علی (۷)حمزہ (۸)جعفر تھے ان آٹھ کو لکھ کر عمری نے نواں فرزند یحییٰ بن عبیداللہ تحریر کرتے ہیں بقول عمری یحییٰ کو زاہد کہا جاتا تھا آپ کی والدہ تیمیہ تھیں۔آپ کی چار دختران اور دو فرزند تھے آپ کی اولاد طبرستان میں منتشر ہوگئی اور یہ رائے بھی ہے کہ وہ منقرض ہوگئے۔[2]

سید جمال الدین ابن عنبہ اور دیگر نسابین کی رو سے عبیداللہ اعرج کی اولاد چار پسران سے باقی رہی:
(۱)حمزہ مختلس الوصیہ (۲)علی الصالح (۳)محمد الجوانی (۴)جعفر الحجہ۔

---

[1] حواشی المختصر فی اخبار مشاہیر الطالبیہ والآئمہ الاثناء عشر، از صفی الدین محمد بابن طقطقی حواشی سید علاء الموسوی، ص ۳۶۳، مکتبہ دار المخطوطات، عتبہ عباسیہ المقدسہ
[2] المجدی فی انساب الطالبین از ابوالحسن عمری ص ۳۹۷، ۳۹۸

(۱۰۴) سادات بنی میمون (مصر)

حمزہ مختلس الوصیہ بن عبید اللہ اعرج کا لقب مختلس الوصیہ اس وجہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کی وصیت کو نظر انداز کیا لیکن اس حکم عدولی کی وجہ کہیں بھی بیان نہیں ہوئی۔ بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابوعبداللہ حسین شقف (۲) محمد حرون

ان میں حسین شقف بن حمزہ مختلس الوصیہ کی اولاد سے ابوالقاسم میمون بن ابی یعلی حمزہ بن حسین (متوفی ۲۹۵ ہجری) بن محمد ابی شقف بن حسین شقف المذکور تھے۔ صاحب عمدۃ الطالب نے یہ نسب اس طرح تحریر کیا ہے۔

بنو میمون بن حمزہ بن حسین بن حمزہ بن حسین بن محمد بن حسین بن حمزہ مختلس الوصیہ۔[1]

اور عمری نے اس طرح تحریر کیا ہے۔

ابوالقاسم محمد میمون بن ابی یعلی حمزہ بن حسین بن ابی شقف محمد ن حسین بن حمزہ مختلس الوصیہ۔[2]

جمہرۃ انساب العرب میں ابن حزم کے بقول میمون مصر میں مشہور محدث تھے۔[3]

امام شافعی کی بہت سی روایات انہوں نے بیان کی ہیں، ان کا گھر ریاست اور روایت میں مشہور تھا۔[4]

ذہبی لکھتے ہیں کہ میمون بن حمزہ نے احمد بن عبدالوارث عسال اور احمد بن محمد طحاوی اور لوگوں کی ایک جماعت سے روایت کی جبکہ ان سے ان کے پوتے ابوابراہیم احمد بن قاسم شیخ رازی نے روایت کی۔[5]

ابوالقاسم یحییٰ ابن حسین بن موسیٰ بن عیسیٰ بن علی المطار العدل المعروف بالقصاض جو شافعی مذہب کے فقیہ تھے نے میمون بن حمزہ سے کتاب المزنی فی فقہ الشافعی روایت کی۔[6]

محمد بن مکی بن عثمان بن عبداللہ ابوحسین ازدی مصری دمشق گئے اور وہاں میمون بن حمزہ حسینی اور دوسرے لوگوں سے احادیث بیان کیں۔[7]

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۹۳
[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۰۵
[3] جمہرۃ انساب العرب ابن حزم ص ۵۵
[4] تکملہ اکمال الاکمال فی انساب الاسماء الاعقاب از ابن صابونی متوفی ۶۸۰ ہجری ص ۴۰
[5] تاریخ اسلام از ذہبی ج ۲۷ ص ۲۷۶
[6] مشیخہ ابن خطاب ص ۱۷۸
[7] تاریخ مدینہ دمشق ج ۷۰ ص ۲۳

ابن صابونی تحریر کرتے ہیں کہ میمون بن حمزہ نے ابی جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی اور دوسرے لوگوں سے احادیث بیان کیں۔ انہوں نے حافظ ابی محمد عبدالغنی بن سعید ازدی سے بانتخاب روایت کی، میمون بن حمزہ سے لوگوں کی ایک جماعت نے احادیث بیان کیں۔[1]

میمون بن حمزہ کی نسل سے شریف ابوعلی حسن بن شریف ابی الحسن علی بن شریف ابوتراب حیدرۃ بن محمد بن قاسم بن میمون بن حمزہ بن حسین بن محمد بن حسین بن حمزہ حسینی المذکور جو ابن سکر کے لقب سے مشہور ہیں۔

ان کا تعلق جلالت اور روایت کرنے والے گھر سے تھا انہوں نے ابی محمد یونس بن یحییٰ ہاشمی اور ابی القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ مقری سے سنا ان کے پاس ابوعبداللہ محمد بن حمد ارتاحی کی طرف سے احادیث بیان کرنے کی اجازت تھی وہ مصر میں ۵۷۵ ہجری میں ۲۱ ذی الحجہ کی رات پیدا ہوئے اور وہاں ۱۴ جمادی الآخر ۶۳۹ کو فوت ہوئے انہیں الغد میں دفن کیا گیا۔[2]

(۱۰۵) احمد بن قاسم بن میمون بن حمزہ

شریف ابو ابراہیم احمد بن قاسم بن میمون بن حمزہ بن حسین بن محمد بن حسین بن حمزہ مختلس الوصیہ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ۔ آپ ثقہ تھے۔ آپ کا تعلق جلالت، شرافت، کثیر احادیث بیان کرنے والے اور اپنے جد مصطفیٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پھیلانے کی جدوجہد کرنے والے گھر سے تھا۔ ان کے دادا میمون بن حمزہ تھے۔ انہوں نے اپنے دادا میمون، ابن ابی جدار الصواف، ابی مسلم کاتب، قاضی ابی حسن حلبی، ابی عبداللہ یمنی، ابی حسین سخاوی اور دوسرے لوگوں سے روایت کی۔

احمد کے پاس کتاب ''المزنی فی فقہ الشافعی تھی جسے انہوں نے اپنے دادا میمون بن حمزہ حسینی سے اور انہوں نے ابی جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی سے اور انہوں نے ابی ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی سے اور انہوں نے محمد بن ادریس شافعی سے روایت کیا۔[3]

ملکہ بنت داؤد بن محمد بن سعید قرطکی جو خواتین میں عالمہ اور صوفیہ تھیں نے مصر میں شریف ابو ابراہیم احمد بن قاسم بن میمون سے سنن شافعی کو سنا۔[4]

---

[1] تکمہ اکمال از ابن صابونی ص ۴۰

[2] تکمہ اکمال از ابن صابونی ص ۴۰

[3] مشیخہ ابن خطاب ص ۲۲۵ تا ۲۲۷

[4] تاریخ مدینہ دمشق ج ۷ ص ۱۲۷

ذہبی لکھتے ہیں کہ احمد بن قاسم بن میمون بن حمزہ جو مصر میں رہتے تھے نے خراسان ماورا النہر، پہاڑوں، جزیروں اور ساحلوں پر احادیث کو سنا اور حفاظ اور آئمہ سے ملاقات کی۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ابوبکر خطیب، فقیہ نصر مقدسی، حسن بن احمد سمرقندی الحافظ محمد بن عبداللہ دقاق، شجاع بن فارس زہلی، ابوعبداللہ حمیدی، محمد بن طرخان ترکی، ابوعلی محمد بن محمد بن مہدی، ابو قاسم بن سمرقندی، علی بن احمد بن بیان علی بن عبدالسلام کاتب اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔[1]

احمد بن قاسم ۴۵۷ ہجری یا اس کے بعد فوت ہوئے۔[2]

(۱۰۶) حسین حرون بن محمد حرون بن حمزہ مختلس الوصیہ

محمد حرون بن حمزہ مختلس الوصیہ کے تین فرزند کی اولاد جاری ہوئی: (۱) احمد (۲) ابو علی ابراہیم ارزق المعروف سنورابیہ (۳) ابوعبداللہ حسین حرون، اس کے علاوہ آپ کی ایک بیٹی ام حسین بھی تھیں جن کی شادی جعفر بن احمد بن عیسیٰ مبارک بن عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف بن امام علیؑ بن ابی طالبؑ سے ہوئی۔

حسین حرون بن محمد حرون بن حمزہ مختلس الوصیہ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ آپ نے یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذی العبرہ بن زید شہید بن امام زین العابدینؑ کے بعد کوفہ میں خروج کیا تو مستعین نے مزاحم بن خاقان کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کی طرف روانہ کیا۔ جب مزاحم کوفہ کے قریب پہنچا تو حسین حرون دوسرے راستے سے نکل کر سرمن رائے پہنچ گئے جب معتز باللہ عباسی کی بیعت کی جارہی تھی تو انہوں نے اس کی بیعت کرلی اور مزاحم بن خاقان کوفہ سے واپس چلا گیا۔

حسین حرون ایک مدت تک سامراء میں مقیم رہے بعد میں وہاں سے چلے گئے اور دوبارہ خروج کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں گرفتار کر کے دس سال کے لگ بھگ قید کر دیا گیا پھر معتمد باللہ عباسی نے انہیں قید خانے سے آزاد کیا اس کے بعد آپ نے کوفہ کے گرد ونواح کے علاقوں میں بھی خروج کیا تو وہاں بھی حالات خراب ہوگئے اور آپ کو ۲۶۹ کے آخر میں پکڑ کر موفق باللہ عباسی کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ موفق باللہ نے آپ کو واسط میں قید کر دیا آپ ۲۷۰ ہجری میں دو سال تک اس کے قید خانے میں قید رہے۔ اور پھر اس قید خانے میں دنیا سے کوچ کر گئے تو موفق باللہ نے لوگوں کو آپ کو دفن کرنے اور آپ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

---

[1] سیر اعلام النبلاء، از امام شمس الدین محمد ذہبی المتوفی ۷۴۸ ہجری ج ۱۸ ص ۵۷۰، موسسہ رسالہ بیروت، لبنان

[2] تاریخ اسلام ج ۳۰ ص ۴۳۱

دیا۔ آپ کی تحریک کے وصی محمد بن جعفر بن حسن بن جعفر بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ تھے جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد کوفہ سے خروج کیا۔ تو ابن طاہر نے ان کی طرف ایک خط تحریر کیا جس میں محمد بن جعفر کو کوفہ کی گورنری دینے کا حکم لکھ بھیجا یوں آپ دھوکہ میں آ گئے اور آسانی سے گرفت میں آ گئے۔ تو ابی الساج کے نائب نے آپ کو گرفتار کر کے سامرہ بھیج دیا اور قید کر دیا گیا جہاں آپ نے وفات پائی۔[1]

(۱۰۷) محمد الجوانی بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر

بقول شیخ ابوالحسن عمری کہ محمد بن عبیداللہ بن حسین اصغر جو کہ المعروف جوانی ہیں نسابہ یعنی علم الانساب کے ماہر تھے اور اپنے والد محترم کے وصی تھے۔ آپ کریم و سخی شخص تھے آپ کی والدہ ام الولد تھیں آپ کا لقب جوانی دراصل جوانیہ قریہ سے تھا جو مدینہ کے قریب تھا۔

بقول عمری آپ کی پانچ اولادیں تھیں: (۱) حسن (۲) حسین (۳) عبداللہ (۴) زینب (۵) کلثوم اور ان سب کی والدہ تیمیہ تھیں۔

ان میں حسین بن محمد جوانی کی اولاد منقرض ہوگئی، جبکہ حسن بن محمد جوانی جنہوں نے مصر میں وفات پائی آپ احادیث کے راوی تھے۔

آپ کی پانچ دختران اور تین فرزند تھے: (۱) ابراہیم (۲) حسین (۳) محمد۔

ان میں محمد صاحب جوانیہ بن حسن بن محمد بن عبیداللہ اعرج عالم فاضل اور حدیث کے راوی تھے۔ آپ کی والدہ ام الولد تھیں آپ کے علاوہ حسن بن محمد جوانی کی کسی دوسرے فرزند سے اولاد جاری نہیں ہوئی۔[2]

بقول صفی الدین بابن طقطقی کہ ابوالحسن محمد جوانی کی اولاد ابی ابراہیم محمد بن ابی محمد حسن بن محمد جوانی المذکور سے جاری ہوئی اور انکی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) حسن (۲) محمد۔[3]

بقول ابن عنبہ کہ محمد جوانی کی وفات ۳۲ سال کی عمر میں ہوئی اور آپ کی اعقاب ابی حسن محمد صاحب جوانیہ بن حسن بن محمد جوانی المذکور سے جاری ہوئی اور ان کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابومحمد حسن (۲) ابوعلی ابراہیم۔ اور ان دونوں کی اولاد کو بنو جوانی کہا جاتا ہے جو مصر اور واسط کی طرف گئی۔[4]

---

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ از علامہ حسن رضا قر ص ۵۶۴، ۵۶۵

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۹۸

[3] الاصیلی فی انساب الطالبین از صفی الدین محمد بابن طقطقی ص ۲۸۷

[4] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از جمال الدین ابن عنبہ ص ۲۹۴

بقول سید ضامن بن شدقم نسابہ مدنی اعرجی کہ جوانیہ مدینہ اور احد کے پہاڑ کے درمیان مشرق کی جانب ایک موضع کا نام ہے اور محمد جوانی کی اولاد کو جوانیون کہا جاتا ہے۔

بقول ضامن کہ قال سید فی شجرہ کہ محمد جوانی کے تین پسران تھے: (۱) رضوان (۲) ابو محمد حسن (۳) ابوالحسن علی۔ جبکہ قدیم انساب کے مصادر میں رضوان اور علی کا نام نہیں صرف حسن کا نام مذکور ہے۔[۱]

علمائے رجال سے روایت منقول ہے کہ

عن ابی جعفر محمد بن عیسیٰ قال کان الجوانی خرج مع ابی الحسن علی الرضا علیہ السلام الیٰ خراسان و کان من قرابة۔

یعنی جوانی امام رضاؑ کی قرابت میں ان کے ساتھ خراسان گئے۔

بعض علمائے نے اس سے مراد ابوالحسن علی بن ابراہیم بن محمد بن حسن بن محمد جوانی سے لیا ہے جسے علمائے رجال نے ذکر کیا ہے اور اس کی توثیق کی ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ ثقہ اور صحیح الحدیث تھے اور امام رضاؑ کے ساتھ خراسان گئے لیکن ابوالحسن علی بن ابراہیم کا امام رضاؑ کے ساتھ ۲۰۰ ہجری میں خراسان جانے میں تامل ہے کیونکہ یہ حضرت امام رضاؑ کے بعد سو سال زندہ رہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوالفرج اصفہانی المتوفی ۳۵۶ ہجری نے اس ابوالحسن علی بن ابراہیم سے اجازہ لیا ہے اور ان سے روایت کرتا ہے اور دعائے حریق ان سے سنی لہٰذا بہت بعید ہے کہ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن محمد بن حسن بن محمد جوانی ۲۰۰ ہجری میں امام رضا کے ہمراہ خراسان گئے ہوں چونکہ روایت میں لفظ جوانی استعمال ہوا ہے اور یہ ذکر نہیں ہوا کہ یہ کونسا جوانی ہے۔

قرین عقل یہ ہے کہ یہ جوانی خود محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر ہی تھے جو امام رضاؑ کے والد بزرگوار کے چچا زاد بھائی تھے ان کا زمانہ بھی یہی تھا۔ جبکہ دوسرے ابوالحسن علی بن ابراہیم بن محمد بن حسن بن محمد جوانی نے مدینہ میں ولادت پائی اور کوفہ میں نشونما پائی اور یہیں فوت ہوئے۔[۲]

اور دوسری طرف ابوالحسن علی بن محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج بقول سید ضامن بن شدقم اعرجی آپ امام رضاؑ کے ساتھ خراسان کے سفر پر گئے۔ واللہ اعلم[۳]

لیکن قدیم عربی انساب کے مصادر میں محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج کا کوئی فرزند ابوالحسن علی نام کا نہیں

---

[۱] تحفۃ الازھار، از ضامن بن شدقم ج ۲ ص ۱۵۸

[۲] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب از سید قمر عباس اعرجی ص ۲۶۱

[۳] تحفۃ الازھار، سید ضامن بن شدقم، ج ۱ ص ۱۵۸

تھا۔ سید ضامن بہت بعد کے نسابہ ہیں۔اس لئے یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔

اس لئے زیادہ درست یہی ہے کہ محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج امام رضاؑ کے ہمراہ خراسان کے سفر پر گئے۔ بقول سید حلیم حسن اعرجی کہ اولاد حسین اصغر بن امام زین العابدین میں محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج اول علم انساب کے ماہر تھے۔[1]

سید جمال الدین ابن عنبہ اور امام فخر الدین رازی کے بقول محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج کی اولاد صرف حسن بن محمد جوانی سے باقی رہی۔

(۱۰۸) ابوالحسن علی بن ابراہیم الجوانی

ابوالحسن علی بن ابراہیم بن محمد صاحب جوانیہ بن حسن بن محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام آپ سید جلیل محدث اور نسابہ تھے وہ مدینہ میں پیدا ہوئے کوفہ میں پرورش پائی اور کوفہ میں ہی فوت ہوگئے ان کے اور ان کے بھائی حسین کی والدہ تیمیہ تھیں ابوالفرج اصفہانی صاحب کتاب الآغانی نے آپ سے ملاقات کی آپ کی اولاد عراق میں تھی۔[2]

اردبیلی لکھتے ہیں کہ ابوالحسن علی بن ابراہیم جوانی امام رضا کے ساتھ خراسان گئے۔[3]

لیکن شیخ عباس قمی کہتے ہیں کہ ان کا امام رضا علیہ السلام کے ساتھ خراسان جانا مشکوک ہے کیونکہ وہ امام علیہ السلام کی وفات کے ۱۰۰ سال سے زیادہ عرصہ بعد تک زندہ رہے یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے دادا کے دادا محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر خود امام علی رضا علیہ السلام کے ساتھ خراسان گئے ہوں کیونکہ روایت میں جوانی کا خراسان جانے کا ذکر ہے۔[4]

ابوالحسن علی بن ابراہیم مشہور محدث کلینی کے مشائخ میں سے تھے۔کلینی نے علی بن ابراہیم ہاشمی کے نام سے ان کی بیان کردہ احادیث اپنی کتاب الکافی میں شامل کیں۔[5]

کلینی نے چار احادیث ان سے بلاواسطہ بیان کیں اور محمد بن یحییٰ کے واسطہ سے بھی ان سے

---

[1] آل الاعرجی از سید حلیم حسن اعرجی ص ۹۵،۹۶

[2] المجدی فی انساب الطالبین، ازعمری، ص ۳۹۹

[3] جامع الرواۃ، ج ۱ ص ۵۴۵

[4] احسن المقال ترجمہ منتھی الآمال، ترجمہ سید صفدر حسین نجفی، ج ۲ ص ۱۳۷

[5] مستدرکات علم رجال الحدیث، ج ۵ ص ۲۷۶

احادیث بیان کیں۔[1]

ابوالحسن علی بن ابراہیم جوانی کے تذکرہ میں شیخ نجاشی لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور صحیح الحدیث تھے، انہوں نے احادیث بیان کیں اور کتابیں تحریر کیں۔ جس میں اخبار صاحب فخ، اخبار یحییٰ بن عبداللہ محض ہیں۔ ابی الفرج اصفہانی نے ان سے سنا اور ان کی کتابوں سے روایت کی۔[2]

ابوالحسن علی بن ابراہیم کے فرزند ابوالعباس احمد بن علی بن ابراہیم نے بھی احادیث بیان کیں وہ واسط میں قاضی تھے۔ عمری نے ان کے نام کے ساتھ شریف الجلیل لکھ کر ان کی توصیف اور تعریف کی ہے۔ بقول عمری کہ وہ ہمارے استاد شیخ شرف عبیدلی حسینی کے نانا محترم ہیں شیخ شرف نے ان سے روائیت کی جبکہ ابوالقاسم ابن خداع نسابہ مصری نے بھی روایت کیا۔[3]

ابوالعباس احمد بن علی سے تلعکبری نے احادیث سیرہ بیان کیں اور دعائے حریق سنی ان کے پاس احادیث بیان کرنے کا اجازہ تھا۔[4]

کتاب فلاح السائل میں ابوالعباس احمد بن علی بن ابراہیم کے پوتے ابوحسن علی بن حسین بن احمد المذکور کی بیان کردہ حدیث شامل ہے جسے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا علی بن ابراہیم جوانی سے بیان کیا۔[5]

(۱۰۹) محمد بن حسن الجوانی

محمد بن حسن بن عبیداللہ بن حسن بن محمد صاحب جوانیہ بن حسن بن محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور آپ کو جوانی کہا جاتا تھا۔ نجاشی تحریر کرتے ہیں کہ وہ طبرستان میں رہتے تھے اور فقیہ تھے انہوں نے ان سے احادیث سنیں۔ انہوں نے کتاب ثواب الاعمال تحریر کی۔[6]

الشیخ مفید نے ان سے احادیث روایت کیں۔[7]

---

[1] الکلینی والکافی، از ڈاکٹر شیخ عبداللہ رسول عبدالحسین غفار ص ۱۷۷، موسسہ النشر الاسلامی التابعہ لجماعۃ المدرسین، قم المشرفہ، ۱۴۱۶ ہجری
[2] رجال نجاشی، ص ۲۶۳
[3] المجدی فی انساب الطالبین، از عمری ص ۳۹۹، ۴۰۰
[4] رجال الطوسی، ص ۴۰۹
[5] فلاح السائل، ص ۲۴۶
[6] رجال نجاشی، ص ۳۹۵
[7] معجم رجال حدیث، ج ۱۶ ص ۲۴۰

اور ان کے نام کے ساتھ شریف لکھ کر ان کی توصیف کی۔ محمد بن حسن جوانی نے مظفر بن جعفر علوی عمری سے بیان کیا[1]

(۱۱۰) قاضی محمد بن اسعد الجوانی نسابہ مصری

نقیب قاضی نسابہ عالم الشریف محمد بن اسعد بن علی بن ابوالغنائم معمر بن عمر بن علی بن ابو ہاشم حسین نسابہ بن ابوالعباس احمد بن ابوالحسن علی محدث نسابہ بن ابراہیم بن ابوجعفر محمد صاحب جوانیہ بن حسن بن محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام۔

آپ بہت بڑے نسابہ تھے اور عہدہ قضاوت پر فائز تھے۔

بقول سید حلیم حسن اعرجی نقیب سادات اعرجیہ عراق کہ محمد بن اسعد بن علی بن معمر بن عمر بن علی بن ابوہاشم حسین نسابہ کی کنیت ابوعلی تھی اور آپ کی عرفیت جوانی نسابہ مصری اعرجی تھی۔ آپ عالم فاضل قاضی اور متولی نقابہ الاشراف مصر تھے۔ آپ کی ولادت تین جمادی الثانی ۵۲۵ ہجری بمطابق ۱۱۳۱ عیسوی کو ہوئی اور وفات ۵۸۸ ہجری بمطابق ۱۱۹۱ عیسوی کو ہوئی۔ آپ نے علم الانساب ابی الحسین بن یحیٰی بن محمد بن حیدرۃ ارقطی سے اخذ کیا اور عبدالسلام بن مختار سلفی، ابکرائی، ابی رفاعہ، عبدالولی بن محمد خلمی، عبدالعزیز بن یوسف الزردیلی اور عبدالمعنم بن موہوب سے روایت کیا اور مرتضیٰ بن عفیف اور یونس بن محمد الفاروقی نے آپ سے روایت کی۔

آپ کی تصانیف میں جرائد الطالبین، طبقات الطالبین المسمی تاج الانساب، معیار الانساب، شجرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نزھۃ القلب المعنا فی نسب آل مھنا المصنف النفیس فی نسب آل ادریس، المقدمہ الفاضلیہ فی الانساب ہیں جن کا ذکر عماد الاصفہانی کاتب نے ''خریدۃ القصر'' میں کہا ہے۔[2]

(۱۱۱) علی الصالح بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر

بقول ابی نصر بخاری آپ کی والدہ ام الولد تھیں۔[3]

بقول ابوالحسن عمری کہ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی آپ کو ابی السرایا کے ہمراہ دیکھا گیا۔ آپ کوفی تھے

---

[1] الامالی المفید، ص ۲۹

[2] آل الاعرجی، از حلیم حسن اعرجی، ص ۱۰۳

[3] سر سلسلۃ العلویہ، ص ۷۱

(یعنی کوفے کے رہنے والے تھے)۔آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور آپ کی اولاد کثیر تعداد میں تھی۔[1]

آپ کے بارے میں شیخ نجاشی تحریر کرتے ہیں کہ آپ آل ابی طالب میں اپنے زمانے کے سب سے بڑے زاہد اور عابد تھے۔آپ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور امام رضا علیہ السلام کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ آپ نے امامیہ اصحاب سے میل جول رکھا آپ کے فرزند عبیداللہ بن علی بن عبیداللہ اعرج نے آپ کے حوالے سے احادیث بیان کیں۔محمد بن ابراہیم طباطبا کی خواہش تھی کہ ابوسرایا ان کی ولی عہدی کیلئے لوگوں سے ان کے لئے بیعت لے لیکن علی بن عبیداللہ اعرج نے انکار کردیا۔اس پر ابوسرایا نے زید شہید کے پوتے محمد بن محمد بن زید شہید کو ولی عہد بنایا۔[2]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ علی بن عبیداللہ کی کنیت ابوالحسن تھی۔علی بن عبیداللہ اور انکی زوجہ ام سلمہ بنت عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر کو زوج صالح کہا جاتا تھا۔علی بن عبیداللہ مستجاب الدعا تھے وہ کریم متقی اہل فضل و زہد تھے۔ان کی اولاد میں عراق کی ریاست رہی اور محمد بن ابراہیم طباطبا نے جب کوفہ میں قیام کیا تو آپ کو اپنا وصی بننے کا کہا مگر آپ نے انکار کردیا۔اس کے بعد آپ کے بیٹوں محمد اور عبیداللہ میں سے کسی کو نیابت کی پیشکش کی مگر علی الصالح نے اس نیابت کو بھی قبول نہ کیا نہ بیٹوں کو خروج کی اجازت دی۔[3]

بقول قاضی نور اللہ شوستری علی بن عبیداللہ اعرج اپنے دور کے مشہور عابد اور زاہد تھے اور لوگ انہیں عابد آل ابی طالب یعنی آل ابی طالب کا سب سے بڑا عابد کے نام سے پکارتے تھے۔آپ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضاؑ سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔امام رضاؑ نے انہیں زوج الصالح کے نام سے یاد کیا۔آپ امام رضاؑ کے ہمراہ خراسان گئے اور وہاں ہمارے اصحاب سے میل جول رکھا۔[4]

الکشی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن بندار کی کتاب میں اس کی تحریر میں پڑھا کہ بیان کیا مجھ سے محمد بن یحییٰ عطار نے انہوں نے کہا بیان کیا مجھ سے احمد بن محمد بن عیسیٰ نے علی بن حکم سے انہوں نے سلیمان بن جعفر سے انہوں نے کہا کہ علی بن عبیداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالبؑ نے مجھ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ علی ابی الحسن امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوں میں نے کہا آپ کو اس سے کس چیز نے مانع کیا۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین،ص ۴۰۰

[2] رجال نجاشی،ص ۲۵۶

[3] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از ابن عنبہ ص ۲۹۴،۲۹۵

[4] مجالس المومنین از قاضی نوراللہ شوستری شہید،۱۰۱۹ ہجری،مترجم محمد حسین جعفری،ص ۸۷۰،۸۷۱،اکبر حسین جوانی ٹرسٹ کراچی

انہوں نے کہا ان کے بلند مرتبہ اور احترام کی وجہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک بار امام رضاؑ قدرے علیل ہوگئے لوگ ان کی مزاج پرسی کیلئے جانے لگے میں نے علی بن عبیداللہ سے کہا کہ موقع آ گیا ہے جو تم چاہتے تھے، ابوالحسن امام رضاؑ معمولی سے بیمار ہیں لوگ انکی مزاج پرسی کیلئے جاتے ہیں یہ دن ہے کہ تم بھی اِن سے ملو۔ پھر وہ امام رضاؑ کے پاس عیادت کے لئے گئے امام رضا پوری تکریم اور عزت کے ساتھ ان سے ملے۔ علی بن عبیداللہ بہت خوش ہوئے پھر جب علی بن عبیداللہ بیمار ہوئے تو امام رضا ان کی عیادت کے لئے گئے اور میں ان کے ساتھ تھا۔ آنحضرت اس وقت تک وہاں بیٹھے جب تک کہ گھر میں موجود لوگ جو ملنے آئے تھے سب چلے گئے۔

میری کنیز نے مجھے بتایا کہ علی صالح بن عبیداللہ کی بیوی ام سلمہ پردے کے پیچھے سے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ جب ہم نکلے تو وہ پردے سے باہر نکلیں اور جس جگہ امام رضاؑ بیٹھے ہوئے تھے وہاں اپنا چہرہ رکھ دیا اس جگہ کے بوسے لئے اور وہاں اپنا ہاتھ پھیر کر اپنے چہرے پر ملا۔ سلیمان بن جعفر نے کہا پھر میں علی بن عبیداللہ سے ملنے گیا تو مجھے انہوں نے بتایا جو کچھ ام سلمہ نے کیا تھا۔ میں نے امام رضاؑ کو وہ بات بتائی تھی۔ امام رضاؑ نے فرمایا اے سلیمان! علی بن عبیداللہ اور ان کی بیوی اور ان کی اولاد اہل جنت میں سے ہوں گے۔ اے سلیمان! علی و فاطمہ کی اولاد کو جب اللہ نے اس امر کی معرفت فرمائی ہے تو وہ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔[1]

امام رضاؑ کے اس فرمان کو کلینی نے اس طرح نقل کیا ہے کہ محمد بن یعقوب نے ہمارے متعدد اصحاب سے روایت کی ہے انہوں نے احمد بن محمد بن عیسیٰ سے انہوں نے علی بن حکم سے انہوں نے سلیمان بن جعفر سے انہوں نے کہا میں نے امام رضاؑ کو فرماتے ہوئے سنا بے شک علی بن عبیداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ اور ان کی بیوی اور ان کے بیٹے اہل جنت میں سے ہیں۔ پھر فرمایا علی و فاطمہ کی اولاد میں سے جس نے اس امر کی معرفت حاصل کی وہ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہے۔[2]

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ محمد بن ابراہیم طباطبا نے وصیت کرتے ہوئے کہا میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرو اور اپنے دین کا دفاع کرو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کی نصرت کرنا بے شک تمہاری ذات

---

[1] رجال کشی، از ابی عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی، متوفی ۳۵۰ ہجری، تحقیق مہدی رجائی، ص ۵۹۳، موسسہ نشر فی جامعہ، مشہد

[2] الاصول من الکافی از ثقۃ الاسلام ابی جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی متوفی ۳۲۹ ہجری، تعلیق علی اکبر غفاری حدیث اوّل ج ۱ ص ۳۷۷، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ایران

کے ذریعے ان تک رسائی ہوگی اولادعلیؑ سے نیک اور صالح شخص کو میرا نائب مقرر کرنا۔ اگر اس حوالے سے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوجائے تو علی بن عبیداللہ کو یہ ذمہ داری سونپنا اور وہی میرے جانشین ہوں گے کیونکہ ان کو میں نے آزما رکھا ہے اور میں ان کے دین سے راضی ہوں لیکن علی الصالح نے تحریک کی سرپرستی قبول نہ کی تو ابوسرایا نے یہ عہدہ محمد بن محمد بن زید شہید کے حوالے کردیا۔

اولادعلی الصالح بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر:

نسابین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابراہیم (۲) عبیداللہ ثانی اوران دونوں کی والدہ ام سلمہ بنت عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔

(۱۱۲) شیخ شرف عبیدلی

ابوالحسن محمد بن ابوجعفر محمد بن ابی الحسن علی جرار بن ابومحمد حسن بن ابوالحسن علی قتیل سامراء بن ابراہیم رئیس کوفہ بن علی الصالح بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ اسلام آپ اپنے زمانہ کے مشہور نسابہ تھے۔ ان کی کتابوں سے نسب کی کتابوں میں نقل کیا گیا۔

بقول عمری کہ میری شیخ واستاد ابوالحسن نسابہ مصنف شیخ شریف ۹۹ سال زندہ رہے۔ اوران کے اعضا دو جوارح سلامت رہے ان کی عرفیت باابن ابی جعفر تھی اور اسم محمد بن محمد بن علی بن حسن بن علی بن ابراہیم بن علی بن عبیداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھا۔ ان کے بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ مگر ان میں سے منقرض ہوگئے یا درج رہے ان کی بقایا بیٹیوں کے علاوہ اولاد نہ بچی۔[1]

آپ ۳۳۸ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۴۳۷ ہجری کو دمشق میں فوت ہوئے ان کا لقب شیخ الشرف تھا انہوں نے کثیر کتابیں لکھیں اور شعر کہے۔ وہ بغداد سے موصل منتقل ہوئے پھر واپس بغداد آئے وہ علم الانساب میں منفرد تھے۔[2]

محمد بن محمد عبیدلی نے طویل عمر پائی یہاں تک کہ شریف ابی محمد حسن المعروف ابن اخی طاہر جو ۳۵۸ھ میں فوت ہوئے اُن سے روایت کی شیخ شرف عبیدلی بہت بڑے عالم اور فاضل تھے جن کی طرف اس زمانے کا علم الانساب منتھیٰ ہوتا ہے اس سلسلہ میں ان کی تصانیف بڑی تعداد میں ہیں جن میں مختصر بھی ہیں اور طویل بھی

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین، از ابوالحسن عمری، ص ۴۰۱

[2] الوافی بالوفیات: ج اول: ص ۱۰۹

آپ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ، شریف رضی، اور شیخ ابی الحسن عمری صاحب المجدی کے استاد تھے وہ ۹۹ سال کی عمر تک پہنچے اور ان کے اعضاء اس وقت تک بالکل صحیح تھے۔[1]

عمری نے اپنی کتاب المجدی فی انساب الطالبین میں ان سے کثرت سے روایت کی ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ محمد بن محمد المعروف شیخ شرف شیعہ مشائخ میں سے ایک تھے وہ انساب کے علامہ تھے۔ انہوں نے اپنے والد، ابن عقدہ، محمد بن عمران المرزبانی اور ابی عمر حیویہ وغیرہ سے روایت کی جبکہ ان سے ابوحرب محمد محسن علوی احمد بن محمد الوتار، ابومنصور محمد بن محمد بن عبدالعزیز عکبری اور دوسروں نے روایت کی۔ ابی الفرج اصفہانی سے انہوں نے کتاب ''دریارات'' روایت کی۔[2]

(۱۱۳) السماء للہ والارض لبنی عبیداللہ (بنی عبیداللہ)

یہ جملہ عراق میں کسی زمانے میں بہت مشہور تھا۔ اور جملہ عبیداللہ ثالث بن علی بن عبیداللہ ثانی بن علی الصالح بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین کی اولاد کے لئے کہا گیا۔ اور بقول ابن عنبہ یہ جملہ محمد اشتر بن عبیداللہ ثالث کی اولاد کے لئے کہا گیا عبیداللہ ثالث بن علی بن عبیداللہ ثانی کی اولاد بقول ابن عنبہ تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) محمد الصبیب (۲) ابوالحسن علی قتیل لصوص (۳) محمد اشتر

ان میں بقول ابن عنبہ امیر ابوالحسین محمد اشتر بن عبیداللہ ثالث کا لقب اشتر اسی لئے تھا کہ ان کے چہرے پر ضربت کا نشان تھا جو فدان الزیدی کے غلام نے لگائی ابوالطیب کی دیوان کے پہلے قصیدے میں انہیں کی مداح موجود ہے بقول ابن عنبہ آپ کی بیس اولادیں تھیں۔ جن میں کوفہ کی ملکیت اور اثر نفوذ اس قدر تھا کہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا۔

''السماء للہ والارض لبنی عبیداللہ''

آسمان اللہ کا ہے اور زمین بنی عبیداللہ کی ہے۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ آٹھ پسران سے جاری ہوا جو کوفہ کے سیاہ سفید کے مالک تھے:

(۱) امیر حاج ابوعلی محمد (۲) عبیداللہ رابع (۳) ابوالفرج محمد (۴) ابوطیب حسن (۵) ابوالقاسم حمزہ شوصہ (۶) ابو العباس احمد البن (۷) ابولرجاء محمد (۸) ابوالفتح محمد المعروف بابن صخرہ۔

---

[1] درجات الرفیعہ، از صدرالدین سید علی خان شیرازی المتوفی ۱۱۲۰: ص ۴۸۰، ۴۸۱: منشورات، بصیرتی قم)
[2] تاریخ اسلام: از ذہبی، ج ۲۹: ص ۴۴۰، ۴۴۱

(۱۱۴) بنی کمونہ

امیر ابوالفتح محمد المعروف بابن صخرہ بن محمد الاشتر بن عبیداللہ ثالث کی اولاد میں ایک فرزند ابی طاہر عبداللہ تھے الشریف مرتضیٰ علم الہدیٰ موسوی کے ایام میں نقیب بغداد رہے۔ آپ کے دوفرزند سے اولاد چلی:
(۱) ابو برکات محمد نقیب واسط (۲) ابوالفتح محمد نقیب۔

کوفہ میں اِن ابوالفتح محمد نقیب کوفہ بن ابی طاہر عبداللہ بن امیر ابوالفتح محمد المعروف بابن صخرہ کی اولاد سے شکر الاسود بن ابوجعفر نفیس ھبت اللہ بن ابوالفتح محمد نقیب کوفہ المذ کور تھے بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ ابن مرتضیٰ موسوی نسابہ نے طعن کیا کہ آپ کی والدہ جاریہ تھیں اور اس نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ابو جعفر نفیس ھبت اللہ سے نکاح کیا لیکن شریف سید عبدالحمید نسابہ بن تقی حسینی نسابہ نے آپ کا نسب صحیح ثابت کیا اور کہا کہ آپ کی والدہ کے نام سعادہ تھا اور وہ ام الولد تھیں اس میں شک نہیں کہ عبدالحمید نسابہ کی خبر زیادہ صادق ہے کیونکہ وہ شکر الاسود کے زمانے کے زیادہ قریب تھے اور ابن مرتضیٰ موسوی نے تو اور بھی ۷۰ علوی خاندانوں پر اس طرح کے بہتان لگائے ہے[۱]

شکر الاسود بن ابوجعفر نفیس ھبت اللہ بن ابوالفتح محمد نقیب کوفہ کی اولاد سے سید محمد کمونہ تھے جن کی اولاد بنی کمونہ کہلائی ان کا نسب اس طرح ہے۔ سید محمد کمونہ بن عزالدین حسین بن ناصر الدین محمد بن علی بن حسین بن جعفر بن ابی منصور بن ابوالفوارس طرادین شکر الاسود المذکور ہے[۲]

بقول قاضی نوراللہ شوستری یہ سادات رفیع الدرجات کا ایک گھرانہ ہے یہ گھرانہ ایک طویل عرصہ سے عراق عرب اور بالخصوص کوفہ میں رہائش پذیر رہے۔ بنی کمونہ کے الفاظ اصل میں غلط العام کے طور پر مشہور ہوا ورنہ اصل یہ لفظ بنی کمکمہ تھا۔

ماہر انساب میر محمد قاسم سبزواری نے اپنی بعض مولفات میں لکھا ہے کہ کہ سادات کمونہ کی جماعت کوفہ کے نقبائے کرام کی اولاد ہے۔ قدیم زمانہ سے یہ سادات عراق عرب بالخصوص کوفہ کے سادات کی نقابت اسی خاندان میں مرتکز رہی ہے اور ہر دور میں اس خاندان میں مشاہیر اور علماء پیدا ہوتے رہے اور سید مرتضیٰ علم الھدیٰ سے ان کی نیابت میں یہی خاندان نقیب سادات کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اس سلسلہ کے متاخرین میں سید محمد کمونہ معتبر شخصیت ہیں۔

---

۱ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۹۹
۲ مدرک الطالب، ص ۲۶۹،۲۶۸

آپ نجف اشرف کے نقیب تھے اور جس وقت شاہ اسماعیل صفوی نے عراق فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت کے حاکم بغداد''باریک بیگ پرناک'' نے انہیں اپنا مخالف اور شاہ اسماعیل صفوی کا حامی سمجھتے ہوئے ایک تنگ و تاریک مکان میں نظر بند کر دیا۔ اور پھر اس نے یہ سوچا کہ عوام کی اکثریت مذہب شیعہ سے تعلق رکھتی ہے وہ کبھی اس نظر بندی پر رضا مند نہیں ہوں گے۔تو اس نے سید محمد کمونہ کو رہا کر دیا اور خود بغداد چھوڑ کر بھاگ گیا۔

اس کے بعد شاہ اسماعیل صفوی نے عراق کو با آسانی فتح کر لیا اور سید محمد کمونہ کو بُلا کر تمام عتبات عالیات کا متولی قرار دیا اور یہ سلسلہ ان کی اولاد میں جاری رہا[1]

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سید محمد کمونہ سلطان سلیم عثمانی کے ساتھ ہونے والی جنگ میں شہید ہوئے۔

آپ کی اولاد میں سے سید عبدالرزاق آل کمونہ نسابہ بن حسن بن اسماعیل بن ابراہیم بن اسماعیل بن مبارک بن بدرالدین بن احمد بن سید حسین نقیب متوفی ۹۵۰ھ بن سید محمد کمونہ المذکور آپ بہت بڑے نسابہ، مورخ عالم، فاضل اور فقیہ تھے۔آپ نے علم الانساب پر کئی کتابیں تحریر کیں۔جن میں منیہ الراغبین فی طبقات النسابین اور موارد الاتحاف فی نقباء الاشرف بہت زیادہ عمدہ تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔

(۱۱۵) بنی مختار

ابوعلی عمر المختار امیر حاج بن ابی العلاء مسلم احول بن ابوعلی محمد امیر حاج بن محمد اشتر بن عبیداللہ ثالث بن علی بن عبیداللہ ثانی بن علی صالح بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین علی ابن الطالب علیہ السلام ابوعلی عمر المختار کی اولاد ایک فرزند ابوالفضائل عبداللہ سے جاری ہوئی اور ان کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابوعبداللہ احمد (۲) عزالدین ابی نزار عدنان پھر عزالدین ابی نزار عدنان بن ابو الفضائل عبداللہ کی اولاد سے دو فرزند تھے: (۱) عزالدین معمر (۲) ابوجعفر عمید الدین نقیب کوفہ ان میں ابوجعفر عمید الدین نقیب کوفہ کے بھی دو فرزند تھے: (۱) فخر الدین محمد نقیب شاعر اطروش (۲) ابی القاسم شمس الدین علی۔

ان ابی القاسم شمس الدین علی بن ابوجعفر عمید الدین نقیب کوفہ کی اولاد سے سید شمس الدین علی (جو بنی عباس کے زمانے میں آخری نقیب سادات تھے) بن تاج الدین حسن نقیب النقباء عراق عارض جیش مستنصر باللہ

---

[1] مجالس المومنین از قاضی نور اللہ شوستری شہید ۱۰۱۹ ہجری: مترجم محمد حسین جعفری: ص ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی

عباسی (متوفی ۷۶۴ ہجری) بن ابی القاسم شمس الدین علی المذکور تھے۔

سید شمس الدین علی ابن تاج الدین حسن کے فرزند سید عمید الدین عبدالمطلب عبید لی مختاری نجفی متوفی ۷۰۷ ہجری تھے۔ بقول قاضی نور اللہ شوستری کہ بنی مختار سادات کا ایک خاندان ہے جن کا نسب ابوعلی مختار عمر تک منتھیٰ ہوتا ہے۔ جو نقیب اور امیر حاج تھے اسی خاندان کے بزرگ ایک عرصہ روضہ مبارک امام علیؑ کے نقیب رہے اور امیر الحج کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اس خاندان کے سید شمس الدین علی بن ابو القاسم ثانی بن عبدالمطلب بن جلال الدین ابی نصر ابراہیم بن عمید الدین عبدالمطلب عبید لی مختاری نجفی نے بادشاہ شارخ میرزا کے عہد حکومت میں نجف اشرف سے خراسان ہجرت کی اور سبزوار میں رہائش اختیار کی ان کے پانچ فرزند تھے:(۱) سید محمد شرف الدین (۲) شمس الدین علی (۳) شرف الدین برکہ (۴) زین العابدین (۵) جلال الدین ابراہیم

پھر ان میں سید شمس الدین علی بن علی بن ابوالقاسم ثانی کو بادشاہ نے صاحب طبل اور صاحب علم بنایا اور صوبہ سبزوار کا نظم ونسق ان کے حوالے کیا تھا اور مشہور ماہر انساب میر محمد قاسم کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔

اور جب سلطان حسین میرزا کے عہد میں بلخ میں آستانہ امیر المومنین علی (مزار شریف) ظاہر ہوا تو سید شرف الدین برکہ بن سید شمس الدین علی سبزوار سے بلخ چلے گئے اور سلطان حسین میرزا نے انہیں بلخ کا نقیب النقباء کا منصب عطا کیا[1]

بنی مختار سے منسوب ایک خاندان کشمیر میں بھی ہے۔جن کا نسب ابوعلی عمر مختار پر منتھیٰ ہوتا ہے۔

(۱۱۶) جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغرؑ

بقول نسابہ کبیر ابوالحسن عمری کہ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر کی والدہ جحجیہ تھیں اور شیعہ ان کو حجۃ کہتے تھے یہ فصیح تھے ان کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔[2]

جعفر الحجۃ بلاغت اور براعت میں زید شہید بن امام زین العابدینؑ کے مشابہ تھے اور زید بن علی زین العابدین مولا علی ابن ابی طالبؑ کے مشابہ تھے۔ ابوالبختری وہب بن وہب نے انہیں مدینہ میں قید رکھا اور یہ عیدین کے علاوہ باہر نہ نکلے بقول قاسم الرسی ابن ابراہیم طباطبا کے جعفر بن عبیداللہ آئمہ آل محمد میں سے تھے۔[3]

---

[1] اقتباس از بی مجالس المومنین وعمدہ الطالب

[2] المجدی فی انساب الطالبین: ص ۴۰۶

[3] سر سلسلہ العلویہ: از ابی نصر بخاری: ص ۴۷

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ جعفر بن عبیداللہ آئمہ زیدیہ میں سے تھے بقول قاسم رسی بن ابراہیم طبا طبا کہ آپ آئمہ آل محمد میں سے تھے آپ بہت زیادہ فصیح تھے اور ابو بختری وہب بن وہب نے آپ کو اٹھارہ ماہ قید رکھا۔ اور آپ عیدوں کے علاوہ افطار نہیں کرتے تھے۔[1]

بقول شیخ عباس قمی کہ مدینے کے والی ابو بختری وہب بن وہب کی قید میں خلیفہ ہارون رشید عباسی کے عہد میں ۱۸ ماہ بعد آپ نے وفات پائی۔[2]

بقول سید صفی الدین باابن طقطقی کہ جعفر بن عبیداللہ اعرج سادات بنی ہاشم میں سے تھے آپ صاحب فضل، ورع، حلم اور شرف تھے۔ آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کرنے والے تھے اور شیعہ ان کو زمین پر اللہ کی حجت کہتے تھے۔ اور جعفر بن عبیداللہ بلاغت اور براعت میں زید بن علی کے مشابہ تھے اور وہ حضرت علی کے مشابہ تھے۔[3]

بقول سید یحییٰ نسابہ کہ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ کی والدہ حمادہ بنت عبداللہ بن صفوان عبداللہ بن صفوان بن امیہ بن خلف الجمی تھیں۔[4]

سید ضامن بن شدقم اپنی کتاب تحفہ لب لباب فی ذکر نسب السادہ الانجاب میں تحریر کرتے ہیں۔ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج، سید فاضل عالم، صالح، زاہد، عابد اور فصیح تھے اور ان کو حجۃ کہا جاتا تھا۔ اور وہب بن وہب ابو بختری جو ہارون رشید کی طرف سے والی مدینہ تھا نے آپ کو ۱۸ مہینے تک قید رکھا اور جعفر الحجۃ نے عیدین کے علاوہ افطار نہ کیا۔ آپ کی اولاد میں مدینے کی امارت سن ۹۹۲ تک رہی۔[5]

بقول سید ضامن بن شدقم در کتاب تحفہ الازھار کہ ابو الحسن جعفر الحجۃ کی والدہ حجیہ تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ مصعبہ بنت عبدالاوّل جو محمد بن ابراہیم بن محمد نفس ذکیہ کی بھی والدہ تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ جمال بنت عبداللہ بن صفوان بن عبداللہ بن صفوان بن عوام بن عبداللہ بن زبیر تھیں۔[6]

لیکن ان سب اقوال میں سب سے زیادہ درست قول سید یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ کا ہے کیونکہ وہ

---

[1] عمدہ الطاب فی انساب آل ابی طالب: ص ۳۰۳

[2] احسن المقال ترجمہ منتھیٰ الآمال ج ۲ ۱۳۳

[3] الاصیلی فی انساب الطالبین: از ابن طقطقی: ص ۳۰۶

[4] المعقبین از سید یحییٰ بن حسن عقیقی علوی، ص ۹۸

[5] تحفہ لب لباب فی ذکر السادہ الانجاب، ص ۱۰۱، ۱۰۲

[6] تحفہ الاذھار، از ضامن بن شدقم، ج ۲ ص ۱۵۷

آپ کے پوتے تھے اس لئے ان کو اپنی دادی کا بہتر علم ہوگا۔ ان کے مطابق سید جعفر الحجۃ کی والدہ حمادہ بنت عبداللہ بن صفوان بن عبداللہ بن صفوان بن اُمیہ بن خلف الجمی تھیں۔

سید جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج کی زندگی پر بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ کہیں نہ کہیں سیاسی طور پر ضرور فعال تھے جس کی وجہ سے ہارون رشید کو والی مدینہ ابوبختری وہب بن وہب کو یہ کہنا پڑا کہ جعفر الحجۃ کو قید کر لیا جائے۔ کیونکہ ابوبختری خود سے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اور وہ بھی سادات کی اتنی اہم شخصیت کے خلاف ایسا قدم اٹھانا ناممکن تھا۔ ہارون رشید ایسا حکمران تھا کہ اس کو جس سے بھی خطرہ ہوتا اُسے قید کرواتا اور قید کے دوران قتل کروا دیتا اس کی تین بڑی مثالیں موجود ہیں۔ (۱) امام موسیٰ کاظمؑ (۲) عبداللہ بن حسن افطس بن علی بن امام زین العابدینؑ (۳) یحییٰ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ مذکورہ بالا تینوں سادات کے اہم افراد میں سے تھے جن میں سے اوّل امام موسیٰ کاظم کے بارے میں علی بن اسماعیل بن امام جعفر صادق کی چغلی کی وجہ سے ہارون رشید نے امام پاک کو قید کر لیا دوسرا اُسے خطرہ تھا کہ امام کی ہیبت اور جلالت کی وجہ سے سارا خراسان اور عرب ان کی جانب جھک جائے گا۔

کیونکہ عرب میں بڑی تعداد میں لوگ امام موسیٰ کاظمؑ سے منسلک تھے۔ اس لئے ہارون نے سرکار امام موسیٰ کاظمؑ کو قید کر دیا تاکہ عرب وعجم کے لوگ ان سے رابطہ نہ کر سکیں۔ اور یوں امام کو قید میں ہی شہید کر دیا گیا۔ دوم عبداللہ بن حسن افطس بن علی بن زین العابدینؑ جو کہ جنگ فخ کے غازیوں میں سے تھے ہارون رشید کو ان سے بھی یہ ڈر تھا کہ جنگ فخ میں حصہ لینے والے افراد کہیں دوبارہ اکٹھے ہو کر خروج نہ کریں اس سلسلے میں ہارون نے ان کو قید کر لیا مگر اس کے وزیر جعفر بن یحییٰ برمکی نے اس کی اجازت کے بغیر ہی عبداللہ کو قتل کروا دیا۔ جس کی وجہ سے ہارون رشید نے جعفر برمکی کو بھی قتل کروا دیا۔ سوئم یحییٰ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ آپ بھی جنگ فخ کے فراریوں میں سے تھے اور دیلم چلے گئے اور وہاں عوام الناس کی بڑی تعداد آپ کی گرد جمع ہوگئی۔ تو ہارون رشید کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ اس لئے مصلحت سے کام لیتے ہوئے ہارون رشید نے ان کو امان نامہ دے کر بغداد بلایا اور قید کر لیا اور بعد میں اذیت دے دے کر شہید کروا دیا۔

یوں حضرت جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ بھی چونکہ سادات کی اہم شخصیات میں سے تھے اور زیدی حضرات ان کے بے حد معتقد تھے اور آپ جیسی شخصیات کے علم اور حلم کا چرچا دور دور تھا۔ اس کے علاوہ نسابین اور مورخین کے اقوال کے مطابق سید جعفر الحجۃ فصاحت اور بلاغت میں جناب زید شہید بن امام زین العابدینؑ کے مشابہ تھے اور جناب زید شہید فصاحت اور بلاغت میں امیر المومنین علی ابن ابی

طالبؑ کے مشابہ تھے اور یہ مماثلت بنی عباس کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی ویسے بھی سادات میں سے خطباء سے حکمران اتنے ڈرتے تھے جتنا کسی طاقت ورلشکر سے بھی نہیں ڈرتے۔

اس لئے ہارون رشید نے جعفر الحجۃ سے بھی خطرہ محسوس کیا ہوگا اور والی مدینہ سے کہا ہوگا ان کو قید کرلو اور دوران قید ہی زہر کے ذریعہ قتل کرنا۔ ہارون رشید باقی عباسی حکمرانوں کے برعکس جھٹ سے قتل نہیں کرتا تھا۔ پہلے قید کرتا تھا تاکہ عوام الناس کے دل و دماغ سے مذکورہ شخصیت کی یاد کم ہو جائے اور پھر دوران قید خاموشی سے زہر دے دیتا تھا۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور یحییٰ بن عبداللہ محض کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح سے کیا گیا۔ پہلے نظر بند کیا پھر قید کیا تاکہ عوام میں ان کی مقبولیت کم ہو جائے اور پھر خاموشی سے زہر دے دی۔ ایسا ہی معاملہ جناب جعفر الحجۃ کے ساتھ بھی کیا گیا آپ کو مدینہ میں قید کر دیا گیا اور پھر زہر دے دی گئی۔ کیونکہ دوران قید فوت ہو جانے کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوتی ہے۔ سرکار جعفر الحجۃ کو ۱۸ مہینے تک قید میں رکھ کر ان کی عوام الناس میں مقبولیت کو مسلسل کم کیا گیا اور پھر زہر پلایا گیا یا کسی اور طریقے سے شہید کر دیا گیا۔

جناب جعفر الحجۃ کے والد محترم نے اپنی زندگی میں خراسان کا سفر کیا تھا جہاں اہل خراسان نے ان کو محترم و بزرگ شمار کیا۔ اور سلیمان بن کثیر خزاعی نے ایک بھرے ہجوم میں ان کو کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

یہاں ابومسلم خراسانی کو خطرہ محسوس ہوا اور اس نے عبیداللہ اعرج سے کہا کہ یا عبیداللہ نیشاپور آپ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا خود عبیداللہ اعرج بھی ابومسلم خراسانی کی باتوں سے خوفزدہ تھے کیونکہ عبیداللہ اعرج کو معلوم تھا کہ ابومسلم بنوعباس کا خراسان میں سب سے بڑا داعی ہے۔ اور خراسان میں اس کو بہت طاقت حاصل ہے اور یہاں یہ کچھ بھی کر سکتا تھے۔ اس لئے آپ نے سلیمان بن کثیر خزاعی کے اصرار کا جواب نہ دیا لیکن پھر بھی خطرہ محسوس کرنے پر ابومسلم نے آپ کو زہر دے دی جس سے آپ شہید ہو گئے۔

اسی طرح چونکہ جعفر الحجۃ کے والد محترم عبیداللہ اعرج خراسان میں مقبول تھے تو ہارون کو یہ خطرہ ضرور محسوس ہوا ہوگا کہ کہیں جعفر الحجۃ اپنے والد کے طرفداروں سے قیام کی راہ ہموار نہ کرلیں۔

اس کے علاوہ ایک عام قول جو جعفر الحجۃ کے متعلق ملتا ہے کہ شیعہ ان کو زمین پر خدا تعالیٰ کی حجت کہتے تھے اس سے عام مطلب یہ نکلتا ہے کہ سرکار جعفر الحجۃ شیعان علی میں ایک مقبول شخصیت تھے۔ اس لئے اس زمانے کے شیعہ زعماء ان کو خدا تعالیٰ کی زمین پر حجت سمجھتے تھے۔

اور جس کو خدا کی حجت سمجھا جائے اس پر عوام الناس کی آس ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا شخصیت ہمیں حاکم طبقہ کے ظلم سے نجات دے گا۔ اس لئے ہارون رشید کو ان کی شیعان علی میں مقبولیت خطرہ محسوس ہوئی۔ اور اس نے ابو بختری وہب بن وہب کے ذریعے آپ کو قید کرلیا۔ بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ آپ آئمہ زیدیہ میں سے تھے۔ اگر آپ آئمہ زیدیہ میں سے تھے تو بھی ہارون رشید کو آپ سے خطرہ ضرور تھا کیونکہ دوسری صدی سے تیسری صدی ہجری کے دوران آئمہ زیدیہ نے بہت سے خروج کیئے اور حکومتوں کو چین کی سانس نہ لینے دیا۔ ان میں زید شہید، یحییٰ بن زید، محمد نفس ذکیہ، ابراہیم قتیل باخمریٰ کے خروج بہت مشہور ہیں۔

آئمہ زیدیہ کبھی کسی حاکم سے ٹکرانے میں خوفزدہ نہیں ہوئے چند سو افراد کے ہمراہ بھی لاکھوں کے لشکر سے ٹکرا گئے۔

بقول قاسم رسی بن ابراہیم طباطبا کہ جعفر الحجۃ آئمہ آل محمد میں سے تھے یہ قول آپ کے علم سے متعلق ہے کیونکہ آپ عالم فاضل اور زاہد تھے۔ اس سے مراد وہ آئمہ نہیں جو اثناء عشر امام منصوص من اللہ ہیں۔ اس سے مراد آپ اولاد رسول میں صاحب علم رہبر اور رہنماء تھے۔ یہ خوبی بھی عباسی عاملوں کے لئے کہاں ہضم ہونے والی تھی۔

ان دلائل اور بحث سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آپ کو قید کے دوران بحکم حاکم وقت ہارون رشید شہید کر دیا گیا۔ آپ کی اولاد بہت کثیر ہے اور پاکستان میں سادات ہمدانیہ اور سادات حسینیہ پارہ چنار دونوں آپ کی اولاد ہیں۔

اولاد جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر:

بقول ابوالحسن عمری کہ آپ اولاد دو پسران سے جاری ہوئی (۱) ابوعبداللہ حسین (۲) ابومحمد حسن۔
ان میں ابوعبداللہ حسین بن جعفر الحجۃ کی وفات ۲۲۶ ہجری کو ہوئی تقریباً ۴۸ سال کی عمر میں آپ احادیث کے راوی تھے اور بہت سخی تھے۔

آپ کی اولاد سے زینب بنت حسین بن جعفر الحجۃ کی شادی عمر اطرف بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی اولاد میں سے کسی شخص سے ہوئی۔ اور ان میں سے کلثوم بنت حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ کی شادی ابراہیم بن یوسف الجعفر ی سے ہوئی۔ (یعنی اولاد جعفر اطیار میں مذکورہ شخص سے) اور ان کلثوم کی بہن زینب کی شادی عمری علوی بلخی سے ہوئی (یعنی اولاد عمر اطرف بن امام علی کی اولاد سے کسی ایسے شخص سے جو بلخ میں مقیم تھا) اور ان کی اولاد (حسن بن حسین جعفر الحجۃ) بلخ میں محلہ جلاباد میں آباد ہوئی جو محلہ ہے بلخ اور ہرات کا

اورحسن بن جعفر الحجۃ کی جو کہ مدینہ میں تھے کہ اور ان کی کنیت ابو محمد تھی اور بہت سخی تھے ان کی وفات ۲۲۱ ہجری کو ۷۳ سال میں ہوئی۔[1]

بقول امام فخر الدین رازی کہ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج کی اولاد دو فرزندوں سے جاری ہوئی: (۱)حسن ابو محمد (۲)حسین ابا عبداللہ۔

ان میں حسن بن جعفر کی اولاد صرف ایک فرزند سید ابوالحسین یحییٰ نسابہ مدنی سے جاری ہوئی۔ اور یحییٰ نسابہ کی اولاد سات بیٹوں سے جاری ہوئی۔ (۱) ابو القاسم طاہر، محدث عالم نسابہ شیخ الحجاز، جو سادات کے اکابرین میں سے تھے۔ (۲) جعفر ابو عبداللہ (۳) عبداللہ ابو العباس (۴) محمد ابوالحسن الاکبر (۵) ابراہیم ابو حسن (۶) احمد ابوجعفر (۷) علی ابوحسن۔

اورحسین بن جعفر الحجۃ کی اولاد ایک فرزند ابو محمد حسن بلخی سے جاری ہوئی اور ان کی والدہ زبیر یہ تھیں اورحسن بن حسین بن جعفر الحجۃ کی اولاد ایک فرزند علی جلابادی سے جاری ہوئی اور ان علی جلابادی بن حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ کی اولاد چار فرزندان سے جاری ہوئی: (۱) ابوعلی عبیداللہ (۲) ابو احمد عبداللہ اور ان کا نام محمد بھی کہا گیا (۳) محمد ابو العباس (۴) حسن ابو احمد۔[2]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ جعفر الحجۃ بن عبید اللہ اعرج کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱)حسن (۲)حسین، ان میں حسن بن جعفر الحجۃ کی اولاد میں بادشاہ اور سادات کے نقباء تھے اورحسن بن جعفر الحجۃ کی اولاد ایک فرزند سید یحییٰ نسابہ سے جاری ہوئی اور کہا جاتا ہے کہ کہ یہ اوّل تھے جنہوں نے آل ابی طالب کے نسب کو کتاب کی صورت میں جمع کر کے تحریر کیا۔ ان کی اولاد سات پسران سے جاری ہوئی (۱) طاہر (۲) علی (۳) ابوالعباس عبداللہ (۴) ابوعبداللہ جعفر (۵) ابواسحاق ابراہیم (۶) ابوحسن محمد اکبر العالم نسابہ (۷) احمد اعرج۔[3]

بقول ابی نصر بخاری کہ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ کی اولاد میں علی بن محمد بن جعفر بن عبیداللہ بن حسین اصغر تھے جن کی اولاد طبرستان میں تھی۔ اور مدینہ میں عقیقی حضرات محمد بن علی بن اسماعیل بن جعفر بن عبید اللہ بن حسین اصغر بن علی بن حسین بن علیؑ سے تھے۔ لیکن تمام عقیقی اسماعیل بن جعفر بن عبیداللہ کی اولاد سے نہیں تھے۔ اور ان کا نسب ثابت ہوتا ہے۔[4]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین: از عمری: ص ۴۰۶

[2] الشجرہ المبارکہ از امام فخرالدین رازی: ص ۱۴۸۔ ۱۵۲

[3] عمدہ الطالب فی انساب آل ابی طالب: از ابن عنبہ: ص ۳۰۳، ۳۰۴

[4] سر سلسلہ العلویہ: ابی نصر بخاری: ص ۷۳

یہاں پر ابی نصر بخاری کے بقول جعفر الحجۃ بن حسین اصغر کے دو فرزند محمد اور اسماعیل تھے جبکہ ایسا کسی بھی دیگر نسابہ سے منقول نہیں ہے۔ جمہور دیگر نسابین کے بقول ان کا نسب دو پسران: حسن اور حسین سے جاری ہوا۔ یہاں لگتا ہے کہ ابی نصر بخاری کو مغالطہ ہوا ہے۔ کیونکہ محمد اور اسماعیل نامی فرزند جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج کے نہ تھے بلکہ جعفر اصحصح بن عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر کے تھے یعنی جعفر الحجۃ کے چچازاد کے بیٹے تھے ایک جیسے نام ہونے کی وجہ سے ابی نصر بخاری کو اشتباہ ہوا۔ اور ان حضرات کے نام محمد عقیقی اور اسماعیل منقدی اور ان سے منسوب افراد عقیقی کہلواتے تھے۔

بقول ابن خلدون کہ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ بن حسین اصغر کی اولاد نے مدینہ میں امارت حاصل کی۔[1]

اور بقول شیخ عباس قمی یہ امارت ان میں ۱۰۸۸ ہجری کے بعد تک ان کے پاس رہی۔[2]

(۱۱۷) یحییٰ بن حسن محدث نسابہ عقیقی علوی عبیدلی

یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ الاعرج بن حسین اصغر مشہور نسابہ مورخ اور محدث تھے بقول سید ضامن بن شدقم نسابہ مدنی کہ آپ کی والدہ رقیہ الصالحہ بنت یحییٰ بن سلیمان بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔[3]

آپ کی کنیت ابوالحسین تھی۔ شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن حسن مدنی عرب کے اصول وفروع کو جانتے تھے اور عربوں کے نسب اور حرمین شریفین کے واقعات اور خبروں کے حافظ تھے وہ عقیق مدینہ میں ۲۱۴ ہجری کو پیدا ہوئے اور مکہ میں ۲۷۷ھ میں فوت ہوئے۔ انہیں ام المومنین خدیجہ کبریٰ کی قبر کے قریب دفن کیا گیا انہوں نے اولاد ابو طالب پر سب سے پہلی نسب پر کتاب تحریر کی۔[4]

بقول نجاشی کہ آپ عالم فاضل اور صدوق تھے نجاشی کے مطابق یحییٰ بن حسن نے امام علی رضاؑ سے روایت کی۔[5]

شیخ طوسی کے مطابق ان سے ابن عقدہ نے بھی روایت کی اور ابن عقدہ سے احمد بن محمد بن موسیٰ نے

---

[1] تاریخ ابن خلدون: ج چہارم: ص ۱۲

[2] احسن المقال ترجمہ منتہیٰ الآمال: ج دوئم: ص ۱۳۳

[3] تحفہ الازھار: از ضامن بن شدقم نسابہ: ج دوم: ص ۱۷۶

[4] احسن المقال ترجمہ منتہیٰ الآمال: ج دوم: ص ۱۳۴، ۱۳۵

[5] رجال نجاشی: ص، ۴۴۱، ۴۴۲

روایت کی۔[1]

سید خوئی لکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ صحیح ہے کیونکہ احمد بن محمد بن موسیٰ ثقہ ہیں جبکہ یحییٰ بن حسن کے پوتے المعروف ابن اخی طاہر کا سلسلہ ضعیف ہے۔[2]

یحییٰ بن حسن سے ان کے بیٹے طاہر نے بھی احادیث بیان کیں۔[3]

بقول نجاشی کہ یحییٰ بن حسن نے کتابیں تصنیف کیں جن میں کتاب آل ابی طالب اور کتاب المسجد شامل ہیں۔[4]

اخبار الزینبات بھی ان کی تحریر کردہ کتاب ہے۔[5] شیخ طوسی نے ان کی کتاب المناسک کا بھی ذکر کیا ہے جس میں امام زین العابدینؑ سے روایات ہیں۔[6]

الغضائری کا یہ قول بھی یحییٰ بن حسن کی مدح بیان کرتا ہے جب وہ ان کی پوتے حسن بن محمد بن یحییٰ کی بیان کردہ روایات پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ماسواء ان روایات کے جو انہوں نے اپنے دادا سے بیان کیں۔ (یعنی ان سے روایت وہ روایات صرف درست ہیں جو انہوں نے اپنے دادا یحییٰ بن حسن سے روایت کیں)۔[7]

یحییٰ بن حسن کی بیان کردہ احادیث اور روایات مختلف مکاتب فکر کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً شیخ مفید نے ارشاد، شیخ صدوق نے علل الشرائع۔ امالی، خصال، توحید اور کمال الدین و تمام النعمہ، شیخ طوسی نے امالی، ابن اثیر نے اسد الغابہ، حاکم نیشاپوری نے المستدرک اور معرفہ علوم حدیث بغدادی نے تاریخ بغداد اور ابن عساکر نے تاریخ مدینہ دمشق میں یحییٰ بن حسن مدنی کی بیان کردہ روایات کو شامل کیا۔ ان روایات کو یحییٰ بن حسن نے مختلف لوگوں سے بیان کیا۔ جن میں عبداللہ بن عبیداللہ طلحی، ابراہیم بن علی، حسن بن یحییٰ، احمد بن سلام احمد بن ابی بکر زہری ابومصعب، محمد بن علی، محمد بن یحییٰ، ابومحمد انصاری، سعید بن نوح، محمد بن جعفر، زبیر بن ابی بکر، احمد بن صالح تمیمی، داؤد بن قاسم، محمد یزید ادمی، ادریس بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ، یعقوب بن یزید،

---

[1] الفہرت طوسی: ص ۲۶۳
[2] معجم رجال الحدیث: ج ۲۱: ص ۴۵، ۴۶
[3] مقاتل الطالبین: از ابی الفرج اصفہانی متوفی ۳۵۶: ص ۴۶۰ موسسہ دار الکتاب للطباعہ والنشر قم مشرفہ، ایران، ۱۹۶۵ عیسوی
[4] رجال نجاشی: ص ۴۴۲
[5] قاموس الرجال: از شیخ محمد تقی تستری: ج ۱۱ ص ۳۸ موسسہ السلامی تابعہ لجماعہ المدرسین، قم المقدس
[6] الفہرست الطوسی: ص ۲۶۳
[7] الرجال ابن غضائری: از احمد بن حسین بن عبیداللہ بن ابراہیم بن ابی الحسن واسطی بغدادی: ص ۵۴۔ دار الحدیث۔ قم

ابوعلی حسین بن محمد بن طالب، اسماعیل بن یعقوب، بکر بن عبدالوہاب، ابراہیم بن یحییٰ بن عباد سجزی۔ ابراہیم بن محمد بن یوسف مقدسی، حسین بن محمد، ہاشمیہ کنیز رضیہ بنت موسیٰ، اسماعیل بن موسیٰ اور ہارون بن موسیٰ وغیرہ شامل ہیں۔

بقول سید صفی الدین بابن طقطقی کہ ابوالحسین یحییٰ سید فاضل الدین الخیر النسابہ المصنف تھے اور یہ ظن کیا جاتا ہے کہ یہ اوّل تھے جنہوں نے نسب جمع کیا۔[1]

بقول ابن عنبہ ابی الحسین یحییٰ نسابہ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اوّل تھے جنہوں نے آل ابی طالب کے نسب کی کتاب جمع کی۔[2]

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد سات پسران سے جاری ہوئی جن میں سے کچھ کی زیادہ اور کچھ کی کم تھی (۱) طاہر (۲) علی (۳) ابوالعباس عبداللہ (۴) ابواسحاق ابراہیم (۵) ابوحسن محمد اکبر العالم نسابہ (۶) احمد اعرج (۷) ابوعبداللہ جعفر۔[3]

(۱۱۸) طاہر بن یحییٰ نسابہ بن حسن بن جعفر الحجۃ

طاہر بن یحییٰ بن حسن بن جعفر بن عبیداللہ بن حُسین اصغر بن امام زین العابدین کی کنیت ابوالقاسم تھی وہ بڑی شان اور عزت والے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بھائیوں کے بیٹے طاہر کے بھائیوں کے بیٹے کے طور پر متعارف تھے۔ طاہر بن یحییٰ کی اولاد میں مدینے کی امارت رہی۔[4]

آپ کی والدہ بنی زہرہ سے تھیں آپ کی وفات ۳۱۳ ہجری میں ہوئی۔ شیخ عباس قمی ضامن بن شدقم کے حوالے سے منتہی الآمال میں روایت نقل کرتے ہیں کہ ابوالقاسم طاہر اور خراسان کے ایک شخص کے درمیان محبت اور مودت تھی۔ وہ خراسانی ہر سال حج ادا کرتا اور جب مدینہ میں حاضر ہوتا تو روضہ رسول اللہ آئمہ ہدیٰ کی زیارت کے بعد اس سید کی زیارت کرتا اور دوسو دینار ان کی خدمت میں پیش کرتا اور سید معظم کے لئے یہ وظیفہ مقرر ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس خراسانی سے کہا تو اپنے مال کو ضائع کرتا ہے اور غیر محل میں صرف کرتا ہے۔ کیونکہ یہ سید غیر اطاعت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اِسے خرچ کرتا ہے۔ اس خراسانی نے تین

---

[1] الاصیلی فی انساب الطالبین: از ابن طقطقی: ص ۳۰۷

[2] عمدہ الطالب فی انساب آلابی طالب: ابن عنبہ: ص ۳۰۴

[3] عمدہ الطالب فی انساب آل ابی طالب: ابن عنبہ: ص ۳۰۴

[4] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۰۷

سال مسلسل اس وظیفہ کو منقطع کر دیا۔ یہ بزرگوار اس سے شکستہ دل ہوا تو اپنے جد بزرگوار کو خواب میں دیکھا کہ اسے فرما رہے ہیں غمگین نہ ہو۔ میں نے اس مردِ خراسانی کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر سال تجھے وہ رقم دے اور جتنے سالوں کا وظیفہ فوت ہوا ہے وہ بھی ادا کرے۔

اس خراسانی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ رسول پاک نے اس سے فرمایا اے شخص! تو نے دشمنوں کی باتوں میں آ کر میرے بیٹے طاہر کے حق میں یہ بات قبول کر لی ہے۔ اس کے صلہ کو قطع نہ کر اور اس کا عوض بھی اسے دے جو گزشتہ سالوں میں فوت ہوا ہے۔ وہ شخص بیدار ہوا اور بڑی خوشی و مسرت میں مکہ مشرف ہوا اور مدینہ میں سید کی خدمت میں حاضر ہوا اور طاہر کے ہاتھ پاؤں کے بوسے لئے اور ہزار دینار اور کچھ تحائف اس سید کی خدمت میں پیش کئے۔ طاہر نے فرمایا کہ تو نے میرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے اس کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! پھر سید نے اپنا خواب نقل کیا تو اس خراسانی نے دوبارہ ان کے ہاتھ پاؤں کے بوسے لیئے اور ان سے معذرت چاہی۔ طاہر ابو القاسم سید یحییٰ نسابہ مدنی کے فرزند جلیل تھے جنہوں نے سب سے پہلے آل ابی طالب پر کتاب تالیف کی۔[1]

ابو الفرج اصفہانی کہتے ہیں کہ ہمیں خط میں یہ تحریر کیا گیا کہ صاحب الصلات نے مدینہ میں طاہر بن یحییٰ بن جعفر بن عبید اللہ بن حسین اصغر بن علی زین العابدینؑ کو زہر دے کر مروا دیا۔

طاہر بن یحییٰ عالم فاضل شخصیت تھے انہوں نے اپنے والد اور دیگر افراد سے روایات نقل کیں جبکہ ہمارے ہم عمر ساتھیوں نے ان سے سن کر یہ روایات تحریر کی ہیں۔[2]

طاہر نے اپنے والد اور دوسرے لوگوں سے احادیث بیان کیں اور بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کی۔[3]

طاہر کے پوتے مسلم بن عبید اللہ بن طاہر نے اپنے دادا طاہر بن یحییٰ نسابہ، محمد بن ابراہیم دیلی، ابی بشر دولابی اور خضر بن داؤد سے سنا، زبیر سے انہوں نے کتاب نسب سنی اور ان سے دارقطنی نے روایت کی وہ حافظ نبیل تھے۔[4]

طاہر بن یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ کی اولاد میں مدینے کی امارت رہی اور یہ امارت ۹۶۰ ہجری تک

---

[1] احسن المقال ترجمہ منتہیٰ الآمال از شیخ عباس قمی ترجمہ سید صفدر حسین نجفی، ج ۲ ص ۱۳۴

[2] مقاتل الطالبین (عربی) از ابی الفرج اصفہانی: ص ۵۵۱ تحقیق سید احمد صقر۔ منشورات شریف رضی

[3] اعیان الشیعہ: محسن الامین: ج ۱ ص ۶۱، دار التعارف للمطبوعات، بیروت

[4] تاریخ السلام: ج ۲۶۔ ص ۴۶۶

با قاعدہ رہی۔ اور بعض کے نزدیک اس کے بعد ۱۱۲۴ تک رہی بقول عباس قمی محدث ۱۰۸۸ تک رہی جبکہ بقول ضامن بن شدقم یہ امارت ۹۹۲ ہجری تک قائم رہی۔

(۱۱۹) امارت حسینیہ عبیدلیہ (اعرجیہ) مدینہ منورہ

۳۲۱ہجری سے ۹۶۰ ہجری

عہد عباسیہ کے امیر:

۱)۔ عبید اللہ بن طاہر بن یحییٰ نسابہ بن حسن بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین بن امام حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ موسس امارت حسینیہ مدینہ منورہ۔ (۳۲۱۔۳۲۹ہجری)

۲)۔ قاسم بن طاہر بن یحییٰ نسابہ بن حسن جعفر الحجۃ (۳۲۹۔۳۳۶ہجری)

عہد فاطمین مصر:

۳)۔ مسلم (محمد) بن عبیداللہ بن طاہر (۳۳۶،۳۶۶ہجری)

۴)۔ طاہر بن مسلم (محمد) بن عبیداللہ بن طاہر (۳۶۶۔۳۸۱ہجری)

۵)۔ حسن بن طاہر بن مسلم (محمد) بن عبیداللہ (۳۸۱۔۳۹۰ہجری)

۶)۔ داؤد بن قاسم بن بن عبیداللہ بن طاہر (۴۰۱۔۴۰۱ھ)

۷)۔ مہنا بن داؤد بن قاسم بن عبیداللہ (۴۰۱۔۴۰۸ھ)

۸)۔ سلیمان اور حسین ابنان داؤد بن قاسم بن عبیداللہ بن طاہر نے شریف مکہ ابوالفتوح حسنی کی نیابت میں امارت کی۔ (۴۰۸۔۴۲۸ھ)

۹)۔ حسین بن مہنا بن داؤد بن قاسم بن عبیداللہ (۴۲۸۔۴۶۹ھ)

۱۰)۔ حسین (مخیط) بن احمد بن حسین بن داؤد بن قاسم (۴۶۹۔۴۶۹ھ)

۱۱)۔ مالک بن حسین بن مہنا بن داؤد بن قاسم بن عبیداللہ آپ کی وفات ۴۶۹ھ میں ہوئی اور آپ کے بھائی مہنا اعرج نے ۴۹۶ھ تک آپ کے بعد امارت کی۔

۱۲)۔ ابومنصور بن عمار بن سبیع بن مہنا بن داؤد بن قاسم (۴۹۶ سے ۴۹۷ھ)

۱۳)۔ حسین بن مہنا بن حسین بن مہنا بن داؤد بن قاسم (۵۵۸ھ)

عہد ایوبیہ (صلاح الدین ایوبی کے زمانے کے امیر):

۱۴)۔ قاسم بن مہنا بن حسین بن مہنا بن داؤد بن قاسم (بن عبیداللہ بن طاہر بن یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ

بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؒ۔

بقول سخاوی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاسم بن مہنا کو بہت پسند کرتا تھا سلطان ان کو اپنے دائیں جانب بٹھاتا تھا سلطان صلاح الدین کے اکثر معرکوں میں قاسم بن مہنا شامل تھے۔[1]

قاسم بن مہنا انطاکیہ کی جنگ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہمراہ تھے اور انہوں نے ۵۸۴ ہجری میں اسے فتح کیا۔[2]

سلطان صلاح الدین ایوبی کی بہت سی فتوحات کے ذکر کے بعد ابن خلدون تحریر کرتے ہیں کہ ان فتوحات میں ان کے ساتھ امیر مدینہ ابوقلیتہ قاسم بن مہنا بھی شریک رہے وہ ہر جگہ سلطان کے لشکر کے ساتھ کوچ کیا کرتے تھے اور اس کی فتوحات میں شریک رہتے اور سلطان ان کی صحبت کو نیک شگون سمجھتا تھا۔ اور ان کے دیدار سے برکت حاصل کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی ان کی تعظیم اور تکریم کرتا تھا۔ اور ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔[3]

۱۵)۔ جماز بن قاسم بن مہنا بن حسین بن مہنا بن داؤد (۵۸۳ہجری)

۱۶)۔ سالم بن قاسم بن مہنا بن حسین بن مہنا (۵۸۳۔ ۶۱۲ھ)

۱۷)۔ قاسم بن جماز بن قاسم بن مہنا (۶۱۲۔ ۶۲۴ھ)

۱۸)۔ شیحہ بن ہاشم بن قاسم بن مہنا (۶۲۴۔ ۶۴۷ھ)

عمیر بن قاسم بن جماز بن قاسم بن مہنا بن حسین بن مہنا ۶۳۹ میں شیحہ بن ہاشم کا حکم معطل ہوا تو امیر ہوئے۔

عہد ممالیک:

۲۰)۔ عیسیٰ بن شیحہ بن ہاشم بن قاسم بن مہنا (۶۴۱۔ ۶۴۹ھ)

۲۱)۔ منیف بن شیحہ بن ہاشم بن قاسم (۶۴۹۔ ۶۵۹ھ)

۲۲)۔ جماز بن شیحہ بن ہاشم (۶۵۹۔ ۷۰۰ھ)

۲۳)۔ منصور بن جماز بن شیحہ (۷۰۰۔ ۷۲۵ھ)

---

[1] تحفہ اللطیفہ فی تاریخ مدینہ شریفہ، ج ۲ ص ۷۵

[2] تاریخ ابن خلدون، ج ۴ ص ۱۰۹، ۱۱۰

[3] تاریخ ابن خلدون، ج ۵ ص ۳۱۶

۲۴)۔ کبش بن منصور بن جماز	(۷۲۸۔۷۳۰ھ)
۲۵)۔ ودی بن جماز بن شیحہ بن ہاشم	(۷۳۶۔۷۴۳ھ)
۲۶)۔ طفیل بن منصور بن جماز بن شیحہ	(۷۴۳۔۷۵۰ھ)
۲۷)۔ ھمیان بنت مبارک بن مقبل بن جماز	(۷۵۰۔۷۵۰ھ)
۲۸)۔ سعد بن ثابت بن جماز بن شیحہ	(۷۵۰۔۷۵۲ھ)
۲۹)۔ فضل بن قاسم بن جماز بن شیحہ	(۷۵۲۔۷۵۴ھ)
۳۰)۔ مانع بن علی بن مسعود بن جماز	(۷۵۴۔۷۵۹ھ)
۳۱)۔ جماز بن منصور بن جماز بن شیحہ	(۷۵۹۔۷۵۹ھ)
۳۲)۔ عطیہ بن جماز بن منصور بن جماز	(۷۶۰۔۷۷۳ھ)
۳۳)۔ ہبۃ بن جماز بن منصور بن جماز	(۷۷۳۔۷۸۳ھ)
۳۴)۔ عطیہ بن منصور بن جماز بن شیحہ	(۷۸۳۔۷۸۳ھ)
۳۵)۔ جماز بن ہبۃ بن جماز بن منصور	(۷۸۳۔۷۸۵ھ)
۳۶)۔ محمد بن عطیہ بن منصور بن جماز بن شیحہ	(۷۸۵۔۷۸۹ھ)
۳۷)۔ جماز بن ہبۃ بن جماز بن منصور	(۷۸۹۔۷۹۸ھ)
۳۸)۔ ثابت بن نعیر بن منصور بن جماز	(۷۹۸۔۸۰۵ھ)
۳۹)۔ جماز بن ہبۃ بن جماز بن منصور آپ کا قتل قبیلہ مطیر کے ہاتھوں ہوا۔	(۸۰۵۔۸۱۱ھ)
۴۰)۔ ثابت بن نعیر بن منصور بن جماز	(۸۱۱۔۸۱۱ھ)
۴۱)۔ عجلان بن نعیر بن منصور بن جماز	(۸۱۱۔۸۱۶ھ)
۴۲)۔ غریر بن نعیر بن منصور بن جماز	(۸۱۶۔۸۲۴ھ)
۴۳)۔ عجلان بن نعیر بن ہبۃ بن جماز	(۸۲۴۔۸۲۹ھ)
۴۴)۔ ثابت بن نعیر بن ہبۃ جماز	(۸۲۹۔۸۲۹ھ)
۴۵)۔ خشرم بن دوغان بن ہبۃ بن جماز	(۸۲۹۔۸۳۱ھ)
۴۶)۔ مانع بن علی بن عطیہ بن منصور بن جماز	(۸۳۱۔۸۳۹ھ)

۴۷)۔ آمیان بن علی بن عطیہ بن منصور	(۸۳۹۔۸۴۲ھ)
۴۸)۔ سلیمان بن غریر بن ہیازع بن ہبۃ بن جماز	(۸۴۲۔۸۴۶ھ)
۴۹)۔ موسیٰ بن کبش بن ہبۃ بن جماز	(۸۴۶۔۸۴۷ھ)
۵۰)۔ ضیغم بن حشرم بن نجاد بن ثابت	(۸۴۸۔۸۵۰ھ)
۵۱)۔ آمیان بن مانع بن علی بن عطیہ	(۸۵۰۔۸۵۵ھ)
۵۲)۔ زبیری بن قیس بن ثابت بن نعیر	(۸۵۵۔۸۶۵ھ)
۵۳)۔ زہیر بن سلیمان بن ہبۃ بن جماز	(۸۶۵۔۸۶۹ھ)
۵۴)۔ ضیغم بن خشرم بن نجاد بن ثابت	(۸۶۹۔۸۶۹ھ)
۵۵)۔ زہیر بن ہبۃ بن جماز بن منصور	(۸۶۹۔۸۷۰ھ)
۵۶)۔ ضیغم بن خشرم بن نجاد بن ثابت	(۸۷۰۔۸۷۰ھ)
۵۷)۔ زہیر بن سلیمان بن ہبۃ بن جماز بن منصور	(۸۷۰۔۸۷۴ھ)
۵۸)۔ ضیغم بن خشرم بن نجاد بن ثابت	(۸۷۴۔ ۸۸۳ھ چوتھی بار امیر)
۵۹)۔ فسیطل بن زہیر بن ہبۃ بن جماز	(۸۸۳۔۸۸۷ھ)
۶۰)۔ زہیری بن قیس بن ثابت بن نعیر	(۸۸۷۔۸۸۸ھ)
۶۱)۔ حسن بن زبیری بن قیس بن ثابت بن نعیر	(۸۸۸۔۹۰۱ھ)
۶۲)۔ فارس بن شامان بن زہیر بن سلیمان	(۹۰۱۔۹۰۳ھ)
۶۳)۔ ثابت بن ضیغم بن خشرم بن نجاد	(۹۰۳۔۹۰۶ھ)
۶۴)۔ مانع بن زہیری بن قیس بن ثابت	(۹۰۶۔۹۱۰ھ)
۶۵)۔ فارس بن شامان بن زبیر بن سلیمان	(۹۱۰۔۹۱۵ھ)
۶۶)۔ مانع بن زبیری بن قیس بن ثابت	(۹۱۶۔۹۱۹ھ)
۶۷)۔ ثابت بن ضیغم بن خشرم بن نجاد بن ثابت	(۹۱۹۔ ۹۲۳ھ)

کتاب باحث از فایز بن موسیٰ بدراتی حربی اور بعض دستاویزات محکمہ الشرعیہ مدینہ منورہ عہد عثمانیہ کے تحت مندرجہ بالا افراد امارت پر فائز رہے۔ اور بعض جگہ ان کی مدت ۹۲۳ھ کی بجائے ۹۶۰ہجری ہے۔ اور بعض جگہ یہ سلسلہ ۱۱۸۷ہجری تک نعیر بن منصور بن جماز کی اولاد میں قائم رہا اور زبیری بن قیس جمازی کی

اولاد میں بھی قائم رہا[1]

(۱۲۰) علی بن یحییٰ نسابہ بن ابو محمد حسن بن جعفر الحجۃ

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی آپ کی والدہ میمونہ بنت حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج تھیں۔ آپ کی جمہور اولاد ابو محمد حسن بن محمد معمر بن احمد زائر بن علی المذکور سے جاری ہوئی۔

اور ان ابو محمد حسن بن محمد معمر کے دو فرزند تھے (۱) ابی محمد ابراہیم جن کی اولاد قلیل تھی (۲) ابوالحسن علی

ابوالحسن علی بن ابو محمد حسن بن محمد معمر کی اولاد سے سید مجدالدین ابوالفوارس محمد بن بن سید فخرالدین علی بن محمد بن بن علی اعرج بن سالم بن برکات بن ابوعز محمد بن ابو منصور حسن نقیب حائر بن ابوالحسن علی المذکور تھے۔ بقول سید ضامن بن شدقم مدنی عبیدلی آپ بہت بلند مرتبہ تھے۔ آپ کا نام حائر امام حسینؑ اور حلہ کی مساجد میں لکھا ہوا ہے آپ کی اولاد بنوفوارس کہلاتی ہے۔ بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کے سات فرزند تھے جن میں سے سب سے چھوٹا اور سب سے بڑا ام الولد میں سے تھے۔ جن میں سے ایک کی صرف ایک بیٹی تھی اور دوسرا سفر پر گیا تو اس کی کوئی خبر نہ آئی یوں آپ کی اولاد پانچ پسران سے جاری ہوئی

(۱) نقیب جلال الدین علی (۲) عمیدالدین عبدالمطلب قدوۃ السادات عراق (۳) الفاضل ضیاءالدین عبداللہ (۴) نظام الدین عبدالحمید۔ (۵) سید غیاث الدین عبدالکریم۔

ان میں سید عمیدالدین عبدالمطلب بن مجدالدین ابوفوارس محمد آپ عالم فاضل محقق تھے آپ شیخ شہید کے مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی ولادت نیمہ شعبان ۶۸۱ ہجری کو حلہ شہر عراق میں ہوئی اور وفات ۱۰ شعبان ۷۵۶ ہجری کو ہوئی آپ نے کتب بھی تصانیف فرمائی۔ شیخ شہید سے منقول ہے کہ ان کی وفات بغداد میں ہوئی اور ان کا جنازہ مشہد امیرالمومنین علی ابن ابی طالب میں لایا گیا۔ اور ان کی نماز جنازہ بروز منگل حلہ میں مقام امیرالمومنین پر ادا کی گئی۔ آپ کا ایک فرزند سید جمال الدین محمد تھا جو جلیل عالی اور رفیع المنزلت تھا۔ سید جمال الدین نجف اشرف میں شہید ہوئے تحفہ الازھار میں سید ضامن بن شدقم تحریر کرتے ہیں کہ ان کو ظلم عدوان سے آگ میں جلایا گیا۔[2]

---

[1] کتاب المشجر من اولاد حسین اصغر: از سید قمر عباس اعرجی: ص ۴۷،۴۸

[2] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب: سید قمر اعرجی ہمدانی: ص ۲۷۴،۲۷۵

(۱۲۱) اباعبداللہ حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ

بقول نسابہ کبیر عمری علوی کہ ابوعبداللہ حسین بن جعفر الحجۃ کی وفات ۲۲۶ ہجری کو ۴۸ سال کی عمر میں ہوا آپ احادیث کے راوی اور سخی تھے اس حساب سے آپ کی ولادت ۱۷۸ ہجری بنتی ہے۔

بقول امام فخر الدین رازی کہ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابومحمد حسن (۲) اباعبداللہ حسین بسمر قند۔[۱]

اس قول کے مطابق اباعبداللہ حسین بن جعفر الحجۃ نے سمرقند میں ہجرت کی لیکن کسی جگہ بھی اس ہجرت کے اسباب بیان نہیں ہوئے کہ کیوں آپ نے سمرقند کی جانب ہجرت کی۔ اس کے علاوہ نسابہ عزالدین مروزی کے قول کے مطابق بھی یہی ہے۔ انہوں نے بھی تحریر کیا کہ جعفر الحجۃ کے فرزند حسین ابوعبداللہ سمرقند گئے۔ اصل یہ قول ایک ہی ہے کیونکہ نسابہ عزالدین ابوطالب اسماعیل مروزی امام فخر الدین رازی کے شاگرد تھے اس لئے یہ بات ایک ہی ہے پھر آگے چل کر حسین بن جعفر الحجۃ کی اعقاب کے بارے میں شریف مروزی لکھتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ عبیداللہ ابوعلی، محمد ابی العباس، عبداللہ ابی احمد اور حسن ابناں ابی القاسم علی بلخی بن حسن (جو سمرقند سے بلخ منتقل ہوئے) بن حسین بن جعفر الحجۃ المذکور تھے۔[۲]

اس قول کے مطابق حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج نے مدینہ سے سمرقند ہجرت کی اور حسین کے فرزند حسن بن حسین نے سمرقند سے بلخ ہجرت کی اور وہیں آباد ہو گئے۔

دوسری طرف نسابہ فاضل سید احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی اپنی کتاب سراج الانساب میں تحریر کرتے ہیں کہ سید ابومحمد حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ نے متوکل عباسی کے عہد حکومت میں سن ۲۳۵ ہجری کو سمرقند ہجرت کی اور ۲۴۱ ہجری کو بلخ میں داخل ہوئے۔[۳]

اس حساب سے اگر ہجرت ابومحمد حسن بن حسین ابوعبداللہ بن جعفر الحجۃ نے کی اور وہ بھی بمطابق ۲۳۵ ہجری تو ممکن نہیں کہ سمرقند کی ہجرت میں ان کے والد ابوعبداللہ حسین بھی شامل ہوں کیونکہ بقول ابوالحسن

---

[۱] الشجرہ المبارکہ: از فخر الدین رازی: ص ۱۴۸

[۲] الفخری فی انساب الطالبین: از عزالدین ابوطالب مروزی: ص ۵۸، ۶۲۔ نشر مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی: قم المقدسہ ایران

[۳] سراج الانساب: از احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی: ح ۱۴۲، نشر مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی

عمری کہ ابوعبداللہ حسین بن جعفر الحجۃ کی وفات ۲۲۶ ہجری کو ہوئی اگر ان کی وفات ۲۲۶ ہجری کو ہوگئی تو وہ اس ہجرت میں شامل نہ تھے۔ بلکہ وہ مدینہ میں ہی دفن ہو گئے۔ اور یہ ہجرت ان کے فرزند ابومحمد حسن نے کی اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ متوکل کے زمانے میں سادات نے خراسان کی طرف ہجرت کی متوکل نے سادات کو جوش دلوانے کے لئے کربلا کو بھی منہدم کروا دیا تھا تاکہ سادات غصے میں خروج کریں اور میدان میں نکل آئیں اور یک بارگی میں ان کا قصہ تمام کر دیا جائے مگر سید عبدالعظیم حسنی نے سادات کو اس اقدام سے روکے رکھا اور خود بھی امام علی نقی علیہ اسلام کے حکم سے ''رے'' کی جانب ہجرت کر گئے۔ اور ابومحمد حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ کی ہجرت بھی اسی زمانہ میں وقوع پذیر ہوئی آپ نے ۲۳۵ ہجری میں سمرقند ہجرت کی اور وہاں پانچ سال مقیم رہے اس کے بعد ۲۴۱ ہجری کو بلخ میں داخل ہوئے سید ابی اسماعیل بن ناصر اپنی کتاب منتقلہ الطالبیہ جو کہ آل ابی طالب کی ہجرتوں کی تفصیل پر مبنی کتاب ہے میں تحریر کرتے ہیں کہ بلخ میں جن سادات نے ہجرت کی ان میں علی بن قاسم بن عبداللہ بن حسن اعور بن محمد کابلی بن عبداللہ اشتر بن سید محمد نفس ذکیہ۔اور

- ابوفرج محمد بن ہارون بن محمد بن عیسیٰ بن ادریس بن ادریس بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ
- ابوالقاسم حمزہ بن حسن سراب بن محمد بن عبیداللہ امیر بن عبداللہ بن حسن بن جعفر بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ
- ابوتراب محمد بن عیسیٰ بن محمد بطحانی بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسنؑ
- ابوحسین علی بن حمزہ بن محمد بن ہارون بن محمد بطحانی۔
- مہدی اور احمد الرضا ابنان زید ین محمد بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن امام حسنؑ
- اسماعیل بن محمد بن احمد بن ہارون بن امام موسیٰ کاظمؑ۔
- علی بن حمزہ بن حمزہ بن امام موسیٰ کاظمؑ۔
- ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن محمد بن اسحاق بن امام موسیٰ کاظمؑ۔
- ابی حسین محمد بن علی بن حسن بن علی بن حسن بن علی اکبر بن عمر الاشرف بن امام زین العابدینؑ۔
- عبیداللہ بن حسن بن محمد جوانی بن حسن بن محمد جوانی بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغرؑ۔
- علی بن حسن بن حسین بن حمزہ بن عبیداللہ اعرج۔
- ابوالقاسم علی بن حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ۔

جن کی اعقاب میں ابوالعباس محمد، ابواحمد عبداللہ اور ابوعلی عبیداللہ تھے۔

- ابو القاسم علی بن محمد دقاق بن محمد بن قاسم بن محمد بن قاسم شعرہ بن حسن مکفوف بن حسن افطس
- ابی القاسم صالح بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن امام علیؑ
- اولاد عباس بن جعفر الملک ملتانی بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف
- اولاد موسیٰ بن جعفر الملک ملتانی
- اولاد عون بن جعفر الملک ملتانی
- اولاد صالح بن جعفر الملک ملتانی
- علی بن محمد بن عبیداللہ بن علی طیب بن عبیداللہ بن محمد بن عمر اطرف
- حسن بن ابراہیم بن حسن بن علی بن ابراہیم بن عمر بن محمد بن عمر اطرف
- اولاد اسحاق عریضی بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار بن ابو طالبؑ
- سراھنک بن حسین بن احمد بن حسن بن زید بن عبداللہ بن قاسم بن اسحاق عریضی بن عبداللہ جواد بن حضرت جعفر طیار[1]

ابو اسماعیل بن ناصر بن طبا طبا نے منتقلہ میں ۲۳ یا ۲۴ خاندانوں کا ذکر کیا ہے جو بلخ میں داخل ہوئے اس کا مطلب ہے کہ بلخ سادات کے مختلف خاندانوں کے لئے اُس زمانے میں پر امن جگہ تھی اور ابو محمد حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ سے پہلے بھی یہاں سادات کے خاندان آباد ہو چکے تھے اور کچھ خاندان ان کے بعد بلخ میں آباد ہوئے۔

لیکن منتقلہ الطالبیہ میں ابو اسماعیل بن ناصر طبا طبا نے ابو القاسم علی بن حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ کا سمرقند سے بلخ میں داخل ہونا تحریر کیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابو محمد حسن بن حسین اور ان کے بیٹے ابو القاسم علی اکٹھے بلخ میں داخل ہوئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابو محمد حسن بن حسین کے پوتے ابو العباس محمد، ابو علی عبیداللہ، ابو احمد عبداللہ اور حسن بھی ان کے ہمراہ ہوں دوسری طرف منتقلہ الطالبیہ میں جن خاندانوں نے سمرقند ہجرت کی ان میں کہیں بھی حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج کا ذکر موجود نہیں اس لئے یہ بات ثابت ہے کہ ابا عبداللہ حسین بن جعفر الحجۃ نے مدینہ میں ۲۲۶ ہجری میں وفات پا گئے۔ اور ان کے فرزند ابو محمد حسن اور پوتے ابو القاسم علی نے پہلے سمرقند ہجرت کی اور پھر بلخ میں داخل ہوئے۔

---

[1] منتقلہ الطالبیہ: از ابی اسماعیل ابرہیم بن ناصر بن طبا طبا انتشارات مکتبہ حیدریہ: ص ۹۱۔ ۹۵

اولاد حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج:

بقول عمری حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج کی اولاد سے زینب بنت حسین بن جعفر الحجۃ کی شادی عمر الاطرف بن امام علیؑ کی اولاد میں سے کسی شخص سے ہوئی۔

یعنی عمری نے زینب اور حسن کا ذکر ان کی اولاد میں کیا ہے۔شجرہ المبارکہ اور الفخری فی انساب الطالبین میں حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ کی والدہ زبیریہ تحریر ہیں۔یعنی زبیر بن عوام کی اولاد سے تھیں۔جبکہ بعض مصادر میں حسین بن جعفر الحجۃ کی دوسری دختر میمونہ بنت حسین بن جعفر الحجۃ تحریر ہیں جن کی شادی اپنے چچازاد یحییٰ نسابہ بن حسن بن جعفر الحجۃ سے ہوئی اور علی بن یحییٰ نسابہ پیدا ہوئے۔

بقول عمری کلثوم بنت حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ کی شادی ابراہیم بن یوسف الجعفری (یعنی اولاد جعفر طیار میں کسی شخص سے ہوئی) اور ان کلثوم کی بہن کی شادی عمری علوی بلخی سے ہوئی۔یعنی ایسے شخص سے جو عمر اطرف بن امیرالمومنین علیؑ کی اولاد سے تھا اور بلخ میں مقیم تھا۔اور ان کی اولاد (یعنی حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ کی اولاد) محلہ جلاباد میں مقیم ہوئی۔جو محلہ ہے بلخ اور ہرات کا۔[1]

بقول ابو طالب عزالدین مروزی کہ ابوالقاسم علی بن حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج کی اولاد چار بیٹوں سے جاری ہوئی۔

(۱) ابوعلی عبیداللہ (۲) ابی العباس محمد (۳) ابواحمد عبداللہ (۴) حسن۔[2]

اوّل ابی العباس محمد بن ابوالقاسم علی جلابادی کی اولاد سے سادات عالیہ ہمدانیہ حسینیہ ہیں جن کے جدامجد میر سید علی ہمدانی ہیں۔اور میر سید علی ہمدانی نے چونکہ ہمدان سے ہجرت کی اس لئے ان کی اولاد بھی سکنی نسبت زیادہ استعمال کرتی رہیں۔

بقول سید احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی کہ میر سید علی ہمدانی بن شہاب الدین بن محمد بن علی بن یوسف بن محمد بن محمد بن جعفر بن عبداللہ بن محمد (ابوالعباس) بن علی (ابوالقاسم) بن حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ اسلام۔[3]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین: از عمری ص ۴۰۶

[2] الفخری فی انساب الطالبین: از شریف عزالدین مروزی: ص ۶۱، ۶۲

[3] سراج الانساب: از احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی: ص ۱۵۹۔نشر مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ شہاب الدین نجفی مرعشی

دوئم عبداللہ بن ابو القاسم علی جلابادی کی اولاد سے خان زادہ علاء الملک ترمذی بن نظام الدین علاء الملک بن شمس الدین بن ضیاء الملک بن ناصرالدین ابومعالی بن شمس الدین ابی جعفر بلخی بن ضیاالدین بن عماد الملک بن ابوحسن عبداللہ امرس بن ابوالقاسم امیر (علی) بن حسن امیر بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام علی زین العابدین ہے[1]

سوئم ابوعلی عبیداللہ بن ابوالقاسم علی جلابادی کی اولاد سے سادات عالیہ بلخ، ہرات، پارہ چنار ہیں۔

(۱۲۲) حسن بن علی بن ابی طالب بلخی

حسن بن علی بن ابو طالب حسن بن عبیداللہ یار خدای بن محمد بن عبیداللہ بن علی (ابو القاسم) بن حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ اسلام۔

آپ کا لقب شرف الدین تھا اور کنیت ابو محمد تھی آپ بلخ میں فاضل اور جلالت والے سید تھے۔ آپ کے اور آپ کے بھائی حسین کی والدہ فاطمہ بنت محمد بن عبداللہ تھیں۔

امام حسن القطان نے حسن بن علی بن ابو طالب حسن کی امام حسن بن علیؑ سے مندرجہ ذیل دس مشترک نسبتیں تحریر کی ہیں۔

(۱) ان کا نام حسن (۲) والد کا نام علی (۳) دادا کی کنیت ابو طالب (۴) والدہ کا نام فاطمہ (۵) نانا کا نام محمد (۶) پڑنانا کا نام عبداللہ (۷) چچا کا نام جعفرؑ (۸) بھائی کا نام حسین (۹) ان کے بھائی کے بیٹے کا نام علی (۱۰) ان کی کنیت ابو محمد تھی۔

القطان کہتے ہیں کہ یہی حال ان کے باپ اور ماں کی طرف سے ان کے بھائی کا ہے۔[2]

ان کے والد محترم کی قبر مزار شریف ہے دراصل وہ مزار ان کے والد محترم ابو الحسن علی بن ابی طالب حسن کا ہے۔ جو عوام میں مزار مولا علی علیہ اسلام سے مشہور ہو گیا ہے۔

ابو محمد حسن بن علی بلخی نیکی، سخاوت اور خیرات کرنے والے مشہور تھے وہ اہل علم سے محبت کرنے والے تھے اور ان کے گھر پر فقہا اور فاضل لوگ جمع ہوتے تھے۔[3]

ابو محمد حسن بن علی نے بیٹوں کے اپنے باپوں سے روایت کرنے کے حوالے سے طویل ترین سلسلہ کی

---

[1] سراج الانساب: ص ۱۴۹

[2] الفخری فی انساب الطالبین: ص ۲۴۸،۲۴۷

[3] الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح: از ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب شافعی متوفی ۸۰۲ ہجری۔ ج دوم: ص ۵۶۸: مکتبہ الرشد، مدینہ منورہ: ۱۹۹۷

چالیس مسلسل احادیث بیان کیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختصر اور حکمت پر مبنی کلمات پر مشتمل ہیں۔ ان احادیث کو انہوں نے آباء کے چودہ مسلسل واسطوں سے بیان کیا ہے۔ ان کے سلسلہ سے ان احادیث کو مختلف زمانوں میں مختلف راوی بیان کرتے آئے۔ جدید زمانے میں شافعی فرقہ کے احادیث کے مشہور عالم ابی فیض محمد یاسین بن محمد عیسیٰ فادانی مکی نے اپنی اسناد سے یہ چالیس احادیث بیان کیں۔ مختلف زمانوں میں علماء نے ان چالیس مسلسل حدیثوں کی شرح اور تخریج لکھی۔

ابومحمد حسن بن ابوالحسن علی حسینی بلخی کی وفات ۵۳۲ ہجری کو ہوئی۔

(۱۲۳) سادات فخری حسینی پارہ چنار

حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج کی اولاد ہے ایک خانداں غزنی سے پارہ چنار وارد ہوا۔ اس خاندان کی صدری روایت کے مطابق ان کے جداعلیٰ سید ابوالحسن فخر عالم جب مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں سے انہیں علاقہ کورم (پارہ چنار) جانے کی ہدایت ملی۔ تا کہ اس علاقے کو اسلام کی شمع سے روشن کر سکیں۔

سید شاہ فخر عالم کے نسب کی دو مشہور روایات ہیں۔ اوّل روایت پارہ چنار کرم ایجنسی کے ایک عارف اور روحانی بزرگ کی کتاب کے قلمی نسخے کے مطابق ہے اس بزرگ کا نام سید شاہ نسیم تاجدار تھا اس کے مطابق ان کا نسب اس طرح تھا۔ سید شاہ فخر عالم حسینی بن ابی القاسم بن عبیداللہ بن ابی القاسم (علی) بن حسن امیر بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ اور دوسری روایت انساب کی کتابوں میں درج ہے۔

جس کے مطابق ابوعبداللہ حسین بن ابوالقاسم نو دولت بن ابی الحسن محمد زاہد بن ابوعلی عبیداللہ بن ابو القاسم علی جلابادی بن ابومحمد حسن بن اباعبداللہ حسین بن جعفرلحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر کا ایک فرزند ابو الحسن محمد نیک روی ہیں۔ جیسا شجرہ سادات پارہ چنار سے ملتا ہے۔ اس کے مطابق جو ہستی ابوالحسن شاہ فخر عالم ہے وہ ابوالحسن محمد نیک روی بنتے ہیں۔ اور بقول سید مہدی رجائی۔ ابوالحسن محمد کے دس فرزند تھے۔ (۱) ابوحسین طاہر (۲) ابوالفتح محمد (۳) ابوعلی عبیداللہ (۴) ابراہیم (۵) نعمہ (۶) ابوعلی حسن (۷) ابو برکات احمد (۸) ابومجد علی (۹) ابوالقاسم علی (۱۰) ابوجعفر۔

اور سادات فخری حسینی پارہ چنار کے شجروں میں ابوالحسن محمد فخر الدین کے تین فرزند تھے (۱) شاہ شرف الدین (۲) شاہ انور (۳) شاہ عالم۔

یوں ان کی روائیتیں اور نسب کی کتب میں معمولی اختلاف ہے، شاہد شجرہ لکھنے اور نقل کرنے کی غلطی ہو۔ تاہم سادات پارہ چنار سادات رفیع درجات میں سے ہیں جن کی شہرت قدیم زمانے سے مستحکم ہے۔ سید فخر عالم کی کچھ اولاد ایران میں بھی آباد ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے شاہ فخر عالم ابوالحسن ہی ابوالحسن محمد نیک روی کے علاوہ کوئی دوسرے فرد ہوں جو اسی خاندان سے ہوں کیونکہ ان سے اوپر کے نام شجرہ میں ملتے جلتے ہیں۔

ظفریاب ترمذی تاریخ انوار سادات اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ

ابوالحسن فخر عالم مدینہ سے علاقہ کرم ایجنسی تشریف لائے اور یہ روایت بھی ہے کہ آپ ایران سے تشریف لائے ان کی تبلیغ سے اس علاقہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور شیعہ اثناءعشری عقائد کو اپنایا۔ شاہ فخر عالم کا مزار کڑمان میں ہے آپ کی اولاد میں بہت جید بزرگ گزرے ہیں۔ جن میں سید کریم داد بن سید رکن الدین بن سید شمس الدین بن سید غیاث الدین بن سید شاہ افضل بن سید افتخار شاہ بن ضیاء الدین شاہ بن سید طاہر شاہ بن شاہ طیب بن سید شاہ انور بن سید فخر عالم حسینی ان کا مزار بھی وہیں میر اصغر میلہ کچی چشمہ کے کنارے پر واقع ہے اور ان کے فرزند سید حبیب کا مزار بھی وہیں واقع ہے۔ تاریخ انوار سادات کے مطابق یہ چشمہ سید کریم داد اور میر حبیب کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے جاری کیا اس سے چھے دیہات سیراب ہوئے ہیں۔

مختلف اطراف سے زائرین ان مزارات پر آتے ہیں اور چشمہ میں غسل کرتے ہیں سید کریم داد کے پوتے سید قاسم مست تاجدار بن سید میر حبیب کا مزار کلاسیہ اورک زئی ایجنسی میں و مانی خیل قبائل تیراہ میں ہے۔ ابراہیم زئی سادات کے پاس ان کی خودنوشت وصیت نامہ بھی موجود ہے۔ ان کے مزار کی عمارت ایک باغ میں ہے ان کی نسل کے افراد پارہ چنار کوہاٹ اور تیراہ میں ہیں۔ ان کے پوتے سید شاہ الماس بن شاہ اصغر بن سید میر قاسم مست تاجدار کا مزار ھنگو میں ہے۔ علاقہ بنگش کے سادات کی اکثریت ان کی اولاد سے ہے۔

شاہ فخر عالم کی اولاد سے شاہ رضا بن محمد شاہ بن سید میاں شاہ علی بن سید نور تو اللہ بن طوطی پیر بن عرب شاہ بن جعفر شاہ بن سید احمد بن شاہ خلیل بن سید ابجد بن میراں بن حسام الدین بن نظام الدین بن سید شافی عرف طاہر بن سید افضل بن سید شرف بن شاہ فخر عالم ان ان مزار ضلع کوہاٹ کے چشمہ خواجہ خضر کی جنوب میں نہر کے کنارے پر ہے۔ ان کے مزار سے ملحق ان کے فرزند شاہ میران اور پوتے سید شاہ گلون بن شاہ میران کے مزارات بھی ہیں۔ سید گلون شاہ شاعر اہلبیتؑ تھے اور ان کا کلام مجالس میں پڑھا جاتا ہے[1]

---

[1] تاریخ انوار سادات: ص ۵۰۹۔ ۵۱۵۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱

بقول سید قمر عباس ترمذی کہ علامہ سید عارف حسینی کے آباء میں سے مشہور صوفی بزرگ سید میر عاقل شاہ وادی تیراہ میں آباد ہوئے وہاں دین کی تبلیغ کی اور عزاداری کی بنیاد رکھی ان کے پوتے میر انور شاہ بن سید میاں داد شاہ بن میر عاقل شاہ نے اپنے باپ دادا کے مشن کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اسے مزید وسعت دی میر انور شاہ پشتو کے مشہور شاعر بھی تھے۔ دشمنان دین نے ان کی سخت مخالفت کی۔ ان پر حملے کیے اور ان کا مسکن تباہ کر دیا۔ میر انور شاہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد دشمنوں نے ان کی قبر کھود کر ان کا سر تن سے جدا کر دیا اور تین مہینے تک ان کے سر کی نمائش وادی تیراہ میں کی گئی میر انور شاہ کے خاندان والوں نے دشمنوں سے ان کا سر حاصل کر کے ان کی قبر کی بجائے ان کے نواسے کی قبر میں دفن کر دیا تا کہ دشمن دوبارہ ان کا سر نہ لے جائے میر انور شاہ کے بیٹے سید مدد شاہ نے تیراہ سے ہجرت کر کے پیواڑ میں سکونت اختیار کی۔ بعدازاں وہ وادی تیراہ کی آبادی اور وہاں موجود اپنے بزرگوں کی قبروں کی حفاظت کرتے ہوئے دشمنوں کے ساتھ ایک معرکہ میں شہید ہو گئے [1]

آپ کا نسب:

سید میر انور شاہ بن سید میاں داد بادشاہ بن میر سید عاقل بن میر کبیر بن مرتضیٰ بن شاہ خلیل بن میر احمد (میر ابجد) بن شاہ میراں بن حسام الدین بن نظام الدین بن سید شافی المعروف طاہر بن شاہ افضل بن شاہ شرف الدین بن ابوالحسن محمد فخر الدین المعروف شاہ فخر عالم۔ آپ کی شہادت ۱۲۱۴ ہجری کو ہوئی۔ آپ کی اولاد سے شہید سید عارف حسینی بن فضل حسین میاں بن میر جعفر میاں بن ابراہیم شاہ میاں بن شاہ حسن بن مدد شاہ بن سید میر انور شاہ حسینی عارف کامل المذکور تھے۔

(۱۲۴) میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان علی ثانی

آپ کا نام مسلم طور پر علی اور کنیت ابواسحاق تھی آپ کشمیر میں میر کبیر اور شاہِ ہمدان کے نام سے مشہور ہیں رسالہ مستورات میں آپ کے درج ذیل القابات مذکور ہیں ولی الکامل۔ صاحب الکشف و کرامات، زبدۃ السادات، قدوہ العارفین مغیث روم، مخیر قدوم، برگزیدہ آفاق، میر اللہ منش، خلاصہ خاندان مصطفوی سلالہ دور مان مرتضوی، خورشید مبین، منیر قطب فلک بریں [2]

ولادت:

آپ کی تاریخ والادت مصدقہ طور پر ۱۲ رجب ۷۱۴ ہجری بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۳۱۴ عیسوی ہے۔

---

[1] مسند حسین اصغر: از سید قمر عباس ترمذی: ص ۲۹۶، ۲۹۷

[2] رسالہ مستورات: برگ ص ۳۴۲

صاحب رسالہ مستوارت نے شیخ نظام الدین غوری خراسانی کے متعلق ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔ کہ شیخ مذکور نے میر سید علی ہمدانی کی شب تولد ایک خواب دیکھا حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ خوبصورت کپڑے ہاتھوں میں لئے سید شہاب الدین ہمدانی کے گھر جا رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ آج رات اس گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوگا جو بہت مرتبے والا ہوگا یہ کپڑے بطور تبرک اس کے لئے لے کر جا رہے ہیں۔

شجرہ نسب وخاندان:

آپ کا شجرہ نسب حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ سے جا کر ملتا ہے۔ بقول سید احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی آپ کا نسب اس طرح ہے۔ میر سید علی ہمدانی بن شہاب الدین بن محمد بن علی بن یوسف بن محمد بن محمد بن جعفر بن عبداللہ بن محمد (ابوالعباس) بن علی (ابو القاسم) بن حسن (ابومحمد) بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ۔[1]

سید جعفر اعرجی نے بھی تقریباً یہی شجرہ اپنی کتاب، اساس الانساب الناس میں تحریر کیا صرف ایک دو ناموں میں فرق ہے کیونکہ سید جعفر اعرجی نے القاب تحریر کئے باقی شجرہ ایک جیسا ہے۔[2]

آپ کے والد محترم ہمدان میں اہم سرکاری عہدہ پر فائز تھے تاہم بعض مؤرخین نے انہیں والئ ہمدان اور حاکم ہمدان بھی تحریر کیا ہے۔ لیکن مطلقاً ان کے حاکم ہونے کے کم شواہد ہیں زیادہ درست ہیں ہے کہ وہ ہمدان میں اہم سرکاری عہدے پر فائز تھے۔

میر سید علی ہمدانی کی والدہ فاطمہ تھیں جن کا تعلق سمنان کے حکمران خاندان سے تھا۔ وہ عارف کامل شیخ علاء الدولہ سمنانی کی سگی ہمشیرہ تھیں۔ بعض حضرات نے علاء الدولہ سمنانی کو سید تحریر کیا اور آپ کی والدہ کا نسب بھی سترہ واسطوں سے رسول خدا سے منسوب کیا لیکن یہ درست نہیں کیونکہ علاء الدولہ سمنانی سید نہیں تھے۔ وہ بہت بڑے عارف کامل اور ولی اللہ تھے۔ خود میر سید علی ہمدانی نے بھی ابتدائی تعلیم ان سے ہی حاصل کی۔

علاء الدولہ سمنانی سمنان کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور میر سید علی ہمدانی کی والدہ ان کی سگی بہن تھیں۔ بعض جگہ میر سید علی ہمدانی کا شجرہ نسب امام موسیٰ کاظمؑ سے ملایا گیا ہے جو کہ علم الانساب سے ثابت نہیں ہوتا۔

---

[1] سراج الانساب از احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی: ص ۱۵۹ ۔ نشر مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی

[2] کتاب اساس الانساب الناس از سید جعفر اعرجی: ص ۲۹۶ ۔ نشر مکتبہ ابوسعیدہ وثایقہ نجف اشرف

ابتدائی تعلیم:

آپ نے ابتدائی اپنی تعلیم اپنے ماموں شیخ علاءالدولہ سمنانی سے حاصل کی شیخ علاءالدولہ سمنانی مرد کامل اور سہروردی کبروی سلسلہ کے بزرگ تھے صاحب عمدہ الطالب نے ان کی توصیف شیخ عارف لکھ کر کی ہے اور یہ ذکر عمدہ الطالب میں مرقوم ہے۔ اور ضامن بن شدقم نے بھی تحفہ از ھار میں آپ کو شیخ عارف کہا ہے۔ آپ اس کے بعد اپنے ماموں کے مرید شیخ محمود مزدقانی سے فیض یاب ہوئے۔

بقول نور الدین جعفر بدخشی کہ میر سید علی ہمدانی نے بچپن میں ہی قرآن محفوظ (یاد) کیا اور آپ کی تربیت آپ کے ماموں علاءالدولہ سمنانی نے کی جو کہ اولیاء اللہ میں سے تھے۔[1]

بقول نورالدین جعفر بدخشی اس کے بعد آپ نے شیخ محمود مزدقانی کی صحبت اختیار کی اور یہ سلسلہ اس طرح سے ہے۔

میر سید علی ہمدانی وھومُحب محقق سُبحانی المرشد محمود مزدقانی وھومحمود شیخ الاکبر علاءالدولہ سمنانی وھوشیخ الانوار نور الدین عبد الرحمان اسفراینی وھومُحب شیخ اکبر جمال الدین احمد جوزقانی وھومُحب شیخ علی لالا وھومُحب شیخ نجم الدین کبریٰ وھومُحب شیخ عمار بن یاسر وھومُحب ابونجیب سہروردی وھومُحب شیخ احمد غزالی وھومُحب ابوبکر نساج وھو مُحب ابوالقاسم جرجانی وھومُحب ابوعثمان مغربی وھومُحب شیخ سری سقطی وھومُحب شیخ معروف کرخی وھومُحب امام علی الرضا علیہ اسلام وھومُحب امام موسیٰ کاظم وھومُحب امام جعفر الصادق وھومُحب امام محمد باقرؑ وھومُحب امام زین العابدین وھومُحب امام حسین الشہیدؑ وھومُحب امام امیرالمومنین علی ابن ابی طالب وھومُحب سید المرسلین محبوب رب العالمین محمد علیہ وعلیہم السلام۔[2]

آپ کے سفر:

میر سید علی ہمدانی کی زیادہ زندگی سفر میں گزری یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے تین مرتبہ اس دنیا کا چکر لگایا۔ جن میں مشہور حج کا سفر ماورا النہر کا سفر۔ اور ہندوستان کا سفر ہے۔ اور ان سفروں میں آپ نے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کیا۔[3]

---

[1] خلاصہ المناقب از نور الدین جعفر بدخشی ص ۱۴

[2] خلاصہ المناقب از نور الدین جعفر بدخشی: ص ۳۵،۴۱۔ نشر مرکز تحقیق فارسی ایران و پاکستان

[3] احوال و آثار و اشعار میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض: ص ۲۸

میر سید علی ہمدانی آٹھویں صدی کے نصف میں ماوراء النہر گئے اور ختلان میں قیام کیا کہا جاتا ہے کہ شاہ ہمدان بیس سال مسلسل سفر کرتے رہے اور اس دوران آپ مزدقان، ختلان، بلخ، بدخشان ختا، یزدحجاز، روم، ماوراالنہر، سراندیپ، ہندوستان، چین، مشہد، کربلا، نجف، فرنگستان، ترکستان، لداخ، مکہ، مدینہ، قپاق، جبل القاف، اسفرائن، کشمیر، بلتستان وغیرہ میں سفر کے دوران گئے۔ اور یہ بیس سال ۷۳۳ ہجری سے ۷۵۳ ہجری تک بنتے ہیں[1]

ہمدان میں واپس اور آپ کی شادی:

۷۵۳ ہجری میں آپ کی واپسی اپنے وطن ہمدان میں ہوئی بمطابق تحائف الابرار بیس یا اکیس سال کے سفر کے بعد آپ واپس ہمدان وارد ہوئے۔ رسالہ مستورات میں ہے کہ آپ اسفرائین میں تھے کہ آپ کے مرشد نے آپ کو فرزند کی بشارت دی آپ کی شادی ہمدان کے ایک سید گھرانے میں ہوئی۔ آپ کی زوجہ سید حمیدہ بنت سید شرف تھیں۔ بعد کے بیس سال یعنی ۷۵۳ سے ۷۷۳ تک آپ ہمدان میں مقیم رہے اور اپنی کتابیں تحریر کرتے رہے۔ اس دوران آپ کا زیادہ وقت گنبد علویان میں گزرا۔

ختلان میں مراجعت (۷۷۳ سے ۷۸۰ ہجری):

اخی حاجی ختلانی نے قپاق میں ایک عمارت تعمیر کروائی تھی۔ یہاں پر میر سید علی ہمدانی نے ۷۷۳ ہجری میں موسم گرما کے تین مہینے گزارے اس سال آپ نور الدین جعفر بدخشی کے وطن روستاق بازار بدخشان تشریف لے گئے۔ ۷۷۳ ہجری کے بعد آپ کا واپس ہمدان جانے کا ذکر نہیں ملتا۔ ۷۷۳ھ کو آپ بدخشان گئے اس کے تین ماہ بعد آپ ختلان واپس آئے اور اسی دوران آپ ربیع الاول ۷۷۴ھ کو کشمیر تشریف لائے۔

کشمیر میں اقامت:

شاہ ہمدان پہلی مرتبہ ۷۴۱ ہجری میں کشمیر آئے جو کہ آپ کی بیس سالہ سیاحت کا حصہ ہے پھر ۷۶۰ ہجری کو آپ نے اپنے دو چچا زاد بھائی سید تاج الدین ہمدانی اور سید حسین سمنانی کو کشمیر بھیجا تا کہ مقامی حالات دریافت کریں یہ لوگ سلطان شہاب الدین (۷۵۰ سے ۷۷۱) ہجری کے ایام حکومت میں تشریف لائے اور یہاں قیام فرمایا۔ میر سید حسین سمنانی نے کشمیر کے حالات شاہ ہمدان کو ختلان جا کر بتائے اور دوبارہ شاہ ہمدان نے ۷۷۳ ہجری کو جب سید علی ہمدانی ختلان میں موجود تھے ان کو کشمیر بھیجا[2]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: ص ۳۹۲

[2] تاریخ کبیر از حاجی محی الدین: ص ۱۲

۷۷۴ھ کو جب شاہ ہمدان ختلان سے ختا روانہ ہوئے تو پیر پنجال کے راستے کشمیر آئے اور محلہ علاءالدین پورہ میں میر حسین سمنانی کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔[1]

تاریخ فرشتہ اور سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ آپ سلطان قطب الدین کے دور حکومت میں کشمیر تشریف لائے۔ سلطان قطب الدین نے آپ سے استدعا کی تھی کہ آپ کشمیر تشریف لائیں۔ آپ کی تبلیغ میں صرف ایک ہی دن میں ۳۷۰۰۰ لوگ مسلمان ہو گئے۔

آپ نے بہت سے بت کدے مسمار کر دیئے۔

لداخ اور ترکستان کا سفر:

قدیمی مخطوعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۸۱ یا ۷۸۳ ہجری میں آپ لداخ اور ترکستان میں تبلیغی دوروں پر گئے اور شہر اپیفوس میں بھی گئے اور لداخ اور ترکستان میں اسلام کی اشاعت کی۔ کشمیر کی طرح یہاں بھی آپ کو اسلام کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں پر بھی بہت لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے لداخ میں پہلی مسجد شے (Shey) کے مقام پر میر سید علی ہمدانی نے بنوائی آپ کو لداخ کی ملکہ نے دعوت دی تھی۔ جس کی کوئی اولاد نہ تھی اور آپ کی دعا سے اس کے ہاں اولاد ہوئی اور دریائے شے سیلاب کے دنوں میں اس کے محل کو نقصان پہنچاتا تھا۔ آپ نے دریا پر چھڑی ماری آج تک دریا اس مقام پر خاموشی سے گزرتا ہے۔ لداخ میں آپ کو اسلام کا بانی سمجھا جاتا ہے۔[2]

اوپر مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر ۱۸۱ پر عبدالغنی شیخ کے والے سے تحریر ہے کہ شاہ ہمدان کے اپنے کشمیر کی طرف دوسرے دورے پر جب وہ لداخ سے گزرے جبکہ وہ شگر جا رہے تھے لداخ میں بھی روائتی طور پر شاہ ہمدان کو اسلام کا بانی مانا جاتا ہے۔ اور بہت سی جامعہ مساجد بھی ان سے منسوب ہیں۔

میر سید علی ہمدانی بلتستان میں:

شاہ ہمدان کی بلتستان اور میں آمد اور اسلام کی بنیاد رکھنے کا ذکر بہت سے حوالوں سے ملتا ہے مثلاً بلتستان میں اسلام میر سید علی ہمدانی لے کر آئے۔[3]

---

[1] خلاصہ التواریخ: بٹالوی ص ۱۲۹

[2] Recent Research on Ladakh Four & Fift Proceding of four & Fifth International Colloquia on Ladakh. Edit by Henry Osmaston & Phillip Danwood ,Page.189

[3] کتاب جلوۂ کشمیر: ص ۱۲۷

جب اللہ کی دریائے رحمت میں اس کا فضل موجزن ہوا تو ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۷۸۳ھ سال بعد مقیم خان والی خپلو کے عہد حکومت میں یہاں آفتاب طلوع ہوا۔ میر سید علی ہمدانی کشمیر سے یہاں پہنچے ان کے ہاتھ میں عصا اور جسم مین گلیم تھا[۱]

۷۸۳ ہجری میں میر سید علی ہمدانی بلتستان آئے ڈیڑھ سال قیام کرنے کے بعد یارقند چلے گئے۔[۲]

جس بزرگ نے بلتستان کے بدھ مت کے پیروکاروں کو مذہب اسلام میں داخل کیا اور یہاں نور وحدت پھیلا کر کفر اور ظلمت کو دور کیا وہ میر سید علی ہمدانی تھے۔[۳]

شاہ ہمدان نے لداخ گلگت اور نگر وغیرہ کے علاقوں میں پہلی بار اسلام کی آواز پہنچائی بلتستان میں آپ اسلام کے اوّل مبلغ جانے جاتے ہیں۔[۴]

سرزمین بلتستان میں اسلام سید علی ہمدانی اور ان کے مریدوں کی وجہ سے پھیلا اور کفر اور شرک کی تاریکیاں دور ہو گئیں۔[۵]

میر سید علی ہمدانی اور ان کے مریدوں کی کوششوں سے بلتستان کا طول اور عرض اسلام کے نور سے منور ہوا۔[۶]

شاہ ہمدان کی بلتستان آمد کے واقعات کتاب تحفہ الاحباب جو شمس الدین عراقی کے سوانح عمری پر کتاب ہے اس میں تفصیلی ذکر موجود ہے۔ یہ کتاب نویں اور دسویں ہجری کی مسلک نور بخشیہ کی بہترین کتاب ہے۔ جسے ۱۹۹۲ میں پہلی مرتبہ محمد رضا نے شائع کیا ۲۰۰۹ میں یہ دوبارہ شائع ہوئی۔ اس کا فارسی تحقیقی متن ڈاکٹر غلام رسول جان نے سری نگر سے شائع کیا۔ اس کے مشہور نسخے مولوی محمد ابراہیم چھچھن خاپولو اور مولوی محمد علی غربو چنگ خپلو کی پاس موجود تھے۔

جس کے مطابق میر سید علی ہمدانی سکردو، شگر، تھلے، بلغار، سلتور کے علاقوں میں بھی تبلیغ کے لئے گئے اور اس سفر میں آپ سے خوارق العادات کرامات بھی صادر ہوئیں۔

۱۔ نور المومنین از مولانا حمزہ علی: ص ۴۴۴
۲۔ پیام عمل از وزیر احمد: ص ۲۳
۳۔ گلدستہ عباس از مولوی غلام حسین سلیم: ص ۱۲
۴۔ میر سید علی ہمدانی: از ڈاکٹر محمد ریاض: ص ۳۳
۵۔ خاور نامہ: عبدالحمید خاور: ص ۲۵
۶۔ آئینہ بلتستان از شمیم بلتستانی: ص ۲۴

وصال مبارک:

آپ ذی القعدہ ۷۸۶ ہجری کو کنار میں شاہی مہمان کی حیثیت سے رہے۔ یکم ذوالحجہ ۷۸۶ ہجری کو آپ علیل ہوئے اور پانچ روز اسی طرح علالت میں گزرے آپ کی وفات ۷۸۶ ہجری میں ہوئی۔ خلاصہ المناقب میں آپ کی وفات کنار کے علاقے میں بتائی گئی۔ اس سے کچھ دن قبل آپ پکھلی میں بھی رہے۔ رسالہ مستورات میں تحریر ہے کہ شاہ ہمدان نے ختلان میں ایک خطہ زمین خرید کر مریدین کو نصیحت فرمائی تھی کہ ان کو یہیں پر دفن کیا جائے۔ جبکہ سلطان محمد خضر شاہ چاہتا تھا کہ حضرت کو پکھلی میں دفن کرے اور مریدین جو ہم رکاب تھے ختلان لے جانا چاہتے تھے بقول مفتی غلام سرور طرفین میں اصرار بڑھا تو شیخ قوام الدین بدخشی نے کہا جو جماعت تابوت اٹھا سکے گی وہی اپنی مرضی کے مطابق دفن کرے۔ سلطان کے ملازمین پوری قوت کے باوجود تابوت نہ اٹھا سکے اور آپ کے مریدین نے یک بارگی میں تابوت اٹھالیا۔

بقول قاضی نور اللہ شوستری کہ جب تابوت ختلان میں پہنچا تو اس قدر خوشبو آ رہی تھی کہ فضاء معطر ہو گئی۔ مزید فرشتے، سفید ابر کی مثل جنازہ پر سایہ فگن تھے۔ خلاصہ المناقب میں تحریر ہے کہ ۲۵ جمادی الاوّل سن ۷۸۷ ہجری میں تابوت ختلان میں پہنچا اور آپ کو کولاب میں دفن کیا گیا۔

آجکل یہ جگہ تاجکستان میں آتی ہے۔ اس مزار مبارک میں آپ کے فرزند سید میر محمد ہمدانی آپ کی بہن سیدہ ماہ خراسانی اور اولاد سے کچھ افراد کی قبور بھی ہیں۔

خانقاہ معلیٰ:

کشمیر میں محلہ علاءالدین پورہ جہاں آپ قیام پذیر ہوئے آپ نے وسیع عریض خطہ خرید کر مسجد تعمیر کروائی اور یہ خانقاہِ معلیٰ کے نام سے مشہور ہوئی یہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے یہ خانقاہ کشمیر میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

اولاد میر سید علی ہمدانی:

آپ کی اولاد میں بغیر کسی اختلاف کے ایک بیٹی اور ایک بیٹا تھا بیٹی کا نام بعض نے ماہ خراسان بھی تحریر کیا تھا۔ لیکن ماہ خراساں آپ کی بہن تھی اور بقول سید کمال الدین حسین ہمدانی کہ آپ کی دختر کی شادی میر سید سلطان حیدر موسوی صفوی سے ہوئی تھی [1]

---

[1] صاحب مودہ فی القرباء از سید کمال الدین حسین ہمدانی: ص ۱۶۸۔۱۷۰

بقول سید محسن حسینی کشمیری کہ آپ کی دختر کی شادی حیدر موسوی صفوی سے ہوئی تھی۔[1]
لیکن بعض نے میر سید علی ہمدانی کی دختر کی شادی آپ کے مرید خواجہ اسحاق ختلانی سے بھی تحریر کی۔
میر سید علی ہمدانی کی اولاد بغیر کسی اختلاف کے آپ کے فرزند میر سید محمد ہمدانی سے جاری ہوئی۔

(۱۲۵) میر سید محمد ہمدانی بن سید علی ہمدانی حسینی اعرجی

سید محسن کشمیری حسینی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے پدر بزرگوار نے مولانا محمد سرائی کو دو دستاویزات بطور امانت دی تھیں۔ ایک خلافت نامہ اور دوسرا وصیت نامہ تھا اور کہا تھا کہ یہ دونوں دستاویزات خواجہ اسحاق ختلانی اور نور الدین جعفر بدخشی تک پہنچائی جائیں۔ جب ان دونوں نے یہ دستاویزات حاصل کر لیں تو میر سید محمد ہمدانی کی خدمت میں آ گئے۔

تو سید محمد ہمدانی نے دستاویزات طلب کیں۔ تو خواجہ صاحب نے وصیت دے دی اور خلافت نامہ سے متعلق کہا کہ اس کا مستحق وہ ہے جو تلاش حق وحقیقت میں مقام مطلوبیت تک پہنچ جائے۔ جس کا رتبہ خادمیت سے مخدومیت پر ختم ہو۔ ابھی وہ وقت دور ہے جب موقع آئے گا تو خلافت نامہ آپ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر میر سید محمد ہمدانی کا حال تبدیل ہو گیا۔ آپ نے تین برس تک خواجہ اسحاق ختلانی سے باطنی تربیت پائی اور نور الدین جعفر بدخشی سے بھی فیض حاصل کیا اور باطنی علوم کے علاوہ مروجہ علوم میں بھی کافی مہارت حاصل کر لی۔ آپ کو سولہ برس کی عمر میں خلافت نامہ مل گیا۔ اور پھر آپ عوام کی رہبری میں مشغول ہو گئے۔

میر سید محمد ہمدانی ۷۹۶ ہجری میں سلطان سکندر کے عہد حکومت میں کشمیر تشریف لائے اور یہاں بارہ سال قیام کیا۔ آپ کا پہلا نکاح سید حسن بہادر بن سید تاج الدین حسین ہمدانی کی دختر تاج خاتون سے ہوا۔ پانچ سال کے بعد یہ معظّمہ فوت ہو گئیں۔ اس کے بعد دوسری شادی سلطان سکندر کے مشیر وزیر پنڈت سہ بھٹ کی بیٹی بارعہ بی بی سے ہوا اور ایک سال کے اندر اندر وہ بھی فوت ہو گئیں۔ سلطان سکندر نے جو باغ کرالہ پورہ میں خاص میر سید محمد ہمدانی کے لئے بنوایا تھا بی بی بارعہ کو بھی اس میں دفن کیا۔ یہ مقام مزار دِدہ موجی کے نام سے معروف ومشہور ہے۔ اپنے بارہ سالہ قیام میں آپ نے کشمیر کو اسلامی ثقافت کے لحاظ سے کافی سنوارا کشمیر میں خانقاہیں، مسجدیں اور مدرسے تعمیر کروائے۔ اپنے ساتھ لائے ہوئے مبلغین کو دور دراز علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیج دیا۔

---

[1] دانشنامہ شیعیان کشمیر: از محسن حسینی کشمیری: ص ۵۴

خانقاہ معلیٰ کی تعمیر آپ کے زیرنگاہ ۷۹۹ھ کو پایہ تکمیل کو پہنچی آپ نے سلطان کو ایک بیش بہا لعل بدخشانی دیا کہ اس کے عوض تین گاؤں ترال، نوٹہ ونی اور موضع وچی کو لے لیا اور ان کی آمدنی کو خانقاہ معلیٰ کی اخراجات کے لئے وقف کر دیا۔

آپ نے قصبہ ترال میں ۸۰۰ ہجری کو ایک اور خانقاہ تعمیر کروائی جو مرجع خاص و عام ہے۔ وچی میں ایک اور خانقاہ ۸۰۱ ہجری میں تعمیر کروائی اس خانقاہ کو بعد میں مغل بادشاہوں نے ایک اور جگہ منتقل کیا اور آج بھی خانقاہ کبروی کے نام سے معروف ہے۔ اس کے علاوہ سوپور اور درگجن میں بھی آپ نے خانقاہیں تعمیر کروائیں۔

سری نگر کی جامع مسجد میر سید محمد ہمدانی کی کوشش اور سلطان سکندر کی وساطت سے ۸۰۱ ہجری میں مکمل ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں تین سو بہتر ستون نصب کئے گئے جو آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ سری نگر میں موجود عید گاہ بھی مالکان سے خرید کر پوری زمین مسلمانوں کے لئے وقف کر دی۔

کہ اس میں نماز عید پڑھ سکیں۔ پھر سکندر کے فرزند علی شاہ نے اس میں بڑی مسجد بنوائی جسکا نام مسجد علی رکھا گیا جو بعد میں بگڑ کر عالی مسجد ہو گیا۔ آپ علماء کے ہمراہ تبت خورد، شگر (بلتستان) اور لداخ وغیرہ میں بھی گئے اور یہی وجہ ہے کہ ان علاقوں میں مذہب شیعہ کو فروغ حاصل ہوا آپ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے پورے کشمیر میں مسلک امامیہ پھیلایا۔ سید محمد حصاری جو حنفی طریقے پر تھے ان سے آپ اکثر بحث ومباحثے میں الجھتے تھے اور دونوں کے درمیان کافی رنجش واقع ہوئی بالآخر سید محمد حصاری کی وجہ سے ہی آپ کشمیر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اور سری نگر سے حج کے لئے نکل پڑے۔ مؤرخ حسن نے روانگی کی تاریخ ۸۱۷ھ تحریر کی اس حساب سے کشمیر میں اکیس یا بائیس سال قیام فرمایا۔ حج سے واپسی پر کولاب تشریف لے گئے اور وہی وفات پائی اور اپنے والد کے روضہ میں دفن ہوئے۔[1]

اولاد سید محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی

آپ کی والاد بقول سید مکرم حسین مجتہد اور دیگر مخطوطات اور قدیم شجرات سادات ہمدانیہ کے معروف تین فرزندان ہیں (۱) علاؤ الدین (۲) ابوعلی عمر (۳) میر سید حسن ہمدانی

جبکہ بعض شجرات میں دیگر فرزندان، سید وارث، سید محمد، سید نور، سید احمد، اور ایک دختر جنکی شادی سید

[1] دانشنامہ شیعیان کشمیر: از سید محسن کشمیری: ص ۸۲۔ ۸۰: نشر مرکز احیاء آثار برصغیر (شعبہ کراچی)

محمد جبل عاملی موسوی صفوی سے ہوئی تھی، قصور کے سادات ہمدانیہ کے شجرات ہیں حسین، نوح داوٗد اور محمود بھی تحریر ہیں لیکن آپ کی طرف جن سادات کا نسب منتھیٰ ہوتا ہے۔

ان کے مطابق آپ کی اولاد تین فرزندان: (۱) سید علاء الدین (۲) سید ابوعلی عمر اور (۳) میر سید حسن ہمدانی سے جاری ہوئی۔

اوّل علاء الدین بن سید محمد ہمدانی کی اولاد میں کتاب اشراف عرب کے مطابق سید شمس الدین سیاہ پوش بن علاوٗ الدین المذکور ہیں جن کا مزار بھارتی صوبہ بہار میں واقع ہے۔ اور ان کی اولاد بھی بھارت میں موجود ہے۔ دوئم سید ابوعلی عمر بن سید محمد ہمدانی کی اولاد سے سادات جلالی علی گڑھ ہیں سوئم سید میر حسن ہمدانی بن سید محمد ہمدانی کی اولاد سادات دندہ شاہ بلاول اور پنجاب کے متعدد موضعات میں موجود سادات ہیں۔

(۱۲۶) سادات جلالی عابدی حسینی اعرجی (علی گڑھ ہندوستان)

بقول سید کمال الدین ہمدانی کہ میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان کے بیٹے میر سید محمد ہمدانی کے فرزند سید ابوعلی عمر تھے جنکی اولاد ایک فرزند سید احمد ہمدانی سے جاری ہوئی۔ میر سید احمد ہمدانی کے فرزند میر سید کمال الدین حسین ہمدانی ہندوستان میں ہمایوں بادشاہ کے عہد میں وارد جلالی ہوئے اور یہ علاقہ علی گڑھ اتر پردیش کا ہے۔ جب مرزا حیدر دوغلت نے کشمیر میں سادات ہمدانیہ اثناءعشریہ پر ظلم وستم کا دروازہ کھول دیا تو آپ نے ہندوستان میں ہجرت کی اور جلالی میں قاضی کے عہدے پر سرفراز ہوئے جامع مسجد حصار جلالی جس کو سلطان غیاث الدین بلبن نے بنایا تھا آپ کے زیر انتظام رہی آپ نے میر سید علی ہمدانی کے مشن کو جاری رکھا اوراد فتحیہ اور تعزیہ داری وعلم داری شروع کروائی۔[۱]

میر سید کمال الدین حسین ہمدانی کی اولاد چار پسران سے جاری ہوئی: (۱) سید عطاء اللہ (۲) سید جان محمد (۳) سید امیر (۴) سید مخدوم

آج جلالی کی عابدی سادات انہیں چار سیدوں کی اولاد سے ہیں سید مکرم حسین مجتہد نے اپنی کتاب نسب نامہ سادات جلالیہ موسوم بہ خلاصہ الانساب میں ان کے نسب کی ترتیب اسی طرح بیان کی ہے اور بعد میں کمال الدین ہمدانی نے اپنی اشجار الکمال اور صاحب مودت فی القرباء میں اس قدیم فارسی قلمی بیاض سے نقل کیا۔[۲]

۱۔ کتاب صاحب مودت فی القرباء: از سید کمال الدین حسین ہمدانی: ص ۶۱

۲۔ نسب نامہ جلالیہ الموسوم بہ خلاصہ الانساب: از مکرم حسین مجتہد قلمی نسخہ: ص ۱۔۱۱ (غیر مطبوعہ)

اِسی خاندان سے مشہور شاعر سید محمد حسین ہمدانی المعروف استاد قمر جلالوی گزرے ہیں۔

(۱۲۷) افضل العلماء مولانا سید مکرم حسین مجتہد ہمدانی

آپ نے اپنے حالات اپنے مرتب کردہ نسب نامہ سادات جلالیہ میں تحریر کیے ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم تجارہ میں ہوئی اس زمانے میں تجارہ کے قاضی سید اولاد علی صاحب تھے جن کی وفات ۱۸۹۶ کو ہوئی قاضی صاحب کا خاندان تجارہ کا بڑا علمی خاندان تھا۔ غالباً آپ کی ابتدائی تعلیم اس خاندان میں ہوئی۔ بعد میں آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل فرمائی۔ جامع العلوم مولانا مرزا محمد علی صاحب اور مرزا امجد علی صاحب سے آپ نے علوم عقلیہ اور نقلیہ میں استفادہ فرمایا اس کے بعد فخر المدرسین ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب قبلہ طاب ثراہ سے اصول و فروغ میں استفادہ فرمایا آپ کے زہد اور علم سے مطمئن ہو کر حضرت نے اجازہ خاصہ مرحمت فرمایا اس کے بعد آپ علم فقہ کی تحقیق میں مصروف ہو گئے اور رسائل اصولیہ اور فروغیہ پر رسائل تصنیف فرمائے۔ آپ کی تصانیف ہے، رسالہ جمعہ، رسالہ کُر رسالہ نو روز اور خلاصہ الانساب زیادہ مشہور ہیں۔ آپ میر سید علی ہمدانی کی اولاد میں مجتہد تھے۔

آپ کا کتب خانہ نہایت دقیع تھا جو آپ کے اخلاف نے علماء لکھنؤ کو نذر کیا۔ جو مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے کتب خانہ میں شامل ہے۔ آپ نے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کی شان ہیں ''ہفت بند'' بھی نظم فرمائے جو شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے نہم ربیع الاوّل ۱۳۰۵ ہجری بمطابق ۱۸۷۹ میں وفات پائی اور امام باڑہ مظہر علی محلہ گڑھی میں دفن ہوئے۔

(۱۲۸) سادات ہمدانی اعرجی دندہ شاہ بلاول

آپ میر سید حسن ہمدانی بن میر سید محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان کی اولاد سے ہیں۔ بقول سید کمال الدین حسین ہمدانی کہ محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی کی اولاد کشمیر پکھلی، پنجاب، مہاراشٹر اور ملتان وغیر میں پھیلی ہوئی ہے۔[1]

سید کمال الدین حسین ہمدانی کے اس بیان میں پنجاب میں آباد ہمدانی سادات سے مراد سید احمد شاہ ہمدانی المعروف نوری شاہ سلطان بلاول کی ہی اولاد ہے جن کی کثیر تعداد پنجاب کے مختلف اضلاع میں آباد ہے۔

---

[1] اشجار الکمال از سید کمال الدین حسین ہمدانی: ص ۴۴

اولاد میر سید علی ہمدانی کی ہجرتیں:

آج دنیا میں چار بڑے خاندان میر سید علی ہمدانی کی اولاد ہونے کے دعویٰ دار ہیں: (۱) اولاد علاؤالدین (۲) اولاد شاہ محمد جعفر (۳) اولاد کمال الدین حسین ہمدانی (۴) اولاد سید احمد شاہ بلاول ہمدانی۔

اوّل اولاد علاء الدین ہمدانی بن سید محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی جو کہ بھارتی صوبہ بہار میں آباد ہے اِن کے حالات کی زیادہ معلومات نہ ہوئی کہ وہ کہاں سے ہجرت کر کے وارد ہندوستان ہوئے البتہ کتاب اشراف عرب میں نجمی صاحب نے ان کا ذکر خیر کیا اور توصیف وتعریف بھی کی۔

دوئم:

اولاد سید کمال الدین حسین ہمدانی بن احمد بن ابوعلی عمر بن محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی یہ سادات کولاب سے دوبارہ کشمیر داخل ہوئے مگر کچھ عرصہ قیام کے بعد مرزا حیدر دوغلت کے ظلم سے تنگ آ کر ہمایوں مغل بادشاہ کے عہد میں وارد جلالی علی گڑھ ہندوستان ہوئے جس کا ذکر متعدد کتب میں موجود ہے۔

سوئم:

اولاد شاہ محمد جعفر بن نورالدین کمال بن سید احمد قتال بن میر سید حسن ہمدانی بن میر سید محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان ڈاکٹر سید عبدالرحمان ہمدانی نے اپنی کتاب سالارِعجم، ہم اور ہمارے اسلاف میں یہ تحریر کیا کہ ان کا خاندان ہمدان سے تلہ گنگ اور تلہ گنگ سے قصور گیا اور اس کا ذکر سید رضا شاہ ہمدانی نے اپنی کتاب ''تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں'' بھی کیا ہے۔

چہارم:

اولاد سید احمد کبیر الدین بن نور الدین کمال بن احمد قتال بن میر حسن ہمدانی بن میر سید محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان آپ کی اولاد سے عارف باللہ سید احمد شاہ ہمدانی المعروف شاہ بلاول ہمدان سے بیجاپور اور بیجا پور سے سندھ اور سندھ سے تلہ گنگ تشریف لائے اور مستقل اس جگہ آباد ہو گئے بعد میں یہ جگہ آپ کے نام کی نسبت سے دندہ شاہ بلاول کہلائی۔ اور جہاں خوشاب میں آپ نے ریاضت کی اور عبادت میں مصروف رہے۔ وہ جگہ انگہ شاہ بلاول کہلائی۔

خاندان چہارم کے مورث اعلیٰ سید احمد شاہ بلاول ہمدانی ہمدان سے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں وارد ہند ہوئے۔ یہ خاندان اولاد میر سید علی ہمدانی کے خاندان میں وہ واحد خاندان ہے جو کولاب سے واپس

ہمدان گیا اور پھر دوبارہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ہندوستان وارد ہوا۔ اور اس خاندان کی روایت کی تائید تاریخ کی کتب محکمہ اوقات ہمدان اور آیت اللہ سید محمد علی روضاتی کی تحریر سے ہوجاتی ہے۔

تاریخی جائزہ

(۱) تحقیق آیت اللہ سید محمد علی روضاتی نسابہ:

سید اسد اللہ خضری حسینی نے آیت اللہ سید روضاتی سے سوال کیا کہ سید علی سیاہ پوش کیا موسوی سید ہیں۔ آپ اس کی وضاحت فرمائیں کہ کچھ کتب میں مَیں نے پڑھا کہ وہ شخص سادات موسوی سے تھے اور اُن کا نام سید علی سیاہ پوش تھا۔[1]

جواب:

میر سید علی سیاہ پوش جو کہ موسیٰ ابن جعفر کی اولاد سے ہیں کے بارے میں معلومات میسر نہیں لیکن میر سید علی ہمدانی جن کی بہت سی تصانیف ہیں جو کہ کشمیر کی طرف گئے وہ تیمور لنگ کے ہم عصر تھے آپ کا سلسلہ نسب امام زین العابدینؑ تک پہنچا ہے۔ اُن کی اولاد زیادہ ہمدان میں ہے جبکہ علوی سیاہ پوش اور علوی کیا کے ناموں سے ہمدان میں ساکن ہے۔ انہیں کی اولاد سے ایک شخص بنام میر سید علی کیا ہمدانی (سیاہ پوش) کے بعض دیہات یعنی باغ علی، دستجونہ، دستیانہ وغیرہ وقف ہیں اس وقت ان کی قبر سلیمانیہ کردستان میں ہے۔ ان کی اولاد سے سید ابو الحسن ہے جو زید ابو الحسن کے نام سے معروف ہے۔ ہمدان کے گنبد علویان میں مدفون ہے۔ وہ عثمانیوں (سلطنت عثمانیہ) کے ساتھ جنگ میں شہید ہوا موجودہ علوی سادات پشتوں سے اس تک پہنچے ہیں۔ اُن سے ابو الحسن بن ابو الحسن شاہ سلطان حسین صفوی کے دور میں افغانوں کے ساتھ جنگ میں مارا گیا۔[2]

(۲) گنبد علویان از ادارہ کل باستان شناسی:

کتاب سالار عجم میں سید عبدالرحمان ہمدانی فرماتے ہیں کہ میں اجداد کی قبور کی تحقیق کے لئے ہمدان گیا۔ اور گنبد علویان کے بارے ہی دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اس تاریخی عمارت جو کہ علوی خاندان کا معبد تھا کو سلجوقیہ عہد میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں میر سید علی ہمدانی کی اولاد سے دو بزرگوں سید ابو الحسن اور سید علی

---

[1] سن شمارہ پاسخ آیت اللہ روضاتی بہ آقائی سید اسد اللہ خضری: ۱۴ ذی حجہ ۱۳۷۴

[2] اسناد در بارۂ چگونگی گرد آوری شجرۂ ھائی سادات موسوی متعلق بہ حضرت آیت حاج نسابہ سید محمد علی روضاتی صاحب جامع الانساب اسناد بہارستان، نویسندہ رسول جعفریان، شمارہ ۱۰ بہار ۱۳۹۰

(سیاہ پوش) کی قبریں ہیں۔ اس تاریخی عمارت کو ادارہ کل باستان فارسی نے ۱۹۲۲ء میں قومی تحویل میں لیا تھا اور ۳۹۔۱۹۳۸ میں وزارت فرہنگ نے اس کیلئے حفاظتی اقدامات کئے ڈاکٹر محمد ریاض پروفیسر شعبہ ادبیات فارسی سنٹرل کالج اسلام آباد جنہوں نے حضرت میر سید علی ہمدانی پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ کہ تہران یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا نے صاحب سالار عجم ڈاکٹر عبدالرحمان ہمدانی کو بتایا کہ گنبد علویان کی دو قبریں اسی خاندان کی ہیں۔ ڈاکٹر محمد ریاض نے مزید بتایا کہ ہمدان میں چار مربع میل پر محیط ایک وسیع قبرستان تھا جس میں سے وہ قبریں جو پچاس سال سے زائد عرصہ کی تھیں مسمار کر دی گئیں۔ اور حکومت نے پارک بنا دیئے یہ سیرگاہ و باغ علی کی جگہ پر بنائی گئی اور اس قبرستان مین قبریں بھی اسی سادات خاندان کی تھیں اور یہ باغ میر سید علی ہمدانی کی ملکیت تھا[1]

(۳) تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں (قلمی نسخہ) غیر مطبوعہ:

تلہ گنگ کی تاریخ پر سید رضا شاہ ہمدانی کی کتاب تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں حضرت سید احمد شاہ بلاول ہمدانی کی زندگی پر بہترین روشنی ڈالی گئی اور سادات ہمدانیہ کی قدیمی قلمی کتابوں اور مشجرات کی مدد سے سادات ہمدانیہ کے جد امجد سید احمد شاہ بلاول کی زندگی تحریر کی گئی۔ اس میں سید رضا شاہ صاحب نے واضح تحریر کیا ہے کہ سید شاہ بلاول ۱۶۵۵ھ کو شاہ سلیمان صفوی کے دور حکومت میں ہمدان میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کا خاندان ہمدان میں مقیم تھا۔ پھر ولی عہد حسین صفوی سے اختلاف کی وجہ سے آپ اکبر بن اورنگ زیب شہزادے کے ساتھ عادل شاہی حکمرانوں کے پاس بیجاپور آئے اور بعد میں سندھ آئے اور سندھ میں چلہ کاٹا اور بعد میں دندہ شاہ بلاول میں آ کر آباد ہو گئے۔

(۴) تاریخی نظم از شاہ امیر عالم ہمدانی:

سید احمد شاہ بلاول کی اولاد سے سید شاہ امیر عالم بن حیدر شاہ بن چراغ شاہ بن سید گل محمد بن جیون شاہ بن سید نظام الدین سید ابراہیم بن سید احمد شاہ بلاول المذکور نے اپنے جد اعلیٰ سید سلطان شاہ بلاول کی تعریف تحریر کی اور اس منظوم کلام میں آپ کی ہمدان سے ہندوستان آمد کے نقاط تحریر کئے جن کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ہمدان میں ہوئی۔ اور آپ سندھ میں آئے اور کسی جگہ دریائے سندھ میں چلہ کاٹا اور جب زمانے کے غوث منتخب ہوئے تو دندہ شاہ بلاول آئے اور یہاں سلسلہ رشد و ہدایت شروع کیا۔

---

[1] از ہمدان تا کشمیر از اصغر علی حکمت: سال چہارم شمارہ ششم: ص ۳۴۲، ۳۴۳۔ سالار عجم: از سید عبدالرحمان ہمدانی: ص ۲۲۔ ۳۲

حاصل بحث

(۱) مسکن:

سادات ہمدانیہ کی صدری روایت کہ حضرت سید احمد شاہ بلاول ہمدان میں پیدا ہوئے اس کی تائید میں آیت اللہ محمد علی روضاتی کی تحریر ہے کہ اولاد میر سید علی ہمدانی ہمدان میں موجود تھی۔صدری روایت بھی یہی ہے۔اصغر علی حکمت نے بھی از ہمدان تا کشمیر میں یہی بیان کیا۔ڈاکٹر محمد ریاض کی عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اولاد میر سید علی ہمدانی ہمدان میں موجود تھی۔

سید رضا شاہ کی تحریر (قلمی نسخہ) میں بھی یہی رقم ہے کہ ۱۶۵۵ میں سید احمد شاہ بلاول ہمدان میں پیدا ہوئے۔اور شاہ امیر عالم کے قصیدے میں بھی یہی رقم ہے۔سادات ہمدانیہ دندہ شاہ بلاول اولاد میر سید علی ہمدانی میں وہ واحد خاندان ہے جو ہمدان سے آکر ہندوستان آباد ہونے کا دعوے دار ہے۔جبکہ باقی حضرات کی تواریخ اس سے مختلف ہے۔اور ہمدان میں دوبارہ میر سید علی ہمدانی کی اولاد کا آباد ہونا یعنی کولاب سے واپس ہمدان جانا ثابت شدہ ہے۔

(۲) تاریخ طور پر وجود:

مندرجہ بالا نقاط اور حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔کہ اولاد میر سید علی ہمدانی کا وجود ہمدان میں باقی تھا اور ہمدان میں باغ علی، دستجونہ، دستیانہ اور سلیمانیہ (کردستان) کے بعض موضعات میں یہ خاندان پھیلا ہوا تھا۔اور اسی خاندان کی جو شاخ ہمدان میں باغ علی میں آباد تھی اُن حضرات میں سے ایک سید احمد ہمدانی تھے جو سندھ آمد کے بعد شاہ بلاول کے لقب سے مشہور ہوئے اور آج ان کے نام سے زیادہ یہ لقب مشہور ہے۔

(۳) خاندان جہاں سے آیا ہے اور جہاں آباد ہے دونوں جگہ شواہد کا ہونا:

کسی بھی خاندان کے تاریخی وجود کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاندان جہاں سے آیا ہے وہاں اس کے آثار ہونے چاہیے یعنی وہاں مزار قبور یا ان سے منسوب عمارت وغیرہ اور جہاں آکر وہ سادات آباد ہوئی وہاں بھی ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔اس کے علاوہ وہاں کے انساب کی کتب میں ان کی طرف اشارہ اور یہاں کی انساب کی کتب میں یہ بھی ذکر ہونا اہم ہے۔دونوں طرف کی تاریخی کتب میں بھی انکا وجود ثابت ہونا چاہیے۔

سید احمد شاہ بلاول کے اجداد کی قبور اور مزار گنبد علویان ثابت ہے اور پاکستان میں ان کی اولاد کی آبادیاں

اورمزارات موجود ہیں۔اوران کی اولاد کے نام پراورخودان کے نام پر متعدد قصبہ جات ہیں خود سید احمد شاہ بلاول کے نام پر پاکستان مین تین علاقے ہیں دندہ شاہ بلاول (تلہ گنگ) انگہ شاہ بلاول (خوشاب) اور قصبہ بلاول (تحصیل راولپنڈی) ان کی اولاد سے سید قادر بخش ہمدانی کے نام پر قادر پور (قلہ گنگ) کا علاقہ ہے۔اور ہمدان میں ان کے آباء واجداد کے قدیمی آثار موجود ہیں جن میں باغ علی اور گنبد علویان قابل ذکر ہیں۔

(۴) سندھ میں اقامت:

سید رضا شاہ ہمدانی کی کتاب تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں اورشاہ امیر عالم کا منظوم قصیدہ دونوں میں سیدشاہ بلاول کا سندھ میں قیام کرنا درج ہے۔اوراس جگہ آپ کا کسی ایسی جگہ محوعبادت رہنا جو پانی میں تھی۔

سید رضا شاہ نے جس جگہ کا ذکر کیا ہے سادات بھکری کے جدامجد یا ان کی اولاد کے مزارات کے قریب واقع ہے۔اور دریائے سندھ کے اندر ایک جزیرہ نما جگہ ہے۔سید شاہ امیر عالم ہمدانی کے بقول آپ نے پانی میں ریاضت کی اور یہ جگہ سندھ میں واقع تھی دریائے سندھ میں ایک جگہ جزیرہ نما آج بھی موجود ہے جو چلہ گاہ شاہ ہمدانی سے معروف ہے۔ ہمارے کچھ احباب باقاعدہ اس جگہ کی زیارت بھی کر کے آئے ہیں۔ اور یہ جگہ شاہ ہمدانی کی چلہ گاہ سے معروف ہے بعض ہمدانی بزرگان کے نزدیک سادھو بیلہ نامی جزیرہ ہے جو دریائے سندھ کے درمیان ہے۔ جہاں پر بیٹھ کر سید احمد شاہ بلاول نے عبادت کی۔

یوں سادات ہمدانیہ کے آثار میں یہ جگہ اہم ہے۔ اور یہ بات ثبوت کو پہنچتی ہے کہ شاہ بلاول نے سندھ میں قیام کیا۔

(۵) سلطان حسین صفوی کی افغانوں کے ساتھ جنگ میں اس خاندان کے افراد کی شرکت:

سید محمد علی روضاتی کی تحریر میں جو شخصیت گنبد علویان میں مدفون ہیں سید ابوالحسن ان کی اولاد سے ایک فرد کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ سلطان حسین صفوی کے دور میں افغانوں سے جنگ کرتے مارا گیا۔

اور سید رضا شاہ نے بھی اپنی قلمی کتاب میں یہ ذکر کیا ہے کہ شاہ بلاول کے دوفرزند سید شاہ اسحاق نوری اور سید عبداللہ دونوں نے جبری بھرتی کے تحت اس جنگ میں شرکت کی اور جنگ ختم ہونے پر میدان سے نکل کر وارد ہند ہوئے اور اپنے والد کے پاس آ گئے۔

ان دونوں دلائل سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ علوی سادات جو ہمدان میں مقیم تھی ان کے کچھ افراد نے اس جنگ میں شرکت کی۔سید رضا شاہ کی کتاب کے کچھ نقاط سید محمد علی روضاتی کی تحریر سے باکل ہم آہنگ ہیں۔

(۶) گنبد علویان:

گنبد علویان کا ذکر سید عبدالرحمان ہمدانی نے اپنی کتاب ''سالارِ عجم'' میں کیا ہے۔ وہ اس حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد ریاض نے خود ان کو بتایا کہ گنبد علویان میں موجود دو قبریں اس خاندان کی ہے۔[1]

اس کے علاوہ اصغر علی حکمت نے لکھا ہے کہ ہے مزار میر سید علی ہمدانی کی اولاد میں سے دو افراد، ابوالحسن اور سید علی (سیاہ پوش) کے ہیں۔[2]

آیت اللہ سید محمد علی روضاتی کی تحریر میں بھی میں یہی تحریر ہے کہ میر سید علی ہمدانی کی اولاد سے زید ابوالحسن گنبد علویان میں مدفون ہیں وہ عثمانیوں کے ساتھ جنگ میں شہید ہوا موجود علوی سادات پشتوں سے اُس تک پہنچتے ہیں۔ اس کے علاوہ سادات ہمدانیہ کی صدری روایات بھی یہی ہیں کہ کے گنبد علویان سید احمد شاہ بلاول کے اجداد کا مزار ہے۔

(۷) باغ علی:

بقول سید عبدالرحمان ہمدانی کہ ڈاکٹر محمد ریاض پروفیسر شعبہ ادبیات فارسی سنٹرل کالج اسلام آباد جنہوں نے میر سید علی ہمدانی پر تحقیقی مقالہ لکھ کر تہران یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی نے خود سید عبدالرحمان ہمدانی کو بتایا گنبد علویان میں دو قبریں اِسی خاندان سے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ ہمدان میں چار مربع میل پر محیط ایک وسیع قبرستان تھا جس میں سے ہر وہ قبر جو پچاس سال سے زیادہ پرانی تھی مسمار کر دی گئی اور حکومت نے اس جگہ پارک بنا دیا۔ اور یہ سیرگاہ ''باغ علی کی جگہ پر بنائی گئی اور اس قبرستان میں قبریں بھی اسی سادات خاندان علوی کی تھیں اور یہ باغ علی'' میر سید علی ہمدانی کی ملکیت تھا۔[3]

دوسری طرف بقول آیت اللہ سید محمد علی روضاتی کہ میر سید علی ہمدانی جن کا سلسلہ نسب امام زین العابدینؑ تک پہنچتا ہے اُن کی زیادہ اولاد ہمدان میں علوی سیاہ پوش اور علوی کیا ناموں سے معروف ہیں اور ان کی زیادہ تعداد ہمدان میں آباد ہے انہیں کی اولاد سے ایک شخص میر سید علی کیا ہمدانی کیلئے بعض دیہات ''باغ علی''، دستجونہ اور ''دستیانہ'' وقف ہوئے۔[4]

---

[1] سالار عجم از سید عبدالرحمان ہمدانی، ص ۳۲۔ ۲۲

[2] از ہمدان تا کشمیر از اصغر علی حکمت، سال چہارم، شمارہ ششم، ص ۳۴۳

[3] سالار عجم از سید عبدالرحمان ہمدانی ۔ص ۳۲۔ ۲۲

[4] اسناد بہارستان ۔ نویسندہ رسول جعفریان شمارہ اوّل بہار ۱۳۹۰ اسنادی دربارۂ چگونگی گردآوری شجرہ نامہ ہائے سادات موسوی متعلق بہ حضرت آیت اللہ سید محمد علی روضاتی، صاحب جامع الانساب

مندرجہ بالا دونوں تحریروں سے یہ بات واضح ہے کہ سادات ہمدانیہ کے اجداد کی ملکیت باغ علی تھی جہاں انکے مزار اور قبور تھیں جن میں سے ایک تحریر ایرانی عالم کی ہے اور دوسری تحریر پاکستانی نژاد ہمدانی سید کی ہے۔

اسکے علاوہ میر سید علی کیا ہمدانی المعروف سیاہ پوش جن کا ذکر سید محمد علی روضاتی نے باغ علی کے مالک کی حیثیت سے کیا۔ ہمدانی سادات کے مشجرات میں سید علی سیاہ پوش بن احمد کبیر الدین بن نور الدین کمال بن سید احمد قتال بن میر سید حسن ہمدانی بن سید محمد ہمدانی بن میر کبیر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان ہیں۔

اصغر علی حکمت نے اور میں (مؤلف) نے بھی ان کا مدفن گنبد علویان تحریر کیا ہے۔

شجرہ نسب:

سید احمد شاہ بلاول کا نسب جو سادات ہمدانیہ کے عام شجروں میں ہے دراصل انکے قدیم شجروں سے نقل ہے جو اسطرح ہے۔ سید احمد شاہ بلاول بن سید اسماعیل ہمدانی بن سید زبیر ہمدانی بن سید نور اللہ بن شاہ فتح اللہ بن سید حسین ہمدانی بن شاہ محمود ہمدانی بن سید جمال الدین حسین بن سید علی سیاہ پوش بن سید احمد کبیر الدین بن نور الدین کمال بن سید احمد قتال بن سید حسن ہمدانی بن میر محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان۔

یہ وہ شجرہ ہے جو قدیم الایام سے سادات ہمدانیہ میں تو اتر سے تمام خاندانوں کے پاس موجود ہے۔ اس سے اوپر والی روایت اس طرح ہے۔ میر سید علی ہمدانی بن سید شہاب الدین بن سید محمد المعروف باقر حسینی بن سید علی الاکبر بن سید یوسف بن محمد شرف الدین بن محمد محب اللہ بن سید جعفر بلخی بن میر عبداللہ جلا بادی بن سید محمد اوّل بن ابو القاسم سید علی جلا بادی میں ابو محمد حسن بن حسین بن جعفر الحجۃ بن عبید اللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام۔

مندرجہ بالا شجرہ وہ شجرہ ہے جس کی روائیت قدیم ہے اور زیادہ تر سادات ہمدانیہ کے پاس یہی ہے بس فرق اتنا ہے کہ عبید اللہ اعرج کی جگہ عبداللہ زاہد تحریر ہے جو کہ خلاصۃ المناقب سے نقل کرنے کی وجہ سے آیا اس مندرجہ بالا شجرے کو سید احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی نے اپنی کتاب سراج الانساب کے ص ۱۵۹ اور سید جعفر اعرجی نے اپنی کتاب اساس الانساب الناس کے ص ۲۹۶ پر تحریر کیا اور یہی شجرہ میر سید علی ہمدانی کے چچا زاد سید تاج الدین ہمدانی کی اولاد کے پاس بھی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں شروع سے صوفیاء کی تعلیمات کو زیادہ اہمیت حاصل تھی جس کی وجہ سے علم الانساب کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی اور سادات کی مشہور شخصیات کے بارے میں بار بار لکھنے کی وجہ سے انکے شجرے صوفی لکھاریوں نے غلط ملط کر دیئے۔

میر سید علی ہمدانی کے مختلف شجرے:

سید معین الحق جھانسوی نے اپنی کتاب منبع الانساب میں تحریر فرماتے ہیں کہ میر سید علی ہمدانی رضوی سادات سے ہیں اور حضرت جعفر بن امام علی نقی کی اولاد سے صحیح النسب سادات سے ہیں۔[1]

سید عبدالحی حسنی نے اپنی مشہور کتاب نزھۃ الخواطر میں میر سید علی ہمدانی کا شجرہ امام محمد باقر علیہ السلام سے ملایا ہے۔سید جلال الدین علم گنج نے اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء (قلمی نسخہ) میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملایا ہے۔کنز الانساب کے مؤلف نے آپ کا شجرہ یوں تحریر کیا امیر کبیر سید علی ہمدانی بن محمد بن احمد بن امام الدین ہمدانی بن نورالدین بن نصیر الدین بن ظہیر الدین بن طاہر ہمدانی بن جلال الدین ہمدانی بن جمال الدین بن ابی یوسف قاضی القضات ہمدانی بن یعقوب بن یحییٰ بن قیام الدین بن قاسم بن بہاء الدین بن محمد دیباج میں امام جعفر صادق۔[2]

اور اوپر والا شجرہ مکمل غلط ہے۔

اسکے علاوہ سادات کاظمی کی بہت سے شجروں میں میر سید علی ہمدانی کا شجرہ عباس بن اسحاق بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملایا گیا ہے اور نسب نامہ شریف میں محمد شاہ مشہدی نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

اور بہت سے شجروں میں بھی میر سید علی ہمدانی کا نسب اسحاق بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملایا گیا اور بعض کشمیر سے ہجرت شدہ ہمدانی سادات کے پاس بھی ایسا شجرہ پایا گیا۔

اسکی علاوہ جو شجرہ میر سید علی ہمدانی کے روضہ اقدس کولاب تاجکستان سے ملا وہ بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق پر منتھیٰ ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ جعفر الصادق علیہ السلام کی جگہ جعفر الحجۃ تحریر ہے۔

ہمارے پوٹھوار میں بھی کچھ مشہدی سادات کے نسب کے اندر جو شجرہ شاہ بلاول کا تحریر کیا گیا اُس میں میر سید علی ہمدانی کا نسب امام موسیٰ کاظم سے ملایا گیا اور اِن شجروں کی وجہ سے بعض ہمدانی سادات نے بھی نسب امام موسیٰ کاظم سے ملا دیا۔اور ان شجروں کو دیکھتے دیکھتے بعض ہمدانی سادات نے بھی ایسے شجرے درست سمجھ لئے جو کہ نقل کی غلطی ہے اور ایک جگہ سے متعدد جگہ پھیل گیا۔

حالانکہ سادات ہمدانی دندہ شاہ بلاول رہنہ سادات نارنگ سیداں سادات ہمدانیہ قصور خیر پوٹا میوالی سادات ہمدانیہ جلالی بھارت۔اور خود میر سید علی ہمدانی کے شاگرد ملا نور الدین جعفر بدخشی نے جو میر سید علی

---

[1] منبع الانساب از سید معین الحق جھانسوی ترجمہ ڈاکٹر ساحل شھسرامی ص ۳۶۲ مدرسہ فیضان مصطفیٰ زہرہ باغ نئی آبادی۔علی گڑھ
[2] کنز الانساب ص ۷۰۔۶۹، چھاپ اوّل

ہمدانی کی سوانح عمری لکھی ہے اور خلاصہ المناقب کے نام سے یہ کتاب معروف ہے ان سب حوالوں میں میر سیدعلی ہمدانی کا شجرہ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ سے ملتا ہے اور علم الانساب کے حوالہ جات سراج الانساب اور اساس الانساب از جعفر اعرجی میں بھی میر سید علی ہمدانی کا شجرہ جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر پر منتھیٰ ہوتا ہے۔

اس لئے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ میر سید علی ہمدانی حسینی اعرجی سید تھے۔

(۱۲۹) سید احمد ہمدانی المعروف نوری شاہ سلطان بلاول

آپ کا نام احمد اور کنیت ابو محمد تھی آپ کی والدہ سیدہ سلطان خاتون بنت سید احمد رومی تھیں۔

آپ کا شجرہ شریف سید احمد ہمدانی بن اسماعیل بن زبیر بن نور اللہ بن فتح اللہ بن حسین بن محمود بن جمال الدین حسین بن علی سیاہ پوش بن احمد کبیر الدین بن نور الدین کمال بن سید احمد قتال بن حسن بن محمد بن میر سیدعلی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان بن شہاب الدین بن محمد بن علی بن یوسف بن محمد شرف الدین بن محمد محب اللہ بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن ابو القاسم علی بن ابو محمد حسن بن ابا عبداللہ حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدین علیہ السلام ہے۔ یہی شجرہ سید ظفریاب ترمذی نے اپنی کتاب تاریخ انوار اسادات میں تحریر کیا۔[1]

اور سید فاضل علی شاہ موسوی صفوی نے کتاب شجرہ طیبہ میں بھی یہی نسب نامہ تحریر کیا۔[2]

ولادت:

بقول سید رضا ہمدانی کہ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ خاقانی تحریر کرتا ہے کہ سولہویں صدی کے وسط میں ہوئی مگر قیاس ہے کہ جب آپ اکبر بن اورنگزیب کے ہمراہ ۱۶۷۵ء کے شروع میں بیجاپور میں تشریف لائے تو بدری کی تحریر کے مطابق آپ کی عمر ۲۵ سال تھی اس طرح آپ کی پیدائش ۱۶۵۵ عیسوی ہی ہوسکتی ہے۔[3]

مقام ولادت وایران کے مذہبی حالات:

آپ کی ولادت ہمدان شہر میں ہوئی اور آپ کی جوانی کے ایام میں سلیمان صفوی (۱۶۶۷ سے

---

[1] تاریخ انوار سادات از سید ظفریاب ترمذی ص ۵۳۴

[2] کتاب شجرہ طیبہ از سید فاضل علی شاہ موسوی صفوی خلخالی زادہ ص ۸۴۔ ۸۲

[3] قلمی نسخہ تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں، از سید رضا شاہ، ص ۲۱

۱۶۹۴ء) کی حکومت تھی۔ خاندان صفویہ کا دستور تھا کہ جو اس زمانے میں بڑا عالم ہوتا اس کو شیخ الاسلام مقرر کر کے تمام بادشاہی میں اس کے احکام نافذ کرتے اور جب رسم تاج پوشی ہوتی تو یہی بادشاہ کے سر پر تاج رکھتا سلیمان صفوی کے زمانے میں شیخ الاسلام ملا حسین خوانساری تھے جنہوں نے تمام ملک میں اپنے نائب مقرر کئے ہوئے تھے ان دنوں ہمدان میں آقا محمد قلی شیخ الاسلام کا نائب تھا[1]

ہمدان سے ہجرت کے اسباب:

رضا شاہ ہمدانی نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ سید احمد ہمدانی ایک دن ہمدان سے اصفہان گئے تو جامع مسجد میں نماز ادا کی اس دوران ولی عہد سلطان حسین صفوی نے جماعت سے ہٹ کر اپنی علیحدہ نماز پڑھی تو نماز ختم ہونے کے بعد سید احمد ہمدانی نے بھرے مجمع میں سلطان حسین صفوی کے اس عمل پر اعتراض کیا تو عوام الناس میں موجود جاسوسوں نے حسین صفوی کو اس کی اطلاع کر دی تو اس نے آقا محمد قلی ہمدانی کو لکھا اور اس نے بغیر حالات کا جائزہ لیتے ہوئے سید احمد ہمدانی کو زبان بندی اور شہر بدر کے احکام جاری کر دیئے۔ سید احمد ہمدانی اصفہان آ گئے لاکھ کوشش کی مگر ملا حسین خوانساری سے ملاقات نہ کر سکے[2]

ہندوستان کیوں آئے:

حکومت وقت نے سید احمد شاہ ہمدانی کو پابند کیا ہوا تھا نہ اپنے شہر واپس جا سکتے تھے نہ کوئی تقریر کر سکتے تھے۔ اسی دوران آپ کے ایک مخلص دوست جو غالباً شاہی اہم عہدہ پر براجمان تھے ان کا نام قطب افغانی تھا نے آپ کو مشورہ دیا کہ اکبر بن اورنگ زیب جو ہند سے یہاں آیا ہوا ہے اسکے اور اس کے والد کے مابین تنازع چل رہا ہے اور اکبر کو باغی قرار دیا جا چکا ہے۔ اور اس شہزادے نے ملا تقی مجلسی کے ہاتھ پر شیعہ مذہب قبول کر لیا ہے اور ملا حسین خوانساری نے شاہ ایران سلیمان صفوی سے وعدہ لیا کہ جب یہ ہند کی طرف جائے تو اس کی امداد کی جائے۔

قطب افغانی نے کہا کہ اکبر فی الحال بیجاپور کی شیعہ ریاست میں جائے گا آپ بھی ساتھ جائیں ورنہ حسین صفوی آپ کو قتل کروا دے گا۔ یوں سید احمد بلاول ہمدانی شہزادہ اکبر بن اورنگ زیب کے ہمراہ بیجاپور تشریف لائے[3]

---

[1] قلمی نسخہ تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں، از سید رضا شاہ، ص ۲۲

[2] قلمی نسخہ تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں، از سید رضا شاہ، ص ۲۳ تا ۲۷

[3] قلمی نسخہ تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں، از سید رضا شاہ، ص ۲۷ تا ۳۰

بیجاپور سے سندھ تشریف آوری:

بیجاپور آمد کے بعد کچھ عرصہ آرام سے گزرا تو اورنگ زیب کے جاسوسوں نے خبر دی کہ آپ کا فرزند ایک ایرانی سید کے ہمراہ بیجاپور کی ریاست میں مقیم ہے۔تو اورنگ زیب نے بیجاپور پر حملہ کر دیا۔ سید احمد ہمدانی اور شہزادہ اکبر دونوں چھپتے چھپاتے سندھ میں داخل ہو گئے۔ یہاں سید احمد ہمدانی کی ملاقات دربار سخی لعل شہباز قلندر پر ایک مجذوب سے ہوئی جس کا نام مست تھا یا مست بلاول تھا۔ آپ اس مجذوب کی شخصیت سے متاثر ہو گئے۔ اور اس کے پاس ہی رہنے لگے۔ اس مجذوب نے آپ سے کہا کہ اس شہزادے کا ساتھ چھوڑ دیں اور لوگوں میں محبت بانٹیے امت کی اصلاح کریں۔ یوں آپ اس کے پاس ہی رہ گئے اور شہزادہ اکبر لشکر حاصل کرنے کے لئے دوبارہ ایران چلا گیا۔[1]

سندھ سے دندہ شاہ بلاول کی آمد:

یہاں سے آگے کے حالات لالہ دنی چند نے بحوالہ نور خان بن زمان سیال کے حوالے سے تحریر کئے ہیں۔

اور یہ لالہ دنی چند شاہد کوئی مقامی پنجابی تاریخ دان تھا۔ ان کے مطابق جب شاہ بلاول نے چلہ کاٹا اور دریائے سندھ کے اندر ایک جزیرے میں عبادت کرتے رہے۔ اس کے بعد شاہ مست مجذوب کی فرمائش پر شمالی پنجاب میں علاقہ پکھڑ میں داخل ہوئے۔ آپ کے ساتھ دو سندھی مرید بھی تھے۔اور یہ نام بلاول آپ کے مرشد مست مجذوب نے آپ کو دیا تھا۔ آپ نے پکھڑ میں ایک نالے کے قریب اپنا تکیہ آباد کیا اور آپ کی کرامت اور فیض کا چرچا اس علاقے میں ہونے لگا۔ دوسری طرف اورنگ زیب کو خبر ملی کہ اُس کا فرزند ایک ایرانی سید کے ہمراہ بیجاپور سے بھاگ کر سندھ چلا گیا ہے۔

تو اورنگ زیب نے شیر شاہ سوری کی اولاد سے ایک فرد خان شیر کو جو اُس زمانے میں حاکم اٹک تھا یہ حکم دیا کہ اس سید کو گرفتار کر لیا جائے خان شیر نے کاردار نامی افسر اعلیٰ کو ساتھ لیا اور علاقہ پکھڑ میں فوج لیکر آ گیا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ اس سید میں کرامت ہے۔ لہٰذا ہوشیار رہنا خان شیر نے اپنے روحانی مرشد کو بھی بلا بھیجا جیسے ہی اس نے آگے بڑھنا چاہا اس کا ہاتھی درے میں پھنس گیا دیکھتے ہی دیکھتے بے جان دروں نے اس ہاتھی کو جکڑ لیا۔ اس نے اپنے پیر کو آواز دی تو وہ بھی کرامت دکھانے میں ناکام ہو گیا اور پورا لشکر ایک قدم

---

[1] قلمی نسخہ تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں، از رضا ہمدانی، ص ۳۲ تا ۳۶

آگے نہ بڑھ سکا۔

اس نے سرکار کی کرامت دیکھ کر معافی مانگ لی۔ اور اپنی بیٹی کا عقد بھی شاہ صاحب سے کر دیا۔ اور اس بیٹی کے نام جاگیر بھی لکھ دی اور شہزادہ اکبر کے ایران بھاگ جانے کی خبر سنانے کیلئے دہلی کی جانب چل پڑا مگر سرہند کے قریب اسکا انتقال ہوا۔[1]

شاہ بلاول کی اولاد کی ہندوستان آمد:

بقول رضا شاہ ہمدانی کہ حسین صفوی کے غلط اقدامات کی وجہ سے افغانی غلزئی قبائل نے میرویس ہوتک کہ سربراہی میں ایران میں صفوی حکومت سے جنگ کی اور فوج میں جبری بھرتی کی گئی تو سید عبداللہ اور سید اسحاق ہمدانی دونوں نے اس جنگ میں حصہ لیا اور جنگ ختم ہونے پر اپنے اہل عیال کے ہمراہ اپنے والد کے پاس آ گئے۔ آپ لوگ ۱۷۱۰ عیسوی میں دندہ شاہ بلاول پہنچے۔[2]

احتمال یہی ہے کہ شاہ اسحاق اور شاہ عبداللہ کے ہمراہ باقی بھائی بھی بمعہ اہل وعیال ہند آ گئے ہوں گے۔

وفات:

بقول سید رضا ہمدانی سید احمد ہمدانی المعروف شاہ بلاول نے ۱۷۱۵ء عیسوی میں ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی (اور اسکے وقت آپکے پوتے بھی جوان اور شادی شدہ تھے)۔

آپ کی وفات انگہ شاہ بلاول میں ہوئی۔ یہ علاقہ آجکل خوشاب میں ہے۔ آپ گرمیوں میں انگہ شاہ بلاول میں رہتے اور سردیوں میں دندہ شاہ بلاول آپکے جسد خاکی کو آپ کے معصوم فرزند سید شیر شاہ چھٹا کے پہلو میں دفنایا گیا۔ جو کہ آپ کی ہی وصیت تھی۔

اولاد سید احمد ہمدانی المعروف نوری شاہ سلطان بلاول:

آپ کی اولاد پانچ پسران سے جاری ہوئی: (۱) سید ابراہیم (۲) سید اسحاق نوری (۳) سید شہاب االدین (۴) سید قطب الدین (۵) سید عبداللہ جبکہ چھیویں فرزند سید شیر شاہ چھٹا چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے۔

بعض صدری روایات کے مطابق خان شیر سوری کی بیٹی شہزادی پیرور خاتون سے آپ کے دو فرزند تھے لیکن عقلی دلائل کے مطابق ان کے بطن سے آپ کا ایک ہی فرزند تھا یعنی سید شیر شاہ چھٹا جو بچپن میں وفات پا گئے۔

---

[1] قلمی نسخہ تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں از سید رضا شاہ ہمدانی، ص ۴۲-۲۶

[2] قلمی نسخہ تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں از سید رضا شاہ، ص ۷۰-۶۶

باقی پانچ فرزند ایرانی سیدزادی کے بطن سے تھے جو ایران و افغانستان کی جنگ کے بعد ۱۷۱۰ء میں ہندوستان تشریف لائے اور جب یہ حضرات ہندوستان تشریف لائے تو بمعہ اہل وعیال تھے اور انکے بیٹے بھی جوان تھے اور بعض شادی شدہ تھے ان میں سے شاہ ابراہیم اور سید شہاب الدین علاقہ گُرڑ تحصیل راولپنڈی میں وارد ہوئے سید شاہ اسحاق نوری پہلے تلہ گنگ رہائش پذیر ہوئے اور بعد میں ڈھڈ یال چکوال آ گئے۔ سید عبداللہ ہمدانی بھی گُرڑ تشریف لائے اور میال سیداں میں قیام بھی کیا آپ کے نام کی مسجد آج بھی میال سیداں گاؤں میں موجود ہے مگر آپ آخر عمر میں دندہ شاہ بلاول واپس چلے گئے۔ سید قطب الدین ہمدانی کا مقام مدفن نامعلوم ہے۔

(۱۳۰) سلطان العارفین سید سخی شاہ اسحاق نوری پاک ہمدانی ڈھڈ یال

آپ کی کنیت ابو محمد تھی اور آپ کی والدہ ایرانی سید زادی تھیں آپ سب سے اوّل دندہ شاہ بلاول سے باہر نکلے اور تلہ گنگ نالہ درگڑ کے کنارے محو عبادت ہوئے۔ آج بھی آپ کی اس چلہ گاہ کا نشان باقی ہے جہاں لوگ روزانہ کثیر تعداد میں سلامی کیلئے جاتے ہیں جب آپ علاقہ ڈھڈ یال آئے تو کثیر تعداد میں سِکھ لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ آپ نے ڈھڈ یال میں بھی قیام کیا اور اردگرد کے دیہات میں آپ کی کثیر کرامات رقم ہیں آپ کی اولاد میں کثیر تعداد میں اولیاء اللہ گزرے ہیں۔

بقول سید رضا ہمدانی کہ ایرانی تاریخ کے مطابق سید اسحاق اور انکے بھائی سید عبداللہ ہمدانی نے ایران اور افغانستاں کی جنگ میں بھی شرکت کی۔

آپ کا مزار آج ڈھڈ یال میں مرجع خلائق ہے جہاں عزا داری حسین علیہ السلام کی بہت کثیر مجالس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

(۱۳۱) الحاج سید محمد امین الاُمت ہمدانی حسینی بن شاہ اسحاق ہمدانی

آپ بھی اپنے والد کے ہمراہ دندہ شاہ بلاول سے ڈھڈ یال تشریف لائے آپ عالم فاضل فقیہ اور صاحب باطن بزرگ تھے آپ کی تحریر کردہ کتاب ''جامع الاخبار'' بھی تھی۔

جس جگہ آج نارنگ سیداں آباد ہے یہاں ہراج کے بیٹے نارگ کی ایک ڈھوک تھی حضرت سید محمد امین تبلیغ کی خاطر اس ڈھوک پر گئے تو تمام ڈھوک کو مشرف بہ اسلام کیا۔ یہ نارگ بھی آپ کا مرید ہوا یہ شخص بے اولاد تھا اس لئے اس نے اپنی تمام جائیداد سید محمد امین کے نام کر دی اور التجاء کی کہ آپ اس جگہ قیام

فرمائیں لہٰذا سید محمد امین نے نارگ کی استدعا پر اس جگہ قیام کیا اور آج یہ موضع نارنگ سیداں سے معروف ہے آپ کے زمانے میں آپ کا لنگر ہر وقت جاری رہتا تھا۔

سات تندور لگے ہوئے تھے بعد میں آپ نے اس گاؤں کا نام نارگ کے نام پر رکھا۔ اس گاؤں میں دستکاری بھی کی جاتی تھی۔ اور لکڑی اور نقاشی کا کام بھی بہت اچھا ہوتا تھا باوا سید محمد امین ہمدانی نے فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا ائے گا جب سو امن نمک اس گاؤں میں خرچ ہوگا اور نارنگ پر زوال آئے گا آپ کا فرمان سچ ثابت ہوا اور تقسیم ہند کے وقت فسادات کا ایسا زوال آیا کہ آدھا گاؤں تقریباً جل کر خاکستر ہو گیا سید حاجی محمد امین نے ۱۲ حج ادا کیئے۔ آپ کا عرس ہر سال ۲۲ سے ۲۴ چیت میں منعقد ہوتا ہے۔

(۱۳۲) سید امام الدین المعروف حاجی غوث شاہ ہمدانی حسینی

آپ سید امام الدین غوث ہمدانی بن سید محمد شاہ ہمدانی سید عبداللہ ہمدانی بن سید احمد شاہ بلاول ہمدانی المذکور ہیں۔ آپ حضرت شاہ لطیف ہمدانی اور سید بھون ہمدانی کے بھائی ہیں آپ نے تمام عمر شادی نہ کی عبادت اور مطالعہ میں زندگی بسر کر دی آپ کی تعلیم پر والدین نے خاص توجہ دی جس کی بدولت دینیات عربی اور فارسی میں آپ نے مہارت حاصل کر لی۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے تین جلدوں میں قرآن لکھا اور پھر خود اسکا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اِس قرآن کریم کی ایک جلد کھوڑ غوثیہ میں ہے اور دوسری جِلد متولی سید ضیغم علی شاہ کے پاس محفوظ ہے۔

آپ نے اپنے بھتیجے سید شاہ فتح نور بن سید شاہ لطیف ہمدانی کو اپنے پاس رکھا انہوں نے آپ کے زیر سایہ ہی تعلیم و تربیت پائی جب آپ تلہ گنگ تشریف لائے تو شاہ فتح نور بھی آپ کے ساتھ ہی آئے یہاں اعوان قوم آپ کی مرید ہوگئی ان میں سے ہر گھر ہر فصل پر غلہ اور لڑکا بیاہنے پر ایک روپیہ اور پیدائش پر سوا روپیہ خود حاضر ہو کر پیش کرتے آئے ہیں۔

حاجی غوث بادشاہ شہر وارد ہوئے تو کشمیری امام بارگاہ کے عقب والی گلی کے آخر میں ایک حویلی کے اندر رہائش رکھی گھوڑی باندھنے کیلئے یہاں ایک کِلہ گاڑا جو بعد میں تن آور بیری کا درخت بن گیا آج بھی لوگ اس درخت کے ساتھ چراغ جلاتے ہیں کچھ عرصہ بعد آپ موجودہ مسجد سادات والی جگہ پر آ گئے یہاں پانی کا ایک تالاب تھا۔ آپ کی جائے قیام ''غوث کا کھوڑ'' مشہور ہوگئی اس کھوڑ میں ایک بیضوی شکل کا پتھر پڑا ہوا ہے جسے غوث سرکار سرہانے کے طور پر استعمال کرتے تھے تا کہ گہری نیند نہ سوسکیں غوث بادشاہ کا زمانہ سکھا

شاہی کا ہے۔ آپ کی زندگی میں شاہ محمد اور مائی دھنو کا ایک خاص کردار رہا ہے شاہ محمد تلہ گنگ غرب میں شاہ محمد ال گوت کا مورث اعلیٰ تھا وہ آپ کا اس قدر ارادت مند تھا کہ محلہ غرب میں ۲۵۰ کنال سے زیادہ اراضی آپ کے نام پر وقف کر دی اس کی قبر آپ کے مزار کے دائیں جانب ہے اور دھنو بی بی کا مزار آپ کی لحد کے بائیں جانب ہے۔

سجادہ نشین غوث بادشاہ مخدوم مزمل حسین ہمدانی اپنی بیاض میں نور الحق نامی تاجر کا قصہ قلمبند کرتے ہیں کہ وہ تاجر دریائے جہلم میں سے کشتی پر اپنا مال تجارت لا رہا تھا کہ اچانک طوفان آیا اور کشتی ڈگمگانے لگی۔ تاجر نے حاجی غوث بادشاہ کا نام لے کر اللہ سے دعا کی تو اُسکی کشتی کنارے پر صحیح سلامت پہنچ گئی اگلے روز تاجر رقم لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت غوث بادشاہ نے مجلس میں موجود ارادت مندوں میں سے ایک سے فرمایا کہ فلاں کھیت میں میری ایک لکڑی پڑی ہے اسے میرے گھر پہنچا دو اس مرید نے کسی وجہ سے عذر خوانی کی تو تاجر کے دل میں بدگمانی نے جنم لیا۔ اس نے دینے والی رقم کم کر کے ۵۰ روپے کر دی۔ اسکے بعد حاجی غوث بادشاہ نے دوسرے مرید کو کہا تو اُس نے بھی معذوری ظاہر کی تو نور الحق تاجر نے رقم اور کم کر کے بیس روپے دینا چاہی حضرت نے یہی سوال ایک اور آدمی سے کیا تو نور الحق نے رقم ۱۰ روپے کر دی اس پر حاجی غوث بادشاہ نے فرمایا کہ نور الحق جب تمہاری کشتی ڈوبنے لگی تھی تو تم نے ۶۰ روپے کی منت مانی تھی اور اب کم کر کے ۱۰ روپے کر دی اُس پر نور الحق شرمندہ ہوا اور منت کی پوری رقم ادا کر دی۔

آپ کا روضہ ایک ہندو نارائن داس عرف نیتو قوم آنند نے تعمیر کروایا وہ ہوڑی کا کاروبار کرتا تھا ایک مرتبہ جبکہ اسکا مال نمک تیل وغیرہ گدھوں پر لدھا ہوا تھا کہ اچانک بارش سے گھمبیر نالے میں طغیانی پیدا ہو گئی اور گدھے پانی کے بہاؤ سے لڑکھڑانے لگے اس نے نذر مانی اگر مال صحیح سلامت پہنچ گیا تو حاجی غوث بادشاہ کا روضہ تعمیر کرواؤں گا۔ پھر اس نے آپ کا روضہ تعمیر کروایا جو آج مرجع خلائق ہے حضرت امام الدین حاجی غوث بادشاہ کا وصال ۱۸ بھادوں بروز جمعرات ۱۷۶۰ عیسوی میں ہوا۔ آپ کی اولاد نہیں تھی [1]

(۱۳۳) سید شاہ فتح نور المعروف شاہ تیغ بہادر ہمدانی اعرجی حُسینی

آپ سید فتح نور المعروف شاہ تیغ بہادر بن سید شاہ لطیف بن سید شاہ محمد بن سید عبداللہ ہمدانی بن سید احمد ہمدانی المعروف نوری شاہ سلطان بلاول تھے بقول سید رضا شاہ کہ حاجی غوث بادشاہ کی وفات ۱۷۶۰

[1] تذکرہ سادات الہمدان فی آل حبیب الرحمان از سید شاہ عبدالباسط ہمدانی ص ۵۰۷ ۔ ۵۰۶

عیسوی میں ہوئی تو اس وقت سید شاہ فتح نور ۱۰ سال کی عمر میں گدی نشین ہوئے۔

کھڑک سنگھ اپنی کتاب سکھا شاہی تے سید احمد شہید میں لکھتا ہے۔

سید احمد نے شاہ ولی اللہ دے پوترے اسماعیل سر پھرے تے کٹر مسلیاں نوں صوبہ سرحد وچہ سکھا شاہی نال ٹکر لین لئی جوڑ جاڑ لیا تے اپنڑ چیتی اکوڑہ دے بے قصور فوجی سکھاں نوں راتی ستیاں کوہ کاہ اپنڑی شاہی دا جھنڈا لا بیٹھے اپنڑ مولی پر چاری چو فیر گھلے سید مراد علی واسطی اعوان محل آوڑیا مسلیاں نوں سِکھاں نال لڑواون تے بھڑواون دا پھوک بھر یندا تلہ گنگ وچہ شاہ فتح نور ہمدانی دی ٹیک گھِدی۔

بقول رضا ہمدانی کہ ۱۸۲۶ میں سید احمد شہید نے صوبہ سرحد میں سکھوں کے خلاف جہاد کر کے اکوڑہ فتح کر لیا اور اپنی طرف سے ہر علاقے میں مبلغ بھیجے تا کہ مسلمانوں سے جانی اور مالی امداد حاصل کی جا سکے اس سلسلہ میں مولوی سید مراد علی واسطی تبلیغ کرتے ہوئی تلہ گنگ آ گئے اور آپ کے مہمان ہوئے کسی جاسوس نے کاردار پنڈ دادن خان چُتر سنگھ کو سید مراد علی واسطی کی خبر دی کہ سید احمد شہید کا کوئی آدمی اعوان کاری میں مسلمانوں کو سکھوں کے خلاف اُکسا رہا ہے اور تلہ گنگ میں شاہ فتح نور ہمدانی کے ہاں فروکش ہوا ہے۔ کاردار اسی وقت کچھ فوجی لے کر تلہ گنگ آ گیا ابھی شاہ فتح نور کی کوٹھی سے چند قدم کے فاصلے پر ہی تھا کہ سید مراد علی واسطی کو کسی نے اس کے متعلق خبر دی کہ سِکھ آ گئے ہیں سید مراد علی واسطی خود سید شاہ فتح نور ہمدانی سے صلاح مشورہ کے بغیر بھاگ کھڑے ہوئے سِکھ اِن کے تعاقب میں دوڑے۔ جب یہ نازک صورت حال سید شاہ فتح نور ہمدانی نے دیکھی تو سِکھوں کو سمجھانے کیلئے انکے پیچھے لپکے جب نالہ درگڑ کے کنارے آئے تو دیکھا کہ سیلاب آیا ہوا ہے آپ بوڑھے تھے اور اتنی طاقت نہ تھی کہ دریا عبور کرتے کنارے پر کھڑے ہو کر لوگوں کے ضمیر جگانے کی کوشش کی اور سید مراد علی واسطی کی امداد کیلئے پکارا اور خود کو پار لے جانے کا کہا مگر وہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے آپ نے مراد علی واسطی کو بچانے کیلئے خود کو پانی کے حوالے کر دیا۔ اور صدا دینے لگے مسلمانوں سید مہمان کو سکھوں سے بچاؤ لوگوں نے تمسخر اُڑاتے ہوئے کہا۔

واسطی کر چھوڑ واپنی فکر کرو اِن کو سن کر آپکے منہ سے نکلا

''جوتی بہتے بہتے بہہ گئی بھیڑ پیاسی رہ گئی''

اتنا فرمانا تھا کہ پانی اس جگہ سے کٹ کر خشک ہو گیا آج تک یہ پانی ایک جگہ بہتا ہوا آتا ہے اور حدود تلہ گنگ میں داخل ہوتا ہے تو زمین میں جذب ہو کر تلہ گنگ سے تھوڑی دور جا کر دوبارہ زمین سے نکل کر روانی پکڑتا ہے جب ایک انگریز مسٹر واکر نے یہ جگہ دیکھی تو کہا کہ یہ دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ رسول اللہ کے

معجزات سچے ہیں۔

پانی خشک ہونے کے بعد سید فتح نور پھر اِسی جانب بھاگے جدھر سِکھ گئے تھے ابھی چند قدم ہی اُٹھائے تھے کہ لوگوں نے شاہ فتح نور کو آ کر بتایا کہ سکھوں نے مراد علی واسطی کو پکھی میں شہید کر دیا۔ بے شمار لوگوں نے جب آپ کی کرامت دیکھی تو گڑ گڑا کر معافی مانگی اور آپکے قدموں میں گر پڑے کہ اگر ہم شاہ صاحب کے بات مان جاتے اور انکے ساتھ دریا کے پار جاتے تو سید مراد علی واسطی زندہ بچ جاتے اتنے میں سِکھ واپس آئے اور سید شاہ فتح نور کے پاس لاتعداد لوگ دیکھ کر ڈر گئے اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔ اسکے بعد آپ پکھی تشریف لے گئے اور سید مراد علی واسطی کی نماز جنازہ پڑھی اوران کو دفن کیا سید مراد علی واسطی آج لوگوں میں انکے شہید کے نام سے مشہور ہیں۔[1]

شاہ فتح نور کا مزار تلہ گنگ میں مرجع خلائق ہے۔ آج تلہ گنگ اور وسنال کی سادات آپ کی اولاد میں سے ہے۔ آپکی اولاد سے سید محمد عابد حسین ہمدانی کربلائی بن غلام شاہ بن میرانور شاہ بن شاہ نواز ہمدانی (مزار بخشا موڑ شاہ جیونہ جھنگ) بن نور حسین بن احمد سلطان بن سید شاہ نواز بن سید کریم شاہ بن بہار شاہ بن سید شاہ فتح نور المذکور آج کل کراچی میں مقیم ہیں۔

(۱۳۴) سید سلطان قادر بخش ہمدانی المعروف ساڑھی والی سرکار ہمدانی

آپ سید سلطان قادر بخش ہمدانی بن سید شاہ زمان بن سید شاہ گل محمد شہید بن شاہ جیون ہمدانی بن سید نظام الدین ہمدانی بن سید شاہ ابراہیم ہمدانی بن سید سلطان احمد شاہ بلاول ہمدانی اعرجی حسینی ہیں آپ نے حضرت میراں شاہ بھیروی سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں اجازۂ خلافت حاصل کیا اور ایک پہاڑی کی غار میں عبادت اور ریاضت کیا کرتے تھے اور وہی پہاڑی قادر پور کے نام سے مشہور ہوئی اور اس علاقہ کا نام آپ کی نسبت سے قادر پور پڑ گیا۔ ایک دفعہ جب آپ اس پہاڑی پر ہی موجود تھے تو زلزلہ آیا اور پہاڑی گرنے لگی آپ نے غار کی چھت پر ہاتھ مارا تو پہاڑی گرتے گرتے رُک گئی غار کے سوا ساری پہاڑی ریزہ ریزہ ہو گئی اسکے نشانات آج تک موجود ہیں۔

قادر پور کے گردونواح میں ایک جگہ آپ نے عصاء مارا تو وہاں سے میٹھے پانی کا چشمہ اُبل پڑا یہ چشمہ اب بھی ایک کنویں کی شکل میں موجود ہے۔

---

[1] قلمی نسخہ ''تلہ گنگ'' تاریخ کے آئینے میں از سید غلام رضا شاہ ہمدانی ص ۸۱ ۔ ۸۴

پانی فقط چند فٹ گہرا ہے نیچے سے پتھر نظر آتے ہیں مگر ساری آبادی سیراب ہوتی ہے بے شمار ہندو آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے گنٹھیا کے مریض آپ کے مزار پر شفایابی کیلئے کثرت سے آتے ہیں مریض نئے چاند کے پہلے اتوار کو حاضری کے بعد یکے بعد دیگرے دو مرتبہ مزار پر حاضری دیتے ہیں مزار مبارک قادر پور تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال میں مرجع خلائق ہے آپ کے تین فرزند: (۱) شاہ حبیب بخش (۲) شاہ فیض علی ہمدانی اور (۳) پیر شاہ ہوئے اور ایک صاحبزادی کی شادی سید امیر حسین شاہ ہمدانی آف وسنال سے ہوئی۔

پیر شاہ ہمدانی کا مزار اپنے جد امجد حضرت سید احمد شاہ بلاول ہمدانی کے مزار اقدس میں ہی ہے اور یہ پیر شاہ لاولد تھے البتہ اول الذکر دونوں فرزندوں کی اولاد سے سادات قادر پور ہیں اور ان دونوں کی قبور بھی قادر پور میں ہی ہیں۔

(۱۳۵) غوث زماں سید مراد شاہ ہمدانی چشتی

آپ سید مراد شاہ ہمدانی بن عنائیت شاہ بن حافظ نوری شاہ عبداللہ بن سید باقر شاہ بن اکبر شاہ بن کبیر شاہ بن رحیم شاہ بن سید علی شاہ بن شاہ ابراہیم بن سید احمد شاہ بلاول ہمدانی سرکار ہیں۔

آپ حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن والوں کے خلیفہ مجاز تھے بیعت کا واقعہ یوں بتایا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کھیت میں ہل چلا رہے تھے کہ ایک اچانک ایک مجذوب نمودار ہوا اور آ کر کہا کہ عرش پر شاہ مراد شاہ مراد ہو رہی ہے اور تم ہل چلا رہے ہو یہ سننا تھا کہ حضرت شاہ مراد کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی اور بروایت دیگر کہ اُس مجذوب نے کوٹ مٹھن شریف خواجہ غلام فرید کے ہاں جانے کا کہا: لہٰذا آپ خواجہ غلام فرید کے پاس چاچڑاں شریف جانے کے لئے تیار ہو گئے۔[۱]

اس زمانے میں جناب میاں احمد الدین صاحب موضع بھلومار میں مشہور معروف بزرگ تھے آپ کو ان کی پاس لے گئے جناب حضرت میاں احمد الدین صاحب نے حضرت شاہ مراد صاحب کو دیکھ کر فرمایا آپ ان کو حضرت خواجہ غلام فرید کے پاس کوٹ مٹھن شریف لے جائیں۔

کوٹ مٹھن شریف:

آخر آپ سید عبداللہ شاہ صاحب اور حضرت شاہ پسند صاحب کو ساتھ لیکر کوٹ مٹھن شریف حضرت

---

۱ اقتباس از تذکرہ السادات الہمدان فی ذکر آل حبیب الرحمان از صاحبزادہ شاہ عبدالباسط ہمدانی ص ۴۳۰

جناب قبلہ خواجہ غلام فرید کی خدمت میں حاضری کیلئے روانہ ہوئے کئی دن کی مسافت کے بعد کوٹ مٹھن شریف میں داخل ہوئے۔

یہاں حضرت خواجہ غلام فرید ؒ نے پہلے ہی اپنے خدام کو حکم دے رکھا تھا کہ کالے پہاڑوں (میانوالی) کی طرف سے شاہ سائیں تشریف لا رہے ہیں جب بھی وہ یہاں آ جائیں مجھے فوراً اطلاع دینا اتنا فرما کر گھر تشریف لے گئے مگر گھر جا کر بھی چین نہ آیا فوراً واپس تشریف لائے آستان عالیہ سے چند مصاحبوں کو ساتھ لے کر حضرت شاہ مراد کو لینے کیلئے روانہ ہو پڑے کوٹ مٹھن شہر سے باہر نکل کر جناب حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے ساتھیوں کو حضرت شاہ مراد ؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ حضرت شاہ مراد صاحب ہیں جناب حضرت شاہ مراد ؒ صاحب اپنے ساتھیوں کو حضرت خواجہ غلام فرید ؒ کی طرف انگلی کر کے فرمایا کہ وہ درمیان والے حضرت خواجہ غلام فرید غریب نواز ہیں۔ اس طرح آپ ایک دوسرے کے بالکل قریب آ گئے حضرت خواجہ غلام فرید ؒ نے جلدی سے حضرت شاہ مراد کو گلے سے لگا لیا حضرت شاہ مراد نے حضرت خواجہ غلام فرید ؒ کے پاؤں مبارک کی طرف تعظیم کیلئے جھکنے کی از حد کوشش کی مگر خواجہ غریب نواز نے گلے سے جدا نہ ہونے دیا اس کے بعد دوسرے ساتھیوں سے بھی نہایت محبت سے ملے اور ساتھ لیکر دربار شریف پر تشریف لائے۔

خلافت:

حضرت شاہ مراد کو حضرت خواجہ غلام فرید نے تین دن اپنے پاس رکھا اسم اعظم جو خواجگانِ چشت میں سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے تلقین فرما کر فیضِ باطنی روحانی انوار وتجلیات سے مالا مال فرما کر تاج خلافت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ دندہ شریف ہی میں آپ عوام الناس کو مستفیض فرمائیں۔ دندہ شریف کا نام سن کر حضرت شاہ مراد نے دست بستہ عرض کی کہ حضور دندہ شریف تو پہلے ہی ایک بہت بڑی گدی ہے تو حضرت جناب خواجہ غریب نواز نے ارشاد فرمایا کہ شاہ سائیں یہ سرکار مدینہ ﷺ کا فرمان ہے انشاءاللہ چھوٹی گدی بڑی گدی پر چھا جائیگی آپ فکر نہ کریں'' شاہ سائیں روزے باشد کہ ملائک آسمان بہ نام شما منا دی دہند خلائق از شرق وغرب برآستان شما جبہ سائید''۔

ترجمہ: شاہ سائیں ایک دن ایس ہوگا کہ آسمان کے فرشتے تمہارے نام کی منادی کریں گے۔ مشرق ومغرب کی مخلوقات آپ کے دروازہ پر آستانہ بوسی کا شرف حاصل کریگی۔ آپ کا فرمان لفظ بہ لفظ پورا ہوا۔''

پیغام:

آپ کو رخصت کرتے وقت آپ کے دوسرے ساتھیوں حضرت عبداللہ شاہ اور حضرت شاہ پسند صاحب کو جناب حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ غریب نواز نے فرمایا، شاہ سائیں میں مدینہ منورہ شریف گیا تھا وہاں سے مجھے یہ پیغام ملا کہ یہ امانت حضرت شاہ مراد کو دیدیں۔تو میں نے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی ہے میں نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں دیا اس لئے آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے تشریف لاکر فقیر کو ملاقات کا موقع عطا فرمایا سب کو گلے ملکر نہایت احترام سے رخصت فرمایا۔

شجرہ بیعت:

حضرت شاہ مراد ہومن، خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ و ہومن، خواجہ فخر جہاں و ہومن خواجہ خدا بخش و ہومن، خواجہ قاضی محمد عاقل و ہومن، قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی و ہومن، مولانا فخر الدین و ہومن، خواجہ نظام الدین و ہومن شیخ کلیم اللہ و ہومن یحییٰ محی الدین مدنی و ہومن، حضرت شیخ محمد و ہومن خواجہ حسن محمد و ہومن، شیخ جمال الدین و ہومن، شیخ محمود و ہومن، ناصب علم الدین و ہومن، شیخ سراج الدین و ہومن، شیخ کمال الدین و ہومن، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی و ہومن، شیخ نظام الدین اولیاء و ہومن، شیخ فرید الدین گنج شکر و ہومن، خواجہ قطب الدین و ہومن، شیخ خواجہ معین الدین اجمیری و ہومن، خواجہ عثمان ہارونی و ہومن، حاجی شریف زندانی و ہومن، شیخ مودود چشتی و ہومن، خواجہ ابو یوسف و ہومن، خواجہ ابو محمد چشتی و ہومن، خواجہ ابو احمد ابدال و ہومن، خواجہ ابو اسحاق شامی و ہومن، خواجہ ممشاد علوی دینوری و ہومن، حضرت خواجہ امین الدین ہبیرہ و ہومن، حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ و ہومن، حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم و ہومن حضرت ابو الفیض فضیل بن عیاض و ہومن، حضرت خواجہ عبدالواحد و ہومن حضرت خواجہ حسن بصری و ہومن، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم و ہومن، حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

میرے سرکار دو جہاں وارث کون و مکاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالا گلدستہ بزرگان کو عطا فرمایا جس کی خوشبو چار دانگ عالم میں پھیلی۔

مدینہ منورہ سے یہ خوشبو پھیلتے اجمیر شریف دہلی شریف پاکپتن شریف، چشتیاں اور کوٹ مٹھن شریف سے ہوتی ہوئی دندہ شاہ بلاول شریف کو آمعطر کیا۔

ہزاروں لوگوں کو آپ کی نگاہ کرم سے ہر قسم کے امراض سے نجات مل جاتی۔کوڑھ جیسے موذی مرض سے چھٹکارا پایا۔ہزاروں بے اولادوں کو آپ کی دعا سے اولاد ملی آپ کا رحمت کا خزانہ ہر وقت ہر ایک کیلئے کھلا

رہتا کوئی سائل بھی آپ کے دراقدس سے خالی نہیں گیا آپ کبھی بھی کسی کی گفتگو سے کبیدہ خاطر نہ ہوتے اگر کسی شخص سے کوئی حرکت ناپسندیدہ ہو جاتی تو اس کو کبھی بھی صریح یعنی صاف طور پر تنبیہ نہیں فرماتے تھے بلکہ کوئی ایسی حکایت بیان کر دیتے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہو جاتا اور وہ شخص اپنے کئے پر نادم ہوتا۔ محتاجوں اور بیکسوں پر بہت شفقت کرتے اہل خانہ اور رشتہ داروں خاندان کے ساتھ نوازش وعنائیت سے پیش آتے جو وعدہ کرتے اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ اکثر غریبوں کا زیادہ خیال کرتے۔

نقل ہے دندہ شاہ بلاول شریف سے لاوہ ایک قصبہ ہے جو پانچ میل کے فاصلہ پر ہے ایک دفعہ آپ موضع لاوہ میں تشریف لے گئے وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ ماجھی اوڈھی کا اونٹ سخت بیمار ہے۔ آپ ان کے گھر تشریف لے گئے دیکھا ماجھی اور اس کے سب اہل خانہ رورہے ہیں قصائی چھری لیکر اونٹ کو ذبح کرنے کو تیار کھڑا ہے۔ ماجھی ایک غریب آدمی تھا جب جناب حضرت صاحب کو دیکھا تو حضور کے پاؤں مبارک میں گر کر رونے لگا حضور نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے سر پر رکھ کر فرمایا نہیں ماجھی نے دست بستہ عرض کیا حضور میرا تو سرمایہ یہی اُونٹ ہے جس کے ذریعے روزی کما کر بچوں کا پیٹ پالتا ہوں اب یہ بھی مر رہا ہے میں کیا کرونگا اور کیسے روزی کماؤں گا آپ نے ارشاد فرمایا صبر کرو اس کے بعد اونٹ کے پاس تشریف لے گئے جو بالکل بے حس پڑا تھا آپ نے اپنے پاؤں سے اونٹ کو ٹھوکر مار کر فرمایا اُٹھ کھڑا ہو ٹھوکر لگتے ہی اونٹ کھڑا ہو گیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بھوکا ہے اس کو گھاس ڈالو ماجھی اندر سے گھاس لے آیا اور اونٹ کے سامنے رکھ دی اُونٹ نے فوراً گھاس کھانی شروع کر دی یہی اونٹ بعد میں کافی عرصہ تک ماجھی کے پاس رہا اور وہ اس سے بار برداری کر کے بچوں کا پیٹ پالتا رہا۔

وادی سون میں آپ کی آمد:

اس علاقے کے لوگ اکثر جاہل ہیں۔ ویسے بھی یہ علاقہ پسماندہ ہے کہاوت مشہور ہے۔

''پاپی لوگ پہاڑ دے۔ پتھر جنہاں دے چت''

مگر حضور کے فیض ومحبت اور پیار نے ان لوگوں کے دلوں میں ایسا گھر کیا کہ وہی لوگ عشق ومحبت کی ایک مثال قائم کر گئے ایک دفعہ وادی سون نوشہرہ میں آپ کی آمد تھی چونکہ یہ بھی ایک پتھریلہ علاقہ ہے یہاں گھوڑوں پر سفر کرنا بھی نہایت دشوار ہوتا ہے اس لئے نوشہرہ کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ سڑکوں اور گلیوں کو پتھروں سے صاف کیا جائے تا کہ حضور کے گھوڑوں کو تکلیف نہ ہو اس لئے علی الصبح تمام پیر وجواں مرد، عورتیں اور بچے سڑکوں کی صفائی کیلئے گھروں سے نکل کر صفائی کرنا شروع ہو گئے۔

یہ کسی ظاہری صدر یا وزیراعظم کی آمد نہیں تھی ، بلکہ دلوں پر حکومت کرنے والے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جگر گوشہ بتولؓ آفتاب ملک ولایت خورشید بُرج ہدایت حضرت سید شاہ مراد رحمۃ اللہ علیہ کی آمد تھی۔

شوق قدم بوسی:

کچھ دن دندہ شاہ بلاول شریف میں قیام کے بعد حضرت شاہ مراد رحمۃ اللہ علیہ صاحب اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ غریب نواز کی قدم بوسی کیلئے بے چین ہوئے تو اپنے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ محمد امین صاحب کو ساتھ لیکر کوٹ مٹھن شریف دربار عالیہ پر حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار سے مشرف ہوئے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ احوال ومناقب ص ۳۰۲ پر حافظ مولانا محمد جمال ملتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ جب آپ حضرت قبلہ عالم کے ساتھ دہلی جاتے تھے تو حضرت مولانا صاحب کو یعنی اپنے مرشد مولانا فخر الدین صاحب محبّ النبی کو حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی صاحب کس طرح ملتے تھے؟ فرمایا مجھے شوق تھا کہ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات دیکھوں مگر میرا کام ان دنوں حضرت قبلہ عالم کے گھوڑے کی حفاظت کرنا تھا۔ اس لئے میں رسی ہاتھ میں رکھتا تھا لہٰذا مجھے دیکھنے کا موقع نہ ملتا تھا ایک دفعہ میرے دل میں یہی خواہش پیدا ہوئی کہ ان حضرات کی ملاقات دیکھوں۔ چنانچہ میں نے گھوڑے کو کسی چیز سے باندھا اور کونہ میں ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر دیکھا کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا صاحب سے یوں ملاقات کی جیسے بندہ اپنے خدا سے ملاقات کرتا ہے۔

جناب نازک کریم تشریف لائے وہ بھی نہایت محبت وخلوص سے جناب حضرت شاہ مراد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد امین صاحب کو ملے اور حال احوال دریافت فرمایا کہ حضور قبلہ خواجہ غلام فرید پلنگ پر تشریف فرما تھے کہ جناب حضرت شاہ مراد صاحب زری دار جوتا بنوا کر لے گئے تھے جناب قبلہ وکعبہ خواجہ غلام فرید کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت خواجہ غلام فرید پاپوش دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا قبلہ شاہ سائیں آپ نے خوب فرمایا اگر میرا جوڑا منظور ہوا تو ناپ کا خود بندوبست فرمائیں گے۔ اس لئے میں خود آپ کے موچی کے پاس گیا اور آپ کے فرمان کے مطابق پاؤں کا ناپ دیا۔ جناب حضرت شاہ مراد نے دست بستہ عرض کی حضور یہ جوڑا مجھے بہت اچھا لگا اور پسند آیا تو دل میں شوق پیدا ہوا کہ ایسا ہی زری دار جوڑا میں اپنے شیخ اعظم قطب مدار مظہر کونین حاجی الحرمین الشریفین حضرت خواجہ غلام فرید کے پاؤں مبارک میں پہناؤں مگر ناپ نہ ہونے کی وجہ سے دل مجبور ہو گیا تو جناب خواجہ صاحب نے فرمایا قبلہ شاہ سائیں میں ان شاء اللہ آپ کی ہر حسرت پوری کروں گا جناب حضرت صاحب نے دست بستہ شکریہ ادا کیا۔

امیری اور فقیری مبارک ہو:

دوسرے دن حضرت خواجہ غلام فرید سائیں نازک کریم صاحب جناب حضرت شاہ مراد صاحب اور حضرت شاہ محمد امین صاحب باہر کرسیوں پر بیٹھ کر آپس میں گفتگو فرما رہے تھے کہ حضرت سائیں نازک کریم صاحب اٹھے اور حضرت شاہ محمد امین صاحب کی طرف ہاتھ بڑھا کر ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا شاہ سائیں بڑے شاہ سائیں یعنی آپ کے والد بزرگوار صاحب کو تو ابا جی یعنی حضرت خواجہ غلام فرید نے مرید ہیں اور میں آپ کو مرید کرتا ہوں۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اندر جا کر حضرت شاہ محمد امین کو اپنے سامنے مصلےٰ پر بٹھایا اور آپ بھی بیٹھ گئے اور مراقبہ فرمایا تھوڑی دیر مراقبہ فرمانے کے بعد تین دفعہ پوچھا شاہ سائیں امیری چاہئے یا فقیری تو حضرت شاہ محمد امین صاحب نے نہایت ادب سے کہا جیسے آپ کی خوشی تو خواجہ نازک کریم نے فرمایا سید امیری بھی آپ کی اور فقیری بھی آپ کی۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ سردیوں کے موسم میں حضرت خواجہ غریب نواز کا ایک اونٹ مستی میں آ کر رسی تڑوا کر باغ میں چلا گیا کوئی آدمی ڈر کے مارے نزدیک نہ جاتا کیونکہ اونٹ آدمی کو دیکھتا تو دوڑ کر اس کے پیچھے لگ جاتا اس وجہ سے کوئی بھی پکڑنے کی جرأت نہ کرتا ان دنوں قبلہ جناب حضرت شاہ مراد رحمۃ اللہ علیہ صاحب بھی کوٹ مٹھن شریف میں تھے۔

جناب حضرت خواجہ غریب نواز نے حضرت شاہ مراد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا شاہ سائیں کیا آپ کے علاقے میں بھی اونٹ ہوتے ہیں تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارا علاقہ ایسا ہے کہ اونٹ کے بغیر گزارہ ہی نہیں ہوتا کیونکہ پہاڑی علاقہ میں بغیر اونٹ کے بوجھ اُٹھانے کا کام نہیں ہوسکتا ہمارے اپنے پاس بھی اونٹ ہیں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارا ایک اونٹ مستی میں آ کر رسی تڑوا کر باغ میں چلا گیا ہے۔ کسی کو پکڑائی نہیں دیتا جناب حضرت شاہ صاحب نے فرمایا میرے ساتھ کوئی آدمی بھیجو جو مجھے دکھا دے تو آپ نے دربان میاں آنکن کو ساتھ بھیجا میاں آنکن آپ کو باغ میں لے گیا اور اونٹ دکھایا جو اس وقت پودے کے پتے کھا رہا تھا۔

آپ آہستہ آہستہ اونٹ کی طرف چلے گئے اور پیچھے سے جا کر اونٹ کی دم پکڑ لی اونٹ دوڑا آپ نے اپنے پاؤں زمین پر جما لئے جتنا اونٹ آگے جاتا آپ کے پاؤں زمین میں دھنستے جاتے چند گز آگے جا کر اونٹ نے بلبلانا شروع کر دیا اور ہار کر کھڑا ہو گیا آپ نے میاں آنکن کو فرمایا اب بے دھڑک ہو کر نکیل ڈال لو میاں آنکن نے رسی ڈال کر اونٹ پر کنٹرول کر لیا اور گھر لے آئے جب حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اونٹ پکڑ کر لے آئے تو بے حد خوش ہوئے۔

حضور حضرت شاہ صاحب اس دفعہ کوٹ مٹھن شریف سے واپس آئے ہر وقت مغموم سے رہتے تھے ویسے جناب خواجہ صاحب کی جدائی سے اُداس تو ہو جاتے مگر اتنے نہیں۔ آخر جناب حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وصال کی خبر آ گئی کہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۹ کو جناب حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ خبر ملتے ہی قیامت کا نقشہ بن گیا صف ماتم بچھ گئی غلامان، مریدان ایک دوسرے سے گلے لگ لگ کر رو رہے تھے خود جناب حضرت شاہ صاحب بے حد پریشان تھے جس وقت زیادہ پریشان ہوتے کوٹ مٹھن سائیں نازک کریم کی زیارت کرتے اور فرماتے شاہ سائیں آپ پریشان کیوں ہوتے ہو میری طرف دیکھو میں بھی اللہ تعالیٰ کے کیئے پر شاکر ہو گیا ہوں، اس طرح آپ کے دل کو سکون ملتا آخر سائیں نازک کریم بھی بیمار ہو گئے آپ کو برائے معالجہ خان پور تشریف لے گئے مگر آرام نہ آیا پھر دہلی حکیم مسیح الملک محمد اجمل خان کے زیر علاج ہوئے کثیر ایام دہلی رہے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا آخر حکیم اجمل خان نے حضور کے خصوصی خادم کو بلا کر کہا ان کو فوراً گھر لے جاؤ۔ واپس آ کر آخر ۲۱ ماہِ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو آپکا بھی وصال ہو گیا۔ ان کے وصال کی خبر سن کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحت پر بہت بڑا اثر پڑا۔ آپ بھی اکثر بیمار رہنے لگے۔

وصال:

۱۹ رجب ۱۳۳۲ھ کو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ محمد امین کو بلایا ملک فتح خان اعوان اور بابا احمد درکھان بھی موجود تھے آپ نے ان کو وصیت فرمائی کہ میرے بچوں کا آپ بھی خیال رکھیں یہ وصیت سن کر اہل خانہ رونے لگے آپ نے فرمایا روتے کیوں ہو یہاں باراتیں آئینگی دنیا آپ کے در پر جھکے گی گھبرانے کا کوئی فائدہ نہیں یہ فرما کر آپ بالکل خاموش ہو گئے سب اہل خانہ سمجھ گئے کہ روانگی کا وقت آن پہنچا ہے۔

آخر یہ حکمت و عرفان کا آفتاب غروب ہو گیا اس سحر کو دنیا ترسے گی ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے عقیدت مندوں کے دلوں میں صف ماتم بچھ گئی جس نے سنا دیوانہ وار دندہ شریف کی طرف چل پڑا دندہ شاہ بلاول شریف میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی جیسے انسانوں کا سیلاب آ گیا ہو آپ کا جنازہ تین بار پڑھا گیا آپکا مزار پُرانوار دندہ شریف میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کا سن وصال:

سلطان العارفین سید شاہ مراد صاحب ہمدانی ۱۳۳۲ ہجری کو اللہ کو پیارے ہوئے [1]

[1] کتاب تاجدار مدینہ کا پیغام حضرت شاہ مراد ہمدانی کے نام از صوفی محمد نور عنایتی: ص ۸،۹، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۳

(۱۳۶) خانوادہ حضرت سخی سید شاہ داتا بن سید شاہ ابراہیم ہمدانی

حضرت سخی سید شاہ بلاول رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے سخی سید شاہ داتا بن سید شاہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے یہ گھرانہ ہے۔ سید شاہ داتا ہمدانی کا مزار چک حمید تحصیل پنڈ دادن خان میں ہے۔ آپ کے دو پسران سے اولاد جاری ہوئی۔ اوّل سید جمال شاہ بن سید شاہ داتا کی اولاد دو پسران قطب شاہ اور بکر شاہ سے جاری ہوئی۔ جن سے سادات ہمدانیہ کھائی اور کلر کہار شامل ہیں۔

دوئم: سید فضل الرحمٰن ہمدانی بن سید شاہ داتا ہمدانی کی اولاد سے سخی سید شہابل شاہ شہید بن سید غوث علی شاہ بن سید عالم شاہ بن سید بڈھا شاہ بن سید زمان شاہ بن سید فضل الرحمٰن ہمدانی مذکور تھے۔ سید شہابل شاہ شہید بلند مرتبہ اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ نے ایک عمر ریاضت اور مجاہدے میں بسر کی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل سدوال ضلع چکوال میں اقامت رکھی۔ آپ جہاں جاتے خلق خدا آپ کی قدم بوسی پر فخر محسوس کرتی۔ آپ اکثر و بیشتر سلسلہ تبلیغ اور مریدین کی تعلیم و اصلاح کے لئے مختلف علاقوں میں سفر فرماتے تھے۔ یہ دور سکھوں کے عروج کا دور تھا۔ دورانِ تبلیغ آپ کی مڈبھیڑ سکھوں کے ساتھ ہوئی آپ کا سر کٹا جسم کافی دیر تک تلوار کے وار سے سکھوں کو جہنم واصل کرتا رہا۔ آخر کار آپ کا جسم ایک مقام پر گر گیا اور آپ نے شہادت کا بلند مرتبہ پایا۔ آپ کی تدفین موضع ٹھِل اور موضع گھوڑا کے مریدین اپنے اپنے علاقہ میں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ کافی بحث کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ جو بھی آپ کی چار پائی اُٹھالے گا ان کے علاقہ میں تدفین ہوگی۔ پہلے موضع گھوڑا والوں نے چار پائی اُٹھانے کی کوشش کی، لیکن ناکام ہوئے جبکہ موضع ٹھِل والے چار پائی اُٹھانے میں کامیاب ہوئے اور آپکی تدفین ٹھِل میں ہوئی، ٹھِل کے قبرستان میں بجّو نے اپنا بسیرا کیا ہوا تھا جو آئے روز نئی میت کو قبر سے نکال کر کھا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے ٹھِل والے بہت پریشان رہتے تھے۔ جب حضرت سید سخی شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اس قبرستان میں تدفین کی گئی، تو ایک رات آپ کے ایک مرید کی خواب میں سخی سید شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا کہ اس موذی کو اُٹھا لو۔ صبح وہ شخص اپنے علاقے کے چند افراد کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا تو سب نے دیکھا کہ حضرت سخی سید شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں کی جانب سے قبر کھلی ہوئی ہے اور آپ کے پاؤں نظر آرہے ہیں۔ جبکہ بجّو آپ کے پاؤں کی طرف بنی جھاڑیوں پہ مردہ پایا گیا۔ اس واقعہ کے بعد قبرستان سے یہ سلسلہ بند ہوگیا اور آج تک اہلِ علاقہ امن وسکون سے زندگی گزار رہے ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت سخی سید شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مریدین کی طرف جانے کا قصہ فرمایا:

رختِ سفر باندھ کر جب اپنے گاؤں سدوال سے باہر نکلے تو راستے سے ہی واپس آ گئے۔ گھر والوں اور اہلِ علاقہ کے واپسی کے بارے استفسار پر آپ نے بتایا کہ ایک عورت کے جنازے میں شرکت کرنی ہے سب حیران ہوئے کیونکہ گاؤں میں کسی کی بیماری کی خبر نہ تھی۔ بہرکیف دوپہر کے وقت مطلع ابر آلود ہوا تیز آندھی اور بارش ہوئی اور اس دوران آسمانی بجلی گرنے سے کپڑے دھوتے ہوئے ایک عورت جو کہ سدوال کے مشرقی جانب واقع ایک برساتی نالہ جسے مقامی زبان میں مورتھی کہا جاتا ہے۔فوت ہوگئی۔ جنازہ کے بعد آپ اگلے روز سفر کے لئے روانہ ہوئے اسی طرح ایک روایت موضع ٹھِل سے بھی مشہور ہے۔موضع ٹھِل پہاڑ کے دامن میں واقع ہے ایک دفعہ پہاڑ کی چوٹی سے ایک بہت بڑا پتھر گاؤں کی طرف لڑکھتے ہوئے تیزی سے آ رہا تھا۔ جبکہ حضرت سخی سید شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔لوگ یہ منظر دیکھ کر پریشانی کے عالم میں بہت خوفزدہ ہوگئے۔ایک مرید اس بارے میں آپ سے التماس دعا ہوا، آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''رُک جا چھٹا کی'' اور وہ بڑا پتھر وہیں رُک گیا آج بھی وہ پتھر موجود ہے ہر سال عرس کے موقع پر پتھر کو سفید رنگ کر دیا جاتا ہے۔آپ کا عرس ہر سال ماہِ اکتوبر کے پہلے ہفتے اوراتوار کے دن بڑی عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔آپ کا عقد موضع لاوہ میں ہمدانی خاندان حضرت سخی سید شاہ شہاب الدین بن سید احمد شاہ بلاول المعروف شاہ بلاول کی اولاد میں ہوا۔آپ کا مزارِ ٹھِل شریف تحصیل پنڈ دادن خان میں مرجع خلائق ہے۔آپ کا روحانی سلسلہ آپ کے پڑپوتے حضرت سخی سید چن پیر شاہ بن سید نور شاہ بن سید ابراہیم شاہ نے جاری رکھا اور حضرت سخی سید چن پیر شاہ کا روحانی سلسلہ ان کے نواسے سے جاری ہوا، آپ کے نواسے پیر سید اعجاز حسین شاہ الحسینی الاعرجی بن سید محبوب شاہ بن سید ولایت شاہ بن سید مصطفیٰ شاہ بن سید شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت سید شہابل شاہ شہید کے تین فرزند ہوئے۔ سید ابراہیم شاہ، سید مرتضیٰ شاہ، اور سید مصطفیٰ شاہ ہیں۔ سید ابراہیم شاہ کا تولد و مدفن سدوال ہے اور آپ کی اولاد سے حضرت سخی پیر سید چن پیر شاہ ہیں۔

سید مرتضیٰ شاہ کی ولادت سدوال میں ہوئی اور آپ کا مدفن رپوال ہے، آپ کی اولاد دو بیٹوں سے چلی مگر آپ کے بیٹوں سے آگے اولاد میں دو بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے۔حضرت سخی سید شہابل شاہ شہید کے تیسرے فرزند کا نام سید مصطفیٰ شاہ ہے آپ کی ولادت سدوال میں ہوئی اور مدفن خوشحال گڑھ ضلع اٹک ہے۔آپ عالم فاضل بزرگ تھے آپ کے چار بیٹے ہوئے:

(۱) سید ہدایت شاہ (۲) مقصود شاہ (۳) محبوب شاہ (۴) ولایت شاہ

سید ہدایت شاہ نے شادی ہی نہیں کی۔ محبوب شاہ کے ایک بیٹا ہوا جو کہ بچپن میں ہی وفات پا گیا۔ مقصود شاہ کے دو فرزند اور ایک بیٹی گزری ہیں: (۱) غلام ربانی شاہ (۲) نگاہ علی شاہ

سید ہدایت شاہ سید مقصود شاہ اور سید محبوب شاہ کی قبر خوشحال گڑھ کے قبرستان میں ہیں۔ سید ولایت شاہ بن سید مصطفیٰ شاہ بن سید شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت خوشحال گڑھ میں ہوئی اور تراپ میں مدفن ہیں۔ آپ کی تین دختران اور چار بیٹے ہوئے: (۱) سید فرمان شاہ (۲) سید نثار حسین شاہ (۳) سید محبوب شاہ (۴) سید امداد حسین شاہ۔

1۔ سید فرمان شاہ کے دو فرزند سید بشیر حسین شاہ اور سید مصطفیٰ شاہ ہیں جو کہ تلہ گنگ میں اقامت پذیر ہیں۔

2۔ سید نثار حسین شاہ کے چھ فرزند ہیں: (۱) سید وقار حسین شاہ (۲) سید فدا حسین شاہ (۳) سید انوار حسین شاہ (۴) سید سجاد حسین شاہ ۵) سید عابد حسین شاہ (۶) سید زاہد حسین شاہ ہیں۔

3۔ سید محبوب شاہ کے سات فرزند اور دو دختران ہیں۔ آپ کا مستقل مسکن فیصل آباد ٹھہرا آپ کی اولاد میں:

(۱) سید اشتیاق حسین شاہ (۲) سید محمود شاہ (۳) سید مقصود شاہ (۴) پیر سید اعجاز حسین شاہ

(۵) سید فیاض حسین شاہ (۶) سید اشفاق حسین شاہ (۷) سید فرحت حسین شاہ۔

4۔ سید امداد حسین شاہ کے دو بیٹے ہوئے: (۱) سید امجد حسین شاہ (۲) سید مبین الحسن، جو کہ تلہ گنگ میں مستقل مقیم ہیں۔

حضرت سخی سید شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی سلسلہ آپ کے پڑپوتے حضرت سخی سید چن پیر شاہؒ بن سید نور شاہ بن سید ابراہیم شاہ نے جاری رکھا اور آپ دور دراز تک لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ آپ صوم وصلوۃ کے پابند اور صاحبِ شریعت بزرگ تھے آپ نے پیدل حج کی سعادت بھی حاصل کی۔ آپ سے کئی کرامات کا ظہور ہوا۔ ان میں سے ایک واقعہ کچھ یوں ہے کہ گرمیوں کے دن تھے۔ ایک رات حضرت قبلہ چن پیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھر والوں کو فرمایا کہ میری اور سید اعجاز حسین شاہ کی چار پائی چھت پر ڈال دو۔ رات عشاء کے بعد اپنے نواسے سید اعجاز حسین شاہ سے باتیں کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں دروازے پہ زور زور سے دستک ہوئی۔ دروازہ کھلنے پہ ایک عورت سخت چیخ و پکار کے ساتھ چھت پر پہنچی اور اپنے بچے کو جو کہ بے ہوش تھا کے بارے میں بتانے لگی کہ سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ آپ نے اللہ کا کلام پڑھ کر دم کیا اور وہ لڑکا کچھ ہی دیر بعد اپنے پاؤں پہ چل کر گھر گیا۔ آپ اکثر جنات کے ساتھ ہم کلام ہوتے رہتے تھے۔ اکثر لوگ دور دراز علاقوں سے بذریعہ ٹیلی فون اپنی حاجات پیش کرتے اور آپ ان کے لئے اللہ رب العزت سے دعائیں کرتے جو کہ پوری ہو جایا

کرتیں تھیں۔ پیر سید اعجاز حسین شاہ حفظہ اللہ حضرت سخی سید چن پیر شاہؒ آستانہ عالیہ سدوال شریف کے اور حضرت سخی سید شہابل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ آستانہ عالیہ ٹھل شریف کے روحانی و باطنی فیضان کے جامع وارث اور قاسم ہیں۔ آپ سے کئی کرامات کا ظہور ہوا آپ صاحب شریعت بزرگ ہیں پیر سید اعجاز حسین اپنے آباؤ اجداد کی سنت پر چلتے ہوئے عوام الناس کو امر بالمعروف و نہی عنِ المنکر کی تلقین کر رہے ہیں۔

اسی طرح ایک روایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ آپ کے نواسے پیر سید اعجاز حسین شاہ آپ سے ملاقات کی غرض اور اگلے وظائف کے لئے آپ سے ملنے موضع سدوال آئے۔ شاہ صاحب کی عادت تھی جب بھی اپنے نانا جان سے ملنے آتے تو حضرت سید چن پیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ کے گلی والے دروازے سے آ کر سب سے پہلے اپنے نانا جان سے ملاقات کرتے پھر حضرت سید چن پیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ سب گھر والوں کو اپنے حجرے میں بلاتے اور فرماتے کہ سید اعجاز شاہ آیا ہے اس سے ملو۔ یہ طریقہ ملاقات کا رہا۔ جب سید اعجاز حسین شاہ صاحب حجرے میں اپنے نانا جان سے ملے تو آپ نے باہر کا دروازہ بند کروا کر سب گھر والوں کو بلایا اور کہا کہ اس سے ملو اور ساتھ ہی فرمایا کہ سید اعجاز شاہ آیا ہے۔ کھیر بناؤ۔ اس پر گھر والوں نے کہا کہ کھیر تو نہیں بن سکتی کیونکہ دودھ نہیں ہے جس پر آپ جلال میں آ گئے اور فرمایا کہ سب میرے کمرے سے نکل جاؤ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ اعجاز شاہ آئے اور کھیر نہ بنے سب کو کمرے سے نکال دیا اور بار بار فرمانے لگے کہ اعجاز شاہ آیا ہے اور دودھ نہیں ہے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک عورت نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھولنے پہ اس نے کہا شاہ صاحب میں آپ کے لئے دودھ لائی ہوں، قبول فرمائیں۔ آپ نے اس عورت کو دعائیں دیں۔ اُس کے جانے کے بعد پھر گھر والوں کو بلایا اور دودھ دے کر فرمایا کہ اب بناؤ کھیر سید اعجاز شاہ آیا ہے۔

حضرت سخی سید چن پیر شاہؒ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی زوجہ محترمہ جو کہ بہت نیک سیرت اور درویش صفت خاتون تھیں کے بطن سے پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ہوئے: (۱) سید مرتضیٰ شاہ (۲) سید امداد حسین شاہ (۳) سید ابرار حسین شاہ

سید مرتضیٰ شاہ کے ایک بیٹی اور چار بیٹے ہوئے: (۱) سید مشتاق حسین شاہ (۲) سید ضیاء الحسن (۳) سید شہابل شاہ (۴) سید نور شاہ جو کہ سدوال میں مقیم ہیں۔

سید امداد حسین شاہ بچپن میں وفات پا گئے اور سید ابرار حسین شاہ کی دو بیٹیاں اور تین بیٹے ہوئے: (۱) سید اسرار حسین شاہ (۲) سید نوید الحسن (۳) سید زوہیب الحسن ہیں جو کہ تلہ گنگ میں اقامت پذیر ہیں۔

حضرت سخی سید چن پیر شاہؒ نے پہلی زوجہ محترمہ کی وفات کے بعد دوسری شادی کی، جن کے بطن سے

چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہوئے: (۱) سید ذوالفقار حیدر شاہ (۲) سید زبیر حیدر شاہ (۳) سید افتخار حسین شاہ ہیں سید زبیر حیدر شاہ اور سید افتخار حسین شاہ بچپن میں وفات پا گئے جبکہ سید ذوالفقار حیدر شاہ کی اولاد چلی، جو کہ سدوال میں مقیم ہیں۔

حضرت سید چن پیر شاہؒ کی ولادت سدوال میں ہوئی اور آپ کی لحد مبارک بھی سدوال میں ہے۔ اللہ رب العزت آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کا فیض تا قیامت جاری و ساری فرمائے۔ آمین

(۱۳۷) میر سید تاج الدین حسینی ہمدانی بن سید حسن الحسینی

میر سید تاج الدین حسینی ہمدانی بن سید حسن الحسینی بن سید محمد المعروف باقر حسینی بن علی بن یوسف بن سید محمد شرف الدین بن سید محمد محب اللہ بن سید جعفر بلخی بن سید عبداللہ بلخی بن سید محمد اول جلابادی بن سید ابوالقاسم علی بن ابومحمد حسن بن ابوعبداللہ حسین بن جعفر الحجۃ بن عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ بن امام حسینؑ سید الشہداء بن امام علی ابن ابی طالبؑ۔

آپ میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کا ذکر کشمیر کی تواریخ میں کثرت سے ملتا ہے۔

بقول سید محسن کشمیری کہ آپ کی ولادت ۷۲۰ ہجری کو ہمدان میں ہوئی۔ آپ اور آپ کے بھائی سید حسین سمنانی میر سید علی ہمدانی کے حکم سے کشمیر میں داخل ہوئے۔ ان دنوں کشمیر پر سلطان شہاب الدین کا بیٹا حسن مرزا خناق کی بیماری کی وجہ سے قریب المرگ تھا۔ مگر آپ کی دعا سے صحت مند ہوگیا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے نہایت عزت و احترام سے یہاں ہی ٹھہر جانے کی درخواست کی مگر آپ واپس چلے گئے پھر آپ نے ۷۶۲ ہجری میں کشمیر میں ہجرت فرمائی۔ آپ کے ساتھ آپ کے برادر سید حسین سمنانی، رستم ہند سید حسن بہادر، سید حیدر، سید یوسف اور سید مسعود بھی تھے۔ سلطان شہاب الدین نے آپ کا استقبال نہایت گرم جوشی سے کیا۔ سلطان نے آپ کی رہائش کیلئے اپنے محل سے متصل شہاب الدین پورہ نوہٹہ میں ہی ایک عمدہ مکان بنوایا اور خادموں کے لئے ایک بڑی خانقاہ بھی بنوائی۔

آپ کی فہم و فراست دیکھ کر سلطان تمام ملکی و سیاسی امور میں آپ سے مشورہ کرنے لگا صاحب ''اخبار السادات'' تحریر کرتے ہیں کہ انہوں نے دربار شاہی میں مخصوص رکنیت حاصل کی اور اکثر حاضر رہتے تھے۔ ملکی انتظامات میں تدبر اور حکمت عملی سے کام لے کر مشورے دیا کرتے تھے۔ آپ نے کشمیر میں اسلام کی روشنی کو فروغ دیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کو اپنی ہی خانقاہ شہاب الدین پورہ (نوہٹہ) میں دفن کیا گیا۔ آپ

کے ہمراہ آپ کی شریک حیات، فرزند اور اصحاب بھی دفن ہیں۔

آپ کے فرزند سید حسن بہادر سے آپ کی کثیر اولاد جاری ہوئی۔ جو آج مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں کثرت سے آباد ہیں۔[1]

(۱۳۸) میر سید حسین سمنانی حسینی بن میر سید حسن حسینی

آپ میر سید تاج الدین ہمدانی کے چھوٹے بھائی اور میر سید علی ہمدانی المعروف شاہ ہمدان کے حقیقی چچا زاد تھے۔

بقول سید محسن کشمیری کہ مورخین کا اس بات پر اختلاف ہے کہ آپ ۷۶۲ ہجری میں اپنے برادر سید تاج الدین ہمدانی کے ہمراہ کشمیر تشریف لائے یا ۷۷۵ ہجری میں تشریف لائے۔ قدیم ترین فارسی مورخ سید علی نے آپ کا وارد کشمیر ہونا ۷۶۲ ہجری میں تحریر کیا ہے جبکہ پیر غلام حسن شاہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے آبائی وطن سمنان سے اپنے اصحاب و اولاد کے ساتھ دہلی ہجرت فرمائی۔ اور دہلی کے نزدیک قصبہ سامان میں ساکن ہوئے۔ کچھ سال وہاں گزارے اور ۷۷۰ ہجری میں شہاب الدین کے دور حکومت میں میر سید علی ہمدانی کے حکم پر اور اپنے برادر سید تاج الدین ہمدانی کی ہدایت سے پیر پنجال کے راستے کشمیر آمد کا ارادہ کیا جب پیر پنجال کی چوٹی پر پہنچ گئے تو اچانک آپ کا گھوڑا پتھر سے ٹکرا کر لنگڑا ہوگیا۔ اور دشوار گزار راستوں اور پہاڑوں کو عبور کرنے میں وقت لگا۔ آپ ملول ہوئے اور ایک بڑے پتھر پر سوار ہوکر برہوا کشمیر پہنچے اور اس پتھر کو وہیں پر چھوڑ دیا تاکہ آپ کے بارے میں کسی شہرت کا سبب نہ بنے یہ پتھر آج بھی پیر پل (پیر کی چٹان) کے نام سے معروف ہے۔

پرگنہ دیوہ سر کے ایک گاؤں کولہ گام میں جو کہ دریائے ویشو کے کنارے واقع ایک خوبصورت مقام پر آپ نے سکونت اختیار کی۔

آپ نے تقریباً اٹھارہ سال تک کشمیر میں دین کی خدمت کی آپ کے مریدوں میں لل دید عارفہ شاعرہ اور شیخ نور الدین ولی تھے۔ سید حسین سمنانی کی وفات ۱۱ شعبان ۷۹۲ ہجری کو ہوئی اور آپ کو کولہ گام میں دفن کیا گیا آپ کی اولاد آپ کے فرزند سید حسن کی نسل سے جاری ہوئی جو کہ آج کشمیر میں موجود ہیں۔[2]

---

[1] دانشنامہ شیعیان کشمیر، از سید محسن حسینی کشمیری، ص ۴۴ تا ۴۸

[2] دانشنامہ شیعیان کشمیر، از سید محسن حسینی کشمیری، ص ۶۲ تا ۶۴، تذکرہ اولیائے کشمیر ص ۹، تاریخ سید علی، ص ۷

باب ششم:

(۱۳۹) حضرت امام محمد بن علی الباقر علیہ السلام

آپ محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ آپ مسلمین کے پانچویں امام ہیں بقول ابی نصر بخاری آپ کی ولادت سن ۵۷ یا ۵۹ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور شہادت سن ۱۱۴ ہجری کو ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں ہوئی اس وقت آپ ۵۳ یا ۵۵ برس کی عمر مبارک میں تھے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ مجھے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے جابر! تو دنیا میں زندہ رہے گا یہاں تک کہ تو اولاد حسینؑ میں سے ایک شخص سے ملاقات کرے گا جس کا نام میرے نام پر ہوگا یعنی محمد اور وہ یبقر اء العلم بقراء یعنی دین کے علم کو شگافتہ کرے گا یعنی کھول کھول کر بیان کرے گا۔ اور واضح رہے جب اس سے تمہاری ملاقات ہوتو میرا سلام کہنا۔

آپ اول تھے جن میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی نسبت جمع ہوئی آپ کے والد امام زین العابدینؑ اور والدہ ام عبداللہ بنت امام حسنؑ تھیں[1]

بقول ابوالحسن عمری آپ کی کنیت ابوجعفر تھی آپ اول تھے جن میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ولادۃ جمع ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک بقیع میں ہے آپ واسع العلم اور وافر الحلم تھے اور آپ سے کثیر احادیث روایت ہیں۔[2]

آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت امام حسنؑ اور کنیت ام عبداللہ تھی کیونکہ یہ بی بی عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ کی بھی والدہ تھیں۔

کربلا میں موجودگی:

امام محمد باقر علیہ السلام نے طفولیت کی زندگی (چار سال تک) اپنے دادا امام حسینؑ کے ساتھ گزاری آپ واقعہ عاشور کے دوران کربلاء میں موجود تھے اور آپ خود ایک حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ میں چار سالہ تھا جب میرے جد امام حسینؑ کو قتل کیا گیا اور مجھے آپ کی شہادت بھی اور وہ سارے مصائب بھی یاد ہیں جو ہم پر گزرے۔[3]

---

[1] سر سلسلۃ العلویہ از ابی نصر بخاری، ص ۳۲، ۳۳

[2] المجدی فی انساب الطالبین، از عمری، ص ۲۸۴

[3] تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۸۹

امامت:

آپ ظاہری طور پر امام زین العابدینؑ کی شہادت ۹۵ ہجری کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے اور ۱۱۴ ہجری ہشام بن عبدالملک کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنے تک امام اور پیشوا رہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امیرالمومنین علیہ السلام کے بعد آئمہ کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا، علی کے جوانان جنت کے سردار حسنؑ وحسینؑ ان کے بعد اپنے زمانے کے عبادت گزاروں کے سردار علی بن حسینؑ اور ان کے بعد محمد بن علیؑ جن کے دیدار کا شرف تم (یعنی جابر) پاؤ گے۔[1]

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد احادیث منقول ہیں جن میں ۱۲ آئمہ معصومین کے اسمائے گرامی ذکر ہوئے ہیں یہ احادیث امام باقر العلوم محمد بن علی علیہ السلام سمیت تمام آئمہ کی امامت وخلافت و ولایت کی تائید کرتی ہیں۔

شیخ مفید بیان کرتے ہیں کہ امام باقر علیہ السلام، فضل، علم، زہد اور جود وکرم میں اپنے تمام بھائیوں پر فوقیت اور برتری رکھتے تھے اور سب تعظیم کے ساتھ آپ کی مداحی کرتے تھے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں شرف حضوری حاصل کرنے والے اصحاب امور دینیہ اور دین مبین کے احکام آپ سے اخذ کرتے اور آپ سے اس سلسلہ میں روایت کرتے نیز تابعین کے اکابرین اور فقہاء المسلمین کے سرکردہ بزرگ آپ کے حضور پرنور سے فیض کثیر حاصل کرتے آپ کی فضیلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ علم وکمال والوں کے درمیان آپ ایک ضرب المثل بن چکے تھے شعراء آپ کی شان میں قصائد تحریر کیا کرتے تھے۔[2]

ہم عصر اموی حکمران:

آپ کے عہد امامت میں درج ذیل اموی مروانی حکمران گزرے:

۱۔ ولید بن عبدالملک (۸۶ سے ۹۶ ہجری)

۲۔ سلیمان بن عبدالملک (۹۶ سے سے ۹۹ ہجری)

۳۔ عمر بن عبدالعزیز (۹۹ سے ۱۰۱ ہجری)

---

[1] کفایۃ الاثر ص ۱۴۴، ۱۴۵

[2] الارشاد، از شیخ مفید، ص ۵۰۹

۴۔ یزید بن عبدالملک (۱۰۱ سے ۱۰۳ ہجری)

۵۔ ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ سے ۱۲۵ ہجری)

علمی کاوش:

سنہ ۹۴ سے ۱۱۴ ہجری تک کا زمانہ فقہی معاملات کی ظہور پذیری اور تفسیر قرآن کے سلسلے میں نقل حدیث کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانے میں بنی امیہ کی حکومت زوال کی جانب جارہی تھی۔ ان کے درمیان اقتدار کی باہمی جنگ تھی۔ اہل سنت کے علماء میں شہاب زہری، مکحول، اور ہشام بن عروہ جیسے افرد نقل حدیث کا اہتمام کرتے تھے اور فتویٰ دیتے تھے۔ اور بعض دوسرے گروہ اپنے عقائد کی ترویج میں مصروف تھے جن میں خوارج، مرحبہ، کیسانیہ اور غالی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے اپنے دور میں وسیع علمی تحریک کی بنیاد رکھی جو آپ کے فرزند امام جعفر صادقؑ کے دور پر عروج کو پہنچی۔ آپ علم، زہد، فضیلت میں اپنے دور کے ہاشمی بزرگوں میں سرفہرست تھے اور علمِ دین، سنت، علوم، قرآن، سیرت اور فنون، اخلاق و آداب جیسے موضوعات میں جس قدر احادیث اور روایات آپ سے نقل ہوئی وہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اولاد میں کسی دوسرے فرزند سے نقل نہیں ہوئیں۔[1]

شیعہ فقہی احکام اگرچہ اس وقت تک صرف، اذان، تقیہ، نماز، میت وغیرہ جیسے مسائل کی حد تک واضح ہو چکے تھے لیکن امام باقرؑ کے ظہور کے ساتھ اس سلسلے میں نہایت اہم قدم اٹھائے گئے اور ایک قابل تحسین علمی وثقافتی تحریک شروع ہوئی۔ اس زمانے میں فقہ، تفسیر اور اخلاق پر مشتمل فرہنگ کی تدوین کا کام شروع ہوا۔[2]

امام محمد باقر علیہ السلام نے اصحاب قیاس کی دلیلوں کو شدت سے رد کیا۔[3]

اور دیگر منحرف اسلامی فرقوں کے خلاف بھی سخت موقف اپنایا اور یوں مختلف موضوعات میں اہل بیت کے صحیح اعتقادی دائرے کو واضح اور الگ کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ آپ نے خوارج کے بارے میں فرمایا۔ خوارج نے اپنی جہالت کے باعث اپنے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے۔ دین اس سے کہیں زیادہ نرم ملائم اور لچکدار ہے جو وہ سمجھتے ہیں۔[4]

---

[1] الارشاد، شیخ مفید، ص ۵۰۷

[2] دراسات وبحوث فی التاریخ الاسلام، ج ا ص ۵۶، ۵۷، ضحی الاسلام ج ا ص ۳۸۶

[3] وسائل الشیعہ، از شیخ حر عاملی، ج ۱۸ ص ۳۹

[4] تہذیب از شیخ طوسی ج ا ص ۲۴۱

امام باقر علیہ السلام کی علمی شہرت نہ صرف حجاز بلکہ عراق اور خراسان تک پھیل گئی چنانچہ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ خراسان کے باشندوں نے آپ کے گرد حلقہ بنا رکھا ہے اور اپنے علمی سوالات آپ سے پوچھ رہے ہیں۔[1]

تفسیر:

امام باقرؑ نے اپنے اوقات کا ایک حصہ تفسیری موضوعات و مباحث کے لئے مختص کر رکھا تھا اور تفسیری حلقہ تشکیل دے کر علماء اور عام لوگوں کے سوالات اور اعتراضات کا جواب دیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ امام باقرؑ نے تفسیر قرآن میں ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی جس کی طرف محمد بن اسحاق ندیم نے اپنی فہرست میں بھی اشارہ کیا ہے۔[2]

امام قرآن کی شناخت اور معرفت کو اہل بیتؑ تک محدود فرماتے تھے کیونکہ وہ محکمات کو متشابہات اور ناسخ کو منسوخ سے تمیز دینے کی قوت رکھتے تھے اور ایسی خصوصیت اہل بیت کے علاوہ کسی کے پاس نہیں پائی جاسکتی۔ اس بناء پر آپ نے فرمایا کوئی بھی چیز تفسیر قرآن کی مانند لوگوں کی عقل سے دور نہیں ہے، کیونکہ ایک آیت کا آغاز متصل ہے ایک مسئلے کے بارے میں اور یہ کلام متصل کئی وجوہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔[3]

حدیث:

امام نے حدیث نبوی پر خاص شکل میں توجہ دی حتیٰ کہ جابر بن یزید جعفی نے آپ سے ستر ہزار حدیثیں نقل کی ہیں جیسا کہ ابان بن تغلب اور دوسرے شاگردوں نے اس عظیم ورثے میں سے بڑے مجموعے کو نقل کیا ہے۔

امام باقرؑ نے صرف نقل حدیث اور ترویج حدیث پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے اصحاب کو فہم حدیث اور ان کے معانی کے سمجھنے کے اہتمام کرنے پر بھی ترغیب دلائی۔

کلام:

امام باقرؑ کے زمانے میں مناسب مواقع فراہم ہوئے حکمرانوں کی طرف سے دباؤ اور نگرانی میں کمی

---

[1] بحارالانور، از علامہ باقر مجلسی، ج ۴۶ ص ۳۵۷

[2] الفہرست، از ابن ندیم، ص ۵۹

[3] پیشوایان ہدایت، گروہ مولفان، ص ۳۲۰

آئی اور یوں مختلف عقائد وافکار کے ظاہر و نمایاں ہونے کے اسباب فراہم ہوئے اور یہی آزاد فضاء بھی معاشرے میں انحرافی افکار کے وجود میں آنے کا سبب بنی ان حالات میں امام باقرؑ کو درست اور حقیقی شیعہ عقائد کی تشریح، باطل عقائد کی تردید کےساتھ ساتھ متعلقہ شبہات و اعتراضات کا جواب بھی دینا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ آپ ان امور کے تناظر میں ہی کلامی (واعتقادی) مباحث کا اہتمام کرتے تھے۔

ذات پروردگار کی حقیقت کے ادراک سے عقل انسانی کی عاجزی اور واجب الوجود کی ازلیت وغیرہ ان ہی مباحث میں سے ہیں۔[1]

امام محمد باقرؑ کے مناظرات:

آپ کے چند مناظرے بھی تاریخ میں ملتے ہیں:

۱۔ ایک عیسائی عالم سے مناظرہ۔
۲۔ ہشام بن عبدالملک سے مناظرہ
۳۔ محمد منکدر سے مناظرہ
۴۔ نافع بن ازرق سے مناظرہ
۵۔ عبداللہ بن معمر لیثی سے مناظرہ
۶۔ قتادہ بن دعامہ سے مناظرہ

شاگرد اور اصحاب:

امام محمد باقرؑ کے زمانے میں معاشرے کے سیاسی حالات کچھ اس طرح سے بدل گئے کہ آپ کو ایک عظیم علمی مجمع کو تشکیل دینے کا موقع میسر آیا اور آپ نے شریعت کی اقدار کے پابند بےشمار عالم و دانشمند افراد کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ زمانے کے حالات نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو مناسب امکان فراہم کئے جو دوسرے آئمہ طاہرین کو فراہم نہیں ہوئے۔ یہ مناسب حالات اموی حکومت کی بنیادیں سست ہونے کی وجہ سے وجود میں آئے۔ اس زمانے کے سیاسی نظام کا اندرونی بحران حکمرانوں کو سابقہ حکمرانوں کی طرح خاندان رسالت پر دباؤ ڈالنے اور انہیں گوشہ نشین کرنے پر مجبور کرنے کا امکان فراہم نہ تھا۔ ان مناسب حالات میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو زیادہ سے زیادہ فقہی، تفسیری اور اخلاقی نظریات فقہ و حدیث

---

[1] کلینی، ج۱ ص ۸۲، ۸۸، ۸۹

کی کتب میں اپنے نفیس اور عمدہ ورثے کو چھوڑنے کا موقع ملا۔ ایسے حالات میں محمد بن مسلم نے امام محمد باقرؑ سے ۳۰ ہزار احادیث نقل کیں۔[1]

جابر جعفی نے ۷۰ ہزار احادیث نقل کیں۔[2]

علماء کے نزدیک اسلام کے صدر اول میں چھ فقہاء ترین افراد تھے اور وہ سب امام محمد باقرؑ کے اصحاب (شاگرد) تھے:

۱۔ زرارہ ابن اعین	۲۔ معروف بن خربوذ	۳۔ ابوبصیر اسدی
۴۔ فضیل بن یسار	۵۔ محمد بن مسلم	۶۔ برید بن معاویہ عجلی[3]

شیخ طوسی نے اپنی کتاب اختیار فی معرفۃ الرجال میں تحریر کیا ہے کہ امام باقرؑ کے ان شاگردوں کی تعداد ۴۶۲ تھی جنہوں نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ آپ کے ان شاگردوں میں مرد اور خواتین دونوں شامل ہیں۔

شہادت:

آپ کی شہادت ۷ ذی الحجۃ ۱۱۴ ہجری کو ہشام ابن عبدالملک کے زہر دینے کی وجہ سے ہوئی اس سلسلے میں بعض دوسرے اقوال بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ بعض مورخین نے تحریر کیا ہے کہ ہشام ابن عبدالملک براہ راست اس قتل میں ملوث تھا۔ بعض کا قول ہے کہ ابراہیم بن ولید بن عبدالملک بن مروان نے آپ کو زہر دیا۔[4]

اولاد امام محمد باقر علیہ السلام:

آپ کی دو ازواج تاریخ میں ملتی ہیں۔ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق اور دوسری زوجہ ام حکیم بنت اسید ثقفی تھیں۔

بقول ابوالحسن عمری کہ آپ کی تین صاحبزادیاں تھیں: (۱) ام سلمہ جن کی شادی محمد ارقط بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ سے ہوئی اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ (۲) زینب الصغریٰ جن کی شادی عبیداللہ بن محمد

---

[1] بحار الانور، از باقر مجلسی، ج ۱۱ ص ۸۳

[2] آئمتنا محمد علی دخیل، ج ۱ ص ۳۴۷

[3] المناقب، از ابن شہر آشوب مازندرانی، ج ۴ ص ۲۱۱

[4] دلائل الامامہ، ص ۲۱۶، مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۲۲۸

بن عمر الاطرف بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے ہوئی ہے[1]

اور بقول صاحب اصیلی صفی الدین ابن طقطقی کہ تیسری دختر (۳) زینب الکبریٰ کی شادی عبداللہ عقیقی بن حسین اصغر بن علی بن حسین بن امام علی علیہ السلام سے ہوئی ہے[2]

بقول شیخ ابوالحسن عمری علوی کہ آپ کے چھ پسران تھے: (۱) عبداللہ (۲) علی (۳) زید (۴) عبیداللہ ابن ثقفیہ (۵) ابراہیم ابن ثقفیہ (۶) امام جعفر الصادق علیہ السلام۔

ان میں اول عبداللہ بن امام محمد باقر:

بقول عمری آپ کی اولاد ہوئی لیکن آپ منقرض ہو گئے۔ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ آپ امام جعفر صادق ؑ کے بھائی ہیں اور دونوں کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق تھیں اور جناب فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمان بن ابی بکر الصدیق تھیں۔

ابوالمقدام سے مروی ہے کہ عبداللہ بنو امیہ کے ایک شخص کے پاس گئے تو اس نے آپ کو قتل کرنا چاہا۔ مگر عبداللہ نے اس سے کہا تم مجھے قتل نہ کرو۔ میں خدا کی بارگاہ میں تمہارا نگہبان اور مددگار رہوں۔ یہ سن کر اموی نے کہا تم وہاں ہرگز میرے نگہبان اور مددگار نہیں ہو سکتے۔ اِس نے کچھ دیر کیلئے آپ کو چھوڑ دیا مگر پھر شربت میں زہر ملا کر آپ کو پلا دیا اور آپ شہید ہو گئے۔

بقول صاحب اصیلی کہ عبداللہ بن امام محمد باقر ؑ کا ایک حمزہ نامی فرزند تھا۔[3]

دوم علی بن امام محمد باقر ؑ:

بقول صاحب اصیلی کہ آپ کی والدہ ام الولد تھیں آپ کی ایک دختر تھیں جن کی شادی امام موسیٰ کاظم ؑ سے ہوئی اور علی کی قبر بغداد میں جعفریہ میں ظاہر ہوئی۔ محب الدین نجار اپنی کتاب تاریخ میں تحریر کرتے ہیں کہ بغداد کے قریب ایک بستی اعمال خالص میں سے ہے۔ اس میں ایک پرانی قبر ظاہر ہوئی ہے اور اس پر تحریر تھا کہ یہ صریح الطاہر علی بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی ہے۔ پھر اس پر اینٹوں سے گنبد بنایا گیا اور اس کی تعمیر علی بن نعیم نے کی جو مستوفیان میں سے تھا اور دیوان خالص کی کتابت اس

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۸۴

[2] الاصیلی فی انساب الطالبین از ابن طقطقی ص ۱۴۷

[3] الاصیلی، از ابن طقطقی ص ۱۴۸

سے متعلق تھی اس نے اسے آراستہ کیا اور کھلا صحن بنایا۔ پھر یہ مشہد مجہول اور خراب ہو چکا تھا کچھ غریب اور فقیر لوگ وہاں رہتے تھے۔[1]

کاشان کے نواح میں ایک بستی مشہد اردھال ہے یہاں پر ایک مزار سلطان علی بن امام محمد باقرؑ کا ہے۔ واللہ اعلم

علی بن امام باقرؑ کی اولاد جاری نہ ہوئی۔

سوم عبیداللہ بن امام محمد باقرؑ:

آپ کی والدہ ام حکیم بنت اسید بن مغیرہ ثقفی تھیں اور آپ درج تھے یعنی آپ کی اولاد جاری نہ ہوئی۔

چہارم ابراہیم بن امام محمد باقر علیہ السلام:

آپ کی والدہ بھی ثقفیہ یعنی ام حکیم بنت اُسید بن مغیرہ ثقفی تھیں اور بقول امام فخر الدین رازی آپ کی نانی ام زید بنت عبداللہ بن عمر ابن خطابؓ تھیں۔[2]

تمام نسابین اس پر متفق ہیں کہ امام محمد باقرؑ کی اولاد صرف اور صرف امام جعفر صادقؑ سے جاری ہوئی۔

---

[1] الاصیلی، از ابن طقطقی، ص ۱۴۷، ۱۴۸

[2] شجرۃ المبارکہ از فخر الدین رازی، ص ۷۵

باب ہفتم:

(۱۴۰) امام ابوعبداللہ جعفر صادق بن امام محمد باقر علیہ السلام

جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے آپ کی والدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ ہیں اور آپ کی نانی اسماء بنت عبدالرحمان بن ابی بکر الصدیقؓ ہیں۔

آپ کا مشہور لقب صادق ہے ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اس لقب سے نوازا تھا۔

ولادت:

امام جعفر صادق ۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ ہجری کو مدینہ میں تولد ہوئے اور سنہ ۱۴۸ ہجری کو ۶۵ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔[1]

بعض نے آپ کی تاریخ ولادت ۸۰ ہجری تحریر کی ہے۔[2]

ابن قتیبہ دنیوری نے آپ کی شہادت کا سنہ ۱۴۶ ہجری تحریر کیا ہے۔[3]

امامت:

امام صادق کی زندگی بنی امیہ کے آخری دس حکمرانوں اور عباسی حکمرانوں کے پہلے دو افراد سفاح اور منصور دوانقی کے دور میں گزری۔ حضرت امام محمد باقرؑ کو جس وقت ہشام بن عبدالملک شام لیکر گیا تو امام جعفر صادقؑ بھی اس سفر میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ تھے۔[4]

آپ کے دور امامت میں بنی امیہ کی حکومت زوال کا شکار ہوئی اور آخرکار اپنے منطقی انجام کو جا پہنچی جس کے بعد بنوعباس نے اسلامی دنیا میں اپنی حکومت قائم کی۔ بنی امیہ اپنے اقتدار کے آخری ادوار میں اپنی بقاء کی فکر میں تھے جبکہ بنی عباس اپنی استحکام کی فکر میں تھے۔ جس کی وجہ سے امام کو علمی اور ثقافتی امور کی انجام دہی کا موقع ملا اور آپ نے مختلف عملی میدانوں میں شاگردوں کی تربیت فرمائی۔[5]

---

[1] الارشاد، از شیخ مفید، ج ۲ ص ۱۸۰

[2] کشف الغمہ، از اربلی، ج ۲ ص ۶۹۱

[3] المعارف از ابن قتیبہ دینوری ص ۳۱۵

[4] زندگانی امام صادق از شہیدی ص ۶

[5] زندگانی امام صادق از شہیدی ص ۴۷

البتہ آزادی دوسری صدی ہجری کے تیسرے عشرے میں نصیب ہوئی جبکہ اس سے پہلے بنی امیہ کی بنو ہاشم سے دیرینہ دشمنی نیز سید محمد نفس ذکیہ اور انکے بھائی ابراہیم کی تحریک کی وجہ سے آپ پر بھی سیاسی دباؤ رہا۔[1]

شیعہ نقطہ نظر سے امام خدا کی طرف سے معین ہوتا ہے جسے نص (یعنی رسول اللہ یا پہلے والے امام نے صراحت کے ساتھ مورد نظر شخص کی امامت بیان فرمائی ہو) کے ذریعے سے پہچانا جائے۔[2]

کلینی نے اپنی کتاب کافی میں امام صادق علیہ السلام کی امامت کے ثبوت میں مختلف احادیث نقل کی ہیں۔[3]

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول احادیث میں آپ نے اپنے بیٹے امام جعفر صادقؑ کی امامت کی تصریح فرمائی ہے۔ ان روایات کو ہشام بن سالم، ابوصباح کنانی۔ جابر بن یزید جعفی اور عبدالاعلیٰ مولیٰ آل سام نے روایت کیا ہے۔

شیخ مفید کے بقول امام جعفر صادقؑ" کی جانشینی اور امامت کے سلسلے میں امام باقر علیہ السلام کی وصیت کے علاوہ امام صادق علیہ السلام۔ علم۔ عمل۔ زہد۔ تقویٰ میں بھی اپنے بھائیوں اور خاندان کے دیگر افراد نیز اپنے زمانے کے تمام لوگوں پر برتری رکھتے تھے جو خود آپ کی امامت کی دلیل ہے۔[4]

آپ کا وکالتی نظام:

ایک طرف امام کے شیعہ اسلامی دنیا کے مختلف مناطق میں پھیلے ہوئے تھے تو دوسری طرف سیاسی دباؤ کی وجہ سے آئمہ معصومین کو اپنے پیرکاروں کے ساتھ رابطہ برقرار کرنے میں دشواریوں کا سامنا رہتا جو امام صادق علیہ السلام کے دور سے پہلے سے بھی پیچیدہ شکل اختیار کر گئی تھی اس وجہ سے آپ نے مختلف مناطق میں اپنا نمائندہ اور وکیل مقرر فرمایا جو آپ اور آپکے پیرکاروں کے درمیان رابطے کا کام کرتا تھا۔[5]

وجوہات شرعیہ جیسے خمس زکات۔ نذر اور تحائف وغیرہ کی جمع آوری اور انہیں امام تک پہنچانا۔ شیعان کی مشکلات سے آگاہی اور ان کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرنا امام اور آپکے پیروکاروں کے مابین رابطہ برقرار کرنا نیز انکے شرعی سوالات کا امام سے جواب دریافت کرنا ان وکلاء کے وظائف میں شامل تھا۔[6]

---

[1] حیات فکری سیاسی امامان شیعہ۔ از جعفریان۔ ص ۴۳۵

[2] ارشاد الطالبین۔ از فاضل مقداد۔ ص ۳۳۷

[3] الکافی۔ از کلینی۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۷۔۳۰۶

[4] الارشاد۔ از شیخ مفید۔ ص ۵۲۸۔ ۵۲۷۔ ۵۲۶

[5] سازمان وکالت آئمہ۔ از جباری۔ جلد اوّل ص ۵۰۔ ۲۷

[6] سازمانِ وکالت آئمہ۔ از جباری۔ ص ۲۸۰۔ ۳۳۲۔ ۳۲۰

علمی تحریک:

بنی اُمیہ کے زوال کے دوران اور بنی عباس کے ابتدائے ایام میں شیعان علی کو کچھ آزادی نصیب ہوئی جس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے امام عالی مقام نے مختلف موضوعات پر علمی اور عقیدتی مباحث کا سلسلہ شروع کیا۔ اور یہ علمی اور مذہبی آزادی آپ سے پہلے اماموں کو کم ملی۔ اس آزادی کی وجہ سے علم و دانش کے متلاشی آزادی سے آپ کے جلسات میں شرکت کرتے۔[1]

ابن حجر ہتمی کے بقول لوگ آپ سے علم و معرفت کے خزانے دریافت کرتے اور ہر جگہ آپ کا ہی چرچا تھا۔[2]

ابو بحر جاخط لکھتے ہیں کہ ان کی فقہ اور علم پوری دنیا میں پھیل چکا تھا۔[3]

حسن بن علی وشا لکھتے ہیں کہ انہوں نے ۹۰۰ لوگوں کو دیکھا جو مسجد کوفہ میں امام صادق علیہ السلام سے حدیث نقل کرتے تھے۔[4]

مناظرات اور علمی گفتگو:

احمد بن علی طبرسی نے اپنی کتاب احتجاج میں امام صادقؑ کے مناظرات کو جمع کیا ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) ایک منکر خدا کے ساتھ خدا کے وجود پر مناظرہ

(۲) ابوشاکر دیصانی کے ساتھ خدا کے وجود پر مناظرہ

(۳) ابن ابی العوجاء کے ساتھ خدا کے وجود پر مناظرہ

(۴) ابن ابی العوجاء کے ساتھ عالم کے حدوث پر مناظرہ

(۵) خدا کے منکر ایک شخص کے ساتھ خدا کے وجود اور بعض دیگر مسائل پر طولانی مناظرہ

(۶) امام ابوحنیفہ کے ساتھ حکم شرعی کے استنباط کے طریقے خاص کر قیاس پر مناظرہ

(۷) معتزلہ کے بعض علماء کے ساتھ حاکم کے انتخاب کے طریقہ کار اور بعض دوسرے فقہی مسائل پر مناظرہ

---

[1] حیات سیاسی وفکری امامان شیعہ۔ از جعفریان ص ۴۳۵

[2] صواعق محرقہ۔ از ابن حجر ہتمی۔ ص ۵۵۱ نشر قاہرہ

[3] رسائل جاخط۔ ص ۱۰۶

[4] رجال نجاشی۔ نجاشی۔ ص ۳۹

مسلح جارحیت سے دوری:

اگرچہ امام صادق علیہ السلام کی امامت کے دوران بنی اُمیہ کشمکش سے دو چار تھی اور کسی حکومت کو سرنگوں کرنے کیلئے یہ بہترین موقع ہوا کرتا ہے مگر امام نے مسلح جدوجہد سے دوری اختیار کی۔ بعض افراد نے تو آپ کو خلافت قبول کرنے کی پیشکش بھی کی۔ ابراہیم امام بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی وفات کے بعد ابومسلم خراسانی نے آپ کو خط لکھا اور خلافت کا سب سے زیادہ حقدار قرار دیتے ہوئے خلافت کرنے کی دعوت دی لیکن امام نے اسکے خط کا جواب اس طرح دیا کہ نہ تم میرے وفاداروں میں سے ہو اور نہ یہ زمانہ میرا زمانہ ہے۔[1]

اسی طرح آپ نے ابوسلمہ خلال کی طرف سے بھی خلافت کو قبول کرنے کی درخواست کو رد فرماتے ہوئے اسکے خط کو آگ لگا دی۔[2]

اسی طرح آپ نے اس زمانے میں شروع ہونے والی حکومتی مخالف تحریکوں میں بھی حصہ نہ لیا۔ یہاں تک کہ اپنے چچا زید بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی تحریک میں بھی آپ نے شرکت نہ فرمائی۔[3]

عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن علیہ السلام سے اختلافات رائے:

بنی اُمیہ کے آخری سالوں میں بنی ہاشم کا ایک گروہ جن میں عبداللہ محض ان کے بیٹے محمد نفس ذکیہ، ابراہیم سفاح اور منصور حکومت کے خلاف مسلح قیام کرنے کیلئے اپنے درمیان میں سے کسی ایک کی بیعت کرنے کی خاطر ابواء میں جمع ہوئے اس جلسے میں عبداللہ محض نے اپنے فرزند محمد نفس ذکیہ کو مہدی کے عنوان سے متعارف کروایا اور حاضرین سے ان کی بیعت کا مطالبہ کیا۔

جب امام صادق علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا تو امام صادقؑ نے کہا تمہارا بیٹا مہدی نہیں ہے اور نہ ابھی مہدی کے ظہور کا وقت ہے، عبداللہ محض آپ کی باتوں سے ناراض ہو گئے اور کہا کہ آپ حسد کی وجہ سے یہ باتیں کر رہے ہیں۔ امام صادقؑ نے فرمایا کہ میں حسد کی وجہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ یہ حقیقت ہے تمہارا بیٹا مارا جائے گا اور حکومت سفاح اور منصور کو ملے گی۔[4]

---

[1] الملل والنحل، از شہرستانی ج اوّل ص ۱۷۹
[2] مروج الذہب، از مسعودی، ج ۳ ص ۲۵۴
[3] امام جعفر صادقؑ، ص ۱۸۴ ـ ۱۸۳
[4] مقاتل الطالبین، از ابی الفرج اصفہانی، ص ۱۸۶ ـ ۱۸۵

حکمرانوں کے ساتھ آپ کے تعلقات:

آپ نے اپنے زمانے کے حکمرانوں کے خلاف کوئی مسلح جدوجہد نہیں کی لیکن ان حکمرانوں سے آپ کے تعلقات اچھے بھی نہیں تھے۔ اپنے والد امام باقرؑ کے ہمراہ حج کے دوران آپ نے اہل بیت کو خدا کے بزرگان میں قرار دیا اور ہشام ابن عبدالملک کی اہل بیت دشمنی کی جانب اشارہ کیا۔[1]

منصور دوانقی نے آپ سے کہا کہ آپ دوسرے لوگوں کی طرح ہمارے پاس آیا کریں تو آپ نے جواب دیا ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ ہم تم سے ڈریں اور تمہارے پاس آخرت کے امور میں سے کوئی چیز نہیں ہے کہ ہم تم سے لو لگائیں۔

امام صادقؑ کے گھر کو آگ لگانا:

کافی اور مناقب علی ابن ابی طالب میں مفضل بن عمر سے روایت کے مطابق حسن بن زید بن امام حسنؑ نے مدینے پر حاکمیت کے دوران منصور کے حکم پر حضرت امام جعفر صادقؑ کے گھر کو آگ لگا دی۔[2]

اس حدیث کے مطابق اس آتش سے آپ کے گھر کا دروازہ اور دہلیز جل گیا اور امام جلتے ہوئے گھر کے اندر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

"میں اعراق ثری (حضرت اسماعیل کا لقب) کا بیٹا ہوں میں ابراہیم خلیل کا بیٹا ہوں۔"[3]

لیکن بعض کے بقول منصور نے ۱۵۰ ہجری میں امام صادقؑ کی شہادت کے دو سال بعد حسن بن زید بن امام حسنؑ کو مدینے کا گورنر بنایا اس طرح اوّل روایت درست نہیں لگتی واللہ اعلم۔[4]

اخلاقیات:

محمد بن طلحہ امام صادقؑ کو اہل بیت میں سے سب سے زیادہ عظمت اور بزرگی کا حامل شخص قرار دیتے ہیں جو علم و معرفت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ، عبادت بندگی، نیز قرآن مجید کی تلاوت میں اپنے زمانے میں شہرت رکھتے تھے۔[5]

---

[1] بحار الانوار، از مجلسی، ج ۴۲ ص ۳۰۶

[2] الکافی، از کلینی، مناقب علی بن ابی طالب: ج ۳ ص ۳۶۲

[3] الکافی، از کلینی، ج ۱ ص ۴۷۲

[4] تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۸۴، تاریخ کامل ج ۵ ص ۵۹۳

[5] کشف الغمہ، از اربلی ج ۲ ص ۶۹۱

مالک بن انس جو اہل سنت کے چار آئمہ اربعہ میں سے تھے امام صادقؑ کے متعلق کہتے ہیں کہ مجھے جتنی مدت جعفر ابن محمد کے پاس جانے کا اتفاق ہوا انہیں تین حالتوں میں پایا۔ نماز کی حالت میں، روزہ کی حالت میں یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے۔

اس کے علاوہ آپ کی سخاوت کے بہت زیادہ واقعات ہیں جن پر مکمل کتاب تالیف کی جاسکتی ہے۔

عراق کا سفر:

سفاح اور منصور کی جانب سے طلب کیئے جانے پر امام صادقؑ نے عراق کا سفر بھی کیا عراق کے سفر کے دوران آپ کوفہ، کربلا، نجف اور حیرہ بھی تشریف لئے گئے۔[1]

محمد بن معروف ہلالی نقل کرتے ہیں کہ جب امام صادقؑ حیرہ تشریف لے گئے تو لوگوں کی کثیر تعداد آپکے استقبال کیلیئے جمع ہوئی یہاں تک کہ ملاقاتیوں کی کثرت کی وجہ سے کئی دن تک امام سے ملاقات نہ ہوسکی۔[2]

مسجد کوفہ میں مسلم بن عقیلؑ کی قبر کے نزدیک واقع محراب امام صادقؑ اور مسجد سہلہ میں مقام امام صادقؑ آپ کی تشریف آوری کا پتہ دیتا ہے۔ اس سفر میں آپ نے کربلا کی زیارت کی۔

بعض احادیث میں امام صادقؑ کی طرف سے قبر امام علیؑ کی زیارت کرنے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔[3]

اس حدیث کے مطابق آپ نے اپنے پیروکاروں کو قبر امام علیؑ کی نشاندہی کرائی جو اس سے پہلے مخفی تھی۔ کلینی کے مطابق ایک دن آپ یزید بن عمرو بن طلحہ کو حیرہ اور نجف کے درمیان کسی مقام پر لے گئے اور وہاں آپ نے اسے حضرت علیؑ کی قبر کی نشاندہی کرائی۔[4]

شیخ طوسی فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ امام علیؑ کی قبر کے نزدیک تشریف لائے وہاں نماز پڑھی اور یونس بن ظبیان سے فرمایا کہ یہ امیر المومنین علیؑ کا مزار ہے۔[5]

شاگرد اور روات:

شیخ طوسی اپنی رجال میں تقریباً ۳۲۰۰ راویوں کا نام لیتے ہیں۔ جنہوں نے امام صادقؑ سے احادیث

---

[1] الامام صادق، مظفر، ج ۱ ص ۱۲۴ تا ۱۳۰

[2] بحار الانوار، باقر مجلسی، ج ۴۷، ص ۹۳، ۹۴

[3] تہذیب الاحکام، از شیخ طوسی ج ۶ ص ۳۵، ۳۶

[4] الکافی از محمد بن یعقوب کلینی، ج ۴ ص ۵۷۱

[5] تہذیب الاحکام ج ۶ ص ۳۵

نقل کیں۔[1]

شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد میں آپ کے راویوں کی تعداد ۴۰۰۰ تک نقل کرتے ہیں۔[2]

کہا جاتا ہے کہ امام صادق کے راویوں سے متعلق ابن عقدہ کی ایک کتاب تھی جس میں انہوں نے ان کی تعداد ۴۰۰۰ بتائی ہے۔[3]

آپ کے مشہور شاگردوں میں: (۱) زرارہ ابن اعین (۲) برید بن معاویہ (۳) جمیل بن دراج (۴) عبداللہ بن مسکان (۵) عبداللہ بن بکیر (۶) حماد بن عثمان (۷) حماد بن عیسیٰ (۸) ابان بن عثمان احمری (۹) عبداللہ بن سنان (۱۰) ابوبصیر (۱۱) ہشام بن سالم (۱۲) ہشام بن حکم۔

شہادت:

۲۵ شوال سنہ ۱۴۸ ہجری کو منصور عباسی کی طرف سے دیئے جانے والے زہر سے آپ کی شہادت ہوئی۔

اولاد امام جعفر صادق علیہ السلام:

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کی پانچ صاحبزادیاں تھیں: (۱) رقیہ (۲) بریہ (۳) ام کلثوم جن کی قبر مصر میں ہے (۴) قریبہ (۵) فاطمہ[4]

بقول امام فخر الدین رازی کہ ان میں (۶) اسماء (۷) فاطمہ کبریٰ بھی تھیں۔

جن میں اسماء بنت امام صادقؑ کی شادی حمزہ بن عبداللہ بن امام محمد باقرؑ سے ہوئی۔[5]

اور پسران میں بقول عمری: (۱) عبیداللہ (۲) عباس (۳) یحییٰ (۴) محسن (۵) جعفر ان پانچ کی اولاد کا ذکر نہیں (۶) محمد جو کہ ظن کہا جاتا ہے کہ محمد اصغر تھے ان کا فرزند جعفر تھا جو منقرض ہوا۔ (۷) عبداللہ افطح (۸) حسن ان کی اولاد بھی نہ چلی۔[6]

تمام نسابین اس پر متفق ہیں کہ امام جعفر صادقؑ کی اولاد پانچ پسران سے جاری ہوئی: (۱) حضرت

---

[1] اختیار معرفۃ الرجال، از طوسی ج ۲ ص ۴۱۹، ۶۷۹

[2] ارشاد، شیخ مفید، ج ۲ ص ۲۵۴

[3] الکنی والالقاب، محدث قمی، ج ۱ ص ۳۵۸

[4] المجدی فی انساب الطالبین، از عمری، ص ۲۸۶

[5] شجرۃ المبارکہ، از امام فخر الدین رازی، ص ۷۶

[6] المجدی فی انساب الطالبین، ص ۲۸۶، ۲۸۷

امام موسیٰ کاظمؑ (۲) اسماعیل اعرج (۳) محمد دیباج (۴) علی العریضی (۵) اسحاق۔

(۱۴۱) عبداللہ افطح بن امام جعفر صادق علیہ السلام

عبداللہ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ:

عبداللہ افطح اپنے بھائی اسماعیل کے بعد دوسرے نمبر پر آتے تھے۔ ان کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن علیہ السلام تھیں اور یہ آپ کے بھائی اسماعیل کی والدہ بھی تھیں۔

شیخ مفید کے قول کہ آپ کی والدہ فاطمہ بنت حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔ بقول شیخ ابو الحسن عمری کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ عبداللہ اپنے والد کی سب سے بڑی اولاد تھی۔ بقول ابوالحسن اشنانی نسابہ کہ آپ نے شیعوں کو اپنی امامت کی دعوت دی آپ کے اصحاب کو فطحیہ کہا جاتا تھا آپ محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے ہمراہ جنگ میں ان کا ساتھ دینے والوں میں سے تھے۔[۱]

آپ کا سر چوڑا (افطح الراس) تھا۔[۲]

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پیر چوڑے (افطح الرجلین) ہونے کی وجہ سے افطح مشہور ہوئے۔ امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے وقت عبداللہ افطح امام پاک کی اولاد میں سب سے بڑے فرزند تھے۔ انہوں نے اس بات کو سند بناتے ہوئے کہ امامت بڑے بیٹے کو پہنچتی ہے امامت کا دعویٰ کر دیا اور شروع میں ایک گروہ نے ان کے دعویٰ کو قبول کر لیا۔

امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی شہادت سے پہلے عبداللہ افطح کی طرف سے امامت کے دعویٰ سے باخبر کیا تھا اور امام موسیٰ کاظمؑ سے فرمایا تھا کہ عبداللہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اس لئے کہ وہ زیادہ دن تک زندہ نہیں رہیں گے۔[۳]

کتب میں ذکر ہوا ہے کہ ان کے دعویٰ کی صحت کیلئے شیعوں اور اصحاب نے ان سے کچھ سوالات کئے لیکن وہ ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ان کی امامت سے منحرف ہو گئے۔

امام صادقؑ کی شہادت کے بعد خراسان سے مدینہ آئے بعض شیعوں کے سوالات کا عبداللہ افطح

۱۔ المجدی، فی انساب الطالبین، از عمری، ص ۲۸۶

۲۔ جمہرۃ انساب العرب، از ابن حزم ص ۵۹

۳۔ اثبات الوصیہ، ص ۱۹۸

درست جواب نہ دے سکے۔[1]

ہشام بن سالم اور مومن الطاق نے ان سے ۱۰۰ درہم کی زکاۃ کے سلسلہ میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا۔ دو درہم۔[2]

نقل ہوا ہے کہ عبداللہ افطح سے سوال کیا گیا۔ اگر کوئی بغیر شاہد کے اپنی زوجہ سے کہے کہ میں نے تمہیں آسمان کے ستاروں کے برابر طلاق دی تو کیا وہ طلاق درست ہے تو عبداللہ نے جواب دیا جی ہاں درست ہے۔[3]

عبداللہ افطح کے درست جوابات نہ دینے کی صورت میں زیادہ لوگ امام موسیٰ کاظمؑ کی طرف پلٹ آئے عبداللہ افطح کی وفات امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے ستر روز بعد ہوئی تو انکے باقی بچے ہوئے پیرو بھی امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے قائل ہو گئے۔

عبداللہ افطح منقرض تھے ان کی اولاد جاری نہ ہوئی۔

(۱۴۲) اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام

اسماعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالبؑ بقول یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ عقیقی مدنی کہ آپ کی والدہ فاطمہ بنت حسین اثرم بن امام حسن علیہ السلام تھیں۔[4]

آپکی نانی ام حبیب بنت عمر اطرف بن امام علیؑ اور پرنانی ام عبداللہ بنت عقیل بن ابوطالبؑ تھیں۔[5]

ابوالخطاب کے ساتھ اسماعیل کے تعلقات اور ابوالخطاب کی ترغیب سے امامت کی دعوت دینا بعض منابع میں ذکر ہوا ہے۔

سعد بن عبداللہ اشعری اور نوبختی اسماعیلیہ خاصہ کو اصل میں خطابیہ قرار دیتے ہیں جن میں سے ایک گروہ محمد بن اسماعیل کی پیروی کرتے ہوئے اس بات کا قائل تھا کہ اسماعیل امام جعفر صادقؑ کی زندگی میں وفات پا گئے۔[6]

---

[1] مستدرک الوسائل، محدث نوری، ج ۱۵ ص ۴۶۷

[2] صراط المستقیم، از نباطی بیاضی، ج ۲ ص ۱۹۱

[3] صراط المستقیم، از نباطی بیاضی، ج ۲ ص ۱۹۲

[4] المعقبین، از یحییٰ بن حسن مدنی، ص ۸۳، ۸۴

[5] شجرۃ مبارکہ، از امام فخر الدین رازی، ص ۱۰۱

[6] مقالات والفرق از اشعری، ص ۸۰، ۸۱، فرق الشیعہ از نوبختی، ص ۵۷ تا ۵۹

ابو حاتم رازی تحریر کرتے ہیں کہ خطابیہ امام جعفر صادق کی زندگی میں ہی اسماعیل کی امامت کے قائل تھے لیکن اس کے ٹھوس دلائل نہیں ہیں۔[1]

بعض زیدیہ اور نصیریہ منابع بھی اسماعیل کا خطابیہ کے ساتھ ارتباء اور فرقہ اسماعیلیہ کی شکل گیری میں انکے کردار کی تائید کرتے ہیں۔[2]

اسی طرح ام الکتاب جو ایشیا میں اسماعیلیوں کی مقدس کتابوں میں سے ہے اس میں ابوالخطاب کو اسماعیلیہ کی بنیاد گزاروں میں سے قرار دیا ہے۔ لیکن فاطمیوں نے کبھی بھی اسماعیلیہ کے وجود میں آنے میں ابوالخطاب کی مداخلت یا کسی طرح کے کردار کی تائید نہیں کی ہے۔

لیکن اسماعیل کی زندگی میں کسی امامت کے دعوے کی کوئی بھی مضبوط دلیل نہیں ملتی اوپر بیان کیئے گئے دلائل میں بھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا کہ اسماعیل نے امامت کا دعویٰ کیا ہو البتہ ان کے فرزند محمد بن اسماعیل نے اسماعیلیہ دعوت کا باقاعدہ آغاز کیا۔ جناب اسماعیل کی وفات عریض میں ہوئی اور جنازہ مدینے لایا گیا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کو اسماعیل سے بہت محبت تھی۔ آپ کا انتقال امام صادقؑ کی زندگی میں ہی ہوا اور آپ نے اسماعیل کی وفات پر سخت حزن وغم کیا اور بغیر جوتوں اور ردا کے جنازے کے آگے آگے جاتے تھے اور چند مقام پر حکم دیا کہ جنازہ نیچے رکھ دیا جائے۔ امام جعفر صادقؑ نے آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور آپ کی پیشانی اور گلے پر بوسہ دیا اس کے بعد میت کو غسل دیا اور دوبارہ پیشانی گلے اور تھوڑی کا بوسہ لیا۔ امام پاک نے اپنے ایک شیعہ کو چند درہم دیئے اور کہا کہ میرے بیٹے اسماعیل کی طرف سے حج کرنا جب تم حج کرو گے تو نو حصے ثواب تمہیں ملے گا اور ایک حصہ ثواب اسماعیل کو ملے گا کچھ لوگ یہ سوچتے تھے چونکہ اسماعیل امام صادقؑ کے بڑے فرزند ہیں لہٰذا امر امامت ان کی طرف منتقل ہوگا لیکن ایسا نہیں تھا۔

ضامن بن شدقم کے بقول اسماعیل نے ۱۴۲ ہجری میں وفات پائی۔ ۵۲۴ ہجری میں ابی الھیجا کا وزیر مدینے میں آیا اس نے اسماعیل کی قبر پر گنبد بنایا۔

بقول ابوالحسن عمری نسابہ کبیر، آپ کی ایک دختر فاطمہ اور دو پسران: (۱) محمد (۲) علی تھے۔

---

[1] الزینۃ، ص ۲۸۹

[2] نک لویس، ص ۴۱، ۴۲

(۱۴۳) عبیداللہ مہدی (موسس دولت فاطمیہ مصر)

ابومحمد عبیداللہ مہدی بن محمد الحبیب بن جعفر الشاعر بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق۔

عبیداللہ مہدی کا درست نسب یہ ہے جو ہم نے بیان کیا تاہم مورخین نے ان کے نسب پر مختلف آراء پیش کی ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ لوگ سادات نہیں تھے۔ اور امام صادقؑ کی اولاد کہلوا کر انہوں نے تخت حاصل کیا۔ اور یہ دعویٰ سیادت صرف تخت حاصل کرنے کے لئے ایک مذہبی اور سیاسی طریقہ تھا لیکن نسابین کے نزدیک عبیداللہ مہدی کا نسب ثابت تھا۔ اس لئے اوپر تحریر کردہ نسب عمدۃ الطالب میں جمال الدین ابن عنبہ کا تحریر کردہ ہے۔ امام ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں عبیداللہ مہدی کا نسب یوں تحریر کیا ہے:

عبیداللہ مہدی بن محمد بن عبداللہ بن میمون بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر الصادق۔ جبکہ صاحب اصیلی صفی الدین ابوعبداللہ محمد نے عبیداللہ بن احمد بن اسماعیل ثالث بن احمد بن اسماعیل ثانی بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ تحریر کیا ہے۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ کہا ابی نصر بخاری نے کہ بہت سی حدیثیں ہیں ان خلفائے فاطمین کے نسب پر جنہوں نے مغرب اور مصر پر قبضہ کیا اور وہاں سے عباسیوں کو بے دخل کیا اور بہت سی احادیث سو الاعتقاد کی زد میں ان کی طرف منسوب کی گئیں۔ ان پر طعن اس وجہ سے بھی ہوا کہ امام مہدی ہونے کا دعویٰ محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق کی طرف منسوب کیا گیا۔ اور بعد میں یہ دعویٰ ان کی اولاد (عبیداللہ مہدی) کیلئے مخصوص کیا گیا۔ اسی وجہ سے شریف رضی موسوی نے اپنے اشعار میں اس طرف اشارہ کیا۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ اول خلیفہ عبیدیوں کے بارے میں روایت یہ ہے کہ وہ ابومحمد عبیداللہ بن محمد حبیب بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق ہے۔ آپ سرزمین مراکش (مغرب) میں سلجماسہ نامی علاقے میں اتوار ۷ ذی الحجہ ۲۹۶ ہجری کو ظاہر ہوئے اور بنی مہدی یعنی ان کی اولاد اور اہل خانہ شوال ۳۰۷ ہجری کو منتقل ہوئے انہوں نے مغرب کی سلطنت کے تحت افریقہ پر حکومت کی اور پھر ان کی اولاد نے سیر کی اور اسکندریہ فیوم اور صعید کو حکومت میں داخل کیا اور بعض روایات میں ہے کہ عبیداللہ مہدی، جعفر بن حسن بن حسن بن محمد بن جعفر الشاعر بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق کے فرزند تھے۔[2]

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۲۱۷

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۲۱۷، ۲۱۸

بقول شیخ عباس قمی کہ عبیداللہ مہدی وہ پہلا شخص تھا جو بنی عباس کی حکومت کے زمانہ میں ہی آل اسماعیل بن جعفر الصادقؑ سے مغرب اور مصر میں خلیفہ بن گیا۔ اور ۲۷۶ سال ان حضرات کی حکومت رہی ان کی حکومت کی ابتداء معتمد باللہ اور معتصد باللہ کے دور حکومت میں ہوئی جو غیبت صغریٰ کے اوائل کا زمانہ ہے۔ ان حکمرانوں کی تعداد چودہ تھی انہیں اسماعیلیہ یا عبیدیہ کہا جاتا تھا[1]

(۱۴۴) سید شمس الدین سبزواری

سید شمس الدین سبزواری بن سید صلاح الدین نور بخش بن سید علی سلام الدین بن سید عبدالمومن بن سید علی خالد بن سید محب الدین بن سید محمد سبزواری بن سید محمد معصوم بن ہاشم بن احمد ہادی (مدفن قاہرہ، مصر) بن سید منتظر باللہ بن سید عبدالمجید سبزواری بن علی الملقب غالب الدین بن محمد بن اسماعیل ثانی بن محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ۔

تذکرہ اولیاء ملتان میں سید امتیاز حسین شاہ نے تقریباً اس سے ملتا جلتا نسب ہی تحریر کیا ہے۔[2]

آپ کی پیدائش ۵۶۰ ہجری بمطابق ۱۱۶۵ عیسوی میں غزنی کے قریب سبزوار میں ہوئی جس کی نسبت سے آپ سبزواری کہلائے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد آپ کو آپ کے چچا عبدالہادی کے سپرد کیا گیا جو عبدالمومن خلیفہ دولت موحدین کے پوتے اور متبحر عالم تھے انہوں نے آپ کو بڑی توجہ سے تفسیر، حدیث اور ظاہری علوم کی تعلیم دی۔ ۵۷۹ ہجری میں جب آپ کے والد سید صلاح الدین تبلیغ کے لئے بدخشاں روانہ ہوئے تو شمس الدین سبزواری کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اس وقت سید شمس الدین سبزواری کی عمر ۱۹ سال تھی۔[3]

بدخشاں کے بعد تبت کو چک چلے گئے جہاں لوگوں کو اسماعیلی تبلیغ کا درس دیا۔ وہاں سے کشمیر کا رخ کیا جہاں آفتاب پرستی عام تھی سید صلاح الدین اور شمس الدین کی کوشش سے ہزاروں افراد نے ان کے عقائد کو قبول کیا۔ ۵۸۶ ہجری کو واپس سبزوار چلے گئے اور جہاں آپ نے نکاح کیا اور آپ کے ہاں دو فرزند پیدا ہوئے جس کے نام نصیر الدین محمد اور علاؤ الدین احمد تھے۔[4]

۱۲۵۶ عیسوی میں تارتاری حکمران ہلاکو خان نے فتوحات کے دوران قلعہ الموت پر بھی لشکرکشی کی اور

---

[1] احسن المقال ترجمہ منتہیٰ الآمال، ج ا ص ۷۶۰

[2] تذکرہ اولیائے ملتان، ص ۶۹، مطبوعہ ملتان

[3] تذکرہ اولیائے ملتان، از سید امتیاز حسین شاہ، ص ۶۹

[4] تذکرہ اولیائے ملتان، از امتیاز حسین شاہ، ص ۷۰

رکن الدین خورشاہ اسماعیلی پیشواء کوقتل کر دیا۔

جب ۱۲۵۸ عیسوی کو خلافت عباسیہ تارتاریوں کے ہاتھوں ختم ہوئی تو سیاسی طور پر دنیائے اسلام پر سنی عقائد کی ترجمانی عام تھی۔ اور ان عقائد کے برخلاف سید صلاح الدین کو ان کے اسماعیلی عقائد کی وجہ سے ۶۶۴ ہجری/ ۱۲۶۶ عیسوی میں قتل کر دیا گیا۔ والد کے قتل کے بعد سید شمس الدین ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور بغداد چلے آئے جہاں طوائف الملوکی عام ہو چکی تھی۔ بغداد میں علمائے وقت کو آپ کے اسماعیلی عقائد پر اختلاف ہوا چنانچہ اس اختلاف کی وجہ سے حاکم عراق احمد تکودار نے شاہی حکم دے کر انہیں ملک بدر کر دیا۔ اس کے بعد آپ کاظمین اور پھر ہندوستان چلے آئے اور ملتان میں قیام کیا۔ جہاں اسماعیلیوں کا اقتدار کئی برس قائم رہا لیکن جب آپ ملتان تشریف لائے تو یہ اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ پھر بھی اعتقادی کشش باقی تھی آپ کی کوشش سے کسی حد تک اسماعیلی عقائد اور مقامی رسوم میں ہم آہنگی پیدا ہوئی اور کئی ہندو گھرانے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔[1]

آپ کی اولاد سادات شمسی سبزواری سے معروف ہے۔

دوسری طرف کتاب گلزار شمس میں تحریر ہے کہ بقول محمد قاسم فرشتہ اپنی کتاب تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۱۴۴ میں لکھتے ہیں سید صلاح الدین نوربخش دولت اسماعیلیہ میں فضل ورع میں انصاف رکھتا تھا اور علم فقہ اور تقویٰ میں کمال پر فائز تھا۔ دنیا ترک کر کے درویشوں کے لباس میں آیا اور خلائق کو مذہب اثناءعشری کی دعوت دی اور اپنی جد اسماعیل کو امام نہ جانا اور اہل مصر اور اہل فارس نے ان کا ساتھ دیا اور ان کی اولاد نے بھی یہی تبلیغ جاری رکھی۔[2]

پاکستان کے صوبہ سندھ میں موجود حضرت لعل شہباز قلندر بھی اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ کی اولاد ہیں تاریخ گلزار شمس کے مطابق لعل شہباز قلندر بھی سبزواری جعفری گھرانے کے فرد ہیں۔

(۱۴۵) محمد دیباج بن امام جعفر صادق علیہ السلام

بقول ابوالحسن عمری ابوجعفر محمد بن امام صادقؑ امام شمطیہ تھے یعنی ابن الشمط کے اصحاب کے امام تھے ان کی قبر خراسان میں ہے۔ آپ متقدم شیخ اور شجاع تھے۔ آپ نے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی اور مامون

---

[1] ویکی پیڈیا، سید شمس الدین سبزواری
[2] تاریخ گلزار شمس، ص ۳۰۹، ۳۱۰۔ طبع اوّل

کے لقب سے معروف ہوئے آپکی والدہ ام الولد تھیں۔آپ نے عہد مامون عباسی میں مکہ سے خروج کیا۔[1]

بقول ابن عنبہ آپ کا نام محمد اور لقب دیباج آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے تھا۔آپ کا دوسرا لقب مامون تھا آپ کی والدہ ام الولد تھیں آپ نے محمد بن ابراہیم طباطبا حسنی کی دعوت کے لئے خروج کیا اور جب محمد بن ابراہیم طباطبا حسنی فوت ہوگئے تو لوگوں سے اپنے لئے بیعت طلب کی اور مکہ سے خروج کیا۔[2]

آپ کا شمار علماء میں ہوتا ہے آپ نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ بقول مسعودی آپ کی زوجہ خدیجہ بنت عبیداللہ بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں اور آپ کوخوبصورتی کی وجہ سے دیباج کا لقب دیا گیا۔[3]

وہ مسلح قیام کے سلسلے میں زیدیہ کے ہم مسلک تھے۔[4]

بنی عباس کے خلاف خروج:

انہوں نے ۱۹۹ھ اور بعض روایات میں ۲۰۰ھ میں مکہ سے مامون کی حکومت کے خلاف خروج کیا ان کے قیام کا زمانہ مامون کی خلافت کے ابتدائی دِنوں کے پُرآشوب اور علویوں اور دیگر حکومتی مخالفین کی طرف سے اسلامی ممالک میں متعدد مقامات پر کی جانے والی بغاوتوں کا زمانہ تھا۔

مِن جملہ انہیں میں سے ایک محمد ابن ابراہیم طباطبا کا قیام تھا جسے عراق مین بہت کامیابی حاصل ہوئی۔

جبکہ ایک دوسرے علوی حسین بن حسن افطس بن علی بن امام زین العابدینؑ نے مکہ میں زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اور بعض نقل کے مطابق حسین بن حسن افطس۔عوام کی مرضی حاصل نہ کر پائے اور دوسری تحریکوں کی شکست کے پیشِ نظر محمد دیباج کے پاس آئے اور انہیں خلافت کی پیشکش کی تاکہ ان کی محبوبیت سے فائدہ اٹھاسکیں۔محمد دیباج نے شروع میں یہ قبول نہ کیا لیکن بعد میں بیٹے علی خارصی اور حسین بن حسن افطس کے اصرار پر قبول کرلیا۔[5]

مسعودی کے بقول محمد دیباج ابتداء میں محمد بن ابراہیم طباطبا کے پیروکار تھے اور ان کی طرف لوگوں کو

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۲۸۶

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۲۶

[3] مروج الذہب از مسعودی: ج ۳: ص ۴۳۹

[4] الفائق فی رواۃ اصحاب امام جعفر صادقؑ: ج ۳: ص ۴۴

[5] تاریخ امم والملوک، از محمد ابن جریر طبری، ج ۸ ص ۵۳۷ تا ۵۳۹، تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۳۰۶

دعوت دیتے رہے لیکن محمد ابن ابراہیم طباطبا کی وفات کے بعد انہوں نے خلافت کا دعویٰ کیا اور امیر المومنین کہلانے لگے۔[1]

قیام:

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ آپ نے مدینہ سے خروج کیا اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور مدینہ کے لوگوں نے امیر المومنین کے طور پر آپ کی بیعت کی۔ ان لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کے بعد محمد دیباج بن امام جعفر الصادقؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کی تھی۔

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ نے زیادہ تر اپنے والد سے روایات نقل کی ہیں۔ آپ سے کئی محدثین جیسے محمد بن ابی عمر عبدی، محمد بن سلمہ اور اسحاق بن موسیٰ وغیرہ نے روایات نقل کرتے ہوئے آگے بیان کی ہیں۔

یحییٰ بن حسن مدنی عقیقی عبیدلی سے منقول ہے کہ میں نے موئل کو یہ کہتے سنا تھا کہ

انہوں نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن جعفرؑ کو جارودیہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ معظّمہ میں ۲۰۰ ہجری میں نماز کے لئے جاتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اونی لباس زیب تن کر رکھا تھا اور ان کے چہرے سے نیکوکار لوگوں کی علامات ظاہر ہورہی تھی۔ یحییٰ بن حسن مدنی عبیدلی سے منقول ہے کہ محمد بن جعفرؑ کی زوجہ خدیجہ بنت عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔ آپ کی زوجہ بیان کرتی ہیں کہ وہ (محمد دیباج) جب بھی ان کے پاس سے کوئی لباس زیب تن کر کے جاتے تو اس حالت میں واپس آتے کہ وہ لباس کسی کو ہبہ کر دیتے تھے۔

موسیٰ بن سلمہ سے مروی ہے کہ ابوسرایا سری کے زمانے میں ایک شخص نے ایک خط میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور تمام اہل بیت کو سب وشتم کیا۔

محمد بن جعفرؑ ان تمام حکومتی امور سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے۔ اولاد ابوطالب کے افراد کے پاس آئے اور وہ توہین آمیز خط پڑھ کر سنایا تو انہوں نے ان کو کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنے گھر کے اندر چلے گئے پھر تھوڑی دیر بعد باہر نکلے تو آپ نے زرہ پہن رکھی تھی اور گلے میں تلوار حمائل کی ہوئی تھی۔ آپ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی اور اسے خلافت سے موسوم کیا۔

علی بن حسین بن علی بن حمزہ علوی نے محمد سے اور انہوں نے اپنے چچا سے روایت نقل کی ہے کہ نسل

---

[1] مروج الذہب از مسعودی ج ۳ ص ۴۳۹

ابو طالبؑ کی ایک جماعت محمد بن جعفر کے ساتھ جمع ہوگئی اور ان لوگوں نے مکہ میں ہارون بن مسیب کے ساتھ گھمسان کی جنگ کی ان اولاد ابوطالبؑ میں حسین بن حسن افطس، محمد بن سلیمان بن داوٗد بن حسن مثنیٰ۔ محمد بن حسن بن حسین اصغر بن امام سجادؑ، علی بن حسین بن عیسیٰ بن زید شہید بن امام سجادؑ، اور علی عریضی بن امام جعفر صادقؑ شامل تھے۔

محمد دیباج کے ساتھیوں نے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ان کے ایک ساتھی خصی نے ہارون بن مسیب کو نیزہ مار کر زمین پر گرا دیا تو اس کے ساتھیوں نے آگے سے ہارون کو اس کے شکنجے سے چھڑایا۔ پھر وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے اور ایک مدت تک ایک پہاڑ پر ٹھہرے رہے۔ مامون نے اس دوران محمد بن جعفرؑ کو جنگ بندی کا پیغام بجھوایا تو محمد بن جعفر نے اپنے بھتیجے امام علی رضاؑ کو یہ پیغام بھجوا دیا لیکن کسی نے ان کے خط پر توجہ نہ دی اور وہ جنگ پر ڈٹے رہے۔ پھر مامون نے محمد بن جعفر کے مقابلے کیلئے گھڑسواروں کو روانہ کیا جنہوں نے اس جگہ کا محاصرہ کرلیا جہاں پر یہ مقیم تھے کیونکہ وہ جگہ قلعہ نما تھی اس لئے وہاں تک رسائی ناممکن تھی جب محمد بن جعفر کے ساتھی تین دن تک حصار میں رہے تو ان کے کھانے پینے کی اشیاءاور پانی ختم ہوگیا۔تو ان کے ساتھی آہستہ آہستہ دائیں بائیں کھسکنے لگے جب محمد دیباج نے اپنے ساتھیوں کی یہ حالت دیکھی تو ایک چادر اوڑھی اور اپنے جوتے پہن کر ہارون بن مسیب کے خیمے کی طرف چل دیئے اور ہارون سے اپنے ساتھیوں کیلئے امان طلب کی تو ہارون نے انہیں امان دے دی۔ یہ درج بالا روایت نوفلی کی ہے لیکن محمد بن علی بن حمزہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ عیسیٰ جلودی نے ان کو امان دی تھی۔ ہارون نے نہیں دی تھی۔عیسیٰ جلودی نے ان اولاد ابوطالب کو زنجیروں میں جکڑ کر محمل کے بغیر اونٹوں پر سوار کر کے خراسان کی طرف روانہ کیا جبکہ بنونبھان نے راستے میں اس قافلے پر دھاوا بول دیا۔علی بن محمد نوفلی بیان کرتے ہیں کہ زبالہ کے مقام پر غاضریوں نے اس قافلے پر دھاوا بول کر انہیں ایک مشکل اور طویل جنگ کے بعد ان لوگوں کے شکنجے سے آزاد کروایا یہ لوگ ان افراد کو خود حسن بن سہل (جو بغداد پر مامون کی طرف سے متعین گورنر تھا) کے پاس لے گئے اور اس نے انہیں مامون کے پاس خراسان بھیج دیا اور محمد بن جعفر کا انتقال خراسان میں ہی ہوا اور مامون نے ان کے جنازے کو کندھا دیا اور قبر میں اتارا اور کہا کہ یہ وہ رشتہ داری ہے جس میں دوسو سال سے دراڑ پڑی ہوئی ہے پھر مامون نے آپ کا قرض ادا کیا۔[1]

---

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر، ص ۴۸۰ تا ۴۸۳

آپ نے ۲۰۳ ہجری میں جرجان میں وفات پائی۔ صاحب الجلیل کافی الکفاء ابوالقاسم اسماعیل بن عباد نے ۳۷۴ھ میں آپ کی قبر پر عمارت تعمیر کروائی۔

اولاد محمد دیباج بن امام جعفر الصادقؑ :

بقول شیخ ابوالحسن عمری علوی آپ کی چودہ صاحبزادیاں تھیں: (۱) خدیجہ (۲) حکیمہ (۳) زینب (۴) اسماء (۵) فاطمہ (۶) عالیہ (۷) ریطہ (۸) ام کلثوم (۹) ام محمد (۱۰) ملیکہ (۱۱) لبابہ (۱۲) عشیرہ (۱۳) بریہ (۱۴) رقیہ

جبکہ بقول عمری آپ کے ۱۲ پسران تھے: (۱) علی خارصی (۲) یحییٰ (۳) قاسم (۴) حسین اصغر (۵) حسین اکبر (۶) اسماعیل (۷) اسحاق (۸) عبیداللہ (۹) عبداللہ (۱۰) جعفر (۱۱) حسن اکبر (۱۲) حسن اصغر۔

ان حضرات میں حسن اکبر، جعفر، عبیداللہ، اسحاق، عبداللہ کی اولاد کا کوئی ذکر نہیں۔ حسن اصغر بن محمد دیباج کے دو فرزند محمد اور علی تھے (لیکن نسل جاری نہ ہوئی) اسماعیل بن محمد دیباج، بقول عمری آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور شمطیہ نے آپ کے والد کے بعد آپ کی دعوت دی۔ اور مامون نے آپ کو ۲۵۰۰۰ دینار دیئے بقول عمری کہ یہ بات مجھے میرے استاد ابوالحسن ابن کتیلہ الشریف نسابہ فاضل نے بتائی۔ (ان کی نسل بھی جاری نہ ہوئی)۔

حسین بن محمد دیباج بقول شیخ شرف عبیدلی کہ ان کی اولاد سے کوئی ایک بھی نہ دیکھا لیکن ابوالغنائم عمری کے بقول ان کی اولاد تھی (ابن عنبہ نے محمد بن حسین بن علی بن حسین المذکور کا ذکر کیا)۔

بقول عمری کہ میرے والد ابوالغنائم عمری نے کہا ہے کہ محمد دیباج بن امام صادقؑ کا ایک فرزند حسن اوسط نام کا بھی تھا جس کا ایک فرزند علی تھا۔

یحییٰ بن محمد دیباج آپ کو ابن حسینیہ کہا جاتا تھا آپ اپنے والد محترم کے وصی تھے آپ منقرض فوت ہوگئے آپ کی والدہ خدیجہ بنت عبیداللہ اعرج بن حسین اصغر تھیں[1]

بقول ابن عنبہ محمد دیباج بن امام صادقؑ کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) علی خارصی (۲) قاسم (۳) حسین[2]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین، از عمری، ص ۲۸۷

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۲۲۶

(۱۴۶) جعفریان، شیرازیان وگردیزیان

یہ دونوں سادات گھرانے جعفری شیرازی اور جعفری گردیزی پاکستان میں معروف سادات ہیں۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ علی خارصی بن محمد دیباج بن امام جعفر صادقؑ ابی السرایا کے ایام میں جب زید النار بن امام موسیٰ کاظمؑ بصرہ میں آئے تو ان کے پاس گئے اور ان کی مدد کی بقول شیخ ابی نصر بخاری کہ علی خارصی کی رائے ۲۰۰ ہجری میں خروج کے معاملے میں اپنے والد سے متفق تھی علی خارصی نے انتخاب کیا کہ اہواز میں ظاہر ہوں گے (یعنی خروج کریں گے)۔

اور یہ معاملہ حسین بن حسن افطس بن علی بن امام زین العابدینؑ اور زید النار بن امام موسیٰ کاظمؑ کی موجودگی میں طے پایا اور جب مامون رشید عباسی، محمد دیباج بن امام جعفر صادقؑ کے اصحاب پر غالب آئے تو علی خارصی کو معلوم ہوگیا کہ وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ اس لئے وہ بصرہ میں چلے گئے اور زید بن امام موسیٰ کاظم کے ساتھ مل گئے پھر ان کے خروج کے اختتام پر بصرہ سے بغداد آئے اور وہیں فوت ہوئے بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) حسن (۲) حسین [۱]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسین بن علی خارصی بن محمد دیباج کی اولاد چھ پسران سے جاری ہوئی: (۱) ابوعبداللہ جعفر اعمی (۲) عبداللہ (۳) محسن (۴) محمد جور (۵) علی (۶) ابوطاہر احمد

اول ان میں علی بن حسین بن علی خارصی کی اولاد سے سید شاہ یوسف گردیز بن سید ابوبکر گردیزی بن سید شاہ قسور بن ابی عبداللہ غزنوی بن حسین بن محمد مشکان بن علی بن حسین بن علی خارصی بن محمد دیباج بن امام جعفر الصادق علیہ السلام آپ ۴۵۰ ہجری میں غزنی میں تولد ہوئے اور ۴۸۱ ہجری کو ملتان تشریف لائے اور ۵۵۳ ہجری میں ملتان میں وفات پائی۔ [۲]

آپ کی اولاد سادات گردیزی جعفری کہلواتی ہے۔

دوم ابوطاہر احمد بن حسین بن علی خارصی بن محمد دیباج۔ آپ کی والدہ سیدہ حکیمہ بنت حسن بن علی بن حسن بن علی بن عمر اشرف بن امام زین العابدینؑ تھیں بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ وارد شیراز ہوئے۔

آپ کی اولاد سے سید امام الدین بن علی بن علاؤ الدین اول بن جلال الدین بن برہان الدین بن منصور بن نظام الدین بن سید حبیب اللہ بن سید خلیل الدین بن سید شمس الدین ثانی بن سید اسد اللہ بن شمس

---

[۱] عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالبؑ، از ابن عنبہ، ص ۲۲۷

[۲] اولیائے ملتان، ص ۸۱

الدین اول بن سید کمال الدین بن سید اسداللہ اول بن سید خسرو بن سید عارف (حارث) بن ابراہیم بن ابوطاہر احمد المذکور تھے کی ان سید امام الدین بن علی بن علاؤ الدین اول کے دو پسران تھے: (۱) محی الدین (۲) میران امجد۔

اول سید محی الدین بن امام الدین کی اولاد سے سید محمد نوروز شیرازی بن حسن شیرازی بن محی الدین المذکور تھے۔

سید محمد نور روز شیرازی کے چار پسران تھے: (۱) سید یحییٰ شیرازی (۲) سید حیدر علی شیرازی (۳) سید یونس شیرازی (۴) سید علی شیرازی

ان میں علی شیرازی بن سید محمد نوروز شیرازی کی اولاد سے فخر سادات محدث سید جماعت علی شاہ علی پوری بن کریم شاہ بن سید منور علی بن سید محمد حنیف بن سید محمد عابد بن سید امان اللہ بن سید عبدالرحیم بن سید میر محمد بن سید علی شیرازی المذکور تھے۔

دوم سید میران امجد بن سید امام الدین بن علی کی اولاد سے سید بہاؤ الدین بن سید علاؤ الدین ثانی بن سید رکن الدین بن سید میران امجد المذکور تھے۔

سید بہاؤ الدین بن سید علاؤ الدین ثانی کی اولاد سے دو فرزند تھے:(۱) سید خلیل شیرازی (۲) سید شیر شاہ شیرازی

سید خلیل شیرازی بن بہاؤ الدین کا مزار لاغونہ اورکزئی ایجنسی میں واقع ہے۔ آپ کے سات فرزند تھے۔ جبکہ شیر شاہ شیرازی بن سید بہاؤالدین بقول کتاب قافلہ شیراز آپ ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ اس کے ساتھ لشکر کے سپہ سالار بن کر ہندوستان وارد ہوئے آپ کا مزار ترکمان دروازہ دہلی میں ہے۔ تاریخ سادات کے مطابق آپ کے تین فرزند تھے: (۱) محمود شیرازی (۲) سید جلال شیرازی (۳) سید شاہ شمس شیرازی

جبکہ قافلہ شیراز مین سید محمد، سید معصوم، سید بہادر اور سید شاہ شمس شیرازی چار فرزند تحریر ہیں۔

سید شاہ شمس شیرازی کی اولاد پاکستان میں سادات شیرازی جعفری سے مشہور ہے۔ آپ درویش بزرگ تھے آپ کا روضہ شہر شاہ پور سرگودھا میں ہے۔ جہاں سالانہ میلہ لگتا ہے۔ شاہ پور کا سابق نام سنت پورہ تھا آپ کی وجہ سے شاہ پور مشہور ہوا۔ آپ دہلی سے چل کر اس جگہ آئے کئی غیر مسلم آپ کے دست مبارک پر اسلام لائے آپ کے پانچ صاحبزادوں سے آپ کی نسل جاری ہوئی۔: (۱) سید شاہ محمد روڑا (۲) سید شاہ عبدالوہاب (۳) شاہ مرتضیٰ (۴) شاہ غلام حسن (۵) سید احمد شیر۔

(۱۴۷)اسحاق المؤتمن بن امام جعفر صادق علیہ السلام

اسحاق بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔آپ سے روایات منقول ہیں آپ اپنے بھائی امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے معتقد تھے اور امام کی وصیت کے گواہوں میں سے تھے امام رضاؑ کی امامت کے قائل تھے اور بعض جگہوں پر ان کی طرف سے امام کا دفاع کرنے شواہد بھی موجود ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی ایمانداری کی وجہ سے آپ کا لقب موتمن پڑ گیا۔لوگوں کے سامنے کبھی نہیں ہنستے تھے اس وجہ سے اسحاق حزین بھی کہلائے گئے۔آپ مدینے کے نزدیک عریض نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔[1]

بقول شیخ مفید آپ کی والدہ ام الولد حمیدہ بربریہ تھیں اس طرح آپ امام موسیٰ کاظمؑ کے مادری پدری بھائی تھے۔[2]

آپ کی شادی سیدہ نفیسہ بنت حسن بن زید بن امام حسنؑ سے ہوئی۔کہا گیا ہے کہ حسن بن زید شروع میں اس شادی پر راضی نہیں تھے لیکن ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے شادی کرانے کا حکم دیا اس طرح شادی پر رضامندی ظاہر کی۔[3]

اسحاق بن امام صادقؑ ۱۹۳ ہجری میں اپنی بیوی نفیسہ بنت حسن کے ہمراہ مصر گئے جب لوگوں کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو ان کے استقبال کے لئے آئے ناسخ التواریخ میں تحریر ہے کہ لوگوں کے لئے انکا سفر عظیم امر تھا۔[4]

آپ نے جمال الدین بن عبداللہ بن جصاص نامی تاجر کے گھر سکونت اختیار کی پھر کچھ مہینوں کے بعد ام ہانی کے گھر منتقل ہوگئے پھر ابوسرایا ایوب بن صابر کے گھر چلے گئے بعض مولفین تحریر کرتے ہیں کہ لوگوں نے ان کے آنے کا اس قدر استقبال کیا کہ سیدہ نفیسہ کو احساس ہوا کہ ہمارا رہنا صاحب خانہ کیلئے اذیت کا موجب ہے۔لہٰذا انہوں نے مصر چھوڑنے کا ارادہ کیا۔لوگوں نے مصر کے حاکم سے تقاضا کیا کہ ان کے لئے گھر کا بندوبست کیا جائے پس ایک گھر اِن کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔[5]

---

[1] الاصول فی ذریہ بضعہ البتول ص ۹۲، ۱۳۳، از شریف انس بن یعقوب الکتبی، نشر دار المجتبیٰ مدینہ منورہ

[2] ارشاد، از شیخ مفید، ج ۲ ص ۲۱۱

[3] آل بیت النبی فی مصر، ص ۱۰۱، ۱۰۲

[4] ناسخ التوریخ، ج ۳ ص ۱۲۰، ریاحین الشریعہ ج ۵ ص ۸۸

[5] آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی مصر، از احمد ابوکف، ص ۱۰۸

اسحاق المؤتمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔[1]

بقول شیخ مفید آپ دانشمند پارسا اور پرہیز گار تھے۔[2]

نیز کہتے ہیں کہ ابن کاسب ان سے حدیث نقل کرتا تھا ان کو پسندیدہ اور راست گوہ کہتا تھا۔[3]

شیخ حُر عاملی نے بھی آپ کی احادیث پرہیزگاری اور فضل کی تعریف کی ہے۔[4]

براقی کے مطابق آپ امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے۔[5]

آپ نے امام جعفر صادقؑ سے امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کی حدیث نقل کی ہے۔[6]

اسحاق ان افراد میں سے تھے جو امام موسیٰ کاظمؑ کی وصیت پر گواہ تھے۔[7]

اس وصیت میں امام رضاؑ کو بھی امام موسیٰ کاظمؑ کا جانشین بیان کیا گیا۔[8]

آپ کی وفات سیدہ نفیسہ کی وفات کے بعد ہوئی سیدہ نفیسہ کی وفات ۲۰۸ ہجری میں ہوئی اس وقت اسحاق المؤتمن مدینے میں تھے جب مصر پہنچے تو سیدہ نفیسہ انتقال کر چکی تھیں۔ آپ اپنی زوجہ کو مدینہ واپس لانا چاہتے تھے مگر لوگوں نے اصرار کیا یہیں پر دفن کریں، خود حاکم بھی اس سلسلے میں آپ کے پاس چل کر آیا مگر آپ نہ مانے۔ آخر خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور ان کے حکم سے سیدہ نفیسہ کو مصر میں دفن کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اپنی بیوی کو دفن کرنے کے بعد آپ ساری زندگی مصر میں ہی رہے وہیں فوت ہوئے اور دفن کئے گئے۔[9]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی کہ اسحاق المؤتمن بن امام جعفر صادقؑ کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی: (۱) محمد (۲) حسن (۳) حسین۔

---

[1] عمدۃ الطالب، ص۲۲۹

[2] ارشاد، ج ۲ ص ۲۱۱

[3] دائرہ معارف التشیع: ج ۲ مدخل اسحاق بن جعفر

[4] وسائل الشیعہ ج۳۰ ص۳۱۶

[5] رجال البراقی، ص۴۷

[6] کشف الغمہ فی معرفت الائمہ، ج ۲ ص ۲۲۱

[7] الکافی، شیخ کلینی، ج ۱ ص ۳۱۶

[8] عیون الاخبار الرضا، ج ۱ ص ۳۳

[9] الکواکب المشرقہ، از سید مہدی رجائی، ج ۱ ص ۲۵۶

(۱۴۸) بنی زھرۃ (حلب)

شریف ابی ابراہیم محمد حرانی بن احمد حجازی بن ابوجعفر محمد بن حسین بن اسحاق المؤتمن بن امام جعفر صادق علیہ السلام۔

بقول عمری آپ کی شادی خدیجہ المعروف ام سلمہ بنت حسین حرانی بن عبداللہ بن حسین بن عبداللہ بن علی الطیب علوی عمری سے ہوئی اور یہ حسین حرانی حران کے والی بن کر حران آئے تھے ان کی حکومت بہت مضبوط تھی حتیٰ کہ حران کے علاوہ آل وثاب پر بھی انہوں نے قبضہ کیا اور حکومت کی۔[1]

آپ کی اولاد سے ابوالحسن زہرہ اول علم الدین نقیب بن ابی موھب علی بن ابوسالم محمد بن ابی ابراہیم محمد حرانی المذکور تھے۔

آپ کی اولاد بنی زہرہ مشہور ہوئی اور ان سے کثیر تعداد میں علماء، زہاد اور فاضل شخصیات ہوئیں۔

سید ابوالحسن زہرۃ اول عالم فاضل صاحب عظیم القدر رفیع المنزلت، صاحب حدیث الحسنہ، تصانیف الجلیلہ تھے آپ نسابہ اور نقیب حلب تھے۔ آپ کی اولاد سے سید ابوالمکارم حمزہ عزالدین بن ابوالمحاسن علی نقیب حلب بن ابوالحسن زہرہ اول المذکور تھے۔

آپ عالم، فاضل، مدرس، مصنف، اعیان السادات نقیب حلب تھے۔ آپ کی قبر اطہر شہر حلب کے جوشن پہاڑ کے نیچے مشہد النقطہ حسینؑ کے قریب واقع ہے اور اس پر آپ کا نسب بھی تحریر ہے۔

آپ کی اولاد سے سید ابوعبداللہ تاج الدین فقیہ بن ابوعبداللہ محمد شمس الدین بن ابی مکارم حمزہ شرف الدین بن ابی الغد اعبداللہ صفی الدین بن ابی عبداللہ محمد بن ابوسالم رکن الدین بن عبدالمحسن زین الدین بن ابو علی حسن بن ابی المحاسن زہرہ بن حسن النقیب بن ابوالمکارم حمزہ عزالدین المذکور ہیں آپ نے کتاب غایۃ الاختصار فی اخبار بیوتات العلویہ تحریر کی۔ المحفوظ من الغبار میں آپ نے خاندان اسحاقین کے ذکر میں کہا خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں بنی زہرہ کے خاندانوں میں قرار دیا جو حلب کے نقباء تھے۔[2]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین، از ابوالحسن عمری ص ۲۹۰
[2] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب، از قمر عباس اعرجی، ص ۳۶۶، ۳۶۷

(۱۴۷) علی عریضی بن امام جعفر الصادق علیہ السلام

بقول ابوالحسن عمری علوی کہ علی بن امام جعفر صادقؑ عریضی نام سے معروف تھے۔ وہ اپنے بھائی محمد دیباج کے ساتھ مکہ میں ظاہر ہوئے یعنی خروج کیا۔ اور اس کے بعد امامیہ کی جانب متوجہ ہوئے یعنی رجوع کیا۔[1]

بقول عمری کہ بیان کیا ابوعبداللہ حسین بن احمد بن ابراہیم الفقیہ الامامی بصری نے اور شیخ کلینی نے اسی واقعہ کو محمد بن حسن بن عمار سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میں علی عریضی کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابوجعفر امام محمد تقیؑ بن امام علی الرضاؑ مسجد نبوی میں داخل ہوئے علی عریضی کی نگاہ جب امام محمد تقیؑ پر پڑی تو بے اختیار کھڑے ہوگئے۔ اور جوتا پہنے اور سر پر ردا ڈالے بغیر امام محمد تقیؑ کی جانب دوڑے ان کے ہاتھوں کے بوسے لئے اور ان کی تعظیم کی۔ امام محمد تقیؑ نے فرمایا آپ بیٹھ جایئے خدا آپ پر رحم کرے تو علی عریضی نے فرمایا اے میرے سید و آقا میں کس طرح بیٹھ جاؤں جبکہ آپ کھڑے ہیں پس علی عریضی امام کی خدمت سے واپس ہوئے اور اپنی مجلس میں آکر بیٹھے تو آپ کے ساتھیوں نے آپ کو سرزنش کیا آپ ان سے اتنی تعظیم سے پیش آئے ہیں حالانکہ آپ ان کے باپ کے بھی چچا ہیں۔ تو علی عریضی نے کہا خاموش رہو اور اپنی داڑھی پکڑ کر کہا خدا نے مجھے اس داڑھی کے باوجود امامت کا اہل نہیں بنایا اور اس نوجوان کو امامت کا اہل قرار دیا۔ تو کیا میں اس کے فضل کا انکار کروں میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس چیز سے جو تم کہتے ہو۔ میں تو ان کا غلام ہوں۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ علی عریضی کی کنیت ابوالحسن تھی اور وہ اپنے والد کی سب سے چھوٹی اولاد تھے اور جب امام جعفر صادقؑ فوت ہوئے تو طفل تھے۔ آپ بہت بڑے عالم تھے آپ نے امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی۔ ان کے علاوہ اپنے چچا حسین ذی دمعہ بن زید بن امام زین العابدینؑ سے روایت کیا آپ امام علی نقی علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہے۔

اور ان کے زمانے میں ہی فوت ہوئے اپنے بھائی محمد دیباج کے ہمراہ مکہ سے خروج کیا اور پھر امامیہ کی جانب رجوع کرلیا۔ آپ کی نسبت عریض سے تھی جو مدینہ سے چار میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے اور یہاں آپ کی رہائش تھی اس لئے آپ کو عریضی کہا گیا آپ کی والدہ ام الولد تھیں آپ کی اولاد کثیر تعداد میں تھی جو عریضیوں کہلواتی تھی۔[2]

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۳۲

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۲۲، ۲۲۳

شیخ طوسی نے آپ کو اصحاب امام صادقؑ ، امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ میں شمار کیا ہے۔ بقول ابو اسماعیل طباطبا کہ آپ عریض میں داخل ہوئے تب عریضی کہلائے۔[1]

بقول شیخ عباسی قمی آپ کی زوجہ فاطمہ بنت محمد بن عبداللہ باہر بن امام زین العابدینؑ تھیں۔[2]

بقول شیخ طوسی آپ امام موسیٰ کاظمؑ کے اصحاب میں سے تھے اور آپ نے امام موسیٰ کاظمؑ سے مسائل پوچھ کر ایک کتاب بھی تحریر کی تھی۔[3]

اکثر علمائے رجال کے بقول آپ کی ایک کتاب تھی جس کا نام مسائل علی بن جعفر لکھا گیا۔ شیخ نجاشی نے آپ سے منسوب ایک کتاب کا ذکر کیا۔[4]

آیت اللہ شبیری زنجانی کے بقول آپ نے تین کتابیں تحریر کی ہیں: (۱) کتاب فی حلال وحرام (۲) مناسک (۳) مسائل اخیہ امام موسیٰ کاظمؑ۔[5]

امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کے علاوہ آپ نے حسین ذی دمعہ بن زید بن امام سجادؑ، سفیان بن عینیہ سے بھی روایت کی۔[6]

اس کے علاوہ محمد بن مسلم کوفی، عبدالملک بن قدامہ، معتب غلام امام صادقؑ اور ابوسعید مکی کے نام بھی ملتے ہیں جس سے آپ نے روایت کی۔

مختلف رجالی کی کتابوں میں مختلف نام ملتے ہیں جنہوں نے آپ سے نقل کیا ہے ان میں (۱) آپ کے فرزند احمد شعرانی بن علی عریضی (۲) احمد بن محمد بن نصر بزنطی (۳) اسماعیل بن محمد بن اسحاق بن امام جعفر صادقؑ (۴) اسحاق بن امام موسیٰ کاظمؑ (۵) اسحاقِ بن محمد بن اسحاق بن امام جعفر صادق (۶) حسین بن امام موسیٰ کاظمؑ (۷) داوؤد بن محمد نہدی (۸) عبدالعظیم حسنی (۹) علی والد محترم ناصر کبیر (۱۰) علی بن محمد بن حفص۔

---

[1] منتقلہ الطالبیہ ص ۲۲۴
[2] منتھی الآمال، ج ۲ ص ۱۸۷
[3] رجال طوسی ص ۳۳۹
[4] رجال نجاسی ص ۱۷۶
[5] الجامع فی الرجال از آیت اللہ شبیری زنجانی ج ۲ ص ۵۱۹
[6] القھپائی، ج ۳ ص ۱۳۳

(۱۱) محمد بن علی عریضی (۱۲) موسیٰ بن قاسم بجلی (۱۳) نصر بن علی جہضمی (۱۴) یونس بن عبدالرحمان وغیرہ۔[۱]

آپ کی تاریخ وفات مختلف مصنفین نے مختلف تحریر کی ہے۔

کچھ نے ۲۱۰ ہجری کچھ نے ۲۲۰ ہجری تحریر کی ہے۔ جبکہ مسعودی کے بقول آپ کی وفات ۲۳۳ ہجری کو ہوئی اس وقت آپ کی عمر مبارک ۲۷ سال تھی۔

ملا تقی مجلسی کے بقول علی عریضی کی مدفن باغ بہشت قم میں ہے۔ آپ نے قم کے لوگوں کی دعوت پر ہجرت کی تھی۔[۲]

مدرسی یزدی ان کے قول کو درست نہیں مانتے کہ علی عریضی قم میں مدفن ہوئے۔[۳]

صاحب مستدرک الوسائل کے بقول کہ یہ بعید از عقل ہے کہ علی عریضی قم میں دفن ہوں قدیم رجال کی کتب میں یہ تحریر نہیں ہے کہ اہل قم نے ان سے کوئی روایت اخذ کی ہو۔ اس کے علاوہ کتاب تاریخ قم میں ۱۰۰ سادات اور امام زادگان کا ذکر ہے جنہوں نے قم کی جانب ہجرت کی ہے لیکن ان میں بھی علی عریضی کا ذکر نہیں۔ صاحب مستدرک الوسائل کے بقول علی عریضی کی قبر مدینہ سے ایک فرسخ کی دوری پر مسجد علی عریضی میں ہے۔[۴]

اولاد علی عریضی بن امام جعفر صادق علیہ السلام:

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کی گیارہ اولادیں تھیں جن میں دو دختران: (۱) کلثوم (۲) علیہ تھیں اور نو فرزند تھے: (۱) حسین (۲) جعفر اصغر (۳) عیسیٰ (۴) القاسم (۵) علی (۶) جعفر اکبر (۷) حسن (۸) احمد (۹) محمد

ان میں جعفر اکبر بن علی عریضی کہ بقول ابوالغنائم نسابہ عمری آپ درج تھے۔ لیکن بقول ابوعبداللہ ابن طباطبا آپ کے دو فرزند قاسم اور علی تھے۔ (جن کی اولاد جاری نہ ہوئی)

دوم عیسیٰ بن علی عریضی بقول عمری کہ میرے والد کی تفرد روایت ہے کہ ان کے آگے دو فرزند حسن اور احمد تھے (مگر جو بھی ان کی اولاد بھی جاری نہ ہوئی)۔

۱۔ مستدرک الوسائل، محدث نوری، ج ۳ ص ۶۲۷

۲۔ روضۃ المتقین ج ۱۴ ص ۱۹۱

۳۔ تربت پایان، ص ۴۴

۴۔ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۲۲۸،۲۲۷

سوم: قاسم بن علی عریضی بقول اشنانی نسابہ ان کی اولاد میں دو فرزند محمد اور جعفر سامراء گئے (لیکن ان حضرات کی اولاد کا ذکر بھی نہیں ہے)۔

چہارم: علی بن علی عریضی کے بارے میں بقول ابوالغنائم عمری نسابہ دو فرزند: (۱) محمد (۲) عبداللہ تھے اور ان عبداللہ بن علی بن علی عریضی کے ایک فرزند محمد تھے۔ (لیکن انکی اولاد بھی آگے نہ بڑھی)[1]

بقول جمال الدین ابن عنبہ کہ علی العریضی کی اولاد چار پسران سے جاری ہوئی: (۱) جعفر اصغر (۲) حسن (۳) محمد ابوعبداللہ (۴) احمد شعرانی[2]

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۳۲

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۲۳

باب ہشتم:

(۱۵۰) امام موسیٰ کاظمؑ بن امام جعفر صادق علیہ السلام

موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ آپ کی کنیت ابو ابراہیم اور ابوالحسن تھی۔
آپ دوسروں کے سامنے غصہ پی جانے کی بنا پر کاظم اور کثرت عبادت کی وجہ سے عبدِ صالح کہلائے۔[۱]
آپ کے مشہور القاب میں باب الحوائج اس کے علاوہ مدینے میں آپ کو زین المجتہدین کہتے تھے۔[۲]
اہل سنت کے مشہور عالم ابن حجر ہیتمی کے بقول آپ بہت زیادہ درگزر کرنے والے اور بردباری کی وجہ سے کاظم کہلائے اور عراقیوں کے نزدیک باب الحوائج عنداللہ کے عنوان سے مشہور تھے آپ اپنے زمانے کے عابدترین، داناترین، عالم ترین اور انتہائی فیاض شخصیت تھے۔[۳]
آپ کی ولادت ۷ صفر ۱۲۷ یا ۱۲۸ ہجری میں مدینہ اور مکہ کے درمیان ابواء نامی مقام پر ہوئی اس وقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی زوجہ کے ہمراہ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔
بقول بُراقی آپ کی ولادت کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے تین دن تک ضیافت کا بندوبست کیا۔[۴]
آپ کی ولادت امویوں سے عباسیوں کی طرف حکومت منتقل ہوتے ہوئی۔ آپ کا سن چار سال تھا جب پہلا عباسی خلیفہ حکومت پر بیٹھا۔ تاریخی منابع میں آپ کی امامت کے دور سے قبل کی کوئی خاص معلومات نہیں البتہ بچپنے میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے ادیان کے علماء سے مدینے میں ہونے والی گفتگو مذکور ہے۔[۵]

امامت:

آپ نے امام جعفر صادقؑ کی شہادت کے بعد ۱۴۸ ہجری میں امامت کا عہدہ سنبھالا آپ کی امامت ۳۵ برس کے عرصے پر محیط ہے بعض فقہاء اور امام صادقؑ کے بااعتماد اصحاب نے امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے اعلان اور تائید کے سلسلے میں امام صادق علیہ السلام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جن میں مفضل بن عمر، معاذ بن کثیر، عبدالرحمان بن حجاج، فیض بن مختار، یعقوب سراج، سلیمان بن خالد اور صفوان جمال شامل ہیں۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳ ص ۲۹
۲۔ ارشاد، شیخ مفید، ج ۳ ص ۲۳۵
۳۔ صواعق محرقہ، ابن حجر ہیتمی، ص ۲۰۳
۴۔ سیرۃ المعصومین، ج ۶ ص ۱۱۳
۵۔ الکافی کلینی، ج ۳ ص ۲۹۷

اس دوران آپ نے چار عباسی حکمرانوں کا زمانہ دیکھا:

۱۔ منصور دوانقی (۱۳۶ سے ۱۵۸ ہجری)

۲۔ مہدی عباسی (۱۵۸ سے ۱۶۹ ہجری)

۳۔ ہادی عباسی (۱۶۹ سے ۱۷۰ ہجری)

۴۔ ہارون رشید (۱۷۰ سے ۱۹۳ ہجری)

شیعہ تحریکیں:

آپ کے زمانے میں زیدی شیعہ بہت متحرک تھے اس زمانے میں فخ کے مقام پر حسین بن علی عابد حسنی نے قیام کیا۔ اس کے علاوہ یحییٰ بن عبداللہ محض اور ادریس بن عبداللہ محض کی تحریک بھی قابل ذکر ہیں لیکن ان میں سب سے اہم جنگ فخ تھی جو حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ کا قیام تھا۔ اس قیام کا حکم امام کاظمؑ نے نہیں دیا تھا لیکن آپ اس تحریک کی تشکیل سے باخبر تھے اور حسین بن علی کے ساتھ رابطے میں تھے امام کی طرف سے جہاد میں استقامت کی تلقین اور حسین بن علی کی شہادت کی خبر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ امام اس قیام سے آگاہی رکھتے تھے۔[1]

عباسیوں نے اہل بیت کی حمایت اور طرفداری کا نعرہ بلند کر کے قدرت حاصل کی تھی لیکن کچھ ہی مدت میں علویوں کے سخت دشمن بن گئے لہٰذا اس بناء پر بہت سے علویوں کو قتل کیا اور بہت سو کو زندانی کیا۔ عباسیوں کی اس سخت گیری کی وجہ سے بہت سے علویوں نے ان کے خلاف قیام کیا جن میں محمد نفس ذکیہ اور انکے بھائی ابراہیم کا قیام ادریسیوں کی مراکش میں حکومت کی تشکیل اور حسین بن علی صاحب فخ کا قیام ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے ان قیاموں میں حصہ نہ لیا اور نہ ہی امام کی جانب سے کہیں ان قیاموں کی تائید نقل ہوئی ہے یہاں تک کہ یحییٰ بن عبداللہ محض نے طبرستان میں قیام کے بعد امام کو ایک خط تحریر کیا اور اس کی تائید نہ کرنے کا گلہ کیا۔[2]

قیام فخ میں امام موسیٰ کاظمؑ اور حسن بن جعفر بن حسن مثنیٰ کے علاوہ تقریباً تمام علویوں نے حصہ لیا۔

ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ امامؑ قیام فخ کے موافق تھے۔ اس نظریے کی تائید میں شہید فخ کے بارے میں امام کے اس خطاب کو دلیل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے کہ اپنے کام میں سنجیدگی کا مظاہرہ کرو

---

[1] الکافی کلینی، ج ۱ ص ۳۶۶

[2] الکافی کلینی، ج ۱ ص ۳۶۷

کیونکہ لوگ ایمان کا اظہار کر رہے ہیں لیکن اندرونی طور پر شرک کر رہے ہیں۔[1]

دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ قیام امام کا موردِ تائید نہیں تھا۔[2]

بہرحال امام نے حسین بن علی صاحب فخ کا سر دیکھا تو کلمہ استرجاع کی تلاوت کی اور ان کی تعریف کی۔[3]

ہادی عباسی قیام فخ کو امام موسیٰ کاظمؑ کے حکم سے سمجھتا تھا اسی وجہ سے ہادی نے امام کاظمؑ کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دی۔[4]

اخلاقی سیرت:

مختلف منابع میں امام موسیٰ کاظمؑ کی بردباری اور سخاوت کا تذکرہ موجود ہے شیخ مفید کے بقول آپ فقیروں کیلئے خود خوراک لیکر جایا کرتے تھے۔[5]

ابن عنبہ نے امام موسیٰ کاظمؑ کی سخاوت کے متعلق کہا ہے کہ وہ رات کو اپنے ہمراہ درہموں کا تھیلا لے کر گھر سے باہر جاتے لوگ ان کے منتظر ہوتے تو ان کو اس میں سے بخشتے یہ بخشش کا سلسلہ یہاں تک جاری رہا کہ یہ درہموں کا تھیلا ایک ضرب المثل بن گیا۔[6]

اس طرح کہا گیا ہے کہ موسیٰ ابن جعفر ان لوگوں کو بھی بخشش سے محروم نہیں رکھتے تھے جو انہیں اذیت دیتے تھے جب ان کو خبر ملتی کہ فلاں ان کو اذیت اور آزار پہنچانا چاہتا ہے تو اس کے لئے ہدیہ بھجوا دیتے۔[7]

اسی طرح شیخ مفید نے امام موسیٰ کاظمؑ کو اپنے گھر اور دوسرے رشتہ داروں کے ساھ صلہ رحمی کی سب سے زیادہ سعی کرنے والا سمجھتے ہیں۔[8]

سیاسی سیرت:

بعض منابع کہتے ہیں کہ امام تعاون نہ کرنے اور مناظروں جیسے ذرائع کے ساتھ خلفائے بنی عباس کی

---

[1] تنقیح المقال، از مامقانی ج ۲ ص ۲۸۵

[2] حیات فکری و سیاسی امامان شیعہ از جعفریان، ص ۳۸۹

[3] مقاتل الطالبین، از ابی الفرج اصفہانی، ص ۳۸۰

[4] حیات امام موسیٰ کاظمؑ، از قرشی، ج ۱ ص ۴۹۴ تا ۴۹۶

[5] ارشاد، ج ۲ ص ۲۳۱، ۲۳۲

[6] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۱۷۷

[7] تاریخ بغداد، از بغدادی، ج ۱۳ ص ۲۹

[8] ارشاد، شیخ مفید ج ۲ ص ۲۳۲

حکومت کو ناجائز ہونے کو بیان کرتے اور اس حکومت کی نسبت لوگوں کے اعتماد کو کم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔[1]

عباسی حکمران جب اپنی حکومت کو مشروعیت بخشنے کی خاطر اپنی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوڑتے اور یہ ظاہر کرتے کہ بنی عباس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیکی رشتہ دار ہیں جیسا کہ امام موسیٰ کاظمؑ اور ہارون کے درمیان ہونے والی گفتگو میں ہوا۔ امام موسیٰ کاظمؑ آیت مباہلہ سمیت دوسری آیات قرآنی سے حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا کے ذریعے اپنے نسب کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا کر ثابت کرتے تھے۔[2]

جب مہدی عباسی ردِ مظالم کر رہا تھا تو آپ نے اس سے فدک کا مطالبہ کیا۔[3]

جب مہدی عباسی نے آپ سے کہا کہ آپ فدک کی حدود معین کریں تو امام نے اس کی ایسی حدود معین کئے جو انکی حکومت کے برابر تھی۔[4]

امام موسیٰ کاظمؑ اپنے اصحاب کو عباسی حکومت سے تعاون نہ کرنے کی سفارش کیا کرتے تھے چنانچہ آپ نے صفوان جمال کو منع کیا کہ وہ اپنے اونٹ ہارون کو کرائے پر مت دے۔[5]

اسی دوران ہارون رشید کی حکومت میں وزارت پر فائز علی بن یقطین کو عباسی حکومت میں باقی رہنے کا کہا تا کہ وہ شیعوں کی خدمت کر سکے۔[6]

وکیل اور اصحاب:

شیخ طوسی نے امام کے اصحاب کی تعداد ۲۷۲ ذکر کی ہے۔ براقی نے ان کی تعداد ۱۲۰ شمار کی ہے لیکن درست شمار شیخ طوسی کا ہے کہ آپ کے اصحاب ۲۷۲ ہیں۔ آپ کے اصحاب میں علی بن یقطین، ہشام بن حکم، ہشام بن سالم، محمد بن ابی عمیر، حماد بن عیسیٰ، یونس بن عبدالرحمان، صفوان بن یحییٰ، صفوان جمال۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے ان اصحاب میں سے تھے جنہیں بعض نے اصحاب اجماع میں شمار کیا۔[7]

امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد بعض اصحاب جیسے علی بن ابی حمزہ طائنی، زیان بن مروان اور عثمان

---

1. حیات سیاسی وفکری امامان شیعہ، ص ۴۰۶
2. عیون اخبار الرضا، از صدوق، ج ا ص ۸۴، ۸۵
3. تہذیب الاحکام ج ۴ ص ۱۴۹
4. حیات امام موسیٰ بن جعفر از قرشی ص ۴۷۲
5. رجال کشی ص ۴۴۱
6. رجال کشی ص ۴۳۳
7. حیات امام موسیٰ بن جعفر، از قرشی، ج ۲ ص ۲۳۱، ۳۷۳

بن عیسیٰ وغیرہ نے امام علی رضاؑ کی امامت کو قبول نہ کیا۔ اور امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت پر توقف کیا اور یہ گروہ واقفیہ کے نام سے معروف ہوا البتہ ان میں سے بعض نے دوبارہ امام علی رضاؑ کی امامت کو قبول کر لیا۔[1]

امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے زمانے کے مومنین کے باہمی رابطے اور انکی اجتہادی تعاون بڑھانے کی خاطر امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں قائم ہونے والے وکالت کے شعبے کو وسعت دی، امام موسیٰ کاظمؑ نے مختلف اصحاب کو مختلف جگہوں پر وکیل کے عنوان سے متعین کیا۔ منابع میں ۱۳ افراد کے نام وکیل کے طور پر ذکر ہوئے ہیں۔ کوفہ میں علی بن یقطین اور مفضل بن عمر، بغداد میں عبدالرحمان بن حجاج، قندھار میں زیاد بن مروان، مصر میں عثمان بن عیسیٰ، نیشاپور میں ابراہیم بن سلام اور اہواز میں عبداللہ بن جندب امام کے وکیل تھے۔[2]

مختلف روایات کے مطابق شیعہ اپنا خمس وکلاء کے ذریعے امام موسیٰ کاظمؑ تک پہنچاتے۔ شیخ طوسی نے کچھ وکلا کے واقفی ہونے کا سبب ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ لوگ اپنے پاس جمع شدہ مال کی محبت میں واقفی ہو گئے۔[3]

علی بن اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ (یا محمد بن اسماعیل بن جعفر صادقؑ) نے ہارون رشید کو ایک خبر دی جس کی وجہ سے امام موسیٰ کاظمؑ کو زندان جانا پڑا اس خبر میں آیا ہے کہ میرے چچا کو شرق وغرب سے بہت سا مال بھجوایا گیا ہے وہ بیت المال اور خزانے کا صاحب ہے۔ جس میں مختلف حجم کے بہت زیادہ سکے پائے گئے۔[4]

شیعوں کے ساتھ ارتباط کی ایک روش خطوط کی تھی جو انہیں، فقہی، اعتقادی وعظ، دعا اور وکلا سے مربوط مسائل کے سلسلے میں لکھے جاتے۔ یہاں تک نقل ہوا ہے کہ امام زندان سے اپنے اصحاب کو خطوط تحریر کرتے۔[5] اور ان کے سوالوں کے جوابات دیتے تھے۔[6]

شہادت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام:

یحییٰ بن حسن عبیدلی علوی سے منقول ہے کے جعفر بن محمد بن اشعث جو کہ شیعہ تھا ہارون رشید نے

---

[1] الغیبہ، از طوسی، ص ۴۵، ۴۶

[2] امام موسیٰ کاظمؑ و سازمان وکالت، از جباری، ص ۴۲۳، ۵۹۹

[3] الغیبہ، از شیخ ابوجعفر محمد طوسی، ص ۴۵، ۴۶

[4] حیات امام موسیٰ کاظمؑ، از قرشی، ج ۲ ص ۴۵۵

[5] الکافی، از الکلینی ج ۱ ص ۳۱۳

[6] اعیان الشیعہ، از محسن امین ج ۱ ص ۱۰۰

اس کو محمد امین کا استاد مقرر کیا جس کی وجہ سے یحییٰ بن خالد بن برمک کو اس سے حسد ہوئی، کیونکہ اگر محمد امین خلافت پر فائز ہوتا ہے۔ تو جعفر اس کے مقربین میں سے ہوگا اور یحییٰ کا اختیار کم ہو جائے گا۔ یحییٰ ان کے امور میں دخل اندازی کرنے لگا اور ہارون کے دِل میں نفرت پیدا کرنے لگا، تا کہ ہارون کو شیعوں سے ڈرائے اور خوف کی فضاء پیدا کرے۔ ایک دن ہارون نے کہا کیا کوئی اولادِ ابو طالب میں مجھے موسیٰ بن جعفرؑ کے حالات سے آگاہ کر سکتا ہے۔ یحییٰ نے کہا: جی ہاں! علی بن اسماعیل بن جعفرؑ ہے، پھر یحییٰ نے علی بن اسماعیل کو مال بھجوایا اور بغداد آنے کو کہا۔ جب علی بن اسماعیل مدینے سے نکلنے لگا تو امام موسیٰ کاظمؑ نے کہا: بھتیجے کہاں جا رہے ہو؟ علی بن اسماعیل نے کہا میں بہت مقروض ہوں اس لئے بغداد جا رہا ہوں۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے کہا میں تمہارا قرض ادا کرتا ہوں۔

علی بن اسماعیل آپ علیہ السلام کی اس پیش کش کو نظر انداز کرتے ہوئے بغداد جانے کیلئے آمادۂ سفر ہوا۔

ابوالحسن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اسے بلوایا اور فرمایا: تو پھر تم بغداد جا رہے ہو؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں! میرا وہاں جانا ضروری ہے۔

یہ سن کر آپ علیہ السلام نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے بھتیجے غور سے سنو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اولاد کو یتیم نہ کرنا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اسے تین سو دینار اور چار ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

علی بن اسماعیل مدینہ سے روانہ ہوا اور بغداد میں یحییٰ بن خالد برمکی کے پاس آیا تو یحییٰ برمکی نے اس سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے تمام حالات دریافت کیے پھر یہ تمام حالات ہارون الرشید کو بتائے اور اس نے ہارون الرشید کو وہ باتیں بتاتے وقت کچھ باتوں کا اپنی طرف سے اضافہ بھی کر دیا تھا۔

اس کے بعد یحییٰ برمکی، علی بن اسماعیل کو ہارون الرشید کے پاس دربار میں لے گیا اور ہارون نے اس سے اس کے چچا (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام) کے حالات دریافت کیے تو اس نے تمام حالات سے آگاہ کیا اور مزید یہ بھی کہا کہ مشرق و مغرب سے خراج ان کے پاس آتا ہے اور ان کے حجرے مال سے بھرے ہوئے ہیں نیز انہوں نے تیس ہزار دینار کے عوض ایک جائیداد خریدی ہے اور اس کا نام ''یسیرہ'' رکھا ہے اس جائیداد کے مالک نے ان سے کہا تھا کہ میرے پاس اتنی مقدار میں مال نقد لاؤ تو میں اس نقد رقم کے عوض آپ علیہ السلام کو یہ جائیداد بیچوں گا۔ پھر آپ علیہ السلام نے حکم دیا اور اسی وقت اس جائیداد کے مالک کو تیس ہزار دینار نقد ادا کر دیے گئے جب ہارون الرشید نے اس سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حوالے سے باتیں سنیں تو اس نے حکم دیا کہ گرد و نواح سے جو مال میرے پاس آتا ہے، اُس سے دو لاکھ درہم اسے عطا کیے جائیں۔ پھر اس نے مشرق کی طرف

اپنے قاصد روانہ کیے کہ وہ یہ مال لوگوں سے وصول کر کے لائیں۔

ایک دن علی ابن اسماعیل بیت الخلاء میں گیا تو اسے پیچش کی شکایت ہونے کی وجہ سے اس کی تمام انتڑیاں باہر نکل کر زمین پر آ گریں اور لوگوں نے بہت کوشش کی کہ انہیں واپس اندر کر دیا جائے لیکن وہ نا کام رہے اور وہ اسی تکلیف کی کیفیت میں گر پڑا ہارون الرشید نے اسے جو مال دینے کا حکم دیا تھا وہ مال اس وقت اسماعیل کے پاس آیا جب یہ جان کنی (نزاع کی حالت) میں تھا۔علی بن اسماعیل نے یہ مال دیکھ کر کہا اب میں اس مال کو کیا کروں گا میں تو موت کا سامنا کر رہا ہوں؟

اسی سال ہارون الرشید نے حج کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے مدینہ آیا تو اس نے قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں جو کام کرنا چاہ رہا ہوں اس پر آپ سے معافی طلب کرتا ہوں ۔ میں موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کو قید کرنا چاہ رہا ہوں کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے درمیان افتراق وانتشار پیدا کر رہے ہیں اور ان کا ناحق خون بہا رہے ہیں۔

پھر ہارون الرشید نے انہیں گرفتار کرنے کا حکم جاری کیا تو آپؑ کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گرفتار کر لیا گیا۔آپؑ کو ہارون کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے آپ کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں اور اپنے گھر سے دو محمل روانہ کیے (جو گنبد نما خیمے سے ڈھکے ہوئے تھے)۔ان میں سے ایک میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بٹھایا گیا اور دونوں کے ساتھ گھڑ سوار سپاہی روانہ کیے ان میں سے ایک بصرہ کے راستے پر چل پڑا اور دوسرا کوفہ کے راستے پر چل پڑا تا کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا معاملہ لوگوں پر مخفی اور مشتبہ رہے۔

ان دونوں میں سے جو محمل بصرہ کی طرف رواں دواں تھا اس میں آپ تشریف فرما تھے۔ ہارون الرشید نے اپنے پیغام رساں کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ انہیں بصرہ میں عیسیٰ بن جعفر بن منصور کے حوالے کرنا کیونکہ اس وقت یہ عیسیٰ بصرہ کو گورنر تھا۔

جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بصرہ میں عیسیٰ بن جعفر بن منصور کے پاس پہنچے تو اس نے آپ کو ایک سال قید خانے میں رکھنے کے بعد ہارون الرشید کو یہ خط تحریر کیا:

> ''انہیں (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام) مجھ سے لے کر کسی اور کے حوالے کر دو جسے تمہارا جی چاہتا ہے ورنہ میں انہیں رہا کر دوں گا۔ میں نے ان کے خلاف ثبوت اکٹھے کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اس میں نا کام رہا ہوں۔ جب وہ دعا مانگتے ہیں تو میں کان لگا کر سنتا ہوں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ مجھے یا تمہیں بد دعا نہ دے دیں۔ میں نے جب بھی انہیں دُعا

مانگتے ہوئے دیکھا وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی ذات کے لئے رحمت اور مغفرت کے طلب گار ہوتے ہیں۔''

پھر ہارون الرشید نے عیسیٰ بن جعفر بن منصور سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو لے کر فضل بن ربیع کے پاس بغداد میں قید کر دیا اور آپ علیہ السلام ایک طویل مدت تک فضل بن ربیع کی قید میں رہے۔ ہارون الرشید نے فضل بن ربیع کے ذریعے اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا تو فضل بن ربیع نے انکار کر دیا۔ اس نے فضل بن ربیع کو یہ تحریر کیا کہ انہیں فضل بن یحییٰ کے سپرد کر دو تو فضل بن یحییٰ نے انہیں اپنی تحویل میں لے لیا۔ پھر ہارون نے اس کے ذریعے اپنے ناپاک ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہا لیکن فضل بن یحییٰ نے ایسا کچھ نہ کیا۔

ہارون الرشید کو یہ خبر ملی کہ فضل بن یحییٰ کے پاس حضرت امام موسیٰ (کاظمؑ) نہایت ہی آرام وسکون سے ہیں جبکہ اس وقت ہارون خود رقہ میں موجود تھا لہٰذا اس نے فوراً اپنے خادم مسرور کو ایلچی اور ڈاک کا انچارج بنا کر بغداد کی طرف روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ بغداد پہنچ کر فوراً حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس جانا اور ان کے حالات دریافت کرنا۔ اگر ہم کو جیسے فضل بن یحییٰ کے متعلق خبر موصول ہوئی ہے ویسا ہی ہو تو تم میرا یہ خط (حکم کا پروانہ) عباس بن محمد کے حوالے کرنا اور اس حکم کو بجا لانے کی تاکید کرنا۔ پھر میری طرف سے یہ دوسرا خط سندی بن شاہک کے حوالے کرنا اور سندی سے کہنا کہ وہ عباس بن محمد کے حکم کی فرمانبرداری کرے۔

اس کے بعد مسرور بغداد آیا تو وہ سیدھا فضل بن یحییٰ کے گھر گیا جبکہ کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کس ارادے سے یہاں پر آیا ہے پھر مسرور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس گیا تو اس نے آپ علیہ السلام کو آرام و سکون کی حالت میں دیکھا جیسا کہ ہارون کو خبر ملی تھی۔ پھر وہ فوراً عباس بن محمد اور سندی بن شاہک کی طرف چل پڑا اور ان دونوں کو ہارون کے خط پہنچائے۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ عباس بن محمد نے قاصد کو فضل بن یحییٰ کی طرف روانہ کیا جو تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا فضل کے پاس پہنچا اور اسے اپنے ساتھ سوار کیا جبکہ فضل حیران و پریشان اور خوف کی حالت میں اس کے ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ جب یہ عباس بن محمد کے پاس پہنچا تو اس نے سزا دینے والے افراد کو بلوایا۔ پھر اسے سندی بن شاہک کے حوالے کر دیا اور اس نے فضل کی قمیص اُتروا کر اسے سو کوڑے لگوائے۔

فضل بن یحییٰ جس ہیبت اور وقار کے ساتھ اندر گیا تھا ویسے باہر نہیں نکلا بلکہ اس کا رُعب و دبدبہ جاتا رہا اور وہ باہر نکل کر خود ہی دائیں بائیں موجود لوگوں کو سلام کرتا رہا۔

مسرور نے ہارون الرشید کو خط لکھ کر تمام حالات سے باخبر کیا تو اس نے یہ حکم جاری کیا کہ (حضرت امام) موسیٰ کاظم علیہ السلام کو سندی بن شاہک کے سپرد کر دیا جائے۔

ایک دن ہارون الرشید اپنے بھرے دربار میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے لوگوں سے کہا: اے لوگو! فضل بن یحییٰ نے میری نافرمانی اور میری حکم عدولی کی ہے اور میں اس پر لعنت کرتا ہوں لہٰذا تم بھی اس پر لعنت کرو۔ پھر ہر طرف سے لوگ اس پر لعنت کرنے لگے یہاں تک کہ اس پر لعنت سے در و دیوار تک ہلنے لگے۔

جب یحییٰ بن خالد کو یہ خبر ہوئی تو وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر ہارون الرشید کی طرف چل پڑا اور دربار کے اُس دروازے سے اندر داخل نہ ہوا جہاں سے باقی لوگ اندر آتے تھے۔ یہ ہارون الرشید کے پیچھے سے ہوتے ہوئے اس کے پاس یوں آ کر کھڑا ہو گیا کہ اسے محسوس تک نہ ہوا۔ پھر اس نے ہارون سے کہا: اے امیر ! میری طرف توجہ کیجئے پھر وہ گھبرا کر اس کی طرف متوجہ ہوا تو یحییٰ بن خالد نے کہا: یقیناً فضل نے (آپ کے حکم عدولی کر کے) ایک نیا کام کیا ہے لیکن تمہارے ارادے کو پورا کرنے کے لئے میں تمہارے لئے کافی ہوں یہ سن کر ہارون کے چہرے پر اطمینان اور خوشی کی لہر دوڑی۔ پھر یحییٰ بن خالد نے ہارون سے کہا: اے امیر! آپ نے فضل پر لعنت کر کے لوگوں کے دلوں میں اس قدر و منزلت کو کم کر دیا ہے لہٰذا ب آپ اسے معاف کر دیں اور اسے عزت عطا کرتے ہوئے اس کی ذلت و رُسوائی کا ازالہ کر دیں۔

ہارون لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا: فضل نے ایک چیز کے بارے میری نافرمانی کی تھی اور میں نے اس کی وجہ سے اس پر لعنت کی ہے لیکن اب وہ تائب ہو کر دوبارہ میری فرمانبرداری کی طرف لوٹ آیا ہے لہٰذا اب تم لوگ بھی اس سے دوستی اور محبت کا اظہار کرنا۔

یہ سن کر حاضرین نے جواب دیا: ہم ہر اُس شخص کے دوست ہیں جو آپ کا دوست ہے اور ہر اُس شخص کے دشمن ہیں جس نے آپ سے دشمنی کی۔ پس اگر اب فضل آپ کے دوستوں میں شامل ہو گیا تو ہم نے بھی اسے اپنا دوست اور محبوب بنا لیا ہے۔

پھر ایک دن یحییٰ بن خالد خود لوگوں کی نقل و حرکت اور اُمور سے آگاہی کے لئے باہر نکل کر بغداد میں پہنچا اور اسے دیکھ کر لوگ مضطرب ہو گئے اور ہر شے میں ایک بھونچال آ گیا جبکہ اس نے یہی ظاہر کیا وہ کساد بازاری کو ختم کرنے اور حکومتی کا ندروں کے اعمال و افعال کو دیکھنے کے لئے شہر میں آیا ہے۔

پھر یہ سندی بن شاہک کے پاس گیا اور اُسے بلا کر کہا (حضرت) موسیٰ علیہ السلام (کاظم علیہ السلام) کا کام تمام کر دو۔ پھر سندی نے انہیں ایک چٹائی میں لپیٹ دیا اور ان کے منہ پر بستر بچھانے والے عیسائی ملازمین بیٹھ

گئے یوں آپ علیہ السلام دنیا سے کوچ کر گئے۔ (جبکہ بہت سے دیگر مصادر میں نقل ہے کہ سندی بن شاہک نے ہارون رشید کے حکم سے آپؑ کو زہر دی جس کی وجہ سے آپؑ کی شہادت ہوئی)۔

یحییٰ بن خالد نے سندی بن شاہک کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت واقع ہو جانے پر یہ حکم دیا کہ ان کے غلام مشرعۃ القصب میں عباس بن محمد کے گھر جا کر انہیں غسل دے تو پھر اس نے آپ علیہ السلام کو غسل دیا۔ یحییٰ نے ان کے غلام سے کہا کہ وہ مجھے اجازت دے تو میں اُنہیں اپنے مال سے کفن پہناتا ہوں تو اس نے انکار کر دیا اور کہا: ہم خاندانِ اہلِ بیت علیہ السلام اپنے مردوں کو اپنے پاک و طاہر مال سے کفن دیتے ہیں اور میرے پاس کفن موجود ہے۔

آپ علیہ السلام کی شہادت کے بعد بغداد کے فقہا اور بزرگ شخصیات کو آپ علیہ السلام کے پاس لایا گیا۔ ان میں ہیثم بن عدی وغیرہ شامل تھے۔ ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو انہیں کوئی ایسی علامت نظر نہ آئی جس سے یہ کہا جاتا کہ آپ علیہ السلام کو حکومت نے شہید کروایا ہے لہٰذا ان لوگوں نے اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ آپ علیہ السلام کی وفات طبعی طور پر ہوئی ہے پھر آپ علیہ السلام کی میت کو پُل بغداد پر رکھ کر یہ صدا لگائی گئی: یہ موسیٰ علیہ السلام بن جعفرؑ ہیں جو وفات پا چکے ہیں۔ تمام لوگ آئیں اور اپنی انکھوں سے انہیں اس حالت میں دیکھ لیں تو لوگ جوق در جوق آنا شروع ہو گئے اور نظریں جما کر آپ علیہ السلام کے چہرے کو دیکھنے لگے کہ واقعاً آپ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

مؤلف کہتے ہیں: ہمارے ساتھویں میں سے ایک شخص نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص سے خبر نقل کی ہے کہ پُل بغداد پر یہ صدا لگائی گئی:

> ''یہ موسیٰ علیہ السلام بن جعفرؑ ہیں جن کے متعلق یہ گمان تھا کہ یہ کبھی فوت نہیں ہوں گے لہٰذا لوگوں! آؤ اور اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ لو کہ یہ فوت ہو چکے ہیں اور لوگوں نے آکر دیکھا تو انہیں فوت ہوئے پایا۔''

مذکورہ راویوں سے منقول ہے کہ پھر آپؑ کا جنازہ وہاں سے اُٹھایا گیا اور آپؑ کو قبرستان قریش میں دفن کر دیا گیا۔ آپؑ کی قبر مبارک نوفلیوں کے ایک شخص عیسیٰ بن عبداللہ کی قبر کے ساتھ واقع ہے۔[1]

اولادِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام:

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کی صاحبزادیوں میں

---

[1] مقاتل الطالبین از ابی الفرج اصفہانی اُردو ترجمہ علامہ حسن رضا باقر: ص ۴۵۱، ۴۵۷

(۱)ام عبداللہ (۲) رقیہ (۳) لبابہ (۴)ام جعفر (۵) امامہ
(۶)کلثم (۷) بریہ (۸) ام القاسم (۹) محمودہ (۱۰) امینہ الکبریٰ
(۱۱) علیہ (۱۲) زینب (۱۳) قسیمہ (۱۴) حسنہ (۱۵) عائشہ
(۱۶) ام سلمہ (۱۷) اسماء (۱۸) اُم فروہ (۱۹) امنہ بقول عمری انکی قبر مصر میں ہے۔
(۲۰) ام ابیہا (۲۱) حلیمہ (۲۲) رملہ (۲۳) میمونہ (۲۴) امینہ صغریٰ

(۲۵) ام کلثو کبریٰ آپ کے بھتیجے جعفر بن عبیداللہ بن امام موسیٰ کاظمؑ آپکے نام سے ابن کلثوم مشہور تھے کیونکہ آپ نے ان کی پرورش کی (۲۶) ام کلثوم وسطیٰ (۲۷) ام کلثوم صغریٰ اور اشنانی کی روائیت میں چار دختران کا اضافہ ہے: (۲۸) عطفہ (۲۹) عباسہ (۳۰) خدیجہ الکبریٰ (۳۱) خدیجہ۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی اولاد میں ۳۷ صاحبزادیاں اور ۲۳ صاحبزادے تھے۔[2]

کتاب اساس الانساب الناس میں سید جعفر اعرجی نے (۳۲) فاطمہ ربع (۳۵) فاطمہ صغریٰ (۳۴) فاطمہ کبریٰ (۳۵) فاطمہ وسطیٰ کا ذکر کیا ہے۔ شیخ مفید نے بھی ان کے نام تحریر کیئے ہیں اور آخر الذکر شہزادیوں میں فاطمہ بنت امام موسیٰ کاظم المعروف بی بی معصومہ ہیں جن کی قبر مبارک قم ایران میں مرجع خلائق ہے۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ آپ کے پسران میں پانچ بیٹوں کی اولاد بغیر کسی اختلاف کے جاری نہ ہوئی:

(۱) عبدالرحمان (۲) عقیل (۳) قاسم (۴) یحییٰ (۵) داوَد

اور تین پسران کے اعقاب میں صرف دختران تھیں:

(۶) سلیمان (۷) فضل (۸) احمد اور پھر پانچ پسران کی اولاد ہونے میں اختلاف ہے
(۹) حسین (۱۰) ابراہیم اکبر (۱۱) ہارون (۱۲) زید (۱۳) حسن۔

اور دس فرزند ایسے ہیں جن کی اولاد جاری ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (۱۴) امام علی رضاؑ (۱۵) ابراہیم اصغر (۱۶) عباس (۱۷) اسماعیل (۱۸) محمد عابد (۱۹) اسحاق (۲۰) حمزہ (۲۱) عبداللہ (۲۲) عبیداللہ (۲۳) جعفر خواری۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین، از ابوالحسن عمری ص ۲۹۸ ـ ۲۹۹
[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۷۷

بقول ابی نصر بخاری کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں ۱۸ فرزند تھے اور ۲۲ دختران تھیں اور کہا ابی نصر بخاری نے کہ آپکے دس پسران کی اولاد ہونے میں کسی نسابہ نے اختلاف نہیں کیا۔ (۱) ابراہیم اصغر (۲) امام علی رضا علیہ السلام (۳) عباس (۴) اسماعیل (۵) محمد (العابد) (۶) عبداللہ (۷) عبیداللہ (۸) جعفر (۹) اسحاق (۱۰) حمزہ[۱]

بقول ابن عنبہ کہ کہا میرے استاد سید تاج الدین ابن معیہ نے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد ۱۳ پسران سے جاری ہوئی ان میں چار حضرات کی اولاد بہت زیادہ تھی (۱) امام علی رضا علیہ السلام (۲) ابراہیم مرتضیٰ (اصغر) (۳) محمد عابد (۴) جعفر خواری پھر چار حضرات کی اولاد اوسط تھی (۵) زید النار (۶) عبداللہ (۷) عبیداللہ (۸) حمزہ اور پھر پانچ حضرات کی اولاد قلیل تھی (۹) عباس (۱۰) ہارون (۱۱) اسحاق (۱۲) حسن (۱۳) حسین[۲]

(۱۵۱) محمد العابد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

خبر دی ابو محمد حسن بن محمد بن یحییٰ نے انہوں نے کہا بیان کیا مجھ سے میرے دادا نے انہوں نے کہا بیان کیا مجھ سے رقیہ بنت موسیٰ کی کنیز ہاشمیہ نے وہ کہتی ہے کہ محمد بن موسیٰ کاظم علیہ السلام صاحب وضو و نماز تھے اور تمام رات وضو کرنے اور نماز پڑھنے میں مشغول رہتے پس انکے وضو کرنے پر پانی کے گرنے کی آواز سنی جاتی اور ساری رات وہ نماز پڑھتے رہتے پھر تھوڑی دیر آرام کرتے اور سو جاتے پھر کھڑے ہوتے تو پانی ڈالتے اور وضو کرنے کی آواز سنائی دیتی پھر وہ رات کو نماز پڑھتے ان کا یہی طریقہ رہتا یہاں تک کہ صبح ہو جاتی جب میں ان کو دیکھتی تو مجھے اللہ کا یہ ارشاد یاد آتا۔

کانوا قلیلا من اللیل یجعون۔

''کہ وہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے ہیں۔''[۳]

بقول سید رضا بن علی موسوی غریفی کہ آپ کی والدہ ام احمد تھیں اور آپ قمۃ نامی قریہ اصفہان میں مدفون ہیں۔[۴]

---

[۱] سر سلسلۃ العلویہ...... از ابی نصر بخاری ......ص ۳۷ ـ ۳۶

[۲] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ...... از ابن عنبہ ......ص نمبر ۱۷۸

[۳] ارشاد ـ ج دوم ص ۲۴۵

[۴] شجرہ طیبہ فی ارض مخصبہ ـ ص ۲۸

بقول رجالی الکبیر ابوعلی حائری کہ آپ کا مزار شاہ چراغ کے روضے میں شیراز میں واقع ہے۔[1]

بقول سید جعفر بحر العلوم آپ کا مدفون شیراز میں ہے جہاں شیعہ قبور کی زیارت کیلئے جاتے ہیں۔[2]

بقول علامہ باقر مجلسی کہ آپ عباسیہ خلافت کے عہد میں شیراز وارد ہوئے اور ایک مکان میں چُھپ کر زندگی گزاری اور اُجرت پر قران پاک کی کتابت کرنے لگے آپ کی قبر اتابک بن سعد بن زنگی کے عہد تک پوشیدہ رہی۔[3]

بقول سید عبدالرزاق آل کمونہ کہ محمد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قبر مبارک شیراز میں ہے۔[4]

بقول عمری آپ کی اولاد میں چار لڑکیاں (۱) حکیمہ (۲) کلثوم (۳) بریہہ (۴) فاطمہ اور پسران میں تین بیٹے (۱) جعفر جنکی اولاد منقرض ہوئی (۲) محمد زاہد نسابہ (۳) ابراہیم الضریر کوفی جنکی اولاد جاری ہوئی۔[5]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ محمد العابد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد صرف ایک فرزند ابراہیم المجاب سے جاری ہوئی۔[6]

بقول ابن طقطقی کہ ابراہیم روضہ امام حسینؑ میں داخل ہوئے اور کہا اسلام علیک یا جدی اے میرے جد آپ پر سلام ہو تو ضریح سے ایک آواز آئی وعلیکم السلام یا ولدی۔ اے میری اولاد تم پر بھی میرا سلام ہو چونکہ آپ کو قبر امام حسینؑ سے جواب آیا آپ کا لقب مجاب مشہور ہو گیا۔[7]

(۱۵۲) بنی فخار

ابرہیم المجاب بن محمد العابد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد انکے ایک فرزند محمد حائری سے جاری ہوئی اور محمد حائری بن ابراہیم مجاب کی اولاد تین پسران سے جاری ہوتی: (۱) ابوعلی حسن (۲) احمد (۳) حسین شیتی ان میں حسین شیتی بن محمد حائری بن ابراہیم مجاب کی اولاد بقول ابن عنبہ دو پسران سے جاری ہوئی:

---

[1] احسن المقال ترجمہ منتھیٰ الامال، ج ۲ ص ۲۱۰

[2] تحفہ العالم، ج ۲ ص ۳۱

[3] بحارالانوار، ج ۴۸ ص ۳۱۱

[4] مشاہد العترۃ الطاہرہ، از سید عبدالرزاق آل کمونہ ص ۱۲۹

[5] المجدی فی انساب الطالبین، اعمری، ص ۳۱۳

[6] عمدۃ الطالب، ص ۱۹۷

[7] الاصیلی فی انساب الطالبین، از ابن طقطقی ص ۱۸۳

(۱)ابی الغنائم محمد (۲) میمون القصیر ان میں ابو الغنائم محمد بن حسین شیتی بن محمد حائری کی اولاد سے فخار اوّل بن احمد بن محمد بن ابوالغنائم محمد المذ کور تھے۔

آپ علامہ نسابہ تھے آپ نے علم الانساب اپنے والد احمد بن محمد بن ابو الغنائم محمد سے اور انہوں نے جلال الدین عبدالحمید ابن تقی نسابہ سے حاصل کیا اور انہوں نے ابن کلبون عباسی سے حاصل کیا اور انہوں نے جعفر بن ہاشم بن ابی الحسن عمری سے حاصل کیا۔ اور انہوں نے شیخ ابی الحسن عمری علوی صاحب المجدی فی انساب الطالبین سے حاصل کیا۔

بقول ابن عنبہ کہ فخار اوّل بن احمد بن محمد بن ابو الغنائم محمد کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱)علی (۲) معد۔

ان میں علی بن فخار اوّل کی اولاد سے ایک فرزند نزار تھا جسکی اولاد آل نزار کہلاتی ہے جبکہ معد بن فخار اوّل کے ایک فرزند سید شمس الدین فخار تھے آپ علم الانساب کے ماہر اور اکابر مشائخ میں سے تھے آپ کی کتاب ’’......الحجۃ علی الذھب الی تکفیر ابی طالب‘‘ بہت مشہور ہے۔

ابن ابی الحدید معتزلی جنہوں نے نہج البلاغہ کی بہترین شرح تصنیف فرمائی جو کہ اہل سنت معتزلی عالم تھے کہتے ہیں کہ اس زمانے کے بعض طالبین نے یعنی سید شمس الدین فخار نے اسلام ابو طالب پر کتاب تصنیف فرمائی۔ اور میرے پاس بھیجی ہے اور مجھ سے خواہش ظاہر کی ہے کہ میں اپنے خط میں اسکی صحت میں شعر یا نثر میں کچھ لکھوں۔

سید شمس الدین فخار سے سید احمد ابن طاؤس اور محقق علی روائیت کرتے ہیں آپ کی وفات ۶۳۰ ہجری میں نجف اشرف میں ہوئی۔

سادات آل مشعشعی موسوی:

سید شمس الدین فخار کی اولاد سے سادات آل مشعشی موسوی ہے ان میں سے سید محمد مہدی بن فلاح بن ھبت اللہ بن حسن بن علی المرتضیٰ بن عبدالحمید بن شمس الدین فخار نسابہ موسوی بن معد بن فخار اوّل بن احمد بن محمد بن ابوالغنائم محمد بن بن حسین شیتی بن محمد حائری بن ابراہیم مجاب بن محمد عابد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سادات آل مشعشی نے خوزستان پر حکومت کی اس سلطنت کی موسئس سید محمد مہدی تھے اور انکی اولاد آل مشعشی اور آل موالی کہلائی آپ نے خوزستان پر حکومت قائم کی اور یہ سلطنت بڑی آب وتاب سے چلتی رہی۔

سید ضامن بن شدقم مدنی نے آل مشعشی کا نسب اس طرح تحریر کیا ہے۔

سید محمد مہدی بن فلاح بن مہدی بن محمد بن احمد بن علی بن محمد بن احمد بن رضا بن ابراہیم بن ھبت اللہ بن طیب بن احمد بن محمد بن قاسم بن ابی فخار محمد بن ابی علی نعمت اللہ بن عبداللہ بن جعفر اسود بن موسیٰ بن محمد بن عبداللہ عوکلانی بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام [1]

لیکن آل مشعشی کے اپنے وثائق اور زیادہ نسابین کی رائے کے مطابق یہ حضرات محمد العابد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد ہیں آل مشعشی دراصل آل فخار موسوی ہے۔

اور یہی راست ہے۔[2]

(۱۵۳) ابراہیم المرتضیٰ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

بقول ابوالحسن عمری کہ آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور وہ نوبیہ تھیں جن کا نام تحیہ یا نجیہ تھا ابراہیم کا لقب مرتضیٰ تھا اور وہ اصغر تھے ابی سرایا کے خروج کے زمانے میں یمن میں ظاہر ہوئے۔[3]

صاحب الاصیلی نے بھی آپ کا یمن پر غالب ہونے کا ذکر کیا کہ آپ ایامِ ابی سرایا میں یمن پر غالب آئے۔[4]

جبکہ ابی نصر بخاری کے بمطابق جنہوں نے یمن میں ایام مامون میں خروج کیا وہ ابراہیم اکبر تھے اور وہ آئمہ زیدیہ میں سے تھے۔[5]

ابراہیم نام کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دو فرزند تھے ایک ابراہیم اکبر اور دوسرے ابراہیم اصغر جن کو ابراہیم المرتضیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ ابی نصر بخاری کے علاوہ تمام نسابین اس بات پر متفق ہیں کہ جنہوں نے یمن سے خروج کیا وہ ابراہیم اصغر تھے۔ جبکہ ابی نصر بخاری کے بقول وہ ابراہیم اکبر تھے۔ بعض جگہ آپ کا لقب ''جزار'' بھی تحریر کیا گیا۔

آپ نے محمد بن ابراہیم طبا طبا کی بیعت کی اور ان کی وفات کے بعد محمد بن محمد بن زید شہید کی طرف سے یمن کے حکمران بھی رہے۔ اور اس مدت کے ختم ہونے پر مکہ واپس آ گئے اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے

---

[1] تحفۃ الازہار، ج ۳ ص ۲۲۷ ۔ ۲۲۶

[2] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب، ص ۳۹۱

[3] المجدی فی انساب الطالبین، ص ۳۱۶

[4] اصیلی فی انساب الطالبین، ص ۱۶۲

[5] سر سلسلۃ العلویہ، از ابی نصر بخاری، ص ۳۸ ۔ ۳۷

دوبارہ یمن پر مامون عباسی کی جانب سے حکومت کی اور کچھ عرصہ مکہ کے حکمران بھی رہے آپ ۲۱۰ ہجری کو بغداد میں زہر کی وجہ سے مسموم ہوئے اور وفات پا گئے۔

ابن طباطبا کی بیعت کرنا:

۱۹۸ ہجری کو جب محمد بن ابراہیم طباطبا نے ابوسرایا سری کے ہمراہ خروج کیا تو علویوں کی بڑی تعداد نے محمد بن ابراہیم طباطبا کی بیعت کر لی تو ابراہیم المرتضیٰ نے بھی انکی بیعت کی۔ اور جب محمد بن ابراہیم طباطبا کا اچانک انتقال ہو گیا تو ابوسرایا نے اُن کا قائم مقام محمد بن محمد بن زید بن امام زین العابدینؑ کو بنایا اس تحریک کے تمام ارکان نے محمد بن محمد بن زید کا ساتھ دیا اور ابراہیم یمن کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے کچھ کہتے ہیں کہ ابراہیم کو یمن کا گورنر نامزد کیا گیا تھا۔

جب محمد بن ابراہیم طباطبا کی تحریک کا آغاز ہوا تو اس وقت ابراہیم مرتضیٰ یمن میں رہائش پذیر تھے اور جب محمد بن محمد بن زید نے تحریک سنبھالی تو ابراہیم المرتضیٰ کو یمن پر غلبہ حاصل کرنے کا کہا گیا۔

ابراہیم المرتضیٰ نے اپنے معاون اور رشتہ دار جمع کیئے اور یمن چلے گئے۔

اس وقت یمن پر اسحاق بن موسیٰ بن عیسیٰ بن ماہان کی حکومت تھی جو کہ مامون کا عامل تھا یعنی گورنر تھا۔ جب اسحاق بن موسیٰ کو خبر ہوئی کہ ابراہیم اپنے ساتھویں کے ہمراہ صنعاء تک پہنچ گئے ہیں تو اسحاق یمن کو چھوڑ کر مکہ بھاگ گیا۔[1]

ابن کثیر تحریر کرتے ہیں کہ ابراہیم نے یمن میں بہت سی جنگیں لڑیں لیکن انہوں نے ان کی تفصیل درج نہیں کی۔

طبری میں منقول ہے کہ ابراہیم مرتضیٰ نے عقیل بن ابی طالب کی اولاد سے ایک فرد کو امیر الحج بنا کر مکہ کی جانب بھیجا جس کا سامنا مامون کے بھائی معتصم سے ہوا۔[2]

یمن پر حکومت:

بقول یعقوبی کہ حسن بن سہل کو مامون نے عراق کی حکومت سونپی جب مدائن آیا تو اس نے حمدویہ بن علی بن عیسیٰ بن ماہان کو یمن گورنر بنایا اور ابراہیم نے انکے خلاف جنگ لڑی تو ابراہیم کو شکست ہوئی اور وہ مکہ

---

[1] تاریخ طبری، ج ۸ ص ۵۳۶
[2] تاریخ طبری، ج ۸ ص ۵۴۰

واپس آ گیا۔

ابن خلدون تحریر کرتے ہیں کہ مامون نے یمن پر اپنا تسلط قائم کرنے کیلئے فوج بھیجی جنہوں نے یمن میں ایک بڑے علاقے کو زیر تسلط کر لیا۔ اور محمد بن زیاد بن عبداللہ بن ابی سفیان کو مامون کی طرف سے یمن میں حاکم مقرر کیا گیا مامون نے اُسے علویوں کے خلاف کاروائیوں کا حکم دیا تا کہ یمن کو علویوں سے آزاد کرایا جائے۔[1]

اور بعض کے بقول احمد بن یزید بن عبدالرحمان شاعر ابراہیم مرتضیٰ کا مخالف تھا اُس نے ابراہیم کو قید کر لیا اور عوام میں شاعری کے ذریعے ابراہیم مخالف جذبہ اُبھارا اور ابراہیم کو یمن سے باہر کر دیا۔

مکہ میں قیام:

آپ مکہ تشریف لائے اس زمانے میں مکہ پر یزید بن محمد حنظلہ جو کہ حمدویہ بن علی یا عیسیٰ بن یزید جلودی کی نیابت میں حکمران تھا اس نے ابراہیم کا سامنا کیا لیکن اسے شکست ہوئی اور مکہ ابراہیم کے قبضے میں آ گیا اور جب حمدویہ یمن کا حاکم تھا تو مامون نے اسے معزول کر کے ابراہیم المرتضیٰ کو یمن کا گورنر بنایا اور مامون نے عیسیٰ جلودی کو حکم دیا کہ وہ حمدویہ کے مقابلے میں ابراہیم کا ساتھ دے۔

کیونکہ حمدویہ نے مامون کی حکم عدولی کی تھی لیکن عیسیٰ جلودی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور ابراہیم کا ساتھ نہ دیا۔

اور ابراہیم نے اپنے مددگاروں کے ھمراہ یمن پر حملہ کیا اور پہلے حملے میں حمدویہ کا بیٹا قتل ہو گیا اور بہت سے فوجی مارے گئے پھر یہ لوگ صنعاء کی طرف چل پڑے تا کہ حمدویہ کا سامنا کر سکیں لیکن یہاں حمدویہ نے ابراہیم کو شکست دے دی۔[2]

۲۰۲ ہجری میں مامون نے ابراہیم مرتضیٰ کو مکہ کا حکمران بنایا اسکے علاوہ امیر الحج بھی مقرر کر دیا اور حج کے موقع پر ابراہیم نے اپنے بھائی امام علی رضا علیہ السلام کیلئے ولی عہدی کی بیعت لی۔[3]

بغداد کا سفر:

عیسیٰ بن یزید جلودی جسے ابراہیم بن موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد مامون کی طرف سے یمن کا گورنر بنایا گیا

---

[1] تاریخ ابن خلدون۔ج ۴۔ص ۴۵۴۔ ۴۵۴

[2] تاریخ یعقوبی۔ج دوم۔ص ۴۴۹

[3] ابن خلدون۔ج ۳ ص ۵۲۲

جلودی مکہ آیا تو اس نے ابراہیم کو بغداد بھیج دیا اور انکی جگہ عبیداللہ بن حسن علوی کو مکہ کا گورنر بنایا۔[1]

اور کہا جاتا ہے کہ ابراہیم اور وہ علوی ابی سرایا کے ہمراہ خروج میں شامل تھے۔متفرق ہو گئے اور یہ روائیت بھی ہے کہ یہ لوگ بغداد چلے گئے اور امام علی رضا کے کہنے پر مامون نے ان کو امان دے دی۔

ابراہیم کی وفات ۲۱۰ ہجری میں بغداد میں زہر کی وجہ سے ہوئی اور آپ کو مقابر قریش میں دفن کیا گیا۔[2]

اولاد ابراہیم المرتضیٰ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام:

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ ابراہیم مرتضیٰ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) جعفر (۲) موسیٰ ابی سبحہ

بقول عمری کہ ابراہیم مرتضیٰ کا ایک فرزند احمد نامی بھی تھا جس کی اولاد مرند میں ہے۔ اور بقول ابوعبداللہ حسین ابن طبا طبا کہ ابراہیم کی اولاد تین پسران ہیں: (۱) اسماعیل (۲) جعفر اور (۳) موسیٰ ابی سبحہ سے جاری ہوئی۔[3]

(۱۵۴) شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ

علی بن حسین بن موسی بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم مرتضیٰ بن امام موسی کاظمؑ آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی اور آپ ۳۵۵ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے آپ سید مرتضیٰ کے لقب سے معروف تھے۔

آپکے والد ابو احمد حسین موسوی معروف شیعہ بزرگ تھے اور سلسلہ آل بویہ کے حکمرانوں سے قریبی تعلقات رکھنے کی وجہ سے علویوں کے نقیب دیوانِ مظالم اور امیرِ حج کے عہدوں پر فائز رہے۔

آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت حسن بن ابوحسین احمد بن ابومحمد حسن ناصر کبیر بن ابوالحسن علی عسکری بن ابومحمد حسن بن علی اصغر بن عمر اشرف بن امام زین العابدین علیہ السلام تھیں۔

سیاسی زندگی:

سید مرتضیٰ آل بویہ اور سلاطین بنوعباس کے ساتھ قریبی تعلق رکھتے تھے انہوں نے اپنے اشعار میں قائم باللہ اور بنی عباس کے بعض دیگر خلفاء کی مدح سرائی بھی کی۔ شریف مرتضیٰ سن ۴۰۶ ہجری سے آل بویہ اور

---

[1] تاریخ یعقوبی، ج دوم ص ۴۴۵
[2] بحارالانوار، ج ۴۸، ص ۳۰۷
[3] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۱۸۳

عباسی حکمرانوں کی طرف سے علویوں کے نقیب امیر حج ، اور رئیس دیوان مظالم کے عہدے پر فائز بھی رہے یہ منصب ان سے پہلے انکے بھائی اور والد کے پاس تھے۔[1]

سید مرتضیٰ نے ایک رسالہ ''فی العمل مع السلطان'' کے عنوان سے حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرنے کے جواز سے متعلق جواب دیا ہے۔

بعض شیعہ مصنفین کے مطابق سید مرتضیٰ کا بنی عباس اور آل بویہ کے ساتھ تعاون ، ان حکمرانوں کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کرنا ان کی تعریف وتمجید کرنا اور حکومتی عہدوں پر فائز رہ کر شیعہ قوم کی خدمت کرنا تھا۔[2]

افکار اور تالیفات:

سید مرتضیٰ شیعہ بزرگ علماء میں سے تھے اور اپنے زمانے کے بہت سے رائج علوم جیسے کلام ۔ فقہ ۔ اصول ۔تفسیر ۔ فلسفہ ۔ نجوم اور فلکیات اور ادبی علوم پر عبور رکھتے تھے۔[3]

سید مرتضیٰ کے افکار کا محور عقلانیت ہے جو ان کے مختلف کلامی اور فقہی تفکرات پر نمایاں نظر آتی ہے سید مرتضیٰ ایک عقلانیت پسند مفکر تھے سید مرتضیٰ کے نزدیک خداشناسی سے مربوط مباحث کی جستجو میں عقلانیت اور استدلال واجب ہے ۔سید مرتضیٰ عقائد اور کلامی مباحث میں عقل کی حجت پر تاکید کرتے ہیں۔

اور ہر چیز کو باطل سمجھتے ہیں جو عقل کی مخالف ہو۔

اس بنا پر عقل اور نقل کے تعارض کے مقام پر وہ عقل کو فوقیت دیتے ہیں۔

فقہ میں سید مرتضیٰ عقلانیت پسند تھے اور احکام کو کشف کرنے میں نقلی قرآئن موجود نہ ہونے پر عقل کو حُجت سمجھتے تھے سید مرتضیٰ فقہ شیعہ میں اجتہادی روش کو متعارف کروانے والے اولین شخصیتوں میں سے تھے۔[4]

سید مرتضیٰ نے علوم قرآن سے مرتبط موضوعات کے اوپر بھی مقالات اور کتابیں لکھیں ہیں ۔مثلاً اعجازِ قرآن کے بارے میں ''الموضح عن وجہ اعجاز القرآن'' کے نام سے انکی ایک کتاب موجود ہے۔

سید مرتضیٰ تفسیر میں بھی عقلی استدلال کو بروئے کار لاتے ہیں جہاں آیات کا ظاہر عقلی اصول اور قوانین سے متضاد ہو تو عقلی اصول وقواعد کی بنیاد پر آیات کی تاویل کرتے ہیں۔[5]

---

[1] المنتظم ،از ابن جوزی ، ج ۱۵ ص ۱۱۲
[2] تحلیل فقہی رابطہ علمائے دین از دیدگاہ علم الہدیٰ ص ۱۷۳
[3] الفہرست ،از شیخ طوسی ،ص ۹۹ ، رجال نجاشی ، از نجاشی ، ص ۲۷۰
[4] سید مرتضیٰ ، از اسعدی ، ص ۹۰ ۔ ۵۰
[5] مقدمہ ای بر مباحث تفسیری سید مرتضیٰ ، از رضا شکرانی ، ص ۵۸

سید مرتضیٰ ایک ماہر اور ممتاز ادیب تھے۔

سید مرتضیٰ کے متعدد ادبی آثار موجود ہیں۔ مِن جملہ یہ کہ انکے اشعار ۶ جلدوں میں موجود ہیں ان کی ایک مشہور کتاب ''الدرر والغرر'' ادبی اور لغوی مباحث پر مشتمل ہے۔[1]

اساتذہ:

سید مرتضیٰ اپنے بھائی شریف رضی کے ہمراہ بچپنے میں ادبیات اور مبادی کو ابن نبالۃ سعدی جو اپنے زمانے کے شاعر اور ادیب تھے کے پاس پڑھتے تھے۔ اور علم فقہ اور علم اصول کو شیخ مفید سے پڑھا۔ سید مرتضیٰ شعر و ادب میں ابوعبیداللہ مرزبانی کے شاگرد تھے۔ اسکے علاوہ حسین بن علی بن بابویہ شیخ صدوق کے بھائی۔

سہیل بن احمد دیباجی۔ احمد بن محمد بن عمران کاتب۔ ابوالحسن احمد بن محمد بن عمران المعروف ابن جندی بغدادی۔ ابوالحسن علی بن محمد کاتب۔

آپ کے مشائخ میں سے تھے۔

شاگردان:

(۱)	شیخ ابوجعفر محمد طوسی	(۲)	حمزہ بن عبدالعزیز سالار دیلمی
(۳)	ابوالصلاح حلبی	(۴)	عبدالعزیز حلبی
(۵)	ابوالفتح کراجکی	(۶)	محمد بن معبد حسنی
(۷)	جعفر بن محمد دوریتی	(۸)	سلیمان بن حسن صہرشتی
(۹)	ابوالحسن بصروی	(۱۰)	ابوعبداللہ بن تبان تانی
(۱۱)	احمد بن حسن نیشاپوری	(۱۲)	ابوالحسین حاجب
(۱۳)	نجیب الدین حسن بن محمد موسوی	(۱۴)	عبدالعزیز بن کامل طرابلسی
(۱۵)	قاضی ابوالقاسم علی بن محسن تنوخی	(۱۶)	عبدالرحمان بن احمد بن حسین
(۱۷)	نقی بن ابی طاہر ھادی نقیب رازی	(۱۸)	محمد بن علی حلوانی
(۱۹)	محمد بن حمزہ علوی	(۲۰)	یعقوب بن ابراہیم بیہقی۔[2]

---

[1] اعیان الشیعہ، از سید محسن الامین، ج ۸ ص ۲۱۳

[2] شریف مرتضیٰ۔ ص ۴۸۔ ۴۷ از رشید مخافی

وفات:

سید مرتضیٰ نے ۴۳۶ ہجری میں وفات پائی اور آپکے فرزند نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بغداد میں واقع اپنے گاؤں کرخ میں اپنے گھر میں دفن کیا گیا۔[1]

سید مرتضیٰ کے محل دفن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کی میت کو بغداد سے کربلا لے جایا گیا اور امام حسین کے روضہ اطہر کے قریب دفن کیا گیا۔[2]

اسکے علاوہ کاظمین میں بھی سید مرتضیٰ سے منسوب ایک قبر موجود ہے۔

(۱۵۵) سید شریف رضی

محمد بن حسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم المرتضیٰ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام المعروف سید شریف رضی آپ کی والدہ سیدہ فاطمہ بنت حسن بن ابوحسین احمد بن ابومحمد حسن ناصر کبیر بن ابوالحسن علی عسکری بن ابومحمد حسن بن علی اصغر بن عمر اشرف بن امام زین العابدینؑ تھیں۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی ولادت ۳۵۹ ہجری کو اور وفات ۴۰۶ ہجری کو ہوئی۔ آپ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کے مادری پدری بھائی تھے۔ آپ نقیب النقباء جمیع الخصائل اور خصوصیات کے حامل تھے۔ ۳۸۸ کو آپ شریف الاجل کے لقب سے معروف ہوئے۔ ۳۹۸ ہجری کو آپ کو بصرہ میں بہا الدولہ کا لقب ملا، ۳۹۲ کو آپ ولی نقابہ الطالبین ہوئے۔

آپ ھبت، جلالت، ورع، عفت اور علم میں کمال تھے آپ کو امیر حج اور رئیس دیوانِ مظالم کی نیابت اپنے والد محترم ابو احمد حسین موسوی سے ملی اور والد محترم کی وفات کے بعد یہ عہدے مستقل طور پر آپکے پاس رہے آپ اوّل طالبی تھے جنہوں نے کالا لباس پہنا (جو آپکے بعد علماء نے پہننا شروع کر دیا۔)

آپ کی تصانیف میں: (۱) المتشابہ فی القران (۲) کتاب مجازات آثار نبویہ (۳) کتاب نہج البلاغہ (۴) کتاب تلخیص البیان عن مجازات القرآن (۵) کتاب الخصائص (۶) سیرۃ الوالدہ طاہرہ (۷) کتاب انتخاب شعرا بن حجاج سماء الحسن من شعر الحسین (۸) کتاب اخبار قصاۃ بغداد (۹) کتاب رسائلہ (۱۰) کتاب دیوان شعرہ جو کہ بہت مشہور ہوئی۔[3]

---

[1] رجال نجاشی۔ص ۲۷۱

[2] اعیان الشیعہ از محسن امین عاملی۔ج ۸ ص ۲۱۳

[3] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۸۹۔۱۸۸

بقول عمری آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب شریف اجل رضی تھا۔ آپ نقیب نقابۃ الطالبین بغداد تھے اور کہا کہ میں نے ان کی قرآن پر تفسیر دیکھی جو ابوجعفر طبری کی تفسیر سے بھی بڑی تھی۔[1]

بقول ابن کثیر شامی کہ شریف رضی آل ابی طالب کے سب سے بڑے شاعر تھے۔

آپ صاحب ہیبت وجلالت تھے اور تنگدستی میں زندگی بسر کرتے تھے عالی ہمت اور شریف النفس تھے کسی کا صلہ یا جائزہ قبول نہ کرتے تھے۔ بنی بویہ کے بادشاہوں نے جتنی کوشش کی کہ ان کو عطیہ یا جائزہ قبول کریں مگر آپ نے قبول نہ کیا۔

آپ کی شادی سیدہ فاطمہ بنت ابی الحسن تقی سابوسی بن حسن بن یحییٰ بن حسین بن احمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذی العبرۃ بن زید شہید بن امام زین العابدین علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ کے ایک فرزند سید الشریف مرضی ابو احمد عدنان تھے جو عالی ہمت تھے اور اپنے چچا شریف مرتضیٰ کی وفات کے بعد نقابت علویہ کے متولی ہوئے سلاطین آل بویہ آپ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ ابن حجاج شاعر بغدادی نے آپ کی مداح میں بہت قصائد تحریر کئے۔

بقول ابوالحسن عمری کہ آپ منقرض ہو گئے یعنی آپ کی اولاد کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔

(۱۵۶) سادات متعلوی (سندھ)

سید علی موسوی ہراتی بن محمد بن حسین بن احمد بن حسین بن یوسف بن علی خواری بن حسن بن جعفر الخواری بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام آپ سادات موسوئ متعلوی سندھ سے جدِ امجد ہیں۔[2]

۱۳۹۸ء بمطابق ۸۰۱ ہجری میں امیر تیمور ہرات داخل ہوا تو سید میر علی ہراتی نے امیر تیمور اور اسکے ساتھیوں کی بہت خاطر تواضع کی اس کے علاوہ ایک بڑی رقم نذرانے کے طور پر پیش کی۔ امیر تیمور اس حسن سلوک سے متاثر ہوا اور سید صاحب کے دو فرزندوں میں ابوبکر اور سید حیدر کو اپنے مصاحبین میں شامل کر کے ہندوستان لے آیا۔ اِن میں ابوبکر کو سندھ کے علاقے سہون کا حاکم مقرر کیا اور میر سید علی ہراتی اور میر سید حیدر کو اپنے ساتھ رکھا۔

جبکہ ایک دوسری روائیت کے مطابق میر سید علی ہراتی اور ان کے پانچ فرزندوں کو اپنے ہمراہ ہندوستان لے آیا اور ان کو مختلف علاقوں کی نظامت دی: (۱) سید عبدالرزاق کو بھکر کی نظامت دی (۲) سید

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین از عمری ص نمبر ۳۲۱

[2] کتاب نسب نامہ ساداتان متعلوی۔ بفرمائیش سید مٹن شاہ ص ۴، کاتب حافظ محمد ہارون ٹکرائی۔ شائع سندھی ادبی بورڈ

ابوبکر کوسھون کی نظامت دی (۳) سیدعبدالواحد کو ملتان کی نظامت دی (۴) سیدعبدالباقی کو اجمیر کی نظامت دی اور پانچویں فرزند میر سید حیدر اور ان کے والد میر سیدعلی ہراتی کو اپنے مصاحبین خاص کے طور پر اپنے ساتھ رکھا۔ لیکن سید حیدر شاہ اپنے والد کی اجازت سے مستعفیٰ ہو کر سندھ کے شہر ہالہ کے نواحی گاؤں ''متعالہ'' میں رہائش پذیر ہو گئے [1]

اس علاقے میں سید حیدر نے مقامی زمیندار شاہ محمد کی بیٹی فاطمہ سے شادی کر لی چونکہ سید حیدر کی والدہ کا نام بھی فاطمہ تھا اس لئے شادی کے بعد زوجہ کا نام تبدیل کر کے سلطانہ رکھ دیا۔ میر سید حیدر تقریباً تین سال ہالہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ پھر جب اپنے والد محترم کی وفات کی خبر سنی تو ہرات چلے گئے جہاں تین چار سال رہنے کے بعد وفات پا گئے۔ جب سید حیدر شاہ ہرات روانہ ہوئے تو اُنکی زوجہ حاملہ تھیں۔ سید حیدر نے جاتے ہوئے وصیت کی تھی کہ اگر میری عدم موجودگی میں لڑکا ہوا تو اُس کا نام سید علی رکھنا اور اگر لڑکی ہوئی تو اسکا نام فاطمہ رکھنا۔ چنانچہ جب لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام میر سید علی رکھا گیا۔ یہ میر سید علی متعلوی بن میر سید حیدر بن میر سید علی ہراتی موسوی المذکور تھے اور سادات متعلوی موسوی کے جد امجد قرار پائے۔

میر سید علی متعلوی سادات موسوی کے جد امجد ہیں اس لئے اس خاندان کو سادات متعلوی بھی کہتے ہیں۔ سید علی متعلوی کے تین فرزند تھے (۱) شرف الدین (۲) سید مرتضیٰ (۳) سید احمد

ان میں سید شرف الدین بن سید علی متعلوی کی اولاد سے سید شاہ عبدالکریم بلڑی والے بن سید لعل محمد عرف اللہ ڈنو شاہ بن سید عبدالمومن شاہ بن سید ہاشم شاہ بن سید حاجی شاہ بن سید جلال المعروف جرار بن سید شرف الدین المذکور تھے۔

سید عبدالکریم ۲۰ شعبان ۹۴۴ ہجری کو پیدا ہوئے آپ مشہور صوفی شاعر اور بزرگ تھے۔

جب آپ چھوٹے تھے تو آپ کے والد محترم انتقال کر گئے اور آپ اپنے بڑے بھائی سید جلال شاہ کی کفالت میں رہے۔ آپ بچپن سے صوفی بزرگوں اور عارفوں کی قربت میں رہے آپ کو سماع کا بہت شوق تھا۔ بچپن میں سماع کی محافل میں شریک ہوا کرتے تھے آپ نے مذہبی علوم اور صوفیانہ رموز کا مطالعہ کیا۔

اپنے بھائی کی وفات کے بعد آپ نے خاندان کی نگہداشت اور ماں کی خدمت کی آپ صوفیانہ کلام میٹھی آواز میں گاتے تھے۔ آپ نے سید یوسف بکھری، مخدوم آدم سمیجو، اور مخدوم نوح کی قربت میں فیض حاصل کیا۔

حضرت مخدوم نوح کے کہنے پر ہی آپ نے بلڑی گاؤں میں رہائش اختیار کی بلڑی عورت کا نام تھا

[1] کتاب نسب نامہ سادات متعلوی۔ بقر مائیش سید مٹن شاہ، ص ۴

جس سے یہ گاؤں منسوب ہوا خود شاہ عبدالکریم بھی بلڑی گاؤں سے منسوب کئے گئے اسی لئے آپ کو بلڑی والا کیا جاتا تھا۔ آپ نے زندگی کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارا۔

آپ سندھی زبان کے اساسی صوفی شعراء میں سے تھے جنہوں نے بیت کی شاعری کو زندہ کیا آپ کے کلام میں معرفت اور وحدانیت کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ آپ کا مجموعہ کلام ''کریم جو رسالو'' سے مشہور ہے۔

آپ کی وفات ۷ ذوالقعدہ ۱۰۳۲ ہجری بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۶۲۳ میں ۸۸ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کا مزار سعید پور تحصیل شاہ عبدالکریم ضلع ٹنڈو محمد خان میں ہے۔ آپ کا مزار حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائی نے ۱۱۵۴ ہجری کو تعمیر کروایا جس کیلئے اینٹیں ملتان سے لائی گئیں۔

سید شاہ عبدالکریم بلڑی والے کی اولاد میں سات فرزند تھے: (۱) سید عبدالقدوس (۲) سید حسین (۳) سید برہان (۴) سید جمال شاہ (۵) سید لعل محمد شاہ (۶) سید دین محمد شاہ (۷) سید عبدالوحید شاہ ان میں سید جمال شاہ بن سید شاہ عبدالکریم بلڑی والوں کی اولاد سے سید عبدالقدوس شاہ بن سید جمال شاہ تھے۔

اور ان سید عبدالقدوس بن سید جمال شاہ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) سید عبدالرشید شاہ (۲) سید حبیب شاہ اور سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس شاہ کے فرزند سید شاہ عبدالطیف بھٹائی تھے۔

(۱۵۷) سید شاہ عبدالطیف بھٹائی موسوی متعلوی

سید شاہ عبدالطیف بھٹائی بن سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس شاہ بن سید جمال شاہ بن سید شاہ عبدالکریم بلڑی والے بن سید لعل محمد عرف اللہ ڈنو شاہ بن سید عبدالمومن بن سید ہاشم شاہ بن سید حاجی شاہ بن سید جلال شاہ بن سید شرف الدین بن سید علی متعلوی موسوی بن سید حیدر بن میر سید علی ہراتی موسوی بن محمد بن حسین بن احمد بن حسین بن یوسف بن علی خواری بن حسن بن جعفر خواری بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام [۱]

سید شاہ عبدالطیف بھٹائی ہالہ کے قریب ایک گاؤں بھٹے پور میں پیدا ہوئے آپ نے اپنی والد محترم سے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے جد امجد سید علی متعلوی نے دو شادیاں کیں اور آپ کے ہاں تین فرزند تولد ہوئے: (۱) سید احمد (۲) سید شرف الدین (۳) سید مرتضیٰ

سید احمد کی والدہ ترک تھیں انکی اولاد میرن پوٹرا سے مشہور ہوئی۔ سید شرف الدین کی والدہ بھی ترک

---

[۱] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب، ص ۳۸۳ - ۳۸۲

تھیں انکی اولادشرف پوٹرا خاندان مشہور ہوا شاہ عبداللطیف بھٹائی کا تعلق بھی اس خاندان سے تھا۔

ابتدائی تعلیم :

آپ کی تعلیم کے متعلق زیادہ معلومات دستیاب نہیں شاعری سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو قرآن اور حدیث پر عبور حاصل تھا۔

اسکے علاوہ سفر و سیاحت کے دوران ۔قران ۔کریم جو رسالو اور مثنوی مولانا روم ہمیشہ آپ کے ساتھ ہی ہوتی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عربی فارسی اور مقامی سندھی زبان پر عبور حاصل تھا۔

آپ کی تعلیم سے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ کو اخوند نور محمد بھٹی کے پاس پڑھنے بھیجا گیا تو استاد نے کہا پڑھو الف آپ نے الف پڑھا لیکن ''ب'' نہ پڑھا تو اخوند نور محمد بھٹی نے شاہ حبیب کو بتایا کہ یہ نہیں پڑھتے تو شاہ حبیب سمجھ گئے کہ ان کا فرزند وحدت کے رموز میں غوطہ زن ہوگا۔ سید شاہ عبداللطیف سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے ایسا کہا جاتا ہے۔ لیکن آپ اپنے والد محترم سید شاہ حبیب کے ہی بیعت تھے جو اپنے والد شاہ عبدالقدوس کے بیعت تھے آپ اکثر مزارات پر بھی جاتے تھے جن میں مخدوم نوح، مخدوم بلاول اور اپنے پڑدادا سید عبدالکریم بلڑی والے خاص تھے آپ صوفی شاہ عنائیت (جھوک) سے بھی بہت متاثر تھے صوفی شاہ عنائیت بھی سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے اور مخدوم عبدالمالک برہان پوری سے بیعت تھے۔

دشت نوردی:

کہتے ہیں کہ سید شاہ حبیب بھٹے پور سے کوٹڑی آ کر آباد ہوئے۔ یہاں مرزا مغل بیگ اور خاندان ارغوان آباد تھا۔ یہ لوگ حضرت عبداللطیف بھٹائی کے والد شاہ حبیب کے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ جب مرزا مغل بیگ کی دختر سعیدہ بی بی بیمار ہوئی تو انہوں نے شاہ حبیب کو بلایا تا کہ دم کروایا جائے لیکن شاہ حبیب گھر موجود نہیں تھے اس لئے سید شاہ عبداللطیف کو بلایا جب آپ نے لڑکی کی نبض پکڑی تو ایک شعر کہا کہ جس کا ہاتھ سید نے پکڑ لیا اُسے کسی پریشانی کی ضرورت نہیں۔ یہ بات لڑکی کے گھر والوں کو ناگوار گزری تو انہوں نے شاہ حبیب کو یہ جگہ چھوڑنے پر مجبور کیا کچھ عرصہ بعد قبیلہ دَل کے لٹیروں نے مرزا مغل پر حملہ کیا اور ان کے تمام مال اسباب کو لوٹ لیا اور مردوں کو قتل کر دیا۔ مرزا کی تمام مستورات شاہ عبداللطیف کے پاس احساس ندامت کیلئے حاضر ہوئیں اسکے بعد شاہ عبداللطیف کا سعیدہ بی بی سے نکاح کر دیا۔ جب شاہ عبداللطیف کو سعیدہ کے گھر سے روانہ کیا گیا اور دوبارہ ملنے تک سرکار کا زیادہ عرصہ دشت نوردی میں گزارا آپ نے تقریباً تمام سندھ کا سفر کیا۔ جوگیوں، سنیاسیوں اور صوفیوں کے ساتھ محافل میں شرکت کی دور دراز کے علاقوں میں جا کر مجاہدے کئے اور

جب گھر واپس آئے تو مرزا مغل کے اہل خانہ آپکے پاس قیام کی غرض سے آئے اور آپ کا نکاح ہوا مگر آپ کی بیوی جلد اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ آپ اپنے گھر کے قریب ریت کے ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے چونکہ سندھی میں ٹیلے کو بھٹ کہتے ہیں اس لئے آپ بھٹائی کے نام سے مشہور ہوگئے۔

۱۷۵۲ء میں آپ کا انتقال ہوا آپ کی کتاب شاہ جو رسالو کو جو مقام سندھی ادب میں حاصل ہوا وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہوا آپ کا مزار کلہوڑہ خاندان کے حکمران غلام شاہ کلہوڑہ نے بنوایا۔

جس وقت آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ برس تھی۔ آپ کا عرس ہر سال ۱۴ صفر کو منایا جاتا ہے آپ کی اولاد کا سلسلہ آگے نہیں چلا۔

(۱۵۸) سادات لکیاری سندھ

لکعلوی سادات کا ایک مشہور قصبہ ہے یہاں کا پہاڑ سندھ کا نہایت اہم درہ ہے۔

بقول میر علی قانع ٹھٹھوی کہ سید علی بن عباس موسوی سب سے پہلے سید ہیں جو آ کر یہاں آباد ہوئے وہ سید علی بن عباس بن سید حسین بن ارشد بن سید زید بن سید جعفر بن سید عمران بن سید ہارون بن سید عبداللہ اشرف بن قاسم بن عبیداللہ بن امام موسیٰ کاظم تھے۔لیکن سادات لکیاری کے کچھ مشجرات میں سید عبیداللہ بن قاسم بن عبیداللہ بن امام موسیٰ کاظمؑ بھی ہے۔

کہتے ہیں کہ سید مذکور کی آمد سے کچھ پہلے دلورائے کے ظلم کی وجہ سے جیسا کہ ذکر ہوا ہے اروڑ اور بھانبرا (برہمن آباد) کے شہر ویران اور برباد ہو چکے تھے دلورائے اپنے بھائی ''چھٹو'' بن آمر کی ہدایت پر افعال بد سے تائب ہو کر پشیمانی کے ساتھ آ کر سید علی بن عباس موسوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیٹی کو سید کے عقد میں دیا جس کی بطن سے چار فرزند تولد ہوئے: (۱) سید محمد (۲) سید مرادیہ (۳) سید حاجی (۴) سید چنگو المعروف حسن شاہ پیدا ہوئے اور انکے چار قبیلے بن گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ دلورائے کا بھائی چھٹو بن آمر فریاد لے کر خلیفہ بغداد کے پاس گیا تھا اور سید علی بن عباس موسوی کو لے کر سامرہ کے سو عرب باشندوں سمیت سندھ آیا تھا۔ سومرو خاندان کے بزرگ یہی عرب کہے جاتے ہیں۔[1]

اور ایک اور قول کے مطابق سید علی مکی چوتھی صدی ہجری میں اکابر اولیاء اور مشائخ کے ہمراہ سامرہ

---

[1] تحفۃ الکرام از میر علی شیر قانع ٹھٹھوی مترجم اختر رضوی ص ۴۴۶ شائع سندھی ادبی بورڈ

سے ہجرت کر کے سندھ تشریف لائے اور پرگنہ سیوستان ضلع دادو میں بھگے توڑے پہاڑ کے دامن میں ایک دریا کے کنارے رہائش پذیر ہوئے جو آگے چل کر آپ کے نام سے لک علوی مشہور ہو گیا۔[1]

اس خاندان کو سندھ میں سادات لکیاری کہا جاتا ہے۔ اس خاندان میں بہت جلیل القدر سادات اولیاء اور مشائخ پیدا ہوئے۔

آپ کی اولاد سے سید محمد بقاء شاہ لکیاری بن امام علی شاہ بن فتح محمد شاہ بن شکر اللہ شاہ بن سید عثمان شاہ بن سید خدابخش موسوی بن سنجر شاہ بن یوسف شاہ بن حسین شاہ بن میر علی شاہ بن ناصر الدین شاہ بن عباس شاہ بن سید فضل الدین شاہ بن سید عباس شہاب الدین بن سید بہاء الدین شاہ بن سید محمود شاہ بن سید محمد شاہ بن سید حسین شاہ بن سید حسن شاہ المعروف سید چنگو بن سید علی مکی الموسوی المذکور تھے۔

آپ کی ولادت ۱۱۳۵ ہجری کو ہوئی تحصیل علم کے بعد آپ تبلیغ کی طرف متوجہ ہوئے آپ کا اصل گاؤں رسول پور تھا جس کو عرف میں چھوٹی سائیدی خیر پور کہتے ہیں لیکن بعد میں آپ فرید آباد گوٹھ رحیم ڈنو کلہوڑو واقع فرید آباد ضلع خیر پور میں آ گئے آپ قادری سلسلہ طریقت میں پیر عبدالقادر جیلانی ساکن کوٹ سدھانہ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کو کتابوں کا بے حد شوق تھا۔ آپ کتابوں کی گٹھڑیاں اپنے ساتھ رکھتے تھے ایک دفعہ ایک سفر میں ڈاکوؤں نے ان کتابوں کو مال سمجھ کر لوٹ لیا۔ اور آپ اس حملے میں شہید ہو گئے آپ کی شہادت کا واقعہ ۱۱۹۸ ہجری کا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ برس تھیں آپ کی قبر شیخ طیب قبرستان ریاست خیر پور میں ہے۔[2]

آپ کی اولاد میں چار فرزند مشہور ہیں:

(۱) سید مرتضی علی (۲) سید راشد علی شاہ لکیاری (۳) سید محمد سلیم (۴) سید عبدالرسول ان میں سید راشد علی شاہ لکیاری ایک بہت بلند پایہ بزرگ اور صوفی تھے آپ کے عقیدت مند پورے سندھ میں موجود ہیں آپ کی اولاد راشدی سادات کہلاتی ہے اس خاندان میں بہت سی بلند پایہ ہستیاں گزری ہیں جن میں پیر علی محمد راشدی اور سید حسام الدین راشدی بہت مشہور ہوئے۔

سید حسام الدین راشدی عالمی شہرت یافتہ، محقق، تاریخ دان اور فارسی ادبیات کے عالم اور سندھ کی نامور شخصیت تھے۔ آپکی ادبی خدمات کے صلے میں حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز سے نوازا اور سندھ

---

[1] تذکرہ صوفیائے سندھ از اعجاز قدوسی بحوالہ تذکرہ پیران پارگارہ

[2] تذکرہ صوفیائے سندھ۔ از اعجاز قدوسی۔ ص ۲۶۳ اُردو اکیڈمی کراچی

یونیورسٹی نے آپ کو اعزازی پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا۔

(۱۵۹) حمزہ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

آپ ایک فاضل عالم اور دانشمند تھے بعض روایات کے مطابق مامون کے قریبی افراد نے انہیں قتل کروایا۔ منتخب التواریخ کے مؤلف کے مطابق تو آپ کی والدہ ام احمد تھیں اس قول کی بنیاد پر احمد بن امام موسیٰ کاظمؑ آپ کے بھائی ہیں اور ایک دوسرے قول کے مطابق آپکی والدہ ام الولد تھیں۔[۱]

آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ چوتھی صدی کے ایک دانشمند صاحب بن عباد کی طرف ایک رسالہ منسوب ہے جو انہوں نے شاہ عبدالعظیم کے سلسلہ میں تالیف کیا۔ اس میں انہوں نے آپ کی قبر رے میں ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۲]

ضامن بن شدقم تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ایک ایسے فاضل اور دانشمند تھے جو دین کا تحفظ کرتے تھے جلیل القدر اور عالی رتبہ تھے عوام کے مختلف طبقات میں غیر معمولی اور خاص محبوبیت اور مقبولیت کے حامل تھے۔[۳]

شیخ عباس محدث قمی آپ کی شان میں فرماتے ہیں:

> ''یقیناً حمزہ بن موسیٰ کاظم ایک جلیل القدر سید تھے اور جناب شاہ عبدالعظیم حسنی کے جوار میں ایک قبر موجود ہے جس پر شاندار قُبہ موجود ہے وہ آپ کی طرف منسوب ہے اور مؤمنین اسکی زیارت کو جاتے ہیں۔''

نجاشی کی روایت میں ذکر ہوا ہے کہ جس وقت حضرت شاہ عبدالعظیم حسنی شہر رے میں عباسیوں اور ان کے کارندوں کی نظروں سے بچ کر خفیہ طور پر زندگی گزار رہے تھے۔ دن میں آپ روزہ رکھتے تھے اور شب میں نماز میں مشغول رہتے تھے اور خفیہ طور پر باہر نکلتے تھے اور ایک قبر کی زیارت کو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ قبر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں ایک فرزند کی ہے۔[۴]

سید محسن امین عاملی اپنی کتاب اعیان الشیعہ میں تحریر کرتے ہیں کہ بحارالانوار سے نقل ہے کہ حمزہ بن امام موسیٰ کاظم اپنے بھائی امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت کیلئے خراسان کی طرف سفر کر رہے تھے۔ آپ ہمیشہ امام

---

[۱] الاصول فی ذریہ بضعۃ البتول از انس بن یعقوب الکلبی، ص ۱۱۲
[۲] مستدرک الوسائل۔ از محدث نوری ج ۱۳ ص ۶۱۳۔ ۶۱۲
[۳] تحفہ الازھار۔ از ضامن بن شدقم۔ ج دوم ص ۳۲۲
[۴] احسن المقال ترجمہ منتھیٰ الآمال۔ از شیخ عباس قمی۔ ج ۳ ص ۱۵۴

کی خدمت میں منہمک رہتے تھے۔ اور امام کے ضروری امور کو انجام دینے کی سعی کرتے تھے جب آپ سوسمر نامی مقام پر پہنچے تو مامون کے کارندوں نے آپ پر حملہ کر دیا اور اس حملے میں آپ شہید ہو گئے آپ کے بھائی امام علی رضاؑ نے آپ کو ایک باغ میں دفن کیا۔[1]

اولاد حمزہ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام:

بقول ابو الحسن عمری آپ کی آٹھ دختران اور تین پسران تھے (۱) علی جو کہ درج تھے اور انکی قبر باب اصطخر شیراز میں ہے (۲) حمزہ جنکی وفات خراسان میں ہوئی اور ان کی قلیل اعقاب بلخ میں ہے۔ (۳) قاسم جن کی اولاد تھی اور ان کو قاسم اعرابی بھی کہتے ہیں ان کی والدہ ام الولد تھیں۔[2]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی کہ آپ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) حمزہ (۲) قاسم۔[3]

(۱۶۰) ساداتِ کنتوری موسوی ہندوستان

اس خاندان عالی بلند درجات کی جدِ امجد سید شرف الدین ابو طالب بن محمد مہدی بن حمزہ بن علی بن ابی محمد بن جعفر بن مہدی بن علی بن ابو طالب بن ابو اسحاق علی بن حمزہ بن حمزہ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔[4]

سید شرف الدین ابو طالب نے کنتور میں آباد ہونے کے بعد عبادت و زہد کو اختیار کیا آپ کے فرزند سید عز الدین محمد اور انکے فرزند سید ابی مظفر شہاب الدین حسین کی پیدائش ہوئی اور انکی پیدائش کے بعد یہ خاندان کنتوری کہلانے لگا۔[5]

آپ کی اولاد سے سید محمد قلی بن سید محمد حسین المعروف کرم اللہ بن سید حامد حسین بن زین العابدین بن سید محمد المعروف سید البولاقی بن سید محمد مدا بن سید حسین بن حسین بن جعفر بن علی بن کبیر الدین بن شمس الدین بن جمال الدین بن حسین بن سید ابی مظفر شہاب الدین حسین المذکور تھے آپ برصغیر کے نامور عالم اور متکلم تھے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ آپ ۱۱۸۸ ہجری کو لکھنؤ کے مضافاتی قصبہ کنتور میں پیدا ہوئے یہ قصبہ بارہ بنکی ضلع سے تعلق رکھتا ہے۔

---

[1] اعیان الشیعہ، از سید محسن امین عاملی، ج ششم ص ۲۵۱، نشر دار التعارف، بیروت
[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۳۱۰
[3] عمدہ الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۲۰۸
[4] المعقبون من آل ابی طالب۔ از مہدی رجائی۔ ج سوئم۔ ص ۳۷۷
[5] تذکرہ ناصر الملت از مرزا احمد حسن کاظمینی ص ۵ نظامی پریس لکھنؤ

آپکی اولاد میں تین فرزند تھے: (۱) سید اعجاز حسین (۲) سید سراج حسین اور (۳) سید حامد حسین موسوی تھے۔ ان میں سید حامد حسین موسوی بہت عالم فاضل اور متکلم تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۰۶ ہجری کو لکھنؤ میں ہوئی۔

(۱۶۱) سید شمس الدین عراقی

آپ سلطان المشائخ صفی الدین اردبیلی کی اولاد میں سے تھے آپ موضع کند قصبہ سولغان میں پیدا ہوئے آپ کے والد صفوی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سید صفی الدین اردبیلی کو صاحب صفوات الصفاء نے کُرد النسل تحریر کیا مگر سید ضامن بن شدقم، سید احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی نسابہ اور سید مہدی رجائی نے صفی الدین اردبیلی کی سیادت کی تصدیق کی ہے۔

شمس الدین عراقی کی والدہ کا تعلق قزوین کی سادات سے تھا۔ میر عراقی ۸۸۸ ہجری میں مرزا سلطان حسین والئی خراسان کی خاطر بعض جڑی بوٹیوں اور دوائیوں کے حصول کے لئے کشمیر آ گئے جبکہ میر عراقی کی معتبر سوانح حیات تحفہ الاحباب میں تحریر ہے کہ شاہ قاسم فیض بخش ہرات میں سلطان حسین مرزا کا علاج کرنے میں مصروف تھے اور انہوں نے سلطان کو ایسی جڑی بوٹیاں لانے کیلئے کہا جو کشمیر اور تبت کے علاوہ کہیں نہیں دستیاب نہیں تھیں۔ سلطان نے شاہ قاسم کو کہا کہ میر عراقی سے بہتر اور کوئی شخص اس کام کے لئے نہیں ہے۔ آپ کشمیر آئے تو سلطان کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے کھل کر تبلیغ نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے خفیہ طور پر تبلیغ شروع کر دی اور بابا علی نجار نے آپ کی دعوت قبول کر لی۔

تاریخی منابع کے مطابق آپ سید محمد نور بخش کوہستانی موسوی کے مرید ہوئے اور وہ خواجہ اسحاق ختلانی کے مرید تھے اور وہ میر سید علی ہمدانی کے مرید تھے مذہب اہل بیت کی تبلیغ کے دوران آپ کی مخالفت شروع ہوئی تو آپ خراسان واپس آ گئے۔

دوبارہ آپ مشہد سے ہمراہ اہل و عیال قندھار اور پھر ملتان تشریف لائے اور نمک کے پہاڑ کی طرف کوچ کیا اور سردی کا موسم یہاں گزار کر پونچھ بارہ مولہ کے راستہ ۹۰۲ ہجری کو فتح شاہ کے دور حکومت میں کشمیر وارد ہوئے کشمیری میں سری نگر ساکن ہونے کے بعد میں عراقی نے ملک موسیٰ رینہ اور کاجی چک کو مسلک اہل بیت کی دعوت دی ان دونوں نے قبول کر لیا اور آپ نے خانقاہ ہمدانیہ کی طرف توجہ دی اور اسکو از سر نو تعمیر کیا۔ آپ نے موسم بہار میں ۹۰۲ ہجری کو ہی خانقاہ نور بخشیہ کی بنیاد ڈالی ابتدائی کامیابیوں کے باوجود آگے چل کر آپکو پے در پے مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا سلطان محمد شاہ کے وزیر اعظم سید محمد بہقی اور چند دیگر مُلا ان کی مخالفت میں سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے میر عراقی کو ہر طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیا اور ان کے مریدوں کو پریشان

کرنا شروع کر دیا۔آپ خانقاہ نور بخشیہ کی تعمیر ادھوری چھوڑ کر ۹۰۷ ہجری کو بلتستان ہجرت کر آئے۔اور یہاں بدھ راجاؤں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ دو ماہ بعد جب سید محمد بیہقی قتل ہو گئے اور زمام حکومت ملک موسیٰ رینہ کے ہاتھ میں آئی تو اس نے میر عراقی کو واپس آنے کی دعوت دی۔اور آپ نے خانقاہ نور بخشیہ کی تعمیر مکمل کی۔ ملک موسیٰ رینہ آپ کا ہر طرح سے معاون ثابت ہوا۔ میر عراقی نے مذہب اہل بیت دور دراز علاقوں میں پھیلایا کشمیر کی تواریخ میں میر عراقی کی شہادت کا کہیں کوئی ذکر موجود نہیں مگر سید حسن معرکہ دار نے اپنی بیاض اور علامہ سید مہدی موسوی نے مضارب المشکلیں میں ان کی شہادت کا تذکرہ کیا ہے۔

سید محسن کشمیری کی تحقیق کے مطابق میر عراقی کی شہادت کا مفصل ذکر سب سے پہلے کحل الجواہر میں کیا گیا۔ کیونکہ یہ کتاب تحریر کرتے وقت میر سید دانیال کے پوتے سید حسن رہنماء کی کتاب المقامات ان کے زیر نظر رہی ہے۔موصوف تحریر کرتے ہیں کہ قبیلہ ماگریاں میں سے ایک گروہ نے علی رینہ کی سرگردگی میں جڈ بیل کی خانقاہ نور بخشیہ پر شب خون مارا اور بوقت سحر یکم ربیع الاوّل ۹۳۲ کو جب میر عراقی دیگر علماء کے ساتھ تہجد میں مشغول تھے تو انہیں تیس ساتھیوں سمیت شہید کر دیا۔

جب مرزا حیدر کاشغری نے شیعوں کو غارت کیا تو اس نے ۹۵۴ ہجری کو خانقاہ نور بخشیہ اور میر عراقی کے مقبرہ کو منہدم کر دیا۔تو آپ کے عقدت مندوں میں سے ملکان چاڈورہ اور بعض دیگر افراد کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں میر عراقی کی نعش کے ساتھ کوئی بے حرمتی نہ ہونے پائے اس لئے انہوں نے آپ کی نعش ایک سرنگ سے برآمد کر کے چاڈورہ میں منتقل کر دی۔آج آپ کے مزار اسی جگہ ہے۔[1]

(۱۶۲) اسحاق بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

بقول شیخ ابوالحسن عمری آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور آپ کو امین کہا جاتا تھا آپکی اولاد بصرہ، بغداد، مکہ، حلب، ارجان اور رملہ میں گئی۔[2]

جبکہ بعض دیگر کے بقول آپ کی والدہ آپکے بھائی احمد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ہی والدہ یعنی ام احمد تھیں۔لیکن آپ کی تاریخ پیدائش کی درست معلومات دستیاب نہیں۔

آپ کی تربیت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زیر سایہ ہوئی اور جب امام کاظم علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو آپ

---

[1] تحفہ الاحباب۔ص ۲۴۹۔۲۴۶، کشمیر سلاطین کے عہد میں،ص ۴۴۱۔۴۴۳، تاریخ حسن، ج ۲ ص ۲۲۰، کحل جواہر ص ۷، دانشنامہ شیعیان کشمیر از سید محسن کشمیری ص ۱۰۲۔۹۸

[2] المجدی فی انساب الطالبین۔ازعمری۔ص ۳۱۲

امام رضاؑ کے ہمراہ رہے۔

محدث عباس قمی کے بقول آپ کی وفات مدینہ میں ہوئی اور آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

لیکن کچھ مصادر آپ کے امام علیہ السلام رضا کے ہمراہ مرو جانے کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

مرو کی جانب سفر:

کچھ تاریخی مصادر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب امام رضاؑ نے ''مرو'' کا سفر اختیار کیا تو اسحاق انکے ہمراہ تھے۔

جب مامون نے زبردستی امام رضا علیہ السلام کو ولی عہد نامزد کر دیا تو اسکے لئے اس نے علویوں اور عباسیوں کی رشتہ داری قائم کرنا لازمی سمجھی چنانچہ اس نے اپنی دختر ام حبیبہ کی شادی امام علی رضا علیہ السلام سے کروا دی اور اسحاق بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ دختر اسحاق بن جعفر عباسی بن منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے شادی کریں۔[1]

امیر الحج مقرر ہونا:

مامون امام علی رضا علیہ السلام کو اپنی طرف سے امیر الحج مقرر کرنا چاہتا تھا لیکن امام رضا علیہ السلام نے ولی عہدی قبول کرتے وقت یہ شرط عائد کی تھی کہ کسی بھی سرکاری معاملے میں دخل نہیں دیں گے تو مامون نے کہا پھر آپ کا کوئی قریبی اس عہدے کو قبول کر لے تو مامون نے اسحاق بن امام کاظم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ امیر الحج منتخب ہو جائیں۔[2]

بی بی معصومہ کے ہمراہ سفر کرنا:

اسحاق بن امام کاظم علیہ السلام کا امام علی رضا علیہ السلام کے ہمراہ خراسان یعنی مرو جانا بالکل درست ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ امیر الحج بن کر خراسان سے واپس حجاز تشریف لائے۔ اور کچھ محققین کی نظر میں آپ سیدہ معصومہ کے ہمراہ وارد خراسان ہوئے۔

میرے خیال میں جب آپ امیر الحج بن کر خراسان سے حجاز تشریف لے گئے تو آپ کے خاندان کے افراد لازماً آپ کے پاس امام رضا علیہ السلام کی خیریت دریافت کرنے آئے ہونگے اور ہمراہ جانے کی خواہش

---

[1] تکملہ الوسائل از حُر عاملی ص ۳۵۷۔ ۳۱۰ ارشاد از شیخ مفید ج ۲ ص ۲۵۴ طبع تہران

[2] مقاتل الطالبین از ابوالفرج اصفہانی ص ۴۵۶

ظاہر کی ہو گی یوں آپ سیدہ فاطمہ معصومہ کے ہمراہ دوبارہ وارد خراسان ہوئے اور اس کاروان میں آپکے خاندان کے یگر ۲۲ افراد بھی تھے۔[۱]

چونکہ مامون امام علی رضا علیہ السلام کو پہلے ہی زہر دے چکا تھا اس لئے اب وہ کاروان جو حجاز سے امام علی رضا علیہ السلام کی طرف ان کے رشتہ داروں کا بڑھ رہا تھا اس کو راستے میں ہی ختم کرنا ضروری سمجھتا تھا اور ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ کتاب نزھۃ القلوب میں حمد اللہ مستوفی نے اپنے سفر نامے میں ساوہ میں موجود روضہ اقدس اسحاق بن موسیٰ بن جعفر کا تذکرہ کیا ہے یہ مزار سلجوقیوں اور صفویوں کے عہد کے معماری نمونوں میں سے ایک ہے۔[۲]

اسکے علاوہ کچھ دیگر جگہوں پر بھی آپ سے منسوب مزارات ہیں۔ گرگان میں ایک مزار اسحاق بن موسیٰ بن جعفر کا موجود ہے جو ''مشہدِ نور'' سے مشہور ہے یہ سلجوقی دور کی تعمیر معلوم ہوتی ہے یہ مزار گرگان شہر کے مرکز میں ہے۔ جو کہ سر چشمہ کی گندر کے قریب ''محلہ سبزہ مشہد'' میں واقع ہے۔ ایک مزار اسحاق بن موسی بن جعفر علیہ السلام گیلان کے علاقے شفت میں ہے یہ ایک نقرائی رنگ کا گنبد ہے اور امام زادہ اسحاق بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور انکی ہمشیرہ خیر النساء سے منسوب ہے۔ واللہ اعلم

اولاد اسحاق بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام:

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ اسحاق الامیر بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد چار پسران سے باقی رہی: (۱) عباس (۲) محمد (۳) حسین (۴) علی جبکہ بقول ابن طبا طبا کہ (۵) قاسم اور (۶) موسیٰ سے بھی جاری ہوئی۔ اور ابوالحسن عمری نے آپ کی اولاد میں علی، حسین اور رقیہ کا ذکر ہی کیا۔

بقول عمری آپ رقیہ بنت اسحاق بن موسیٰ کاظم علیہ السلام تھیں جن کی عمر بہت طویل تھی اور انہوں نے ۳۱۶ ہجری میں وفات پائی اور بغداد میں دفن ہوئیں۔

اوّل عباس بن اسحاق الامیر کی اولاد ابو طالب محمد بن علی المعدل بن اسحاق مہلوس بن عباس بن اسحاق المذکور تھے آپ کی اولاد بنومہلوس کہلائی۔ بقول امام فخر الدین رازی کہ بنومہلوس آذر بائیجان میں ہے۔[۳]

دوئم حسین بن اسحاق الامیر کی اولاد مرو اور نیشا پور میں گئی تھی۔ آپ کی اولاد سے ابوجعفر محمد صورانی

---

[۱] حیات السیاسیہ امام رضاؑ از جعفر مرتضی عاملی ص ۴۲۸

[۲] نزھۃ القلوب۔ از حمد اللہ مستوفی۔ ص ۶۳

[۳] شجرۃ المبارکہ از امام فخر الدین رازی ص ۹۵

بن حسن بن حسین المذکور تھے جن کا مزار شیراز میں باب اصطخر میں واقعہ ہے بقول ابن عنبہ اور عمری انکی اولاد سے بنو وارث تھی جو جعفر الوارث بن ابو جعفر محمد صورانی کی اولاد سے تھی جبکہ بقول عمری حسین بن اسحاق کی اولاد بصرہ مدینہ اور اہواز میں منتشر ہوگئی۔

سوئم علی بن اسحاق الامیر کی اولاد سے حلب میں لوگ تھے جو منقرض ہوئے۔ جبکہ بقول ابن طباطبا مکہ میں ابوحسن مفلوج محمد بن علی بن محمد بن علی بن اسحاق المذکور تھے اور یہ حضرت بصرہ میں حیدر کے نام سے معروف تھے۔

چہارم محمد بن اسحاق الامیر کی اولاد سے پاکستان کے خطہ پوٹھوار اور کشمیر میں سادات کاظمی مشہدی ہیں جو کثیر تعداد میں آباد ہیں۔

(۱۶۳) سادات کاظمی المشہدی، خطہ پوٹھوہار و کشمیر

بقول امام فخر الدین رازی کہ محمد بن اسحاق بن امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے صرف ایک فرزند تھا جس کا نام ابو القاسم عبداللہ تھا اور یہ شخص بلخ میں داخل ہوا اور اسکی اولاد وہیں پر آباد ہوئی۔ انکی اولاد میں ایک فرزند محمد تھا اور محمد کا ایک فرزند موسیٰ ابوالحسن تھا جسکی اولاد بلخ میں منتشر ہوگئی۔[1]

سید موسیٰ ابوالحسن بن محمد بن ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن اسحاق بن امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے سادات کاظمیہ کے قدیمی ریکارڈ دستاویزات مشجرات اور وثائق کے مطابق سلطان ابوالقاسم حسین المشہدی بن علی امیر بن عبدالرحمان رئیس الزمان بن اسحاق ثانی بن موسیٰ ابوالحسن المذکور تھے۔

بلاشبہ آپ سادات کاظمیہ مشہدیہ کے جد الجامع ہیں۔

بقول ناصر الدین بن جلال علم گنج بغدادی کہ ابوالقاسم حسین مشہدی اپنے سات پسران کے ہمراہ وارد سندھ ہوئے اور میر پور کے علاقے میر ہسترؔ یاں کے مقام پر فروکش ہوئے ان کے پسران میں: (۱) سید احمد سابق (۲) سید غیاث الدین (۳) سید عیسیٰ (۴) سید فخر الدین (۵) سید حسن خراسانی (۶) ابراہیم (۷) سید قلیجو۔[2]

جبکہ سفینہ اولیاء ناصر الدین بن علم گنج بغدادی کے بعض دوسرے قلمی نسخوں میں ایسا ذکر موجود نہیں ہے۔

---

[1] شجرہ المبارکہ۔ از فخر الدین رازی۔ ص ۹۵

[2] سفینۃ الاولیاء از ناصر الدین بن علم گنج بغدادی حدود قبل دہم ہجری قلمی نسخہ مملوکہ سید ابوزہرا فدا حسین موسوی مظفر آبادی

بعض دوسری روایات کے مطابق سید ابو القاسم حسین المشہدی کے ہمراہ انکے چار فرزند وارد سندھ ہوئے: (۱) سید محمد احمد سابق (۲) سید عیسیٰ (۳) سید غیاث الدین (۴) سید فخر الدین

لیکن اوّل روایت زیادہ درست لگتی ہے کیونکہ ابو القاسم حسین مشہدی کے چار پسران سے منسوب اولاد آج موجود ہے جس میں (۱) سید احمد سابق (۲) سید غیاث الدین (۳) سید عیسیٰ (۴) سید حسن خراسانی۔

ان حضرات میں سب سے زیادہ اولاد سید محمد احمد سابق کی ہے۔ سادات مشہدی کے مشہور قبائل میں فیروزیال، صغیروال، زینیال، قاضیال، حسینال، عیسیال، غیاثیال اور خراسانیال ہیں۔

نسب نامہ شریف میں سید ابو القاسم حسین المشہدی کی ولادت ۱۹ صفر المظفر ۴۱۱ ہجری تحریر ہے سفینۃ الاولیاء میں تحریر ہے کہ ابو القاسم صاحب الروایت علم والحلم بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کے سات فرزند: (۱) سید محمد احمد (۲) سید غیاث الدین (۳) سید عیسیٰ (۴) سید حسن خراسانی (۵) سید فخر الدین (۶) سید ابراہیم (۷) سید قلیجو تھے جبکہ باقی نسخوں میں قلیجو کی جگہ مسکین تحریر ہے۔ سادات کاظمیہ مشہد یہ درج ذیل قبائل میں تقسیم ہے۔

اوّل فیروزیال:

سید فیروز علی شاہ بن سید شاہ محمود بن سید جلال الدین بن سید امیر الدین بن سید داؤد بن سید شاہ نصر اللہ بن سید محمد غوث بن سید محمد حسین بن سید داستان بن سید عبدالوہاب بن سید رضا الدین بن سید صدر الدین بن سید محمد احمد سابق بن ابو القاسم حسین المشہدی المذکور صاحب نسب نامہ شریف نے سید فیروز علی شاہ کے چار فرزند تحریر کیئے ہیں: (۱) سید کریم داد (۲) سید اللہ داد (۳) سید رحیم داد (۴) سید خدا داد اور بعض جگہ پانچواں فرزند ولی داد بھی تحریر ہے۔ سید فیروز علی شاہ کا مزار بھبھر ضلع چکوال میں ہے۔آپ کی اولاد فیروزیال مشہدی کہلاتی ہے۔

دوم صغیروال مشہدی:

یہ سادات سید شاہ صغیر مشہدی کی اولاد سے ہے سید شاہ صغیر مشہدی سید فیروز علی شاہ کے بھائی تھے آپ کا دہلی جانے کا ذکر ملتا ہے کہ آپ نے کشفِ حقیقت کیلیئے سفر کیئے اور واپسی پھر مٹھہ ٹوانہ نامی علاقے میں قیام فرمایا اور ماہلا سنگھ کو مسلمان کیا اور بہت سے علاقوں میں سفر کرتے آخر میں جھنگ تشریف لائے اور علاقہ ماڑی میں ٹھہرے اُس وقت اس علاقے پر سیال حکومت کی طرف سے فتح محمد بالی نام کا شخص براحمان تھا۔ اس کی نسبت سے اس علاقے کو فتح محمد ماڑی کہا جانے لگا اور جب آپ کے قیام سے اُسے خوشی محسوس نہ ہوئی تو

جنگ کرنے لگا آخر آپ کی کرامت سے تائب ہوا اسکی بیٹی آپ کے عقد میں آئی جس سے آپ کے پانچ فرزند تولد ہوئے (۱) سید محمد شاہ (۲) محمود شاہ (۳) حمید شاہ (۴) احمد شاہ (۵) علی اکبر شاہ

لیکن آپ کی اولاد صرف سید محمد شاہ سے جاری ہوئی۔ آپ کی نسبت سے آج یہ علاقہ ماڑی شاہ صغیرا مشہور ہے۔

آپ کی اولاد سے بہت سے اولیاء اور صوفیاء گزرے ہیں جن میں سید شاہ حسین سنہری، پیر عنائیت شاہ مزار شاہ عنائیت گڑھ مہاراجہ پیر شاہ حبیب المعروف شاہ حبیباں دا۔ شاہ حسین لٹھا۔ پیر شاہ غریب۔ سید جہانیاں سید امیر حیدر مشہدی۔ پیر غوث محمد ماہنی تھل بھکر وغیرہ مشہور ہیں۔

سوم قاضیال مشہدی:

سید کریم الدین قاضی بن سید شاہ عبدالخالق بن سید عبدالکریم بن سید وجیہ الدین بن سید محمد ولی الدین بن سید شاہ محمد ثانی الغازی بن سید رضا الدین بن سید صدر الدین بن سید احمد سابق بن ابو القاسم حسین المشہد ی المذکور یہ خاندان قاضیال مشہدی مشہور ہے۔ سید کریم الدین قاضی المشہد ی بہت بلند پایہ عالم فاضل تھے اور آپ پوٹھوہار میں عہدہ قضاوت پر فائز رہے جس کی وجہ سے آپ کی اولاد قاضیال مشہور ہوئی۔ آپ کی اولاد میں دو پسران تھے: (۱) سید برہان الدین (۲) سید بدرالدین المعروف سید بڑھا دونوں حضرات صاحب اولاد ہوئے۔

ان میں سید برہان الدین بن سید کریم الدین قاضی کی اولاد سے غوث زماں سید شاہ محمود بن سید رکن الدین بن سید بدرالدین بن سید برہان الدین المذکور تھے آپ نے علاقہ جھنگی سیداں اسلام آباد میں سکونت اختیار کی آپ کی اولاد میں پانچ پسران تھے: (۱) سید عبدالمالک حقانی مزار بھاروکوٹ (۲) سید عبدالرحمان مزار چھجکہ ہری پور (۳) سید شاہ بلاول (۴) سید عبدالحکیم مزار کانڈل (۵) سید تاج محمد جو سوات گئے اور پھر ان کی کوئی خبر نہیں آئی سید تاج محمد لاولد تھے جبکہ باقی چار حضرات کی اولاد سادات قاضیال مشہدی کثیر تعداد میں ہری پور ہزارہ اور جھنگی سیداں میں آباد ہے۔

چہارم حسینیال مشہدی:

یہ خاندان سید شاہ حسین بن سید آدم بن سید شاہ علی شیر بن سید عبدالکریم بن سید وجیہ الدین بن سید ولی الدین بن سید شاہ محمد ثانی الغازی بن سید رضا الدین بن سید صدر الدین بن سید محمد احمد سابق بن سید ابو القاسم حسین المشہد ی المذکور کی اولاد ہیں سید شاہ حسین کا مزار موضع کرسال چکوال میں ہے آپ کی اولاد دو پسران (۱) سید شاہ عبدالغنی (۲) سید محمد کریم شاہ سے جاری ہوئی۔

اس میں سید عبدالغنی بن سید شاہ حسین مشہدی کی اولاد سے تین پسران تھے (۱) سید شاہ الیاس (۲) سید شاہ عباس (۳) سید شاہ عبدالغالب ان حضرات میں سید شاہ عباس بن سید عبدالغنی کی اولاد سے سید عبدالطیف بری امام بن سید شاہ محمود بن سید حامد بن سید بودلہ بن سید شاہ سکندر بن سید شاہ عباس المذکور تھے آپ سادات کاظمیہ مشہدیہ میں سے سب سے بلند مرتبہ بزرگ شمار کیئے جاتے ہیں۔

پنجم زینیال مشہدی:

سید زین العابدین مشہدی بن سید نصیر الدین مشہدی بن سید شاہ علی شیر بن سید عبدالکریم بن سید وجیہ الدین بن سید محمد ولی الدین بن سید شاہ محمد ثانی الغازی بن سید رضا الدین بن سید صدر الدین بن سید محمد احمد سابق بن سید ابو القاسم حسین المشہدی المذکور آپ بہت بلند مرتبہ عالم فاضل اور صاحب کرامت بزرگ ہیں آپ نے اپنی زندگی میں سری نگر میں بھی ہجرت کی اور مذہب حقہ کی تبلیغ کی لیکن دشمنان اہل بیت نے آپ کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور آپ سری نگر سے پوٹھوہار وارد ہوئے۔ آپ کی شادی آپ کے عقیدت مند اوڈھر کھوٹ کی دختر سے ہوئی جو عوام میں آج دادی چنگی کے نام سے معروف ہیں۔ اوڈھر کھوٹ پوٹھوہار میں کھوٹ خاندان کا سردار تھا، ان لوگوں نے عزاداری کے فروغ میں آپ کی بھرپور مدد کی۔

سید زین العابدین مشہدی کی اولاد پانچ پسران: (۱) سید باقر شاہ (۲) سید احمد (۳) سید حمید (۴) سید محمد شاہ (۵) سید محمود شاہ سے جاری ہوئی۔

ان میں سید باقر شاہ بن شاہ زین العابدین کی اولاد سے سید بلال المعروف شاہ سید بلہو بن سید عبدالوہاب بن شاہ درویش محمد بن سید الیاس شاہ بن سید باقر شاہ المذکور کی اولاد مہر و پیلو اور شاہ سید بلہو میں آباد ہے۔

پھر سید حمید بن سید زین العابدین مشہدی کی اولاد تین پسران سے جاری ہوئی (۱) سید شمس الدین (۲) سید شاہ حبیب (۳) سید نعمت اللہ۔

پھر سید محمود شاہ بن سید زین العابدین کی اولاد ایک فرزند سید رحمت اللہ شاہ سے جاری ہوئی۔ آپ کے پانچ فرزند تھے: (۱) سید عبدالباقی (۲) سید طاہا (۳) سید برکات شاہ (۴) سید عبدالخیر (۵) سید عبدالسلام۔

ان میں سید برکات بن سید رحمت اللہ شاہ بن سید محمود شاہ بن سید شاہ زین العابدین مشہدی کی اولاد سے میں مؤلف کتاب ھذا سید قمر عباس اعرجی حسینی ہمدانی کی والدہ محترمہ آتی ہیں۔ میری والدہ سیدہ ریاست بی بی موسویہ کاظمیہ بنت سید انور حسین شاہ بن سید شاہ بن سید بالا شاہ بن سید فیض علی شاہ بن سید شرف علی شاہ بن

سید شاہ گل حسین بن سید حاکم شاہ بن سید لعل شاہ بن سید عبدالفتح بن سید شرف الدین بن سید عبدالقادر بن سید برکات شاہ المذکور ہیں۔

پھر سید محمد شاہ بن سید شاہ زین العابدین مشہدی کی اولاد میں (۱) سید ابراہیم (۲) سید قاسم علی شاہ (۳) سید حسن علی شاہ تھے۔ سید حسن علی شاہ بن سید محمد شاہ کی اولاد میں چار فرزند تھے (۱) سید میراں شاہ (۲) سید اسم علی شاہ (۳) سید کمال الدین شاہ (۴) سید اوّل حسین شاہ لیکن اولاد اوّل تین پسران کی مشہور ہے۔ سید میراں شاہ کی اولاد شاہ سید بلہو میں ہے اور سید کمال الدین کی اولاد تو فلکیاں میں ہے جبکہ سید اسم علی شاہ بن سید حسن علی شاہ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱) سید شاہ نذر محمد (۲) سید شاہ دیوان محمد پھر احمد شاہ بن شاہ زین العابدین کی اولاد میں چار فرزند تھے: (۱) سید حسن شاہ (۲) سید صادق شاہ (۳) سید یٰسین شاہ (۴) سید محمد حسین شاہ۔ شاہ زین العابدین مشہدی کی اولاد پانچ پسران سے کثیر تعداد میں آباد ہے اور یہ لوگ زینیال مشہدی کہلاتے ہیں۔

ششم عیسیال مشہدی:

یہ خاندان عیسیٰ بن ابو القاسم حسین المشہدی سے منسوب ہے ان کی اولاد میں بھی کثیر اولیاء اللہ گزرے ہیں۔ سید لعل حسین شاہ بیابانی قلندر مری والے اسی خانوادے سے ہیں۔ امرتسر ہندوستان میں بھی اس خاندان سے منسوب خاندان موجود ہیں جن میں سے کچھ حضرات تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں آباد ہوئے۔ دھاماں سیداں کے سادات اِسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہفتم خراسانیال مشہدی:

سید حسن خراسانی بن ابوالقاسم حسین المشہدی کی طرف منسوب یہ خاندان تعداد میں بہت قلیل ہیں ان کے کچھ گھرانے کرہکی ایبٹ آباد ڈھوک سیداں راولپنڈی اور بابا تھانہ چونترہ میں آباد ہیں لیکن یہ حضرات بہت قلیل مقدار میں باقی ہیں۔

ہشتم غیاثیال مشہدی:

سید غیاث الدین مشہدی بن سید ابوالقاسم حسین مشہدی کی جانب منسوب خاندان غیاثیال مشہدی کہلاتے ہیں۔ سید غیاث الدین عوام الناس میں عادل پیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار ڈیرہ غازی خان میں ہے۔ نسب نامہ شریف میں ان کو لاولد تحریر کیا گیا۔ اور بعض نے صاحب اولاد تحریر کیا اور بعض نے واللہ اعلم لکھ کر انکی اولاد کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ لیکن نسب نامہ شریف سے پرانی کتاب گلزار موسیٰ

کاظمؑ میں ان کی اولاد کا تذکرہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اولاد کا مرکز ڈیری سیداں چکوال ہے جہاں کے قدیم شجرات میں ان کی اولاد کی مکمل تفصیل ہے۔

مزار ڈیرہ غازی خاندان میں سید غیاث الدین کے نام سے مشہور ہے۔ کتاب اولیائے ڈیرہ غازی خان اور تاریخ ڈیرہ غازی خان کے مطابق سید غیاث الدین کا ایک فرزند سید علی المعروف سیدن شاہ تھا۔

سید علی المعروف سید سیدن شاہ سے شکار کے دوران ایک چرواہا قتل ہوگیا اس چرواہے کی والدہ سید غیاث الدین کے پاس آئی اور انصاف طلب کیا آپ نے فرمایا میرا ایک ہی بیٹا ہے اگر معاف کردو تو تمہارا شکر گزار ہوں اگر معاف نہیں کرتی تو یہ تیر کمان پڑا ہے میرے بیٹے کو مار دو اس عورت نے تیر چلایا اور سید علی المعروف سیدن وہیں ڈھیر ہو گئے اور سید غیاث الدین عوام میں عادل پیر مشہور ہو گئے۔

پاکستان میں سادات مشہدیہ موسویہ کی یہ اول زیارت ہے۔ اب اس عوامی روایت کے پیش نظر سادات مشہدیہ کے نسب دانوں نے ان کو لاولد لکھ دیا اس میں بہت سے مزید ممکنات ہیں۔

اول ہوسکتا ہے کہ غیاث الدین مشہدی کی اس بیٹے کے بعد اولاد پیدا ہوئی ہو جس کا نام فخر الدین ہو جو غیاثیال مشہدیوں کے شجرات میں رقم ہے لیکن عوام میں عدالت اس قدر مشہور ہوگئی ہو کہ بعد کے حالات پر پردہ پڑ گیا ہو۔

دوم: سید غیاث الدین جو ڈیرہ غازی خان میں مدفون ہیں ہوسکتا ہے وہ سید غیاث الدین مشہدی نہ ہوں کوئی اور غیاث الدین ہوں یا عادل پیر والی عدالت کسی اور غیاث الدین کی ہو اور موجودہ مزار سے منسوب ہوگئی ہو۔

سوم: سید غیاث الدین کا مزار باقی مشہدی مزارات سے بہت فاصلے پر ہے اس لئے تحقیق کے لئے کوئی دوبارہ وہاں گیا ہی نہ ہو اور دوری کی وجہ سے حالات افواہوں پر موقوف ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم

چہارم: سید محسن رضا کاظمی کے مطابق ایسا بھی ممکن ہے، سید غیاث الدین کے برادر سید عیسیٰ کی نسل دو پسران سے جاری ہوئی: (ا) سید نور الدین داؤد اور سید شاہ عبدالغیث، یہ امکان بھی موجود ہے کہ غیاث الدین کی جان منسوب قبائل درحقیقت عبدالغیث بن سید عیسیٰ بن ابوالقاسم حسین المشہدی کی اولاد ہوں لیکن اس کے لئے ابھی کوئی ٹھوس شواہد موجود نہیں۔

سید غیاث الدین بن ابوالقاسم المشہدی کی اولاد پاکستان کے بہت سے اضلاع میں موجود ہے جن میں کثیر تعداد میں اولیاء اور صوفیاء گزرے ہیں۔

(۱۶۴) سید عبداللطیف موسوی مشہدی المعروف بری امام

آپ سید عبداللطیف بری امام بن سید محمود شاہ بن سید حامد شاہ بن سید بودلہ بن سید شاہ سکندر بن سید عباس بن سید شاہ عبدالغنی بن سید شاہ حسین بن سید شاہ آدم بن سید شاہ علی شیر بن سید عبدالکریم بن سید وجیہ الدین بن سید محمد ولی الدین بن سید شاہ محمد ثانی غازی بن سید رضا الدین بن سید صدرالدین بن سید محمد احمد سابق بن سید ابوالقاسم حسین المشہدی بن سید علی امیر بن سید عبدالرحمان بن اسحاق ثانی بن موسیٰ ابوالحسن زاہد بن محمد بن ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن اسحاق بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ۔[1]

مشہور قول کے مطابق آپ کی ولادت شاہ جہان کے عہد حکومت کے ایام میں ۱۰۲۶ ہجری بمطابق ۱۶۱۷ عیسوی کو چکوال کے ایک گاؤں کرسال میں ہوئی۔ سید محمود شاہ بن سید حامد شاہ۔

ایک قدیمی مخطوطے کے مطابق آپ کی ولادت موضع کرسال میں ہوئی اور آپ کی عمر مبارک ۸۷ سال تھی اور آپ کے تین پسران اور ایک دختر تھیں: (۱) سید عبداللطیف (۲) سید شاہ جہان محمد (۳) سید چھوٹا شاہ (یہ حضرت شاہ درویش محمد ہیں)۔ دختر سیدہ بی بی خاتون اور سید محمود شاہ کی زوجہ بی بی غلام فاطمہ تھیں۔ آپ کا سید کسراں میں جائیداد کا تنازعہ تھا اس وجہ سے آپ راولپنڈی آ گئے اور جس وقت آپ راولپنڈی آئے آپ کی عمر ۷۷ سال تھی۔ جس جگہ آپ آئے وہ موضع باغ کلاں تھی (جو آج آبپارہ کہلاتی ہے)

اس مخطوطہ میں تحریر ہے کہ بری امام سرکار کی شادی بی بی دامن بنت نور محمد سے ہوئی اور آپ کی دختر جس کا نام مقبول خاتون تھا ایک سال کی عمر میں فوت ہوگئی ۔[2]

لیکن سید شاہ محمود سرکار کے تین فرزند اور چار دختران تھیں۔ سید عبداللطیف بری امام کے علاوہ دونوں بھائی بچپن میں وفات پا گئے۔ سید محمود شاہ سرکار نے دو شادیاں کی تھیں ایک بیوی بھیکہ سیداں سے تھی۔

حضرت بری سرکار کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے اس سلسلے میں ہمارے پاس ایک سلسلہ طریقت ہے جو سید شاہ ولایت کاظمی مشہدی المعروف نانگا بابا کے توسط سے ہمارے تک پہنچا ہے اور یہ سلسلہ طریقت حضرت شاہ ولائیت سے بری امام تک اور ان سے قادری سلسلہ کے اکابر صوفیاء تک جاتا ہے سلسلہ اس طرح ہے۔

---

[1] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب، از قمر عباس ہمدانی، ص ۴۰۷

[2] شاہ عبداللطیف بری، شمارہ نسخہ ۷۹۹۵، کاتب غلام حسین شاہ، مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان

سیدعبداللطیف بری امام مشہدی عن سخی زندہ پیر حیات المیر عن سید ابراہیم فخلکاری عن سید عبداللہ یلغاری عن سید مظفر گورگیانی عن سید عبدالرزاق عن شیخ احمد بدوح عن میراں محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی عن ابوسعید مبارک مخزومی عن ابوالحسن لالہ جاگاری عن ابوالفرح طرطوسی عن عبداللہ عزیز یمنی عن ابوبکر شبلی عن جنید بغدادی عن شیخ سری سقطی عن معروف کرخی عن داؤد طائی عن حبیب عجمی عن خواجہ حسن بصری عن حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ عن امیر المومنین علیؑ مشکل کشاء عن خاتم المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت شاہ ولایت سرکار کا مزار بھی نور پور شاہاں حضرت بری امام کے مزار کے قریب ہی ہے۔

بری سرکار سے بہت سی خوارق العادات کرامات منسوب ہیں اس کے علاوہ آپ نے بہت جگہ پر عبادت بھی کی جن میں نیلاں بھوتو جو آج کل خانپور ہری پور میں آ گئی ہے کوہ لوئی دندی، رتے ہوتر، اور مارگلہ کے سلسلے ہائے کوہ میں کئی جگہ پر آپ کی نشست گاہیں موجود ہیں۔

مشہور روایت کے مطابق آپ کی وفات ۱۱۱۷ ہجری بمطابق ۱۷۰۶ عیسوی کو ہوئی آپ کو نور پور شاہاں میں دفن کیا گیا۔ کسی دور میں یہ راولپنڈی کا حصہ تھا مگر آج کل یہ اسلام آباد میں آتا ہے۔

آپکے چار مشہور مرید تھے: (۱) مٹھا شاہ (۲) دھنگ شاہ (۳) حضرت شاہ حسین (۴) عنایت شاہ

(۱۶۵) اسماعیل بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

آپ کے بارے میں زیادہ معلومات موجود نہیں اصول کافی میں اسماعیل بن امام کاظمؑ کے متعلق تحریر ہے کہ جب صفوان بن یحییٰ کی مدینہ میں وفات ہوئی۔ تو امام محمد تقی نے کفن اور حنوط اس کے لئے بھیجا اور اسماعیل سے کہا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

آپ کی اولاد کے بارے میں بقول الشیخ عمری کہ آپ کی والدہ ام الولد تھیں اور ان کی اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں تھیں آپ کی اولاد سے ابوجعفر محمد نقیب موصل (جو ایام ناصر الدولہ بن حمدان میں نقیب تھے) بن موسیٰ بن محمد اصغر بن موسیٰ بن اسماعیل المذکور تھے۔ اور جب ابوجعفر محمد نقیب فوت ہوئے تو ان کی اولاد میں بیٹے موجود تھے۔

بنی اسماعیل بن امام موسیٰ کاظم مصر میں ہے ان میں سے بعض بنی کلثم کہلاتے تھے[1]

بقول ابن عنبہ کہ اسماعیل بن امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد قلیل تھی ان کی اولاد سے جعفر المعروف بابن کلثم

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین، از عمری، ص ۳۱۶

بن موسیٰ بن اسماعیل المذکور تھے۔ ان کی اولاد کو بنی کلثمیون کہا جاتا تھا ان میں سے مصر میں بنو السمسار، بنو ابی العساف، بنونسیب الدولہ، بنو الوراق تھے جو آج تک مصر اور شام میں موجود تھی[1]

ابی الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں علی بن موسیٰ بن اسماعیل بن امام موسیٰ کاظمؑ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ طاہر بن عبداللہ کے عامل عبداللہ بن عبدالعزیز نے علی بن موسیٰ بن اسماعیل کو گرفتار کے محمد بن حسین بن عبدالرحمان بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسنؑ بن علی ابن ابی طالبؑ کے ہمراہ سامرا بھیجا تھا جہاں ان دونوں کو قید خانے میں قید کر دیا گیا اور یہ دونوں قید ہی میں دنیا سے کوچ کر گئے۔

اسماعیل بن امام موسیٰ کاظم کی اولاد کے بارے میں نسابین نے بہت کم معلومات لکھی ہیں آپ کی طرف منسوب ایک خاندان فیروز پور ہندوستان میں آباد ہے جن میں سے کچھ خاندان تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں آباد ہوئے۔

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص ۲۱۲

باب نہم:

(۱۶۶) امام علی الرضاؑ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب رضا ہے۔ بعض منابع میں ہے کہ یہ لقب آپ کو مامون نے دیا تھا لیکن امام محمد تقیؑ سے منقول ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ لقب خداوند عالم کی جانب سے امام موسیٰ کاظم کو الہام کیا گیا تھا۔[1]

آپ کی ولادت ۱۱ ذی القعدہ سن ۱۴۸ ہجری کو ہوئی۔

بقول ابی نصر بخاری آپ کی والدہ ام الولد تکتم نامی خاتون تھیں آپ کی ولادت ۱۵۱ ہجری کو ہوئی۔

آپ کی بیعت ۲۰۱ ہجری میں ہوئی اور آپ کی شہادت ۲۰۳ ہجری کو ہوئی۔[2]

بقول ابوالحسن عمری آپ کی والدہ ام ولد تھیں جن کا نام ''سمانہ'' تھا۔[3]

ازواج:

آپ کی زوجہ کا نام سبیکہ تھا جن کا تعلق ام المومنین ماریہ قطبیہ کے خاندان سے تھا۔ اس کے علاوہ ایک زوجہ مامون رشید کی بیٹی ام حبیب یا ام حبیبہ تھیں مامون نے امام رضا کو تجویز دی کہ میری بیٹی سے شادی کرلیں تو امام رضاؑ نے قبول کرلیا۔ محمد ابن جریر طبری نے اس واقعے کو سنہ ۲۰۲ ہجری کے واقعات کے ضمن میں بیان کیا ہے۔[4]

جلال الدین سیوطی نے بھی امام رضاؑ سے مامون کی بیٹی کی تزویج کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس کا نام بیان نہیں کیا۔[5]

امامت:

امام رضاؑ اپنے والد محترم کے ۲۰ سال بعد تک عہدہ امامت پر فائز رہے۔ (۱۸۳ تا ۲۰۳ھ)

آپ کی امامت کے ابتدائی دور میں خلافت پر ہارون رشید قابض تھا اس کے بعد اس کے بیٹے امین

---

[1] عیون اخبار الرضا، از شیخ صدوق، ج ۱ ص ۱۳

[2] سر سلسلۃ العلویہ، از ابی نصر بخاری، ص ۳۸

[3] المجدی انساب الطالبین، ص ۳۲۳

[4] تاریخ طبری، از محمد ابن جریر طبری، ج ۷ ص ۱۴۹

[5] تاریخ الخلفاء، ص ۳۰۷

نے تین سال اور ۲۵ دن حکومت کی۔ جس کے بعد ابراہیم بن مہدی عباسی المعروف ابن شکلہ نے ۱۴ روز حکومت کی جس کے بعد امین عباسی نے ایک بار پھر اقتدار سنبھال کر ایک سال اور سات مہینے حکومت کی اور آپ کی امامت کے پانچ سال مامون عباسی کے دور خلافت میں گزرے۔[1]

متعدد راویوں جیسے داؤد بن کثیر رقی، محمد بن اسحاق بن عمار، علی بن یقطین، نعیم قابوسی، حسین بن مختار، زیاد بن مروان، ابوایوب مخزومی، داؤد بن سلیمان، نصر بن قابوس، داؤد بن زربی، یزید بن سلیط اور محمد بن سنان وغیرہ نے امام موسیٰ کاظمؑ سے امام رضاؑ کی امامت کے بارے میں احادیث نقل کی ہیں۔[2]

امام رضاؑ کی سیرت:

آپ کثیر عبادت گزار تھے۔ مختلف مکاتب فکر اور ادیان و مذاہب کے دانشوروں کے ساتھ مناظرے کے دوران بھی جب اذان کی آواز آتی تو نماز کے لئے اٹھ جاتے اور جب لوگ مناظرہ جاری رکھنے کا کہتے تو فرماتے نماز پڑھ کر دوبارہ آتا ہوں۔[3]

دعبل خزاعی کو اپنا کرتہ ہدیہ کرتے وقت آپ نے فرمایا اس کرتے کی حفاظت کرنا میں نے اس کُرتے میں ہزار راتوں میں ہزار رکعت نماز اور ہزار قرآن ختم کئے۔[4]

عوام الناس کے ساتھ آپ کی حسن معاشرت کے متعدد نمونے تاریخ میں نقل ہوئے ہیں حتیٰ کہ مامون کی ولی عہدی کے بعد بھی غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ محبت آمیز رویہ اختیار کرنا ان کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھانا۔ عوام پر آپ کی سخاوت کا سلسلہ بہت دراز تھا آپ لوگوں کی حاجت روائی کرتے۔ ان کے قرض ادا کرتے ان کے لئے خوراک کا بندوبست کرتے۔

مدینے میں قیام کے دوران آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوتے اور مختلف سوالات کے جواب دینے سے عاجز آنے والے حضرات آپ سے رجوع کرتے۔[5]

''مرو'' پہنچنے کے بعد مناظرات کی شکل میں بہت سارے شبہات اور سوالوں کے جواب مرحمت

---

[1] اعلام الوری، از طبرسی، ج ۲ ص ۴۱، ۴۲

[2] الارشاد، از شیخ مفید، ص ۴۴۸

[3] عیون اخبار الرضا، از شیخ صدوق، ج ۱ ص ۱۷۲

[4] امالی، از شیخ طوسی، ص ۳۵۹

[5] اعلام الوری، از طبرسی، ج ۲ ص ۶۴

فرماتے تھے اس کے علاوہ امام نے اپنی اقامت گاہ اور مرو کی مسجد میں ایک حوزہ علمیہ بھی قائم کیا ہوا تھا لیکن مامون نے انقلاب کے خوف سے ان محافل پر پابندی عائد کردی تھی جس پر آپ نے مامون کو بددعا دی۔[1]

طب اسلامی اور حفظان صحت کے اصولوں پر توجہ دینا امام رضاؑ کی احادیث میں نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

اصحاب:

اہلِ قلم نے ۳۶۷ افراد کو امام رضاؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔یونس بن عبدالرحمان ۲۔علی بن مہز یار ۳۔محمد بن سنان

۴۔موفق (خادم امام رضاؑ) ۵۔ریان بن صلت ۶۔صفوان بن یحییٰ

۷۔زکریا بن آدم ۸۔دعبل بن علی

خراسان کا سفر:

امام رضاؑ نے ۲۰۰ ہجری کو خراسان کا سفر فرمایا:

''یعقوبی لکھتے ہیں کہ مامون کے حکم سے امام رضاؑ کو مدینے سے مرو بلایا گیا۔ مدینہ سے خراسان لانے کیلئے مامون نے فضل بن سہل کے قریبی رشتہ دار رجا بن ضحاک کو یہ کام سونپا وہ آپ کو بصرے کے راستے مرو لایا۔''[2]

امام رضاؑ کی مرو منتقلی کیلئے مامون نے خاص راستہ منتخب کیا، تاکہ آپ شیعہ اکثریتی راستوں سے گزرنے نہ پائیں کیونکہ ان علاقوں میں عوامی اجتماع سے مامون خوفزدہ تھا جو امام کے پہنچنے پر متوقع تھا۔ اس نے حکم دیا کہ امام رضاؑ کو کوفہ سے نہیں بلکہ بصرہ، خوزستان اور فارس کے راستے نیشاپور لایا جائے۔[3]

کتاب اطلس شیعہ کے مطابق امام رضاؑ کو مرو لانے کیلئے مدینہ، نقرہ، ہوسجہ، نباج، حفر ابوموسیٰ، بصرہ، اہواز، بہبہان، اصطخر، ابرقوہ، دہشیر، یزد، خرانق، رباط پشت بام، نیشاپور، دہ سرخ، طوس، سرخس، مرو والا راستہ اپنایا گیا۔

---

[1] عیون اخبار الرضا، از شیخ صدوق، ج ۲ ص ۲۷

[2] تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۴۶۵

[3] مجموعہ آثار، از مطہری، ج ۱۸ ص ۱۲۴

شیخ مفید تحریر کرتے ہیں مامون رشید نے خاندان ابوطالب کے بعض افراد کو مدینہ سے طلب کیا جن میں امام رضاؑ بھی شامل تھے اور اس کے لئے اس نے عیسیٰ جلودی کو ایلچی منتخب کیا اور اس نے باقی آل ابی طالب کو ایک گھر میں جگہ اور امام رضاؑ کو دوسرے گھر میں جگہ دی۔

امام رضا کی شہادت کے اسباب:

۱۔ مختلف ادیان اور مذاہب کے دانشوروں کے ساتھ ہونے والے امام رضاؑ کے مناظروں کی واضح برتری اور فوقیت۔

۲۔ امام رضاؑ کی اقتداء میں نماز عید ادا کرنے کے لئے لوگوں کا جوق در جوق شرکت اس واقعہ سے مامون بہت خائف ہوا، کہ امام رضاؑ کو ولی عہد بنانا اس کے لئے اور اس کی حکومت کے لئے کس قدر خطرناک ہے۔ اسی لئے اس نے امام کی نگرانی شروع کردی کہ کہیں اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھالیں۔

۳۔ دوسری طرف امام رضاؑ مامون سے کسی خوف خطر کا احساس نہیں فرماتے اس وجہ سے اکثر اوقات ایسے جوابات دیتے کہ مامون کو سخت ناگوار گزرتے یہ چیز مامون کو امام کے خلاف بھڑکانے اور امام کے ساتھ مامون کی مزید دشمنی کا باعث بنی۔

شہادت:

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ امام رضاؑ کو مامون عباسی نے اپنا ولی عہد مقرر کیا کہ میرے بعد یہ ولی عہد بنیں گے لیکن بعد میں آپ کو زہر دلوا دیا جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔

مؤلف کہتے ہیں کہ ان کے متعلق بعض روایات علی بن حسین بن علی بن حمزہ نے اپنے چچا محمد بن علی بن حمزہ علوی سے نقل کرتے ہوئے مجھ سے بیان کی ہیں اور بعض روایات احمد بن محمد بن سعید نے یحییٰ بن حسن علوی سے نقل کرتے ہوئے بیان کی ہیں جب کہ میں نے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے۔

مامون الرشید نے اولاد ابو طالب علیہ السلام کی ایک جماعت کو اپنے پاس مدینے سے بلوایا، ان میں حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام بھی شامل تھے۔ وہ لوگ انہیں بصرہ کے راستے مامون الرشید کے پاس (خراسان) لائے۔ ان لوگوں کو مدینہ سے خراسان لانے کے لئے خراسان کے ایک شخص جو جلودی کے نام سے معروف تھا، کو اس کام پر مامور کیا گیا۔ (عیسیٰ) جلودی اولادِ ابو طالبؑ کو مامون الرشید کے پاس لایا تو مامون الرشید نے ان سب کو ایک گھر میں ٹھہرایا جب کہ حضرت علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کو دوسرے گھر میں ٹھہرایا۔

مامون الرشید نے فضل بن سہل کو بتایا کہ وہ علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہے اور وہ

اس حوالے سے اپنے بھائی حسن بن سہل کے ساتھ مشاورت کرے، پھر فضل نے ایسے ہی کیا اور مامون کی موجودگی میں دونوں بھائی اس کے پاس اکٹھے ہوئے جب کہ حسن بن سہل پر مامون کا یہ فیصلہ گراں گزرا لہٰذا اس نے مامون سے دریافت کیا کہ آپ یہ امر اپنے خاندان (بنوعباس) سے ان کی طرف کیوں منتقل کر رہے ہیں؟

مامون نے اسے جواب دیا: کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کر رکھا ہے کہ میں اپنے بعد اس شخص کو یہ خلافت منتقل کروں گا جو اولادِ ابو طالبؑ میں سب سے افضل ہوگا بشرطیکہ میں اس کامیاب ہو جاؤں اور میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو اس مرد (حضرت امام علی رضا علیہ السلام) سے افضل ہو۔

پھر فضل بن سہل اور حسن بن سہل نے مامون الرشید کے ارادے کے مطابق مامون کے ساتھ اتفاق کیا اور مل بیٹھے تو مامون الرشید نے ان دونوں کو حضرت علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آپ کو مامون کے ارادوں سے باخبر کرتے ہوئے خلافت کی پیش کش کی جسے آپ نے ٹھکرا دیا مگر وہ مسلسل اصرار کرتے رہے۔ اور آپ علیہ السلام اس عہد کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک نے امام علیہ السلام سے کہا: آپ اسے قبول کر لیں ورنہ ہمیں آپ کے خلاف کوئی کاروائی کرنا پڑے گی یعنی انہوں نے امام علیہ السلام کو دھمکی دی۔

پھر دوسرے نے امام علیہ السلام سے کہا: خدا کی قسم! مامون الرشید نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر آپ علیہ السلام اس کے ارادے کی مخالفت کریں تو آپ کی گردن اُڑا دی جائے۔ پھر مامون نے خود سے امام کو بلایا اور اس حوالے سے گفتگو کی لیکن امام نے حکومت کو ٹھکرا دیا تو اس نے آپ سے دھمکی آمیز گفتگو کی اور کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا (حضرت علی علیہ السلام) کو شوریٰ کے چھ افراد میں رکھا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ان میں سے جو بھی مخالفت کرے اس کے گردن اُڑا دینا۔ لہٰذا آپ علیہ السلام کے لئے ضروری ہے کہ آپ علیہ السلام ولی عہدی کو قبول کریں۔ تب مجبوراً امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے مامون کی درخواست کو قبول کیا۔

اس کے بعد جمعرات کے دن مامون الرشید اپنے دربار میں مسند نشین ہوا تو فضل بن سہل نے لوگوں کو حضرت علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے متعلق مامون الرشید کی رائے سے آگاہ کیا کہ اس نے انہیں اپنا ولی عہد (جانشین) مقرر کیا ہے اور ان کو ''رضا'' کا لقب دیا ہے پھر مامون نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ اب (سیاہ لباس کے بجائے (جو بنوعباس کا لباس تھا) سبز لباس زیب تن کیا جائے اور آئندہ جمعرات کو ان کی بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ پورے سال کے لئے رزق بھی لے جاؤ۔

اگلی جمعرات کو حکومت کے تمام قائدین، سردار قاضی اور دیگر لوگ سبز لباس پہن کر دربار میں آئے۔

مامون الرشید اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا اور اس نے امام علی رضا علیہ السلام کے لئے دو بڑی تکیے دربار میں رکھوائے تاکہ آپ علیہ السلام اس کے دربار میں آئیں تو اِن تکیوں سے ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوں۔ یہاں تک کہ جب آپ تشریف لائے تو مامون نے آپ علیہ السلام کا استقبال کیا اور آپ کو اپنی محفل میں ان تکیوں پر عزت و احترام کے ساتھ بٹھایا۔ اس وقت آپ نے عمامہ سر پر رکھا ہوا تھا اور تلوار گلے میں حمائل کر رکھی تھی۔

پھر مامون الرشید نے اپنے بیٹے عباس بن مامون کو ان کی بیعت کرنے کا حکم دیا تو سب سے پہلے اس کے بیٹے نے امام علیہ السلام کی بیعت کی۔ آپ نے بیعت کے لئے اپنے ہاتھ کی پشت کو اپنے چہرے کے سامنے کیا اور ہتھیلی کو لوگوں کے چہروں کی طرف کیا تو مامون الرشید نے آپ علیہ السلام سے کہا: آپ علیہ السلام بیعت کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔

اس پر امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا اسی طرح بیعت لیا کرتے تھے۔ پھر تمام لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ اسی طرح ایک بڑے طشت میں پانی ڈالا گیا اور امام علی رضا علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس طشت میں رکھا اور عورتیں بھی اس پانی والے طشت میں امام علیہ السلام کی بیعت کا اقرر کرتیں۔ پھر خطباء اور شعراء نے کھڑے ہو کر حضرت علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے فضائل بیان کئے جبکہ مامون الرشید نے انہیں آپ کی شان بیان کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

اس کے بعد ابوعبّاد نے عباس بن مامون کو بلایا تو وہ جلدی سے اُٹھا اور اپنے باپ کے قریب ہو کر اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ پھر مامون الرشید نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر محمد بن جعفر بن محمد کو ندا دی گئی تو فضل بن سہل نے ان سے کہا: اُٹھو، تو آپ اُٹھ کر مامون کے پاس گئے لیکن اس کے ہاتھ پر بوسہ نہیں دیا۔ پھر آپ نے آگے بڑھ کر اس سے انعام وصول کیا۔ پھر مامون نے ان سے کہا: اے ابوجعفر! اب تم اپنی جگہ پر واپس جا کر بیٹھ جاؤ تو وہ واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔

اس کے بعد ابوعباد ایک ایک علوی اور عباسی کو صدا دے کر بلاتا رہا اور وہ اپنا انعام وصول کرتے رہے یہاں تک کہ تمام مال ختم ہو گیا۔ پھر مامون الرشید نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: آپ علیہ السلام کھڑے ہوں اور لوگوں سے خطاب کریں۔

امام علی رضا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"بے شک! رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا سے ہماری نسبت کی وجہ سے ہمارا تم پر حق ہے اور اسی وجہ سے تمہارا ہم پر بھی حق ہے پس اگر تم نے ہمارے حق کو ادا کیا تو ہم پر بھی تمہارا حق ادا کرنا

واجب ہے۔''

اس مجلس میں امام علی رضاعلیہ السلام سے اس کے علاوہ کچھ منقول اور مذکور نہیں ہے۔ پھر مامون الرشید نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ درہم کے سکّوں پر امام علی رضاعلیہ السلام کا نامِ مبارک کندہ کیا جائے۔ مامون نے اسحاق بن موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی شادی اپنے چچا اسحاق بن جعفر بن محمد (عباسی) کی بیٹی سے کروائی تھی، مامون نے ان سے کہا: آپ لوگوں کے پاس جائیں اور ہر شخص میں یہ اعلان کر دیں کہ حضرت (امام) رضاعلیہ السلام کو ولی عہد مقرر کر دیا گیا ہے۔

یحییٰ بن حسن علوی بیان کرتا ہے: جس شخص نے عبدالجبار بن سعید سے یہ سنا تھا اس نے مجھے یہ بتایا کہ عبدالجبار بن سعید نے اس سال مدینہ میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خطبہ دیتے ہوئے امام علی رضاعلیہ السلام کے لئے دعا میں یہ کہا:

''اے اللہ! مسلمانوں کے ولی عہد جو کہ علی علیہ السلام بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ ہیں، کو صحت وسلامتی عطا فرما۔ ان کے چھے آباء واجداد وہ ہستیاں ہیں جو ابرِ کرم و رحمت سے افضل ہیں اور اس سے زیادہ انسانیت کو فیض بخشا۔''

مامون الرشید نے اپنی بیٹی اُم الفضل کی شادی حضرت امام علی رضاعلیہ السلام کے بیٹے حضرت امام محمد (تقی) علیہ السلام سے کی تھی حالانکہ ان کا رنگ سیاہ تھا اور پھر اپنی بیٹی کو ان سے بیاہ دیا۔

حضرت امام علی رضاعلیہ السلام ایک مرض میں مبتلا ہوئے جس کی وجہ سے وہ دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ علیہ السلام اپنی زندگی میں مامون سے سہل کے دونوں بیٹوں کے حوالے سے بتایا کرتے تھے کہ یہ میرے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں اور مجھے اُمور کی حقیقت کے بارے میں نہیں بتاتے۔ آپ علیہ السلام مامون الرشید کو ان دونوں سے باز رہنے کے لئے کہتے اور ان کی غلط باتوں اور افعال کا اس سے تذکرہ کرتے رہتے تھے۔

ایک دن آپ علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ مامون الرشید نماز کے لئے وضو کر رہا ہے جب کہ اس کا غلام وضو کے لئے اس کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا ہے تو آپ علیہ السلام نے مامون الرشید سے فرمایا: اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو مت شریک کرو۔

جب مامون الرشید امام علی رضاعلیہ السلام کو اپنے لئے بوجھ سمجھنے لگا تو آپ علیہ السلام سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کرنے لگا۔ اس نے بیمار ہونے کا بہانہ کیا اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ ہم دونوں (مامون الرشید اور امام علی رضاعلیہ السلام) نے مل کر کھانا کھایا تھا اور وہ کھانا ضرر رساں تھا، لہٰذا ہم دونوں بیمار ہو گئے اور حضرت علی رضا

علیہ السلام اس بیماری میں وفات پا گئے ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی وفات (شہادت) کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ السلام کو کس طرح زہر دیا گیا۔

محمد بن علی بن حمزہ سے منقول ہے کہ منصور بن بشیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن بشیر سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے: ایک مرتبہ مامون الرشید نے مجھے ناخن بڑھانے کا حکم دیا تو میں نے اپنے ناخن بڑھا دیئے۔ پھر اس نے ایک دن مجھے املی کی طرح کوئی چیز دیتے ہوئے کہا: اسے اچھی طرح سے کھرچو اور پھر اس کو مکمل طور پر پیس کر آٹے کی طرح باریک کر دو تو میں نے ایسے ہی کیا۔ پھر مامون الرشید امام علی رضا علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا: آپ علیہ السلام کا کیا حال ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اُمید کرتا ہوں کہ میں صحیح اور تندرست ہو جاؤں گا۔

پھر مامون الرشید نے آپ علیہ السلام سے پوچھا: کیا آج آپ علیہ السلام کے پاس آپ علیہ السلام کی خدمت گاروں میں سے کوئی آیا تھا؟

آپ علیہ السلام نے جواب دیا: نہیں۔ تو مامون الرشید اپنے غلاموں اور خادموں پر برسنے لگا اور امام علیہ السلام سے کہا: آپ علیہ السلام آج انار کا شربت پئیں کیونکہ یہ اس قدر لذیز ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس نے انار منگوایا اور عبداللہ بن بشیر کو یہ انار دے کر کہا: اپنے ہاتھ سے اس انار کا جوس بنا کر لاؤ۔ تو وہ اپنے (زہر آلود) ہاتھوں سے انار کا جوس بنا لایا۔ مامون الرشید نے اپنے ہاتھ سے آپ کو یہ زہر آلود انار کا شربت پیش کیا اور آپ علیہ السلام نے اسے پی لیا۔ اس زہر آلود انار کے شربت کو پینے سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اس شربت کو پینے کے دو دن بعد آپ علیہ السلام اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

ابو صلت الھروی (امام علی رضا علیہ السلام کے باوفا صحابی) بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں امام علی رضا علیہ السلام کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا:

''اے ابوصلت! ان لوگوں نے (مجھے زہر آلود شربت پلا کر) اپنا کام کر دیا ہے۔''

اس وقت امام علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور اس کی تسبیح وتمجید کر رہے تھے۔

محمد بن علی سے مروی ہے کہ میں نے محمد بن الجہم سے سنا کہ امام علی رضا علیہ السلام کو انگور بہت پسند تھے لہٰذا مامون الرشید نے آپ علیہ السلام کے لئے کچھ خاص انگور منگوائے اور ان انگوروں کے اُوپر ڈنڈی والی جگہ پر سوئی کے ذریعے انہیں زہر آلود کیا۔ پھر یہ انگور کچھ دن یوں ہی پڑے رہے۔ امام علی رضا علیہ السلام نے بیماری کے

دوران ان انگوروں کوتناول فرمایا تو آپ علیہ السلام کی شہادت واقع ہوگئی۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان انگوروں کو مخفی طور پر زہرآلود کیا گیا تھا۔

جب امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت ہوگئی تو مامون الرشید آپ علیہ السلام کی موت کی خبر کو اس وقت منظر عام پر نہ لایا بلکہ اس نے ایک دن اور رات انہیں یوں ہی چھوڑ دیا اس کے بعد مامون الرشید نے محمد بن جعفر بن محمدؑ اور اولادِ ابو طالبؑ کی ایک جماعت کو اپنے پاس بلا کر اُنہیں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے جسدِ اَطہر کو دکھایا کہ دیکھ لو! ان کا جسم صحیح و سالم ہے اور ان کے جسم پر کسی قسم کے تشدد کے نشانات موجود نہیں ہیں (لہٰذا گواہ رہنا کہ ان کی طبیعی موت واقع ہوئی ہے)۔ اس کے بعد وہ رونے لگا اور کہا: ''اے میرے بھائی! یہ بات میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے کہ میں آپ علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں حالانکہ میں آپ سے پہلے دنیا سے کوچ کرنے کی اُمید رکھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں تھا۔''

اس کے بعد وہ بلند آواز میں چیخ و پکار کرتے ہوئے اپنے آپ کو انتہائی غمگین اور افسردہ ظاہر کر رہا تھا۔ پھر وہ امام علیہ السلام کے جنازے کے ساتھ ساتھ آپ علیہ السلام کا جنازہ اُٹھاتے ہوئے اس جگہ پر آیا، جہاں پر آج حضرت امام علی رضا علیہ السلام مدفون ہیں اور اِس نے آپ علیہ السلام کو ہارون الرشید (کی قبر) کے ایک طرف دفن کر دیا۔

حسن بن علی الخفاف نے ابو الصلت الھروی سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے: (امام علی رضا علیہ السلام کو زہر دینے کے بعد) مامون، امام علی رضا علیہ السلام کے پاس گیا تا کہ آپ علیہ السلام کی تیمارداری کر سکے اور وہ (امام علیہ السلام کے بدلے) اپنے جان دینے کا کہہ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ پھر مامون الرشید نے کہا: اے میرے بھائی! میرے لئے یہ انتہائی تکلیف دہ بات ہے کہ میں آپ کی موت کا دن دیکھنے کے لئے زندہ ہوں جب کہ آپ علیہ السلام کی بقا میں میرے لئے ایک اُمید تھی۔ یہ امر میرے لئے بہت گراں ہوگا جب لوگ یہ کہیں گے کہ میں نے آپ کو زہر دیا ہے لیکن میں اس حوالے سے خدا کی بارگاہ میں بری الذمہ ہوں۔ امام علی رضا علیہ السلام نے اس سے کہا: تُو نے سچ کہا ہے کہ تُو خدا کی بارگاہ میں بری الذمہ ہے۔

پھر مامون الرشید ان کے پاس سے اُٹھ کر باہر آ گیا اور آپ علیہ السلام دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ علیہ السلام کی قبر کھودنے سے پہلے مامون ان کے پاس آیا اور کہا کہ میرے باپ کے پہلو میں ان کی قبر کھودو۔ پھر اس نے ہم حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اس مرنے والے (امام علی رضا علیہ السلام) نے مجھے بتایا تھا کہ جب میری قبر کھودی جائے گی تو اس کے اندر پانی اور مچھلی ظاہر ہوگی، لہٰذا ان کی قبر کھودو اور جب انہوں نے قبر کھودی تو

اندر سے پانی پھوٹ پڑا اور اس پانی میں مچھلی بھی موجود تھی۔ پھر وہ پانی خودبخود نیچے اُتر گیا (اور مچھلی بھی غائب ہوگئی) اس کے بعد امام علی رضا علیہ السلام کو اس لحد میں دفن کر دیا گیا۔[1]

اولاد امام علی رضا علیہ السلام:

بقول شیخ عمری کہ امام رضا علیہ السلام کے دو فرزند: (۱) موسیٰ (۲) امام محمد جواد علیہ السلام اور ایک دختر فاطمہ تھیں۔ جبکہ کتاب شجرۃ المبارکہ میں تحریر ہے کہ امام رضا کے پانچ فرزند تھے۔

(۱) موسیٰ (۲) امام محمد تقی الجوادؑ (۳) حسن (۴) حسین

(۵) علی جن کی قبر مرو میں ہے۔

لیکن امام رضاؑ کی اولاد صرف امام محمد تقیؑ سے ہی جاری ہوئی۔[2]

بقول ابن عنبہ کہ امام رضاؑ کی اولاد صرف امام محمد تقیؑ سے باقی رہی۔[3]

اسکے علاوہ بھی تمام نسابین اس بات پر متفق ہیں کہ امام رضا علیہ السلام کی اولاد صرف اور صرف امام محمد تقی علیہ السلام سے جاری ہوئی۔

---

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ، از علامہ حسن رضا باقر ص ۵۰۰ تا ۵۰۷، ابوتراب پبلیکیشنز

[2] شجرہ المبارکہ، ۔ امام فخر الدین رازی، ص ۷۷

[3] عمدۃ الطالب، ص ۱۷۹

باب دہم:

(۱۶۷) امام محمد الجواد التقی علیہ السلام بن امام علی الرضا علیہ السلام

محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام مومنین کے نویں امام ہیں آپ کی والدہ سبیکہ نوبیہ تھیں آپ کی کنیت ابوجعفر تھی۔ اورمشہور القابات میں، جواد، ابن الرضا، تقی، زکی، قانع، رضی، مختارمتوکل، مرتضیٰ جیسے القابات ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۹۵ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ امام جوادؑ کی شادی ام الفضل بنت مامون رشید سے ہوئی۔طبری میں رقم ہے کہ یہ شادی ۲۰۲ ہجری کو ہوئی۔بعض روایات میں ہے کہ امام رضا علیہ السلام کے سکونت خراسان کے دوران ایک بار امام محمد تقی ان سے ملنے کیلئے گئے تو اس وقت مامون نے اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا۔

ابن کثیر کے قول کے مطابق امام جواد علیہ السلام کے ساتھ مامون کی بیٹی کا خطبہ نکاح ۸ سال کی عمر میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے دور میں پڑھا گیا اور رخصتی ۲۱۵ ہجری کو ہوئی [۱]

لیکن امام محمد تقی علیہ السلام کی اس شادی سے اولاد نہیں ہوئی۔آپ کی تمام اولاد میں دوسری زوجہ مکرمہ سمانہ مغربیہ سے ہوئی۔

امامت:

امام محمد تقی علیہ السلام کا امامت کا دورانیہ ۲۰۳ سے ۲۲۰ تک ہے یہ دورانیہ ۱۷ سال بنتا ہے۔

آپ ۸ سال کی عمر میں رتبۂ امامت پر فائز ہو گئے کچھ لوگوں نے آپکی امامت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور خود اپنے لئے کسی دوسرے شخص کو معین کر لیا طفولیت میں امامت کا مسئلہ حل ہونے تک بعض لوگوں کو حیرانی اور سرگردانی کا سامنا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے لئے یہ مسئلہ حل ہو گیا اور وہ لوگ آپکی امامت کے معتقد ہو گئے۔ یہ مسئلہ ان شبہات میں سے تھا جو امام رضا علیہ السلام کی زندگی میں اور امام محمد تقی علیہ السلام کے دور میں بھی اُٹھا اور دونوں آئمہ نے اسکا جواب قرآن کریم سے دیا۔ان میں سے ایک جواب حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی نبوت کے سلسلے میں اللہ کا قول تھا۔اور اللہ نے فرمایا۔''ہم نے اسے (یحییٰ) کو بچپن میں ہی فرمان نبوت دیا۔

امام علی ارضا علیہ السلام کی شہادت ۲۰۳ ہجری کو ہوئی اس وقت امام محمد تقی کی عمر مبارک ۸ سال تھی اس کم

---

[۱] البدایہ والنہایہ، ج ۱۰ ص ۲۹۵

سنی کے باعث لوگ چند گروہوں میں تقسیم ہو گئے کچھ امام رضا علیہ السلام کے بھائی احمد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کے قائل ہو گئے کچھ امام علی رضا علیہ السلام کی امامت پر توقف کے قائل ہوئے ان کے اختلاف کا سبب یہ تھا کہ یہ امامت میں بلوغت کو شرط سمجھتے تھے۔ صرف کچھ لوگ امام محمد تقی کی امامت کے قائل ہوئے۔[1]

لیکن بعد میں اعجاز امامت کی بدولت سب کو تسلیم کرنا پڑا۔

امام محمد تقی ؑ بچپن میں منصب امامت پر فائز ہوئے تو بغداد اور دوسرے شہروں سے ایک جماعت نے حج کے دنوں میں امام جوادؑ کا دیدار کرنے کی غرض سے مدینے کا رخ کیا اور امام جعفر صادق ؑ کے گھر میں جو خالی تھا بیٹھ گئے اس موقع پر امام کے چچا عبداللہ بن امام موسیٰ کاظمؑ داخل ہوئے حاضرین نے ان سے کچھ سوالات کئے جس کا جواب دینے سے یہ عاجز رہے چنانچہ سب حیران اور غمزدہ رہے۔ تھوڑی دیر بعد امام محمد تقی ؑ تشریف لائے اور انہوں نے وہی سوالات امام سے پوچھے تو امام نے مکمل اور درست جوابات دے دیئے۔ حاضرین سنتے ہی خوش ہو گئے اور آپ کی تعریف و تمجید کی۔[2]

اصحاب:

آپ کے زیادہ تر اصحاب آپ کے والد امام رضاؑ اور آپ کے فرزند امام علی نقی ؑ کے شاگرد بھی تھے۔ امام جوادؑ کے اصحاب اور روایت کی تعداد تقریباً ۱۲۰ ہے جنہوں نے تقریباً ۲۵۰ احادیث امام جوادؑ سے نقل کیں۔

ان احادیث کا تعلق، فقہی اور اعتقادی موضوعات سے ہے آپ سے منقولہ روایات کی قلت کا سبب یہ تھا کہ آپ ہمیشہ نظر بندی کی سی حالت میں رہے اور پھر جب آپ نے جام شہادت نوش کیا تو آپ کی عمر کم تھی۔ آپ کے اصحاب میں: (۱) علی بن مہزیار (۲) احمد بن ابی نصر بزنطی (۳) زکریا بن آدم (۴) محمد بن اسماعیل (۵) حسن بن سعید اہوازی (۶) احمد بن محمد برقی (۷) عبدالعظیم حسنی (۸) ابراہیم بن ہاشم قمی زیادہ مشہور ہیں۔

شہادت:

عباسی خلیفہ معتصم نے امام محمد تقی ؑ کو مدینے سے بغداد بلوایا امام ۲۸ محرم سنہ ۲۲۰ ہجری کو بغداد پہنچے اور اسی سال ذی القعدہ کے مہینے میں اس شہر میں وفات پائی۔[3]

بعض ماخذ میں آیا ہے کہ شہادت ۵ یا ۶ ذی الحج کو ہوئی اور بعض ماخذ میں آیا ہے کہ آپ کی شہادت

---

[1] فرق الشیعہ، از نوبختی، ص ۸۵

[2] دلائل الامامہ، از طبری ۳۸۸ تا ۳۹۰، بحار الانوار، از باقر مجلسی ج ۵ ص ۹۸۔۱۰۰

[3] الارشاد، از شیخ مفید

ذوالقعدہ کی آخری تاریخوں میں ہوئی۔

آپ کی شہادت کے اسباب کے حوالے سے مروی ہے کہ بغداد کے قاضی ابن ابی داؤد نے معتصم عباسی کے ہاں چغل خوری کی اور اس سخن چینی کا اصل سبب یہ تھا کہ چور کے ہاتھ کاٹنے کے سلسلہ میں امام کی رائے پر عمل ہوا تھا اور یہ بات ابن ابی داؤد اور دوسرے فقہاء کے لئے شرمندگی کا باعث تھی۔ بہرحال ابن ابی داؤد نے معتصم کو شیشی میں اتارلیا تو معتصم نے قتل امام کا ارادہ کرلیا۔ جبکہ آپ کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہ تھی۔ معتصم نے اپنی اس نیت کو اپنے وزیر کے توسط سے عملی جامعہ پہنایا جس نے امام کو زہر دے دیا[1]

تاہم مؤرخ مسعودی کا کہنا ہے کہ معتصم عباسی اور امام محمد تقی ؑ کی زوجہ ام الفضل کا بھائی جعفر بن مامون عباسی مسلسل امام محمد تقی ؑ کو زہر دینے کا منصوبہ بنا رہے تھے چونکہ ام الفضل کی کوئی اولاد نہ تھی جعفر بن مامون نے اپنی بہن کو اکسایا کہ آپ کو زہر دے کر قتل کرے چنانچہ اس نے انگور کے ذریعہ امام کو زہر کھلایا۔ مسعودی کے بقول ام الفضل امام کو زہر دینے کے بعد پشیمان ہوئی اور مسلسل رو رہی تھی اس حال میں امام نے اس کو بددعا دی اور آپ کی شہادت کے بعد ام الفضل بہت شدید مرض میں مبتلا ہوئی۔[2]

شیخ ابوالحسن عمری کے بقول آپ کی اولاد میں: (۱) محمد (۲) موسیٰ مبرقع (۳) علی (الھادیؑ امام)، (۴) حسن (۵) حکیمہ (۶) بریہہ (۷) امامہ (۸) فاطمہ۔[3]

بقول امام فخر الدین رازی کہ آپکے تین پسران تھے: (۱) امام علی نقی ؑ (۲) موسیٰ مبرقع (۳) یحییٰ اور اولاد قم میں رہی۔ اور آپکی پانچ دختران تھیں: (۱) فاطمہ (۲) بھجت صاحب الروایہ (۳) بریہہ (۴) حکیمہ (۵) خدیجہ لیکن آپکی دختران اور یحییٰ کی اولاد نہ چلی یعنی آپکی اولاد امام علی نقیؑ اور موسیٰ مبرقع سے جاری ہوئی۔[4]

ابن عنبہ نے بھی آپ کی اولاد دو پسران موسیٰ مبرقع اور امام علی نقی ؑ سے لکھی ہے۔

(۱۶۸) موسیٰ برقع بن امام محمد تقی جواد علیہ السلام

موسیٰ بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور ابو جعفر تھی۔ آپ کو مبرقع اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ پہچانے نہ جانے کی وجہ سے چہرے پر

---

[1] تفسیر عیاشی، ج۱ ص ۳۲۰

[2] اثبات الوصیۃ لامام علی ابن ابی طالب، از ابوالحسن علی بن حسین مسعودی، ص ۱۹۲، منشورات الشریف رضی، قم

[3] المجدی فی انساب الطالبین، از عمری، ص ۳۲۳

[4] شجرۃ المبارکہ، فخر الدین رازی، ص ۷۸

ہر وقت نقاب رکھتے اس لئے آپ مبرقع مشہور ہوئے۔

آپ کی والدہ سمانہ مغربیہ ہیں جو امام علی نقی علیہ السلام کی بھی والدہ ہیں آپ کی ولادت امام علی نقیؑ کی ولادت کے دو سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔[1]

آپ خلق وخو میں اپنی والدہ سے شباہت رکھتے تھے۔

امام محمد تقیؑ کی شہادت تک آپ کا قیام مدینہ میں ہی تھا اس کے بعد آپ کوفہ چلے گئے اور کچھ مدت وہاں قیام کیا سن ۲۵۶ میں آپ نے سکونت کیلئے ''قم'' شہر کا انتخاب کیا۔ اور وہاں مہاجرت اختیار کرلی البتہ بعض شہریوں نے آپ کو نہ پہچاننے کی وجہ سے آپ کو شہر سے باہر نکال دیا آپ کاشان چلے گئے جہاں عبدالعزیز بن ابی دلف کی طرف سے آپ کا استقبال کیا گیا اور انہوں نے آپ کو خلعت اور سواری عطا کی اور آپ کیلئے سالانہ وظیفہ معین کیا۔[2]

کچھ عرصہ بعد آپ قم واپس آئے جہاں لوگ اپنے عمل پر شرمندہ تھے اور انہوں نے چاہا آپ قم واپس آجائیں۔ ۲۲ ربیع الثانی ۲۹۶ ہجری میں آپ کی قم میں ہی وفات ہوئی۔[3]

آج کل یہ جگہ جہاں آپ کا مدفن ہے چہل اختران کے نام سے معروف ہے۔ نقل ہے کہ جب آپ قم میں مقیم ہوئے تو آپ کی بہنیں بھی قم میں آگئیں اور قم میں رہائش پذیر ہوئیں اور ادھر ہی انتقال کیا۔

موسیٰ مبرقع کا شمار راویانِ حدیث میں ہوتا ہے، شیخ طوسی نے اپنی کتاب تہذیب میں شیخ مفید نے اپنی کتاب اختصاص میں اور اسی طرح حرانی نے تحف العقول میں آپ سے حدیث نقل کی ہے۔ یحییٰ بن اکثم نے بھی آپ کو خط تحریر کیا اور آپ سے بعض مسائل کے سلسلہ میں نظر خواہی کی ہے۔

تمام مورخین اور نسابین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی اولاد صرف ایک فرزند ''احمد'' سے جاری ہوئی۔

---

[1] عوالم العلوم والمعارف حضرت زہرا تا امام جواد، از عبداللہ اصفہانی بحرانی، ص ۵۵۳

[2] تاریخ قم، از حسن بن محمد بن حسن (نوشتہ در ۳۷۸ ہجری)، ترجمہ: حسن بن علی بن حسن عبدالملک قمی، تحقیق: سید جلال الدین تہرانی ص ۲۱۵، تہران

[3] تحف العقول عن آل الرسول، از حسن بن علی بن حسین حرانی، ص ۴۷۶، موسسہ نشر الاسلامی، قم ایران

باب یاز دہم:

(۱۶۹) امام علی نقی الہادی علیہ السلام بن امام محمد تقی جواد علیہ السلام

شیخ کلینی، شیخ مفید، شیخ طوسی اور ابن اثیر کے بقول امام علی نقی کی ولادت ۱۵ ذوالحجہ سن ۲۱۲ ہجری کو مدینے کے قریب صریا نامی علاقے میں ہوئی۔ آپ کی والدہ سمانہ مغربیہ تھیں۔

امامت:

امام علی نقی سن ۲۲۰ ہجری کو اپنے والد امام محمد تقی ؑ کی شہادت کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے اکثریت اکابرین نے آپ کی امامت کو تسلیم کیا۔ روایات کے مطابق جب معتصم عباسی نے امام محمد تقی ؑ کو مدینے سے بغداد بلوایا تو آپ نے اس بلاوے کو اپنی جان کیلئے خطرہ اور عباسی خلیفہ کی طرف سے دھمکی قرار دیا چنانچہ آپ نے اپنے پیروکاروں میں امام علی نقی ؑ کو اپنے جانشین کے طور پر تعارف کروایا۔
حتیٰ کہ آپ نے ایک نصِ مکتوب بھی مدینہ میں چھوڑ دی تا کہ اس سلسلے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔[1]

امام علی نقی ؑ کے مقابل متوکل عباسی کی روش:

متوکل کے برسراقتدار آنے سے پہلے عباسی خلفاء کی روش مامون ہی کی روش تھی یہ روش اہل حدیث کے مقابلے میں معتزلہ کا تحفظ کر رہی تھی اور اس روش نے علویوں کے لئے مساعد و مناسب سیاسی ماحول پیدا کر دیا تھا۔ متوکل کے آتے ہی تنگ نظریوں کا آغاز ہوا۔ متوکل نے اہل حدیث کی حمایت کی اور انہیں معتزلہ اور شیعہ کے خلاف اکسایا اور یوں معتزلہ اور شیعہ کی سرکوبی شروع کر دی اور یہ سلسلہ شدت کے ساتھ جاری رہا۔
ابوالفرج اصفہانی نے طالبیوں کے ساتھ متوکل کے نفرت انگیز طرز سلوک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ متوکل کا وزیر عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان بھی متوکل کی طرح خاندان علوی کا شدید دشمن تھا۔ طالبیوں کے ساتھ متوکل کے ناخوشگوار رویوں کے نمونے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے زمین کربلا بالخصوص قبر امام حسینؑ کے اطراف کے علاقے کو ہموار کر دیا اور وہاں ہل چلوا دیئے اور کھیتی کا انتظام کیا۔ زائرین امام حسینؑ کے ساتھ سخت رویہ اپنایا اور ان کے لئے شدید اور ہولناک سزائیں مقرر کیں۔[2]
اس صورت حال کا صرف ایک ہی سبب تھا کہ کربلا میں واقع حرم امام حسینؑ شیعہ طرزِ فکر اور مکتب آئمہ

---

[1] الکافی، از شیخ کلینی، ج ا ص ۳۸۱، ۳۸۲
[2] مقاتل الطالبین، از ابی الفرج اصفہانی ص ۴۲۸، موسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان

کے ساتھ عوام کا پیوند و تعلق استوار کرسکتا ہے۔

امام علی نقی ؑ کا سامراء میں قیام:

متوکل نے سن ۲۳۳ ہجری میں امام علی نقیؑ کو مدینہ سے سامرا طلب کیا۔ ابن جوزی تحریر کرتے ہیں کہ خاندان رسالت کے دشمنوں کی طرف سے متوکل کے ہاں امام علی نقی ؑ کی بدگوئی کی گئی۔ متوکل نے بدگمانیوں پر مبنی خبروں کی بنیاد پر امام علی نقیؑ کو سامرا طلب کرلیا۔[1]

شیخ مفید تحریر کرتے ہیں کہ امام علی نقی ؑ نے متوکل کو ایک خط کے ضمن میں بدخواہوں کی شکایات اور بدگوئیوں کی تردید کی اور متوکل نے جواب میں احترام آمیز انداز اپنا کر ایک خط تحریر کیا اور آپ کو سامراء آنے کی دعوت دی۔[2]

متوکل نے امام علی نقی ؑ کی مدینے سے سامراء کا منصوبہ اس انداز میں ترتیب دیا تھا کہ لوگ مشتعل نہ ہوں اور امامؑ کی جبری منتقلی کی خبر حکومت کے لئے ناخوشگوار صورت حال کے اسباب فراہم نہ کرے تاہم مدینے کے عوام ابتداء سے ہی اس حقیقت کو بھانپ گئے تھے۔

ابن جوزی اس سلسلے میں یحییٰ بن ہرثمہ کو نقل کرتے ہیں کہ میں مدینہ چلا گیا اور شہر میں داخل ہوا تو وہاں عوام کے درمیان غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور انہوں نے بعض غیر متوقع مگر پُرامن اور ملائم اقدامات عمل میں لاکر اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔ رفتہ رفتہ عوامی ردعمل اس حد تک پہنچا کہ اعلانیہ طور پر آہ و فریاد شروع ہوگئی۔[3]

خطیب بغدادی تحریر کرتا ہے کہ متوکل عباسی نے امام ہادیؑ کو مدینہ سے بغداد اور وہاں سے سامراء منتقل کیا اور آپ ۲۰ سال ۹ مہینے تک وہیں قیام پذیر رہے اور معتز کے دور حکومت میں وفات پا کر وہیں دفن ہوئے۔[4]

سامراء پہنچ کر امام علی نقی ؑ کو عوامی سطح پر بہت زیادہ خیر مقدم کیا گیا اور آپ کو خزیمہ بن حازم کے گھر میں بسایا گیا۔[5]

امام علی نقیؑ کو جبری طور پر ۲۰ سال سامراء میں گزارنے پڑے۔

---

[1] تذکرہ الخواص، از ابن جوزی، ج ۲ ص ۴۹۳

[2] الارشاد، شیخ مفید، ص ۶۴۴

[3] تذکرۃ الخواص، ابن جوزی، ج ۲ ص ۴۹۲

[4] تاریخ بغداد، از خطیب بغدادی، ج ۱۲ ص ۵۶

[5] اثبات الوصیہ، مسعودی، ص ۲۰۰

متوکل کوخبر دی گئی کہ امام علی نقی ؑ کے گھر میں جنگی اسلحہ اورشیعوں کی جانب سے امام کو لکھے گئے خطوط موجود ہیں اس نے ایک گروہ کا امام کے گھر پر غافل گیرانہ حملے کا حکم دیا۔حکم پر عمل کیا گیا جب اس کے کارندے امام کے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے اس گھر میں امام کو ایسے کمرے میں اکیلا پایا جس کا دروازہ بند تھا اور اس کے فرش پر صرف ریت اور ماسہ موجود تھا۔ امام پشم کا لباس زیب تن کئے سر پر ایک رومال لئے قرآنی آیات کی تلاوت کررہے تھے۔ امام کو اس حالت میں متوکل کے پاس لایا گیا جب امام علی نقی ؑ متوکل کے پاس حاضر ہوئے تو متوکل کے ہاتھ میں شراب کا کاسہ تھا اس نے امام کو اپنی جگہ دی اور شراب کا کاسہ پیش کیا۔ امام علی نقی ؑ نے جواب دیا میں، میرا گوشت و پوست شراب سے ابھی تک آلودہ نہیں پھر اس نے امام سے اشعار پڑھنے کا تقاضا کیا تو امام نے جواب دیا میں بہت کم اشعار کہتا ہوں۔[1]

منتصر کا دورِ حکومت:

متوکل کی موت کے بعد اس کا بیٹا منتصر تخت پر براجمان ہوا جس کی وجہ سے امام علی نقی ؑ سمیت علویوں پر عباسی حکمرانوں کا دباؤ کم ہوگیا اور اس عرصے میں امام نے عوام الناس کی اصلاح اور دین اسلام کی تبلیغ کی۔ اور بہت سے اعتقادی مسائل کو درست کیا۔ عوام جو خود سے نئے نئے عقیدے تراش رہی تھے اصلاح کی۔

بقول ابن شہر آشوب امام علی نقی ؑ نے اپنے زمانے کے مختلف مکاتب اور فرقوں کے اکابرین کے ساتھ ایک اجلاس سے خطاب کرکے قرآن سے استناد کیا اور سب کو اپنی رائے قبول کرنے پر آمادہ کیا۔[2]

اصحاب امام ہادیؑ:

امام علی نقی ؑ کے اصحاب میں بقول شیخ طوسی آپ سے روایت کرنے والے اصحاب کی تعداد ۱۸۵ ہے جن میں:

۱۔ سید عبدالعظیم حسنی ۲۔عثمان بن سعید ۳۔ ایوب بن نوح

۴۔حسن بن راشد ۵۔حسن بن علی ناصر بہت مشہور اصحاب میں سے ہیں۔

شہادت:

بعض اقوال میں معتز باللہ نے آپ کو زہر دی اور بعض میں معتمد عباسی نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا۔

---

[1] مروج الذہب، از مسعودی، ج ۴ ص ۱۱

[2] المناقب علی ابن ابی طالب، از ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۴۳۵

بمطابق ۲۵۳ ہجری [1]

لوگ آپ کے جنازے میں اپنے چہرے اور رخساروں کو پیٹ رہے تھے۔ انہوں نے امام کے جنازے کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر گھر سے باہر نکالا اور ''موسیٰ بن بغاء'' کے گھر کے سامنے قرار دیا۔ معتمد عباسی نے انہیں دیکھا تو فیصلہ کیا گیا کہ امام کے جنازے کی نماز پڑھائے (تا کہ لوگوں کو یہ شک نہ ہو کہ معتمد عباسی نے امام کو زہر دی)

اگرچہ امام حسن عسکریؑ اس سے قبل ہی اہلیان سامراء کے ہمراہ آپ کی نماز جنازہ ادا کر چکے تھے۔ اس کے بعد امام علی نقیؑ کو اس گھر میں دفنایا گیا جہاں آپ کو قید میں رکھا گیا تھا۔ روایت ہے کہ امام علی نقیؑ کے جنازے میں اس قدر بھیڑ تھی کہ امام حسن عسکریؑ کے لئے ان کے درمیان حرکت کرنا مشکل ہو رہا تھا حتیٰ کہ ایک نوجوان ایک گھوڑا امامؑ کے پاس لایا اور لوگ گھر تک آپ کی ساتھ چلے [2]

بعض اقوال میں آپ کو معتز باللہ نے زہر دی جس کی وجہ سے آپ کی شہادت ہوئی۔

اولاد امام علی نقی الہادی علیہ السلام:

صاحب مجدی نے آپکے تین پسران تحریر کیئے ہیں: (۱) ابوجعفر محمد (۲) امام حسن عسکری (۳) جعفر صاحب اصیلی با بن طقطقی نے حسین اور موسیٰ کا نام بھی تحریر کیا ہے اور شیخ مفید نے بھی حسین کا ذکر کیا ہے۔ [3]

امام فخر الدین رازی نے آپ کی تین دختران: (۱) فاطمہ (۲) بریھہ (۳) عائشہ، تحریر کی ہیں۔ [4]

امام فخر الدین رازی نے ایک فرزند علی کا ذکر بھی کیا ہے، مگر سب متفق ہیں کہ آپ کی اولاد، جعفر اور امام حسن عسکری سے جاری ہوئی۔ جن میں آپ کی اولاد آج صرف جعفر سے باقی موجود ہے۔

(۱۷۰) امام حسن عسکری بن امام علی نقی علیہ السلام

حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؑ آپ مومنین کے گیارہویں امام ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارہویں وصی ہیں آپ کی والدہ کنیز تھیں جن کا نام ''حدیثہ'' تھا۔ [5]

---

[1] دلائل الآئمہ، ص ۴۰۹

[2] اثبات الوصیہ، از مسعودی، ص ۴۵۶

[3] الاصیلی فی انساب الطالبین، ص ۱۵۸

[4] شجرۃ المبارکہ، از امام فخر الدین رازی، ص ۷۸

[5] کافی، از کلینی، ج ۱ ص ۵۰۳، ارشاد، از شیخ مفید، ج ۲ ص ۳۱۳

بعض مصادر میں ان کا نام سوسن، عسفان، اور سلیسل بتایا گیا ہے اور دوسری عبارت میں بتایا گیا ہے کہ آپ عارفہ اور صالحہ خاتون تھیں۔[1]

آپ کو عسکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ سامراء کے ایک محلے کا نام ہے جہاں آپ کی رہائش تھی۔ آپ کے القابات میں: ابوالحجۃ، ابوالقائم، ابوالحسن اور معروف کنیت ابومحمد تھی۔ آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ ہجری کو ہوئی۔[2]

سامرا آمد:

آپ بچپن میں ہی اپنے والد گرامی امام علی نقیؑ کے ہمراہ عراق طلب کر لئے گئے اس زمانے میں عباسیوں کا تخت حکومت سامراء تھا اس لئے یہاں ہی آپ کو تخت النظر رکھا گیا۔ بعض کتابوں میں ۲۳۶ ہجری اور بعض میں ۲۳۳ ہجری کو اس سفر کا سال قرار دیا گیا۔[3]

امامت:

جس طرح شیخ مفید تحریر کرتے ہیں کہ حسن بن علی نقیؑ اپنے والد محترم کی شہادت ۲۵۴ ہجری کے بعد اپنے معاصرین میں فضیلت اور برتری رکھنے کی وجہ سے امام ہادیؑ کی روایت کے مطابق آپ اہلِ تشیع کے گیارہویں امام ہیں۔[4]

علی بن عمر نوفلی امام علی نقیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ امام علی نقیؑ کے ہمراہ آپ کے گھر کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کا بیٹا ابوجعفر محمد گزرا تو میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان جاؤں کیا آپ کا یہ فرزند آپ کے بعد ہمارا امام ہوگا تو امامؑ نے فرمایا نہیں، میرے بعد امام حسنؑ ہوگا۔

امام علی نقیؑ کے اکثر دوست اور اصحاب نے امام حسن عسکریؑ کی امامت کو ہی قبول کیا۔ مسعودی شیعہ اثناء عشری کو امام حسن عسکریؑ اور آپ کے فرزند کے پیروکاروں میں سے مانتا ہے یہ فرقہ تاریخ میں قطعیہ کے نام سے مشہور ہوا۔[5]

---

[1] عیون المعجزات، از حسین بن عبدالوہاب، ص ۱۲۳
[2] الاصیلی فی انساب الطالبین، ص ۱۶۱
[3] فرق الشیعہ، از نوبختی، ص ۹۲
[4] ارشاد، از شیخ مفید، ص ۴۹۵
[5] مروج الذہب، از مسعودی، ج ۴ ص ۱۱۲

سیاسی حالات:

امام حسن عسکریؑ کی امامت تین عباسی خلفاء کے عہد میں گزری۔ (معتز باللہ، مہتدی اور معتمد عباسی)

امام حسن عسکریؑ کے دور میں عباسی حکومت زیادہ امیروں کیلئے بازیچہ بن چکی تھی خاص طور پر ترک نظامی سپہ سالاروں کا حکومتی نظام میں موثر کردار تھا۔ امام کی زندگی کی پہلی سیاسی سرگرمی اس وقت تاریخ میں ثبت ہوئی جب آپ کی عمر ۲۰ سال تھی اور اس وقت امام علی نقیؑ بھی زندہ تھے۔ آپ نے اس وقت عبداللہ بن عبداللہ بن طاہر کو خط تحریر کیا جس میں خلیفہ وقت مستعین کو باغی اور طغیان گر کہا اور خدا سے ان کے سقوط کی تمنا کا اظہار کیا۔ یہ واقعہ مستعین کی حکومت کے سقوط سے چند روز پہلے کا ہے۔

عبداللہ بن عبداللہ عباسی حکومت میں صاحب نفوذ اور خلیفۂ وقت کے دشمنوں میں سمجھا جاتا تھا[1]

مستعین کے قتل کے بعد اس کا دشمن معتز باللہ تخت نشین ہوا۔ شروع کے ایام میں معتز باللہ نے آپ کے اور آپ کے والد کی نسبت کسی خصومت آمیز رویہ کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت امام علی نقیؑ کی شہادت کے بعد شواہد اس بات کے بیان گر ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کی فعالتیں محدود ہونے کے باوجود کسی حد تک آپ کو آزادی حاصل تھی اپنی امامت کے ابتدائی دور میں آپ نے اپنے شیعوں سے ملاقاتیں کیں لیکن ایک سال گزرنے کے بعد خلیفہ عباسی آپ سے بدگمان ہو گیا اور اس نے آپ کو زندان میں قید کر دیا۔

معتز کے بعد خلیفہ مہتدی عباسی کے دور میں بھی امام حسن عسکریؑ قید میں ہی رہے۔ ۲۵۶ ہجری میں معتمد عباسی کا دور حکومت شروع ہوا اور علویوں کے مسلسل قیام اس کو درپیش آئے اور امام حسن عسکریؑ زنداں سے آزاد ہوئے۔ اور امام نے اپنے پیروکاروں کو مرتب اور منظم کیا اور معاشرتی اور مالی پروگراموں کا اہتمام کیا۔ امام کی یہی فعالتیں عباسی حکومت کے لئے پریشانی کا باعث بنیں اور معتمد عباسی نے آپ کو ۲۶۰ ہجری کو دوبارہ قید کر لیا اور روزانہ کے طور پر آپ سے چھان بین شروع ہوئی۔ ایک مہینے کے بعد امام آزاد ہوئے لیکن مامون کے وزیر حسن بن سہل کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا جو واسط نامی شہر میں تھا۔[2]

جاسوسی کے پیشِ نظر آپ کے شیعہ آپ سے برملا ملاقات بھی نہیں کر سکتے تھے کئی دفعہ عباسی خلیفہ بصرہ گیا تو جاتے ہوئے امام کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا اس دوران امام کے اصحاب امام کی زیارت کیلئے خود کو تیار رکھتے۔[3]

---

[1] اثبات الوصیہ، از مسعودی، ص ۲۶۳

[2] اثبات الوصیہ، مسعودی، ص ۲۴۸، ۲۴۹

[3] الارشاد، شیخ مفید، ص ۳۸۷

اسماعیل بن محمد کہتا ہے جہاں سے آپ کا گزر ہوتا تو میں کچھ مانگنے کے لئے بیٹھتا اور جب امام کا گزر وہاں سے ہوتا تو مالی امداد مانگتا۔[1]

ایک اور راوی نقل کرتا ہے کہ ایک روز جب امام کو دارالخلافہ جانا تھا تو ہم عسکر کے مقام پر آپ کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئے اس حالت میں آپ کی جانب سے ایک رقعہ موصول ہوا جس پر تحریر تھا کہ کوئی مجھے سلام نہ کرے حتیٰ کہ میری طرف اشارہ بھی نہ کرے کیونکہ مجھے امان نہیں ہے۔[2]

ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ امام پر حالات کس قدر سخت تھے۔

امام کے نمائندے:

حاکم کی طرف سے شدید محدودیت کی وجہ سے امام نے اپنے شیعان سے رابطہ رکھنے کے لئے کچھ نمائندے منتخب کیئے ان افراد میں آپ کا خاص خادم "عقید" بھی تھا جس کو بچپن میں آپ نے پالا تھا آپ کے بہت سے خطوط آپ کے شیعان تک پہنچاتا تھا۔[3]

اسی طرح آپ کا خادم ابوالادیان تھا جس کے ذمے خطوط پہنچانا تھا۔لیکن امامیہ منابع میں باب کے عنوان سے یعنی امام کے نمائندہ کے طور پر جو پہچانا جاتا تھا وہ عثمان بن سعید تھا اور یہی عثمان بن سعید امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد غیبت صغریٰ کے شروع کے دور میں امام مہدیؑ کے سفیر وکیل اور خاص نائب تھا۔

شہادت:

مشہور قول کے مطابق امام حسن عسکریؑ کو ربیع الاول سن ۲۶۰ ہجری میں معتمد عباسی نے زہر دی اور ۲۸ سال کی عمر میں آپ نے سامراء میں شہادت پائی۔[4]

بعض تاریخی گزارشات کے مطابق معتمد عباسی سے پہلے بھی دو حکمران امام حسن عسکریؑ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ معتز باللہ عباسی نے حاجب کو حکم دیا کہ وہ امام حسن عسکریؑ کو کوفے کے راستے میں قتل کر دے لیکن لوگوں کو جب معلوم ہوا تو یہ سازش ناکام ہوگئی۔[5]

ایک اور گزارش کے مطابق مہتدی عباسی نے بھی امام حسن عسکریؑ کو زندان میں شہید کرنے کا سوچا

---

[1] کشف الغمہ فی معرفۃ الآئمۃ، از اربلی، ج ۲ ص ۲۱۳

[2] خرائج والجرائح، از راوندی، ج ۱ ص ۴۳۹

[3] الغیبہ، از شیخ طوسی، ص ۲۷۲

[4] الکافی، از کلینی، ج ۱ ص ۵۰۳

[5] الغیبہ، از شیخ طوسی، ص ۲۰۸

لیکن انجام دینے سے پہلے ہی اس کی حکومت ختم ہوگئی۔[1]

امام حسن عسکریؑ سامراء میں جس گھر میں امام علی نقیؑ دفن ہوئے تھے ان کے پہلو میں دفن ہوئے۔

اولاد امام حسن عسکری علیہ السلام:

ابوالحسن عمری کے بقول آپ کے صرف ایک فرزند امام محمد مہدیؑ تھے۔ امام فخر الدین رازی کے مطابق آپ کے دو فرزند تھے: (۱) امام محمد مہدیؑ (۲) موسیٰ جو درج تھے اور آپ کی دو ہی صاحبزادیاں تھیں: (۱) فاطمہ (۲) ام موسیٰ۔[2]

بقول ابن طقطقی کہ امام حسن عسکریؑ کی اولاد میں امام ابوالقاسم محمد مہدی صاحب الزمانؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جن کا ظہور آخر کے زمانوں میں اپنی جد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی بشارت کے مطابق ہوگا۔[3]

(۱۷۱) امام محمد مہدی آخر زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف

محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ آپ کی مشہور کنیت ابوالقاسم اور ابوصالح ہے اور القابات میں مہدی، قائم، صاحب الزمان، منتظر، حجۃ اللہ، بقیۃ اللہ، منتقم، موعود، خاتم الاولیاء، غائب، مامول اور مضطر جیسے القابات شامل ہیں۔

شیخ ابوالحسن عمری نے آپ کی والدہ کا نام نرجس تحریر کیا ہے اور کہا کہ ان کا پہلے نام صقیل تھا۔[4]

آپ کی والدہ محترمہ کے بارے میں منقولہ روایات کو مجموعی طور پر چار اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ شیخ صدوق نے کمال الدین اور تمام النعمہ میں روایت نقل کرتے ہوئے انہیں رومی شہزادی قرار دیا ہے۔[5]

۲۔ بعض دیگر روایات میں ان کے حالات زندگی کی طرف اشارہ کئے بغیر کہا گیا ہے کہ امام زمانہ کی والدہ حکیمہ بنت امام محمد تقیؑ کے گھر میں پرورش پا چکی تھیں۔[6]

---

[1] اثبات الوصیہ، از مسعودی، ص ۲۶۸
[2] الشجرۃ المبارکہ، از امام فخرالدین رازی، ص ۷۹
[3] الاصیلی فی انساب الطالبین، ص ۱۶۱
[4] المجدی فی انساب الطالبین، از ابوالحسن عمری، ص ۳۲۸
[5] کمال الدین، از شیخ صدوق ج ۲ ص ۴۱
[6] کمال الدین وتمام النعمہ، از شیخ صدوق، ج ۲ ص ۴۲

۳۔ تیسری قسم کی روایات جنہیں مسعودی نے اثبات الوصیہ میں نقل کیا ہے کے مطابق امام محمد مہدیؑ کی والدہ امام حسن عسکریؑ کی پھوپھی حکیمہ خاتون بنت امام محمد تقیؑ کے گھر میں پروان چڑھی اور اس گھر میں پیدا ہوئیں۔[1]

۴۔ چوتھی قسم کی روایت کے مطابق امام زمانہؑ کی والدہ سیاہ فام ام الولد تھیں۔[2]

اول تین روایات ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں لیکن چہارم روایت کو ان کے ساتھ یکجا نہیں کیا جا سکتا۔

جناب حکیمہ خاتون امام محمد تقیؑ کی دختر تھیں امام حسن عسکری کی پھوپھی اور امام علی نقی کی ہمشیرہ تھیں چار آئمہ کی ہم عصر اور امام زمانہ کی ولادت کی راوی ہیں۔

ولادت:

آپ کی ولادت کے سال کی بارے میں اختلاف ہے اور اس کو خفیہ قرار دیتے ہیں لیکن بہت سی روایات کے مطابق آپ نے ۲۵۵ ہجری یا ۲۵۶ ہجری کو ظہور کیا۔ مشہور قول کے مطابق آپ ۱۵ شعبان المبارک کو تولد ہوئے خلفائے بنی عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ کی روایات کی بدولت بخوبی جانتے تھے کہ بارہویں امام ''مہدی'' ہی ہیں چنانچہ انہوں نے امام حسن عسکریؑ کے گھر پر پہرے دار متعین کر دیئے۔ معتمد عباسی نے دائیوں کو حکم دیا تھا کہ ناگہانی طور پر اور بن بلائے سادات کے گھروں خاص کر امام حسن عسکریؑ کے گھر جائیں اور گھروں کی تلاشی لیں اور امام حسن عسکریؑ کی زوجہ مکرمہ کے حالات سے آگاہ ہو کر دربار کو خبر دیں۔[3]

ایک کنیز بنام ثقیل نے گویا امام زمانہؑ کی جان کی حفاظت کے لئے حاملہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس کو دو سال تک نظر بند رکھا گیا اور جب حکومت اس کی عدم حاملگی سے مطمئن ہوئی تو اسے رہا کیا گیا۔[4]

جناب حکیمہ خاتون کے علاوہ امام حسن عسکریؑ کی دو کنیزیں، نسیم اور ماریہ بھی امام زمانہ کی ولادت کی گواہ شمار ہوتی ہیں۔

طفولیت:

امام زمانہ کی ولادت کے بعد خاص شیعہ اکابرین نے آپ کا دیدار کیا جن میں محمد بن اسماعیل بن موسیٰ

---

[1] اثبات الوصیہ، از مسعودی، ص ۲۷۲

[2] الغیبہ، از شیخ طوسی ص ۱۶۳

[3] منتخب الاثر، از صافی گلپایگانی، ص ۳۵۳

[4] کمال الدین، از شیخ صدوق، ص ۴۷۳، ۴۷۴

بن جعفر، حکیمہ خاتون، ابوعلی بن مطہر، عمرو اہوازی، اور امام حسن عسکریؑ کے خاندانی خادم ابونصر طریف شامل ہیں۔[1]

محمد بن عثمان عمری ۴۰ افراد کی معیت میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے امام نے انہیں اپنے فرزند کا دیدار کروایا، اور فرمایا یہ میرے بعد تمہارے امام ہیں اور تمہارے درمیان میرے جانشین ہیں۔ ان کی اطاعت کرو اور اپنے دین میں اختلاف نہ کرو کیونکہ اس صورت میں تم ہلاک ہوجاؤ گے اور آج کے بعد تم انہیں نہیں دیکھ سکو گے اس روایت کے مشابہ ایک روایت کا ذکر شیخ طوسی نے کیا ہے اور نقل کی ہے کہ علی بن بلال، احمد بن ہلال، محمد بن معاویہ بن حکیم اور حسن بن ایوب بن نوح جیسے اشخاص کا تذکرہ کیا جنہوں نے امام زمانہؑ کا دیدار کیا۔[2]

امام محمد مہدیؑ کا مسکن:

امام مہدی ولادت سے لے کر غیبت صغریٰ تک اپنے مولد سامراء میں ہی رہے اس دوران سرداب میں عبادت اور زندگی بسر کررہے تھے بعض روایات کے مطابق آپ امام حسن عسکریؑ کی زندگی میں کئی بار سرداب میں دیکھے گئے۔[3]

بعض روایات اشارہ کرتی ہیں کہ غیبت کے دوران آپ کا مسکن نامعلوم ہے۔ غیبت صغریٰ کے دوران امام مہدیؑ اپنے چار سفیروں کے ذریعے جن کے مختلف ادوار تھے میں اپنے پیروکاروں سے رابطے میں رہے۔ ان میں اول عثمان بن سعید عمری اسدی، دوم ان کے فرزند محمد بن عثمان عمری اسدی، سوم حسین بن روح چہارم علی بن محمد سمری۔

آخری نائب علی بن محمد سمری نے ۳۲۹ ہجری کو وفات پائی اور ان کی وفات سے ایک ہفتہ قبل امام محمد مہدیؑ کی جانب سے ایک توقیع (خط) صادر ہوئی جس میں آپ نے فرمایا ''اے علی بن محمد سمری تم چھ دن بعد وفات پاؤ گے اور کسی کو بھی اپنے جانشین کے طور پر وصیت نہ کرنا، اس لئے اپنے کام کو مکمل کرنا، کیونکہ دوسری غیبت کا آغاز ہو چکا ہے اور کوئی ظہور نہ ہوگا سوائے اس وقت کہ جب خداوند تعالیٰ خود اجازت فرمائے۔[4]

علی بن محمد سمری کی وفات کے بعد غیبت نئے مرحلے میں داخل ہوئی جسے غیبت کبریٰ کہا جاتا ہے۔

---

[1] الارشاد، از شیخ مفید ص ۳۵۰، ۳۵۱، ینابیع المودۃ، از قندوزی، ص ۴۶۱

[2] منتخب الاثر، از صافی گلپایگانی، ص ۳۵۵

[3] کمال الدین وتمام النعمہ، از شیخ صدوق، ج ۲ ص ۴۰۷

[4] کشف الغمہ، از اربلی ج ۲ ص ۵۳۰

غیبت کبریٰ کتنے زمانے کی ہے اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔ غیبت صغریٰ وہ زمانہ تھا جب آپ عوام سے پوشیدہ رہے۔ اور اپنے سفیروں کے ذریعے لوگوں سے رابطے میں رہے لیکن غیبت کبریٰ کے آغاز سے اب تک کوئی بھی سفیر نہیں ہے اب خداوند تعالیٰ کی حکم سے آپ دوبارہ ظہور فرمائیں گے اور زمین پر عدل قائم کریں گے۔

آپ کے ظہور کی بہت سی علامتیں بیان ہوئی ہیں مگر ظہور کا اصل وقت خداوند تعالیٰ ہی جانتا ہے آپ کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے طولانی عمر عطا ہوئی ہے۔ آپ کو اس لئے حجت اللہ کہا گیا ہے۔

اب قیامت تک کے سلسلہ میں صرف آپ خداوند تعالیٰ کی طرف سے نجات دہندہ ہیں۔ ہم آپ کے ظہور کی دعا کرتے یں اور آپ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے قدموں میں جگہ عطا فرمائیں۔

(۱۷۲) جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام

آپ کو شیعہ مصادر میں کذاب اور تواب کے لقب سے یاد کیا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ آپ نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کا وارث ہونے کا دعویٰ کیا اور اس سلسلے میں امام مہدیؑ نے آپکے اس دعویٰ کو رد کیا۔ اس دعویٰ کی وجہ سے آپ کو شیعہ حضرات نے کذاب کہا اور بعد میں توبہ کرنے کی وجہ سے تواب بھی کہا گیا۔ آپ امام محمد مہدی علیہ السلام کے سگے چچا تھے۔ آپ کا دعویٰ واقعی دعویٰ تھا یا سیاسی مصلحت کے پیش نظر آپ نے ایسا کیا اس پر بہت زیادہ تحقیق کی ضرورت ہے۔

البتہ آپ کے تائب ہو کر وفات پانے کی خبر موجود ہے۔ اور امام محمد مہدیؑ کا فرمان بھی نقل کیا جاتا ہے کہ میرے چچا کے بارے میں اپنی زبانوں کو لگام دو وہ تائب ہو کر مرے ہیں۔ اس لئے آپ کو جعفر الزکی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد میں کثیر۔ علماء، مجتہد، صوفیاء، اولیاء اور دانشور گزرے ہیں آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی آپ کی اولاد بنو الرضا بھی کہلائی گئی۔ جو کثیر تعداد میں تھی۔ آپ کی کنیت ابا کرین بھی بیان ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے ایک سوبیس (۱۲۰) اولادیں تھیں۔ آپ کی اولاد میں سید مہدی رجائی نے اٹھارہ فرزند تحریر کئے ہیں:

(۱) علی اشقر	(۲) عبدالعزیز	(۳) یحییٰ صوفی	(۴) ابوالقاسم طاہر
(۵) اسماعیل حریفا	(۶) ادریس	(۷) عیسیٰ المجد	(۸) ہارون
(۹) محسن	(۱۰) عبداللہ	(۱۱) ابوجعفر محمد	(۱۲) عباس نسابہ
(۱۳) موسیٰ	(۱۴) عبیداللہ	(۱۵) ابراہیم	(۱۶) ابومحمد حسن

(۱۷)احمد (۱۸)اسحاق۔

اس کے علاوہ آپ کی ۲۷ دختران کا ذکر سید مہدی رجائی نے کیا ہے:

(۱)زینب (۲)ام عیسیٰ (۳)ام حسن (۴)ام حسین

(۵)سکینہ (۶)اسماء (۷)ام عبداللہ (۸)ام احمد

(۹)کلثوم الصغریٰ (۱۰)ام فروہ (۱۱)ام القاسم (۱۲)خدیجہ

(۱۳)ام موسیٰ (۱۴)آمنہ (۱۵)ام الفضل (۱۶)ام محمد

(۱۷)مریم (۱۸)کلیم (۱۹)حکیمہ (۲۰)دریہ

(۲۱)ام جعفر (۲۲)ام سلمہ (۲۳)حسنہ (۲۴)اُمینہ

(۲۵)میمونہ (۲۶)سمیہ (۲۷)آمنہ صغریٰ[1]

ان میں اوّل عیسیٰ المجد بن جعفر زکی:

آپ ابن رضا کے نام سے معروف تھے آپ عالم فاضل اور کامل تھے آپ سے شیخ اجل ابو محمد ہارون موسیٰ عکبری نے ۳۲۵ ہجری میں حدیث سنی اور آپ سے اجازہ حاصل کیا۔ بقول بیہقی آپ کے اعقاب نہ تھے۔[2]

دوم عباس جعفر زکی:

آپ علم الانساب کے ماہر تھے سید عبدالرزاق آل کمونہ نے آپ کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔[3]

سوم ابوالحسین محسن بن جعفر زکی:

بقول ابی الفرج اصفہانی کہ ''بر'' کے علاقے کے بدوؤں نے آپ کو قتل کیا اور آپ کو قتل کر کے آپ کا سر بغداد بھیج دیا گیا۔ آپ کے قاتل نے آپ کو قتل کرنے کا ظاہری طور پر یہ سبب بتایا کہ اس نے لوگوں کو حاکم کی مخالفت کی دعوت دی تھی لہٰذا میں نے اسے قتل کر دیا بعض جگہ آپ کو ابوالرضا بھی کہا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے مقتدر عباسی کے زمانے میں دمشق سے بمطابق ۳۰۰ ہجری خروج کیا تو آپ کو قتل کر دیا گیا اور اور قتل کر کے آپ کا سر بغداد کے پل پر لٹکا دیا گیا۔

---

[1] المعقبون من آل ابی طالب: از سید مہدی رجائی: ج دوم: ص ۳۲،۳۳

[2] لباب الانساب: از ابن فندق بیہقی: ج دوم: ص ۴۴۲

[3] منیۃ الراغبین فی طبقات النسابین: از سید عبدالرزاق آل کمونہ: ص ۱۴۹

اس کے علاوہ جعفر زکی کے دیگر پسران کی زیادہ معلومات میسر نہیں ہیں۔البتہ نسابین اس بات پر متفق ہیں کہ جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد چھے پسران سے جاری ہوئی (۱)علی اشقر (۲) یحییٰ صوفی (۳)ہارون (۴)اسماعیل حریفا (۵)ابوالقاسم طاہر (۶)ادریس۔

(۱۷۳) سادات نقوی بخاری

سادات نقوی بخاری برصغیر پاک و ہند میں سادات کا سب سے بڑا خاندان ہے۔ بقول سید محمد بن احمد بن عمید الدین نجفی حسینی کہ آپ کے جدامجد سید جلال الدین سرخ پوش کا نسب اس طرح ہے۔
سید جلال الدین حسین بن علی المویٔد بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبداللہ بن علی اشقر بن جعفر بن امام علی النقی [۱]

جبکہ مقامی شجروں میں سید جلال الدین حسین دراصل جلال الدین حیدر ہیں آپ کی پیدائش ۵۹۵ ہجری میں سرزمین بخارا میں ہوئی ابتدائی تعلیم بخارا میں ہی حاصل کی آپ کی شادی سیدہ فاطمہ بنت سید قاسم سے ہوئی اور دو پسران پیدا ہوئے: (۱) سید علی (۲) سید جعفر۔ آپ کے یہ فرزند آپ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ ان میں سے جعفر بخارا واپس چلے گئے۔ بیوی کی وفات کے بعد تقریباً ۶۳۰ ہجری کو سید جلال الدین سرخ پوش وارد ہند ہوئے اور بھکر میں سید بدرالدین بھکری کی دختر سیدہ کنیز زہرا سے شادی کی اس کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ اور بہاء الدین ذکریا ملتانی سے کسب فیض کیا آپ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے مشائخ میں سے تھے کچھ عرصہ بعد خاندانی نزاع کی وجہ سے اوچ شریف تشریف لائے۔

آپ کا انتقال ۹۵ سال کی عمر میں اوچ شریف میں ہوا آپ کے چار پسران ہوئے:(۱) سید جعفر جو بخارا واپس چلے (۲) سید علی سرمت (۳) سید احمد کبیر (۴) سید شاہ محمد غوث، سید جلال الدین سرخ پوش کی تبلیغ سے کثیر تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے آپ کی تصانیف میں (۱)اخبارالاخیار (۲)مظہر جلالی (۳) ریاضۃ الاحباب (۴)سیار الاقطار (۵)سیار العارفین ہیں۔ جن کے قلمی نسخے سادات کے پاس پائے جاتے ہیں۔ سید جعفر کے علاوہ آپ کے باقی تین پسران کی اولاد کثیر تعداد میں پاکستان و ہندوستان میں آباد ہے۔ جن میں کثیر تعداد میں اولیاء، صوفیاء، علماء، واعظین، خطیب پائے جاتے ہیں۔

---

[۱] بحرالانساب المسمیٰ بالمشجر الکشاف اصول السادہ الاشرف: ص ۴۰۔ از سید محمد بن احمد بن عمید الدین نجفی حسینی: تحقیق سید انس الکتبی نشر دار المجتبیٰ سن ۱۹۹۹ء، مدینہ منورہ

(۱۷۴) سید جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہانگشت بخاری

آپ سید جلال الدین حسین بن احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش المذکور ہیں۔آپ کی ولادت ۱۴ شعبان ۷۰۷ ہجری کو ہوئی۔ بقول میر علی قانع ٹھٹھوی کہ آپ کی ظاہری اور باطنی تربیت حالانکہ آپ کے والد محترم نے فرمائی لیکن اس کے باوجود وہ شیخ رکن عالم ملتانی کے مرید ہوئے۔انہیں مخدوم جہانیاں اس لئے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے دن انہوں نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضے پر جا کر عیدی طلب کی اس پر اندر سے آواز آئی خدا تعالیٰ نے تجھے ''مخدوم جہانیاں'' بنایا یہی عیدی تیرے لئے کافی ہے۔ پھر وہاں سے وہ شیخ صدر الدین عارف کے روضہ پر گئے تو وہاں بھی یہی آواز سنائی دی۔

چنانچہ جب وہ باہر آئے تو ہر کوئی انہیں ''مخدوم جہانیاں'' کہنے لگا۔آپ کی کرامتیں بیان سے باہر ہیں آپ خوارق العادات بزرگ تھے۔مکہ میں قیام کے دوران آپ کی امام عبداللہ یافعی سے صحبتیں رہا کرتی تھیں۔ اپنی کتاب خزانہ جلالی میں انہوں نے امام عبداللہ یافعی کے بیشتر ملفوظات رقم کئے ہیں۔مکہ سے واپسی پر انہوں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے سلسلہ چشتیہ کا خرقہ خلافت حاصل کیا۔اور پھر اوچ تشریف لائے۔

تاریخ محمدی میں تحریر ہے انہوں نے حرم نبوی کے سردار المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ عطری سے خلافت کی ٹوپی اور تبرک کا خرقہ پایا اور دو سال ان کی صحبت میں رہ کر کتاب عوارف اور سلوک کی دوسری کتابوں کی تعلیم پائی آخر میں شیخ عفیف الدین نے فرمایا کہ تمہارا قینچی چلانا (مرید بنانا) گازرون جانے پر موقوف ہے۔گازرون جانے پر شیخ امین الدین کے بھائی شیخ امام الدین نے انہیں بتایا کہ شیخ امین الدین نے رحلت کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ سید جلال الدین اوچ اور ملتان سے میری ملاقات کا ارادہ کیئے ہوئے آرہے ہیں جب وہ آئیں تو میرا مصلیٰ اور میری قینچی ان کے حوالے کر کے انہیں لوگوں کو مرید بنانے کی اجازت دے دینا۔ وہاں سے وہ نعمت حاصل کر کے واپس ہوئے اور شیخ رکن الدین ملتانی سے برکت کا خرقہ حاصل کیا۔

سلطان محمد تغلق کے زمانے میں آپ سیوستان اور اس کے گردونواح کے لئے شیخ الاسلام کے منصب اور خانقاہ محمدی کی سند سے سرفراز ہوئے لیکن پھر کچھ عرصہ بعد ان سب سے دستبردار ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی انہوں نے سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں ۷۸۵ ہجری میں وفات پائی اور اوچ شریف میں دفن ہوئے۔[1]

آپ کی اولاد آپ کے فرزند سید ناصر الدین محمود سے جاری ہوئی۔سید کرم حسین اچوی بخاری نے

---

[1] تحفۃ الکرام: از میر علی شیر قانع ٹھٹھوی: ترجمہ اختر رضوی: تصحیح و حواشی ڈاکٹر نبی بخش بلوچ: ص ۳۶۷۔۳۶۹: شائع سندھی ادبی بورڈ

اپنی کتاب بحر المطالب میں سید ناصر الدین محمود بن سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کے چودہ فرزند تحریر کیئے ہیں جن سے ان کی اولاد کا سلسلہ جاری ہوا۔ ان میں (۱) سید شہاب الدین (۲) سید اسماعیل جن کا لقب وجیہ الدین تھا (۳) شرف الدین (۴) سید علم الدین (۵) سید عبدالحق (۶) سید علاؤالدین (۷) سید عبدالرزاق (۸) سید فضل اللہ لاڈلہ جن کو بعض جگہ فیض اللہ بھی تحریر کیا ہے۔ (۹) سید عیسیٰ (۱۰) سید سراج الدین (۱۱) سید طیفور (۱۲) سید بہاء الدین (۱۳) مخدوم شمس الدین حامد کبیر (۱۴) سید برہان الدین گجرائی ہے[1]

(۱۷۵) سید محمد علی راجن المعروف راجو بخاری

سید محمد علی راجن بن سید حامد حسینی المعروف بڈھا بن سید محمد کیمیاء نظر بن سید رکن الدین ابوالفتح بن سید شمس الدین حامد کبیر بن سید ناصر الدین محمود بن سید جلال الدین المعروف مخدوم جہانیاں بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری المذکور۔

بقول میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کہ آپ عالی ہمت۔ فاضل اور صاحب کرامت سید تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہی آپ کے بزرگ بخارا سے ہندوستان آئے۔

آپ نے بلوچوں کی ایک جماعت کو اپنا مرید بنایا کسی وقت آپ ہمایوں بادشاہ سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ بادشاہ کو جب علم ہوا تو اس نے آپ سے ملنے کا پکا ارادہ کیا لیکن سید کے پہنچے پر ملا عبداللہ لاہوری نے بادشاہ کو ورغلایا کہ یہ سید رافضی بدعتی ہے اس کا استقبال دین کی توہین ہے غرض کہ بادشاہ کو اس قدر ورغلایا کہ اس نے سید محمد علی راجن کا بہ نفس نفیس استقبال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور اپنی جانب سے شہزادہ اکبر اور بیرم خان کو استقبال کے لئے بھیج دیا۔ اور خود معذرت چاہی تقدیر الٰہی کہ انہیں دنوں لاہور کے حاکم میر حاجی سیستانی نے ملا عبداللہ کو قید کر لیا۔ ملا عبداللہ لاہوری نے اپنے حق میں آزادی کی دعا کرنے کے لئے سلطان پور میں مقیم عزیز اللہ عباسی ملتانی کے پاس عریضہ تحریر کیا۔ جس پر شیخ موصوف دعا خواہی پر مشغول ہو گئے رات کو انہوں نے خواب میں سرور کائنات کو دیکھا کہ آپ کے گھٹنوں پر سید علی راجن سرکار بیٹھے ہیں شیخ عزیز اللہ نے عرض کیا ملا عبداللہ لاہوری حضور کا مداح ہے۔ اس کی آزادی کی طرف توجہ فرمایئے۔ تو آپ نے سید محمد علی راجن کی طرف دیکھ کر کہا کہ میرا فرزند ملا عبداللہ کے ہاتھوں خون کے آنسو رو رہا ہے۔ شیخ عزیز اللہ نے ملا عبداللہ لاہوری کے پاس جواب میں لکھ بھیجا جس پر ملا عبداللہ لاہوری نے توبہ و استغفار کر کے سید محمد علی راجن

---

[1] بحر المطالب: از سید کرم حسین اجوی بخاری، (غیر مطبوعہ)

سرکار کو راضی کیا۔[1]

آپ کا لقب سدھا بھاگ تھا اور بعض کہتے ہیں آپ کی نعرہ سدھا بھاگ تھا بقول قاضی نور اللہ شوستری کہ سید محمد علی راجن بخاری نے تقیہ نہیں کیا تھا وہ علی الاعلان مذہب حقہ کی تبلیغ کرتے تھے اس لئے ان کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کسی خیر خواہ نے ان سے کہا اگر آپ تقیہ کر لیں تو مناسب ہوگا آپ نے فرمایا اگر میں نے تقیہ کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ میری اولاد خارجی ہو جائے گی۔[2]

آپکے تین فرزند تھے: (۱) سید غلام عباس (۲) سید حسن المعروف موسیٰ غوث (۳) سید زین العابدین

(۱۷۶) سید محبوب عالم المعروف پیر شاہ جیونہ بخاری نقوی

سید محبوب عالم عرف شاہ جیونہ بن سید کبیر الدین بن سید زین العابدین بن سید عبدالرحمان کبیر بن سید عبدالکریم بن سید نور الدین حسین بن سید محمد سعید بن سید ابوسعید بن سید شاہ محمد غوث بن سید جلال الدین حیدر سرخ پوش المذکور آپ کی ولادت ۸۹۵ ہجری کو بمطابق ۱۴۸۶ کو قنوج ہندوستان میں ہوئی آپ کے والد سید کبیر الدین جید عالم دین تھے اور سلطان سکندر لودھی کے مشاہیر میں تھے۔ آپ نے اپنی ظاہری و باطنی تعلیم اپنی والد محترم سے حاصل کی آپ نے زندگی کا بڑا حصہ قنوج میں گزارا آپ نے قنوج میں اسلام کی تبلیغ کے لئے دن رات کوشش کی۔ آپ کے نام سے منسوب ایک قصبہ جیون ضلع قنوج کی تحصیل جلال آباد میں موجود ہے۔ ضلع قنوج میں حضرت شاہ جیونہ کے بسائے ہوئے قصبات، سرائے میاں، اونچہ بیبیا جلال پور، مخدوم پور، لال پور آج تک موجود ہیں۔ اسی طرح مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی مسجد قنوج شہر میں موجود ہے۔

پیر شاہ جیونہ قنوج سے پیل پدھراڑ کے علاقے میں وارد ہوئے یہاں سے آپ جھنگ میں ۹۶۱ ہجری میں آئے۔ آپ کو صورت مزمل سے خصوصی عشق تھا آپ سورۃ مزمل سے عوام الناس کو روشناس بھی کرواتے اور خود بھی اس کا ورد کرتے روایت ہے کہ آپ نے سورۃ مزمل کا ورد کروڑ مرتبہ کیا اسی وجہ سے آپ کروڑ یہ پیر کے نام سے مشہور ہوئے آپ نے ۶۷ سال کی عمر میں ۹۷۱ ہجری بمطابق ۱۵۶۳ عیسوی کو جھنگ میں وفات پائی۔[3]

آپ کی اولاد دو پسران: (۱) پیر کمال اور (۲) سید جلال الدین سے جاری ہوئی۔

---

[1] تحفۃ الکرام: از میر علی شیر قانع ٹھٹھوی: ص ۳۷۶، ۳۷۷۔ شائع سندھی ادبی بورڈ
[2] مجالس المومنین از قاضی نور اللہ شوستری ترجمہ محمد حسن جعفری: ص ۹۲۷
[3] تاریخ داعوت وعزیمت، از ابوالحسن علی ندوی: یادگار سہروردیہ: از ابوالفیض قلندر علی سہروردی، ص ۶۹۶

(۱۷۷) سادات اوچ بلوٹ بخاری نقوی

سید جلال الدین سرخ پوش کے بڑے فرزند سید شاہ محمد غوث کی اولاد نے اوچ بلوٹ ڈیرہ اسماعیل خان کو آباد کیا۔ سب سے اوّل سید عبدالوہاب زہدالانبیاء بن سید قطب الدین عرف قطب شیر بن پیر شاہ جنید بن سید عبدالرحمان کبیر بن سید عبدالکریم بن سید نور الدین حسین بن سید محمد سعید بن سید ابوسعید بن سید شاہ محمد غوث بن سید جلال الدین سرخ پوش آپ نے اوچ شریف بہاولپور سے اوچ بلوٹ ڈیرہ اسماعیل خان کو آباد کیا آپ ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتے حتیٰ کہ کئی کئی دن کچھ کھائے پیئے بغیر عبادت کرتے آپ ایک طولانی سجدے میں تھے کہ عوام نے آپ کی تسبیح کی آواز سُن لی۔ سبوحٌ قدوسٌ رب الملائیك والروح۔ آپ کی ولادت ۹۰۷ ہجری کو ہوئی اور وفات ۹۵۷ ہجری کو ہوئی۔ آپ کے ایک فرزند سید عبد الرحمان نوری حسینی تھے۔ اور ان کے آگے دو فرزند: (۱) سید شاہ محمد داؤد (۲) سید شاہ عیسیٰ قتال بابن بلوٹی تھے۔

اوّل سید شاہ محمد داؤد کی اولاد ان کے ایک فرزند سید عبدالغفور حسین سے جاری ہوئی جن کے آگے دس فرزند تھے: (۱) سید شاہ محمد (۲) سید مراد بخش (۳) سید خدا بخش (۴) سید محب شاہ (۵) درگاہ شاہ (۶) مرتضیٰ شاہ (۷) ستار علی شاہ (۸) کرم شاہ (۹) محمد شجاع (۱۰) اورنگ زیب شاہ۔

دوئم سید عیسیٰ قتال بن عبدالرحمان نوری بن عبدلوہاب زہدالانبیاء کی اولاد میں چھے فرزند تھے: (۱) سید عبدالرب اولاد نرینہ نہ تھی (۲) سید عبدالرشید (لاولد) (۳) سید حلیم شاہ آپ کی اولاد اوچ نوری گل امام جھنگ ٹھٹھی سیداں جنڈ اٹک میں آباد ہے۔ (۴) سید کریم شاہ آپ کی اولاد کریم پورہ پشاور، مرائی بالا وادی تیراہ۔ مل پور اسلام آباد تریٹ سیداں مری میں ہے (۵) سید رنگیلا جلال آپ کی اولاد اوچ بلوٹ میں ہے۔ (۶) سید عبدالباری المعروف حاجی امام سرکار آپ کی اولاد مظفر آباد پیر چناسی کاٹھ گڑھ سادات، منکرائے ہری پور وغیرہ میں کثیر تعداد سے ہے۔[۱]

(۱۷۸) سادات بھکری نقوی رضوی

اسماعیل حریفا بن جعفر بن امام علی نقی کی اولاد سے سادات عالیہ بھکری نقوی رضوی ہیں۔ ان کے جد امجد سید محمد مکی سب سے اوّل وارد سندھ ہوئے بعدازاں ان کی اولاد پنجاب ملتان اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئی ان کے قدیم مشجرات میں ایک مخطوط جام شورو یونیورسٹی سندھ میں محفوظ رہے اور اس کے

---

[۱] مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب: از سید قمر عباس اعرجی: ص ۴۴۵، ۴۴۶

علاوہ اسی خانوادے سے تعلق رکھنے والے سید معین الحق جھانسوی کے مطابق نسب کی روایت اس طرح ہے سید محمد مکی بن سید شجاع الدین بن قاسم بن زید بن جعفر بن حمزہ بن ہارون بن عقیل المعروف ناصر بن اسماعیل حریفا بن جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام اور یہ لفظ ناصر ان کے اکثر قدیم مخطوطات میں موجود ہے۔ جس کی توجیہ سید معین الحق جھانسوی کے مطابق یہ ہے کہ عقیل کا لقب ناصر تھا اور انہیں نصر اللہ بھی کہتے ہیں۔ اور ان کی کنیت ابوالحسین تھی۔ آپ کی ولادت ۳۱۰ ہجری میں ہوئی اور وصال ۴۰۰ ہجری میں ہوا آپ کی قبر مشہد مقدس میں حضرت معروف کرخی کی چلہ گاہ سے متصل ہے۔[1]

اس روایت کی تائید میں سید جمال الدین ابن عنبہ کی کتاب عمدۃ الطالب ملتی ہے۔[2]

تاہم عمدۃ الطالب کے ہی بعض نسخوں میں یہ روایت تھوڑی طویل ہے۔ جیسے ناصر بن اسماعیل بن علی بن محمد بن اسماعیل حریفا المذکور کچھ مخطوطات میں اوّل روایت ہے اور کچھ میں دوم روایت مذکور ہے۔ سندھ کے رضوی نقوی بھاکری سادات کے ایک گھرانے سے حال ہی میں کچھ مزید مخطوطات دریافت ہوئے ہیں جن میں سید محمد مکی کا نسب اس طرح درج ہے۔ سید محمد مکی بن سید محمد شجاع بن سید ابراہیم بن سید محمد قاسم بن زید بن سید جعفر بن حمزہ بن ہارون بن ابی عقیل جعفر سمین بن اسماعیل حریفا بن جعفر بن امام علی نقی المذکور۔

اور اس روایت کے حق میں بھی علم الانساب میں ایک روایت موجود ہے۔ بقول امام فخر الدین رازی کہ اسماعیل حریفا کی اولاد جعفر السمین کے علاوہ جاری نہ ہوئی اور بعض نے کہا ان کا ایک اور فرزند محمد نامی تھا جس سے اس کی اولاد تھی۔[3]

اس کے علاوہ عوام الناس میں ایک تیسرا شجرہ بھی پایا جاتا ہے جس کے مطابق سید محمد مکی بن سید شجاع بن ابراہیم بن قاسم بن زید بن جعفر بن حمزہ بن ہارون بن عقیل بن اسماعیل ن علی اشقر بن جعفر بن امام علی نقیؑ۔ علم الانساب کی رو سے تیسری روایت ثابت نہیں ہوتی۔ اور اس کے بارے میں سید جعفر الاعرجی نے مناہل الضرب میں تحریر کیا ہے کہ اسماعیل بن علی اشقر لاولد تھے۔[4]

دوسری طرف سید جعفر اعرجی نے بھی اول روایت کی تائید کی ہے کہ اسماعیل حریفا بن جعفر بن امام علی

---

[1] منبع الانساب: از سید معین الحق جھانسوی: ص ۳۱۲: نشر مدرسہ فیضانِ مصطفیٰ زہرہ باغ نئی آبادی علی گڑھ ہندوستان ۲۰۱۰ عیسوی

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب: از ابن عنبہ: ص ۱۸۰

[3] الشجرۃ المبارکہ، از امام فخر الدین رازی، ص ۸۰

[4] مناہل الضرب فی انساب العرب از سید جعفر اعرجی، ص ۴۲۰

نقیؑ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی۔ ناصر بن اسماعیل حریفا جن کی اولاد آل ناصر کہلاتی ہے اور ابوالبقاء بن اسماعیل حریفا جس کا ایک فرزند محمد نامی تھا[1]

یوں سید محمد مکی کے نسب کی مجموعی طور پر تین روایات ہوگئیں جن میں اول روایت ناصر بن اسماعیل حریفا بن جعفر پر منتھیٰ ہوئی ہے۔اور اس کی تائید عرب علم الانساب، سادات بھکری کے قدیم شجرات اور منبع الانساب سے ہوجاتی ہی اور یہ روایت تواتر سے ہندوستان، پاکستان میں ملتی ہے اور اس کا وجود چھ سو سال پرانا ہے اور نسب کی معتبر ترین کتاب عمدۃ الطالب اور مناہل الضرب میں اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

دوم روایت کے مطابق سید محمد مکی کا نسب جعفر السمین بن اسماعیل حریفا پر منتہی ہوتا ہے اور اس کے حق میں کتاب شجرہ المبارکہ ہے علم الانساب کی رو سے یہ روایت بھی غلط نہیں ہے مگر اس روایت میں تواتر نہیں سادات بھاکری کے دو تین خانوادوں یا اس سے کچھ زیادہ خانوادوں کے پاس کچھ شجرات میں یہ ملتی ہے۔معین الحق جھانسوی جو اس بھاکری خاندان کا ہی فرد ہے اس نے اپنی کتاب منبع الانساب میں اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی یہ روایت سادات بھاکری کے خانوادوں میں عام ہے۔

سوم روایت میں سید محمد مکی کا نسب اسماعیل بن علی اشقر بن جعفر بن امام علی نقیؑ پر منتھیٰ ہوتا ہے۔ یہ روایت علم الانساب سے ثابت نہیں ہوتی۔

یوں اول روایت معتبر ترین روایت ہے تاہم دوسری روایت بھی غلط نہیں ہے اور تیسری روایت ثابت نہیں ہوتی۔

(۱۷۹) سید محمد مکی

آپ کا نام عرف عام میں سید محمود مکی شیر اسوار بھی لیا جاتا ہے بقول سید معین الحق جھانسوی آپ کی کنیت ابو محمد اور لقب حامد تھا۔آپ کی ولادت ۵۴۰ ہجری میں مکہ معظّمہ میں ہوئی اور ۶۴۴ ہجری میں انتقال ہوا۔تیس سال کی عمر میں یمن میں عباسیوں کے خلاف جنگ میں مصروف رہے اور خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اشارہ پایا کہ ہندوستان تشریف لے جائیں آپ ایک لشکر کے ساتھ ہندوستان وارد ہوئے اور ایک صحرائی علاقے میں پہنچے جو قدیم سکھر (سندھ) کا علاقہ تھا آپ نے اس شہر میں ایک گائے ذبح کی اور شہر آباد کرنے کی بنیاد ڈالی جس کا نام عربی لفظ بقر (گائے) کے نام پر تجویز کیا گیا، سندھی میں یہ بقر بکر مشہور ہوا اور بعد میں یہ لفظ

---

[1] مناہل الضرب فی انساب العرب، از سید جعفر اعرجی، ص ۴۱۶

بھکر بن گیا۔[1]

دوسری روایت کے مطابق بقول میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کہ بھکر شہر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب سید محمد مکی اس مقام پر وارد ہوئے تو آپ نے فرمایا ''جعل اللہ بکرتی فی البقعہ المبارکہ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے میری صبح مبارک مقام پر کرائی ہے بکرۃ یعنی پو پھوٹنے کا وقت چنانچہ اسکے بعد اس مقام کا نام بکرۃ رواں ہوگیا جو آہستہ آہستہ بدل کر بھکر ہوگیا۔ یہ ایک قدیم شہر ہے اور سکھر اور روہڑی اس کے بعد کے ہیں۔[2]

بقول معین الحق جھانسوی سید محمد مکی کے چار فرزند تھے:

(۱) سید صدر الدین خطیب　(۲) سید بدر الدین　(۳) سید شمس الدین

(۴) سید ماہ

لیکن مشجرات میں ان کی تعداد میں فرق پایا جاتا ہے اور آپس میں مطابقت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ سید صدر الدین کے ایک فرزند سید بدر الدین بھی تھے۔

عوام الناس میں شدید اشتباہ ہے کہ اوچ شریف ہجرت کرنے والے بدر الدین کون سے تھے اور اسی طرح ان کی اولادوں میں بھی اشتباہ ہے کہ وہ کون سے بدر الدین کی اولاد ہیں۔

معین الحق کے مطابق اوچ شریف ہجرت کرنے والے سید بدرالدین بن سید محمد مکی تھے۔ اور قلمی شجرات میں یہ بدر الدین بن صدر الدین بن سید محمد مکی تھے اور بعض کے مطابق بدر الدین بن سید محمد مکی کی اولاد نرینہ نہ تھی۔ واللہ اعلم

سید صدر الدین خطیب کی ولادت ۱۰ رجب المرجب ۶۰۰ ہجری کو ہوئی آپ اپنے والد محترم کے سجادہ نشین تھے آپ نے دو شادیاں کیں، پہلی شادی اپنے تایا سید احمد کی بیٹی سے کی جن کے بطن سے : (۱) سید بدرالدین (۲) سید علاؤ الدین (۳) سید علی (۴) سید امام الدین (۵) سید ناصر الدین (۶) سید نظام الدین ہوئے۔ جبکہ دوسری بیوی سادات لکیاری سے تھیں جن کے بطن سے : (۷) سید تاج الدین (۸) سید قطب الدین (۹) سید جمال الدین (۱۰) سید کمال الدین پیدا ہوئے۔

آپ کی کرامات اور علم کے چرچے دور دراز تک پھیلے ہوئے تھے حتیٰ کہ لعل شہباز قلندر نے بھی آپ کے در اقدس پر حاضری دی۔ آپ کی اولاد سے کثیر تعداد میں اولیاء اللہ پیدا ہوئے۔

---

[1] منبع الانساب، از سید معین الحق جھانسوی

[2] تحفۃ الکرام، از میر علی شیر قانع ٹھٹوی، مترجم: اختر رضوی، ص ۳۸۴، نشر سندھی ادبی بورڈ جام شورو

(۱۸۰) مشاہیر سادات بھکری رضوی نقوی

اول سید مور شاہ:

آپ کا اصل نام سید محمد شریف تھا۔ سید محمد شریف المعروف مورشاہ بن سید سلطان ثانی بن سید عبدالحمید بن محمد بن علی ثانی بن سلطان اول بن علی اول بن محمود بن ابوالمغیث بن تاج الدین ثانی بن سید خلق صدق بن سید تاج الدین بن سید صدر الدین خطیب بن سید محمد مکی المذکور، آپ کی ولادت ۱۰۲۵ ہجری کو ہوئی۔

آپ سندھ میں عزاداری کے بانیوں میں سے ہیں۔آپ سندھ سے پیدل روضہ اقدس امام حسینؑ کی زیارت کیلئے جایا کرتے تھے جب آپ ۸۰ برس کے ہوئے تو امام حسینؑ آپ کو خواب میں آئے کہ اے مورشاہ اب آپ بوڑھے ہوگئے ہیں اب آپ کربلا نہ آئیں ہم خود آپ کی طرف قاصد بھیجیں گے۔آپ نے یہ خواب اپنے رشتہ داروں اور احباب کو سنایا اور آئندہ آنے والی ۱۰ محرم میں ایک شخص آپ کے پاس آیا جس کے پاس ڈھالیں اور نقشہ مزار حضرت امام حسینؑ تھا وہ شخص کہتا ہے کہ حضرت یہ آپ کے لئے کربلا عراق سے آیا ہے۔ کربلا میں آپ کے نام سے مسجد بھی بنائی گئی تھی۔

آپ روہڑی میں مرکزی جلوس کے بانیوں میں بھی ہیں آپ نے عزاداری کو بہت فروغ دیا۔ دس محرم کے مرکزی جلوس میں جو تعزیہ برآمد ہوتا تھا اسپر آج بھی وہ ڈھالیں لگائی جاتی ہیں جو آپ کو کربلا سے تحفہ میں آئی تھیں۔آپ کی وفات ۱۰۹۵ کے لگ بھگ ہوئی۔

دوم سید وارث شاہ:

آپ کا سلسلہ نسب بھی سید محمد مکی پر منتھیٰ ہوتا ہے۔آپ کی پیدائش ۵ ربیع الثانی ۱۷۱۸ عیسوی بتائی جاتی ہے۔آپ کے والد کا نام سید گل شیر شاہ تھا۔آپ نوجوانی میں ہی علم حاصل کرنے کی غرض سے قصور روانہ ہوئے اور حضرت مولانا غلام مرتضیٰ قصوری سے تعلیم حاصل کی۔حضرت بابا بلھے شاہ آپ کے ہمراہ ان حضرت سے تعلیم حاصل کررہے تھے۔

اس کے بعد آپ روحانی تربیت کے لئے حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر کے خاندان میں کسی فرد سے بیعت ہوئی۔اور کچھ عرصہ قیام کے بعد ملکہ ہانس سے گزرے تو ایک دوشیزہ ''بھاگ بھری'' سے محبت کر بیٹھے اور ان ہی دنوں آپ نے اپنی محبت کو ہیر رانجھے کی شکل میں لکھ دیا۔ یہ قصہ آپ نے ایک مسجد میں بیٹھ کر تحریر کیا اور قصے کے آخری حصہ اپنے گاؤں جنڈیالہ شیر خان میں مکمل کیا۔

جب ''ہیر رانجھا'' کے متعلق آپ کے استاد حضرت غلام مرتضیٰ قصوری کو علم ہوا تو انہوں نے اس واقعہ پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

اور کہا وارث شاہ بلھے شاہ نے علم حاصل کر کے سارنگی بجانی شروع کر دی اور تم نے ہیر لکھ ڈالی آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ کو مریدوں کے حوالے کر دیا اور ایک حجرے میں بند کر دیا۔ دوسرے دِن باہر نکلوایا اور کتاب پڑھنے کا حکم دیا جب آپ نے پڑھنا شروع کیا تو مولانا صاحب نے فرمایا۔

وارث تم نے تو جواہرات مونج کی رسی میں پرو دیئے ہیں یہ پہلا فقرہ ہے جو اس کتاب کی قدرو منزلت ظاہر کرتا ہے۔ آپ نے ہیر وارث شاہ لکھ کر اس قصہ کو زندہ کر دیا اور شروع سے لے کر آخر تک مکالمہ نگاری سے کام لیا۔ اور مکالموں کے ذریعے کہانی کے کرداروں کو بڑی رعنائی کے ساتھ بیان کیا۔ آپ نے پنجابی زبان کو عروج بخشا۔ مشہور قول کی بنیاد پر آپ نے تمام عمر شادی نہیں کی آپ نے ۷۶ برس کی عمر میں ۱۷۹۸ کو وفات پائی اور جنڈیالہ شیر خان شیخو پورہ میں دفن ہوئے[1]

سوم: میر سید یعقوب علی خان نقوی الرضوی:

آپ سادات بھاکریہ کے مشاہیر میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ نواب میر یعقوب علی خان بن میران بن سید یعقوب بن سید اسحاق بن سید عبدالخیر بن سید بڈھل شاہ بن سید رکن الدین بن سید سعدالدین بن سید میر میران بن سید خلق صدق بن سید تاج الدین بن سید صدرالدین خطیب بن سید محمد مکی المذکور۔

اورنگ زیب عالمگیر کے ایام سلطنت میں بھکر کے کمان دار عبداللہ خان تھے نواب میر یعقوب علی خان کی عبداللہ خان کے ساتھ بہت قرابت تھی۔ ۲۸ اگست ۱۶۵۹ عیسوی کو آٹھ سال کے لئے میر یعقوب علی خان کو سری نگر کا افسر اعلیٰ تعینات کیا گیا۔

اس کے بعد میر یعقوب علی خان رضوی نقوی کو سہون کے گورنر کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ ۱۶۷۷ عیسوی کو اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کو ۵۰۰ سپاہی دو گھوڑے دو ہاتھی اور بیس لاکھ درہم عطا کیئے۔ اس کے علاوہ آپ کو سرکاری خطاب بھی دیئے گئے جن میں امین، فوجدار اور دیوان شامل ہیں۔ آپ کا ایک فرزند جس کا نام امیر علی تھا چھے سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ آپ کو اولاد نرینہ کی کافی خواہش تھی۔ آپ نے مَنت کے طور پر درگاہ حضرت لعل شہباز قلندر میں مسجد تعمیر کروائی اور خداوند تعالیٰ نے آپ کو اس کے بعد ایک فرزند عطا کیا جس کا

---

[1] عظیم صوفی درویش شاعر وارث شاہ: از رانا رضوان ادریس گجی نوائے وقت ایڈیشن اردو ۲۳ ستمبر ۲۰۱۳

نام میر صادق علی رکھا گیا۔ میر یعقوب علی خان ۱۶۴۱ء میں لاہور آئے اور چار سال قیام کیا اور یہاں ہی آپ نے بی بی سعادت بخش سے شادی کی جو سید علاؤالدین بن سید صدر الدین خطیب بن سید محمد مکی کی اولاد سے تھیں اور لاہور میں بھی آپ نے ایک محل جیسا گھر اور ایک مسجد تعمیر کروائی لیکن اب اس گھر کے آثار باقی نہیں رہے۔ روہڑی کے قریب کوٹ میر یعقوب علی خان آپ سے منسوب ہے جہاں آپ کی اولاد آباد ہے۔[1]

چہارم: سادات عالیہ مونہ سیداں منڈی بہاء الدین:

سید صدر الدین خطیب کے فرزند سید علی مرتضیٰ کی اولاد سے ایک مرد قلندر علی میران نقوی رضوی اپنے خاندان کے کچھ افراد کے ہمراہ تقریباً ۱۶۰۰ عیسوی کے لگ بھگ سندھ سے پنجاب داخل ہوئے اپنے ایک سفر کے دوران گوندل بار کے علاقے میں آئے جہاں راجہ مونہ کی حکومت تھی جو اس علاقے کا مالک تھا۔ سید علی میران نقوی بھاکری کے سفر کے دوران راجہ مونہ آپ کے راستے میں حائل ہوا جو بعد میں آپ کی کرامت سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ سید علی میران نے اسی مقام پر آباد ہونے کا فیصلہ کیا اور یہاں ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی اولاد سے قاضی سید گلاب علی شاہ کو سترھویں صدی عیسوی میں سرکاری طور پر قاضی کا خطاب ملا تھا اس کے علاوہ سید قاضی نادر شاہ بھی سید علی میران کی نسل سے گزرے ہیں۔ سید سبط الحسن ضیغم نقوی بھی اسی نسل کے فرد ہیں جو کہ پنجابی زبان کے معروف ادیب اور شاعر تھے۔ اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

سید علی میران کی نسل سے علامہ سید شبیر حسین شاہ نقوی نے انگلستان میں سکونت اختیار کی اور وہاں مذہب اہل بیت کی تبلیغ کی۔ آپ نے مانچسٹر میں قیام کے دوران عزاداری کو فروغ دیا، آپ انگلستان میں عزاداری کے بانیوں میں شمار ہوئے ہیں۔ حال ہی میں ان کی کتاب شجرہ طیبہ فی حرمت نکاح سیدہ منظر عام پر آئی جو اس موضوع پر سب سے طویل کتاب شمار ہوتی ہے۔ آپ کے فرزند سید نقی الحسنین نقوی سادات نقوی رضوی بھاکری پر نقیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور نقابت سادات الاشراف کو قائم کرنے والے ہیں اور علم الانساب میں کمال مہارت رکھتے ہیں۔ جنہوں نے اس علم میں جید اجازہ حاصل کیا ہوا ہے۔ ان کا اجازہ نسابہ معین الاشراف سید جعفر اعرجی حسینی بغدادی پر منتھیٰ ہوتا ہے۔ پنجم سید شاہ فتح حیدر اور سید شاہ اللہ دتہ یہ دونوں برادر علاقہ پوٹھوہار میں وارد ہوئے سید محمد مکی خاندان سے بلند مرتبہ بزرگان تھے۔ سید شاہ فتح حیدر کا مزار ٹیکسلا میں ہے آپ کی کثیر اولاد ہے جو ٹیکسلا اٹک اور فتح جنگ میں آباد ہے۔ سید شاہ اللہ دتہ کا مزار موضع شاہ اللہ دتہ

[1] تذکرہ میر یعقوب علی خان قلمی نسخہ فارسی از میر یعقوب علی شاہ چہارم: تذکرہ مشاہیر سندھ: از مولانا دین محمد وفائی: ص ۶۹

اسلام آباد میں ہے آپ کی دختری اولاد بھی بہت کثیر ہے آپ کی دختر کی شادی سید رحمت اللہ شاہ بھاکری نقوی سے ہوئی تھی۔ جنکی اولاد موضع شاہ اللہ دتہ اور دیگر علاقہ جات میں آباد ہے۔ ان میں سے کئی نامور شخصیات گزری ہیں۔

(۱۸۱) سید دلدار علی نقوی مجتہد ہندوستان

سید دلدار علی نقوی نصیر آبادی بن سید محمد معین بن سید عبدالہادی بن سید ابراہیم بن سید طالب بن سید مصطفیٰ بن سید محمود بن ابراہیم بن سید جلال الدین بن زکریا بن خضر (جعفر) بن سید تاج الدین بن سید نصیرالدین بن سید علیم الدین بن سید علم الدین بن سید شرف الدین بن سید نجم الدین سبزواری فاتح جالیس بن علی بن ابوعلی بن ابویعلیٰ محمد دلال بن ابو طالب حمزہ بن محمد دانقی بن ابو القاسم طاہر بن جعفر بن امام علی نقی المذکور۔ آپ کی ولادت ۱۱۶۶ ہجری کو لکھنؤ کے قریب واقع قصبہ نصیر آباد میں ہوئی۔[۱]

آپ ہندوستان کے جید شیعہ علماء میں سے ہیں۔ تاریخ لکھنؤ کے مطابق سید دلدار علی کو ۱۲۳۵ ہجری میں ان کی وفات کے بعد امجد علی شاہ نے غفران مآب لکھنا شروع کیا اس وقت سے آپ غفران مآب مشہور ہو گئے۔[۲]

آپ کے اجداد میں سے سید نجم الدین سبزواری ایران کے شہر سبزوار سے سلطان محمود غزنوی کے سپہ سالار مسعود عازی کی مدد کے لئے ہندوستان تشریف لائے اور لکھنؤ سے ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر جای عیش نامی جگہ کو اپنا مسکن بنایا یا بروایت دیگر اس علاقے کو فتح کیا جو بعد میں جالیس کے نام سے مشہور ہوگئی۔[۳]

آپ کے اجداد میں سے زکریا نے تباک پور یا پتاک پور کو اپنے قبضے میں لیا اور اس کا نام اپنے جد نصیرالدین کے نام سے نصیر آباد رکھ دیا۔[۴]

آپ کی تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی مزید علم کے لئے رائے بریلی کے مولوی باب اللہ اور الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی کے پاس گئے۔ لکھنؤ میں حیدر علی بن ملا حمد اللہ سے علوم منقول اور معقول حاصل کئے خود اِن کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں رائج دروس نظامی اور عقلی علوم کو اکثر مذہبی لحاظ سے حنفی اور عقیدتی لحاظ

[۱] اعیان الشیعہ از سید محسن امین عاملی: ج ششم: ص ۴۲۵
[۲] تاریخ لکھنؤ: از سید آغا مہدی لکھنوی: ص ۳۱۹: کتب پرنٹرز اینڈ پبلیکیشنز، کراچی
[۳] اعیان الشیعہ: از محسن امین: ج ۶: ص ۴۲۵
[۴] ورثہ انبیاء: از سید احمد نقوی: ص ۳۷

سے ماتریدی مکتب فکر کے علماء سے حاصل کیا۔

ہندوستان سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مزید علم کے حصول کے لئے عراق و ایران کا رخ کیا عراق میں آپ نے وقت کے مشہور اساتذہ، آیت اللہ وحید بھبھانی صاحب ریاض سید بحر العلوم اور سید محمد مہدی شہرستانی سے کسبِ فیض کیا۔

اصولی مجتہد:

نجف کربلا اور سامراء کے اساتذہ سے اجتہاد کی اجازت حاصل کرنے کے بعد ۱۱۹۴ ہجری میں مشہد پہنچے اور مرزا مہدی اصفہانی سے کسبِ فیض کیا۔ اور ان سے اجتہاد کا اجازہ بھی حاصل کیا[۱]

آپ ۱۲۰۰ ہجری میں ہندوستان واپس آئے اور نصیر آباد میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اودھ حکومت کے وزیر کو یہ خبر ملی تو آپ کو نصیر آباد سے لکھنؤ بلوایا۔

آپ ہندوستان میں مجتہد سے مشہور ہوئے اور امامیہ اصولی مذہب کی ترویج کی۔[۲]

آپ حوزہ علمیہ ہندوستان کے موسس اور پہلے شیعہ مجتہد کے عنوان سے جانے جاتے ہیں۔[۳]

شاگردان:

آپ کے شاگردوں میں سید احمد علی محمد آبادی، سید محمد قلی موسوی، امیر سبحان علی خان، سید حمایت حسین نیشاپوری کنثوری۔ مرزا زین العابدین، سید یاد علی میر مرتضیٰ محمد کشمیری شامل ہیں۔

روایت اور اجتہاد میں اجازت:

آپ نے سید بحر العلوم سے دو مرتبہ اجتہاد اور روایت کرنے میں اجازت حاصل کی اسی طرح اپنے استاد میر مہدی بن ابو القاسم شہرستانی سے بھی اجازہ حاصل کیا۔ آپ نے لکھنؤ کو علم کا مرکز بنایا اور عراق اور ایران کی مثل یہاں مدارس قائم کئے۔

وفات اور اولاد:

آپ کی وفات اُودھ کے حاکم غازی الدین حیدر شاہ کی حکومت کے دوران ۱۲۳۵ ہجری کو ہوئی اور آپ لکھنؤ میں اپنی تعمیر کردہ امام بارگاہ میں دفن ہوئے آپ کی عمر مبارک ۴۷ سال تھی آپ کی اولاد میں پانچ

۱۔ اعیان الشیعہ : سید محسن امین عاملی: ج ششم: ص ۴۲۵
۲۔ اعیان الشیعہ : سید محسن عاملی: ص ۴۲۵: ج ششم
۳۔ نقش دلدار علی نقوی در گرایش شیعیان شبہ قارہ ہند بہ مسلک اصولی از سبط حیدر زیدی: ص ۲۱۹

فرزند تھے: (۱)سلطان العلماء سید محمد نقوی (۲) سید علی (۳) سید حسن (۴) سید مہدی (۵)سید العلماء سید حسین علیین۔

(۱۸۲) سادات امروہہ

سید حسن شرف الدین سادات امروہہ کے جدامجد ہیں آپ سید حسن شرف الدین المعروف شاہ ولائیت بن سید علی بزرگ بن مرتضیٰ بن ابی المعالی بن ابی الفرج واسطی صیداوی بن داؤد بن حسین بن علی بن ہارون بن جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام۔آپ ساتوں صدی ہجری کے آغاز میں امروہہ وارد ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ آپ ایران سے منگولوں کے حملوں کی وجہ سے وارد ہندوستان ہوئے۔آپ کی امروہہ آمد سے یہ علاقہ تبلیغ اسلامی کے لئے اہم ثابت ہوا جبکہ بعض دیگر کے بقول آپ ۶۵۳ یا ۶۴۰ ہجری کے آس پاس سہوردا ملتان میں پیدا ہوئے۔ اور پھر اپنے والد سید علی بزرگ کے انتقال کے بعد ۶۷۰ ہجری کو میران سراء سے امروہہ تشریف لائے اور تقریباً ۱۳۰ سال کی عمر مبارک میں ۲۱ رجب ۷۸۳ کو انتقال فرمایا۔آپ کے بڑے فرزند سید امیر علی امروہہ کے منصب دار بنے اور چھوٹے بیٹے سید عبدالعزیز نے فنون لطیفہ میں کمال حاصل کیا سید عبدالعزیز کی شادی فیروز شاہ تغلق کی بیٹی زبیدہ بی بی سے ہوئی۔[1]

سادات امروہہ اس وقت کثیر تعداد میں پاکستان ہندوستان میں آباد ہے۔تقسیم ہند کے بعد کافی خاندان کراچی میں مقیم ہو گئے ان میں کثیر تعداد میں علماء پیدا ہوئے۔

(۱۸۳) سید علی ترمذی خراسانی

آپ کا تعلق سادات حسینی سے ہے آپ ۹۰۸ ہجری کو ولائیت قندوز تحصیل چاردرہ علاقہ ترمذ موضع خواجہ غلطان میں پیدا ہوئے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا سید احمد نور سے حاصل کی آپ کے دادا محترم سلسلہ کبرویہ سہروردیہ سے منسلک تھے کہا جاتا کہ آپ کے والد محترم سید قنبر علی ہمایوں کی فوج میں کمانڈر تھے۔آپ نے اپنے دادا کے علاوہ شیخ سالار رومی سے بھی فیض حاصل کیا آپ صاحب نظر بزرگ تھے۔آپ کی تبلیغ سے صوبہ خیبر پختونخوا میں کئی قبائل ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

---

[1] ماہنامہ وابستہ دہلی: ج ا شمارہ ۱۰: از سید کلیم سطبین نقوی

آپ کی شہرت اس قدر تھی کہ ہر وقت لوگوں کا ہجوم آپ کے گرد رہتا انہیں لوگوں میں ملک گدائی اور حاجی سیف اللہ تھے جو دوآبہ کے رہنے والے تھے۔ یہ دونوں آپ کے مرید بن گئے اور یوں رفتہ رفتہ آپ کا نام بہت دور دور تک مشہور ہو گیا اور لوگ جوق در جوق آپ کے مرید بننا شروع ہو گئے۔ آپ کے مرید خاص اخوند درویزہ فرماتے ہیں۔ کہ میں کچھ عرصہ آپ سے ملاقات نہ کر سکا آپ نے سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ حضور خالی ہاتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ لوگ جو اونٹ گائے اور گھوڑے لنگر میں پیش کرتے ہیں۔ میں ان کو دوست یا مرید خیال نہیں کرتا بلکہ اللہ کی جانب سے جانتا ہوں مگر ہاں میرے دوست اور مرید وہ ہیں جو مجھ سے روحانی فائدہ حاصل کرتے ہیں اور میرے احوال پر نظر رکھتے ہیں۔[1]

حضرت سید علی ترمذی کی ساری زندگی لوگوں میں خداوند تعالیٰ کا فیض پہنچانے میں گزری آپ کی وفات ۹۹۱ ہجری کو ہوئی آپ کا مزار ضلع بونیر موضع باچہ کلے میں ہے۔ اور ان کی اولاد میں کثیر اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں۔ اس وقت آپ کی اولاد کی کثیر تعداد سوات، ہری پور، مانسہرہ، کاغان میں آباد ہے۔

آپ کی اولاد سے سید پھل حسین شاہ نقوی بن سید نور نبی شاہ بن سید شاہ رسول بن سید نور جمال شاہ بن سید زمان شاہ بن سید سرور شاہ بن سید کریم شاہ بن سید حضرت شاہ بن سید بدر الدین شاہ بن سید مسعود شاہ بن سید عبدالوہاب شاہ بن سید مصطفیٰ شاہ بن سید علی ترمذی خراسانی المذکور ہیں جن کی رہائش ہری پور کھلا بٹ میں ہے۔ آپ کے دو فرزند سید نعلین الحسن اور سید اولیاء حیدر ہیں۔

[1] تذکرہ علماء و مشائخ سرحد: ج اوّل: از محمد امیر شاہ قادری: ص ۱۰۔۱۵: عظیم پبلیشنگ ہاوس: خیبر بازار پشاور

باب دوازدہم:

(۱۸۴) حضرت محمد حنفیہ بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

آپ کا نام محمد تھا آپ کی کنیت ابو القاسم آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن دول بن حنفیہ تھیں چونکہ آپ کی والدہ کا تعلق بنی حنفیہ سے تھا اس لئے آپ محمد بن حنفیہ مشہور ہوئے بقول ابن کلبی آپ کی والدہ کا تعلق یمامہ سے تھا۔

بقول ابی نصر بخاری محمد ابن حنفیہ کی وفات ربیع الاوّل سن ۸۱ ہجری میں ۶۵ سال کی عمر میں ہوئی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ بقول ابی الیقظان کہ آپ کی والدہ خولہ بنت قیس بن مسلمہ تھیں۔ اور آپ کی نانی دختر عمرو بن ارقم بن عبداللہ بن ایاس بن جعفر الحنفی تھیں۔[1]

محمد ابن سعد کے بقول آپ کی وفات ۸۱ ہجری کو ۶۵ سال کی عمر میں ہوئی اس لئے آپ کی ولادت ۱۶ ہجری کو بنتی ہے۔[2]

جنگ جمل:

۳۶ ہجری کو جنگ جمل واقع ہوئی آپ نے اس جنگ میں شرکت کی آپ نے خزیمہ ابن ثابت (ذوالشہادتین) اور بعض دوسرے انصار جن میں بہت سے بدر کے جنگجو تھے ان کی مدد سے دشمن پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا اور دشمن کو شکست سے دوچار کیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے جنگ جمل میں لشکر کی سپہ سالاری کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔

کربلا میں غیر موجودگی کے اسباب:

شیعہ علماء اور رجال کے ماہرین نے محمد ابن حنفیہ کی واقعہ کربلا میں غیر حاضری کے کچھ جواز پیش کئے ہیں:

(۱) امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے مکہ کی جانب کوچ کرتے وقت محمد ابن حنفیہ بیمار تھے۔[3]

(۲) بعض نے آنکھوں کا درد بیان کیا ہے کہ اس وجہ سے آپ سفر نہ کر سکے۔[4]

---

[1] سر سلسلہ العلویہ: از ابی نصر بخاری: ص ۸۰، ۸۱

[2] طبقات الکبری: از محمد ابن سعد۔ ج ۵: ص ۸۷

[3] بحار الانوار: ج ۴۲: ص ۱۱۰

[4] المقرم: ص ۱۳۵

(۳) محمد ابن حنفیہ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے مدینہ پر مامور ہونا تنقع المقال کے مؤلف کا کہنا ہے چونکہ امام حسین علیہ السلام نے مدینہ یا مکہ میں کسی کو بھی اپنے ساتھ آنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لئے محمد ابن حنفیہ کا امام علیہ السلام کے ساتھ نہ آنے سے ان کی عدالت پر انگلی نہیں اٹھتی ہے۔[1]

ابن اعثم کوفی تحریر کرتے ہیں کہ جب امام علیہ السلام نے مدینہ چھوڑا تو اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ کو مدینہ میں رہنے پر قانع نہ کر سکے اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا اے بھائی! تمہارا مدینے میں رہنا مشکل نہیں ہے۔ آپ یہاں کے لوگوں کے حالات سے مجھے باخبر رکھنا۔[2]

کیسانیہ اور مختار ابن ابی عبیدہ سے رابطہ:

کیسانیوں کے مطابق محمد ابن حنفیہ نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کو عراقیوں کا حاکم بنایا اور ان سے امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے خونخواہی کا مطالبہ کیا۔

حضرت محمد ابن حنفیہ اور مختار کے باہمی رابطے کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے مختار ثقفی کو عراقیوں پر مامور نہیں کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہی مامور کیا تھا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے مختار ثقفی کو مامور تو نہیں کیا تھا لیکن مختار کے کاموں پر محمد حنفیہ ضمنی طور پر راضی تھے۔[3]

چونکہ محمد حنفیہ مدینہ میں قیام پذیر تھے اور اس وقت عبداللہ ابن زبیر کی حکومت مکہ اور مدینہ پر تھی یوں کھل کر محمد حنفیہ مختار ثقفی کی تحریک کی سربراہی نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کے مظلوم بھائی کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔

جب مختار ثقفی نے عراق (کوفہ) پر قبضہ مضبوط کر لیا تو لوگوں کو محمد ابن حنفیہ کی طرف دعوت دی۔ عبداللہ ابن زبیر کو اس سے خوف محسوس ہوا تو انہوں نے محمد ابن حنفیہ اور عبداللہ ابن عباس کو اپنی بیعت کی دعوت دی لیکن ان دونوں ہاشمیوں نے صاف انکار کر دیا اسی وجہ سے ابن زبیر نے محمد ابن حنفیہ کو زمزم کے حجرے میں قید کر دیا۔ محمد ابن حنفیہ اور عبداللہ ابن عباس نے مختار ثقفی سے مدد کے لئے خط تحریر کیا۔ مختار نے

---

[1] تنقع المقال فی علم احوال الرجال: از عبداللہ مامقانی: ج ۳: ص ۱۱۱

[2] تاریخ اعثم کوفی: ص ۲۳

[3] تاریخ سیاسی صدر اسلام: از نوبختی: ج دوم: ص ۵۲، ۵۳

خط پڑھنے کے بعد ظبیان بن عمارہ کو چار سو آدمی چار لاکھ درہم اور بہت سے افراد کے ساتھ مکہ روانہ کیا۔[1]

یہ لوگ یالثارۃ الحسین کے نعرہ کے ساتھ زمزم تک پہنچے اور محمد ابن حنفیہ کو ان لوگوں کے چنگل سے آزاد کروا کر ''شعب ابی طالب'' میں لے کر چلے گئے۔ اور مختار ثقفی کے قتل تک وہیں مقیم رہے۔[2]

بعض لوگ آپ کو کیسانیوں کا امام تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کوہ رضوی میں سکونت پذیر ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان کے فرج کا حکم آنے تک دودھ اور شہد کی دو نہروں سے کھاتے اور سیراب ہوتے ہیں۔[3]

آیت اللہ ابوالقاسم خوئی نے محمد حنفیہ کو کیسانیوں سے مبرا سمجھا ہے ان کو کہنا ہے کہ کیسانیہ محمد حنفیہ کے بعد وجود میں آئے۔[4]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل ہے کہ محمد ابن حنفیہ، امام زین العابدین علیہ السلام کی امامت پر عقیدہ رکھتے تھے۔[5]

قطب الدین راوندی نے محمد ابن حنفیہ کے خادم ابو خالد کابلی سے نقل کیا ہے۔ جس میں اس نے محمد ابن حنفیہ سے امام سجاد علیہ السلام کی امامت کے بارے میں سوال کیا تو جناب محمد حنفیہ نے جواب دیا۔ میرا تمہارا اور تمام مسلمانوں کا امام علی ابن حسین علیہ السلام (امام زین العابدین علیہ السلام) ہیں۔[6]

وفات اور محلِ دفن:

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں آیا ہے کہ محمد حنفیہ کی بیماری کے دوران میں ان کے پاس تھا میں نے خود ان کی آنکھیں بند کیں۔ غسل دیا اور میں نے ہی نماز جنازہ پڑھوائی اور خود ہی دفن بھی کیا۔[7]

بعض جگہ منقول ہے کہ آپ کی نماز جنازہ ابان بن عثمان اموی نے پڑھوائی۔[8]

---

[1] اخبار الدولہ العباسیہ: ص ۹۹۔ ۱۰۰
[2] تاریخ سیاسی صدر الاسلام: نوبختی: ص ۷۵، ۷۶
[3] مقالات اسلامیین: از اشعری تحقق محی الدین عبدالحمید: ج اوّل: ص ۹۰، ۹۱
[4] معجم الرجال: ج ۱۸: ص ۱۰۲، ۱۰۳
[5] الامامہ والتبصرہ من الحیرۃ: ص ۶۰
[6] قطب راوندی: ج اوّل: ص ۲۶۱، ۲۶۲
[7] رجال کشی: ص ۳۱۵
[8] تہذیب الکمال: ج ۱۰: ص ۲۸۵

آپ کا مدفن کہاں ہے اس بارے میں اختلاف ہے۔ سید محسن امین نے تین جگہوں کی طرف اشارہ کیا ہے (۱) ایلہ (۲) طائف (۳) مدینہ میں بقیع کا قبرستان۔[1]

لیکن قوی احتمال یہی ہے کہ آپ نے مدینہ میں وفات پائی۔[2]

اولا د حضرت محمد ابن حنفیہ بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام:

بقول نسابہ کبیر ابو الحسن عمری علوی کہ محمد ابن حنفیہ کی چوبیس اولادیں تھیں جن میں سے دس صاحبزادیاں تھیں:

(۱) بریکہ　(۲) ام سلمہ　(۳) حمادہ　(۴) علیہ　(۵) اسماء

(۶) ام القاسم　(۷) جمانہ　(۸) ام ابیھا　(۹) رقیہ　(۱۰) ریطہ۔

اور پسران میں:

(۱) حسن　(۲) جعفر اکبر　(۳) علی اکبر　(۴) علی اصغر　(۵) عبدالرحمان

(۶) طالب　(۷) عون اکبر　(۸) عون اصغر　(۹) عبداللہ اکبر　(۱۰) عبداللہ اصغر

(۱۱) حمزہ　(۱۲) ابراہیم　(۱۳) جعفر اصغر　(۱۴) قاسم۔

ان میں عبداللہ اصغر، عون اصغر، طالب، عبدالرحمان، علی اصغر درج تھے یعنی ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اوّل حسن بن محمد حنفیہ جن کو حسن الجمال بھی کہا جاتا ہے۔ اور مرجی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد محترم نے کمان سے آپ کے سر پر ضرب لگائی اور کہا تم نے علی ابن ابی طالب سے رجوع کیا۔ بقول عمری آپ منقرض ہوئے۔

دوئم جعفر اکبر بن محمد حنفیہ آپ کے فرزند محمد تھے اور پھر محمد کے فرزند جعفر تھے۔ (لیکن آپ کی اولاد کا مزید ذکر نہیں کیا گیا یعنی اولاد جاری نہ ہوئی)۔

سوئم حمزہ بن محمد حنفیہ بقول عمری آپ منقرض ہوئے۔

چہارم ابراہیم بن محمد حنفیہ کے لقب میں اختلاف رہا ابوعبداللہ بن طبا طبا کے بقول آپ کا لقب ''شعرۃ'' جبکہ دندانی نسابہ کے بقول یسرہ تھا۔ آپ کی پانچ اولادیں تھیں جن میں سے ایک محمد بن ابراہیم بن محمد

---

[1] اعیان الشیعہ: از سید محسن امین عاملی: ج ۱۴: ص ۲۷۰

[2] تہذیب الکمال: ج ۱۰: ص ۲۸۵

حنفیہ جو صاحب حدیث ثقہ تھے۔

پنجم عون اکبر بن محمد حنفیہ آپ کی والدہ جعفریہ تھیں یعنی ام جعفر بنت محمد بن جعفر طیار بن ابی طالب علیہ السلام جو کہ فاضلہ اور سیدہ تھیں۔عون بن محمد احادیث کے راوی تھے آپ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی آپ کی صاحبزادیاں اور ایک فرزند محمد اشہل تھے جن کی اولاد سے ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن عون اکبر المذکور ثقہ اور محدث تھے۔(لیکن عون اکبر کی اولاد بھی جاری نہ ہوئی)

ششم ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ آپ کیسانیہ کے امام تھے آپ کی کنیت ابو ہاشم تھی بقول عمری آپ سے بیعت کا سلسلہ بنی عباس میں منتقل ہوا آپ کے وصی محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھے۔ بقول عمری آپ کو سلیمان بن عبدالملک نے دودھ میں زہر دلواد یا آپ کی قبر حمیمہ کے مقام پر ہوئی اور حمیمہ شام کی ایک بستی ہے آپ کی والدہ ام الولد تھیں جن کا نام نائلہ تھا آپ کی بیٹی ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ کی والدہ نوفلیہ تھیں جن کی شادی زید بن زین العابدینؑ سے ہوئی اور یحییٰ بن زید قتیل جوزجان تولد ہوئے اور ریطہ بنی ہاشم کی سیدات میں سے تھیں۔انہوں نے اپنے والد اور شوہر سے حدیث نقل کی۔

ہفتم قاسم بن محمد حنفیہ، آپ کی وجہ سے آپ کے والد کے کنیت ابوالقاسم تھی لیکن بعض دیگر کہتے ہیں کہ محمد حنفیہ کا نام اور کنیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھی۔(یعنی رسول خدا نے فرمایا تھا کہ علی کے علاوہ اور کوئی میرا اسم اور کنیت ایک ساتھ نہ رکھے تو یا علی نے اپنے بیٹے کا نام اور کنیت یہی رکھا)

آپ کے دو فرزند ابوالقاسم عبداللہ اور محمد تھے (لیکن بعد کے نسابین نے ان کی اولاد کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا)[1]

بقول ابن عنبہ کہ محمد حنفیہ کی اولاد دو پسران سے جاری ہوئی: (۱)علی (۲)جعفر قتیل حرہ جن کو جعفر اصغر بھی کہتے ہیں۔[2]

(۱۸۵)ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ بن امیر المومنین علی المرتضیٰ علیہ السلام

عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب علیہ السلام آپ کی کنیت ابو ہاشم تھی آپ کی والدہ ام الولد تھیں جن کا نام نائلہ تھا آپ فصیح وبلیغ زبان خوش بیان اور مناظرانہ و عالمانہ شخصیت کے مالک تھے۔آپ اپنے والد محمد حنفیہ بن امام علی علیہ السلام کے وصی اور جانشین تھے جبکہ آپ نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کو اپنا

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین: از ابوالحسن عمری: ص ۴۲۹، ۴۳۰

[2] عمدۃ الطالب: از ابن عنبہ: ص ۳۳۴

وصی اور جانشین نامزد کیا جبکہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے اپنے بیٹے ابراہیم الامام کو اپنا وصی نامزد کیا (جو منصور عباسی اور ابو العباس سفاح عباسی کے بڑے بھائی تھے) یوں اس سبب سے یہ جانشینی اور وصایت بنو عباس میں منتقل ہوئی۔

آپ کو سلیمان بن عبدالملک بن مروان نے زہر دیا اور آپ شام کے حمیمہ نامی مقام پر دار فانی سے کوچ کر گئے۔

نحصان بن عبدالحمید سے مروی ہے کہ ابو ہاشم عبداللہ اپنی بعض ضروریات اور حاجات کو پورا کروانے کے لئے سلیمان بن عبدالملک کے پاس شام آئے۔ پھر جب آپ واپس مدینہ جانے کے لئے آمادۂ سفر ہوئے اور اپنا سامان روانہ کر دیا تو سلیمان بن عبدالملک آپ کو رخصت کرنے اور الوداع کہنے کے لئے آیا اور اس نے آپ کو کچھ دیر اپنے پاس ٹھہرایا اور دونوں نے دوپہر کا کھانا اکٹھے تناول کیا۔

اس دن سخت گرمی تھی اور آپ سخت گرم موسم میں زوال کے وقت وہاں سے چلے تاکہ اپنے سامان تک پہنچ سکیں۔ آپ کو راستے میں سخت پیاس محسوس ہوئی تو سلیمان بن عبدالملک نے شربت میں زہر ملا کر آپ کو یہ شربت پیش کیا جسے آپ نے نوش کر لیا اور پھر زہر کی اثر سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے اور انتقال کر گئے۔ آپ کی وفات کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن حارث بن نوفل کے پاس ایک قاصد روانہ کیا تاکہ وہ ان دونوں کو ابو ہاشم عبداللہ کی حالت سے آگاہ کرے۔ جب ان کو یہ خبر ملی تو دونوں فوراً ان کی طرف نکلے مگر جب یہ دونوں ابو ہاشم عبداللہ کے پاس پہنچے تو وہ فوت ہو چکے تھے۔ آپ کو شام کی سرزمین میں حمیمہ نامی مقام پر دفن کیا گیا۔ آپ نے اپنا وصی محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کو نامزد کیا تھا۔[1]

آپ کی اولاد میں سے ایک دختر ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ تھیں جن کی شادی زید شہید بن امام زین العابدینؑ سے ہوئی اور یحییٰ بن زید تولد ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ کی اولاد کا سلسلہ جاری نہ ہوا۔

(۱۸۶) بیت عبداللہ راس المذری

جعفر اصغر بن محمد حنفیہ بن امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی کنیت ابو عبداللہ تھی آپ کی والدہ اور عون بن محمد حنفیہ کی والدہ ام جعفر بنت محمد بن جعفر طیار تھیں۔

---

[1] مقاتل الطالبین: (اردو ترجمہ) از علامہ حسن رضا باقر: ص ۱۵۱، ۱۵۲

آ پکی شہادت واقعہ حرہ میں ہوئی یہ وہ واقعہ ہے جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اہل مدینہ نے بغاوت کی تو یزید لعین نے مدینہ پر حملہ کیا اور مسرف بن عقبہ مری کو اہل مدینہ کے قتل عام کیلئے روانہ کیا۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ جعفر اصغر بن محمد حنفیہ کی جمہور اولاد عبداللہ راس المذری بن جعفر ثانی بن عبداللہ بن جعفر اصغر المذکور پر منتھیٰ ہوتی ہے۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ آپ کی اولاد میں نو فرزند تھے: (۱)جعفر ثالث (۲)علی (۳)ابواسحاق ابراہیم (۴)عیسیٰ (۵)اسحاق (۶) قاسم محدث (۷)محمد (۸)ابوعلی احمد (۹)احمد الاصغر۔[2]

اوّل علی بن عبداللہ راس المذری:

آپ کی اولاد بقول ابن عنبہ الجلیل النقیب محمدی ابومحمد حسن بن ابی حسن احمد بن قاسم بن محمد عوید بن علی المذکور تھے آپ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کی بغداد میں نقابت کے نائب تھے۔ آپ کی اولاد بنی نقیب محمدی کہلائی جو بعد میں منقرض ہوگئی۔[3]

جبکہ بقول عمری محمد عوید بن علی بن عبداللہ راس المذری کا ایک فرزند احمد تھا جس کی اولاد سے ابومحمد جعفر نقیب رے بن محمد بن حسن فقیہ قزوینی بن احمد بن محمد عوید المذکور تھا۔

دوم: جعفر ثالث بن عبداللہ راس المذری:

بقول ابن عنبہ ،آپ کی اولاد: (۱)زید (۲)علی (۳) موسیٰ (۴) عبداللہ سے جاری ہوئی اور بعض کے خیال کے مطاق پانچویں فرزند ابراہیم سے بھی جاری ہوئی۔[4]

بقول ابی نصر بخاری ابراہیم بن جعفر ثالث سے منسوب ایک قوم شیراز میں ہے مگر انکا نسب درست نہیں ہے۔

زید بن جعفر ثالث کی اولاد سے محمد صیاد بن عبداللہ بن احمد داعی بن حمزہ بن حسین صوفہ بن زید المذکور تھے ان کی اولاد کو کوفہ میں بنو صیاد کہا جاتا تھا انہیں میں سے بنو الامیر ہے جو ابی القاسم حسین اغر بن حمزہ بن حسین صوفہ بن زید المذکور کی اولاد تھی۔

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب: از ابن عنبہ: ص ۳۳۴

[2] عمدۃ الطالب: از ابن عنبہ: ص ۳۳۴

[3] عمدۃ الطالب: ص ۳۳۴

[4] عمدۃ الطالب ص ۳۳۴

دوسری شاخ علی بن جعفر ثالث کی اولاد سے ابوعلی حسن محمدی بن حسین بن عباس بن علی المذکور تھے اور یہ حضرت الشیخ ابوالحسن عمری کے دوست تھے اور ان کی اولاد بھی تھی۔

تیسری شاخ میں موسیٰ بن جعفر ثالث کے دو پسران تھے: (۱) ابوالقاسم عرقالہ (۲) زید شعرانی

چوتھی شاخ میں عبداللہ بن جعفر ثالث کی اولاد سے محمد بن علی بن عبداللہ المذکور تھے۔

بقول ابی نصر بخاری ان محمدیوں سے قزوین کے روساء قم کے علماء اور رے کے سادات تھے۔[1]

سوم: ابراہیم بن عبداللہ راس المذری:

بقول ابن عنبہ آپ کی اولاد ابوعلی محمد نسابہ سے جاری ہوئی اور ابوعلی محمد نسابہ کی اولاد دو پسران (۱) علی (۲) احمد ھلیلجہ سے جاری ہوئی۔

پہلی شاخ سے ابوالحسن علی حرانی بن طاہر بن علی بن ابوعلی محمد نسابہ مذکور تھے۔ اس خاندان سے ہی عمری کے دوست ابوالقاسم محسن بن محمد بن ابراہیم بن علی بن ابوعلی محمد انسابہ مذکور تھے بقول عمری ان کی اور ان کے بھائیوں کی اولاد حلب میں تھی۔

دوسری شاخ سے ابوفوارس مفضل بن حسن بن محمد بن احمد ھلیلجہ بن ابی علی محمد نسابہ المذکور تھے۔ بقول عمری ان کی بقایا جات شام اور موصل میں تھی۔[2]

چہارم عیسیٰ بن عبداللہ راس المذری:

ابوعلی حسن جو ابن ابی شوارب سے معروف تھے بن علی بن عیسیٰ المذکور تھے۔ آپ مصر میں طالبین کے ایک بزرگ تھے آپ کے چار فرزند تھے۔[3]

پنجم اسحاق بن عبداللہ راس المذری:

آپ کے آگے چار فرزند تھے: (۱) جعفر (۲) عبداللہ (۳) حسن (۴) علی

ان میں جعفر بن اسحاق بن عبداللہ راس المذری کو عجم کے عمری علوی حکمران عبداللہ بن عبدالحمید بن جعفر الملک ملتانی علوی نے شکنجہ میں ڈال کر قتل کر دیا۔

۱۔ عمدۃ الطالب، ص ۳۳۵

۲۔ عمدۃ الطالب، ص ۳۳۵

۳۔ المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۳۳

پھر ان کے بھائی عبداللہ بن اسحاق بن عبداللہ راس المذری جن کو ابن ظنک بھی کہتے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ تھے آپ کی بیٹی آمنہ، محمد بن ہارون بن محمد بطحانی بن قاسم بن حسن بن زید بن امام حسنؑ کی زوجہ تھیں۔

پھر حسن بن اسحاق بن عبداللہ راس المذری کی اولاد سے ابوعبداللہ حسین بن اسحاق صابونی بن حسن المذکور تھے جو دریائے نیل میں ڈوب کر فوت ہو گئے ان کی اولاد بھی تھی۔

پھر علی بن اسحاق بن عبداللہ راس المذری آپ کی اولاد سے شریف ابوالفضل الاحول محمدی تھے جو محمد بن احمد بن حسین بن محمد بن علی المذکور تھے۔ آپ کی وفات پر آپ کی تین دختران تھیں جو عکبرا میں مقیم تھیں۔[1]

ششم قاسم بن عبداللہ راس المذری:

آپ فاضل اور محدث تھے۔ بقول ابن عنبہ آپ کا ایک فرزند عبداللہ تھا اور ان کے دو فرزند ابوعلی احمد اور ابوالحسن علی الملقب برغوثہ تھے جن کی وفات ۳۳۰ ہجری میں ہوئی۔

بقول ابوالحسن عمری کہ ابوالحسین علی برغوث کی وفات ۳۰۳ ہجری میں ہوئی اور ان کی والدہ ام الولد قمریہ نام کی تھیں۔

ابوالحسن عمری نے المجدی میں ابوالحسین علی برغوث کا ذکر اس طرح کیا کہ بعض پڑھنے والے ان کو علی بن عبداللہ راس المذری خیال کر جاتے ہیں۔ جبکہ ان کے بھائیوں کے نام بھی علی بن عبداللہ راس المذری جیسے ہی ہیں اور یہ علی بن عبداللہ بن قاسم بن عبداللہ راس المذری ہیں نہ کہ علی بن عبداللہ راس المذری۔

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۳۳

باب سیز دہم:

(۱۸۷) ابوالفضل عباس علمدار بن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ

آپ کی کنیت ابوالفضل تھی آپ کی والدہ ام البنین بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن وحید (عامر) بن کعب بن عامر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن تھیں۔

حضرت عباس علمدار کی ایک کنیت ابوقربہ بھی تحریر کی گئی ہے۔ آپ کی نانی لیلیٰ بنت سہیل بن مالک بن ابی برہ عامر ملاعب اسنہ بن مالک بن جعفر بن کلاب تھیں۔

بقول ابن عنبہ امیر المومنین علیؑ نے اپنے بھائی عقیل بن ابی طالب جو علم الانساب کے ماہر تھے اور اس وقت عربوں کے قبائل سے واقف تھے سے فرمایا کہ میرے لئے کسی ایسی خاتون کا انتخاب کریں جس کے بطن سے بہادر اور جنگجو بیٹے پیدا ہوں جناب عقیل نے عرب کے قبائل پر نظر دوڑائی اور کہا آپ ام البنین کلابیہ سے شادی کریں کیونکہ عربوں میں اِن کے اجداد سے زیادہ کوئی بھی بہادر نہیں تھا۔[۱]

حضرت عباس علمدار کا ایک لقب قمر بنی ہاشم بھی تھا۔ اور یہ لقب آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے آپ کو دیا گیا تھا۔ آپ کی ولادت مشہور قول کی بنا پر ۲۶ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔[۲]

جنگ صفین:

آپ نے جنگ صفین میں شرکت کی آپ ان افراد میں سے تھے جنہوں نے مالک اشتر کی سپہ سالاری میں فرات پر حملہ کیا تھا اور امام علیؑ کی فوج کیلئے پانی کا بندوبست کیا۔[۳]

جنگ صفین میں شام کے ابن شعشاء اور اس کی سات بیٹے حضرت عباس کے ہاتھوں ہی قتل ہوئے۔[۴]

شام کے لوگ ابن شعشاء کو ہزار آدمیوں کے برابر سمجھتے تھے۔[۵]

واقعہ کربلا میں موجود ہونا:

حضرت عباس علمدارؑ قیام امام حسینؑ کی اہم شخصیات میں سے تھے۔ ۷ محرم کو ابن زیاد کے حکم سے

---

[۱] عمدۃ الطالب، ص ۳۲۸

[۲] اعیان الشیعہ، از محسن امین عاملی، ج ۷ ص ۴۲۹

[۳] معالی السبطین، از محمد مہدی حائری مازندرانی ج ۲ ص ۴۳۷ موسسہ نعمان، بیروت

[۴] العباس، از موسوی المقرم، ص ۲۴۲

[۵] کبرت الاحمر، از محمد باقر خراسانی حصہ ۳۸۵، نشر: اسلامیہ تہران

ابن سعد نے امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں پر فرات کا پانی بند کر دیا تو امامؑ نے تیس سواروں اور بیس پیادوں کا دستہ آپ کے ہمراہ کر دیا اور ہدایت کی کہ مشکوں میں پانی بھر لائیں۔ حضرت عباس نے کنارے پر تعینات یزیدی لشکر کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور خیام میں پانی لے کر آئے اور اس حملے میں امامؑ کے لشکر سے کوئی شہید نہ ہوا۔[1]

لیکن کچھ روایات کے مطابق آپ پانی بھرنے میں کامیاب ہوئے اور واپسی میں ایک اور حملے میں شہید ہوئے اور پانی خیام تک نہ لا سکے۔

تاریخی مصادر کے مطابق کربلا میں حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لئے دو افراد نے امان نامے بھیجے لیکن حضرت عباسؑ نے ان امان ناموں کو ٹھکرا دیا۔

پہلا امان نامہ عبداللہ بن ابی محل بن حزام عامری لے کر آیا۔ وہ حضرت عباسؑ کی والدہ ام البنین کا بھتیجا تھا۔ وہ عبیداللہ ابن زیادہ سے اپنے پھوپھی زاد کیلئے امان نامے لینے میں کامیاب ہوا اور اپنے غلام کے ہاتھ انکے پاس بھیجا جب ابوالفضل عباسؑ اور ان کے بھائیوں نے پڑھا تو کہا ہم اللہ کی امان میں ہیں اور ایسے کسی ذلت آمیز امان نامے کے محتاج نہیں۔[2]

دوسرا امان نامہ شمر ذی الجوش نے ظہر عاشورہ حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لئے پیش کیا اور پھوپھی کے بیٹے کہتے ہوئے آواز دی لیکن جواب نہیں آیا۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی عباسؑ سے کہا اگرچہ شمر فاسق ہے مگر اس کا جواب دو شمر نے امان نامہ پیش کیا لیکن اسے یزید کی اطاعت اور بیعت کے ساتھ مشروط کیا۔ حضرت عباسؑ نے اس امان نامے پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا:

> ''اے دشمن خدا! موت ہو تم پر ہمیں کفر کی یعنی میرے بھائی حسینؑ کو چھوڑنے کی دعوت دے رہے ہو۔''[3]

تاریخی گزارشات کے مطابق امام علیؑ کی بی بی البنینؑ سے شادی کے نتیجے میں چار فرزند تولد ہوئے:
(۱) ابوالفضل عباس (۲) ابوعبداللہ جعفر (۳) ابومحمد عبداللہ (۴) ابوعمرو عثمان۔

حضرت عباسؑ نے روز عاشور اپنے بھائیوں کو خود سے پہلے میدان جنگ میں بھیجا اور وہ تینوں آپ

---

[1] مقتل الحسین، از خوارزمی ج ا ص ۳۴۷، اعیان الشیعہ محسن امین عاملی، ج ۷ ص ۴۳۰

[2] الفتوح، از ابن اعثم کوفی، ج ۵ ص ۹۳، تحقیق علی شیری، بیروت

[3] مقتل الحسین، از خوارزمی، ج ا ص ۳۹۹

سے پہلے شہید ہوئے۔[1]

ابوالفضل عباس ۳۶ جعفر ۲۹ عبداللہ ۲۵ اور عثمان ۲۱ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔[2]

شہادت:

بہت سی کتابوں میں نقل ہے کہ حضرت عباس علمدار اصحاب اور بنی ہاشم کے آخری فرد کی شہادت تک میدان کو نہیں گئے تھے۔[3]

انکی شہادت کے بعد خیموں میں پانی لانے کا قصد کیا آپ نے عمر بن سعد کے لشکر پر حملہ کیا اور فرات تک پہنچ گئے بعض مقاتل میں آیا ہے کہ حضرت عباسؑ نے ہاتھوں کے چلو کو پانی پینے کے قصد سے بھرا اور منہ کے قریب کیا پھر زمین پر گرایا اور تشنہ لب مشک بھر کر فرات سے باہر آئے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ آپ کو امام حسینؑ کی پیاس کا خیال آیا اسی لیئے پانی پینا مناسب نہ سمجھا۔

جب فرات سے باہر آئے تو واپسی پر لشکر اشقیا نے حملہ کر دیا آپ نے نخلستان میں دشمن کا مقابلہ کیا اور خیموں کی جانب نکلے تو زید بن ورقا جہنی نے کسی خرما کی اوٹ سے آپ کے دائیں ہاتھ پر ضرب ماری تو حضرت عباسؑ نے تلوار کو بائیں ہاتھ میں لیا اور جنگ جاری رکھی اسی اثناء میں ایک درخت کی اوٹ سے گھات لگائے حکیم بن طفیل طائی سنبسی نے وار کیا تو آپ کا بایاں بازو بھی کٹ گیا تو آپ زمین پر گر گئے اور آپ کے سر پر گرز مار کر آپ کو شہید کر دیا۔[4]

جب حضرت عباس شہید ہوئے تو امام حسینؑ بھائی کی لاش پر حاضر ہوئے اور بہت روئے اور فرمایا اب میری کمر ٹوٹ گئی اور چارہ جوئی کم ہوگئی۔[5]

آپ کی شہادت امام حسینؑ کی شہادت سے قبل ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو ہوئی آپ لشکر کے علم دار تھے آج آپ کا مزار کربلا میں بین الحرمین میں مرجع الخلائق ہے۔

---

[1] حیات ابی الفضل عباس، از محمد علی ارود باری، ج ۹ ص ۶۹ تا ۱۷، موسوعہ علامہ ارود باری کربلا

[2] حیات ابی الفضل عباس، ص ۷۳ تا ۸۴، موسوعہ علامہ ارود باری، کربلا ج ۹

[3] حیات ابی الفضل عباس، از ارود باری، ص ۱۹۲ تا ۱۹۴

[4] مقتل مقرم، مقتل حسین خوارزمی، مناقب آل ابی طالب، الارشاد، ابوالفضل عباس

[5] الفتوح، مقتل حسین، ابی الفضل عباس

اولادِ ابوالفضل عباس علمدار بن امام علیؑ:

بقول ابوالحسن عمری آپ کی شادی لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی تھی جن سے آپ کے دو فرزند: (۱) عبیداللہ (۲) فضل تولد ہوئے۔ لبابہ بنت عبداللہ بن عباس کی دوسری شادی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان سے ہوئی۔ اور قاسم تولد ہوئے اور تیسری شادی زید بن حسن بن امام علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی اور نفیسہ پیدا ہوئیں۔ یوں (۱) عبیداللہ (۲) فضل (۳) نفیسہ مادری بہن بھائی تھے۔[1]

امام فخرالدین رازی کے بقول حضرت ابوالفضل عباس کی زوجہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھیں۔ اور حضرت عباس کی اولاد صرف ایک فرزند عبیداللہ سے جاری ہوئی۔[2]

ابن فندق بیہقی نسابہ نے بھی حضرت عباس علمدار کی زوجہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس تحریر کی ہیں اور کہا کہ ان سے عبیداللہ تولد ہوئے جو کوئی حضرت عباس علمدار کے کسی دوسرے فرزند سے نسب جوڑے وہ جھوٹا ہے۔[3]

حضرت عباس علمدار کی شادی لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے ۴۰ سے ۴۵ ہجری قمری میں ہوئی۔[4]

تیسری صدی ہجری کے مورخ ابن حبیب بغدادی نے بھی ابوالفضل عباسؑ کی زوجہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب لکھا ہے۔ جبکہ لبابہ بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی شادی علی زینبی بن عبداللہ جواد بن جعفر طیار سے ہوئی تھی۔[5]

حضرت عباس علمدار کی اولاد صرف ایک فرزند عبیداللہ سے باقی رہی۔

(۱۸۸) عبیداللہ بن عباس بن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ

آپ کی والدہ لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھیں۔ بقول ابوالحسن عمری آپ صاحب کمال اور مروۃ الجمال تھے آپ کی وفات ۵۵ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کی اولاد میں دو فرزند تھے: (۱) ابو جعفر عبداللہ (۲) حسن ان میں اول ابوجعفر عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس کی والدہ ام ابیہا بنت عبداللہ بن معبد

---

[1] المجدی فی انساب الطالبین، از عمری، ص ۴۳۶
[2] شجرۃ المبارکہ، از امام فخرالدین رازی، ص ۱۸۴
[3] لباب الانساب، از بیہقی، ج ا ص ۳۵۷
[4] سقائے کربلا، کاشانی زجاجی، ص ۹۸
[5] المحبر، از ابن حبیب بغدادی، ص ۴۴۰، ۴۴۱، دارالآفاق الجدیدہ

بن عباس بن عبدالمطلب تھیں۔

آپ کی اولاد و میں چار فرزند تھے: (۱) علی (۲) عباس (۳) جعفر (۴) ابراہیم

ان میں علی بن عبداللہ بن عبیداللہ کے علاوہ کسی کی اولاد جاری نہ ہوئی اور بقول عمری ان کے تین فرزند تھے: محمد، حسین، حسن، لیکن ان میں حسن بن علی بن عبداللہ کے علاوہ کسی کی اولاد جاری نہ ہوئی اور ان کے اعقاب میں پانچ فرزند تھے: (۱) علی (۲) محمد (۳) ابراہیم (۴) عبداللہ (۵) عباس اور ان میں سے بعض کی والدہ عبدۃ بنت یحییٰ بن حسین الاصغر بن امام زین العابدینؑ تھیں، لیکن ابوجعفر عبداللہ بن عبیداللہ بن ابوالفضل عباس منقرض ہو گئے۔

دوم: حسن بن عبیداللہ بن ابوالفضل عباس علمدار بقول شیخ عمری، آپ احادیث کے راوی تھے اور ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی سات فرزند تھے: (۱) عبیداللہ قاضی (۲) عباس (۳) محمد (۴) حمزہ اکبر (۵) ابراہیم جردقہ (۶) فضل (۷) علی

بقول ابن عنبہ ان میں سے پانچ کی اولاد جاری ہوئی۔ بقول ابی الفرج اصفہانی کہ عبیداللہ بن ابوالفضل عباس نے اپنے چچاؤں عبداللہ، جعفر اور عثمان کی میراث بھی پائی، اس معاملہ میں بعد میں ان کے چچا عمر بن علی سے نزاع بھی ہوا تو عبیداللہ نے ان سے اس چیز کے ذریعے مصالحت کر لی۔

(۱۸۹) محمد بن حمزہ بن عبیداللہ بن عباس بن حسن

بقول ابی الفرج اصفہانی آپ محمد بن حمزہ بن عبیداللہ بن عباس بن حسن بن عبیداللہ بن ابوالفضل عباسؑ تھے جبکہ انساب کی کتابوں میں محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن عباس بن حسن بن عبیداللہ بن ابوالفضل عباس نام ہے۔

آپ کو محمد بن طغج نے آپ کے باغ میں شہید کر دیا۔ احمد بن محمد مسیب سے منقول ہے کہ محمد بن حمزہ خاندان بنو ہاشم کے افراد میں سے تھے۔ آپ ابن طغج کے اوامر کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اسے دھتکارتے ہوئے اسکی باتوں میں رخنہ ڈال دیتے تھے پھر ابن طغج نے آپ سے انتقام لینے کی خاطر کچھ لوگوں کے غلاموں کو حیلہ سازی سے پکڑ کر چھپالیا اور ان کے مالکوں سے کہا کہ تمہارے غلام محمد بن حمزہ علوی ہاشمی کے گھر میں ہیں۔ ابن طغج نے ان لوگوں کو محمد بن حمزہ کے خلاف بھڑکایا تو ان لوگوں نے محمد بن حمزہ پر چڑھائی کر دی اس وقت محمد بن حمزہ اپنے باغ میں موجود تھے۔ لوگوں نے محمد بن حمزہ کو چھریوں سے ٹکڑے

ٹکڑے کر دیا جبکہ محمد بن حمزہ ایک دن تک اپنے باغ میں پڑے رہے لوگ ہچکچاتے ہوئے بار بار آگے بڑھ کر آپ پر تلواروں سے وار کرتے کیونکہ ان پر محمد بن حمزہ کی ہیبت طاری تھی اور وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اگر یہ زندہ ہوئے یا ان میں زندگی کی رمق باقی ہوئی تو جواب میں انہیں نقصان نہ پہنچا دیں۔[1]

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ کہ ابوطیب محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن عباس کی اولاد طبریہ نامی علاقہ میں شام میں آباد ہے۔ آپ کی والدہ زینب بنت ابراہیم بن محمد بن ابی الکرام جعفری زینبی تھیں۔

ابوطیب محمد بن حمزہ مروت، سخاوت اور صلہ رحمی میں مصروف رہتے اور بہت زیادہ فضل اور منزلت رکھتے تھے۔ آپ نے اردن نامی شہر میں بہت مال جمع کیا۔ طغج بن جف فرغانی کو آپ سے حسد ہوئی۔ اس نے طبریہ کی جانب لشکر بھیجا اور آپ کو آپ کے باغ میں بمطابق ۲۹۱ ہجری میں قتل کر دیا اور شعراء نے آپ کا مرثیہ پڑھا آپ کی اولاد طبریہ میں بنوشہید کہلاتی ہے۔[2]

---

[1] مقاتل الطالبین اردو ترجمہ، از علامہ حسن رضا باقر ص ۵۸۰

[2] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، از ابن عنبہ ص ۳۲۹، ۳۳۰

باب چہاردم:

(۱۹۰) عمر اطرف بن امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ

بقول ابن عنبہ کہ آپ کی کنیت موضح نسابہ کے قول کے مطابق ابوالقاسم تھی لیکن ابن خداع نسابہ مصری کے بقول اباحفص تھی آپ اور آپ کی ہمشیرہ رقیہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے اور مولا علیؑ کی یہ آخری اولاد تھی۔ آپ کی والدہ صہبا ثعلبیہ تھیں جو ام حبیب بنت عباد بن ربیعہ بن یحیٰی بن عبد بن علقمہ تھیں اور یمامہ کے قیدیوں میں سے تھیں۔

ایک اور قول کے مطابق یہ بی بی عین التمر سے خالد بن ولید کے قیدیوں میں سے تھیں جن کو علی ابن ابی طالب نے اپنے نکاح میں لے لیا۔ بقول ابن عنبہ آپ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ہمراہ کربلا نہیں گئے اور یہ روایت غلط ہے کہ عمر بن علی کربلا گئے تھے۔ عمر بن علی اول تھے جنہوں نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کی اور بعد میں حجاج بن یوسف کی بیعت کرلی۔

بقول ابن عنبہ حجاج بن یوسف ثقفی عمر اطرف بن امام علیؑ کو حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ کے ساتھ متولی صدقات امیر المومنین علی میں شریک کرنا چاہتا تھا مگر حسن مثنیٰ نے قبول نہ کیا۔[1]

بلازری کے بقول حضرت عمر ابن خطابؓ نے ان کو اپنا ہم نام ہونے کی وجہ سے ایک غلام بخشا۔[2]

عمر بن علی نے مختار ثقفی کے مقابلے میں مصعب بن زبیر کا ساتھ دیا۔[3]

اولاد عمر اطرف بن امیر المومنین علیؑ:

بقول ابوالحسن عمری آپ کی اولاد میں تین دختران تھیں: (۱) ام حبیب جن کی والدہ ام عبداللہ بنت عقیل تھیں (۲) ام موسیٰ (۳) ام یونس، ان دونوں کی والدہ اسماء بنت عقیل بن ابی طالب تھیں اور آپ کے تین ہی بیٹے تھے: (۱) محمد (۲) علی (۳) ابوابراہیم اسماعیل، لیکن ان میں اولاد صرف محمد بن عمر اطرف کی جاری ہوئی۔

محمد بن عمر اطرف کی والدہ اسماء بنت عقیل بن ابی طالب تھیں۔ آپ کی کنیت ابوعمر تھی۔ بقول عمری کہ آپ ایک دن اپنے چچا زاد امام زین العابدینؑ کی مجلس میں حاضر تھے تو محمد بن عمر اطرف نے کلام کیا تو امام

---

[1] عمدۃ الطالب، ص ۳۳۱، ۳۳۲

[2] انساب الاشراف، از بلازری، ج ۲ ص ۴۱۳، تحقیق سہیل ذکار و زرکلی چاپ اول لدار الفکر بیروت

[3] اخبار الطوال، ص ۳۰۷

زین العابدینؑ نے ان کے کلام کو پسند کیا اور ان کی تعریف کی۔

تو محمد بن عمر اطرف نے امام زین العابدینؑ سے کہا کہ میرے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ میں آپ کی پیروی کروں اور اے چچا زاد! یہ میری آپ کے لئے محبت ہے۔تو امام زین العابدینؑ نے کہا کہ کیا تم میری دختر خدیجہ سے شادی کروگے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ خدیجہ کی منزلت میرے نزدیک کتنی ہے تو محمد بن عمر اٹھ کر آئے اور امام کے سر کا بوسہ لیا۔تو امام نے کہا کہ یہ صلہ رحم ہے اے چچا زاد! اور تم ہمارے ساتھ منسلک ہوئے اور ان دونوں کی شادی ہوئی اور اولاد پیدا ہوئی۔[1]

اور آپ کے بطن سے (۱) عمر (۲) عبیداللہ (۳) عبداللہ تولد ہوئے۔

محمد بن عمر اطرف بن امام علی کی بقول عمری آٹھ اولادیں تھیں جن مین چار صاحبزادیاں تھیں: (۱) فاطمہ (۲) ام موسیٰ (۳) کلثوم (۴) ام ہانی، جبکہ آپ کے چار ہی فرزند تھے: (۱) عبداللہ (۲) عبیداللہ (۳) عمر، ان تینوں کی والدہ خدیجہ بنت امام زین العابدین تھیں جبکہ (۴) جعفر ابلہ کی والدہ ام ہاشم بنت جعفر بن جعفر بن جعدہ بن ھبیر ہ ن ابی وھب مخزومی تھیں۔

(۱۹۱) سید نجم الدین ابوالحسن عمری نسابہ کبیر صاحب مجدی فی انساب الطالبین

آپ کا نام نجم الدین علی کنیت ابوالحسن تھی۔آپ نجم الدین ابوالحسن علی بن ابی الغنائم محمد نسابہ بن ابی حسین علی نسابہ بن ابی طیب محمد اعور بن ابی عبداللہ محمد ملقطہ بن ابی حسین احمد اصغر ضریر الکوفی بن ابوالقاسم علی الضریر بن ابی علی محمد صوفی بن ابی الحسین یحییٰ صالح بن ابی محمد عبداللہ بن ابی عمر محمد بن عمر اطرف بن امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ تھے۔

آپ کے والد محترم ابوالغنائم محمد المعروف بابن مھلبیہ نسابہ تھے جو علم الانساب کے ماہر تھے۔ابوالحسن عمری نے ان سے سوال کیئے اور ان کی روایات پر اعتماد کیا۔ابوالغنائم محمد بن علی کی والدہ فاطمہ بنت حسین مھلبیہ صاحب قریہ مخلد تھیں اور یہ ارض قندل بصرہ میں ایک مقام ہے۔

آپ کی اولاد سے تین دختران: (۱) فاطمہ ست الشرف (۲) رقیہ ست البلد (۳) رفعیہ ست الدار تھیں، جبکہ آپ کے پانچ پسران تھے: (۱) ابوالحسن عمری نسابہ (۳) ابو غانم ھبت اللہ (۳) ابا عبداللہ حسین

[1] المجدی فی انساب الطالبین، از عمری، ص ۴۵۱

(۴)ابوالقاسم مہلب (۵) ابوعبداللہ محمد۔

ان میں فاطمہ ست الشرف اور ابوحسن عمری نسابہ کی والدہ فاطمہ بنت محمد تھیں جو بصرہ کی عام خاتون تھیں، جبکہ باقی تمام اولاد ابوالغنائم محمد کی چچا زاد مدلل بنت حمزہ عمری علوی کے بطن سے تھی۔

القاب خاندانی

حضرت ابوالحسن عمری کے خاندانی طور پر کچھ القاب تھے:

(۱) صوفی:

آپ کے خاندان کو بنو صوفی بھی کہا جاتا تھا کیونکہ آپ کے جد اعلیٰ محمد الصوفی بن یحییٰ الصالح بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن امام علیؑ تھے جو زہد اور عبادت میں کمال تھے اس لئے ان کو صوفی کہا گیا۔ آپ صوف کا لباس پہنتے تھے۔ آپ کو ہارون رشید نے قید کے دوران قتل کیا۔ آپ کا مدفن مسجد سہلہ کوفہ میں ہے۔

(۲) عمری:

عمری آپ کو اس لئے کہتے تھے کہ آپ کا نسب عمر اطرف بن امام علیؑ پر منتھیٰ ہوتا ہے اور اس لئے آپ علویوں کے پانچویں خاندان عمری سے تعلق رکھتے تھے۔

(۳) علوی:

یہ نام آپ کے جد الجامع امام المتاقین حضرت علی ابن ابی طالب کی نسبت سے ہے۔

(۴) نسابہ:

چونکہ آپ کے خاندان میں کثیر نسابہ تھے اس لئے ان کو خاندانی طور پر بھی نسابہ کہا جاتا تھا۔

ولادت اور وفات:

کتاب اصیلی فی انساب الطالبین میں صفی الدین محمد بابن طقطقی نے ذکر کیا ہے کہ ابوالحسن عمری نسابہ کی ولادت بصرہ میں سن ۳۴۸ ہجری کو ہوئی اور وفات موصل میں سن ۴۶۰ ہجری کو ہوئی۔[۱]

اور یہ بھی کہا جاتا ہے آپ کی وفات ۴۵۹ ہجری میں تحریر ہے۔ لیکن بقول شہاب الدین نجفی مرعشی کہ ابوالحسن عمری کی وفات اور ولادت کا سن صاحب اصیلی کے علاوہ کسی نے تحریر نہ کی۔

---

[۱] الاصیلی فی انساب الطالبین، از ابن طقطقی، ص ۳۳۷

اولاد و احفاد:

آپ نے اپنی اولاد کا ذکر اپنی شہرۂ آفاق کتاب المجدی فی انساب الطالبین میں کیا۔ ابوالحسن عمری کی شادی بنی ہاشم کی ایک خاتون سے ہوئی۔ آپ کی اولاد میں ایک دختر (۱) صفیہ اور دو فرزند (۲) ابوعلی محمد (۳) ابو طالب ہاشم تھے۔ جبکہ ابو طالب ہاشم کا ایک فرزند جعفر النسابہ تھا جس نے اپنے دادا کی کتاب ان سے روایت کی۔

مشائخ اور استاد:

جن حضرات سے آپ نے روایت کیا اور علم الانساب حاصل کیا:

۱۔ نسابہ سید ابوالحسن محمد بن محمد المعروف شیخ شرف عبیدلی جو کہ حسین اصغر بن امام زین العابدینؑ کی اولاد سے تھے ان کی ولادت ۳۳۸ ہجری اور وفات ۴۳۵ ہجری کو ہوئی۔ بقول عمری کہ شیخ شرف عبیدلی نسابہ عراق اور شیخ المسن تھے میں نے آپ سے علم حاصل کیا۔

۲۔ آپ کے والد ابوالغنائم محمد بن ابوحسین علی نسابہ بقول عمری کہ آپ بصریوں میں نسابہ تھے۔

۳۔ شریف نسابہ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن ابوطالب المعروف ابن طباطبا بقول عمری کہ میں نے موصل سے اپنے شیخ واستاد ابوعبداللہ حسین بن طباطبا کو خط لکھا جو کہ اس وقت بغداد میں مقیم تھے اور ان سے علی بن احمد کوفی کے نسب کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے خط بھیجا جو جواب پر مبنی تھا کہ کوئی شک نہیں کہ یہ شخص پکا جھوٹا ہے اور یہ علی بن احمد کوفی قرامطہ کا سردار تھا۔

۴۔ شیخ ابوعلی بن شہاب عکبری جو کہ بغداد کے اعمال میں سے تھے۔

۵۔ شیخ ابوعبداللہ حمویہ بن علی حمویہ جو بصرہ میں شیعیان کے شیوخ میں سے تھے۔

۶۔ شریف ابوعلی عمر علوی کوفی المعروف موضح نسابہ بن علی بن حسین بن اخی اللبن عبداللہ بن محمد صوفی بن یحییٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن امام علیؑ۔

عمدۃ الطالب میں ابن عنبہ تحریر کرتے ہیں کہ شریف الفاضل فی نسب والطب والشجاعت والجبۃ المعروف موضح نسابہ آپ سے ابوالحسن عمری اور ان کے والد ابوالغنائم محمد نسابہ نے روایت کی ہے[1]

اور کتاب الحجۃ علی الذاہب الیٰ تکفیر ابی طالب از علامہ نسابہ جلیل سید شمس الدین فخار بن معد الموسوی

---

[1] بعض نسخہ عمدۃ الطالب ذکر، سید شہاب الدین نجفی مرعشی، مقدمہ المجدی فی انساب الطالبین

حلی المتوفی سن ۶۳۰ ہجری نے ذکر کیا۔ عمر بن علی نسابہ نے شیخ صدوق سے روایت کیا اور روایت کیا ابی القاسم حسن بن محمد سکونی سے اور انہوں نے حافظ ابی العباس احمد بن عقدہ سے جو شیخ صدوق کے استادوں میں سے تھے۔

۷۔ ابوالحسن علی بن سہل تمار۔

۸۔ شریف ابوالحسین محمد بن محمد بن ابی الحسن محمد بن علی بن ابی زید محمد بن احمد بن عبیداللہ بن علی باغر حسنی

۹۔ ابوالحسین محمد بن ابی الفرج۔

۱۰۔ ابوعلی قطان مقری

۱۱۔ شیخ ابوعبداللہ حسین بن احمد بصری بن ابراہیم فقیہ امامی بقول شمس الدین فخار بن معد الموسوی حلی متوفی ۶۳۰ ہجری کہ انہوں نے ابی حسین یحییٰ بن محمد حقینی سے روایت کیا۔

۱۲۔ ابوالیسر محمد بن احمد بن جصاص الشاعر المعروف موفی۔

۱۳۔ شیخ ابونصر سہل بن عبداللہ بن داؤد بن سلیمان بن ابان بن عبداللہ بخاری المتوفی بعد سن ۳۴۱ ہجری صاحب کتاب سرسلسلہ علویہ

۱۴۔ شریف ابوحسین زید المعروف کتیلہ حسینی بن محمد بن قاسم بن علی بن یحییٰ بن یحییٰ بن حسین ذی العبرۃ بن زید شہید بن علی بن حسین امام شہید کربلا بن امام علی علیہ السلام۔

۱۵۔ شیخ ابوعلی حسن بن دانیال نیلی بصری

۱۶۔ شیخ صالح قیسی بصری الشاعر

۱۷۔ ابویقظان عمار بن فتح سیوفی مصری

۱۸۔ شیخ ابوعبداللہ محمد (احمد) بن ابی جعفر بن علاء بن جعفر القائد عمری نسابہ بغدادی

۱۹۔ شیخ ابوحسین بن قاضی ہمدانی۔

۲۰۔ شیخ ابومخلد بن جنید کاتب موصلی

۲۱۔ ابوالقاسم حسین بن جعفر حسینی ارقطی المعروف بابن خداع مصری نسابہ

۲۲۔ شیخ ابومحمد حسن بن احمد بن قاسم بن محمد عویدی زاہد علوی محمدی اخباری بغدادی

شاگردان اور وہ لوگ جنہوں نے ابوالحسن عمری سے روایت کیا:

۱۔ سید تاج الشرف محمد بن محمد بن ابی زید حسن نقیب علوی حسینی بصری۔

۲۔ نسابہ جعفر بن ابی طالب ہاشم بن ابوالحسن عمری علوی صاحب مجدی فی انساب الطالبین، یہ ابوالحسن عمری کے پوتے ہیں جنہوں نے اپنے دادا سے کتاب المجد ی کو روایت کیا۔

۳۔ علامہ سید ابومحمد حسن موسوی ہروی جو پانچویں صدی کے علماء میں سے تھے جن سے صاحب منتقلہ الطالبیہ شریف ابواسماعیل ابراہیم بن ناصر طباطبا نے روایت کیا۔

اس کے علاوہ نسب کی کوئی کتاب نہیں جس میں کتاب المجد ی فی انساب الطالبین کے حوالہ جات موجود نہ ہوں۔ المجد ی علم الانساب کی امہات کتب میں سے ہے۔ آپ کے سلسلہ اجازہ سے کثیر علمائے انساب وجود میں آئے۔

آپ سے روایت کیا آپ کے پوتے سید جعفر بن ابی طالب ہاشم نسابہ نے ان سے علم الانساب کو ابن کلبون عباسی نے روایت کیا ان سے سید جلال الدین عبدالحمید بن تقی حسینی زیدی نے اجازہ حاصل کیا ان سے محمد فخار موسوی بن ابوالغنائم محمد نے سیکھا ان سے ان کے پوتے فخار الاول موسوی نے حاصل کیا ان سے سید شیخ علم الدین مرتضیٰ بن جلال الدین عبدالحمید بن شمس الدین فخار بن معد الموسوی نے علم الانساب حاصل کیا ان سے شیخ تاج الدین ابن معیہ حسنی النقیب نے علم حاصل کیا اور ان سے عمدۃ النسابین سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی صاحب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے علم الانساب حاصل کیا۔

مذہب صاحب مجدی:

بقول سید شہاب الدین مرعشی نجفی کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوالحسن عمری شیعہ اثناعشری تھے۔

اور سید رضی الدین ابن طاؤس نے کتاب ''الاقبال'' میں صاحب مجدی کے ذکر کے بعد ان کے نام کے ساتھ ''تغمدہ اللہ بغفران'' تحریر کیا۔ اور سید عبدالرزاق آل کمونہ نے بھی آپ کو شیعہ تحریر کیا ہے۔[1]

سفر ہائے صاحب مجدی:

ابوالحسن علی عمری نے ۴۲۵ ہجری میں بغداد میں شریف سید مرتضیٰ علم الہدی سے ملاقات کی۔ آپ نے اپنی زندگی کے دوران کافی بزرگان سے ملاقات کی۔ آپ نے کتاب المجد ی فی انساب الطالبین کے علاوہ بھی چند کتب تحریر کیں۔ آپ کی تالیفات میں:

(۱) کتاب المجد ی فی انساب الطالبین — (۲) کتاب المشجر

(۳) کتاب الشافی — (۴) کتاب العیون

---

[1] منیۃ الراغبین، از سید عبدالرزاق آل کمونہ، ص ۲۸۶

(۵) المبسوط فی الانساب

سید ابوالحسن عمری نے اپنی کتاب المجدی فی انساب الطالبین کی تدوین کے سلسلے میں، مصر، مکہ، جزیرہ، موصل، کوفہ، عکبرا، بصرہ، عمان، نصیبین، دیار بکر، شام، حلب کا سفر اختیار کیا۔

شیخ ابوالحسن علی عمری نے اپنی کتاب المجدی فی انساب الطالبین کو مجد الدولہ ابوالحسن احمد نقیب مصر فی زمن الفاطمین ابن فخر الدولہ ابویعلیٰ حمزہ بن حسن بن عباس بن حسن بن حسین بن ابی الحسن علی بن محمد بن علی بن اسماعیل ابن امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام سے منسوب کیا۔

(۱۹۲) جعفر الملک ملتانی علوی عمری

جعفر الملک ملتانی بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

بقول سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی کہ جب جعفر الملک ملتانی کو حجاز میں خطرہ محسوس ہوا تو وہ اپنی اولاد سے تیرہ (۱۳) افراد کے ہمراہ کچھ دن تو گھر میں چھپے رہے اور پھر موقع ملنے پر ملتان چلے گئے۔

اہلِ ملتان نے ان کی آمد پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور ایک بڑی جماعت ان کے ہمراہ ہوگئی۔ آخرکار یہ جماعت شہر پر غالب ہوگئی اور ان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور ابن عنبہ لکھتے ہیں کہ اب تک ملتان کی حکومت ان کی اولاد میں ہے۔ بقول ابن خداع آپ کی اولاد ۲۸ پسران سے جاری ہوئی۔ بقول شیخ شرف العبید لی آپ کی اعقاب ۵۰ فرزندوں سے ہے بقول بیہقی نسابہ آپ کہ اعقاب ۸۰ پسران سے جاری ہوئی۔ اور بقول عمری آپ کی اولاد ۴۴ فرزندان سے جاری ہوئی (یہ قول ابن عنبہ کا تھا جو بیہقی سے نقل ہے جبکہ بیہقی کی اپنی کتاب میں یہ تعداد ۳۷۰ تحریر ہے جن میں سے ۸۰ اولاد ہوئی)۔

صاحب عمدۃ الطالب کی ہی روایت میں تحریر ہے کہ بقول ابی الیقظان اولاد جعفر الملک ملتانی میں سے اکثر نے اسماعیلی مذہب اختیار کرلیا اور وہ ہندی زبان بولنے لگے اور انہوں نے اپنے نسب کی حفاظت کی ہے[1]

بقول میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کہ آپ کا لقب المویّد من السماء تھا یعنی آسمان کی جانب سے تائید یافتہ، آپ سادات میں پہلے بزرگ تھے جو اس سرزمین پر تشریف لائے اور سکونت اختیار کی۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بعد پچاس فرزند چھوڑے جو ہندوستان کرمان اور ایران کی طرف پھیل گئے۔ ان میں سے عبدالحمید

---

[1] عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، از عنبہ، ص ۳۳۵

نے اُچ پر حکومت کی ہے[1]

علامہ سید عبدالحی حسنی اپنی کتاب نزہتہ الخواطر میں تحریر کرتے ہیں کہ وہ پہلے علوی ہیں جنہوں نے حجاز سے ہجرت فرما کر ملتان کو اپنا وطن بنایا وہ جعفر بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر اطرف بن امام علی ابن ابی طالبؑ تھے۔[2]

شجرے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جعفر الملک ملتانی امیر کائنات حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی اولاد میں پانچویں پشت تھے۔

اور یہ زمانہ ہارون رشید کا ہی ہوسکتا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عدی گورنر سندھ جب ملتان پر قبضہ کرنے کیلئے پہنچا تو یہاں جعفر بن محمد علوی پہلے ہی اپنی حکومت مضبوط کر چکے تھے۔

اہل ملتان نے محمد بن عدی کے مقابلے میں انکی مدد کی اور یہ محمد بن عدی پر غالب آ گئے اور اس کے بعد بنوسامہ کے عروج تک یہ خاندان ملتان پر حکومت کرتا رہا لیکن افسوس سوائے صاحب عمدۃ الطالب کے اور کسی مورخ نے ان علویوں کی حکومت کا تذکرہ نہیں کیا۔[3]

عبدالحئ حسنی رقمطراز ہیں کہ جعفر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن امام علیؑ نے ملتان پر قبضہ کیا اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور پھر ان کی اولاد ۳۶۴ ہجری تک ملتان پر حکمران رہی ان میں سے اکثر اسماعیلی مشرب کے تھے۔

بقول نور احمد خان فریدی کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ ملتان کی اوّل حکومت جو بھی تھی وہ ہشام بن عمرو تغلبی کے حملہ پر ختم ہوگئی اور یہی زمانہ جعفر الملک ملتانی کی آمد کا ہے۔ انہوں نے ملتان پر قبضہ کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور جب محمد بن عدی آیا تو اسے مار پیٹ کر بھگا گیا اور پھر ۳۷۳ تک بلاشرکتِ غیر اس ملک پر حکومت کی۔ ۱۵۲ ہجری سے ۳۷۳ ہجری تک ۲۲۱ برس بنتے ہیں۔

مقدسی علویوں کے آخری دور میں ملتان آیا تھا۔ وہ تحریر کرتا ہے کہ یہاں پر غلہ سستا ہے مکانات اچھے ہیں۔ زیادہ عمارتیں ساگوان کی لکڑی کی ہیں اور اکثر مکانات کئی منزلوں کے ہیں۔ ان لوگوں میں زنا نہیں ہے۔[4]

---

[1] تحفۃ الکرام، از میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، مترجم اختر رضوی، ص ۳۵۸

[2] نزہتہ الخواطر، حصہ اوّل ص ۱۰۹ از عبدالحی حسنی، طبقہ ثانیہ

[3] تاریخ ملتان، از مولانا نور احمد خان فریدی، ص ۱۰۱، ناشر قصر الادب نورمحل براہ شجاع آباد، ضلع ملتان

[4] تاریخ ملتان، از مولانا احمد خان فریدی، ص ۱۰۲، ۱۰۳، ناشر قصر الادب، نورمحل براہ شجاع آباد، ملتان

اور بعض جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جعفر الملک ملتانی کی اولاد جو ملتان پر حکمران تھی کو محمود غزنوی نے قرامطی قرار دے کر قتل کروا دیا، حالانکہ قرامطی ان کے علاوہ تھے جو ملتان میں ان کے بعد آئے اور قابض ہو گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب جلم بن شیبان ۳۷۳ میں ملتان آیا اور اس نے قبضہ کیا تو انہوں نے ہی جعفر الملک ملتانی علوی کی اولاد کو قتل کیا ہو اور بعد میں محمود غزنوی نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہو۔

قرامطی دراصل اسماعیلیوں کے لباس میں سندھ میں داخل ہوئے اور چھا گئے۔ ملتان کے حکمران چونکہ مذہبی طور پر اسماعیلی تھے اس لئے ان سے بے خبر رہے۔ اور قرامطی اپنی سازشوں میں مصروف رہے۔ جلم بن شیبان نامی قرامطی سردار جو ایک عرصہ سے موقع کا منتظر تھا اس نے ایک رات اپنے ہجوم سے دفعتاً علویوں پر حملہ کر دیا۔ اور بے خبری کے عالم میں وہ کوئی انتظام نہ کر سکے اور اِن کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

سید ابوظفر ندوی مؤلف تاریخ سندھ تحریر کرتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلم بن شیبان نے ملتان پر کوئی بیرونی حملہ نہیں کیا بلکہ اندرون شہر بغاوت کروا کر خود مددگار بنا اور پھر سردار ہو گیا۔

جلم بن شیبان نے ۳۷۳ ہجری میں ملتان پر قبضہ کر کے بظاہر فاطمی خلیفہ کا سکہ جاری کیا حالانکہ اسے فاطمی حکومت سے کوئی ربط نہیں تھا۔ محض اس لئے کہ اگر بنو عباس کی طرف سے حملہ ہو تو فاطمی خلیفہ سے امداد لی جا سکے ورنہ اگر یہ اسماعیلی ہوتا تو یہاں موجود پہلی اسماعیلی سلطنت کو ہرگز ختم نہ کرتا۔[1]

اولاد جعفر الملک ملتانی:

آپ کی بہت زیادہ اولاد تھی۔ جس کے بارے میں نسابین کے مختلف اقوال موجود ہیں چونکہ صاحب مجدی فی انساب الطالبین ابوالحسن عمری آپ کے خاندان سے تھے تو ہم یہاں آپ کی اولاد کے بارے میں اُن کی تحریر نقل کرتے ہیں ان کے مطابق جعفر الملک ملتانی کی اولاد ۴۴ فرزندوں سے باقی رہی۔

وہ اپنی کتاب المجدی میں آپ کے فرزند ہاشم بن جعفر الملک ملتانی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میرے والد جب ۱۰۰ سال کے تھے تو فوت ہوئے اس وقت بھی ان کی بیوی حاملہ تھی اور جو اس حاملہ سے فرزند تولد ہوا اس کا نام والد کے نام پر جعفر بن جعفر الملک ملتانی رکھا گیا۔[2]

جبکہ بابن فندق بیہقی لباب الانساب میں آپ کی عمر ۱۲۰ سال تحریر کرتے ہیں۔[3]

---

[1] تاریخ ملتان، از مولانا نور احمد خان فریدی، ص ۱۰۸

[2] المجدی فی انساب الطالبین ص ۴۷۴

[3] لباب الانساب، از بابن فندق بیہقی، ج ۲ ص ۵۹۹

آپ کے فرزندوں کے نام جو ابوالحسن عمری نے تحریر کئے یعنی جن فرزندوں سے آپ کی اولاد جاری ہوئی وہ یہ ہیں:

(۱) عبدالحمید	(۲) علاء	(۳) عبدالعظیم	(۴) عون
(۵) عیسیٰ	(۶) علی اکبر	(۷) عبدالجبار	(۸) اسماعیل اکبر
(۹) مظفر	(۱۰) یونس	(۱۱) عباس	(۱۲) عبدالرحمان
(۱۳) ہارون	(۱۴) عقیل	(۱۵) عمر	(۱۶) اسحاق
(۱۷) احمد	(۱۸) سلیمان	(۱۹) یحییٰ	(۲۰) موسیٰ
(۲۱) زید	(۲۲) جعفر	(۲۳) حمزہ	(۲۴) ادریس
(۲۵) یعقوب	(۲۶) الکفل	(۲۷) طاہر	(۲۸) اسماعیل اصغر
(۲۹) صالح	(۳۰) ہاشم	(۳۱) ابراہیم اکبر	(۳۲) ابراہیم اصغر
(۳۳) عبدالصمد	(۳۴) محمد	(۳۵) محسن	(۳۶) حسن
(۳۷) حسین	(۳۸) علان	(۳۹) فضل	(۴۰) عبداللہ
(۴۱) عبدالرحمان اصغر	(۴۲) عبدالخالق	(۴۳) داؤد	(۴۴) عبدالواحد [1]

[1] المجدی فی انساب الطالبین، از ابوالحسن عمری، ص ۴۷۴

مصادر الکتاب

۱۔ نہایہ الارب فی معرفہ انساب العرب، تالیف ابی العباس احمد قلقشندی، تحقیق ابراہیم ابیاری، ناشر: دارالکتب لبنان، بیروت

۲۔ کتاب نسب قریش، تالیف: ابی عبداللہ مصعب بن عبداللہ بن مصعب زبیری (۱۵۶ تا ۲۳۶ ہجری)، طبع ثانیہ، دارالمعارف بیروت

۳۔ مدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب، تالیف: سید قمر عباس اعرجی ہمدانی، نشر: سید قمر عباس اعرجی ہمدانی، راولپنڈی، پاکستان

۴۔ المجدی فی انساب الطالبین، تالیف: نجم الدین ابوالحسن علی عمری علوی، مقدمہ: علامہ الفقیہ آیت اللہ شہاب الدین نجفی مرعشی، تحقیق: داکتور احمد مہدوی دامغانی، نشر: مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی

۵۔ زاد العقبیٰ اردو ترجمہ: مودت فی القرباء، مؤلف: میر سید علی ہمدانی، مترجم: سید شریف حسین سبزواری، نشر: بلتستان

۶۔ احسن المقال، ترجمہ: منتھی الآمال، تالیف: ثقہ المحدثین شیخ عباس قمی، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان، سال اشاعت: ۲۰۱۲ء

۷۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، تالیف: جمال الدین بن علی حسینی المعروف بابن عنبہ المتوفی ۸۲۸ ہجری، نشر: مکتبہ انصاریان، قم، ایران ونشر: مکتبہ حیدریہ نجف اشرف، عراق

۸۔ کتاب المشجر من اولاد حسین الاصغر، تالیف: نسابہ سید قمر عباس اعرجی ہمدانی، نشر: نقابہ سادات الاشراف پاکستان، سال اشاعت: ۲۰۱۴ء

۹۔ الاصابہ فی تمیز صحابہ، تالیف: ابن حجر عسقلانی، نشر: دارالکتب بیروت، لبنان

۱۰۔ انساب الاشراف، تالیف: احمد بن یحییٰ بن جابر بلازری، تحقیق: باقر محمودی، ناشر: موسسہ علمیہ بیروت، لبنان

۱۱۔ کتاب المعقبین من ولد الامام امیر المومنین، تالیف: ابی الحسین یحییٰ بن حسن بن جعفر الحجۃ مدنی عبیدلی عقیقی نسابہ (۲۱۴ تا ۲۷۷ھ) تحقیق: محمد کاظم، ناشر: مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی، قم، ایران

۱۲۔ الارشاد، تالیف: شیخ مفید، ناشر: موسسہ اہل بیت، قم، ایران

۱۳۔ الاستیعاب، تالیف: ابن عبدالبر، تحقیق: علی محمد بجاوی، ناشر: مکتبہ دارالجبل، بیروت، لبنان

۱۴۔ الاستذکار، تالیف: ابن عبدالبر، تحقیق سالم محمد عطا، محمد علی معوض، دارالکتب علمیہ، بیروت لبنان

۱۵۔ مقاتل الطالبین، از ابی الفرج اصفہانی، تحقیق: کاظم المظفر، ناشر: مکتبہ حیدریہ نجف الاشرف

۱۶۔ مقاتل الطالبین، از ابی الفرج اصفہانی (۲۸۳ تا ۳۵۶ھ) شرح و تحقیق: سید احمد صقر، منشورات الشریف رضی

۱۹۔ مقاتل الطالبین اردو، ترجمہ: مقتل آل ابی طالب، مترجمہ: حجۃ الاسلام علامہ حسن رضا باقر، ناشر: تراب پبلیکیشنز، لاہور

۲۰۔ الثقات، تالیف: ابن حبان، ناشر: موسسہ دارالکتب الثقافیہ، بیروت

۲۱۔ تاریخ کوفہ، تالیف: سید براقی، تحقیق: ماجد احمد العطیہ، انتشارات مکتبہ حیدریہ، نجف الاشرف، عراق

۲۲۔ فتوح الشام، تالیف: محمد بن عمر واقدی، تحقیق: عبداللطیف عبدالرحمان، دارالکتب علمیہ، بیروت، لبنان

۲۳۔ مناقب آل ابی طالب، تالیف: ابن شہرآشوب مازندرانی، نشر: قم ایران، موسسہ انتشارات علامہ، قم

۲۴۔ اخبار الطوال، تالیف: ابن قتیبہ دنیوری، تحقیق: عبدالمنعم مراجع و داکتور جمال الدین، نشر: قاہرہ، مصر

۲۵۔ مروج الذہب و معاون الجوہر، تالیف: مسعودی، منشورات دارالھجر ۃ، قم، ایران

۲۶۔ الفتوح، تالیف: ابن اعثم کوفی، تحقیق: علی شیری، نشر: بیروت، لبنان

۲۷۔ اسد الغابہ، تالیف: ابن اثیر، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان

۲۸۔ طبقات الکبریٰ، از محمد ابن سعد، دار صادر بیروت، لبنان

۲۹۔ شرح نہج البلاغۃ، تالیف: ابن ابی الحدید معتزلی چاپ محمد ابوالفضل ابراہیم، نشر: قاہرہ، مصر

۳۰۔ طبقات الکبریٰ، از محمد ابن سعد، دارالفکر، بیروت، لبنان

۳۱۔ قاموس الرجال، تالیف: محمد تقی تستری، نشر: موسسہ اسلامی تابعہ لجماعۃ المدرسین، قم المقدس، ایران

۳۲۔ المختصر فی اخبار مشاہیر الطالبیہ والآئمہ الاثنیٰ عشر، تالیف: سید صفی الدین ابی عبداللہ محمد المعروف بابن طقطقی، شرح و حواشی: سید علاء الموسوی، مراجع مرکز احیاء التراث، مکتبہ و دار مخطوطات عتبہ عباسیہ مقدسہ کربلا، عراق

۳۳۔ حیاۃ السیاسیہ الامام حسنؑ، تالیف: سید جعفر مرتضیٰ، نشر: دارالسیر ۃ

۳۴۔ الامامہ والسیاسیہ، تالیف: ابن قتیبہ دنیوری

۳۵۔ تشیع در مسیر تاریخ، تالیف: حسین محمد جعفری

۳۶۔ البدایہ والنہایہ، تالیف: ابن کثیر، مکتبہ دار الفکر بیروت، لبنان

۳۷۔ تاریخ یعقوبی، تالیف: احمد یعقوبی، دار صادر بیروت، لبنان

۳۸۔ لباب الانساب والالقاب والاعقاب، تالیف: ابی الحسن علی بن ابی القاسم بن زید بیہقی المعروف بابن فندق، تحقیق: سید مہدی رجائی، ناشر: مکتبہ آیت اللہ نجفی مرعشی، قم ایران

۳۹۔ المعارف، تالیف: ابن قتیبہ دینوری، چاپ ثروت عکاشہ، قاہرہ، مصر

۴۰۔ در بارہ اول، اربعین حضرت سید الشہداء، تالیف: قاضی محمد علی طباطبائی

۴۱۔ المصابیح، تالیف: حسنی

۴۲۔ الحدائق الوردیہ فی مناقب آئمۃ الزیدیہ

۴۳۔ رجال الطوسی، تالیف: ابی جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ ہجری، تحقیق: جواد قیومی اصفہانی، طبع موسسہ نشر: اسلامی، قم، ایران

۴۴۔ آغانی، تالیف: ابی الفرج اصفہانی، تحقیق: داکتور احسان عباس داکتور ابراہیم السعافین، ناشر: دار صادر بیروت، لبنان

۴۵۔ طبقات ابن سعد از محمد ابن سعد، اردو، ترجمہ: علامہ عبداللہ عمادی، ناشر: نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی

۴۶۔ الفخری، تالیف: سید صفی الدین ابی عبداللہ محمد المعروف بابن طقطقی، ناشر: دار صادر بیروت، لبنان

۴۷۔ مروج الذہب، تالیف: مسعودی، ناشر: موسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان

۴۸۔ مروج الذہب ومعاون الجواہر، تالیف: حسین بن علی مسعودی، اروترجمہ پروفیسر کوکب شادانی، ناشر: نفیس اکیڈمی، کراچی

۴۹۔ تاریخ طبری (اردو ترجمہ) تالیف: محمد ابن جریر طبری، ترجمہ: محمد صدیق ہاشمی و سید محمد ابراہیم ندوی ناشر: نفیس اکیڈمی، کراچی

۵۰۔ معالم انساب الطالبین فی شرح کتاب سر انساب العلویہ، تالیف: داکتور عبدالجواد الکلید ار آل طعمہ، محقق: سلیمان سید ہادی، ناشر: مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی

۵۱۔ منتقلہ الطالبیہ، تالیف: نسابہ ابی اسماعیل ابراہیم بن ناصر ابن طباطبا، حققہ وقدم لہ سید محمد مہدی بحر العلوم سید حسن خرسان، ناشر: مکتبہ حیدریہ نجف الاشرف، عراق

۵۲۔ تذکرہ حضرت سید احمد شہید، تالیف: مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

۵۳۔ الشجرہ المبارکہ فی انساب الطالبیہ، تالیف: امام فخر الدین رازی، تحقیق: سید مہدی رجائی، ناشر: مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی، قم ایران

۵۴۔ الاصیلی فی انساب الطالبین، تالیف: سید صفی الدین ابی عبداللہ محمد المعروف بابن طقطقی المتوفی ۷۰۹ ہجری، جمعہ ورتبہ وحققہ، سید مہدی رجائی، ناشر: مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی، قم، ایران

۵۵۔ ہدایہ الطالب، تالیف: سید تاج الدین ابن معیہ حسنی (غیر مطبوعہ)، من نسخہ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔

۵۶۔ درخت طوبیٰ براساس کتاب، المجدی فی انساب الطالبین، تبار نامہ سادات درمتون کہن، از غلام رضا جلالی، ناشر: Islamic Research Foundation, Astan, Quds, Rizvi, Mashad, Iran

۵۷۔ رجال النجاشی، تالیف: شیخ ابوالعباس احمد بن علی بن احمد بن عباس نجاشی اسدی کوفی متوفی ۴۵۰ھ، تحقیق: سید موسیٰ زنجانی، ناشر: موسسہ نشر اسلامی، قم ایران

۵۸۔ الفخری فی انساب الطالبین، تالیف: نسابہ سید عز الدین ابی طالب اسماعیل مروزی، تحقیق: سید مہدی رجائی، ناشر: مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی، قم ایران

۵۹۔ منیہ الراغبین فی طبقات النسابین، تالیف: سید عبدالرزاق آل کمونہ، ناشر: مطبۃ النعمان نجف الاشرف عراق

۶۰۔ الفصول الفخریہ، تالیف: سید جمال الدین ابن عنبہ حسنی، باہتمام: میر جلال الدین حسینی ارموی محدث، ناشر، ایران

۶۱۔ انساب السادات الحسینی، تالیف: سید قمر عباس ہمدانی اعرجی، نشر راولپنڈی

۶۲۔ الفہرست، تالیف: محمد بن اسحاق المعروف ابن ندیم، نشر: بیروت، لبنان

۶۳۔ صبح الاعشی فی کتابہ، الانشاء، تالیف: ابوالعباس احمد قلقشندی، ناشر: دارالکتب مصریہ

۶۴۔ تاریخ ایران، از اسلام تا سداجقہ

۶۵۔ تاریخ ادب عربی، تالیف: بروکلمان، ترجمہ: عبدالحلیم نجار، طبع: قاہرہ، مصر

۶۶۔ اہم سیاسی، مفکرین، تالیف: محمد صدیق قریشی، ، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، سال ۲۰۰۲ء

۶۵۔ کواکب المشرقہ فی انساب و تاریخ وتراجم الاسرۃ العلویہؑ الزہرۃؑ، تالیف: سید مہدی رجائی، مکتبہ آیت

اللہ العظمی نجفی مرعشی
۶۶۔ تتمہ مصابیح ابی العباس حسنی، تالیف: علی بن بلال آملی چاپ عبداللہ عبداللہ حوثی، یمن
۶۷۔ اخبار فخ وخبر یحییٰ بن عبداللہ و اخیہ ادریس بن عبداللہ، تالیف: احمد بن سہل رازی، چاپ ماہر جرار بیروت، لبنان
۶۸۔ روضات الجنات، تالیف: خوانساری
۶۹۔ رہنمائی سعادت، ترجمہ: کشف المحبہ، تالیف: سید محمد باقر گلپائیگانی
۷۰۔ طبقات اعلام الشیعہ (قرن سابع)، طبع بیروت، لبنان
۷۱۔ انساب الاشراف، تالیف: احمد بن یحییٰ بن جابر بلازری، تحقیق: سہل زکار، ناشر: دارالفکر بیروت، لبنان
۷۲۔ زندگانی امام حسن بن علی، تالیف: شریف باقر قریشی، طبع ایران
۷۳۔ حیات ومسندہ عبدالعظیم حسنی
۷۴۔ تہذیب التہذیب، تالیف ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ ہجری، طباعہ والنشر بیروت، لبنان
۷۵۔ تاریخ بغداد، تالیف: ابی بکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ ہجری، ناشر: دارالفکر بیروت، لبنان
۷۶۔ گوہر خاندان امامت یا زندگی نامہ سیدہ نفیسہ، انتشارات عطارد تہران، ایران
۷۷۔ کواکب السیارۃ فی تربۃ الزیارۃ، تالیف: ابن زیارت
۷۸۔ نورالابصار، تالیف: شبلنجی، نشر: قاہرہ، مصر
۷۹۔ الشیعہ فی مصر، تالیف: وردانی، نشر: قاہرہ مصر
۸۰۔ سرسلسلۃ العلویہ، تالیف: ابی نصر بخاری، علق علیہ سید محمد صادق بحر العلوم، ناشر: مکتبہ حیدریہ نجف اشرف
۸۱۔ تاریخ طبرستان، تالیف: ابن اسفندیار، نشر: عباس اقبال آشتیانی، تہران، ایران
۸۲۔ کتاب المنتزع من خبر الاول من کتاب المعروف التاجی فی اخبار دولۃ الدیلمیہ در اخبار آئمہ زیدیہ طبرستان و دیلمان وجیلان، تالیف: ابراہیم بن ہلال صابی، چاپ ویلفیرَ مادلونگ، بیروت، لبنان
۸۳۔ کتاب سنی ملوک الارض والانبیاء، تالیف: حمزہ بن حسن اصفہانی
۸۴۔ الذریعہ تالیف: آقائے بزرگ تہرانی، نشر: ایران

۸۵۔ معجم رجال الحدیث، تالیف: ابوالقاسم خوئی موسوی

۸۶۔ الفہرست، شیخ الطائفہ ابی جعفر محمد بن حسن طوسی، تحقیق: سید محمد صادق بحر العلوم منشورات مکتبہ مرتضویہ نجف اشرف، عراق

۸۷۔ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، تالیف: شیخ صدوق نشر قم ایران

۸۸۔ المعقبون من آل ابی طالب، تالیف: سید مہدی رجائی، ناشر: موسسہ عاشوراء، قم، ایران

۸۹۔ پروھشی درنسب طاہریان، خراسان

۹۰۔ طبقات ناصری

۹۱۔ المنیر علی مذہب امام ہادی یحییٰ بن حسین، تالیف: احمد بن موسیٰ طبری، چاپ علی سراج الدین عدلان، صعدہ، یمن

۹۲۔ الکافی، تالیف: محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی

۹۳۔ تہذیب الاحکام، تالیف: ابوجعفر محمد بن حسن طوسی

۹۴۔ المستدرک، تالیف: حاکم نیشاپوری

۹۵۔ بحار الانوار، تالیف: علامہ باقر مجلسی

۹۶۔ واقعہ صفین، تالیف: نصر بن مزاحم

۹۷۔ الجمل، تالیف: شیخ مفید

۹۸۔ اختیار معرفہ الرجال، تالیف: شیخ ابوجعفر محمد طوسی

۹۹۔ تاریخ اسلام، تالیف: شمس الدین ذہبی

۱۰۰۔ تاریخ مدینہ الدمشق، تالیف: ابوالقاسم ابن عساکر دمشقی، ناشر: دار الفکر بیروت، لبنان

۱۰۱۔ مقالات اسلامیین، تالیف: اشعری، تحقیق: محی الدین عبدالحمید

۱۰۲۔ مقتل الحسین، تالیف: لوط ابن ابی مخنف

۱۰۳۔ الاصابہ، تالیف: ابن حجر عسقلانی

۱۰۴۔ السیرۃ النبویہ واخبار الخلفاء، تالیف: ابوحاتم تمیمی، ناشر: دار الکتب الثقافیہ، بیروت، لبنان

۱۰۵۔ مقتل الحسین، تالیف: محمد بن احمد خوارزمی، ناشر: انوار الھدیٰ قم، ایران

۱۰۶۔ اعیان الشیعہ، تالیف: سید محسن امین عاملی، نشر: دار التعارف بیروت، لبنان

۱۰۷۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، تالیف: علی بن عیسیٰ اربلی، ناشر: دارالاضواء، بیروت، لبنان
۱۰۸۔ مقتل لہوف، تالیف: سید ابن طاؤس، نشر: تہران ایران
۱۰۹۔ معالی السبطین فی احوال امامین الحسن والحسین، تالیف: شیخ مہدی حائری مازندرانی، موسسہ نعمان، بیروت، لبنان
۱۱۰۔ الکامل فی تاریخ، تالیف: ابن اثیر، ناشر: ادارہ طباعۃ المنیر یہ قاہرہ، مصر
۱۱۱۔ اثبات الوصیہ، تالیف: حسن بن علی مسعودی، ناشر: منشورات شریف رضی، قم، ایران
۱۱۲۔ الرجال، تالیف: ابن داؤد، ناشر: سید محمد صادق بحر العلوم، دانشگاہ، ایران
۱۱۳۔ سیر اعلام النبلاء، تالیف: شمس الدین محمد ذہبی
۱۱۴۔ صفۃ الفوات، تالیف: ابوالفرج ابن جوزی
۱۱۵۔ حلیہ الاولیاء، تالیف: ابونعیم اصفہانی
۱۱۶۔ نفس المہموم، تالیف: شیخ عباس قمی، نشر: ایران
۱۱۷۔ البساط، تالیف: حسن اطروش المعروف ناصر الکبیر، تحقیق: عبدالکریم احمد جدبان، صعدہ، یمن
۱۱۸۔ طبقاتِ زیدیہ الکبریٰ، تالیف: شہاری
۱۱۹۔ مجموعہ مقالات ہمایش بین المللی ناصر الکبیر، تالیف: موسوی، نژاد ایران
۱۲۰۔ اخبار آئمہ زیدیہ
۱۲۱۔ مسائل ناصریات، تالیف: سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، ناشر: رابطہ الثقافۃ العلاقات السلامیہ، تہران
۱۲۲۔ آثار الباقیہ، تالیف: البیرونی
۱۲۳۔ التحف الشرح، تالیف: حسن مویدی
۱۲۴۔ درس نامہ تاریخ وعقائد زیدیہ، تالیف: فرمانیان
۱۲۵۔ تاریخ طبرستان ورویان و مازندران، تالیف: سید ظہیر الدین مرعشی
۱۲۶۔ علویان طبرستان، تالیف: حکیمیان
۱۲۷۔ معجم رجال الحدیث وتفصیل طبقات الرواۃ، تالیف: آیت اللہ ابوالقاسم خوئی
۱۲۸۔ حیاۃ السیاسیۃ والفکریہ للزیدیہ فی المشرق الاسلامی
۱۲۹۔ سبط النجوم العوالی فی انباء الآوئل التوالی، تایف: عبدالمالک عاصمی ملکی، نشر: بیروت، لبنان

۱۳۰۔ مستدرکات علم رجال حدیث، تالیف: شیخ علی غازی شاہرودی، نشر: تہران
۱۳۱۔ شرح احقاق الحق، تالیف: قاضی نور اللہ سوشتری، تالیق: شہاب الدین مرعشی، مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی
۱۳۲۔ المستدرک علی الصحیحین، تالیف: ابی عبداللہ حاکم نیشاپوری، نشر: دارالمعرفہ، بیروت لبنان
۱۳۳۔ تحفۃ اللطیفہ فی تاریخ مدینہ شریفہ، تالیف: ابی الخیر محمد شمس الدین بن عبدالرحمان قاہرہ
۱۳۴۔ حیات امام محمد باقر، تالیف: باقر شریف قرشی، نشر: ایران
۱۳۵۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، تالیف: حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف مزی، ناشر: موسسہ الرسالہ، بیروت، لبنان
۱۳۶۔ الثقات، تالیف: امام حافظ ابی حاتم محمد بن حبان بن احمد تمیمی، تحقیق: سید شرف الدین احمد، مجلس دائرہ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ہندوستان
۱۳۷۔ تسمیہ من روی عن امام زید بن علی علیہ السلام من التابعین، تالیف: امام ابی عبداللہ محمد بن علی بن عبدالرحمان علوی متوفی ۴۴۵ ہجری، ناشر: موسسہ امام زید بن علیؑ، امان، اردن
۱۳۸۔ جدوال الصغریٰ مختصر طبقات الکبریٰ، تالیف: علامہ عبداللہ بن امام ہادی حسن بن یحییٰ، ناشر: موسسہ زید بن علیؑ، امان، اردن
۱۳۹۔ الامالی اثنینیہ، تالیف: امام مرشد باللہ یحییٰ بن حسین بن اسماعیل جرجانی شجری، ناشر: موسسہ زید بن علیؑ، امان، اردن
۱۴۰۔ فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، تالیف: حافظ زید الدین ابی الفرج بن رجب حنبلی
۱۴۱۔ ادواء العلیل فی تخریج احادیث سنار السبلیل، تالیف: ناصر الدین البانی، نشر: بیروت، لبنان
۱۴۲۔ مشاہیر علماء الامصار اعلام فقہاء الاقطار، تالیف: محمد بن حبان تمیمی متوفی ۳۵۴ ہجری
۱۴۳۔ معرفت علوم الحدیث، تالیف: امام حاکم بن عبداللہ نیشاپوری، نشر: بیروت، لبنان
۱۴۴۔ رجال الطوسی، تالیف: ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ ہجری، تحقیق: جواد اصفہانی، موسسہ نشر اسلامی، قم ایران
۱۴۵۔ کتاب مناسک حج، مقدمہ: علامہ ھبت الدین شہرستانی، انجمن تبلیغات اسلامی
۱۴۶۔ کفایۃ الاثر فی نص علی الائمہ اثنیٰ عشر، تالیف: ابی القاسم علی بن محمد بن علی خزاز قمی رازی متوفی ۴۰۰

ہجری، تحقیق: سیدعبدالطیف خوئی، انتشارات بیدار، قم ایران

۱۴۷۔ الامالی شیخ طوسی، تالیف: ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۴۵۰ ہجری، تحقیق: قسم درسات اسلامیہ، دارالثقافہ، قم ایران

۱۴۸۔ الکنی والاسماء الدولابی تالیف: ابو بشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم انصاری متوفی ۳۱۰ ہجری، تحقیق: زکریا عمیرات

۱۴۹۔ بصائر الدرجات الکبریٰ، تالیف: ابوجعفر محمد بن حسن بن فروح، اصحاب امام حسن عسکریؑ متوفی ۲۹۰ ہجری، تحقیق: حاج میرزا محسن کوچہ باغی موسسہ الاعلمی، تہران

۱۵۰۔ تاریخ ابن خلدون، تالیف: عبدالرحمان بن محمد بن خلدون مغربی متوفی ۸۰۸ ہجری، موسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان

۱۵۱۔ مسند حسین الاصغر، تالیف: سید قمر عباس ترمذی، محمود برادرز پرنٹر، گوالمنڈی، راولپنڈی

۱۵۲۔ الفائق فی روات و اصحاب امام صادق ؑ، تالیف: عبدالحسین شبستری، موسسہ النشر اسلامی التابعہ لجماعہ المدرسین، قم ایران

۱۵۳۔ جمہرۃ انساب العرب، تالیف: ابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی، ناشر: دارالمعارف، بیروت لبنان

۱۵۴۔ تسمیہ من روی عن امام زید بن علی علیہ السلام

۱۵۵۔ جامع الرواۃ وازاحہ الاشتبہات عن طریق والاسناد، تالیف: محمد بن علی اردبیلی غروی حائری، ناشر: مکتبہ محمدی

۱۵۶۔ نزھۃ الخواطر، تالیف: علامہ شریف عبدالحی بن فخر الدین حسنی متوفی ۱۳۴۱ ہجری، طبع ثانیہ، مجلس دائرہ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن ہندوستان

۱۵۷۔ شجرۃ طیبہ، تالیف: سید فاضل علی شاہ موسوی صفوی خلخالی زادہ نشر: قم ایران

۱۵۸۔ تاریخ الامم والمملوک، تالیف: ابی جعفر محمد بن جریر طبری، موسسہ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان

۱۵۹۔ تاریخ قُم، تالیف: حسن بن محمد قمی، مترجم: حسن بن علی بن حسن بن عبدالمالک قمی، تحقیق: سید جلال الدین تہرانی، انتشاراتِ طوس، تہران

۱۶۰۔ فوائد تمام، تالیف: ابوالقاسم تمام بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن جنید، مکتبہ المرشد وشرکہ، ریاض، سعودی عرب

۱۶۱۔ التدوین فی اخبار قزوین
۱۶۲۔ الانساب، تالیف: حافظ ابی سعد عبدالکریم بن محمد منصور تمیمی سمعانی متوفی ۵۶۲ ہجری ، ناشر: دارالجنان، بیروت، لبنان
۱۶۳۔ بحارالانوار، تالیف: علامہ باقر مجلسی اردو ترجمہ مولانا حسن امداد
۱۶۴۔ آل الاعرجی، تالیف: نقیب سید حلیم حسن الاعرجی عراقی
۱۶۵۔ اصول المنھجیہ فی تاریخ ونسب السادۃ الاعرجیہ، تالیف: سید حلیم حسن اعرجی، ناشر: دارالحجۃ البیضاء، بیروت، لبنان
۱۶۶۔ تحفہ الازھار وزلال الانہار فی نسب ابناء الآئمہ الاطہار، تالیف: ضامن بن شدقم حسینی مدنی کان حیات سنہ ۱۰۹۰ ہجری، تحقیق: کامل سلیمان جبوری، ناشر: میراث مکتوب، تہران، ایران
۱۶۷۔ تکمہ الکمال فی انساب الاسماء والالقاب، تالیف: ابن صابونی متوفی ۶۸۰ ہجری
۱۶۸۔ سیر اعلام النبلاء ، تالیف: امام شمس الدین محمد ذہبی متوفی ۷۴۸ ہجری، ناشر: موسسہ رسالہ، بیروت، لبنان
۱۶۹۔ الکلینی والکافی، تالیف: ڈاکٹر عبداللہ رسول عبدالحسین غفار، ناشر: موسسہ اسلامی التابعہ للجماعۃ المدرسین، قم ایران
۱۷۰۔ رجال کشی، تالیف: ابی عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی متوفی ۳۵۰ ہجری، تحقیق: سید مہدی رجائی، موسسہ نشر فی جامعہ المشہد
۱۷۱۔ الاصول من الکافی ، تالیف: ثقہ الاسلام ابی جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی المتوفی ۳۲۹ ہجری، تعلیق: علی اکبر غفاری، ناشر: دارالکتب اسلامیہ، تہران
۱۷۲۔ درجات الرفیعہ، تالیف: صدرالدین سید علی خان شیرازی المتوفی ۱۱۲۰ ہجری، منشورات بصیرتی، قم ایران
۱۷۳۔ مجالس المومنین، تالیف: قاضی نور اللہ شوستری شہید، مترجم: محمد حسین جعفری، ناشر: اکبر حسین جیوانی ٹرسٹ کراچی
۱۷۴۔ الرجال ابن غضائری، تالیف: احمد بن حسین بن عبیداللہ بن ابراہیم واسطی بغدادی، ناشر: دارالحدیث، قم ایران
۱۷۵۔ مستدرکات اعیان الشیعہ ، تالیف: حسن امین، ناشر: دارالتعارف للمطبوعات، بیروت لبنان

۱۷۶۔ سراج الانساب، تالیف: سید احمد بن محمد بن عبدالرحمان کیا گیلانی، تحقیق: سید مہدی رجائی، ناشر: مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی

۱۷۷۔ الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح، تالیف: ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب شافعی متوفی ۸۰۲ ہجری، مکتبہ الرشید، مدینہ منورہ، سعودی عرب

۱۷۸۔ تاریخ انوار السادات المعروف گلستان فاطمہ، تالیف: سید ظفریاب ترمذی

۱۷۹۔ کتاب اساس الانساب الناس، تالیف: سید جعفر اعرجی، ناشر: مکتبہ ابوسعیدہ وثائیقہ، نجف اشرف، عراق

۱۸۰۔ خلاصۃ المناقب، تالیف: ملا نورالدین جعفر بدخشی، ناشر: مرکز تحقیق فارسی، ایران، و پاکستان

۱۸۱۔ احوال وآثار واشعار میر سید علی ہمدانی، تالیف: ڈاکٹر محمد ریاض

۱۸۲۔ تاریخ کبیر، تالیف: حاجی محی الدین

۱۸۳۔ کتاب جلوۂ کشمیر

۱۸۴۔ نور المومنین، تالیف: مولانا حمزہ علی

۱۸۵۔ پیام عمل، تالیف: وزیر احمد

۱۸۶۔ گلدستہ عباس، تالیف مولوی غلام حسین سلیم

۱۸۷۔ خاور نامہ، تالیف: عبدالحمید خاور

۱۸۸۔ آئینہ بلتستان، تالیف: شمیم بلتستانی

۱۸۹۔ صاحب مودۃ فی القرباء، تالیف: ڈاکٹر سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی، ناشر: یاور حسین جعفری مالگاؤں (ناسک) یو۔پی، ہندوستان

۱۹۰۔ دانشنامہ شیعیان کشمیر، تالیف: سید محسن حسینی کشمیری ہمدانی، ناشر: مرکز احیاء آثار برصغیر (شعبہ کراچی)

۱۹۱۔ نسب نامہ جلالیہ الموسوم بہ خلاصۃ الانساب، تالیف: سید مکرم حسین مجتہد، غیر مطبوعہ

۱۹۲۔ اشجار الکمال، تالیف: حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی، ناشر: ادارہ ہمدانیہ امام باڑہ خیرات علی شاہ جلالی علی گڑھ، بھارت

۱۹۳۔ اسناد بہارستان، نوسیندہ، رسول جعفریان، شمارہ اول بہار، ۱۳۹۰ ہجری، اسنادی دربارۂ چگونگی گردآوری شجرہ نامہ ہای سادات موسوی متعلق بہ حضرت آیت اللہ حاج محمد علی روضاتی صاحب جامع الانساب

۱۹۴۔ از ہمدان تا کشمیر، تالیف: اصغر علی حکمت

۱۹۵۔ سالارعجم، تالیف: سید عبدالرحمان ہمدانی، ناشر: سادات ہمدانیہ ویلفیئر ٹرسٹ، لاہور

۱۹۶۔ تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں، تالیف: غلام رضا شاہ ہمدانی (غیر مطبوعہ)

۱۹۷۔ نسب نامہ شریف، تالیف: سید محمد شاہ مشہدی سید کراں (غیر مطبوعہ)

۱۹۸۔ منبع الانساب، تالیف: سید معین الحق جھانسوی، ترجمہ: ڈاکٹر ساحل شہسرامی مدرسہ فیضان مصطفیٰ زہرہ باغ نئی آبادی، علی گڑھ ہندوستان

۱۹۹۔ تذکرہ سادات الھمدانی فی آل حبیب الرحمان، تالیف: سید شاہ عبدالباسط ہمدانی، ناشر: سید شاہ عبدالباسط دندہ شاہ بلاول

۲۰۰۔ تاجدارِ مدینہ کا پیغام حضرت شاہ مراد ہمدانی کے نام، تالیف: صوفی محمد نور عنایتی

۲۰۱۔ سازمان وکالت آئمہ ، تالیف: جباری

۲۰۲۔ حیات سیاسی وفکری امامان شیعہ، تالیف: جعفریان

۲۰۳۔ صواعق المحرقہ، تالیف: ابن حجر ہیتمی، نشر: قاہرہ، مصر

۲۰۴۔ الکنی والقاب، شیخ محدث قمی،

۲۰۵۔ مستدرک الوسائل، تالیف: محدث نوری

۲۰۷۔ صراط المستقیم، تالیف: نباطی بیاضی

۲۰۸۔ فرق الشیعہ، تالیف: نوبختی

۲۰۹۔ تذکرہ اولیائے ملتان، تالیف: سید امتیاز حسین شاہ، مطبوعہ ملتان

۲۱۰۔ تاریخ گلزار شمس، نشر اول

۲۱۱۔ الاصول فی ذریعہ بضعۃ البتول، تالیف: شریف انس بن یعقوب کتبی، ناشر: دار المجتبیٰ مدینہ منورہ، سعودی عرب

۲۱۲۔ آل بیت النبی فی مصر

۲۱۳۔ ریاحین الشریعہ

۲۱۴۔ دائرہ معارف التشیع

۲۱۵۔ عیون اخبار الرضا

۲۱۶۔ رجال البراقی، تالیف: ابی جعفر احمد بن ابی عبدالرشید براقی، تالیف: انتشارات، دانشگاہ

تہران، ایران
۲۱۷۔ الجامع فی الرجال، تالیف: آیت اللہ شبیری زنجانی
۲۱۸۔ تنقیح المقال، تالیف: مامقانی
۲۱۹۔ حیات امام موسیٰ کاظمؑ، تالیف: باقر شریف قرشی
۲۲۰۔ الغیبہ، تالیف: شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی
۲۲۱۔ مشاہد العترۃ الطاہرہ، تالیف: سید عبدالرزاق آل کمونہ اعرجی
۲۲۲۔ شجرہ طیبہ فی ارض مخصبہ، تالیف: علامہ سید رضا بن علی موسوی غریفی بحرانی، تحقیق: سید مہدی رجائی، منشورات مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی
۲۲۳۔ تحفۃ الکرام، تالیف: میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، بہ تصحیح وحواشی مخدوم امیر احمد و ڈاکٹر نبی بخش بلوچ مترجم اختر رضوی، طبع: سندھی ادبی بورڈ جام شورو، سندھ
۲۲۴۔ المنتظم، تالیف: ابن جوزی
۲۲۵۔ مقدمہ: ای بر مباحث تفسیری سید مرتضیٰ، تالیف: رضا شوانی
۲۲۶۔ کتاب نسب نامہ ساداتان متعلوی، بفرمائش سید مٹن شاہ، کاتب: حافظ محمد ہارون ٹکرائی، شائع: سندھی ادبی بورڈ
۲۲۷۔ تذکرہ صوفیائے سندھ، تالیف: اعجاز قدوسی، اردو اکیڈمی کراچی، بحوالہ تزکرہ پیران پارگاہ
۲۲۸۔ تذکرہ ناصر الملت، تالیف: مرزا احمد حسن کاظمینی، نظامی پریس لکھنؤ
۲۲۹۔ کحل الجواہر، تالیف: سید علی بن رضا موسوی کشمیری، ترجمہ: سید محسن حسینی ہمدانی، ناشر: مرکز احیاء آثار برصغیر
۲۳۰۔ تکملہ الوسائل، تالیف: حر عاملی
۲۳۱۔ حیاۃ الساسیہ امام رضاؑ، تالیف: جعفر مرتضیٰ عاملی
۲۳۲۔ نزھت القلوب، تالیف: حمد اللہ مستوفی
۲۳۳۔ شاہ عبداللطیف بری شمارہ نسخہ نمبر ۷۹۹۵ کاتب غلام حسین شاہ، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان
۲۳۴۔ اعلام الوریٰ، علامہ طبرسی،
۲۳۵۔ مجموعہ آثار مطہری

۲۳۶۔ دلائل الامامہ، طبری
۲۳۷۔ تفسیر عیاشی
۲۳۸۔ عوالم العلوم والمعارف حضرت زہراؑ تا حضرت امام جوادؑ، تالیف: عبداللہ اصفہانی بحرانی
۲۳۹۔ تحف العقول عن آل الرسول، تالیف: حسن بن علی بن حسین حرانی، موسسہ نشر اسلامی قم ایران
۲۴۰۔ تذکرہ الخواص، تالیف: ابن جوزی
۲۴۱۔ عیون المعجزات، تالیف: حسین بن عبدالوہاب
۲۴۲۔ خرائج والجرائح، تالیف: راوندی
۲۴۳۔ کمال الدین وتمام النعمہ، تالیف: شیخ صدوق
۲۴۴۔ منتخب الاثر، تالیف: صافی گلپائیگانی
۲۴۵۔ ینابع المودہ، تالیف: قندوزی
۲۴۶۔ بحر الانساب المسمیٰ بالمشجر الکشاف اصول السادہ الاشراف، تالیف: سید محمد بن احمد بن عمید الدین نجفی، تحقیق: شریف انس بن یعقوب ناشر: دار المجتبیٰ مدینہ منورہ، سعودی عرب
۲۴۷۔ بحر المطالب، تالیف: سید کرم حسین اچوی بخاری (غیر مطبوعہ)
۲۴۸۔ تاریخ داعوت وعزیمت، تالیف: ابوالحسن علی ندوی
۲۴۹۔ یادگار سہروردیہ، تالیف: ابوالفیض علی سہروردی
۲۵۰۔ مناہل الضرب فی انساب العرب، تالیف: نسابہ سید جعفر اعرجی حسینی، تحقیق: سید مہدی رجائی، ناشر: مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ نجفی مرعشی، قم ایران
۲۵۱۔ عظیم صوفی درویش شاعر وارث شاہ، تالیف: رانا رضوان ادریس گہی نوائے وقت ایڈیشن اردو، ۲۳ ستمبر ۲۰۱۳ء
۲۵۲۔ تذکرہ میر یعقوب علی خان نسخہ فارسی (قلمی) غیر مطبوعہ، تالیف: میر یعقوب علی چہارم
۲۵۳۔ تذکرہ مشاہیر سندھ، تالیف: مولانا دین محمد وفائی
۲۵۴۔ تاریخ لکھنؤ، تالیف: سید آغا مہدی لکھنوی، ناشر: کتب پرنٹر اینڈ پبلیشر، کراچی
۲۵۵۔ ورثہ انبیاء، تالیف: سید احمد نقوی، ناشر: موسسہ کتاب شناسی شیعہ قم
۲۵۶۔ نقش دلدار علی نقوی، دوگرایش شیعیان شبہ قارہ ہند بہ مسلک اصولی، تالیف: سید سبط حیدر زیدی

۲۵۷۔ ماہانہ وابستہ دہلی، کلیم سبطین نقوی، ج ا شمارہ ۱۰
۲۵۸۔ تزکرہ علماء ومشائخ سرحد، تالیف: محمد امیر شاہ قادری
۲۵۹۔ تاریخ صدر الاسلام، تالیف: نوبختی
۲۶۰۔ کبرت الاحمر، تالیف: محمد باقر خراسانی، ناشر: اسلامیہ، تہران، ایران
۲۶۱۔ العباس، تالیف: المقرم موسوی
۲۶۲۔ مقتل الحسین، تالیف: خوارزمی
۲۶۳۔ حیات ابی الفضل عباس، تالیف: ارود باری، نشر: موسوسہ علامہ ارود باری، کربلا
۲۶۴۔ سقائے کربلا، از کاشانی رجاجی،
۲۶۵۔ المحبر، تالیف: ابن حبیب بغدادی، نشر: دار الافاق جدیدہ
۲۶۶۔ تاریخ ملتان، تالیف: مولانا نور احمد خان فریدی، ناشر: قصر الادب نور محل براہ شجاع آباد ضلع ملتان

مؤلف کی دیگر مطبوعات